دنیائے تصوّف کی
عظیم تر تحقیق
تجدیدِ فقر
صُوفی شیر محمّد بزُدار
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

مرشد کامل سلطان الفقرا قلندرِ وقت مجدّدِ وقت

حضرت خواجہ **سیّد محمّد گُل حواص** شاہ صاحب

بخاری نقشبندی مجددی مدظلہ العالی المعروف

بابا بنوں والی سرکار

مسند نشین آستانہ عالیہ ڈھیری کلہ سیدان

ڈاک خانہ ممش خیل میران شاہ روڈ، بنوں

تحریر وتحقیق

صوفی (خلیفہ) **شیر محمد بزدار** (ایم اے، بی ایڈ) تونسہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور، کراچی، پاکستان

نام کتاب	تجدید فقر
مصنف	صوفی شیر محمد بزدار نقشبندی اوتاک خواجہ ٹاؤن، تونسہ شریف۔ 0333-6014850
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اپریل 2014ء، بار دوم
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TF70

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 32630411-32212011-021۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:-·www.ziaulquran.com

حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ صاحب بخاریؒ المعروف بابا بنوں والی سرکار

حضرت خواجہ صوفی نواب الدینؒ نقشبندی مجددی (موہری شریف)

انتساب

بندہ عاجز اس بحرِ معرفت کو ان دو برگزیدہ ہستیوں کی ذات بابرکات سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے کہ جن کی نگاہ کیمیا ساز نے حریمِ کبریا سے ایک انمول ہیرا تراش کر اصلاح نفوس کی خاطر روانہ فرمایا۔

(1) سلسلہ قلندریہ میں آپ کے پیشوائے معظّم یعنی آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ سید شاہ ولی سیدان شاہ بخاری المعروف ملنگ باباؒ کہ جن کی شانِ قلندری میں یہ شعر جچتا ہے۔

؎ نہ تخت و تاج میں ، نے لشکر و سپاہ میں ہے جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

(اقبالؒ)

(2) سلسلہ نقشبند میں آپ کے پیشوائے عالی مقام زرّیں زر بخت حضرت خواجہ صوفی نواب الدّین ؒ کہ جن کی شان فقر میں یہ شعر صادق آتا ہے۔

؎ نہیں فقر و سلطنت میں ، کوئی امتیاز ایسا یہ سپہ کی تیغ بازی ، وہ نگہ کی تیغ بازی !

(اقبالؒ)

(مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۱۹ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۲۰ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۲۱ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۲۲ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۲۳)

فہرست مشمولات

فہرست مشمولات

☆☆☆☆☆☆☆

پیش لفظ

ع ''ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں'' (اقبالؒ)

تاریخ انسانیت کی اگر ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام نے بلا واسطہ ذات الٰہی کا عرفان حاصل کیا ہے اور عوام الناس نے انبیاء کرام کے ذریعے یا ان کے اولیاء امت کے ذریعے بالواسطہ ذات خداوندی کا عرفان حاصل کیا ہے۔ اسی طرح خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد سے آج تک امت محمدیہ نے ہر دور میں اولیاء کرام کے واسطہ سے معرفت الٰہی اور قربت ایزدی حاصل کی اور تاقیامت حاصل کرتی رہے گی۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ ہر دور میں انسانیت کی ترقی کے پس پردہ کسی نبی یا کسی نبی کے خاص پیروکار (ولی اللہ) کا ہاتھ رہا ہے۔ بالفاظ دیگر عروج انسانیت کا دارو مدار مردان خدا کی ذات بابرکات رہی ہیں۔ ہر اہل علم جانتا ہے کہ قرآن کریم میں خداوند کریم جہاں کسی معاشرے کے اخلاقی عروج کا تذکرہ فرماتا ہے وہاں اس بات کا مرکزی کردار کسی اولوالعزم نبی کو ٹھہراتا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی بھی دور اِن سے خالی نہیں رہا قرآن شاہد ہے۔ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ ۔(فاطر 24) ''اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گذر چکا'' پھر ان کی حقانیت کو مضبوط کرنے کے لئے با قاعدہ حکم فرمایا کہ وَكُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ ۔(توبہ 119) ''اور (ان) سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' ان سچے اور انعام یافتہ لوگوں کے چار طبقے۔ (1) انبیاء کرام، (2) صدیقین، (3) شہداء، (4) صالحین، شمار فرما کر ان کا یہ طرہ امتیاز بیان فرمایا کہ۔ تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ۔(مریم 63) ''یہ وہ باغ (بہشت) ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے کریں گے جو پرہیز گار ہے۔''

انسان نے عرض کیا خدایا! ''ہم اس مقام تک کیسے پہنچیں گے''؟ خدا نے جواب کی پختگی کے لئے انسان کی اپنی زبان سے کہلوایا کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ط ''ہم کو سیدھے راستہ پر چلا راستہ ان کا جن پر تو نے احسان (انعام) کیا۔''

خدایا! تیرا دروازہ تو ہر وقت کھلا ہوا ہے اور تیری ذات شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پھر اپنے بندوں کے راستے پر چلنے کی کیا شرط لگائی ہے؟ جواب میں فرمایا کہ ''سبب'' سے کام لینا تو میرا قانون ہے۔ چاہے فرشتوں سے یا نبیوں سے یا اپنے خاص بندوں سے۔ اس لئے جو مجھ سے ڈرتا ہے وہ مجھ تک پہنچنے کے لئے میرے خاص بندوں کا وسیلہ اختیار کرے۔ تاکید فرمائی۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ (مائدہ 35) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف (قربت حاصل کرنے کے لئے) وسیلہ ڈھونڈو۔''

جس طرح کہ ایک طالبعلم کے لئے دو ذرائع کی ضرورت ہوتی ہے ایک کتاب دوسرا اُستاد۔ اسی طرح عرفان حقیقت جیسے عظیم مقصد حاصل کرنے والے طلباء کے لئے ابد تک قرآن مجید بطور کتاب اور اولیاء امت بطور استاد

رہیں گے۔ ماسوائے ان کے باطل اور گمراہی کا راستہ ہے۔ یہ حکمت صرف اس بات تک محدود نہیں بلکہ آفتاب سے لے کر ذرہ تک حتیٰ کہ یہ ساری کائنات اسباب وعلل سے عبارت ہے۔ اوران کی اہمیت کوانسان سے باقاعدہ حکماً تسلیم کرایا گیا ہے۔ ارشادخداوندی ہے۔ وَاٰتَيۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ سَبَبًا۔ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا۔(الکھف85) ''اور ہر چیز کا ایک سبب عطا فرمایا تو وہ ایک سبب کے پیچھے چلا۔''

یعنی توسط الی اللہ کے سب ذرائع روحانیت (نوری ملائکہ یا انبیاء واولیاء کی ذات) سے وابستہ کر رکھے ہیں۔

مطلب! ازل سے ابد تک اس کائنات کی ترتیب وتقسیم روحانیت کی بنیاد پر کی گئی ہے اوراس میں روحانیت روح رواں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے یہ ''دنیا'' مومن جانباز کی میراث ٹھہری اور ''بہشت'' اس کی جائے سکونت مقرر کی گئی۔ لہٰذا کارگاہ حیات میں اور بعداز انبیاً ۔ اولیاً کرام کی ذات قابل تقلید رہی ہے۔ اور یہ تقسیم خداوندی ہے کوئی سپاہ اور کوئی سپہ سالار، ان پاکباز ہستیوں کی تعلیمات کی پابندی سے انسان عروج کمال کو جا پہنچا اوران کی بے قدری سے گمراہی کے گڑھے میں جا گرا۔ خدا محفوظ فرمائے۔

عالم اسلام کے فلسفوں میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ہر دور میں کلیم سربکف! فقیر باطل کے مدمقابل سینہ سپر رہا ہے اور حکیم سربجیب! مناظر باز اور مادہ پرست۔ فضول مباحث اور فتنہ وفساد میں مدہوش رہا ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ صحبت پیر روم سے، مجھ پہ ہوا یہ راز فاش — لاکھ حکیم سربجیب! ایک کلیم سر بکف!

المختصر عقیدت وصحبت اولیاء میں راز زندگی پوشیدہ ہے اوران سے دوری ونفرت! ناکامی ونامرادی کا پیش خیمہ ہے۔ اب سوچنا یہ چاہیے کہ دورِ حاضر میں نسل نو کواس حقیقت کا پتہ کیوں نہیں چل رہا۔ اس کی تین وجوہات ہیں۔

1:۔ فکر معاش۔ بقول اقبالؒ:

؎ عصر حاضر ملک الموت ہے ترا، جس نے — قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش!

2:۔ دور جدید کی اندھی تقلید۔ بقول اقبالؒ:

؎ لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید — مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

3:۔ فرقہ پرست اور مناظر باز علماء کی صحبت۔ بقول اقبالؒ:

؎ میں جانتا ہوں انجام اس کا — جس معرکے میں ملا ہوں غازی!

اس کتاب میں ان وجوہات کے مضر اثرات کو بے نقاب کر کے پیش کیا گیا ہے اور فقر وحقیقت کے صاف و شفاف راستے کی نہ صرف الفاظ میں نشاندھی کی گئی ہے بلکہ ایک روحانی کردار پیرِ کامل قلندرِ وقت سلطان الفقراً حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری نقشبندی مجددی مدظلہ العالی المعروف بابا بنوں والی سرکار کی ذات بابرکات کو بطور

تقلیدی نمونہ پیش کیا گیا ہے تا کہ قارئین کتاب پڑھ کرفوراً صاحب کتاب سے تقاضائے کتاب کو پورا کرتے ہوئے عملی روحانی فیض بھی حاصل کرسکیں تشنگان حقیقت کے لئے صدائے عام ہے۔

☆''کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ!'' ''بنوں'' سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

خداوند کریم ملک وملت کے نوجوانوں کو روحانی موت سے بچا کر صوفیا کرام اور اولیأ عظام کی صحبت ونگاہ سے نوازے کہ اس گتھی کو سلجھانا صرف نگاہ کا کام رہا ہے۔خدا توفیق دے۔ آمین۔

فقط خاک پائے مرشد

شیر محمد بزدار نقشبندی۔ایم اے،ایم فل۔

20-03-1992

بمطابق 14 رمضان المبارک 1412ھ

☆یہ مصرعہ علامہ اقبالؒ کا ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

بندۂ ناقص شروع شروع میں جب اپنے مرشد کامل سلطان الفقراً قلندرِ وقت حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کے حلقہ ارادت میں آیا۔ تو چونکہ ان کی محفل میں ہمہ وقت سوز و گداز سے بھرپور محرمانہ اور عارفانہ گفتگو رہتی۔ اس لئے جونہی صحبت مرشد سے دور ہوتا رنگ محفل متواتر سامنے رہتا۔ جس نے مجھے اس بات پر مجبور کر دیا کہ مستقبل کی رہنمائی کے لئے مرشد کے انمول فرمودات کو کیوں نہ قلم بند کر کے اپنے پاس محفوظ کر لوں۔ چنانچہ اس احساس نے عملی صورت اختیار کر لی چند دنوں کی تحریرات کو جب خود دوبارہ پڑھا اور کئی مخلص دوستوں کو پڑھایا تو دوستوں کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ یہ بھی اصرار ہونے لگا کہ سابقہ کتاب ''برکاتِ نقشبند'' کا ایڈیشن عنقریب ختم ہونے والا ہے، جسے شاہد حسن نے مرتب کر کے زیور طبع سے آراستہ کیا تھا۔ اس میں کئی واقعات و ارشادات اور خاص کر کشف و کرامات کی کمی رہی ہے۔

ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سے بہتر مستقل فنی صورت میں بھی ایک مکمّل اور جدید قسم کی مرشد کامل کی مجددانہ شایان شان ایک جامع کتاب تیار ہو۔ تاکہ اس میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے۔ جب مُرشد کامل کے سامنے یہ بات پیش ہوئی تو انہوں نے بھی نہایت شفقت کے ساتھ اس کوشش کو سراہا اور کامیابی کی دُعا فرمائی۔ چنانچہ اس کے بعد اپنی تعلیم (ایم فل کا مصمّم ارادہ تھا) کو بھی ختم کرنا پڑا۔ تن تنہا ملازمت اور دوسری مصروفیات کے باوجود قرآن و حدیث اور کتب تصوف کی بھی کافی ورق گردانی کرنی پڑی۔ چونکہ پہلی زندگی اور موجودہ زندگی میں کوئی خاص مناسبت نہیں تھی۔ از سر نو ایک نئی دنیا کی تحقیق کرنا اور وہ بھی کم وقت میں، ایک نہایت کٹھن مرحلہ تھا۔ اس لئے کتاب کی تیاری میں اگرچہ دو اڑھائی سال کا عرصہ لگ گیا۔ مگر یہ بات باوثوق کہی جا سکتی ہے کہ اس میں حتی الوسع ہر طرح کی کمی کو دور کر کے اور وقت کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر دُنیائے تصوف میں ایک نئے اور اہم باب کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ تصنیف عالم تصوف کے لئے مرشد کامل کے ہاتھوں ایک مہمیز کامل ثابت ہو۔ اسی حکمت کے پیش نظر کتاب کا نام بھی ''تجدید فقر'' تجویز کیا گیا ہے کہ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار اس منصب غوثیّت اور مجددیّت کے حامل ہیں اور دنیا آپ کو سلطان الفقراً کے لقب سے پکارتی ہے۔ اس کی ہر سطر اور صفحہ میں قاری کو اسی معیار کا ثبوت ملے گا۔ خصوصاً حالات زندگی پڑھنے کے بعد، کہ ایک انقلاب آفریں انسانِ کامل کی عظمت کا پتہ اس کے ذاتی کردار اور حالات زندگی سے چلتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتاب نہ صرف مریدین اور مکتب تصوّف کے سلاسل کے لئے لکھی گئی ہے۔ بلکہ یہ انشاء اللہ مرشد کامل کے طفیل ایک ناواقف انسان سے لے کر ایک کامل انسان تک اور ہر مکتب فکر کے فرد کی بھی مکمّل رہنمائی کر سکتی ہے۔ ہر درجے کے سالک کا معمّہ اس کی ورق گردانی سے حل ہو سکتا ہے اس لئے اس کتاب کے پڑھنے سے مکتوباتِ امام ربّانیؒ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ مزید برآں پڑھنے والوں کے لئے اس میں ادبی ذوق کا بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ تاکہ قاری ذہنی تھکاوٹ محسوس نہ کرے۔ زبان کی سلاست اور

شان وشوکت کا معیار بلند سے بلند تر رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ علوم دین، سیاست دنیا اور رموز معرفت بیان کرنے کے علاوہ ایک مکمّل ادبی شہ پارہ بھی ہے۔

؎ از زور قلم کردہ مکتب بہ کتاب اندر　　　این طرفہ تماشا بیں دریا بہ حباب اندر

(زور قلم سے مکمّل مکتب انسانیت اس کتاب میں موجود ہے۔جس طرح کہ دریا حباب میں)

المختصر اس کتاب کی تکمیل کے لئے پاکستان کے دور دراز علاقوں یہاں تک کہ غیر ممالک میں بھی رہنے والے مرشد کریم کے خاص خاص صحبت یافتہ حضرات سے رابطہ کر کے مواد اکٹھا کیا گیا ہے۔تا کہ بعد میں کسی دوست کو یہ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہے کہ فلاں بات رہ گئی ہے۔

علاقہ کروڑ لعل عیسن ضلع لیہ (پنجاب) سے بہت عرصہ پہلے چھپا ہوا ایک مختصر کتابچہ ''انوار بخاری'' کا نچوڑ اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔اس کے بعد اس سے درجہا بہتر اور مجمل صورت میں (بمنزلہ فصوص الحکم ابن عربی) چھپی ہوئی دوسری کتاب موسوم بہ ''برکات نقشبند'' جسے علاقہ کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) کے عقیدت مندوں نے ایک مختصر عرصے میں بنا سنوار کر چھپوایا تھا۔(میری اس کوشش کا محرک دراصل یہ کتاب بھی رہی) اس کے مرتب کنندہ جناب شاہد حسن خان سے خاص طور پر اس بات کی اجازت لی گئی کہ برکات نقشبند کے سب مواد کو اس نئی کتاب میں مزید تحقیق و تدوین کے بعد مفصّل طور پر (بمنزلہ فتوحات مکیہ) شامل کیا جائے۔تا کہ بجائے ریزہ چینی کے صرف ایک کامل دستاویز تیار ہو۔

علاوہ ازیں اس کتاب کی تیاری میں بندہ ناقص کو دیگر پیر بھائیوں کی امداد کے علاوہ خصوصاً جناب ڈاکٹر عبدالشکور نقشبندی (کوٹ ادو) کی راہنمائی اور خصوصی مالی اعانت حاصل رہی ہے۔خداوند کریم انہیں فیض مرشد سے دونوں جہانوں میں مالا مال فرمائے۔آمین۔

یہ دراصل مجھ ناقص اور بادیہ نشیں انسان کا کام ہرگز نہیں تھا مگر یہ سب مرشد کامل کی ایک نگاہ کا کرشمہ ہے۔

بقول حضرت سلطان باہوؒ: ع مرد نظر کرے جس ویلھے مشکل رہے نہ کائی

خداوند کریم ایسے شفیق، مہربان اور کامل مرشد کے صدقے اور اپنے دامان رحمت کے طفیل ہمیں رسوائی حشر سے محفوظ فرمائے۔ہمارے پاس اور تو کچھ نہیں مگر! بقول حافظ شیرازیؒ:

؎ روز محشر ہر کسے حاضر شود با نامۂ　　　من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

(میدان محشر میں ہر شخص اپنے اپنے نامہ اعمال کے ساتھ حاضر ہوگا۔لیکن میں صرف تصویر یار بغل میں دبائے خدا کے سامنے حاضر ہو جاؤں گا۔)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

فرمان حضرت سخی لعل شہباز قلندرؒ

؎ رسیدم من بدر یائے کہ موجش آدمی خوار است
نہ کشتی اندر آں دریا نہ ملاحے عجب کار است
شریعت کشتی دارد، طریقت بادبان او
حقیقت لنگر دارد کہ راہ فقر دشوار است

(شیخ عثمان مروندی حضرت سخی لعل شہباز قلندرؒ)

(میں ایسے دریا (بحر معرفت) میں پہنچ گیا ہوں کہ اس کی موجیں جان لیوا ہیں۔ جہاں نہ کوئی کشتی ہے اور نہ ملاح۔ ہاں اس میں اگر کوئی تیرنا چاہے تو شریعت کی کشتی طریقت کا بادبان اور حقیقت کا پتن بنالے تب وہ اپنی جان بچا سکتا ہے کیونکہ راہ فقر بہت دشوار گزار ہے کوئی شارع عام نہیں۔) بقول رومیؒ:

؎ نکتہ ہاچوں تیغ الماس است تیز
گرنداری تو سپر واپس گریز

(اولیاء کرام کی باتیں تیغ آبدار سے زیادہ بُرّاں (کاٹنے والی) ہوتی ہیں اگر تیرے پاس قوت فہم (ڈھال) نہیں ہے تو بھاگ جا۔(دم بخود رہ))

مقدمہ کتاب

آج! اس پرفتن نفس پرستی اور دین کی کم فہمی کے دور میں جب ایک مسلمان نفس اور شیطان کے چنگل سے چھوٹ کر کسی پیر کامل کے دست حق پرست پر توبہ کر کے شرف بیعت حاصل کر لیتا ہے۔ تو مرشد کامل کی توجہ باطنی سے اگر اسے ایک دو اچھے خواب نظر آئیں یا چند ایک غیبی اشکال (کسی ولی اللہ یا نبی اللہ کی خواب میں زیارت) کا مشاہدہ کرے یا تین چار آدمی اسے ادب سے سلام کر کے اس کے ہاتھ چومنے لگیں تو وہ آفت شہرت اور نفس وشیطان کے دھوکے میں آ کر غرور وتکبّر کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دوبارہ زوال میں آ کر وہاں کھڑا ہو جاتا ہے جہاں سے ابتداء ہوئی تھی۔ بقول اقبالؒ:

ے وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبّت میں یکتا، حمیّت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

یا کسی دوسرے (ہم مسلک دوست) کی ترقی دیکھ کر حسد کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ راہ حقیقت وفقر کی سب سے بڑی بنیادی رکاوٹیں ہیں۔ اس لئے خواص وعوام میں سے ہر صاحب فقر کے لئے مگر سلسلہ نقشبند میں تو خاص کر (کہ اس میں روز اول ہی سے ترقی شروع ہو جاتی ہے) ان چیزوں کی طرف توجہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔ وگرنہ سالک کا باطنی سفر رک جاتا ہے اور روبہ زوال ہونے لگتا ہے۔ بقول مجدد الف ثانیؒ:

ے چوں غلام آفتابم ہم ز آفتاب گویم نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(ہم سورج جیسی حقیقت کے پروردہ ہیں اس لئے سورج (عینی مشاہدات) ہی کی بات کرتے ہیں۔ ہم خواب جو حقیقت کا چالیسواں حصہ ہے۔ پر قناعت کرنے والے نہیں کیونکہ نہ ہم اندھے ہیں اور نہ غفلت کے اندھیرے میں سوئے ہوئے ہیں۔ کہ ٹامک ٹوئیاں مارتے پھریں بلکہ ہم چشم بینا کے مالک ہیں براہ راست مشاہدے کی بات کرتے ہیں۔)

اس کی وجہ ظاہری صورت میں اس کی کم علمی اور کم فہمی یا انقطاع (چھوٹنا) صحبت مرشد کی نشاندھی کرتی ہے۔ یا اسے حقیقت کا پتہ ہی نہیں ہے۔ اگر اسے اپنی اصل منزل کا پتہ ہوتا تو ایسی گھٹیا باتوں کی طرف توجہ تک نہ دیتا۔ اسی بات کو محسوس کر کے بندہ نے راہ سلوک کے طالبوں کے لئے یہ مقدمہ لکھا او کچھ دوسری چیزوں کا موقع محل کے مطابق اضافہ کر دیا۔ اس میں انہیں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تیری اصل منزل یہ نہیں کہ جس میں تو الجھ کے رہ گیا ہے۔

ے پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے (اقبالؒ)

تو نے اس دنیا کو اپنی قوّت بصارت (جہاں تک ظاہری آنکھ دیکھ سکتی ہے) تک، نور بصیرت (باطنی نگاہ جو فرش تاعرش دیکھ سکتی ہے) کو نظر انداز کر کے محدود سمجھ رکھا ہے۔ یا تو نے اپنے آپ کو زمین و آسمان کے درمیان صرف ایک خطے تک محدود تصور کیا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔

؎ نہ تو زمیں کے لئے ہے ، نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے، تُو نہیں جہاں کے لئے (اقبالؒ)

یہ زمین و آسمان پر مشتمل کائنات محدود ہے۔ مگر تجھے خدا نے لامحدود پیدا کیا ہے۔ تیری تگ و دو اس عالم رنگ و بو تک محدود نہیں بلکہ۔

؎ قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی ، آشیاں اور بھی ہیں! (اقبالؒ)

تو نے اپنے آپ کو شام وسحر اور ماہ وسال کے تابع سمجھا ہے۔ اور ان کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالا ہوا ہے۔ حالانکہ تجھے ان پر واضح طور پر بآواز دہل حاکم بنا کر تسخیر فطرت کے لئے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ تو کائنات کے تابع نہیں مگر کائنات تیرے اشاروں کے تابع ہے۔

؎ عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے (اقبالؒ)

تیرا کام دوزخ سے ڈرنا نہیں بلکہ دوزخ کا تیرے آتش عشق سے ڈرنا ہے۔ تیرا کام بہشت کی لالچ میں پڑنا نہیں بلکہ بہشت کا تیری لالچ میں گرفتار ہونا ہے کہ خدایا! اس مردمومن سے میری زمین کو شرفیاب فرما۔ تیرا کام موت سے ڈرنا نہیں بلکہ ملک الموت کا تجھ سے ڈرنا ہے کہ اگر ابھی تک اس کی مرضی نہ ہو تو خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا۔ یا کہیں اس کے پاس آنے جانے میں بے ادبی نہ ہو جائے۔ بقول اقبالؒ:

؎ مسلمانیکہ مرگ ازوَئے بلَرزد
جہاں گردیدم و او را ندیدیم

ترجمہ:۔ افسوس! وہ مسلمان کہ جس سے موت ڈرے۔ اس جہاں میں کم دیکھا ہے۔

تیرا کام صرف بغیر کسی ستون کے کھڑے ہوئے آسمان کو دیکھ کر خدا کا تسلیم کرنا نہیں بلکہ بالمشافہ دیکھ کر اسے تسلیم کرنا ہے۔ تیرا کام نفس کی تابعداری نہیں بلکہ نفس تیری محکومی میں دیا گیا ہے۔ تیرا کام شیطان سے ڈرنا نہیں بلکہ خدا کی ذات قہار سے ڈرنا ہے۔ جو سب نفع ونقصان کا مالک ہے۔

تیرا کام حُبِّ دولت اور حُبِّ اولاد نہیں بلکہ حُبِّ محبوب خداؐ ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است!

(اپنے آپ کو حضرت محمد ﷺ تک پہنچا دے کہ ''دین'' انہی کی ذات ہے اگر ان تک نہ پہنچا تو تو ابولہب ٹھہرا۔)

تیرا کام زمین خاکی پر سجدہ کرنا نہیں بلکہ حریم عرش حضور الٰہی سجدہ کرنا ہے۔ تیرا کام جا کر کعبہ دیکھنا نہیں بلکہ ربِ کعبہ کو دیکھنا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ حج کردن زیارتِ خانہ بود
حجِ ربّ البیت مردانہ بود

(حج کرنا تو ایک کوٹھے کو دیکھنے کا نام ہے۔ جوانمردوں کا حج کوٹھے کے مالک کو دیکھنا ہے۔)

تیرا کام صرف ایک ماہ کا روزہ رکھنا نہیں بلکہ ساری زندگی فرشتہ خصلت بن کر فرشتوں کو بھی اپنی گرد راہ میں گم کرنا ہے تیرا کام سال کے بعد چند پیسوں کی زکوٰۃ دینا نہیں بلکہ رات دن خدمت خلق کر کے جسمانی زکوٰۃ اور پھر سیرابی معرفت حاصل کر کے روحانی زکوٰۃ دینا ہے۔ شریعت وطریقت تیرے جسم خاکی سے پھوٹے ہوئے دو طلاطم خیز سمندر ہیں نہ کہ تو ان سے۔ تو اس دنیا میں خوردونوش خواب وخور اور نا ؤنوش کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ خلیفۃ اللّٰہ کا منصب سنبھالنے آیا ہے۔ تیرا کام صرف اُبھرتے ہوئے سورج، چمکتے ہوئے ستاروں اور ڈوبتے ہوئے چاند کا دیکھنا نہیں بلکہ لامکان سے لے کر تحت الثریٰ تک کا عالم تیری ایک نگاہ کی زد میں رکھے ہوئے خاشاکِ راہ کی حیثیت سے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ تو میر لشکر تو میر میداں
نوری حضوری تیرے سپاہی

تو قاری نہیں بلکہ قرآن ہے، تو لاشئے نہیں بلکہ بُرہان خدا ہے۔ تیرا وجود شرح کتاب نہیں بلکہ خود اُم الکتاب ہے۔ تو پابند قالب نہیں بلکہ قالب کائنات تیرے اشاروں کا پابند ہے۔ تو تابع تقدیر نہیں بلکہ خود تقدیر ہے، تو قید مکاں نہیں بلکہ مکاں ولامکاں تیرے مقیّد ہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ تو ابھی رہگذر میں ہے، قید مقام سے گزر!
مصر و حجاز سے گذر، پارس و شام سے گذر!

تیرا کام عالم مادیت کی عارضی رنگ و بو پر فریفتہ ہونا نہیں بلکہ عالم حقیقت میں پہنچ کر اس حسن بے مثل پر فریفتہ ہونا ہے کہ یہ سب چیزیں جس کے چہرے کا پَرتو اور عکس ہیں۔ اپنی حقیقت پہچان تو ایک ٹوٹا ہوا تارا نہیں بلکہ ماہ کامل ہے۔

؎ عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا ماہ کامل نہ بن جائے (اقبالؒ)

تیرے اعضاء پابند عناصر نہیں بلکہ تیرا ہاتھ یدُاللّٰہ، تیری زبان لسانُ اللّٰہ، تیرا ارادہ یُریدُ اللّٰہ، تیری آنکھ وجہُ اللّٰہ،

تیرا قلب بیتُ اللہ، تیری منزل فنا فی اللہ اور سیر فی اللہ ہے۔ تیرے اختیار میں صرف اس دنیا (عالم ناسوت) کی شکست و ریخت نہیں بلکہ عالم ملکوت، عالم لاہوت اور عالم جبروت کو بھی تیرے اختیار میں دیا گیا ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!

تو ننگ دین وملت نہیں بلکہ ناموس رسالت کا امین ہے۔ تو تہذیب مغرب (بے سکونی و مادہ پرستی) کا غلام نہیں بلکہ فقر بایزید کا شہکار ہے۔ اے طالب حقیقت! احساس کر کے نفس و شیطان کو لات مار دے جو راہ حقیقت کے ظاہری راہزن ہیں۔ وسیع الظرفی کا مظاہرہ کر کے شہرت دنیا کی بجائے شہرت عقبی کا طالب بن جسے بقائے دوام ہے۔

قسمت کی یاوری سے جب تو ایک مرد کامل کی غلامی میں آ گیا تو ایسے سمجھ لے کہ مرشد کامل ہی کے پس پردہ سب حقیقتیں چھپی ہوئی ہیں مگر تیرے لئے صرف شرط وفاداری، صداقت اور استقامت ہے۔ ایسے مرد کامل کی غلامی میں فنا ہو کے دیکھ پھر وہ چیز ہاتھ لگے گی جو زمین و آسمان کو چھان مارنے سے بھی نہ مل سکے گی۔ بقول اقبالؒ:

؎ تمنّا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

رومیؒ بتاتے ہیں:

؎ دست زن در ذیل صاحب دولتے
تاز افضالش بیابی رِفعتے

(کسی دولت عشق کے مالک کا دامن تھام لے تاکہ اس کے اقبال (بخت) سے تجھے بھی بُلندی اقبال ہاتھ لگے۔)

مرشد کامل نے بایزید بسطامیؒ جیسے مجدد بزرگِ کامل کو صرف ایک نصیحت کر کے رخصت کیا کہ:

؎ با یزیدا ہر کجا چوں میروی
باید اول طالبِ مردے شوی

(بایزید تو جہاں بھی چلا جائے صرف کسی مرد کامل کا متلاشی رہ اور بس۔)

المختصر مقالاتِ تصوف میں شامل اہم نکات اس حقیقت کو عیاں کر کے ایسے اہم مسائل تصوف اور بنیادی ضروریات سالکین و مریدین کو آسان فہم انداز میں بیان کرتے ہیں جو آگے کتاب میں موجود علوم مرشد اور فیض مرشد کے لئے بحیثیت دروازہ (Gate way) کے ہیں تاکہ ابتدائی اور متوسط سالکین صحیح معنوں میں ان سطور سے استفادہ کر کے دائیں بائیں دیکھے بغیر اپنی اصل منزل پر نظر جما کر ہمہ تن متوجہ رہیں۔ تاوقتیکہ گوہرِ مراد اور وصالِ محبوب حاصل نہ ہو۔ مرشد کا کام شجر معرفت کی سیرابی کرنا ہے اور مرید کا کام اس شجر معرفت کو مضر جڑی بوٹیوں اور بیرونی دست بُرد سے محفوظ

رکھنا ہے۔ تا کہ یہ شجر ثمر تک پہنچ جائے۔ اس لئے یہ معلومات سالکین کی روزمرہ زندگی میں خشتِ اول کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان مسائل پر بندہ کو قلم اٹھانے کی اس وقت ضرورت پڑی جب کتب تصوف میں ان کا فقدان محسوس کیا۔ کیونکہ ان مسائل پر کسی مصنّف نے مستقل قلم نہیں اٹھایا کہ ایسی چیزوں کو یکجا کر کے ایک ناواقف شخص کے سامنے پیش کیا جائے۔ البتہ بعض ضخیم، نایاب اور اعلیٰ پائے کی مشکل عبارات پر مشتمل کتابوں میں وہ بھی چند سطور یا ایک آدھ صفحہ یا نہایت مختصر مجمل ابواب دیکھنے میں آئے ہیں۔ مگر وہاں تک بغیر کسی ذہن رسا کے ایک عام فہم ابتدائی مرید کا پہنچنا ناممکن ہے اس لئے بڑی تحقیق کے بعد ان چیزوں کو قرآن و حدیث اور کتب تصوف سے لے کر یکجا کر کے پیش کیا ہے۔

مگر پھر بھی اس میں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ کماحقہٗ یا کُلی طور پر ان جامع اور گُنجلک (پیچیدہ) مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف اس راستے کی طرف نشاندہی ''تا دراو'' رہنمائی کا کام سرانجام دیا گیا ہے آگے سمندر جانے اور تیراک (مرید جانے اور مُرشد) کیونکہ علوم عارفین زبان وقلم کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ بقول رومیؒ:

؎ عقل در شرحش چوں خر در گِل بخُفت
رمز عشق و عاشقی ہم عشق گُفت

(عقل حالِ عشق بیان کرنے سے اس طرح عاجز ہے جس طرح کہ گدھا دلدل میں آ کر پھنس کے رہ جاتا ہے عشق و عاشقی کے اسرار و رموز عشق ہی بیان کر سکتا ہے۔)

خداوند کریم مرشد کے طفیل حقیقت کو سمجھنے اور پھر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

خادم آستانہ مُرشد
صوفی شیر محمد بُزدار

حصّہ اوّل

مقالاتِ تصوّف

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر!

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر !

(بھرتری ہری)

(۱) انفرادی خصائص

سید السّلاسل، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ وقلندریہ

الحمد اللّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی رسول خیر خلقہ و نور عرشہ افضل الانبیاء والمرسلین۔

شکر بے انتہا اس ذات کریم کا کہ جس نے اپنی مخلوقات میں سے اشرف المخلوق، حسن و جمال میں یکتا، رشک افلاکیاں یعنی اپنی صورت بے مثال پر تخلیق فرما کر شرف انسانیت بخشا۔ پھر اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کہ جن پر کروڑوں درودہوں کی اُمت میں سے پیدا فرما کر احسان عظیم کیا۔ جس کے اُمتی ہونے کے لئے اولوالعزم انبیاء بھی ترستے رہے۔

مزید برآں اس پُرفتن اور قحط الرجال دور میں اپنے محبوب علیہ السّلام کی آل پاک کی غلامی سے سرفراز فرما کر ہم جیسے گنہگاروں پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دی۔ اگر ہم ان کے حسن کی طرف دیکھیں تو جمال مصطفوی ﷺ کا آفتاب درخشندہ، اگر ولایت کی طرف دیکھیں تو غوث زماں، اگر جلالت کی طرف دیکھیں تو قلندرِ وقت، اگر شریعت وطریقت کی طرف دیکھیں تو مجدّد وقت، اگر علوم معرفت کی طرف دیکھیں تو فطری عارف۔ اگر خانوادے کی طرف دیکھیں تو فاطمی، حسنی، حسینی اور بخاری سید کہ ساری کائنات ان کے ایک بال برابر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کی پاک رگوں میں خون محبوب کبریا ﷺ وعلی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے علاوہ غیرت شبیری بھی دوڑ رہی ہے۔ اگر ان کے سلسلے کی طرف دیکھیں تو سید السّلاسل یعنی سلسلہ نقشبندی کہ جس کی ابتداء افضل البشر بعد از انبیاء مرکز پرکار عشق، راز دار و یار غار مصطفٰی ﷺ، خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انتہاء فارق حق و باطل، قاطع فتنہ دجّال، آخری مجدد نقشبند، خاتمِ اولیاء امت محمدیہ حضرت امام مہدی علیہ السلام آخر الزماں پر ہوگی۔

ایسے کامل اکمل مرشد! منبع اوصاف واخلاق مصطفوی ﷺ کی شان میں عارف رومی کے درج ذیل اشعار بے ساختہ یاد آتے ہیں۔ کہ جنہوں نے اپنے مرشد کی بحر صفات سے ایک قطرے کا یوں اظہار فرمایا تھا۔ جیسے کہ اس دور میں زبان حال سے ہمارے مرشد کریم کی شان والا صفات میں نغمہ سرا ہوں۔

؎ شمس تبریزی کہ نُور مطلق است　　آفتاب است و زِ انوار حق ست

(شمس تبریزی نور مطلق ہیں۔ آسمان معرفت کے درخشندہ آفتاب اور خدا کے ذاتی انوار میں سے ہیں)۔

؎ چوں سخن در روئے شمس الدین رسید　　شمس چارم آسماں سردر کشید

(جب بات حقیقی شمس یعنی میرے مرشد کے چہرۂ انور تک پہنچی تو مجازی شمس (سورج) چوتھے آسمان سے چندھیا کر پیچھے ہٹنے لگا۔)

؎ فتنہ و آشوب خوں ریزی مجو بیش ازیں از شمس تبریزی مجو

(آشوب قیامت برپا ہوگی یا شریعت سے قدم باہر نکال کر تختہ دار پر چڑھنا ہوگا۔اس سے زیادہ شمس تبریزی کی بات نہ پوچھو۔)

تو ایسے جامع کمالات مرشد کامل، شہکار فقر ومعرفت، شہباز لاہوت کہ جن کی جس صفت کی طرف دیکھیں درجہ کمال پر پاتے ہیں ان سے منسلک سلسلے کی انفرادی شان اور اوصاف بیان کرنا، سعادت دو جہاں سے کم نہیں۔

ہم پر خداوند کریم کے باقی احسانات تو ایک طرف اگر تا زیست صرف سلسلہ نقشبند میں بیعت ہو کر اس دائرہ خدا پناہ میں آنے کا شکرادا کرتے رہیں تو ہرگز ادا نہ کر سکیں گے۔ہم گنہگار لوگ کہاں اور یہ عالی شان سلسلہ کہاں۔

ع چہ نسبت خاک را باعالم پاک

پھر بھی اس کے مداحوں کے شمار میں آنے کی خاطر اور خداوند کریم کے اس احسان عظیم کے شکریے میں اگر اس سلسلہ عالیہ کے خصائص اور دوسرے سلاسل میں اس کا انفرادی مقام بیان نہ کروں، پیر بھائیوں کو ان کی خوش قسمتی کی مبارکبادی اور دیگر مسلمانوں کو اِن فتنوں کے ایمان لیوا طوفان میں سفینہ نوح کی صدا نہ دوں تو یہ حقیقت سے چشم پوشی ہوگی۔خداوند کریم مرشد کریم کی عمر دراز، ان کا سایہ شفقت ہمارے سروں پر تا قیامت قائم رکھے اور ان کی خوشنودی ورضا نصیب فرماوے۔آمین۔

پس منظر

سلسلہ نقشبندیہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ منسوب ہے۔کہ جن کی شان میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''میری ساری امت کے ایمان ویقین کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور ترازو کے دوسرے پلڑے میں صرف میرے صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کو رکھا جائے تو میرے یار غار رضی اللہ عنہ کا ایمان پھر بھی بڑھ جائے گا۔نیز خداوند کریم نے جتنے علوم میرے سینے میں ڈالے وہ سب کے سب میں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سینہ اطہر میں ڈال دیئے۔'' اتنا شرح صدر کہ ایک طرف آتش عشق کا منبع اور دوسری طرف گریبان سلامت! عشق اور شریعت کو یکجا رکھنا آگ اور پانی کو اکٹھا رکھنے کے مترادف ہے۔نہ آگ پانی کو نقصان پہنچائے اور نہ پانی آگ کو یہ امتیازی شان صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے، یا ان کے پیروکاروں کی ہے جو سلسلہ نقشبندی میں بدرجہ اتم موجود ہے اور موجود رہے گی۔

یہ واضح رہے کہ اس طریقہ عالیہ کے مختلف زمانوں میں مختلف القاب رہے ہیں۔چنانچہ یہ سلسلہ مطہّرہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ تک طریقہ صدیقیہ کہلاتا تھا۔حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے خواجہ عبدالخالق عجدوانی تک طریقہ طیفوریہ، خواجہ عبدالخالق عجدوانی سے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ تک طریقہ خواجگانیہ، خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ تک طریقہ نقشبندیہ اور

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اب تک یہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے نام سے موسوم چلا آ رہا ہے۔

یہاں ایک بات بتانا نہایت ضروری ہے کہ خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ سے ''نقشبند'' نام کیسے مقبول عام ہو کر مُرّوج ہوا۔ یہ مشہور و معروف واقعہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں درج ہے کہ ایک دن آپ عالم جذب و کیف میں ذکر اسم اعظم میں مستغرق ایک کمہار کی بھٹّی کے قریب سے گزر رہے تھے آوے میں مٹی کے برتن پک رہے تھے جونہی اُس پر آپ کی نگاہ جلالی پڑی آگ تو بجھ گئی اور آوے میں موجود تمام برتنوں پر ''اللہ اللہ'' منقّش ہو گیا۔ ساتھ بیٹھا ہوا کمہار جو کہ صاحب سمجھ اور خواجہ کی حالت سے واقف تھا پکار اٹھا۔

؎ اے نقشبند عالم نقشے مرا بہ بند نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

(اے نقش (الٰہی) بنانے والوں کے سردار (ولی گر) مجھ پر بھی ایک ایسی نقش باندھ دو کہ آپ کی طرح دنیا مجھے بھی نقشبند کہے۔)

عالم سکر میں ولی کی زبان خدا کی زبان ہوا کرتی ہے جونہی یہ شعر آپ کی زیر توجہ گزرا فضائے بسیط میں پھیل کر خدا کی آواز بن گیا۔ یہیں سے خواجہ بہاؤالدین کا لقب ''نقشبند'' اور آپ کا سلسلہ فیض بعد میں ''سلسلہ نقشبندیہ'' کے نام سے دنیا میں مشہور ہو گیا۔

یہ تھی اس سلسلے کے پس منظر کی ایک مختصر جھلک۔ علاوہ ازیں اس سلسلے پر خداوند کریم کا خاص احسان ہے کہ اُمّت محمدیہ میں پیدا ہونے والے تینوں مجدّد اسی سے منسوب ہیں اور ان کا سلسلہ فیض اس سیّد السّلاسل میں جاری ہے۔ اس خاص بات کے پیش نظر اور ہمارے مرشد کریم کی مجدّدانہ طبیعت کی مناسبت سے صرف ان تین مجدّدوں کے بھی اس سلسلے کے ضمن میں مختصر حالات بیان کرنا ایک نُورٌ علیٰ نُور اور سونے پہ سہاگہ کی بات ہے تاکہ قارئین اور عقیدت مندوں کے سامنے اس سلسلے کی افضلیت واہمیت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے اور قارئین اُن کے پر لطف سبق آموز حالات سے اخلاقی تربیت اور روحانی ترقی حاصل کر سکیں۔

مجدّدِ اوّل

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

؎ قرنہا باید کہ تا صاحبدلے پیدا شود بایزیدؒ اندر خراساں یا اویسؓ اندر قرن

(عارفِ کامل، حکیم سنائیؒ)

(صدیاں چاہییں کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ جیسا ایک صاحب دل خراساں میں اور اویس رضی اللہ عنہ جیسا قرن میں پیدا ہو)

شیخ کامل حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام نامی اسم گرامی حضرت طیفور بن عیسیٰ تھا۔ آپ کے دادا ابتداء میں بت پرست تھے۔ بعد میں ایمان لائے تھے۔ ملک خراسان علاقہ بسطام کے رہنے والے تیسری صدی ہجری سے متعلق تھے۔شکم مادر ہی سے آپ کی کرامات کا اظہار ہونے لگا تھا۔ کیونکہ آپ کی والدہ فرماتی ہیں مُدت حمل میں کوئی مشتبہ چیز میرے شکم میں نہیں ٹھہرتی تھی۔ یعنی آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ آپ اپنی والدہ کے بے انتہا خدمت گزار تھے۔ فرمایا کرتے مجھے خدا کی بارگاہ سے جتنے مراتب ملے وہ والدہ کی دُعا کی برکت سے ملے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں بچپن میں ایک مرتبہ جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں ایک ایسا حسین دربار دیکھا کہ جس کے سامنے ساری دنیا ہیچ تھی۔ عرض کی خدایا! ایسا خوبصورت دربار دنیا والوں کی نگاہوں سے کیوں پوشیدہ ہے؟ (کہ جس میں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی چہل پہل) جواب آیا یہ صرف اہل لوگوں کی جگہ ہے۔ نااہلوں کی نہیں۔ جبکہ دنیا ساری نااہلی کے مقام پر ہے اس لئے ان کی نگاہوں سے یہ دربار عالی شان پوشیدہ ہے۔

آپ ظاہری عقلی و نقلی علوم میں یگانہ روزگار تھے جس کی وجہ سے آپ کو "طاوٗس العلماء" کہتے تھے۔عُلوم باطن کی تربیت میں زیادہ تر آپ کا تعلق حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تربیت سے ہے۔ اور آپ میں اپنے مرشد کا ادب اس حد تک تھا کہ ان کے روبرو کبھی سر اٹھا کر اُنہیں دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ ابتداً ہی میں صحبت خلق اور کھانا پینا ترک کر کے شام کے صحراؤں میں تین سال تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہے اور ایک سو سترہ (117) مشائخ عُظام سے فیض صحبت حاصل کی۔ آپ طبقہ اوّل کے کامل مشائخ سے تعلّق رکھتے ہیں۔ آپ کے معاصرین شیوخ میں سے حضرت شیخ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت شیخ یحیٰی معاذ رحمۃ اللہ علیہ بہت مشہور ہیں۔ شیخ یحیٰی معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ آپ کو ایک خط میں لکھا کہ یہاں ایک شخص ہے جس نے ایک بار محبّت کا پیالہ جو پیا پھر اب تک اسے پیاس نہیں لگی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کے جواب میں لکھا کہ مجھے آپ کے حال خام پر تعجّب ہے۔ یہاں تو وہ شخص موجود ہے۔ جو دنیا کے سمندر پی گیا مگر پھر بھی منہ کھولے ہوئے اور مانگ رہا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت شیخ احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں خداوند کریم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ تو مجھ سے

کوئی نہ کوئی چیز مانگتے ہیں مگر بایزید مجھ سے مجھی کو مانگ رہا ہے۔ سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہمارے گروہ صوفیاء میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو وہی مقام حاصل ہے جو جبرئیل علیہ السلام کو دیگر ملائکہ میں اور مقام توحید میں جہاں ہماری انتہا ہے وہاں سے بایزید کی ابتداء ہے''۔ اس لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''عارف کا ادنیٰ مقام یہ ہے کہ صفات خداوندی کا مظہر ہو اور میں کُل کائنات کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔'' ایک مرتبہ آپ سے ریاضات و مجاہدات نفس کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ سب سے کم سزا جو میں نے اپنے نفس کو دی وہ یہ تھی کہ میں نے اسے کسی طاعت کی طرف بلایا اس نے میرا کہا نہ مانا اس پر میں نے اسے مکمّل ایک سال تک پیاسا رکھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں بارہ سال تک نفس کو ریاضت کی بھٹّی میں ڈالے رہا ہوں مجاہدے کی آگ سے پکا کر ملامت کے ہتھوڑے سے کوٹتا رہا تب قلب مثل آئینہ بن گیا۔ اور پھر عبادات سے اس پر قلعی چڑھائی تب وہ مقامِ مسلمان پر آن پہنچا آپ اپنے ریاضات و مجاہدات کے بارے میں فرمایا کرتے کہ میں نے پورے چالیس سال تک عام انسانوں کی غذا نہیں کھائی کیونکہ میرا رزق کہیں اور جگہ سے آتا تھا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اے بایزید! یہ معرفت الٰہی تو نے کس طرح حاصل کی؟ جواب دیا بھوکے پیٹ اور ننگے بدن سے۔ اس پر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ بھوک کی زیادہ کیوں تعریف کرتے رہتے ہیں جواب دیا اس لئے کہ اگر فرعون بھی بھوکا ہوتا تو ''میں تمہارا بڑا رب ہوں'' ہرگز نہ کہتا۔

ایک مرتبہ خواب میں آپ کو خداوند کریم کا دیدار نصیب ہوا عرض کی خدایا تجھ تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہے؟ جواب ملا اے بایزید ''دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَالْ'' یعنی اپنے اندر موجود نفس کو خیر باد کہہ پھر میری طرف آ کہ نفس کی عدم موجودگی میں ہی میں آ کر موجود ہوتا ہوں۔ (یعنی نفس کا کھونا میرے پانے کا راستہ ہے)۔

آپ فرماتے کہ بایزید کے زُہد کی مدت صرف تین دن رہی پہلے دن دنیا و مافیہا سے دست بردار۔

دوسرے دن آخرت سے اور تیسرے دن ماسوی اللہ (اللہ کے بغیر) ہر چیز سے دست بردار ہوا۔ اور واصل بحق ہوا۔

آپ فرمایا کرتے کہ میں نے تیس سال تک خدا کی جستجو کے بعد خود کو مطلوب اور خدا کو طالب پایا۔ تب جو چیزیں حق میں موجود تھیں وہ سب میں نے اپنے اندر موجود پائیں اور یہی مقام فنا کا ماحاصل ہے۔ (یعنی یہی مطلب فنا اور ثمرۂ فنا ہے)۔

آپ فرمایا کرتے کہ معراج کے معنی قربت الٰہی کے ہیں قربت کی ابتداء توبہ میں اور انتہا معراج میں جا کر نصیب ہوتی ہے۔

معراجِ بایزید

انبیاء کرام کو معراجِ جسمانی بحالت ''صَحو'' اور اولیاء کرام کو معراجِ روحانی بحالت ''سُکر'' ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام کا تمام تر جسم اولیاء کرام کے قلوب کی طرح مُنزہ و معصوم اور لطیف ہوتا ہے۔ عالم اسلام میں معراج بایزید جو بہت مشہور و معروف ہے کے بارے میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی شُہرۂ آفاق علوم تصوف کی کامل ترین تصنیف ''کشف المحجوب'' میں یوں رقم طراز ہیں کہ ''بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ '' جب معراج روحانی اور سیر روحانی کے بعد واپس

حالت صحو میں پلٹے تو بتایا کہ میں نے دیکھا میری روح کو آسمان پر لے گئے۔ اس نے کسی طرف توجہ نہ دی گو دوزخ اور بہشت دونوں اس کے سامنے رونما ہوئے وہ حادثات اور حجابات سے مُعرا تھی۔ پھر میں ایک پرندہ بن گیا جس کا جسم وحدانیت تھا۔ اور جس کے باز و اَبدیت تھے۔ میں فضائے ہویت میں اڑ گیا۔ یہاں تک کہ فضائے اَزلیت میں داخل ہوا۔ وہاں جا کر شجرِ اَحدیّت کو دیکھا۔ غور کیا تو سب کچھ میں ہی تھا۔ میں پکارا خدایا! جب تک میری انا موجود ہے تیری طرف راستہ ملنا محال ہے۔ مجھے اپنی ''انا'' سے رَستگاری نہیں۔ بتا میں کیا کروں؟ حکم ہوا اے بایزید ''انا'' سے رَستگاری ہمارے دوست (محبوب علیہ السلام) کی مطابقت سے وابستہ ہے۔ ان کے مبارک قدموں کی خاک کو اپنے آنکھوں کا سرمہ بنا اور ہر لمحہ اس کی تابعداری میں بسر کر۔''

(یہ تھی معراج بایزید کی داستان جو کافی طویل تھی یہاں مختصر بیان کی گئی)

اس لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مشاہدۂ حق مقام لاالــہ الا اللّٰہ میں ہوتا ہے۔ مگر اس کے محبوب کا مشاہدہ مقام لا الـــــہ الا اللّٰہ سے بھی گزر جانے کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ دیدار الٰہی کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا جواب میں فرمایا کہ دنیا تو دنیا میدانِ محشر میں بھی اہل جنت کے سامنے کچھ خوبصورت چیزیں پیش کی جائیں گی جو اُن میں سے کسی ایک چیز کی طرف بھی متوجہ ہوا وہ دیدارِ الٰہی سے محروم رہا۔ (لہٰذا اسی دنیا میں اس شوق کی بنیاد رکھو) کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہے جواب دیا چار سال سائل نے عرض کی وہ کیسے! جواب دیا کیونکہ میں صرف چار سال سے مشاہدہ حق کر رہا ہوں اور یہی اصل زندگی ہے چونکہ باقی ستر سال قیل وقال جستجو اور حجاب میں گزرے جو زندگی کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔

خوف الٰہی کی بنا پر بوقت عبادت آپ کی یہ حالت ہوتی کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے۔ تو ہیبت حق (خوف خدا) اور تعظیم شریعت کے سبب سے آپ کے سینہ کی ہڈیوں سے اس قدر چٹکنے کی آواز نکلتی کہ عام لوگ آسانی سے سُن سکتے تھے اور فرماتے کہ پوری زندگی میں مجھ سے اگر صرف ایک نیک کام ہو جاتا تو میں اس قدر خوف زدہ نہ رہتا۔ ایک مرتبہ آپ کو الہام ہوا ''بایزید! اگر میری ملاقات کا خواہشمند ہے تو عبادات وریاضات سے بھی بہتر شئے جو میرے خزانے میں نہیں ہے لا۔'' عرض کی خدایا! وہ کیا شئے ہے جواب ملا ''عجز وانکساری اور دولت غم جو میرے خزانے میں نہیں ہے۔''

آپ کے فقر کا یہ عالم تھا کہ ذوقِ عبادت حاصل ہی نہ ہوتی تھی جب تک گھر میں انگور کا ایک دانہ موجود ہوتا۔ اور زُہد کی یہ حالت تھی کہ خربوزہ کھانے سے اس لئے انکار کیا تھا معلوم نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح اُسے کھایا ہو۔ کہیں خلاف سنت فعل سرزد نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقر بایزیدی زبان زد خاص وعام ہے۔ آپ کے استغراق کی یہ کیفیت ہوا کرتی تھی کہ ایک مُرید بیس سال تک لگاتار آپ کی خدمت میں رہا آپ روزانہ اس کا نام اس سے دریافت فرماتے۔ آخر کار ایک دن خادم نے حیران ہو کر پوچھا حضور! اِس کی کیا وجہ ہے کہ بیس سال سے آپ روزانہ میرا نام پوچھتے ہیں۔ جواب دیا

یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں جب سے اس خدائے واحد کا نام میرے دل میں آیا باقی سب نام بھول گئے۔اس لئے روزانہ پوچھ کر پھر بھول جاتا ہوں۔جان بوجھ کر ایسے نہیں کرتا یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے۔عالم استغراق وسکر میں آپ بعض اوقات بےخود اور از خود فنا ہو کر یہ آواز بلند فرماتے۔''سُبحَانِیَ مَا اَعظَمَ شَانِیَ''تو یہ شان الٰہی کا اظہار فرماتے نہ کہ اپنے وجود پر ان کی کوئی توجہ تھی۔بعض دیگر اولیاء کرام سے بھی اپنے خاص اوقات میں ایسے الفاظ نکلے ہیں جنہیں اصطلاح تصوف میں ''شطحیات'' سے تعبیر کرتے ہیں۔جو ہر قسم کی گرفت سے بالاتر ہیں۔کیونکہ اس وقت ان لوگوں پر فناءِ کُلی طاری ہوتی اور حاضرین لوگوں کو اس بات کا ثبوت بھی ملتا تھا۔جو سراپا حقیقت ہوتا تھا۔آپ کی عارفانہ گفتگو کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ عوام الناس آپ کی بات سمجھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔اس مغالطے اور نہ سمجھنے کے الزام میں آپ کو شہر بُسطام سے سات بار باہر نکالا گیا۔اس وقت آپ لوگوں سے دریافت فرماتے کہ مجھے کس گناہ کی پاداش میں شہر بدر کیا جا رہا ہے۔لوگ جواب دیتے کہ ''تم بُرے آدمی ہو اس لئے''اس پر آپ فرماتے:''خوشا شہرے کہ دروَئے من بد ہستم''یعنی وہ شہر کتنا اچھا ہے کہ جس کا بُرا آدمی میں ہوں۔

آدابِ دین اور احترام حق کا یہ عالم تھا کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک رات (احساس تھکاوٹ سے) محراب میں مَیں نے پاؤں پھیلا دیئے فوراً ہاتف غیبی نے آواز دی کہ جو شخص بادشاہوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس پر لازم ہے کہ حُسن ادب اختیار کرے (نیز یہ اولیاء کرام کو خطرات نفس سے خداوند کریم کا براہ راست مطلع کرنا ہے جس سے انہیں مقام معصومیت جا کر نصیب ہو جاتی ہے۔)

آپ کی وفات حسرتِ آیات شہر بسطام نزد نیشا پور بمطابق 261ھ اور 774ء کو ہوئی۔شہر بُسطام کے وسط میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔اور یہاں پر آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔بقولِ اقبالؒ:

؎ ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کا روحانی سلسلہ بعد میں ''سلسلہ طیفوریہ'' کے نام سے مشہور ہوا اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ کا طریق سراپا غلبہ شوق و مستی تھا۔آپ کے سلسلہ طریقت میں براہ راست فیض یافتگان میں سے بعد از انتقال عارف کامل حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو پورے بارہ سال تک آپ کے مزار پُر انوار پر چِلّہ کش رہے۔اور آپ سے بہ نسبت اویسیہ (قلندریہ) روحانی طور پر خِلعت فقر اور فیض کامل حاصل کیا تھا۔جن کے بارے میں خود اپنی زندگی میں شیخ کامل حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔بقول مولانا رومیؒ:

؎ کہ حسنؒ باشد مرید و اُمتم ۔۔۔ درس گیرد ہر صَباح از تُربتم

یعنی حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ میرے بعد میرے فرمانبردار مرید ہوں گے۔جو ہر صبح آ کر میری قبر سے درس (درس فیض و معرفت) لیا کریں گے۔تاریخ شاہد ہے بعد میں ایسے ہی ہوا اور حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد

سے اس حدتک عقیدت تھی کہ آپ فرمایا کرتے ''جس نے بھی حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کوایمان کے ساتھ دیکھا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی۔''

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر فرمودات:

☆ آپ کا فرمان ہے کہ راحتوں کوترک کر کے مشقت اختیار کرنا تصوف کا نام ہے۔(کیونکہ حقیقی زندگی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ خارا گدازی ہے۔)

☆ فرمایا اگرتمہارے سامنے دنیا کی سب نعمتیں پیش کی جائیں مسرور نہ ہونا۔اور اگر دنیا کی سب اذیتیں ڈالی جائیں، مایوس نہ ہونا یہی راہ فقر وحقیقت ہے۔

☆ فرمایا کہ خدا کا راستہ پہچاننا تو بہت آسان ہے مگر اس کو پالینا بہت مشکل ہے۔

☆ ایک مرتبہ آپ نے حضرت یحییٰ معاذ رحمۃ اللہ علیہ کونصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا سے خدا ہی کو طلب کرو۔ اگر تجھے صفات آدم علیہ السلام، قدس جبریل علیہ السلام، خلعت ابراہیم علیہ السلام، شوق موسیٰ علیہ السلام، پاکیزگی عیسیٰ علیہ السلام اور حبِّ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا ہو تب بھی خوش ہو کر اس پر قناعت نہ کرو۔

☆ فرمایا کہ میں نے اللہ کو اللہ کے ساتھ (اپنے سے کلی فنا اور خدا کے ساتھ کلی بقا حاصل کرنے کے بعد) پہچانا۔ اور پھر اللہ کے ماسویٰ (دیگر اشیاء) کو اللہ کے نور کے ساتھ پہچانا۔

☆ فرمایا کرتے تھے کہ معرفت کے ایک ذرے سے جو لذّت حاصل ہوتی ہے۔وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔اس کے حصول کے راستے کی طرف یوں اشارہ فرمایا کہ حیات! علم میں، راحت! معرفت میں اور ذوق صرف ذکر خدا میں ہے نیز بوقت ذکر جنت اور شجر طوبیٰ دونوں موجود ہوتے ہیں۔

☆ فرماتے ہیں کہ میں نے پورے تیس سال مجاہدہ نفس میں گزارے اس دوران اپنے اوپر علم اور اس پر عمل کرنے سے اور زیادہ سخت کوئی چیز نہ پائی۔

☆ ارشاد فرمایا کہ کاذب وہ ہے جو اِتّباع سنت کے بغیر اپنے آپ کو صاحب طریقت کہے۔اس لئے آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم کسی شخص میں کوئی کرامت دیکھو کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہو تو اس پر دھوکہ نہ کھاؤ جب تک یہ مشاہدہ نہ کرلو کہ وہ امر ونہی واحکامِ الٰہی اور آداب شریعت میں کیسا ہے۔

☆ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو تین چیزیں عنایت فرماتا ہے۔اِتّباع شریعت کے علاوہ
(1) دریا کی طرح سخاوت (2) آفتاب کی طرح روشنی (3) زمین کی طرح عاجزی

☆ ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مخلوق کو نعمتیں اس لئے دی ہیں کہ وہ مُنعم (دینے والے) کو پہچان لیں۔مگر انہوں نے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بجائے اس کے پہچاننے اور شکر گزار ہونے کے ناشکری اور غفلت اختیار کی۔صرف

نعمتوں (سایہ) کے پیچھے دوڑ پڑے۔ اس لئے کُفرانِ نعمت کر کے مُنعم حقیقی کو بھلا دیا۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ دنیا تو صرف متاعِ غرور ہے اور آخرت ہی متاعِ سرُور ہے۔

☆ فرمایا کہ حق سے دور وہ شخص ہے جو دوسروں پر حکم چلائے اور حق سے نزدیک وہ شخص ہے جو دوسروں کا بوجھ اُٹھائے۔

☆ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ متکبّر کون ہے؟ جواب دیا کہ اگر تُو نے دنیا میں کسی ایک آدمی کو بھی اپنے سے کمتر سمجھا تو تُو خدا کی بارگاہ میں متکبّر شمار ہوا۔ متکبّر خدا سے دور ہو سکتا ہے مگر قریب نہیں ہو سکتا ہے۔

☆ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ انسان متواضع کب ہوتا ہے؟ جواب دیا جب اپنی ذات کے لئے کوئی مقام وحال نہ دیکھے۔

☆ ارشاد فرمایا کہ نیکوں کی صحبت کارِ نیک سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت کارِ بد سے بھی بدتر ہے۔

☆ فرمایا کہ جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا دونوں جہانوں میں امام اور مرشد شیطان لعین ہے۔

☆ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ زندۂ جاوید ہونے کا کیا مطلب ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ زندۂ جاوید ہو جانا خدا کی یاد میں مکمّل فنا ہو جانا ہے۔ (ماخوذ از کتب تصوف)

مُجدّدِ دوم

امام ربّانی مجددِالف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش بمقام ریاست پٹیالہ (مشرقی پنجاب) شب جمعہ 26 جون 1564ء، ۱۴ شوّال المکرّم بمطابق 971ھ شہر سرہند میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے آپ کے والد بزرگوار نے خواب میں دیکھا کہ تمام دنیا میں تاریکی پھیل گئی ہے۔ بندر، سور اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں میرے سینے سے ایک نور کا شعلہ نکلا اور پھر اس میں سے ایک تخت نمودار ہوا۔ دیکھا کہ اس پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے تمام ظالموں اور زندیقوں کو بکرے کی طرح پکڑ پکڑ کر ذبح کیا جا رہا ہے اور ساتھ ایک شخص آواز دے رہا ہے کہ ''وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل:۸۱)۔ (اور فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگوار نے جا کر اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کی۔ حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد از توجہ باطنی خوشخبری دی کہ تمہارے گھر ایک ایسا باسعادت لڑکا پیدا ہوگا کہ جس سے الحاد و بدعت کی سب تاریکی کافور ہو جائے گی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تولد ہوا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی شیخ احمد ہے۔ علاقہ سرہند میں رہنے کی وجہ سے آپ کو سرہندی کہتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہزار سال بعد کے مجدد کامل ہیں۔ اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مجدد الف ثانی (دوسرے ہزار سال کا مجدد) کہتے ہیں آپ کا سلسلہ نسب (18) واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اس لئے آپ کو فاروقی کہتے ہیں۔

بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر بزرگی کے آثار ہُویدا تھے۔ آپ طبع زاد انتہائی ذہین اور فطین، عقائد کے لحاظ سے حنفی المذہب تھے۔ سترہ سال کی قلیل عمر میں تمام علوم ظاہری و باطنی اور عقلی و نقلی کے مراحل طے کر کے والد بزرگوار کی خدمت میں جا کر حاضر ہوئے۔ والد گرامی سے سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور کبرویہ کی اجازت حاصل کر لی۔ پھر عازم حجاز ہوئے راستے میں جب دہلی پہنچے تو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ایک دوست کی رہنمائی میں نصیب ہوئی۔ پہلے ہی مزید تربیت کے لئے کسی کامل مرشد سے بیعت کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں آ کر یہ مقصد بھی پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی طبع زاد باطنی جوہروں کو اپنی نگاہ کامل سے فوری طور پر بھانپ لیا۔ چنانچہ اپنے سلسلہ نقشبند میں داخل فرما کر دو ماہ متواتر آپ کی تربیت فرمائی اور خدا کی طرف سے جو جو خاص انعامات آپ کے سپرد تھے۔ خوشخبری سنا کر شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کرتے گئے۔ آپ خوب سمجھ گئے کہ میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی کے مطابق اب وہ ''طوطی ہندوستان'' میرے زیرِ دام آ گیا۔ چنانچہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کی

سیر باطنی کی سُرعت کو دیکھ کر فرماتے کہ شیخ احمد ہمارے محبوب اور مُراد ہیں اور ان کی وجہ سے میں نے سرہند کے علاقے کو نورانی مشعلوں سے پُر پایا تھا۔ آپ اکثر اپنے مرید کامل کے بلند مقامات کی طرف دیکھ کر ارشاد فرماتے کہ ''شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ ایسے آفتاب ہیں جن کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں تارے چھپے ہوئے ہیں۔'' یہاں تک کہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف دو ماہ کی قلیل مدت میں تربیت دینے کے بعد آپ کو علاقہ سرہند کی طرف جو آپ کا وطن مالوف تھا خلق خدا کی رشد و ہدایت کے لئے روانہ فرما کر چاروں سلسلوں کے چلانے کا بیڑا آپ کے سپرد کیا۔ آپ جا کر انتہائی کامیابی کے ساتھ خلق خدا کو سلسلہ نقشبند میں داخل کر کے باطنی فیوض و برکات سے سیراب فرمانے لگے۔ درمیان میں ایک مرتبہ مرشد کی زیارت سے شرف یاب ہو کر جب واپس لوٹے تو اپنے آپ کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ پایا۔ تیسری بار جب دہلی اپنے مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خود نہایت ادب اور انتہائی شفقت کے ساتھ اپنی مسند پر بٹھا کر دوستوں کے حلقۂ مراقبہ کا پیشوا بنایا۔ اور اپنی موجودگی میں رُشد و ہدایت کا حکم صادر فرمایا۔ نیز سب اصحاب کو یہ تاکید بھی کر دی کہ ہماری موجودگی کے باوجود شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ تعظیم بجالایا کریں۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی تمام تر مشیخیت اور ارشاد کا معاملہ اپنے مرید کامل شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کر دیا اور فرمایا معلوم نہیں کہ ہماری کتنی زندگی ہے۔ ضُعف البدنی حد درجہ زیادہ ہو چکی ہے۔ اب یہ کام آپ جیسے نوجوانوں کے لائق ہے پھر بھی اس چیز کے باوجود حضرت شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ تازیست اپنے مرشد کریم کی اس قدر عزت فرماتے کہ وہ حد بیان سے باہر ہے۔ جب مرشد کے سامنے ہوتے تو بدن پر رُعب مرشد سے رعشہ طاری رہتا۔ کیونکہ ''نزدیکیاں رابیش بود حیرانی''۔

مرشد سے خلوت میں راز و نیاز اور معارفانہ لین دین ہوتا تھا۔ کسی اور کو اس کی خبر تک نہ ہوتی۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے کہ شیخ احمد کے ملنے سے پہلے ہم نے مشیخیت نہیں کی بلکہ ایک کھیل کھیلا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب شیخ احمد کے ملنے پر یہ کھیل جا کر حقیقت میں تبدیل ہو گیا اور اس جوہرِ قابل کی صحبت کے اثر سے مجھے بھی یہ معلوم ہوا کہ توحید ایک تنگ کوچہ نہیں بلکہ اس سے اوپر بھی ایک بہت وسیع شاہراہ موجود ہے۔ چنانچہ اس تیسری دفعہ کی ملاقات کے بعد دوبارہ آپ کی مرشد سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آپ لاہور کے دورۂ تبلیغ پر تھے کہ مرشد کے انتقال کی خبر جانکاہ آن پہنچی۔ تب آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جا کر اُن کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ اور مزید روحانی فیوض و برکات حاصل کئے۔

حادثات و واقعات

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے اہم واقعات میں سے دین اکبری کے ملحدانہ نظریات کو رد کر کے اس کا مکمّل خاتمہ ہے۔ آپ کی تجدید کے پندرھویں سال آپ کو ایک اہم تاریخی حادثہ پیش آیا کہ سلطانِ وقت شہنشاہ جہانگیر نے کسی مغالطے میں آ کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو پورے دو سال تک قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا تھا۔ آخر کار جب بادشاہ کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو اپنے کئے پر نہایت نادم ہوا۔ معافی مانگ کر نہایت تزک و احتشام سے آپ کو اپنے گھر پہنچا دیا۔ بعد میں ہمیشہ کے لئے شاہی خاندان

آپ کا غلام بن گیا۔ آپ شریعت محمدی ﷺ کے پاسبان اور سنت نبوی ﷺ پر سختی سے کاربند ہونے میں بے مثل تھے۔ مشہور ہے کہ ایک دن جب بیت الخلاء میں داخل ہوئے تو مغالطے سے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ جس کی وجہ سے اس روز احوال بند رہے۔

مقامِ مجددیّت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مجدد ہونے کی پیشین گوئی خود آنحضرت ﷺ نے کر دی تھی۔ چنانچہ ارشاد سید المرسلین ﷺ ہے۔ ''میری امت میں ایک شخص ایسا ہوگا جسے صلہ (دو تضاد کو حل کرنے والا) کہا جائے گا۔ اس کی شفاعت سے اتنے اتنے مسلمان بہشت میں داخل ہونگے۔'' (جوامع الجوامع علامہ سیوطی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ)

سب محدّثین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود مکتوبات جلد دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''میں اپنی پیدائش سے جو مقصود سمجھا تھا وہ مجھے حاصل ہوگیا اور بطور مسؤل ہزار سالہ خدا کی بارگاہ میں قبول ہوگیا۔ سب تعریفیں اس رب کے لئے ہیں جس نے مجھے دو سمندروں (بحرین) کو ملانے والا (صلّہ) اور دو گروہوں (صوفیا و علماء) میں صلح کرانے والا بنایا۔'' اس فرمان میں دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت اور دو گروہوں سے مراد علماء و صوفیا ہیں کہ مدت سے یہ مسئلہ وحدت الوجود میں برسرِ پیکار تھے۔ آپ نے وحدت الشہود پیش کر کے شریعت و طریقت اور علماء و صوفیا میں موافقت پیدا کر دی اور اس تضاد کو ہمیشہ کے لئے مٹا ڈالا۔

نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ امت محمدیہ سے پہلے ہر ہزار سال کے آغاز میں دنیا کی طرف ایک اُولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا۔ مگر خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد چونکہ دروازۂ نبوت بند ہوگیا خداوند کریم نے ہر ہزار سال بعد یہ کارِ تجدید! اُمت محمدیہ میں سے ایک مجدّد کے سپرد کر دیا۔ جو زمانہ کے تغیّر و تبدل کے پیش نظر شریعت و طریقت میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ ہر صدی میں بھی ایک مجدّد پیدا ہوتا ہے۔ مگر صدی کا مجدّد اور ہزار سال کا مجدّد اور ہوتا ہے ان میں اتنا فرق ہے جس طرح 100 اور 1000 کے درمیان فرق ہے۔ نیز اس دوران امتیوں کو جتنے فیوض و برکات پہنچتے ہیں اسی مجدد کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔ مزید آپ فرماتے ہیں کہ مجھے خداوند کریم نے آپ ﷺ کے خمیر اطہر کے بقیہ سے پیدا فرمایا (یہ بات مسلّم ہے کہ بعضے اولیاء کاملین بعضے پیغمبروں کی طینت (مٹی) کے بقیہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔)

آپ کو خلعت تجدید ۱۰۱۰ھ ۱۰ ربیع الاول کو بروز جمعۃ المبارک پہنایا گیا۔ جس کا ثبوت مکتوبات اور آپ کی سوانح میں موجود ہے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی پہلے عالم دین ہیں کہ جنہوں نے اثبات سے ثابت کر کے عقلی و نقلی دلائل دیکر آپ کے نام کے ساتھ مجدد الف ثانی کا اضافہ کیا تھا۔ (رسائل دلائل التجدید)

نیز اسی ۱۰۱۰ھ میں آپ کو درجہ قیومیّت عطا ہوئی تھی۔ (قیومِ زمان کی تشریح مرشد کریم کے ملفوظات سے ملاحظہ فرمائیے)

مُبشّرات ومکاشفات غیبی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مکاشفات غیبی کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے ہیں: مجھے بشارت دی گئی کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کر دیا یعنی دنیا ظِلّیّت وعکوس (سایہ اور عکس) کی آمیزش کا مقام ہے آخرت مقام اصل اور ہر قسم کی آمیزش وحجابات سے مُبرّا ہے۔ مطلب! جو کچھ اس دنیا میں نگاہ حقیقت سے دیکھا وہی عالم آخرت میں حقیقت بن کر جلوہ گر ہوا۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے کہ خدایا مجھے اس دنیا میں ہر چیز کی حقیقت سے باخبر کر دے انہی علوم انبیاء سے مجدّد کو بھی حصہ وافر عطا کیا گیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جولانی باطن اور جذبہ وجلال کی یہ حالت تھی بیان فرماتے ہیں کہ ابتدائے حال میں (ہمارے مرشد کریم کی طرح) ایک دن دیکھتا ہوں کہ میں ایک مکان کا طواف کر رہا ہوں۔ ایک اور جماعت بھی اسی طواف میں میرے ساتھ سرگرم ہے۔ لیکن اس کی رفتار اس قدر سست ہے کہ جتنی دیر میں مَیں طواف کا ایک چکر پورا کرتا ہوں وہ صرف دو تین قدم جتنا فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان بالائے عرش ہے اور یہ ساتھ ساتھ طواف کرنے والی سست رفتار جماعت بزرگ فرشتوں کی ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا فرماتے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت مجھ پر اس قدر غلبہ حاصل کر گئی ہے کہ یہاں تک کہ خداوند کریم کو بھی صرف اسی وجہ سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے۔''

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مبشرات میں سے ہے فرماتے ہیں کہ زن ومرد جو بالواسطہ یا بلا واسطہ ہمارے طریقہ نقشبند میں داخل ہوئے ہیں یا قیامت تک داخل ہونگے۔ سب مجھے دکھائے گئے ہیں۔ ہر ایک کے نام ونسبت اور مولد ومسکن تک کی خبر دی گئی ہے۔ اگر میں چاہوں تو ہر ایک کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ نیز فرماتے ہیں خداوند کریم نے مجھے یہ خوشخبری دی ہے کہ ''میں نے تمہیں اور ہر اس شخص کو جس نے تمہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ قیامت تک اپنا وسیلہ بنایا بخش دیا ہے۔'' آپ کا ارشاد ہے کہ خداوند کریم نے غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بندہ کو بھی دونوں تقدیریں یعنی ''قضائے مُبرم'' اور'' قضائے معلّق '' کے بدلنے کی طاقت عنایت کر دی۔ اور بندہ نے متعدد لوگوں پر اس کا تصرّف بھی کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ''مکتوبات کی خدا کی بارگاہ میں مکمّل تصدیق ہوگئی ہے۔ تب اسے علماء وصوفیاء کے سامنے پیش کیا گیا۔ نیز فرماتے ہیں کہ مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا کہ ہماری تمام تر تحریرات مجدّد آخر حضرت امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام کی نظر سے گزر کر شرف قبولیت حاصل کریں گی''۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمایا تھا کہ سوائے کمالات نبوت کے دیگر جو بھی کمالات بنی نوع انسان کے لئے ممکن تھے وہ سب خداوند کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمّل تبعیّت (پیروی) اور وراثت (باطنی) کے ذریعہ مجھ عاجز کو عطا فرمائے ہیں۔

تجدید کے بارہویں سال آ کر بے شمار جنات بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ جنوں کا بادشاہ اور لشکر تک آ کر آپ کے مرید بن کر حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

بہر حال آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بے انتہا خوارق (خلاف عادات)، کرامات ظاہر ہوئیں۔ ان میں سے سات سو سے زائد مختلف کتابوں میں بھی درج ہیں۔ آپ سے بکثرت الہامات اور مبشرات بھی ظاہر ہوئے۔ جو متعدد کتابوں میں عقیدت مندوں نے بعد میں تحریر کیے۔ مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت آپؒ کے مکتوبات ہیں کہ ابھی تک کوئی بھی عارف اور محقق ان کی مثل تحریر نہ کر سکا۔

وصال

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۳۳ھ کو شب برات میں خود اپنی وفات کے بارے میں پیشین گوئی کی کہ بندہ کا نام اس سال صحیفہ دنیا سے محو کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی طرح 63 سال کی عمر میں 63 دن کی متواتر علالت کے بعد 10 دسمبر 1624ء بمطابق ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ اپنے آبائی علاقہ سرہند میں بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ جو ابھی تک مرجع خلائق ہے۔

علامہ اقبال نے مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت میں یوں نغمہ سرائی کی۔

؎ حاضر ہوا میں شیخ مجددؒ کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

اولاد

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کی تعداد دس ہے۔ سات بیٹے اور تین بیٹیاں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام اولاد آپ کے ذاتی تصرفات کی وجہ سے عارف باللہ تھی۔ روئے زمین پر کسی شیخ نے بھی (بغیر ہمارے مرشد بابا بنوں والی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے) اپنی اولاد کو اپنی مثل خداشناس نہیں بنایا یہ صوفیاء میں سے پہلے صرف آپ کا حصہ خاص رہا ہے۔

مختصر فرمودات مجدّد رحمۃ اللہ علیہ

☆نفس پر شریعت کی پابندی سے زیادہ اور کوئی چیز دشوار نہیں ہے۔

☆خلاف شریعت ریاضتیں اور مجاہدات خسارہ ہی خسارہ ہیں۔

☆نفس کی کمالِ مخالفت! کمالِ اتباعِ شریعت میں ہے یہاں تک کہ دوپہر کا سونا (قیلولہ) اگر بہ نیت سنت ہو تو ان کروڑ شب بیداریوں سے بہتر ہے۔ جو اِتّباع سنت کی نیت سے نہ ہوں یہی فرق زکوٰۃ اور صدقہ میں ہے حتٰی کہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تر ثمرات اسی بات میں پوشیدہ ہیں۔

☆شرِ نفس شرِ شیطان سے کہیں زیادہ ہے۔

☆معرفتِ الٰہی ان پر حرام ہے جن کے باطن میں دنیا کی محبّت رائی کے دانہ جتنی بھی ہو۔

☆اہل وعیال کے ساتھ حد سے زیادہ محبّت کرنا ضروریات دین میں خلل ڈالتا ہے۔

☆خدا کے دشمنوں سے الفت کرنا خدا تعالیٰ کے ساتھ دشمنی ہے۔

☆فقراء کے لئے دولت مندوں کی صحبت زہرِ قاتل اور ان کے چرب لقمے (مرغّن غذا) دل کو سیاہ کرنے والے ہیں۔

☆ہمارا سلسلہ نقشبندیہ طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت اور شہرت میں آفت ہے۔

☆دنیا میں آرام کا خواہاں بے وقوف اور عقل سے دور ہے۔

☆جس شخص میں محبّت کا غلبہ ہو اس میں درد و حزن بھی زیادہ ہوتا ہے۔

☆ظاہر دراصل باطن کا نمونہ ہے۔

☆عورت اور بے ریش لڑکا ایک حکم رکھتے ہیں۔

☆اعمال صالحہ ایمان کو زیادہ نہیں کرتے بلکہ روشن سے روشن تر (لطیف سے لطیف تر) کر دیتے ہیں اور اعمالِ مذمومہ ایمان کو کم نہیں کرتے بلکہ مکدّر سے مکدّر تر (کثیف سے کثیف تر) کر کے اصل تک کو فنا کر دیتے ہیں۔

☆کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے۔ خواہ مومن کی ہو یا کافر کی۔

☆دولت مند ہر پیغمبر کو جھٹلاتے رہے اور غریب ہی ان کی تصدیق کرتے رہے۔

☆پیر وہ ہے جو اپنے مرید کے مال میں اپنی خواہش نہ پائے۔ کیونکہ یہ مرید کی ہدایت کے راستے میں مانع چیز ہے اس لئے ناقص پیشوا آخرت کی کھیتی کا ناقص تخم ہے۔ لہٰذا کامل پیر کا متلاشی رہنا چاہیے۔

☆اہل اللہ سے کرامت کا مطالبہ نہ کرو بلکہ ان کے وجود ہی کو کرامت جانو۔

مجدّ دسوئم

حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ

امام ربانی، حضرت مجدّ دالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں موجود پیشین گوئی کے مطابق حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ بھی سلسلہ نقشبند سے منسوب فقر و ولایت کی آ کر تکمیل فرمائیں گے جو سلسلہ نقشبند کی آخری اینٹ اور آخری مجدد ہونگے یعنی تیسرے مجدّ د کا شرف بھی اسی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو حاصل ہوگا۔ امام ربّانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں ''یہ سلسلہ نقشبندیہ اسی نسبت جذب وشوق اور انہی موجودہ انفرادی خصوصیات کے ساتھ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ کر از سرنو عروج پکڑے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔''

لفظ مہدی کے لغوی معانی ہدایت دینے والے کے ہیں۔ چونکہ آپ آخری دور میں ایک مصلح، امام اور ہادی کی حیثیت سے ظاہر ہونگے۔ اس لئے عرف عام میں آپ کا لقب امام مہدی پڑا۔ حالانکہ آپ کا اصل نام ''محمد'' والد ماجد کا نام ''عبداللہ'' اور والدہ ماجدہ کا نام ''آمنہ'' ہوگا۔ وطن مولود مدینہ منورہ ہوگا۔ آپ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے یعنی سید ہونگے۔ آپ کو براہ راست مادرزاد علم لدنی حاصل ہوگا۔ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیکر دنیا والوں کے سامنے چالیس برس کی عمر میں ظاہر ہونگے۔ ان کے ظاہر ہونے والے سال کی یہ علامت ہوگی کہ اس سال رمضان شریف میں دوبار چاند گرہن اور سورج گرہن ہوگا۔

حلیہ مُبارک

آپ کا حلیہ مبارک کچھ اس طرح ہوگا کہ سفید سرخی مائل کشادہ چہرہ، درمیانہ دلکش دراز قد، قوی الجثہ، بلند باریک ناک اور زبان مبارک میں قدر لُکنت ہوگی۔ ظہور کا بہانہ اس طرح ہوگا کہ آپ جب مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ برائے طواف کعبہ آئیں گے تو دوران طواف لوگ آپ کو آخری مجدّ د کی حیثیت سے پہچان لیں گے۔ کیونکہ آپ میں وہی حقیقی آثار وعلامات ہویدا ہونگے۔ جو کتب اسلام میں پیشین گوئی کی صورت میں مذکور ہیں۔ گو ظاہری طور پر وہ اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ مگر وہ مشیّت ایزدی سے چھپ نہ سکیں گے۔ چنانچہ آپ خانہ کعبہ میں ''رکن'' اور ''مقام'' کے درمیان بیٹھ کر بیعت کی ابتداء کریں گے۔ اور عین اسی وقت خدا کی بارگاہ سے یہ آواز ہر کسی کے کان میں آئے گی کہ:

''هٰذَا خَلِيْفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِيْ فَاسْتَمِعُوْالَهُ وَاَطِيْعُوْا''

(یہ خدا کا خلیفہ مہدی آخرالزمان ہے۔ اس کی بات غور سے سنو اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرو۔)

یہیں سے عرب کی بہت سی فوج ان کے ساتھ ہو جائے گی پہلے پہل علاقہ شام اور عراق سے لوگ آ کر ان کی بیعت کریں گے۔ پھر آپ خانہ کعبہ کے دروازے پر خزانہ موسوم بہ ''تاج الکعبہ'' نکال کر مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے۔

اسی دوران ایک خراسانی امیر جس کی فوج کے سپہ سالار کا نام منصور ہوگا۔ کمک کے لئے پہنچ جائے گا۔ آپ ملک عرب سے شام اور پھر دمشق پہنچیں گے۔ نصاریٰ کی عظیم فوجوں سے سخت مقابلہ ہوگا۔ اس وقت مسلمانوں کے تین گروہ ہونگے۔ ایک فریق مقابلے سے ڈر کر پیٹھ دکھا کر بھاگ جائے گا۔ دوسرا فریق شہید اور تیسرا فریق سیسہ پلائی دیوار کی طرح صف آراء ہوکر فاتح بنے گا۔ صرف چار دن کی متواتر لڑائی کے بعد آخر کار اسلامی فوج فتح حاصل کرلے گی۔ اور کفار ذلت کی شکست کھا کر اس قدر فنا فی النار کر دیئے جائیں گے کہ کُشتوں کے اتنے بڑے بڑے پُشتے ٹیلوں کی طرح بن جائیں گے کہ بڑی بڑی شاہراہیں بھی کفار کی لاشوں سے بند ہوکر رہ جائیں گی۔ باقی ماندہ کفار بھاگ کر جان بچانے کی خاطر چھپ جائیں گے۔ تب حضرت مہدی رحمۃ اللہ علیہ ان کا مکمّل صفایا کرنے کے بعد قسطنطنیہ پر جا کر حملہ کریں گے۔ وہاں کے نصاریٰ کو بھی شکست فاش دیکر کثیر مالِ غنیمت حاصل کریں گے۔ قسطنطنیہ کے تقریباً سب فاتحین حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہونگے۔ جو کہ زیتون کے درختوں کے ساتھ اپنی تلواریں لٹکا کر مال غنیمت تقسیم کرتے ہونگے۔ اس کے بعد حضرت امام آخرالزماں رحمۃ اللہ علیہ واپس لوٹ کر علاقہ شام پہنچ جائیں گے۔ یہاں آپ کے پہنچتے ہی دجال لعین ظاہر ہوگا۔

خروجِ دجّال

دجّال کے لفظی معانی ''مکّار'' اور ''کاذب'' کے ہیں یہ اس کا اصل نام نہیں بلکہ اپنے کردار کی بنا پر اسے دجّال سے موسوم کیا گیا ہے۔ لفظ مہدی کا مد مقابل لفظ دجّال ہے حالانکہ اس کا اصل نام ''صائف'' اور اس کے باپ کا نام ''صاید'' ہوگا۔ اس کے والدین چوٹی کے جادوگر ہونگے۔ یہ قومِ یہود سے ہوگا۔ پہلے پیغمبری پھر خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ یہ خود بھی ہر قسم کے جادو کا ماہر ہوگا اور اس کے پاس مال و دولت کی انتہائی فراوانی ہوگی۔ دائیں آنکھ سے کانا، بال گھنگھریالے، گدھے پر سوار، دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوا ہوگا۔ اہل ایمان اسے واضح پڑھ سکیں گے۔ المختصر یہ اپنی تمام تر مکاری، چالاکی اور فوجی قوت کے ساتھ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں آ کھڑا ہوگا۔ اور اس کی تمام تر فوج یہود و نصاریٰ پر مشتمل ہوگی۔ مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی اسلامی فوج صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس پر مشتمل ہوگی۔ دجّال کے ساتھ جنگ کرتے کرتے آخر کار انتہائی تنگ آ کر خدا کی بارگاہ میں غیبی امداد کی درخواست کریں گے۔

نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

چنانچہ عین اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیبی امداد بن کر چوتھے آسمان سے زرد بہشتی لباس میں ملبوس دو فرشتوں کے بازوؤں میں بذریعہ سیڑھی بوقتِ عصر زمین پر قدم رکھ کر حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے بعد ان کی اقتداء میں نماز عصر ادا فرمائیں گے۔ آپ مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر کمان دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک اُمتی کی حیثیت سے کام کریں گے۔ اور فقہ حنفیہ ہی پر قائم ہونگے۔ (مختلف روایات میں نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع مسجد دمشق پر یا بیت المقدس پر یا خانہ کعبہ پر ہوگا۔)

خاتمہ دجّال

دوسرے دن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک گھوڑا، اور ایک نیزہ دجالی فوجوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ آپ کے دَم (دَمِ عیسوی) میں ایسی تاثیر ہوگی کہ یہ دم جہاں تک جائے گا مشرکین ختم ہوتے جائیں گے اور اس کا اثر وہاں تک ہوگا جہاں تک آپ کی نگاہ ہوگی۔ دجّال کی کثیر فوج آناً فاناً تباہ ہوجائے گی۔ دجّال حالات ناسازگار دیکھ کر پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا تعاقب کرتے ہوئے علاقہ شام کے قریب ایک پہاڑ کے دامن میں اسے پکڑ کر قتل کر کے لوگوں کو بطور عبرت دکھائیں گے۔ ضرب عیسیٰ علیہ السلام دجّال لعین اور اس کی سواری خر (گدھا) دونوں سے پار گزرے گی۔ دجّال کی فوج کا اکّا دُکّا بچا ہوا سپاہی جس چیز کو بھی اپنی جان بچانے کے لئے آڑ بنائے گا وہ چیز خدا کی قدرت سے خود آواز دے کر بتائے گی کہ اے مسلمان میری آڑ میں یہودی چھپا ہوا ہے۔ مسلمان وہاں پہنچ کر اسے فوراً تہِ تیغ کرے گا۔ یہاں تک کہ اس دن سے یہود و نصاریٰ کا رُوئے زمین پر مکمّل خاتمہ ہو جائے گا۔ مہدی آخر الزماں اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام دونوں مل کر ساری دنیا کا دورہ فرمائیں گے اور دجال لعین سے اذیّت رسیدہ مسلمانوں کی امداد کر کے انہیں تشفّی دیں گے۔ تمام روئے زمین پر صرف اور صرف خالص مذہب اسلام اور دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دور دورہ ہوگا۔ عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا۔ دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن کر رشک بہشت ہوگی۔

وفاتِ حضرت اِمام مہدی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ وقت ظہور سے تقریباً آٹھ سال بعد انتقال کر جاویں گے یعنی آپ کی عمر 48 سال ہوگی۔ پھر اسلامی اقتدار صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ رہ جائے گا۔ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فتنہ قوم ''یاجوج و ماجوج'' بھی ختم فرمائیں گے۔

وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام

جب مسلمانوں کی خوشحالی خوب عروج پر ہوگی تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مکمّل 45 سال کی کامیاب حکمرانی کے بعد انتقال کر جائیں گے اور آپ بمطابق وصیت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن کئے جائیں گے۔ واللّٰہ العلم بالصواب۔

(ا) سلسلۂ نقشبند کے معرفتِ الٰہی سے اقرب ہونے کے دلائل

اشرف المخلوقات انسان کو اللہ کریم نے اپنی ذات کی محبّت کے لئے پیدا فرمایا اور طریقہ نقشبندیہ میں اس حصول محبّت کا ایک انوکھا انفرادی راستہ ہے۔ اور یہ محبّت اس طریقہ میں دل و جان سے پیروی سنت رسول ﷺ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ منبع عشق سید المرسلین ﷺ کی ذات گرامی ہے اور بس۔ جو اُن سے ظاہری و باطنی جتنی مشابہت پیدا کرے گا اس قدر وہ عشق الٰہی سے بہرہ ور ہوتا جائے گا۔

مشائخ نقشبندیہ جو فیض و فضیلت میں سبقت لے گئے وہ اس کمال پیروی سنت کی بناء پر لے گئے۔ اس لئے شیخ مجدّد فرماتے ہیں کہ ''ہمارا طریق علوم شرعیہ کا خادم محض ہے۔''

وہ اپنے احوال و معارف اور اذواق (عبادات و کشف و کرامات) و مواجید (بذریعہ کشف نئے نئے انکشافات باطنی) کو شریعت کے دائرے کے اندر ضبط کے ساتھ رکھتے ہوئے صفات و انوار اور صور غیبی (اشکال غیبی) کی طرف دھیان دیئے بغیر محض ذات الٰہی کی طرف آگے بڑھتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں مقصد خالق حقیقی سے جا کر ذوقِ وصال حاصل کرنا ہے وہ وجد و حال کے حصول سے قطع نظر وادی فنا میں کود پڑتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ تخلیقِ انسان کا مقصد احوال و اذواق اور صفات میں الجھے رہنا نہیں ہے۔ بلکہ دیدارِ رب سے مشرف ہو کر ذاتِ رب کا مشاہدہ کرنا ہے۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مناظر غیبی کی طرف دل کو متوجہ کرنا عقل و دین کھونے کے مترادف ہے۔ یعنی وہ شروع ہی سے جو تخلیق انسان کا اصل مقصد ہے اسی کی طرف سراپا متوجہ ہو جاتے ہیں۔''

مرشد کامل اپنی نگاہ سے سالک کے نفس کو مُصفّا کر کے مثل آئینہ بنا ڈالتا ہے پھر مرشد صفائی قلب کی طرف متوجہ ہو کر اسے سب کدورتوں سے صاف کر لیتا ہے۔ یہی صفائی قلب مقام فنا و بقا ہے جو صرف جذب و شوق اور نگاہ مرشد سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

قلبی مشاہدات کو ''سیر انفسی'' (سیر حقیقت یعنی عالم آخرت کا اسی دنیا میں دیکھنا) کہتے ہیں۔ جو اس مادی کائنات اور آفاقی مشاہدات سے ایک ماورا چیز ہے۔ ان میں اس قدر فرق ہے جس قدر صفت اور ذات میں۔ واضح رہے نفس کا تعلّق عالم خلق (عالم سفلی) اور قلب کا تعلّق عالم امر (عالم ارواح) سے ہے۔ دوسرے سلاسل میں پہلے تزکیہ نفس ہوتا ہے اس کے بعد سیر آفاقی نصیب ہوتی ہے۔ جس کا تعلّق عالم خلق سے ہے۔ مگر سلسلہ نقشبند میں شروع ہی سے تزکیہ قلب کیا جاتا ہے جس سے سالک کو سیر انفسی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا تعلّق عالم امر سے ہے اور عالم امر میں صرف صاحب جذب ہی پہلا قدم رکھ سکتا ہے اس وجہ سے سلسلۂ نقشبندی جذب کو سلوک پر مقدم رکھتا ہے اور ابتداءِ تزکیہ لطائف یعنی عالم امر سے کرتا ہے۔ سیر انفسی کا مطلب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب مرید اپنے نفس اور غیر اللہ کی گرفتاری سے مکمّل طور پر آزاد ہو جاتا ہے اس کا پہلا قدم ذاتی نفع و نقصان، فرزند و زَن اور مال و دولت کی محبّت سے دست بردار ہونا ہے۔

ماحصل! یہ کہ دیگر مشائخ کے سلوک کی ابتداء تزکیہ نفس سے ہوتی ہے جبکہ سلسلہ نقشبند میں سلوک کی ابتداء تزکیہ قلب سے ہوتی ہے۔ جس قدر عالم خلق اور عالم امر میں فرق ہے اسی قدر سلسلہ نقشبند اور دوسرے سلاسل میں فرق ہے۔ سلسلۂ نقشبند کا پہلا قدم عالم امر میں جبکہ دوسرے سلاسل کا پہلا قدم عالم خلق میں ہوتا ہے۔ اسی حکمت کے تحت کہا گیا ہے کہ ''دوسرے سلاسل کی نہایت (انتہا) سلسلۂ نقشبند کی بدایت (ابتداء) میں درج ہے۔ اب یہیں سے مسلوک اور غیر مسلوک کا امتیازی فرق بھی سامنے آجاتا ہے۔ دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ خدا کا اپنے سے (انفس و آفاق سے) باہر یافت نہیں۔ مگر مجددؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی ذات اس سے بھی وراء الوریٰ (بلند اور بھی بلند) ہے فرق صرف یہ ہے کہ یہاں (انفس و آفاق) تک علم حال کچھ نہ کچھ کام کرتا ہے مگر اس سے آگے ولی کی ولایت ہی بہتر جانتی ہے جو نہ کسی نے ظاہر کیا ہے اور نہ ہی قابل اظہار ہے۔

پہلی دلیل: مسلوک و غیر مسلوک

راہ فقر وسلوک میں مسلوک اور غیر مسلوک (بالواسطہ اور براہ راست) کا پس منظر یوں ہے کہ فقر و معرفت میں خواجہ خواجگان خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے صوفیائے اسلام میں طریق مسلوک مروّج تھا۔ جس کا مطلب مرحلہ وار جاری عبادات و ریاضات کی بنیاد پر ترتیب وار اِن مشہور مقامات صوفیاء کا طے کرنا تھا۔ جن میں تزکیہ قلب سے پہلے تزکیہ نفس لازم تھا۔ یہاں تک کہ تزکیہ نفس سے پہلے تزکیہ قلب کرنا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ اس طرز عمل سے محنت شاقہ کے باوجود بھی بہت دیر بعد جا کر کچھ نہ کچھ وصول ہوتا تھا۔ سالک چالیس چالیس سال کی تاڑ میں ہوتا تھا۔ مگر خواجہ نقشبند حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سلسلہ کی جلد اور فوری وصول اِلی اللہ ہونے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مسلسل کئی ایام سجدہ میں پڑ کر یہ فریاد کی کہ خدایا! جب تک میرے سلسلے کو ایک براہِ راست انفرادی راستہ عنایت نہ ہو۔ سر سجدہ سے ہرگز نہ اٹھاؤں گا۔ چنانچہ کئی دنوں کی مسلسل آہ وزاری کے بعد خدا کی بارگاہ سے آپ کو طریق غیر مسلوک برعکس مسلوک کے عطا ہوا جس کی بدولت اسی دن سے اس سلسلے کی بدایت دوسروں کی نہایت پر رکھی گئی ہے۔ راہ غیر مسلوک کا مطلب راہ جذب و شوق اور براہ راست سراپا عشق و محبّت ہے۔ (جس طرح موسیٰ علیہ السلام براہ راست خدا سے ہم کلام ہوتے تھے) اس میں عبادت و ریاضات اور محنت شاقہ کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ صرف نگاہ مرشد کام کرتی ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جو راستہ بذریعہ عشق طے ہوتا ہے وہ عبادات و ریاضات کے ذریعے بڑی مشکل اور بڑی دیر کے بعد طے ہوتا ہے۔ عاشق کا ایک قدم غیر عاشق کے ہزار قدم سے بھی آگے جا پڑتا ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ عشق کی اک جست نے کر دیا قصہ تمام ورنہ زمیں و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

لہٰذا طریق غیر مسلوک میں شروع ہی سے تزکیہ قلب کی جاتی ہے جو کہ نفس پر بذریعہ عشق و محبّت حاوی ہوتا ہے اس لئے یہ راہ خاص بندوں کا ہے۔ جس میں انابت وتوبہ (چلّہ کشی و محنت شاقہ) کی کڑی شرط نہیں۔ یہ راہ محبوبوں اور

مرادوں کا ہے۔ برعکس پہلے راستہ کے کہ وہ محبّوں اور مریدوں کا راستہ تھا۔ راہ مسلوک میں علم وعمل کے پاؤں سے چلا جاتا ہے۔ اور غیر مسلوک میں جذب وشوق (قلب وروح) کے پاؤں سے! ظاہر ہے کہ یہی راستہ سلوک سے خوب مناسبت و موافقت رکھتا ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سلسلۂ نقشبند کو یہی غیر مسلوک طریق ارزانی ہوا ہے۔

اس طریق سے وصول لازم ہے اور محرومی تصور تک نہیں ہے۔ بشرطیکہ طالب صاحبِ استقامت بن کر اپنے مرشد پر عقیدہ کامل رکھے۔ آدابِ مرشد کو ملحوظ خاطر رکھے۔

خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ میں نے اس طریق خاص کو خداوند کریم سے مانگا ہے۔ جو بلاشبہ مطلوب تک پہنچانے والا ہے اگر کسی کی اپنی قسمت ساتھ نہ دے تو اس طریق کا کوئی قصور نہیں۔ ورنہ تو اس میں محرومی ہے ہی نہیں۔ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دوسرے سلاسل کی طرح یہ دعوت اسماء کا سلسلہ نہیں کہ سالک کو صفات وظلال وعکوس میں الجھاتا پھرے بلکہ ابتداء ہی سے اس طریقہ عُلیہ کی توجہ وحدت (ذات) کی طرف ہوتی ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ ہماری جماعت صوفیاء میں ایسے ہیں جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جماعت فرشتگان میں۔ دیگر سالکین کے میدان معرفت کی جہاں نہایت وہاں بایزید کے میدان معرفت کی بدایت ہے۔''

مگر اس کے باوجود حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ ''بایزید کی انتہا اگر بہاؤالدین کی ابتداء نہ ہو تو بہاؤالدین پر خدا کی معرفت حرام ہے۔'' (نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعوے کا پس منظر صرف وہی سلسلہ غیر مسلوک ہے۔)
خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں در اول ہدایت از تو دیدم   نہایت در بدایت از تو دیدم

(پہلے ہی دن سے جو فیض مجھے ملا ہے میں نے آپ کی بدولت انتہا کو ابتداء ہی میں دیکھ لیا۔)

اسی حقیقت کی بناء پر مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

''سلسلۂ نقشبند میں سب شیرانِ خدا باندھے ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ جس قدر (زمانہ بعید میں) دور ہوتا جا رہا ہے۔ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جس طرح کہ ایک رسی کو جتنے زیادہ آدمی پکڑیں اسی قدر مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے ایک سرے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دوسرے سرے پر مہدی آخرالزماں رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہیں۔''

دوسری دلیل

سلسلۂ نقشبند میں جلد فیض یاب ہونے کی دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کا وسیلہ فیض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی مطلب کے حصول کا وسیلہ جس قدر مضبوط ہو گا اسی قدر وہ جلد از جلد وصول ہوگا۔ دوسروں کی نسبت یہ بلا کسی خاص مشقّت کے جلد منازل مطلوب طے کرے گا۔ اسی

نسبت سے اس سلسلے کے اکابر کا دعویٰ کہ ''ہمارا سلسلہ دوسرے تمام سلاسل سے اقربِ خدا اور زودِ وصول ہے۔'' حق بجانب ہے۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت بزور بازو نہیں ہے بلکہ جب تک خدا خود عنایت نہ کرے۔)

نیز اِن اکابرین نقشبندیہ کی آ گاہی کا تعلّق بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آ گاہی افضل البشر بعد از نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے سے واقعی دیگر سب کی آ گاہیوں سے افضل وارفع ہے۔ یہ طریقہ بلاشبہ موصّل (خدا تک جلد پہنچانے والا) ہے بشرطیکہ سالک خود بے راہروی اور سُستی کا شکار نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے براہِ راست نقش قدم اور قوی وسیلہ کے بل بوتے پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے کائنات تصوف میں وہ جدید تحقیقات و مشاہدات اور انکشافات کئے جو اُن سے قبل کے صوفیاء کرام کو معلوم تک نہیں تھے۔ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نئی زندگی بخشی ہے اور اسے امت محمدیہ کے سامنے واضح طور پر بے نقاب کر کے پیش کیا ہے۔ چنانچہ شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے سالکین کی سیر صرف ولایت صغریٰ یعنی فتوحات قلب تک محدود تھی۔ شاذ و نادر کسی کو جا کر ولایت کُبریٰ میں سیر ہو جاتی۔ مگر مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر خداوند کریم نے اپنی عنایات کے خاص دروازے کھولے۔ انہوں نے ولایت کبریٰ سے بھی اوپر کے مقامات! کمالات نبوت، کمالات رسالت، کمالات انبیاء اُولوالعزم، حقیقت ابراہیمی علیہ السلام، حقیقت موسوی علیہ السلام، حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، حقیقت لاتعین، حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰۃ و حقیقت معبودیت جیسے کمالات مشاہدہ کر کے منکشف فرمائے۔ نیز یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ ہمارے سلسلہ میں وصول الی اللہ کا سارا راستہ صرف سات (7) قدم ہے۔ جس طرح کہ انسان کے سات (7) لطائف ہیں۔

دو قدم تو عالم خلق میں (ایک قلب دوسرا نفس سے تعلّق رکھتا ہے) اور پانچ قدم عالم امر میں۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ قدم اپنی خوبیوں کے ساتھ بالترتیب درج ذیل ہیں۔

1:۔ قلب:۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے زیر قدم۔ نور زرد، صفت التکوین (تجلّی فعل حق) کا حامل ہے فاتح قلب کو آدمی المشرب کہتے ہیں۔

2:۔ روح:۔ جو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زیر قدم۔ نور سرخ، صفت العلم کا حامل ہے۔ فاتح روح کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

3:۔ سِرّ:۔ جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے زیر قدم۔ نور سفید، صفتُ الکلام کا حامل ہے۔ فاتح سرّ کو موسوی المشرب کہتے ہیں۔

4:۔ خفی:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کے زیر قدم نورِ سیاہ، صفت السلبیہ کا حامل ہے۔ فاتح خفی کو عیسوی

المشرب کہتے ہیں۔

5: ۔اخفیٰ: ۔ جو محبوب خدا سید المرسلین ﷺ کے زیرِ قدم نور سبز خاص مناسبت بہ مقام محمود، صفت العلم کا حامل ہے۔ فاتح اخفیٰ کو محمدی المشرب کہتے ہیں۔ جو حضورِ حق میں احسن، اجمل، اکمل، اقرب اور الطف الطّائف ہے۔ یہاں سالک پہنچ کر بذریعہ سیر باطنی متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔

(اسی صفت علم کی نسبت سے امت محمدی کی ملت! ملت ابراہیمی ٹھہری۔)

نیز مجدّد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کمال مکاشفات سے یہ بھی کہہ ڈالا کہ مقام اخفیٰ تک صرف محمدی المشرت ولی اللہ پہنچ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام محمود کی برکات سے بھی وافر حصّہ پاتا ہے۔

ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار (10000) حجابات اٹھتے ہیں۔ خواہ یہ حجابات نورانی ہوں (سفید) یا ظلمانی (سیاہ) کیونکہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ستر ہزار (نور وظلمت کے) پردے حائل ہیں۔ یعنی ایک قدم سے دس ہزار اور ساتویں قدم پر ستر کے ستر ہزار حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سالک کو پھر بغیر کسی حجاب کے مشاہدۂ رب نصیب ہو جاتا ہے۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ جمع گشتہ در تو عالمِ خلق و امر   جسم تو خلق است روحت ہست امر

(اے انسان! اپنی حقیقت پہچان تجھ میں دونوں عالم! عالم خلق اور عالم امر موجود ہیں یعنی تیرا ''جسم'' خلق ہے اور تیری ''روح'' امر ہے۔)

عالم امر کے پہلے قدم پر تجلّی افعال دوسرے قدم پر تجلّی صفات تیسرے قدم پر تجلّی ذات کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر تجلّیات کے مراتب کے لحاظ سے سالک آگے آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ ان سات قدموں میں سے ہر قدم پر بندہ اپنے سے دور اور خدا کے نزدیک تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان قدموں کی تکمیل سے قربت الٰہی بھی اکمل ہو جاتی ہے۔ یہی درجہ مقام فنا و بقا اور ولایت خاصہ کا ہے۔

شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ انکشاف فرماتے ہیں کہ اگر ایک ولی اللہ ہوا میں اڑتا ہے تو وہ ابھی تک صرف لطیفہ سر کا فاتح ہے۔ اگر ایک ولی اللہ پانی پر چلتا ہے تو وہ ابھی تک صرف لطیفہ خفی کا فاتح ہے اگر ایک ولی اللہ جلالی کیفیت میں جو منہ سے نکالے وقوع پذیر ہو جائے تو ابھی تک لطیفہ روح تک پہنچا ہے۔ اسی طرح کامل ولی اللہ ان سب لطائف کا فاتح ہوا کرتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے آخر کار ولایت کبریٰ (اخفیٰ) پر جا کر متمکّن ہوتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ ولایت صغریٰ صرف سیر قلب تک محدود مگر ولایت کبریٰ تمام لطائف کا شہسوار اور فرمانروا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں مشائخ نقشبند نے سیر سلوک کی ابتداء عالم امر سے اختیار کی ہے۔ اس لئے کہ وہ عالم خلق کو بھی اسی سیر کے ساتھ ساتھ طے کر لیتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی عالم امر ہی سے سیر شروع کی ہے۔ جو حقیقت سے شریعت کی طرف

آئے تھے۔اس لئے سلسلۂ نقشبند براہ راست نقش انبیاء وطریق انبیاء ہے۔ بخلاف دوسرے سلسلوں کے کہ انہوں نے سیر سلوک عالم خلق سے اختیار کی ہے اور تقاضائے بشریت کو ہی مدنظر رکھا ہے۔لہٰذا صرف طریقۂ نقشبندیہ وصال الٰہی کے لئے دوسرے تمام سلاسل سے زیادہ قریب ہے۔تو لازمی طور پر دوسروں کی انتہا اس کی ابتداء میں درج ہوتی ہے۔

مشائخ نقشبند کا طریقہ بعینہٖ طریق صحابہ ہے کیونکہ ان بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی صحبت میں بطریق اندراج وہ کچھ میسر آ گیا تھا جو کامل اولیاء امت کو انتہا پر پہنچ کر بھی بہت کم ہی میسر آیا ہے۔ اسی بناء پر خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہمارا طریق سراپا (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح) طریق صحبت ہے۔ جو پہلے آتا ہے پہلے ہی لے کے جاتا ہے۔''

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سلسلۂ نقشبند میں ایک قدم رکھنا دوسرے سلاسل میں سات قدم رکھنے سے بہتر ہے۔ وہ راستہ جو کمالات نبوت کی طرف کُھلتا ہے اس سلسلہ عالی سے مخصوص ہے۔ کیونکہ دوسرے سلاسل کی انتہا کمالات ولایت کی انتہا تک ہے۔ان کے لئے وہاں سے کمالات نبوت کی طرف ابھی تک کوئی راستہ کھلا ہی نہیں۔ بغیر سلسلۂ نقشبند کے کہ اس کے سامنے سب کمالات منکشف کرائے گئے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ یہ انفرادیت کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ اس سلسلے کی بنیاد نسبت نقشبند ہے۔ حضرت خواجہ علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مرشد خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ باطنی کا یہ حال ہوتا تھا۔ کہ مریدانِ صادق قدم اوّل میں سب ثمراتِ مراقبہ سے مشرف ہو جاتے۔ جب نظر عنایت اس سے زیادہ ہوتی تو درجہ عدم کو پہنچ جاتے جب اس سے بھی زیادہ توجہ فرماتے تو سالک مقام فنا کو پہنچ جاتے۔اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ (مرشد بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے خدا کا شکر ہے کہ ہم خدا کی طرف سے دولت وصال کا واسطہ ہیں۔ جو کارِ انبیاء تھا۔

ع موسیٰؑ تو از برائے وصل کردن آمدی (رومیؒ)

(اے موسیٰؑ! تُو دُنیا میں اللہ سے ملانے کے لیے آیا ہے)

☆☆☆☆☆☆

انکشافِ حقیقت از حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جیسے سوختہ جاں عاشقوں نے اس سلسلے کی برتری کو یوں تسلیم کر کے اس کی عظمت کو سراہا ہے۔ فرماتے ہیں:

1:۔ نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند | بُرند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را
2:۔ از دل سالک راہ جاذبہ صحبت شاں | می برد وسوسہ خلوت و فکر چلّہ را
3:۔ قاصرے گر کند ایں طائفہ را طعن قصور | حَاشَ لِلّٰہ کہ بر آرم بزباں ایں گِلہ را
4:۔ ہمہ شیرانِ جہاں بستہ دریں سلسلہ اند | رُوبہ از حیلہ چساں بگُسلد ایں سلسلہ را

(1) سلسلہ نقشبند کے میر کاروان (مرشدین) بہت نرالے ہیں کہ وہ اپنے قافلہ (مریدین) کو ایک چھپے مختصر (غیر مسلوک) راستے سے حرم کعبہ تک پہنچا دیتے ہیں۔

(2) وہ اپنی کیمیا ساز صحبت کی تاثیر سے راہ جذب وشوق میں سالک کے دل سے خلوت نشینی اور چلّہ کشی کے تصور کو یکسر محو کر دیتے ہیں۔

(3) کوئی قاصر اور خاسر اگر اس سلسلے پر اپنی کم نگاہی سے زبان طعن دراز کرے تو وہ جانے مگر خدا اس بات سے مجھے محفوظ فرمائے۔

(4) دنیا کے شیر مرد (میدان معرفت میں منفرد مردانِ خدا) اس سلسلے میں باندھے ہوئے ہیں۔ کوئی گیدڑ اپنی چالبازی سے کیسے اس زنجیر کو توڑ سکتا ہے۔

دائرہ
لامکاں
اِمکان
قلوب المومن عرش اللّٰہ
فاستویٰ علی العرش
مقام نبوت و رسالت
ولایتِ کبریٰ
(5) اصل اخفیٰ
(4) اصل خفی
(3) اصل سر
(2) اصل روح
(1) اصل قلب
• انتہا ولایت صغریٰ
• کشفِ علوی
• سیر انفسی
• تزکیہ قلب سے
سلسلہ نقشبند
• توحید شہودی
• مرتبہ ذات وصفات
• عالم امر
• تخلیق براہ راست لفظ کن (جوہر) سے ہے
عرش
(1) نفس
(2) آگ
(3) ہوا
(4) پانی
(5) خاک
• تزکیہ نفس سے
دیگر سلاسل
• سیر آفاقی
• کشفِ کونی
• عالمِ خلق
• تخلیق بالواسطہ مادہ (عرض) سے ہے
• مرتبہ ظلال
• توحید وجودی
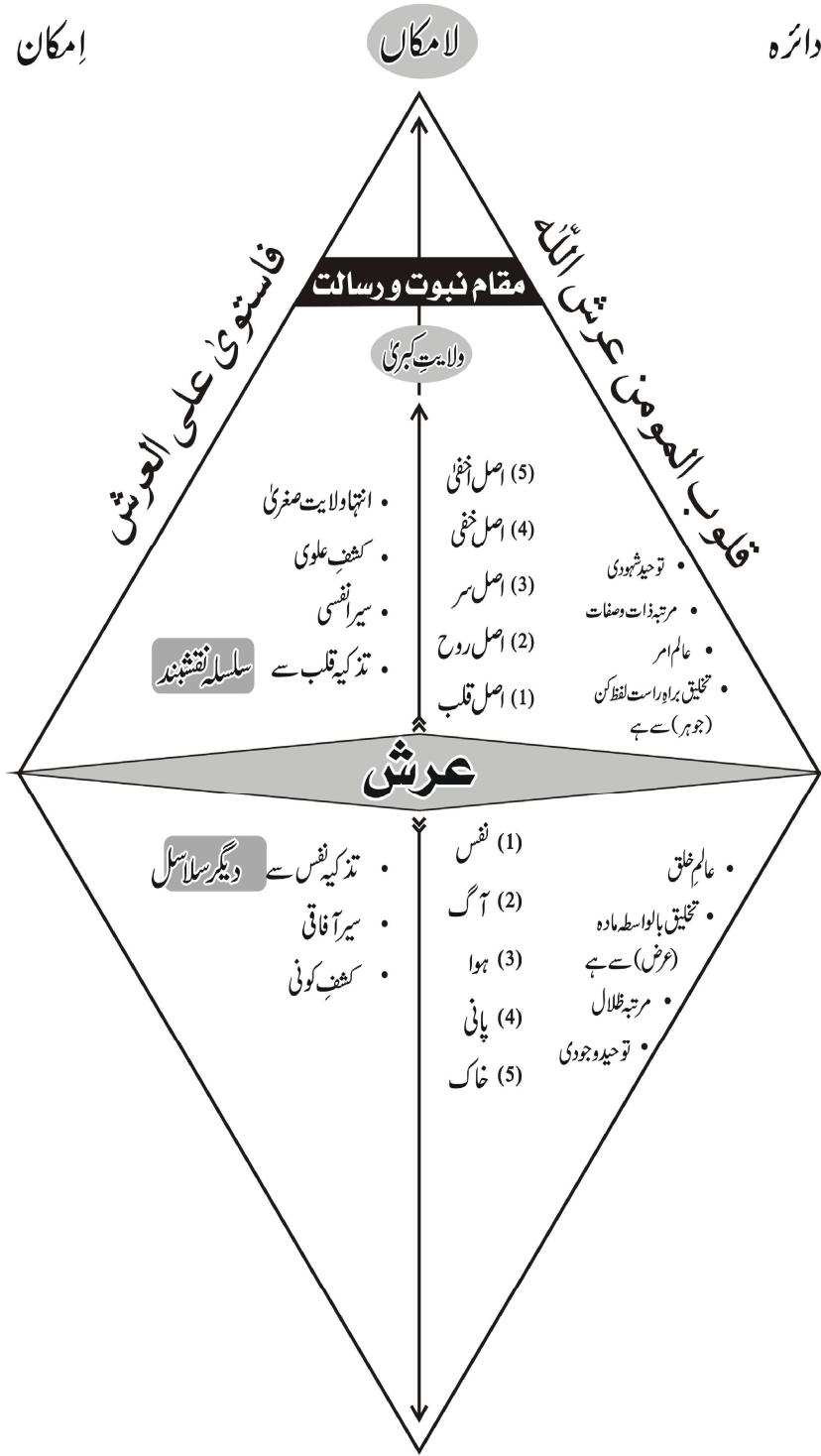
دائرۂ قلب کی کچھ مختصر تفصیل

''قلب''، عالم خلق (اربع عناصر) اور عالم امر (لطائف) کے درمیان بمنزلہ برزخ کے ہے۔ گویا اس کا نصف عالم خلق اور دوسرا نصف عالم ارواح سے ہے۔ توجہ مرشد اور بذریعہ تقویٰ لطیفہ قلب کی صفائی کا عکس نفس کو مصفّا کرے گا۔ مرحلہ وار رُوح کی صفائی کے ذریعے عُنصر ''آگ''۔ سرّ کی صفائی کے ذریعے عُنصر ''ہوا''۔ خفی کی صفائی کے ذریعے عُنصر ''پانی'' اور اخفیٰ کی صفائی کے ذریعے عُنصر ''خاک'' کی صفائی ہوگی۔ باالفاظ دیگر لطائف کے ذریعے مد مقابل عناصر کی صفائی ہوتی ہے۔ جس طرح حدیث پاک میں کثیف سے لطیف کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ پتھر سے لوہا لطیف ہے، لوہے سے آگ، آگ سے پانی، پانی سے ہوا، ہوا سے لطیف چیز از رُوئے لطافت ''انسان'' ہے۔ اور پھر انسان سے زیادہ لطیف ترین و طاقتور ذات ''خدا'' کی ہے۔ رہنمائی مرشد میں انسان کثیف سے لطیف کی طرف بذریعہ تقویٰ ترقی کر کے ان عناصر کو لطیف بنا کر مثل آئینہ بناتا ہے۔ پھر بقول عارف رومیؒ:

؎ آئینہ دل را چوں داری صاف و پاک نقشہا بینی بروں از آب و خاک

(جب تو دل کے شیشے کو پاک و صاف رکھے تو اس عالم آب و گل کے علاوہ اور کئی چیزیں دیکھے گا جو اس سے ماوراہیں۔)

اس کے بعد یہ واضح رہے کہ ولایت صغریٰ کی انتہا مقام اخفیٰ تک ہے۔ یہاں پر بشر کو جا کر عجز کامل حاصل ہو جاتا ہے۔ اور دید قصور کے لئے آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ (اسی مقام سے انکشاف حقائق کی ابتداء ہوتی ہے۔ جس طرح کہ حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰۃ، حقیقت نور محمدی، حقیقت محبوبیّت و معبودیّت وغیرہ وغیرہ کہ جن کی ابتداء و انتہا کا پتہ صرف صاحب نظر محقق ہی کو ہوتا ہے۔ یہ طالب و مطلوب اور عاشق و معشوق کے آپس کا معاملہ ہے۔) پیشوائے نقشبنداں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ''خداوند کریم نے اپنی درگاہ معرفت تک پہنچنے کے لئے بجز عجز کے اور کوئی راستہ نہیں رکھا۔''

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان ساری مشاہدات غیبی کا ایک عام انسان کو کیوں پتہ نہیں چل سکتا؟ وہ اس لئے کہ!

؎ آئینہ ات دانی چرا غمّاز نیست زانکہ زنگار از رُخش ممتاز نیست

(تیرے شیشۂ دل کو ان تمام باتوں کا مشاہدہ کیوں نہیں ہو سکتا!۔ اس لئے کہ وہ زنگ آلود (گناہوں کی وجہ سے کالا) ہے اور زنگ آلود شیشے میں قوت بینائی نہیں ہوا کرتی۔)

سلسلہ نقشبند میں فیض یابی کے اصول

(1) صحبت مرشد:

؎ صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش لاکھ حکیم سر بجیب! ایک کلیم سر بکف! (اقبالؒ)

جس طرح کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سید عالم ﷺ کی پہلی ہی صحبت سے نہایت کی باتیں بدایت میں پاتے اور آپ ﷺ پہلی ہی نگاہ سے ان کے لطائف سے مِن جملہ رذائل و کدورتیں دور فرما کر وَصل و مشاہدۂ رب سے سرفراز فرماتے۔ مشائخ نقشبند کی صحبت نے بھی وہی عکس قبول کیا ہوا ہے۔ اوران کا طریق کا رعین طریق صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ وہ طالب صادق کو پہلے ہی دن سے واصل بحق کر دیتے ہیں۔ پہلی ہی صحبت میں مرید کو وہ فیض ارزانی فرماتے ہیں جو دوسرے سلاسل میں سالہا سال کی مشقّت کے بعد جا کر نصیب ہوتا ہے۔ مُرشد کامل بابا بنوں والی سرکار بھی اکثر یہی فرماتے ہیں کہ ''ہم پہلی ہی صحبت میں مرید کو وہ فیض دیتے ہیں جو دوسرے سلاسل میں چالیس سالہ عبادات و ریاضات کے بعد جا کر نصیب ہوتا ہے۔'' ہاں اس قدر حصولِ فیض کے لئے آداب مرشد کا خیال رکھنا مرید کے لئے سرفہرست ہے۔ کیونکہ وہ اسے پہلی ہی صحبت میں وہ انمول چیز دیتا ہے جو زمین و آسمان میں بھی تلاش کرنے سے نہیں مل سکتی۔

یہ چلّوں کا سلسلہ نہیں بلکہ صحبت مرشد میں توجہ کا سلسلہ ہے۔ خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت شیخ کی اہمیت کو یوں واضح فرمایا۔

؎ نماز را بحقیقت قضا بود لیکن نماز صحبت ما را قضا نخواہد بود

(ہمارے نزدیک نماز کی قضا تو ہے مگر صحبت کی قضا ہرگز نہیں ہے۔)

اور یہ براہ راست صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیروی ہے کہ صحبت محبوب خدا ﷺ میں جان دینا قبول فرمایا مگر رخسارِ یار سے آنکھ ہٹانا قبول نہ کیا۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ دانی کہ چیست دولت دیدار یار دیدن در کوئے او گدائی بر خُسروی گزیدن

(تجھے کیا معلوم کہ دیدارِ یار کی کیا قیمت ہے؟ تخت شاہی سے اس کے کوچے کی گداگری کو ترجیح دینا)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت مرد کامل کی اہمیت و فضیلت کو اس طرح اجاگر فرمایا: ؎

1:۔ ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء

2:۔ پیر کامل صورت ظِلِّ الٰہ یعنی دیدِ پیر دیدِ کبریا

3:۔ تیغ در زرّاد خانۂ اولیاء است دیدنِ شاں کیمیا بہر شما است

4:۔ یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(۱) جوخدا کے ساتھ بیٹھنا چاہے وہ اولیاء اللہ کی محفل میں جا کر بیٹھے۔

(2) مرشد کامل ذات الٰہی کا عکس ہوتا ہے اس لئے مرشد کا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہے۔

(3) خدا کی تلوار اولیاء کرام کے اسلحہ خانہ میں موجود ہے ان کا شرف دیدار حاصل کرنا تیرے لئے کیمیاء گری سے کم نہیں۔

(4) ایک لمحہ اولیاء کرام کی محفل میں بیٹھنا سو سالہ بے ریا (خالص) عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مرید کو دولت صحبت سے خزانہ الفت (محبّت الٰہی) نصیب ہوتی ہے۔ اور پھر اسی الفت کی بناء پر شیخ کامل اسے خرقۂ خلافت جیسی عظیم ترین نعمت عطا کرتا ہے۔ جس کے طفیل وہ مقامات فنا و بقا تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ (اخبار الاخیار)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرید نے دریافت کیا کہ میں آپ سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں اس کا طریقہ سکھا دیجئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصیات سلسلۂ نقشبند کے مطابق دوٹوک الفاظ میں یہ جواب دیا کہ:

''زود بیا و زود برو۔'' زیادہ (صحبت میں) آیا کریں اور زیادہ جایا کریں۔

جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہفتہ کے توقّف کے ساتھ صحبت میں آنے کا مشورہ دیا تھا۔ بقول اقبالؒ:۔

؎ حجاب اکسیر ہے آوارۂ کوئے محبّت کو　　میری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی

جدائی سے عشق جنم لیتا ہے اور پھر صحبت مرشد سے پروان چڑھتا ہے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے دیگر شرائط فیض سے صحبت کو ترجیح دیکر سالک کی رہنمائی فرمائی کہ:

''سایۂ رہبر بہ از ذکر حق'' (اپنے سر پر اکیلا) ذکر خدا میں مشغول ہونے سے خدمت و صحبت شیخ میں مصروف رہنا بہتر ہے۔ ذکر خدا سے یاد خدا نصیب ہوتا ہے۔ صحبت مرشد سے دیدار خدا نصیب ہوتا ہے۔ کہاں فراق اور کہاں وصال۔ ایک بزرگ نے خوب فرمایا:

؎ صحبت صافی ضمیراں کور را بینا کند　　اختلاط دیدہ را عینک حروف آموز کرد

(پاک لوگوں کی صحبت اندھوں کو بینا کر دیتی ہے جس طرح کہ معطّل نگاہ کو عینک دیکھنے کی قوت بخشتی ہے۔)

ایک بزرگ کی وصیت ہے:۔

؎ گرد مستاں گرد مئے نرسد بوئے رسد　　بوئے ہم گر نباشد صحبت ایشاں بس است

(دیدار الٰہی کے لئے مست لوگوں کی قربت میں رہا کرو وہ اول تو شراب عشق دے دیں گے اگر نہ بھی دیں خوشبو

تو لازمی پہنچے گی۔ اگر چہ خوشبو بھی نہ پہنچے ان کی صحبت ہی ترے لئے سعادت دو جہاں سے کم نہیں۔)

حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:۔

؎ صحبت با اہل دل در یک دو دم　　آں یک دو دم بہتر زِ صد بود و عدم

(اہل دل مردان خدا کی صحبت میں ایک دو لمحہ کے لئے بیٹھنا بھی سینکڑوں دنیا و عقبیٰ سے بہتر ہے۔) کیونکہ:۔

؎ اگر پندے ز درویشے پذیری　　ہمہ عالم بمیرد تو نمیری

(درویش کامل کی صحبت سے اگر تو صرف ایک ہی نصیحت پکڑے ساری دنیا فنا ہو گی مگر تو فنا نہ ہو سکے گا۔)

ولی اللہ اپنی صحبت اور نگاہ کی تاثیر سے ولی گر ہوا کرتا ہے۔ بقول اقبالؒ:۔

؎ میرے حلقہ سخن میں ابھی زیر تربیت ہیں　　وہ گدا کہ جانتے ہیں رہِ و رسم کجکلاہی

(2) تصوّرِ شیخ: تصور کا مطلب کسی کی عدم موجودگی میں اس کی غیبی تصویر کو بار بار یاد کر کے اپنے لوح دل پر منقّش کرنا ہے۔ کہ اس کا عکس آئینہ دل میں جاگزیں ہو۔ قلب جس قدر صاف ہوا اسی قدر جلد تصویر منقّش ہو جاتی ہے۔ مسلک عشق و محبّت میں اسے تصور شیخ کہتے ہیں۔ طریق تصوف میں تصور شیخ کے ذریعے جبکہ مرید صحبت شیخ سے دور ہو! دوری صحبت کو حضوری صحبت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے رابطہ شیخ بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:۔ یہ ہے کہ ہمہ وقت جہاں جہاں اس نے شیخ کو دیکھا تھا اور جس طرح دیکھا تھا وہی تصویر اور ادائیں اپنے سامنے لیکر بیٹھ جائے۔ اور دل و دماغ کو کُلی طور پر ان کی طرف مرکوز رکھے۔ جس طرح کہ کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات فلاں جگہ اس حالت میں بیان فرمائی تھی گویا کہ اب بھی میں انہیں اسی حالت میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔

دوسری صورت:۔ خلوت میں، جلوت میں ہمہ وقت دل و دماغ میں یہ تصویر لیکر بیٹھے کہ مرشد کریم فی الوجود میرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ یہ صورتِ تصور جب عروج کو پہنچے تو بقول جامی رحمۃ اللہ علیہ ''ہر کرا بینم پندارم توئی''، جس کو دیکھتا ہوں اس میں تیری تصویر نظر آتی ہے۔ نیز:۔

؎ ہر کہ بینم در جہاں غیر تو غیست　　یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

(جسے بھی دنیا میں دیکھتا ہوں کسی نہ کسی صورت میں تیری جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ یا تو بالکل تیری ذات ہے یا تیری خوشبو ہے یا اس میں تیرے عادات و خصائل نظر آتے ہیں۔) پھر یہاں تک کہ بقول ناصر کاظمی:۔

؎ کس کو اپنا سمجھوں ناصر کون پرایا ہے　　شیش نگر میں ہر اک چہرہ اپنا لگتا ہے

تیسری صورت:۔ خلوت ہو یا جلوت اپنی صورت کو صورت شیخ تصور کر کے ہر حرکت اور قول و فعل مرشد کو ظاہری ہو یا باطنی اپنے اندر بار بار تصور کے ذریعے پیدا کرے۔ یہ تصور جب عروج کو پہنچے تو طالب مطلوب کے رنگ میں

یعنی مرید شیخ کے رنگ میں مکمّل طور پر رنگ جاتا ہے یہاں تک کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا ثبوت ملتا ہے کہ:۔

؎ من تُو شُدم تُو من شُدی من تن شدم تُو جاں شدی   تا کس نگوید بعد ازاں مَن دیگرم تُو دیگری

(مَیں ''تُو'' ہو گیا اور تُو ''مَیں'' ہو گیا۔ میں جسم بنا اور تو جان۔ تا کہ یہ کوئی نہ کہہ سکے میں کوئی اور ہوں اور تو کوئی اور ہے۔) ایسی صورت میں مرشد فی الوجود جہاں پر بھی ہو مرید براہ راست مرشد کی ہدایات سن سکتا ہے اور اکتساب فیض کر سکتا ہے۔

بعد از وصال بھی ایسے مرید کو روحانی طور پر اپنے مرشد کی معیّت حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی مقام فنافی الشیخ ہے۔ سلسلۂ نقشبند میں طریقہ اویسیّت (جذب وشوق کا راستہ جس کے بارے میں سلسلۂ قلندریہ میں بتایا جائے گا) سے نسبت کی بناء پر مرید جلد تصور شیخ میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ بقول مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار ''ہتھ کار وَل دل یار وَل'' کی حالت ہو۔ تصور شیخ میں زود کامیابی کا اصل دارو مدار مرید کے جذب وشوق پر ہوتا ہے۔ سلسلۂ نقشبند میں چونکہ جذب وشوق انتہا کا ہوتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں دوسروں کی نسبت جلد کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس سلسلہ عالیہ میں طالب کی نظر براہِ راست تصور شیخ کی تیسری صورت پر ہوتی ہے۔ پھر مرید میں الفت شیخ اور عشق شیخ جس قدر کامل ہو اسی قدر وہ جلد از جلد تصور شیخ میں کامیاب ہو کر مقام فنافی الشیخ پر فائز ہو جاتا ہے۔ مگر یہ شارع عام نہیں:۔

؎ صنما رہ قلندری سزد ار بمن نمائی   کہ دور و دراز دیدم رہ و رسم پارسائی

(اے مرشد اگر ہو سکے تو اس راستے کے لئے عشق قلندری چاہیے۔ وگرنہ زہد وعبادت کے بل بوتے پر یہ راستہ بہت دور دکھائی دیتا ہے۔)

(3) اوراد ووظائف: اوراد ووظائف مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ یہ ایک قسم کے رابطۂ شیخ کے ذرائع ہیں۔ (وظیفہ❋ صفائی قلب کرتا ہے اس لئے پاک دل کی پاک لوگوں کے ساتھ کشش بحال رہ سکتی ہے) یہ تصوّرِ شیخ کو اجاگر کرتے ہیں کہ جس سے رشتہ مریدی بحال رہے تا کہ اسی رابطہ کے طفیل دوبارہ شرف صحبت حاصل ہو۔ اور مرشد کو مرید کی تبدیلی حالات کے مطابق اوراد ووظائف میں ردو بدل کرنے کا موقع بھی مل سکے۔ علاوہ ازیں جس طرح کہ ایک جسمانی ڈاکٹر کے پاس ایک ہی وجود انسانی کے علاج کے لئے مختلف قسم کے نسخہ جات ہوتے ہیں جیسے جس قسم کی بیماری لاحق ہو ڈاکٹر اسی بیماری کے مطابق اپنے مطَب (سٹور) سے ایک دوا تجویز کر کے دے دیتا ہے۔ پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ آ کر چیک اپ کرانے کے لئے کہتا ہے۔ تا کہ روبہ صحت جسم میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ نسخہ کو بھی تبدیل کیا جا سکے۔ چنانچہ مریض اپنی بیماری کی نوعیت کے مطابق ایک مقررہ وقت تک ڈاکٹر سے علاج کراتا رہے گا۔ جب تک مریض مکمّل طور پر صحت یاب ہو کر شفایاب نہ ہو۔

اسی طرح یہ اوراد ووظائف بھی اولیاء کرام نے قرآن وحدیث سے ہر دور کے مطابق مختلف روحانی بیماریوں

❋ وظیفہ: (مقررہ الفاظ کے ساتھ مقررہ وقت میں خدا کے یاد کرنے کو کہتے ہیں۔ تا کہ وہ اپنے بندے کی طرف متوجہ ہو کر اس کا مطلوبہ مقصد حل فرما دے۔)

کے علاج کے لئے اخذ کئے ہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث دراصل انہی روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے ہیں۔ جس طرح کہ ہسپتال میں ہر قسم کی ادویات موجود ہوتی ہیں۔ مگر دوا شناس ڈاکٹر کے بغیر وہ مریض کے لئے نا کارہ ہیں جب تک ڈاکٹر چیک اپ کر کے ایک خاص نسخہ نہ دے گا اس وقت تک مریض کی صحت یابی ناممکن اور دوا بے اثر ہے۔ اسی طرح قرآن و حدیث سے بھی (جو سراپا شِفا ہیں) ولی اللہ جب تک روحانی مریض کے لئے ایک خاص وظیفہ تجویز کر کے نہ دے گا اس وقت تک روحانی واخلاقی بیماری کی شفایابی بھی ناممکن ہے اور نہ تاثیر و ثمرۂ وظیفہ ظاہر ہوگی۔

پھر دَوا دینا بھی ایک خاص تربیت یافتہ ڈاکٹر کا کام ہے۔ اگر خود مریض یا کوئی اور بغیر تربیت یافتہ عام آدمی دَوا دینے کی جرأت کرے گا تو وہ بجائے فائدہ پہنچانے کے الٹا مریض کے لئے جان لیوا ثابت ہوگا۔

اسی طرح ولی اللہ بھی مخلوق خدا کو خاص کر اپنے مریدوں کے روحانی علاج کے لئے قرآن وحدیث میں سے ان کی روحانی بیماری کی نوعیت کے مطابق ایک وِرد یا وظیفہ تجویز کر کے بطور روحانی نسخہ دیتا ہے۔ پھر یہ اوراد و وظائف بھی اس قدر مختلف نوع کے ہیں جس قدر روحانی اور اخلاقی بیماریاں مختلف النوع ہیں۔ جس طرح کہ جسمانی بیماریوں کے پیش نظر ادویات کی بہتات ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کے لئے قرآن وحدیث میں بھی بیشمار مختلف قسم کے اوراد و وظائف موجود ہیں۔ جنھیں صرف روحانی تربیت یافتہ پیرِ کامل جو مجاہدات و ریاضات کے ذریعے شریعت محمدیہ ﷺ کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے مکمّل تزکیۂ نفس حاصل کر چکا ہو اپنے مرید میں موجود اخلاقی و روحانی بیماری کے علاج کے لئے اس کی نوعیت کے مطابق عطا فرماتا ہے۔ یہ کام صرف صاحبِ نظر نورِ فراست کا مالک ایک ولی کامل ہی کر سکتا ہے۔ اگر کوئی عام آدمی جرأت کرے تو بجائے فائدہ کے الٹا روحانی و ایمانی نقصان کرے گا۔ (آجکل طریقت کو جتنا نقصان پہنچ رہا ہے وہ صرف اِنہی ناقص، نا اہل، غیر روحانی تربیت یافتہ، فراڈی پیروں کی وجہ سے ہے) یہ اوراد و وظائف بھی ولی اللہ ایک محدود وقت کے لئے دیتا ہے۔ پھر بار بار صحبت میں باریابی کے دوران جوں جوں روحانی صحت ترقی کی طرف گامزن ہوگی وظیفہ بھی بدلتا جائے گا۔ جب تک کہ مکمّل طور پر روح صحت یاب نہ ہو اور سب روحانی واخلاقی امراض ختم نہ ہوں۔ جس طرح مکمّل جسمانی صحت مندی سے انسان پہلوان بن جاتا ہے۔ اسی طرح مکمّل روحانی صحت مندی سے انسان ولی کامل اور مرد کامل بن جاتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ جب تک اس دنیا میں انسان کی ذات موجود ہے جسمانی ڈاکٹروں کی طرح روحانی ڈاکٹر (اولیاء کاملین) بھی موجود رہیں گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خلافِ قدرت بات ہے۔ ہاں البتہ ان سے فائدہ صرف وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو اپنی بیماری کا احساس کر کے اُن کے پاس علاج کے لئے چل کر جائے۔

ڈاکٹر سائنسی آلات کے ذریعے چیک کر کے نسخہ تجویز کرتا ہے۔ ولی اللہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر (بیعت کے وقت) اپنی باطنی نورِ فراست کے ذریعے نسخہ وظیفہ تجویز فرماتا ہے۔ ہمارے اپنے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے۔ کہ ہمارے مرشد کریم

کے ہاتھ پر بیک وقت بہت سے لوگ آ کر بیعت ہوتے ہیں مگر وظائف انہیں ایک دوسرے سے مختلف دیئے جاتے ہیں۔

(یہ تھی اولیاء کرام کی اوراد و وظائف دینے میں حکمت)

دیگر یہ کہ انسان مختلف لطائف کا مجموعہ ہے۔ مرشد کامل ان لطائف کی کدورتوں کو توجہ اور وظائف کے ذریعے صاف کر کے صراط مستقیم (مقام اعتدال) پر لے آتا ہے۔ اور اوراد و وظائف ہر ولی کامل اپنی اپنی صواب دید کے مطابق مرید کی استعدادِ طبع اور نوعیّتِ مرض کی مناسبت سے عنایت کرتا ہے۔

اسکے بعد سلسلۂ نقشبند میں جس قدر ذکر نفی و اثبات پر زور دیا جاتا ہے۔ دیگر اذکار و وظائف پر اتنا زور نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ یہی کلمہ قرآن و حدیث اور اوراد و وظائف کا اصل منبع اور صیقل قلب ہے۔ ذکر نفی و اثبات (لا الہ الا اللہ) یا اوراد و وظائف (خلوت میں یا حلقہ احباب میں) کے وقت بھی تصور شیخ لازم ہے۔ جو اِن میں رُوح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ تا کہ قلب دیگر وسوسوں سے تصور مرشد کی برکت سے مکمّل آزاد ہو کر ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہو جائے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلۂ العالی اکثر ذکر بالجہر کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔ اس میں ایک یہی حکمت ہے تا کہ توجہ مکمّل قلب پر مرکوز ہو جائے۔ دیگر یہ کہ ضرب آواز بھی دل پر لگ کر اسے حرکت میں لائے۔ تا کہ قلب جاگ کر ذکر الٰہی سے جاری ہو جائے۔ ہمارے مرشد کریم سلسلۂ نقشبند میں ہوتے ہوئے چونکہ توجہ کامل رکھتے ہیں۔ وہ مرید کے ظاہر و باطن کو اپنی نگاہ کیمیا ساز سے ہی انتہائی قلیل مدت میں دھوڈالتے ہیں۔ پھر بھی مختصر اوراد و وظائف لازمی ہیں۔ مگر وہ ذکر نفی و اثبات کے علاوہ اوراد و وظائف پر اتنا زور نہیں دیتے جتنا کہ مرید کے لئے صحبتِ شیخ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ منصور حلّاج رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ ''پہلے مرشد کی توجہ پھر اوراد و وظائف جب یہ دونوں مل جائیں تب واردات قلبی (انوار والہام اور مکاشفات) جنم لیتے ہیں۔'' خدا مرشد کریم کے طفیل توفیق عمل عطا فرمائے۔ (آمین)

(4) مراقبہ: مراقبہ عربی زبان کے ایک لفظ ''رقیب'' سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی حفاظت کرنا۔ انتظار میں بیٹھنا، گریبان جھانک کر اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنا کے ہیں۔

مگر اصطلاحات صوفیاءٔ میں نفس اور شیطان کے وساوس سے قلب کی حفاظت کرنا، معشوق حقیقی کے انوار و تجلّیات اور شرف دیدار کی تاک میں بیٹھ کر واردات قلبی کی انتظار کرنا مراقبہ کہلاتا ہے۔ اس کا طریق کار بوقت خلوت آنکھیں بند کر کے قلب پر مکمّل توجہ دینا ہے۔ جس سے نتائجِ مراقبہ سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

لفظ مراقبہ دراصل قرآن کریم کی اس آیت سے لیا گیا ہے ''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا'' بیشک خدا کی ذات ہر وقت تمہاری نگران و نگہبان ہے۔ یعنی سالک اپنے دل میں اس بات کو عملی صورت میں بٹھا دے کہ کوئی ذرا بھر ناجائز کام نہیں کرنا کہ خدا کی ذات دیکھ رہی ہے۔ خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی دراصل خلاف نفس کا ایک طریقہ ہے۔ مجاہدہ ظاہری خلاف نفس ہے۔ اور مراقبہ باطنی خلاف نفس کا ایک طریقہ ہے کہ جس سے

سالک ہمہ وقت اپنے نفس کو زیرِ عتاب رکھ کر ڈانٹتا رہتا ہے۔

صوفیاء کا فرمان ہے کہ مراقبہ کا مقصد دل کو شیطانی ،نفسانی اور دنیاوی وساوس سے محفوظ کر کے صرف خدائے واحد کی طرف متوجہ رکھنا ہے۔ یہ اہل دل لوگوں کا خاصہ ہے۔صوفیاء بتاتے ہیں: ''مراقبہ مسلک صوفیاء میں ایک باطنی ڈانٹ ڈپٹ ہے جسے وہ علم حال کا مقدّ مہ تصور کرتے ہیں جو سالک کے لئے خدا کا ایک خاص انعام ہوتا ہے۔'' مراقبہ کے دو مرحلے ہیں۔

1: مراقبہٗ محاسبہ: جس کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے کہ ''اے بنی نوع انسان اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ میدانِ محشر میں تمہارا محاسبہ کیا جائے۔''

اس لئے صوفیاء کرام ہمہ وقت یا ایک مقررہ وقتِ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے اعمال و کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔اس محاسبۂ اعمال کو مراقبۂ محاسبہ کہتے ہیں۔

2: مراقبۂ مشاہدہ: ۔جب سالک محاسبہ کے ذریعے قلب کو خیالات غیر سے جھاڑ و دے کر صاف کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تب مراقبۂ مشاہدہ کا وقت آجاتا ہے۔

قول اَصفیاء ہے: کہ ''مراقبہ کا مطلب اپنے دل کو یہ یقین دلانا کہ بے شک خدا کی ذات مجھے عیاں دیکھ رہی ہے۔تب وہ وقت بھی آئے گا جب سالک اپنی آنکھوں سے خدا کو عیاں دیکھ لے گا'' اور یہ نظارہ جا کر مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا۔(حدیث پاک میں ''یَـرَاکَ'' مقام مراقبہ اور '' تَـرَاہُ '' مقام مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے۔) یعنی مقصد مراقبہ اس وقت مکمّل ہوتا ہے جب مراقبہ مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے۔اور یہ استقامت کے ساتھ ہوتا ہے جو رب کریم کا دروازہ متواتر کھٹکھٹاتا رہے آخر ایک دن کھل ہی جاتا ہے۔

شاہِ نقشبنداں حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''خود اور مخلوق سے بے نیاز ہو کر خدا کی طرف مکمّل توجہ کو مراقبہ کہتے ہیں۔'' مبتدی (مرید) کے لئے مراقبۂ جزوی، جو حسب حکم مرشد ہوتا ہے اور منتہی (پیر کامل) کے لئے مراقبۂ کُلی! جو میدان معرفت کا شہسوار ہوتا ہے۔

پیر کامل اور درویش کامل کے مراقبہ کے بارے میں بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''درویش جب مراقبہ کرتا ہے تو اٹھارہ ہزار عالم اس کے سامنے ہوتے ہیں۔جب قدم اٹھاتا ہے تو عرش سے تَحۡـتَ الثَّرٰی تک محیط (چھایا ہوا) ہوتا ہے۔''

اس مختصر سی تعریف کے بعد یہ معلوم ہو کہ مراقبہ پیر کامل کے حکم کے مطابق ہوتا ہے بے پیر انسان نہ مراقبہ کر سکتا ہے اور نہ اسے اس سے کوئی فائدہ مل سکتا ہے۔ اس کا دارومدار صرف پیر کامل کی توجہ پر ہوتا ہے۔کیونکہ مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ''ہم پہلے مراقبہ سے ناواقف تھے ہم نے اس وقت مراقبہ کرنا شروع کیا جب مرشد کریم

(خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے امر فرمایا تھا تب ایسے مشاہدات و عجائبات نظر آئے کہ ہم حیران رہ گئے تب اس کی حقیقت سمجھ میں آ گئی۔'' فرماتے ہیں کہ مرشد کریم کی دعا اور توجہ کے طفیل وہ وقت تھا کہ ہم اس نعمت عظمیٰ سے نابلد تھے۔ اب یہ وقت بھی ہے کہ اس کے بغیر ہمارا ایک لمحہ بھی نہیں گزر سکتا۔ خدا سب دوستوں کو یہ نعمت نصیب فرمائے۔ ہم بھی اپنے مریدوں کو مراقبہ کا حکم دیتے رہتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی کو اس کے اہل پائیں خدا توفیق دے۔ (آمین)

(ب) سلسلۂ قلندریہ

؎ قلندر جز دو حرف لَا اِلٰــہ کچھ بھی نہیں رکھتا فقیہِ شہر قاروں ہے لُغت ہائے حجازی کا (اقبالؒ)

تحقیق و تنقیح کے بعد پتہ چلتا ہے کہ لفظ ''قلندر'' دراصل ''کلندر'' تھا جو عربی زبان سے ماخوذ ہے۔ اور اس کے معانی ناتراشیدہ (بے وضع قطع) اور سادگی کے ہیں۔

یا یہ لفظ ''غلندر'' تھا جو بعد میں مفرّس ہو کر (بدل کر) قلندر بن گیا۔ ''رسالہ غوثیہ'' میں لفظ قلندر کی یوں تعریف کی گئی ہے کہ: ''اَلْقَلَنْدَرُ بِلِسَانِ السُّرْیَانِیَةِ اِسْمٌ مِّنَ الْاَسْمَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی '' قلندر سریانی زبان کا ایک لفظ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم (نام) ہے۔ یہ لوگ اکثر جذب و کیف میں مست بعض شریعت کے پابند اور صرف فرائض پر اکتفا کرنے والے ہیں۔

صوفیاءِ اسلام کے نزدیک: ۔ قلندر عاشق ذات بحر تجرید (تن تنہا، تارکِ دنیا) اور بحر تفرید (واحد ہو کر ہر طرف صرف خدائے واحد کو دیکھے) میں یگانہ روزگار، جرأت رِندانہ کا مالک، بے باک اور کامل اکمل ہوتا ہے: بقول اقبالؒ:

؎ ہزار خوف ہوں لیکن زباں ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق !

بلوچی شاعر بابا مست توکلی کی باطنی تصریحات کے مطابق: قلندر کی ابتداء عشق پر اور انتہا بھی عشق پر ہے

علاماتِ قلندر: ظاہری طور پر قلندر میں مجذوبیّت انتہا کی ہوتی ہے ہر وقت اپنی دنیا میں دیوانہ وار گم معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے علامہ محمد اقبالؒ نے تنبیہہ کی ہے کہ:

؎ خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر شاید کہ دریں گرد سوارے باشد

(دنیا میں موجود بظاہر خاک نشینوں کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھ شاید کہ ان دیوانوں میں کوئی شہسوار معرفت بھی ہو۔ کئی گدڑیوں میں لعل بھی ہوتے ہیں۔)

ان کی آنکھیں مخمور، چہرہ پُر نور، داڑھی اور زُلفوں کے بال بہت کم تراشے ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر ہوتے ہیں۔ ان کی ظاہری طور پر یہی حالت ہوتی تھی۔ دیکھنے والا انہیں کوئی دیوانہ خیال کرتا تھا۔ ان کی زلفیں اس قدر لمبی تھیں بفرمان مرشد کریم بابا جی سرکار مدظلہ العالی کے کہ ان کی زلفیں کمر تک رہتی تھیں اس قدر گھنی ہوتی تھیں کہ اگر اپنے اوپر پھیلا دیتے موسم سرما میں چادر کا کام دیتی تھیں۔

اس بات پر ایک دن مرشدِ کریم نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عالم جوانی میں میری زلفیں بھی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی زلفوں کی طرح بہت لمبی ہوا کرتی تھیں مگر اب بُڑھاپے کی وجہ سے گر گئی ہیں۔

حدیث پاک میں ان لوگوں کی ظاہری حالت کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

ترجمہ:۔ بہت سے پراگندہ بالوں والے، غبار آلود، گلیم پوش، جن کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اگر اللہ پر قسم کھائیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا فرمائے گا۔ نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ننگے پاؤں، ننگے بدن سفر کر کے خدا کو ظاہری آنکھوں سے کھلم کھلا دیکھو۔'' کیونکہ ''مَنْ قَتَلَهٗ مُحَبَّتِیْ فِدْیَةٗ رُؤْیَتِیْ'' (جس کو میری محبّت نے قتل کر دیا (احکامات الٰہی نفس کے لئے قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں) میری طرف سے اُس کا خون بہا بغیر میری بلا حجاب دیدار کے اور کچھ نہیں ہے۔)

قلندر انہی شہدائے محبّت کے زمرے میں آتے ہیں۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے عشق کی جگہ شراب اَلَست سے مست لوگوں کے دل ہیں اور اس کی ذات کی خوبصورتی ایسے شکستہ دل لوگوں کے چہروں سے جھلکتی ہے۔ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے قلندر حضرت شیخ عبدالعزیز مکی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہما سے تھے اور آپ ﷺ نے ان کی وارفتگی جذب و کیف کو دیکھ کر خود انہیں خطاب قلندری دیا تھا۔ قلندر مشرب لوگوں کی مجذوبیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ یہی صحابی رسول حضرت عبدالعزیز مکی رضی اللہ عنہ ایک مربتہ آپ ﷺ کے ساتھ کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں ان پر حال طاری ہوا۔ اس جگہ عالم سکر میں مست و بیخود ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا وصال ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت بھی گزر گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسی مقام سے جب ایک فوجی گروہ کا گزر ہوا تو گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور تلواروں کی کھنکھناہٹ سے حضرت عبدالعزیز قلندر رضی اللہ عنہ حالت ہوش میں آئے جب لوگوں کو دیکھا تو پوچھا آپ ﷺ کہاں ہیں؟۔ فوجی حیران رہ گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟۔ جب انہوں نے اپنی آپ بیتی سنائی تو فوجیوں نے بتایا کہ اس وقت سے اب تک اچھا بھلا عرصہ گزرا ہوا ہے آپ کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ کب سے وصال فرما گئے۔ خلافت صدیقی کے بعد اب خلافت فاروقی چل رہی ہے۔ تب عبدالعزیز مکی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہوش سنبھال کر مجاہدینِ اسلام کی رفاقت اختیار کر لی۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا: ''آنرا کہ خبر شد۔ خبرش باز نیامد''۔ جس نے ایک بار دیدارِ الٰہی کا مزہ چکھا پھر ہوش میں نہ آیا۔

نوٹ:۔ دراصل ان لوگوں پر عالم سکر و مستی میں احکام شرعی اٹھ جاتے ہیں قرآن کریم میں ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى'' (عالم سکر میں نماز (ظاہری شرعی احکامات) کے قریب مت جاؤ) کا باطنی حکم ایسے مجذوب و مغلوب الحال لوگوں پر لاگو ہے اور کتب تصوف میں درج ہے ''ہر بیخودی کہ مست خدا می کند رواست۔'' یعنی ہر وہ مدہوشی و بیخودی جو مست خدا بنا دے جائز ہے کیونکہ یہ لوگ ایسے وقت میں انوار و تجلّیاتِ ذات کی بوچھاڑ سے اپنے قابو (کنٹرول) سے باہر ہو جاتے ہیں پھر طالب جانے اور مطلوب۔ بقول اقبالؒ:

؎ مہر و مہ انجم کا محاسب ہے قلندر! ایّام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر!

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے لوگوں کی مثال ایسے شخص سے دی جو سمندر میں تیر رہا ہو اس کے لئے نہ کپڑوں کی ضرورت ہے اور نہ جوتوں کی یعنی سمندر معرفت کے شناور مجذوب الحال کے لئے احکام شرعی کی ضرورت ہی نہیں۔ ہر اس شخص کے سامنے وسائل کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے جو کعبہ مقصود کو پہنچ چکا ہو۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ:۔ خدا کے ساتھ اس قدر محبّت کرنی چاہیے کہ قلندر بن کر ایمان تک کسی چیز کی خبر نہ ہو۔

ع جس منزل تے عشق پہنچاوے ایمان نوں خبر نہ کائی ھُو

علاوہ ازیں ایسے لوگ ہمہ وقت مقام کشف پہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کی صورت میں دیکھتے ہیں کہ ان میں شاذ و نادر کوئی مقام انسانیت پہ ہو تو پھر وہ اس سے اپنا ستر بھی چھپا لیتے ہیں اور اس کے ساتھ باہوش بھی بن جاتے ہیں مجذوبوں کے بارے میں ایسے بہت سے مشہور واقعات موجود ہیں۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی فرماتے ہیں ہم کئی جگہوں پر گئے وہاں ایسے لوگ ہمیں ملے کہ لوگوں کے لئے وہ دیوانہ تھے۔ مگر ہمیں سلام کر کے ہماری خدمت کرتے تھے لوگ اس پر حیران رہ جاتے تھے۔ خاص کر اگلے ہی دنوں مَیں بنوں شہر میں سے جیپ پر گزر رہا تھا کہ آگے ایک ایسا دیوانہ سڑک کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ جا رہا تھا کسی نے اسے کھاتے پیتے اور بیٹھتے نہیں دیکھا اور نہ وہ کسی کی طرف توجہ کرتا تھا لوگ اُسے پاگل سمجھتے تھے۔ ہم جب اس کے قریب آئے تو ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور سلام کیا میں نے بخاری شاہ کو کہا جیپ روکو کہیں ملنگ ناراض نہ ہو جائے۔ لوگ اس ملنگ کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ یہ اچانک کیسے عقلمند بن گیا لیکن اس صورت حال کا صرف ہمیں پتہ تھا۔

تاریخ تصوف کے پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقہ ولایت وفقر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اور خرقہ قلندری وعشق ومستی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو (بتوسط خُلفاء) پہنوائی تھی اور اپنی حیات طیّبہ میں فرمایا کرتے تھے:۔ ''اِنِّیۡ لَاجِدُ نَفۡسَ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ جَانِبِ الۡیَمَن''۔ مجھے علاقہ یمن سے خدا کی خوشبو آرہی ہے۔ یہ نفس الرحمٰن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی تھی۔ انہی کی نسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ یمن کے لئے بعض اوقات خاص دُعا فرمایا کرتے تھے اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان پر عاشق تھے۔ محفل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے بارے گفتگو ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صیغہ راز میں فرماتے: ''اَوۡلِیَائِیۡ تَحۡتَ قَبَائِیۡ لَا یَعۡرِفُھُمۡ غَیۡرِیۡ''۔

(میرے دوست میری قُبا (جبّہ) کے نیچے ہیں میرے سوا انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔)

اس عشق ومستی کی بنیاد پر بعد میں سلسلہ قلندری حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کیساتھ منسوب ہو کے رہ گیا اور قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ قلندری المشرب لوگ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر سلسلۂ اویسیّہ کے توسط سے براہِ راست فیض یاب کئے جاتے ہیں۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ بسا مُرغان کہ عُلوی آشیانند — اُویسیؓ مشرب و عیسیٰؑ زبانند

یعنی ایسے کامل عاشق بھی ہیں جو ظاہری طور پر اس دنیا میں رہتے ہیں مگر باطنی طور پر عالمِ عُلوی (عالم بالا) میں قیام پذیر رہتے ہیں یہ اویسی المشرب (قلندر) اور دمِ عیسیٰ جیسی زبان رکھنے والے کامل مردانِ خدا ہیں۔

سلسلۂ اویسیہ قلندریہ کے مشہور و معروف صاحب طریقت مشائخ میں سے حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ ابونی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ مشائخ قلندریہ کہ جن پر شریعت و طریقت کی نسبت سے عشق و مستی غالب رہی تھی شیخ محمد عثمان ہرونی المعروف حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شرف الدین المعروف حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ، اور خواتینِ اسلام میں سے حضرت بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا ہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے — جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے!

اکثر قلندر صاحب طریقت نہیں ہوا کرتے۔ (سلسلہ بیعت نہیں چلایا کرتے) ہاں! اگر ان کا پیمانۂ معرفت لبریز ہو جائے تو ان کا فیض شاعری کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ تب ان کا قلندرانہ اور پرسوز عارفانہ کلام سالکین طریقت کے لئے مرشد و رہبر کا کام دیتا ہے۔ وجہ کہ:۔ ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید۔'' قلندر ہر بات مشاہدہ کے بعد منہ سے نکالتا ہے۔ لہٰذا ہر حال میں مصدقہ ہوتی ہے۔ ہمارے برصغیر میں ایسے قلندری شاعروں میں سے ہمارے علم میں صرف دو تین شاعر ہیں۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے فرمان کے مطابق علاقہ پشاور کے بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ قلندر شاعر تھے۔ علاقہ بلوچستان کے بابا مست توکلی رحمۃ اللہ علیہ! جو بلوچی زبان کے قلندر شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بلوچ بزدار خاندان سے منسلک مشہور اُمی شاعر علی محمد رحمۃ اللہ علیہ کھانٹک عرف چگھا بھی اسی مشرب کے شاعر دکھائی دیتے ہیں۔ پنجاب کے صوفی شاعر بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ پر بھی یہی رنگ غالب نظر آتا ہے۔ سندھی کے مشہور شاعر سچل سرمست رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں۔ قلندرِ وقت بابا بنوں والی سرکار چونکہ سلسلۂ قلندریہ بھی چلاتے ہیں اسی وجہ سے انہیں قلندر شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا سارا دیوان اَزبر ہے۔ اور آپ ان کے کلام کو بہت بڑا مقام دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہر بات مشاہدے میں کرتا ہے۔

قلندر، تقویٰ کے انتہا پر فائز ہونے کی وجہ سے فطری علوم کے علم بردار ہوتے ہیں۔ از روئے حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ: ''تقویٰ کے انتہا پر وہ تعلیم عنایت ہوتی ہے جس کی سوائے متقی کے اور کسی کو خبر تک نہیں۔''

؎ نگارِ من کہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرّس شد

(میرا دوست نہ مدرسہ گیا اور نہ اس نے لکھنے کے لئے کبھی قلم اٹھایا مگر ایک ہی نگاہ سے وہ سینکڑوں علماء کا استاذ بنا۔)

یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح "سَجَدَ لَکَ سَوَادِیْ وَ خَیَالِیْ" ہمہ وقت دل و دماغ سے بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز اور مستغرق دیدار ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں مکتب تصوف میں منتہیٔ المراد کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ آتش عشق میں سوختہ (اَلْعِشْقُ نَارٌ۔ یَحْرِقُ مَاسِوَاللّٰہ) براہ راست مشاہدۂ حق میں محو، معرفت تامہ کے حامل، ولایت کبریٰ پر

فائز ہوتے ہیں ''ایں دولت سرمد ہمہ کس رانہ دہند'' یہ دولت لازوال ہر کسی کو نہیں دیا کرتے۔

اس کتاب میں سلسلۂ قلندریہ کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ سلسلۂ اویسیہ قلندریہ اور سلسلۂ نقشبندیہ کا آپس میں گہرا تعلّق ہے یہ دونوں سلسلے براہِ راست عشق و مستی پر فائز ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے مرشد کریم غوث زماں سلطان الفقراء قلندر وقت مجدّد دوقت آلِ رسول حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری نقشبندی مجدّدی مدظلہ العالی خود سلسلہ قلندریہ چلاتے ہیں اور اکثر و بیشتر سلسلہ قلندریہ کا تذکرہ بھی فرمایا کرتے ہیں۔ ان کا فرمان ہے کہ ہر دور میں ایک کامل قلندر موجود رہتا ہے۔ محکمہ ولایت میں ان کا ایک انفرادی مقام ہوتا ہے۔ سلسلہ طریقت کی طرح سلسلہ قلندریہ کا بھی ایک غوث زماں ہوا کرتا ہے۔ اور باقی اس کے ماتحت ہوا کرتے ہیں۔ کئی ظاہر اور کئی پوشیدہ، کئی صاحبِ طریقت اور کئی مجذوب الحال ہوتے ہیں۔ جو براہ راست مقام جذب وشوق پر فائز حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر ہوتے ہیں۔

؎ قرنہا باید کہ تا صاحب دلے پیدا شود   بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن   (حکیم سنائیؒ)

(صدیاں چاہئیں کہ ایک بایزید بسطامی جیسا صاحب دل کامل بزرگ خراساں میں اور ایک اویس قرنی رضی اللہ عنہ جیسا عاشق قرن میں پیدا ہو۔)

جس طرح کہ سلسلہ ولایت وطریقت قیامت تک جاری رہے گا اسی طرح سلسلہ قلندری بھی قیامت تک رہے گا۔

نوٹ:۔ کئی بار ہمارے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ سلسلۂ قلندریہ کا مقام بھی مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی کے پاس ہے۔ کیونکہ آپ سے ایسے احوال سرزد ہوتے ہیں۔ کہ جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ مسلک اویسیہ وقلندریہ میں سلسلہ بیعت (وسیلہ معرفت) بہت کم ہے۔ جس طرح کہ روزِ ازل سے خدا کی رحمت خاص سے انبیاء کرام کے لئے نبوت مختص کر دی گئی تھی۔ قلندروں کے لئے بھی روز ازل سے قلندری مختص کر دی گئی۔ جو کسی خاص محنت و مشقّت اور ریاضات وعبادات کے بغیر اپنے وقت مقررہ پر انہیں جا کر نصیب ہو جاتی ہے۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں پنجاب کے ایک شہر دائرہ دین پناہ میں دربار حضرت دائرہ دین پناہ رحمۃ اللہ علیہ پر ایک ایسا قلندری ملنگ موجود ہے جو مقام کلیمی پر فائز ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا سے براہِ راست ہم کلام ہوتا ہے۔ وہ ظاہری طور پر دیوانہ معلوم ہوتا ہے اسی لئے نہ اُس کی طرف کوئی توجہ کرتا ہے اور نہ وہ کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اپنے حال میں مست بیٹھا رہتا ہے:۔

؎ از دروں شو آشنا وز بروں بیگانہ وش   ایں چنیں زیبا روش کم دیدہ ام اندر جہاں

(اندر سے آشنائے حق اور باہر سے دیوانہ وار، دنیا میں اس خوبی کے حامل لوگ بہت کم دیکھے ہیں۔)

عام طور پر اولیاء کرام مجاہدات وریاضات کے بعد مقام کشف وکرامات پر پہنچ جاتے ہیں۔ جو خدا کی بارگاہ میں درجہ مرید اور درجۂ طالب پر ہوتے ہیں۔ مگر قلندر اس شرط عبادات وریاضات سے مستثنیٰ براہ راست قدم اوّل میں مقام

کشف وکرامات پر فائز ہوتے ہیں۔فلسفہ قرآن کے مطابق مقام ''اِجتبیٰ'' پر (خدا کے خاص چنے ہوئے بندے) ہوتے ہیں کہ فرمایا۔''اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ'' اللہ کریم جسے چاہے(بلاواسطہ)اپنے (دیدار دائمی) کے لئے چُن لیتا ہے یہی خدا کی بارگاہ میں درجہ مراد و درجۂ مطلوب ہے۔ چنانچہ قلندر میں بیک وقت فقراء کے چاروں اوصاف جلالی، جمالی، بادی اور خاکی بھی اسی وجہ سے موجود ہوتے ہیں۔ یہ خواص لوگوں کی باتیں ہیں عوام النّاس کو ان کی خبر کم ہے۔آخر عوام النّاس کی نظروں سے یہ لوگ پوشیدہ کیوں رہتے ہیں ان کی ان سے کیوں نہیں بنتی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بتاتے ہیں:۔

؎ ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومت عشق سبب یہ ہے کہ محبّت زمانہ ساز نہیں

(۲) امت محمدیہ ﷺ میں آل رسول ﷺ کا مقام

ابتدائے آفرینش سے خداوند کریم نے اپنی مخلوق کی درجہ بندی (Classification) کو مدنظر رکھتے ہوئے روزِ میثاق میں سب انبیاء واولیاء اُمم اور صالحین کی باقاعدہ صف بندی فرما کر ہر ایک کو اپنے مقام اور درجہ سے آگاہ فرمایا۔ یہاں تک کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی پیدا فرما کر ان کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا کہ "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" یعنی یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ، حضرت نوح علیہ السلام کو نجی اللہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کے القابات و درجات سے نوازا۔ کسی کو آرے کے نیچے، کسی کو کنوئیں میں اور کسی کو لامکاں میں شرفِ معراج بخشا۔ کسی کے خاندان کو آل داؤد، کسی کے خاندان کو آل عمران، کسی کے خاندان کو بنی اسرائیل اور کسی کے خاندان کو ملتِ ابراہیمی فرمایا۔

القصہ مخلوق خدا میں جس قدر شکل و شباہت اور طبائع مختلف ہیں۔ اسی قدر مقامات و مراتب اور درجات بھی مختلف ہیں اس لئے کہ "گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونقِ چمن"، کسی کو عام، کسی کو خاص اور کسی کو خاص الخاص کے درجے پر رکھا۔ اور یہی چیز از روئے مذہب فطرت یعنی اسلام میں ضروریات عقائد میں شامل ہے۔ بقول مولانا جامیؒ:۔

؎ ہر مرتبہ از وجود حکمے وارد گر فرق مراتب نہ کُنی زندیقی

یعنی ہر مذہب و ملت میں ہر وجود کیلئے اپنے ہی درجے کا حکم ہے۔ اگر ان مراتب مختلفہ کو ملحوظ نظر نہ رکھے تو از روئے نیت و عقیدہ تو بے دین اور گمراہ ٹھہرے گا۔

بالکل اسی طرح نبی الانبیاء اور سید المرسلین حضرت محمد مصطفی ﷺ نے فرمانبرداروں اور پیروکاروں کے بھی اپنے اپنے مدارج اور مراتب مقرر فرمائے ہیں۔ کسی کو مقام صدق وصفا، کسی کو فاروق اعظم، کسی کو غنی اور کسی کو اسد اللہ کا مقام عطا فرمایا۔ زمانے کے بھی مدارج ٹھہرے یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین۔ یہ درجہ بندی صرف خاکی مخلوق میں محدود نہیں رہی بلکہ امر الٰہی سے یہی لحاظ مراتب نوری مخلوق میں بھی کارفرما اور جاری وساری ہے۔ کسی کو جبرائیل امین علیہ السلام ٹھہرایا اور کسی کو میکائیل علیہ السلام، کسی کو اسرافیل علیہ السلام اور کسی کو عزرائیل علیہ السلام کے مدارج وفرائض مختلفہ سے سرفراز فرمایا۔ افضل الانبیاء کا مقام حضرت محمد ﷺ اور افضل الملائکہ کا مقام جبرائیل کو نصیب ہوا۔

اس بات کے پیش نظر محبوب خدا ﷺ نے خود فرمایا تھا کہ میں سب سے بہترین دور، سب سے بہترین خاندان اور سب سے بہترین علاقہ یعنی جزیرہ عرب میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ واضح رہے جس طرح کہ آپ کی ذات اقدس افضل الرُسل، سید المرسلین، نبی الانبیاء اور ختم الانبیاء ہے اسی طرح آپ کا خاندان اور آپ کی اولاد بھی سب سے بہتر، سب سے

اعلیٰ اور سب سے ارفع ہے۔ جس طرح دنیا میں ہر ایک انسان کسی ایک خاندان سے متعلق ہے۔ کوئی اگر پٹھان کے گھر پیدا ہوا تو پٹھان کہلایا، کوئی بلوچی خاندان میں پیدا ہوا تو بلوچ کہلایا، کوئی قریش کے خاندان میں پیدا ہوا تو قریشی کہلایا۔ اسی طرح جو حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان میں پیدا ہوا وہ آل رسول یعنی اولا د رسول یا سیّد کہلایا۔ رسول خدا ﷺ نے خود فرمایا کہ ایک حسب ہوتا ہے اور دوسرا نسب یعنی اہل حسب میری عام امت ہے۔ جو بھی جس مذہب اور خاندان سے تعلق رکھتا تھا جب کلمہ پڑھا تو امت محمدیہ ﷺ میں داخل ہو گیا اور دوسرا اہل نسب وہ خاص میری اولا د وقوم اور خاندان ہے جس طرح دوسرے لوگوں کی اولا د قیامت تک نسل در نسل باقی رہے گی اسی طرح میری اولا د پاک بھی قیامت تک اس دنیا میں رہے گی۔

اس خاندانی اہمیت کو برقرار رکھتے ہوئے قرآن حکیم خود ناطق ہے کہ " فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا "(نساء: 54) (ہم نے تو ابراہیم علیہ السلام کی اولا د کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا) تو حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام خلیل پر تھے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کیلئے دست بدعا تھے۔ ادھر آپ ﷺ کی ذات گرامی مقام محبوبیت پر فائز اور مراد ابراہیمی تھے۔ کیوں نہ آپ ﷺ کی آلِ پاک آل ابراہیمی سے بھی کئی لحاظ سے افضل و اعلیٰ ہو کہ آپ ﷺ خلیل اللہ کے بھی نبی ہیں۔ خلیل اللہ کی اولا د میں نبوت مخصوص کر دی گئی۔ چونکہ آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا تو آپ ﷺ کی اولا د میں ولایت اور آل اطہر مخصوص کر دی گئی۔ خلافت خاندانِ قریش ہی میں مخصوص کر دی گئی۔ بلکہ صاحب صواعق محرقہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ قیامت تک قُطب الاقطاب (غوث زماں جس کی حکومت 18 ہزار عالمین پر ہوتی ہے) سادات خاندان سے ہی ہوگا اور حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور بھی آل رسول ہی میں سے ہوگا۔ جو کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آخری مجدّد اور اقلیم ولایت محمدی ﷺ کی آخری کڑی ہوں گے اور خاتم الاولیاء بھی۔

یہاں میرا مقصد امت محمدیہ ﷺ میں صرف اہل بیت یعنی آل رسول ﷺ کی انفرادی فضیلت و اہمیت اور مقامِ خاص بیان کرنا ہے۔ کیونکہ اس پُرفتن دور میں جب کہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جا رہا ہے ضرورت پڑی کہ قرآن وحدیث، اقوال صحابہ اور اقوال بزرگان اسلام کی روشنی میں اس پاک خاندان کی مخلوق خدا میں انفرادیت ظاہر کی جائے تا کہ مخلوق گمراہی سے بچ کر ان پاک نفوس سے استفادہ کر سکیں کہ جن کا نہ جاننا خدا کے نہ جاننے کے مترادف اور جن کے جاننے میں خدا اور رسول ﷺ کی معرفت مضمر ہے:۔

ع گر قبول افتد زہے عزو شرف

(الف) آلِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام بارگاہ کبریا جل جلالہ میں

قرآن حکیم میں بے شمار آیات موجود ہیں کہ جن میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہراً و کنایتاً خداوند کریم نے تعریف کی ہے یہاں نمونتاً چند آیات مقدسہ اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی شان میں قارئین کی رہنمائی کیلئے پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ ''فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ کُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ کُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ''(آل عمران: 61)

(تو ان سے فرما دو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں۔) تمام مفسّرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نصاریٰ نجران سے مباہلے کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں۔ نیز اس آیت میں بیٹوں سے مراد حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور عورتوں سے مراد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور اپنی جان سے مراد ذات محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اولاد ہونے کا شرف بخشتے ہوئے اعلان فرما دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میری اولاد اور میری ہی ذُرّیت ہے۔ (احادیث کے زمرے میں ذُرّیت مصطفیٰ پر مفصّل بحث ہوگی۔) اس آیہ کریمہ کے ذیل میں مفسّرین کرام لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روز مباہلہ انہی چار مقدس ہستیوں کو بارگاہ الٰہی میں پیش کر کے یوں فرمایا ''اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِ بَیْتِیْ'' یعنی اے اللہ یہ میرے اہل بیت (میری اولاد) ہیں۔ دیگر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اپنی لختِ جگر حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے مکان کے قریب سے گزرتے تو فرماتے ''اَلصَّلٰوۃُ اَھْلَ الْبَیْتِ'' یعنی اے میری اولاد تم پر خدا کی سلامتی ہو۔

علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی اپنی اولاد پاک کو ہر مقام پر اہل بیت ہی فرماتے رہے۔ تاکہ امت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کا انفرادی مقام ظاہر ہو اور آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد کی عزت و تکریم ہوتی رہے۔

2۔ ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ''(الاحزاب: 33)

(اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔)

اس آیت پاک میں اللہ کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار کی شایان شان تعریف فرما کر خود ان کی ظاہری و باطنی اعلیٰ پاکی اور اعلیٰ نسبی بیان کر کے ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے منزّہ قرار دیکر اپنی دوسری مخلوق سے ان کو انفرادی مقام عطا کیا۔ گویہ پاک باطن لوگ گناہوں سے معصوم تو نہیں مگر خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ہر قسم کی غلطی سے محفوظ ضرور فرمایا اور وہ اس چیز کا خود دعویدار ہے۔ اہل نظر حضرات کیلئے صرف یہ نکتہ ہی کافی ہے کہ جن کی اولاد کو خداوند

کریم خود پاک اور طاہر ٹھہرائے تو کون ان کی تعریف بیان کرسکتا ہے گو اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین میں آپ کے ازواج مطہّرات اور دوسرے اقارب بھی شامل ہیں مگر آپ کی اولاد کو یہ خصوصی مقام آپ کے اپنے خون اقدس کے طفیل حاصل ہوا ہے:

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تفسیر ''روحُ المعانی'' میں اس آیت تطہیر کی تفسیر میں علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس تطہیر الٰہی کی وجہ سے آل رسول کا ہر عمل مقبول اور ان پر آثار جمیلہ وثمرات خیر کا مرتب ہونا یقینی امر ہے۔ اور اس خصوصیت میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے مرشد کریم فرمایا کرتے ہیں کہ امتی اگر عبادت کرے تو اسے روپے میں سے چار آنے بھی ملیں یا نہ ملیں مگر آل رسول اگر چار آنے جتنی عبادت کرے تو اسے روپے کے برابر کا ثواب مل جاتا ہے۔ اہل بیت کی فضیلت میں بے شمار ضخیم کتب لکھی گئی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے جس طرح کہ نبوت وہبی ہے کسبی نہیں۔ اس طرح اہل بیت کی فضیلت اور نورِ ولایت موہوبی (یعنی خدا کی رحمت خاص) اور موروثی ہے کسبی نہیں۔ کوئی جتنی بھی ریاضات ومجاہدات کرے مگر تاثیرات وفیوضات خون نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہ عنایت ازلی ہے ''وَمَنۡ یَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ یَّشَاءُ'' اور جسے خدا چاہے اپنی رحمت خاص کیلئے مخصوص کر دے۔

اس لئے ایک طالب جب تک آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذوق وشوق سے روشناس نہ ہو اس وقت تک ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذوق واشتیاق بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ (اس نکتے سے ارباب کشف وبصیرت خوب واقف ہیں) اس بات کے پیش نظر شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کی تعریف مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ:

؎ ہفت شہر عشق را عطّار گشت ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم
عطّار روح بود و سنائی دو چشم او ما از پے سنائی و عطّار آمدیم

(شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کے ساتوں شہر چھان مارے مگر ہم ابھی تک ان کے ایک ہی کوچے میں گم ہیں۔ نیز عطّار معرفت کی روح اور حکیم سنائی اس کی دو آنکھیں ہیں یہ بھی غنیمت ہے کہ ہم ان دونوں کے بعد ہی آئے)۔

ایسی جلیل القدر ہستی ایک حدیث بیان فرما کر اپنی کمال عقیدت کا اظہار فرماتے ہیں:

''مَنۡ اٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ لَمۡ یُؤۡمِنۡ بِاٰلِهٖ فَلَیۡسَ بِمُؤۡمِنٍ''

یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو ایمان لایا مگر ان کی آل پر ایمان نہ لایا تو وہ ہرگز ایماندار شمار نہ ہوگا۔

3۔ ''قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی'' (شوریٰ:23)

(تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبّت۔) اس آیت کریمہ کے الفاظ اَلۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی میں تمام مفسّرین کرام آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت وعقیدت مراد لیتے ہیں۔ اور اس پر اجماع امت ہے۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جا کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے قریبی لوگ کون ہیں کہ جن کی محبّت ہم پر واجب کی گئی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اوران کے دو بیٹے ہیں (زرقانی علی المواہب)

نیز تفسیر ''جمل'' اور تفسیر ''خازن'' میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں واضح کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد پاک کی محبّت فرائض دین میں شامل ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت سے صرف اپنی آل کی محبّت وعقیدت ہی کو طلب کیا۔ اس میں یہ فلسفہ پوشیدہ تھا کہ جب میری امت میری آل رضی اللہ عنہم ہی سے محبّت نہ کرے تو مجھ سے کیسے محبّت کرے گی جس کے فقدان سے ان کے ایمان ضائع ہو جائیں گے۔ اسی بناء پر تاکیداً حُبِّ آل کا مطالبہ فرمایا کہ یہی مدار ایمان ہے خداوند کریم بھی یہی حکم فرماتے ہیں کہ: ''اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' (الاحزاب:56)

(بے شک اللہ اوراس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔)

حضرت کعب بن حجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ پر درود کس طرح پڑھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم یوں پڑھو کہ:

''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ'' (مشکوٰۃ المصابیح)

یعنی اے اللہ درود بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پر جیسا کہ تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر بے شک تو حمید اور مجید ہے۔

پتہ چلا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر درود شریف میں اپنی آل کو شامل کرنے کا حکم فرمایا۔

ایک اور حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ ''لَا تُصَلُّوْا عَلَى الصَّلٰوةِ الْبَتْرَاء'' یعنی مجھ پر کٹا ہوا درود نہ بھیجا کرو۔ حاضرین نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کٹا ہوا درود کیسا ہے۔ فرمایا صرف یہ کہنا ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ'' بلکہ یوں کہا کرو ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ'' (صواعق محرقہ)

یعنی آل پاک پر درود پڑھے بغیر کٹا ہوا درود ہے اور آل پاک پر درود پڑھنے کے ساتھ درود پاک مکمّل ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھے بغیر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درود بھی قابل قبول نہیں۔

مفسّرین کرام لکھتے ہیں کہ ایسا کوئی کام نہیں جسے خدا خود، فرشتے اور مومن سب ملکر کرتے ہوں سوائے درود پاک کے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل اطہر پر خدا اور فرشتے اور سب ایمان والے درود وسلام بھیجتے ہیں۔

4۔ "وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعاً وَّلَا تَفَرَّقُوۡا" (آل عمران:103)

(اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب ملکر آپس میں پھٹ نہ جانا۔) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ''حبل اللہ'' کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ "نَحۡنُ حَبۡلُ اللّٰهِ الَّذِيۡ قَالَ اللّٰهُ فِيۡهِ" (صواعق محرقہ) یعنی وہ اللہ کریم کی رسی ہم اہل بیت ہیں۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

بہت سے دیگر مفسّرین کرام نے بھی ''حبل اللہ'' سے آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد لیکر وسیلہ قربت الٰہی اور ذریعہ نجات و فلاح بتایا ہے۔

5۔ "فَاسۡئَلُوۡا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ" (الانبیاء:7)

(تو اے لوگو! اہل ذکر سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ'' قَالَ عَلِيّ ابۡنِ اَبِيۡ طَالِبۡ نَحۡنُ اَهۡلَ الذِّكۡر" یعنی حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم (اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی اہل ذکر ہیں۔

6۔ "مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيَانِ" (الرحمٰن:19)

(اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے۔) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دو دریاؤں سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور نکلنا ان میں سے موتی اور مونگا وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ (دُرّ منثور)

7۔ "سَلَامٌ عَلٰى اِلۡيَاسِيۡنَ" (الصّٰفّٰت:130)

(سلام ہو الیاس علیہ السلام پر۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ'' سَلَامٌ عَلٰى اِلۡيَاسِيۡنَ قَالَ نَحۡنُ آلِ مُحَمَّدٍ آلِ يٰسِيۡنَ" (طبرانی، درمنثور)

یعنی سلام ہو الیاسین پر سے مراد ہم آل یاسین ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ (یہ لفظ الیاسین آل یاسین بھی پڑھا جاتا ہے۔) اور جس طرح کہ قرآن کریم میں یٰسین رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ایک اسم گرامی ہے۔ اس لئے آل یاسین سے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہے۔ اس بات کو علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وضاحت اور مدلّل طریقے سے ''صواعق محرقہ'' میں بیان فرمایا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے خود آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بلا واسطہ درود وسلام بھیجا ہے۔ تو ان پاک نفوس کی اور کونسی تعریف ہوسکتی ہے۔

8۔ "وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ" (الصّٰفّٰت:24)

(اور انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھنا ہے۔)

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن سے ویلمی نے نقل کیا کہ قیامت کے دن پل صراط پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت اطہار کی محبّت ومودّت کے بارے لوگوں سے سوال کیا جائے گا۔ کیونکہ نص قطعی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا میں اپنے اہل بیت کی محبّت ومودّت کے سوا اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اس قول کو عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ لہٰذا اس آیہ کریمہ میں اہل بیت عظام کی انتہائی عظمت وشرف کا بیان ہے۔ (صواق محرقہ)

معلوم ہوا کہ اہل بیت کی محبّت کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اور یہی ایمان کی کسوٹی ہے۔

9۔ ''وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی'' (الضحیٰ: 5)

(اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتِ اطہار میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے۔ (دُرّ منثور)

حضرت امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بہت سے علماء ومحدّثین کی مدلّل کتب سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب کریم سے سوال کیا کہ وہ میری اہل بیت میں سے کسی ایک کو بھی دوزخ میں نہ ڈالے گا تو اللّٰہ کریم نے مجھے یہ بھی عطا فرما دیا۔'' شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق و تدوین سے یہ بات پیش کی کہ برے اعمال کی وجہ سے خاندان نبوت کے شرف نسب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ایک شخص اپنے خاندان ہی سے متعلّق منسوب رہتا ہے خواہ کتنا ہی برے اعمال رکھتا ہو۔ ایک سید کی شکایت پر بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان وقت علاؤالدین خلجی کو یہ رباعی لکھ کر مُتنبہ کیا تھا۔

؎ سادات افضل اند و بود وصف شاں جلی	اولاد مرتضٰی و جگر گوشہ نبیؐ
برفعل شاں نظر مکن اے خر زِ جاہلی	اَلصَّالِحُوْنَ لِلّٰہِ وَ الطَّالِحُوْنَ لِیْ

(سیّد سب سے افضل ہیں اور ان کی تعریف بھی نمایاں ہے کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وحضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہیں۔ اے گدھے! لاعلمی کی وجہ سے ان پر طنز نہ کر کیونکہ آپ نے خود فرمایا اچھے سیّد خدا کے ہیں اور بُرے میرے ہیں۔) اس نسبی فضیلت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی عقیدت واحترام کا اندازہ لگائیے کہ جب عباسی خلیفہ کے حکم سے انہیں بڑی بے رحمی سے کوڑے مارے گئے یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو فوراً فرمایا: ''لوگو! گواہ رہنا کہ میں نے اس ظلم وتشدد کو معاف کر دیا۔ کیونکہ مجھے شرم آتی ہے کہ قیامت کے دن میری وجہ سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد کا کوئی فرد (بطورِ جُرم) باز پرس کے قابل ہو''۔

ایسی جلیل القدر شخصیتوں نے احترام سادات ہی کی بدولت مراتب عالیہ حاصل کئے تھے۔

درجہ بالا باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ ایک عام آدمی بھی خواہ اس کی اولاد کتنی ہی بری اور گنہگار کیوں نہ ہو۔ تکلیف

اور عذاب میں مبتلا نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ ﷺ تو رحمت اللعلمین ذات ہیں۔ کیسے اپنی اولاد کو عذاب نار میں رہنے دیں گے۔ جبکہ خداوند کریم بھی آپ ہی کی رضا کے مطلوب ہیں۔

10۔ ''اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ'' (النساء:59)

(حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ''اُولی الامر'' سے کونسے لوگ مراد ہیں۔ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''خدا کی قسم حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور ان کی اولاد پاک) انہی لوگوں میں سے تھے۔''

ماحاصل یہ کہ خدا اور ان کے حبیب ﷺ کی محبّت و فرمانبرداری کے بعد سب سے زیادہ قابل عزت و تکریم خاندان محبوب کبریا ﷺ یعنی اولاد حضرت بتول رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔

11۔ ''اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوۡمٍ ہَادٍ'' (الرعد:7)

(تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے اپنے سینہ مبارک پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا کہ میں مُنذر (یعنی ڈر سنانے والا) ہوں اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ! تو ھادی ہے اور میرے بعد راہ پانے والے تجھ سے راہ پائیں گے۔ (دُرّ منثور)

یعنی رسول کریم ﷺ نے یہ پیشینگوئی فرما کر اپنے بعد ہدایت پانے والوں اور ولایت و فقر کے مُتلاشیوں کو آگاہ فرمایا کہ یہ حقیقت و معرفت صرف اور صرف میرے ہی خاندان کے گھر کی چیز ہے۔ جسے چاہیں دیں مطلب یہ کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بشارت دے دی کہ قیامت تک ولایت محمدی ﷺ آپ سے قائم رہے گی اور اغواث واقطاب آپ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات گرامی سے فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

(ب) آلِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں

خاندان نبوت کی تعریف و تعظیم میں بے انتہا احادیث مبارکہ موجود ہیں ان پاک نفوس کی اس سے زیادہ اور کیا تعریف ہوسکتی ہے جبکہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود ان کی تعریف کر کے ان کا انفرادی مقام ظاہر فرمائیں حُبِّ آل کو جزوایمان بلکہ جان ایمان قرار دیکر اُمت سے ان کی محبّت کا مطالبہ فرمایا۔ یہاں تک کہ قرآن وحدیث کے مطالعہ کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مقام آل رسول رضی اللہ عنہم کا ہے اور بس۔ تو کون ان کے شایان شان ان کی تعریف بیان کر سکتا ہے۔ بقول غالب:۔

؎ غالب ثنائے خواہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک خود مرتبہ دان محمد است

(اے غالب، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف خدا پر ہی چھوڑ دی کیونکہ وہی ذات عظمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کماحقہٗ واقف ہے۔) ہم بھی ثنائے اہل بیت خدا اور رسول ہی کے حوالے کرتے ہیں کہ وہی ان کی شان والا صفات جان سکتے ہیں۔ مگر یہاں قارئین کرام کی تشفّی کیلئے چند احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیان کی جاتی ہیں تاکہ وہ اپنے ایمانوں کو شمع نور نبوت سے روشن اور مزیّن کرسکیں اور ان کی محبّت سے معرفت الٰہی حاصل کرسکیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو گود میں لئے فرمارہے تھے کہ: (یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان کو محبوب رکھتا ہوں۔ پس تو بھی ان کو محبوب رکھ اور اس کو بھی محبوب رکھ جو ان کو محبوب رکھے۔) (جامع ترمذی) اس حدیث پاک میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی بیٹی کی اولاد کو اپنی اولاد فرمایا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کو ذُرّیت رسول (اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا شرف حاصل ہے۔

اس بات پر جملہ علماء واولیاء متفق ہیں کہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی اولاد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اولاد کہلاتی ہے چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:۔ ''اللہ تعالیٰ نے ہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذُریّت (خاندان) کو اس کی اپنی پشت مبارک میں رکھا۔ مگر میری ذُریّت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی پشت میں رکھی''۔

طبرانی اور دوسری کتب احادیث سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر ماں کی اولاد اپنے آبائی خاندان کی طرف منسوب ہوا کرتی ہے سوائے میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے کہ جن کا ولی اور عَصبہ (نسب) میں خود ہوں''۔

ایک اور ثِقہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہر عورت کی اولاد کا عَصبہ (نسبت) ان کے باپ کی طرف سے

ہوتا ہے ماسوائے اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے، کیونکہ ان کا باپ اور عصبہ میں ہی ہوں"۔

ان احادیث پر عملی ثبوت کیلئے دیگر مشاہداتی دلائل کے علاوہ صرف پیرانِ پیر، غوثِ اعظم دستگیر، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اور دعویٰ کافی ہے جو کہ قصیدہ غوثیہ میں اپنے بارے فرماتے ہیں کہ:

؎ انا الحسنی والمغدع مقامی — واقدمی علی عنق الرجال

(میں (شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) حسنی سیّد ہوں۔ اور میرا مقام عالم باطن میں "مخدع" (عالم سرّ میں ایک بہت بلند مقام) ہے اور میرا قدم مردان خدا کی گردنوں پر ہے۔)

؎ ومن فی رجال اللّٰہ نال مکانتی — و جدی رسول اللّٰہ فی الاصل ربانی

(اور مردان خدا میں کون ہے جس نے میرا مرتبہ پایا۔ کیونکہ میری تربیت میرے جدامجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی ہے:)

؎ ووالدتی الزهراء و بنت محمد — ابوها رسول الخلق عذبهم شانی

(اور میری والدہ جناب زہراء بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے والد تمام خلق کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور انہی کی وجہ سے میری شان عزیز اور بلند ہے۔)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ سادات کے جدّ امجد محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ماں خاتون جنت رضی اللہ عنہا ہیں۔ مرشد کریم باباجی سرکار بھی جب امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کوئی بات ہوتی ہے تو فرمایا کرتے ہیں کہ "یہ ہمارے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہے"۔

ایک مرتبہ بمقام بہل (بھکر) محفل میں جلال میں آ کر فرمایا کہ "ہم میں محبوب خدا، سیّد المرسلین خاتم النّبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون پاک موجود ہے جو اس دنیا میں بغیر ہمارے (اہل بیت کے) اور کسی کو نصیب نہیں ہمیں یہی زیب اور زینت اور تخت وتاج کافی ہے دنیا ہماری محتاج ہے اور ہم سوائے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کے محتاج نہیں۔"

؎ تیریؐ نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا — توؐ ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

مانی ہوئی بات ہے کہ ولی اللہ کی زبان بغیر الہام کے نہیں ہلتی اور آنکھ بغیر مشاہدہ کے نہیں دیکھتی۔ تو یہ باتیں مبنی بر حقیقت ہیں خدا کی خاص تقسیم ہے۔ مقام رشک وحسد نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے دن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر وصیت فرما رہے تھے:

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ تَرَکۡتُ فِیۡکُمۡ مَا اِنۡ اَخَذۡتُمۡ بِهٖ لَنۡ تَضِلُّوۡا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتۡرَةَ اَهۡلِ بَیۡتِیۡ" (مشکوٰۃ المصابیح)

(اے لوگو میں نے تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ وہ چیز اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت ہے۔)

ایک اور موقع پر حضور ﷺ نے اپنے آل پاک کی اہمیت کو یوں واضح فرمایا کہ:

''مِثْلُ اَهْلِ بَيْتِىْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكَبَ فِيْهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرَقَ''

(میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو مخالفت کر کے باہر رہا وہ غرق ہوا۔) کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

؎ اے غرقہ گناہ زِ طوفان غم مترس کشتی نوح عصمت آل محمد ﷺ است

(اے گناہوں میں غرق انسان پریشان نہ ہو کیونکہ آل محمد ﷺ کی کشتی نجات کی ضامن ہے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ترجمہ:۔ مجھے محبوب رکھو اللہ کی محبّت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت کو محبوب رکھو میری محبّت کی وجہ سے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑ کر یہ ارشاد فرمایا۔ ترجمہ:۔ جس نے مجھ کو محبوب رکھا اور ان دونوں (حسنین رضی اللہ عنہم) اور ان کے باپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور ان کی ماں (خاتون جنت رضی اللہ عنہا) کو محبوب رکھا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔ (جامع ترمذی)

سبحان اللہ! اہل بیت کی محبّت کے صلے میں اتنی شفقت و رحمت! خدا ہر کسی کو نصیب فرما دے۔ آمین۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں میرے بیٹے ہیں لہٰذا: ترجمہ:۔ ''جس نے ان دونوں (حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم) کو محبوب رکھا اس نے گویا مجھ کو محبوب رکھا۔ اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا۔ اس نے اللہ کو محبوب رکھا اور جس نے اللہ کو محبوب رکھا اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔ اور جس شخص نے ان دونوں سے بغض رکھا۔ اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا اور جس نے اللہ سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ نے اسے نار جہنّم میں ڈال دیا۔''
(المستدرک حاکم)

اسی بناء پر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ: ''جو شخص ہم اہل بیت کو محبوب رکھتا ہے۔ اسے لباس فقر پہننے کیلئے تیار ہو جانا چاہیے۔''

کیونکہ جو اللہ اور اس کے محبوب ﷺ سے محبّت رکھے تو بارگاہ رب کریم اور بارگاہ رسول کریم ﷺ سے جو نعمت عظمیٰ اور مخلوق کیلئے اس محبّت کے صلے میں جو مقام ارفع مقرر ہے وہ فقر و ولایت محمدی ہی ہے۔ اور یہی وراثت انبیاء ہے۔ جو دونوں جہانوں کیلئے تخت و تاج ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی انعام و اکرام نہیں ہو سکتا۔

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے کہ: ''حُسَیۡنُ مِنِّیۡ وَ اَنَا مِنَ الۡحُسَیۡنِ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنۡ اَحَبَّ حُسَیۡنًا'' (جامع ترمذی)

(حضرت حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں جس نے حسین رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھا اس نے اللہ کو محبوب رکھا۔) شفاء شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''معرفت آل محمد ﷺ دوزخ سے باعثِ نجات اور محبّت آل محمد ﷺ، پل صراط پر گزرنے کی سند اور ولایت آل محمد ﷺ امان ہے عذاب (دو جہاں) سے۔''

(اس حدیث کی تصدیق میں قرآن کریم میں بھی صریحاً بیان موجود ہے)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

''حُبَّ عَلِیّ اِبۡنِ اَبِیۡ طَالِبَ تَاکُلُ الذُّنُوۡبَ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الۡحَطَبَ'' (نزہۃ المجالس)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن طالب کی محبّت گناہوں کو اس طرح ختم کرتی ہے جس طرح کہ آگ لکڑی کو۔) جب آل نبی ﷺ کی محبّت کے صلے کا یہ عالم ہے تو خدا اور رسول کی محبت کے صلے کا کیا عالم ہوگا۔ لیکن اس دور میں خدا اور رسول ﷺ کی محبّت کا پہلا زینہ محبّت آل نبی ﷺ ہے جب تک آل رسول ﷺ کی محبّت نہ اپنائی جائے اس وقت تک خدا اور رسول ﷺ کی محبّت حاصل کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اہل باطن واہل نظر ہی اس نکتے کو سمجھ سکتے ہیں۔

حضرت ابوسعید حذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس کسی نے بھی ہمارے اہل بیت سے بغض رکھا اللہ نے اسے نار جہنّم میں داخل کیا''۔ (مستدرک حاکم) یعنی حُبّ اہل بیت باعث نجات اور بغض اہل بیت باعث ہلاکت ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ایک موقع پر خُم غدیر میں قیام فرمایا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیکر دومرتبہ یہ فرمایا کہ ''تم جانتے ہو کہ میں ہر مومن کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ عزیز اور بہتر ہوں تو سب نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ بے شک تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اے اللہ جس کا میں دوست ہوں اس کا علی رضی اللہ عنہ بھی دوست ہے۔ اے اللہ اس سے محبّت رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے محبّت رکھے۔ اور اس سے دشمنی رکھ جو علی رضی اللہ عنہ (واولادِ علی رضی اللہ عنہ) سے دشمنی رکھے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس ذات ذوالجلال کی قسم کہ جس نے دانہ پھاڑا اور اس کو قوّت بالیدگی عطا کی اور جانوروں کو پیدا فرمایا بے شک نبی ﷺ نے مجھے یہ بتایا کہ ''مجھ (علی رضی اللہ عنہ) سے محبّت نہیں رکھے گا مگر! مومن اور نہیں بغض وحسد رکھے گا مگر منافق۔'' (مشکوٰۃ المصابیح)

معلوم ہوا کہ چودہ سو سال پہلے رسول ﷺ نے اپنے آل پاک کی محبّت کو جانِ ایمان ٹھہرایا۔ اور ان کے ساتھ بغض وحسد اور کینہ رکھنے والے کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیا۔ کیونکہ جو اولاد کی عزت وتکریم نہیں کرتا باپ کی بھی عزت

نہیں کر سکے گا۔خدا سب مسلمانوں کو اس پرفتن دور میں اسی فرمان نبوی ﷺ پر ایمان وعقیدہ رکھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔آمین۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ" (صواعق محرقہ) (رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ انور کی طرف دیکھنا عین عبادت ہے۔)

عربی کا مقولہ ہے کہ "اَلْوَلَدُ سِرٌّ اَبِیْہِ" یعنی اولاد اپنے باپ کا بھید (مثل) ہوتا ہے۔اس لئے آپؐ کی اولاد پاک بھی چونکہ آپؐ ہی کے نقش قدم پر ہوتی ہے اور آپؐ کا خون اطہر ان میں موجود ہوتا ہے لہٰذا ان کے نورانی چہروں کو دیکھنا بھی عبادت ہی عبادت ہے۔کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ذِکْرِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (کنز العمال)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر عبادت ہے۔" اندازہ لگائیے جب اسماء اہل بیت اور ان کے عادات وخصائل کے ذکر کی یہ شان ہے تو پھر ان کی ذات والاصفات کا کیا کہنا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا وَ فِیْ رِوَایَۃِ اَنَا دَارُالْحِکْمَۃِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا" (جامع الترمذی)

"رسول اللہ ﷺ نے (میرے بارے) فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔ایک اور روایت ہے کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔" کیونکہ مقربین الٰہی کی وراثت علم وحکمت ہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہی چیز آپ کی اولاد پاک میں تا قیامت بحال رہے گی اور یہ خدا کا انعام خاص ہے۔جس کو عنایت کرے۔قوت بازو اور ریاضت ومجاہدہ سے بالا چیز ہے۔

اب چند احادیث اُمّ السّادات، نور نبی ﷺ، خاتون جنت، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان اقدس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

حضرت مسبور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ نے فرمایا "فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا۔" دوسری روایت میں ہے کہ "ان کی پریشانی مجھ کو پریشانی میں ڈالتی ہے۔اور مجھ کو تکلیف پہنچتی ہے جو اسے تکلیف پہنچائے۔" (بخاری ومسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لئے رکھا کہ اللہ کریم نے اس کو اور اس کے مُحبّوں کو دوزخ سے آزاد کیا۔" (کیونکہ لفظ فاطمہ کے معنی عربی میں آزاد کرنے کے ہیں اور نام رکھنے کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ آپ کی اولاد پاک کو عذاب دوزخ سے آزادی حاصل ہے۔) (صواعق محرقہ)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا پاک دامن ہے اور اللہ نے (اپنی رحمت خاص سے) اس کی اولاد پر دوزخ کو حرام فرمادیا ہے۔" (المستدرک حاکم)

اس لئے بقول شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ''کسی سیّد پر اس کے برے افعال واعمال کی وجہ سے اس پر زبان طعن و تشنیع دراز کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا ناجائز اور ایمان کے لئے باعث زوال ہے کیونکہ خدا خود جب ان کی ذمہ داری اٹھا رہا ہے تو وہ جانیں اور ان کا خدا۔ ہمارے لئے ان کی عزت واحترام کرنا لازم اور ضروری ہے۔ (فتوحات مکیہ) ہمیں ان کے اعمال کی طرف نہیں بلکہ جدّ امجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھنا چاہیے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنی ایک حاجت کیلئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں۔ نماز سے فارغ ہو کر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس حرم سرائے تشریف لے جارہے تھے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے آن پہنچا۔ قدموں کی آہٹ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ:

''وَبَشِّرَنِیْ بِاَنَّ فَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ النِّسَاءَ اَھْلَ الْجَنَّۃَ وَ اَنَّ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدُ اشَّبَابِ اَھْلِ الْجَنَّہ'' (مشکوٰۃ المصابیح) (ایک فرشتہ غیبی آ کر مجھے بشارت دے رہے ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَلْبُشْرٰی یَا فَاطِمَۃَ اَلْمَھْدِیُّ مِنْکَ'' (ابن عساکر۔الفتح الکبیر) (اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تجھے یہ خوشخبری ہو کہ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ تیری اولاد سے ہوں گے۔)

سبحان اللہ! نبوّت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آ کر ختم ہوگئی اور ولایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پر ختم ہوگی۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی سعادت ہوسکتی ہے۔ خداوند کریم سب مسلمانوں کو آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اور نسبت نصیب فرمادے۔ آمین۔

قربان جاؤں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شرم وحیا کا احساس خداوند ذوالجلال کو بھی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا پردے کے پیچھے سے ندا کرے گا کہ اے میدان محشر میں جمع ہونے والو! اپنی نگاہیں جھکالو۔ یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزر جائیں۔'' چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا ستر ہزار باندیوں کے ساتھ جو حوریں ہوں گی بجلی کی طرح گزر جائیں گی۔ (المستدرک حاکم)

شاعر مشرق، حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک کو پیش نظر رکھتے ہوئے خواتین اسلام کو یوں مخاطب کیا۔

؎ بتولے باش! پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

(حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرح پیکر شرم وحیا بن کر پردہ نشیں ہوجا تا کہ تجھ سے بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر انسان پیدا ہوں۔)

ام السادات رضی اللہ عنہا کی شان فقر میں! حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت سیدہ فاطمۃ

الزہرا رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اورعرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس کوئی بچھونا تک نہیں ہے۔ سوائے ایک مینڈھے کی کھال کے کہ جس پر رات کے وقت سوتے ہیں اور دن کو اس میں اپنے اونٹ کو چارہ وغیرہ ڈالتے ہیں۔'' اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیٹی صبر کرو! موسیٰ بن عمران نے اپنی بیوی کے ساتھ دس برس اس طرح گزارے تھے کہ ان کے واسطے کوئی بچھونا وغیرہ نہ تھا۔ سوائے ایک چادر کے وہ بھی نہایت چھوٹی سی تھی۔'' (زرقانی علی المواہب)

محدّث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے جذبہ ایثار وقربانی کے بارے جو کہ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے ایک واقعہ یوں پیش کیا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رضی اللہ عنہا کو ایک نئی خوبصورت قمیص عنایت کی۔ چند دن بعد ایک سائل نے آ کر سیدہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کسی پھٹے پرانے کپڑے کا سوال کیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میرے پاس ایک پرانی قمیص بھی موجود تھی۔ جب اس کے دینے کا ارادہ کیا تو فوراً یہ آیت کریمہ یاد آئی۔
''لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ '' (العمران: 92) ''کسی پیاری سے پیاری چیز دیئے بغیر تم نیکی کے اعلیٰ درجے کو نہ پہنچ سکو گے''۔ میں (فاطمہ رضی اللہ عنہا) نے فوراً پرانی قمیص رکھ کر نئی قمیص اٹھا کے دیدی۔ (نزہۃ المجالس)

اب آخر میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک بیان کرتا ہوں کہ: ''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں۔ تو اس کو چاہیے کہ وہ میرے اہل بیت کی نیازمندی (غلامی) کرے۔ اور ان کو دل وجان سے دوست رکھے (ویلمی) عقیدت مند مسلمانوں کیلئے چند احادیث پر اکتفا کیا گیا تا کہ آپ کی امت کو آپ کی اولاد پاک کی قدر و منزلت کا پتہ چلے اور ان کی عزت وتکریم بجالا کر سعادت دنیوی واخروی حاصل کریں۔ آمین۔

(ج) آلِ رسول ﷺ کا مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اہل بیت نبی ﷺ کے ساتھ جوانس ومحبّت اور والہانہ عشق تھا وہ حد بیان سے باہر ہے۔ آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور تاریخ اسلام کی کتابیں ایسے کئی عملی مظاہروں اور واقعات سے اٹی پڑی ہیں۔ یہاں صرف اہل ذوق اور اہل ایمان دوستوں کیلئے نموِنتاً چند عقیدت کی باتیں پیش کی جائیں گی تا کہ پتہ چلے کہ نگاہ نبوتؐ کے پروردہ حضرات کی نگاہ میں اہل بیت نبی ﷺ کا کیا مقام تھا۔ اور ہم کس حد تک سنت صحابہ رضی اللہ عنہم پر عمل پیرا ہیں۔

خلیفہ اول، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''خدا کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مجھے اپنے رشتہ داروں سے حضور ﷺ کے رشتہ دار (اقربا یعنی آل) کہیں زیادہ محبوب ہیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب قحط سالی پڑتی تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے وسیلے سے بارش کی دعا فرماتے اور یوں بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے۔ ''اے اللہ! تیری بارگاہ میں ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے بارش مانگتے ہیں تو فوراً بارش ہو جاتی۔'' (صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مدائن کو مسلمانوں نے فتح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبویؐ میں سب مال غنیمت جمع کر کے تقسیم کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا ''امیر المومنین! اللہ نے جو ہمارا حق مقرر فرمایا ہے عطا کیجئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا بِالْبَرَكَةِ وَالْكَرَامَةِ ایک ہزار درہم عنایت کئے۔ ان کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انہیں بھی ہزار درہم دے دیئے۔ ان کے بعد آپ کے اپنے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے طلب کرنے پر 500 درہم دے دیئے۔ اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا امیر المومنین میں حضور ﷺ کے عہد مقدّس میں جوان تھا اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتا تھا۔ حسنین رضی اللہ عنہم اس وقت چھوٹے بچے تھے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ مگر آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں تو ہزار ہزار درہم اور مجھے صرف پانچ صد درہم دیئے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ جلال میں آئے اور فرمایا ''بیٹا! پہلے وہ مقام اور بزرگی تو حاصل کرو جو حسنین رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے پھر آ کر ہزار درہم کا مطالبہ کرنا۔ ان کے باپ علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ، ماں خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، نانا محبوب خدا ﷺ، نانی خدیجۃ الکُبری رضی اللہ عنہا، چچا جعفر طیار رضی اللہ عنہ، پھوپھی ام ہانی رضی اللہ عنہا، ماموں ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ، خالہ رقیہ رضی اللہ عنہا، اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا اور دختران پیغمبر ﷺ ہیں۔'' یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خاموش اور دم بخود رہ گئے۔ (الریاض النضرہ)

جنگ بدر میں حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اپنے مدمقابل ولید اور شیبہ کو فنا فی النار کرنے کے علاوہ اور بہت سے کفار واصل جہنّم کئے۔ دورانِ جنگ حضرت ابوجعفر بن علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''نَادَ مَلَکٌ مِنَ السَّمَآءِ یَوْمَ بَدْرٍ یُقَالُ لَہٗ رِضْوَانَ ط لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار وَلَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ ''۔ (الریاض النضرہ) یعنی بدر کے دن آسمان سے ایک فرشتہ جس کو رضوان کہا جاتا ہے نے پکارا کہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں اور علی رضی اللہ عنہ جیسا کوئی جوانمرد نہیں۔ کسی شاعر نے اس ندائے آسمانی کو یوں شعر کا جامہ پہنایا:

شاہ مرداں شیر یزداں قوّت پروردگار — لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارْ

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر! — شریک و زمرہ لَا یَحْزَنُوْن کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے — اسے بازوئے حیدرؓ بھی عطا کر

سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بحر علوم ظاہری و باطنی سمجھتے اور مشکلات میں ان سے استفادہ فرماتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''قرآن حکیم سات حرفوں (قرأتوں) میں نازل ہوا ہے اور کوئی حرف ایسا نہیں کہ جس کا ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو۔ اور ہر حرف کے ظاہر و باطن کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہے۔'' (اور خدا کے خاص فضل و کرم سے ظاہر ہے کہ یہی چیز آپ کی اولاد پاک میں بھی بٹتی گئی جن کے طفیل یہ علوم سینہ بہ سینہ چلتے رہیں گے اور تشنگان راہ معرفت اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے۔ خدا ہر مسلمان کو بہرہ مند فرما دے۔ آمین)

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبے میں موجود تھا آپ رضی اللہ عنہ نے یوں ارشاد فرمایا۔ ''مجھ سے پوچھو! خدا کی قسم قیامت تک ہونے والی کسی چیز کے متعلّق تم مجھ سے نہیں پوچھو گے مگر میں تمہیں ضرور بتا دونگا۔'' (یہ سب کچھ آپ کے باطنی علوم کا ثمرہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مخلوق خدا کو سیراب فرمایا)

اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت و احترام کا یہ عالم تھا کہ پروانۂ رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کے دونوں پاؤں میں لگی ہوئی مٹی اپنے کپڑے کے ایک کونے سے جھاڑی۔ اتنے میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کیا کرتے ہو؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور مجھے معاف رکھیے! واللہ جتنے آپ کے (یعنی اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مراتب میں جانتا ہوں اگر لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو آپ کو اپنے کندھوں پر (از رہِ سعادت وعز و شرف) اٹھائے پھریں۔'' (اظہار السعادت)

جہاد بالنفس جو کہ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ایک بنیادی چیز ہے، حضرت عبداللہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی زبانی سنئے، کہ وہ اپنے دادا اکرم سے روایت فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فالودہ (جو اس وقت نہایت عمدہ اور شاہی کھانا ہوا کرتا تھا) پیش کیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا۔ اس کی خوشبو، رنگ اور ذائقہ کتنا اچھا ہے۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے نفس کو ایسی چیز کا عادی بناؤں جس کا وہ ابھی تک عادی نہیں ہے۔''

فقرِ محمدی کے پیکر امیر المومنین حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں سے کوفے کے بازار میں اس حالت میں دیکھا کہ ہاتھ میں اپنا ذوالفقار لئے یوں فرما رہے

تھے کہ ''ہے کوئی مجھ سے یہ تلوار خریدنے والا؟ خدا کی قسم! جس نے دانے کو پھاڑا میں نے کئی بار اس تلوار سے حضور ﷺ کے روبرو لڑائیوں کو فتح کیا ہے۔ اگر میرے ایک تہبند کی قیمت ہوتی تو میں اس کو بیچنے کیلئے ہرگز تیار نہ تھا۔'' یہ ہے فقر اہل بیت نبی ﷺ کی ایک مختصر جھلک۔ جذبہ ایثار وقربانی، جو کہ فقرِ محمدی کی ایک اہم اور جزوِ اوّلین ہے، اہل بیت نبی ﷺ کے سامنے ایک روزمرہ کا کام تھا ایسے بیسیوں واقعات اوراقِ تاریخ میں موجود ہیں اور بالکل یہی چیز ان جیسی ہستیوں کے صدقے ابھی تک آپؐ کی اولادِ پاک میں دیکھی جا رہی ہے۔

(د) آلِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام اکابرین امت رحمۃ اللہ علیہ اور مفکّرین اسلام کی نظر میں

اقوالِ اکابرین و بزرگان دین سے یہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ان لوگوں نے فقر و ولایت اور معرفت وحقیقت میں جتنے بھی بلند مدارج حاصل کئے وہ سب اہل بیت ہی کے در کی غلامی اور عقیدت و محبّت کے طفیل حاصل کئے اور اسی غلامی کا ثبوت وہ قولی و فعلی دونوں صورتوں میں با آواز دُہل دیتے آ رہے ہیں۔اہل ایمان حضرات کیلئے چند پاک باطن لوگوں کے پاک اقوال و ملفوظات بیان کئے جائیں گے۔

اکابرین امت میں سے سب سے پہلے میں عاشق اہل بیت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں گلہائے عقیدت بکھیرے۔''اے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبّت کو فرض قرار دے دیا ہے۔قرآن حکیم میں جو اس نے نازل کیا ہے۔تمہاری عظمت اور شان پاک کیلئے یہی بات کافی ہے کہ جس نے تم (اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود شریف نہیں پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔'' (گویا نہ اس نے درود شریف پڑھا اور نہ ہی اسے خدا تعالیٰ نے قبول کیا)۔

فقہ حنفیّہ کے بانی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سادات کی نہایت عزت واحترام کرتے تھے۔چنانچہ ایک دن مجلس میں جیسے آپ کسی کی تعظیم کر رہے ہوں بار بار اٹھتے رہے اس کا کوئی ظاہری سبب معلوم نہ ہوتا تھا۔پوچھنے پر بتایا کہ ان بچوں میں سے ایک بچہ سیّد ہے۔جب انہیں دیکھتا ہوں تعظیماً کھڑا ہوتا ہوں۔

مدحِ اہل بیت کے سلسلے میں اگر دورِ بنُو اُمیّہ کے نامور شاعر ابوالفراس فرزدق کے فی البدیہہ مدحیہ اشعار بیان نہ کیے جائیں تو یہ شان وجلال اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھپانے کے مترادف ہوگا۔لہٰذا ان اشعار کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔
واقعہ یوں ہے کہ ہشام بن عبدالملک، جو کہ دورِ خلافت بنواُمیہ میں دوسری صدی ہجری کے اوائل سے تعلّق رکھتے ہیں، حج کے موقع پر اپنے والد کے ہمراہ فریضہ حج ادا کرنے کیلئے خانہ کعبہ گئے۔نہایت حلیم الطبّع، جسیم اور قد آور انسان تھے۔طواف بیت اللہ کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کیلئے بڑی کوشش کی۔مگر ہجوم کی وجہ سے ناکام ہوگئے۔کچھ فاصلے پر سامنے ان کے لیے ایک ممبر رکھا گیا۔جس پر وہ بیٹھ کر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کا نظارہ کر رہے تھے۔ان کے ساتھ کچھ شام کے معزز لوگ بھی کھڑے تھے۔اچانک پیکر حسنُ و جمال نورِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامل حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد یعنی اہلِ بیت ہونے کے علاوہ تابعین بھی تھے۔نہایت پرکشش شخصیت رکھتے تھے۔لوگ دیکھ کر فوراً راستہ سے ہٹ گئے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے بڑے سکون سے جا کر حجر اسود کو چوما۔ ہشام عالم

بیخودی میں یہ پُر کشش نظارہ دیکھ کر عش عش کر رہا تھا۔ عین اُسی وقت قریب ہی ایک شامی نے پوچھا یہ کون ہیں؟۔ ہشام نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے (اس لئے کہ یہ لوگ ان پر فریفتہ ہو کر ہماری شاہی کی مخالفت اور بے قدری نہ کریں) کہا کہ میں نہیں جانتا۔ وہاں عرب کے مشہور شاعر ''فرزوق'' بھی موجود تھے۔ اتنے میں انہوں نے بے قابو ہو کر کہا کہ میں انہیں خوب جانتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا ''ابا فراس! یہ حسن و جمال محمدی ﷺ کا پُتلا کون ہے؟'' فرزوق نے فی البدیہ اشعار میں یوں ان کا جواب دیا۔

1۔ یہ وہ شخص ہے جس کو بطحا کی نرم زمین، بیت اللہ، حِلّ و حرم سب پہچانتے ہیں۔

2۔ یہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور رسول ﷺ ان کے والد ہیں انہیں کے نور سے قومیں ہدایت پا رہی ہیں۔

3۔ جب ان کو اہل قریش دیکھتے ہیں تو ان میں سے کہنے والا بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے اس کے افعالِ کریمانہ تک لوگوں کی بزرگی کی انتہا ہے۔

4۔ یہ اللہ کے بندوں میں سے اعلیٰ شخص کا صاحبزادہ ہے۔ یہ صاف ستھرا، پرہیزگار، پاکیزہ اور سردار ہے۔

5۔ یہ شخص عزت کے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچا ہوا ہے جس کے حاصل کرنے سے عربی و عجمی سب عاجز ہیں۔

6۔ قریب ہے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت رُکنِ حطیم ان کو روک لے کیونکہ وہ ان کی ہتھیلی کو پہچانتا ہے۔

7۔ یہ از روئے حیا، نگاہیں نیچی رکھتا ہے اور ان کی ہیبت سے نگاہیں نیچی رکھی جاتی ہیں۔ جب وہ تبسّم کرتا ہے تو حاضرین کو کلام کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔

8۔ یہ وہ شخص ہے جس کے نانا ﷺ کی وجہ سے نبیوں کی بزرگی عزت یاب ہے اور ان کی امت کی بزرگی کی وجہ سے اُمّمِ سابقہ و لاحقہ عزت یاب ہیں۔

9۔ ان کی منور پیشانی کی تابانی سے ہدایت کا نور پھیل رہا ہے جس طرح طلوعِ آفتاب سے رات کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے۔

10۔ ان کا شریف خاندان حضور اکرم ﷺ سے مشتق ہے۔ ان کی اصل، عادت، خصلت سب پاکیزہ ہیں۔

11۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا صاحبزادہ ہے۔ اگر تو ان سے ناواقف ہے، ان کے جدّ امجد پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

12۔ اللہ ہی نے ان کو شرافت و بزرگی عطا کی ہے۔ جس کے متعلق لوحِ محفوظ میں قلم جاری ہو چکا ہے۔

13۔ ان کے دونوں ہاتھ مستغاث (مخلوق کیلئے حاجت روا) مقرب الٰہ ہیں جن کا فیض عام ہے ان سے بخشش طلب کی جاتی ہے۔ اور ان پر کبھی افلاس طاری نہیں ہوتا۔

14۔ یہ نرم خُو ہیں ان سے بیجا غیظ و غضب کا اندیشہ نہیں ہے۔ ان کو بردباری اور بزرگی دو خصلتوں نے زینت بخشی ہے۔

15۔ انہوں نے تشہد کے علاوہ کبھی کلمہ ''لا''، یعنی ''نہیں'' استعمال ہی نہیں کیا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو ان کے ہاں کلمہ ''لا'' بھی ''نعم''، یعنی ہاں ہی ہوتا۔

16۔ یہ احسان کے ذریعہ تمام مخلوق پر چھا گئے ہیں۔ پس ان کی وجہ سے مخلوق سے تاریکی، افلاس، فقر وفاقہ دور ہو گیا۔

17۔ یہ ایسی جماعت سے تعلّق رکھتے ہیں جن سے محبّت رکھنا عین دین ہے اور دشمنی رکھنا عین کفر ہے اور ان کی قُربت باعث نجات وحفاظت دین ہے۔

18۔ ہر چیز میں اللہ کے ذکر کے بعد ان کا ذکر مقدم ہے اور انہیں کے ذکر سے کلام ختم کیا جاتا ہے۔

19۔ ان کی محبّت کے ذریعہ بلائیں اور مصیبتیں دور کی جاتی ہیں اور انہیں کے ذریعہ بخشش ونعمت میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

20۔ اگر پرہیز گاروں کو شمار کیا جائے۔ تو یہ ان کے پیشوا ہوتے ہیں اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ زمین پر سب سے بہتر کون ہے؟ تو جواب ہوتا ہے کہ یہی ہیں۔

21۔ کوئی سخی اِن کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ کوئی قوم اِن کے برابر ہو سکتی ہے۔ خواہ کتنی شریف ہو۔

22۔ جب کبھی قحط سالی زیادہ ہوتی ہے تو یہ برسنے والے بادل کی طرح ہوتے ہیں اور خوف و ہراس کے وقت یہ ''شریٰ'' مقام کے شیروں کی طرح ہوتے ہیں۔

23۔ ان کی ہتھیلیوں کی کشادگی کو فقر وفاقہ تنگ نہیں کر سکتا۔ ان کے ہاں آسودگی وتنگی دونوں برابر ہیں۔

24۔ ان کی بُرائی کرنے سے ان کے اخلاق حمیدہ، دیا لو اور فیاض ہاتھ روکتے ہیں۔

25۔ مخلوق میں کون ایسا ہے جس کی گردن میں ان کی اوّلیت اور ان کے فضل کا طوق نہ ہو۔

26۔ جو شخص خدا کو پہچانتا ہے۔ وہ ان کی اوّلیت کو بھی پہچانتا ہے کیونکہ تمام لوگوں نے انہیں کے گھرانے سے دین حاصل کیا ہے۔

27۔ اگر تُو ان کو نہیں جانتا تو خدا ان کو جانتا ہے۔ عرش، لوحِ محفوظ، اور قلم بھی ان کو جانتے ہیں۔

28۔ تیرا یہ کہنا ہے کہ ''یہ کون ہے'' ان کیلئے مُضر نہیں۔ کیونکہ جس کا تو انکار کر رہا ہے اس کو عربی اور عجمی سب جانتے ہیں۔ (اس لئے کہ یہ ہر دور میں خُلق، حُسن، صبر اور سخاوت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔)

فرزدق کے یہ جذبہ وجلال سے لبریز اشعار سن کر ہشام طیش میں آ گیا اس نے فرزدق کو مکہ ومدینہ کے درمیان مقام ''عسفان'' میں قید کر لیا۔ حضرت زید العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے بطور تحفہ فرزدق کو بارہ ہزار درہم بھیج کر معذرت بھی کی کہ آپ کو میری وجہ سے یہ تکلیف پہنچی فرزدق نے رقم واپس کرتے ہوئے قاصد کو پیغام دے بھیجا کہ جا کر فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائیں کہ میں نے آپ کی تعریف خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی، اپنے گناہوں کا کفارہ اور اپنی بخشش کا وسیلہ سمجھتے ہوئے کی تھی۔ کسی دنیاوی لالچ کیلئے ہرگز نہیں کی۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے دوبارہ

بذریعہ قاصد رقم بھجوا کر وضاحت فرمائی کہ ہم اہل بیت رسول ﷺ ہیں۔ ہماری عادت ہے جب کوئی بخشش وعنایت کرتے ہیں پھر واپس نہیں لیا کرتے اس لئے اگر آپ میں حُب اہل بیت ہے تو پھر یہ تحفہ ضرور قبول کریں۔ کیونکہ عطا کو واپس لوٹانا ہم لوگوں کا شیوہ نہیں۔ آخر کار فرزدق نے اس بات پر وہ تحفہ قبول کر لیا۔ اور چند دن ہی بعد ہشام نے فرزدق کو رہا بھی کر دیا تھا۔ (صواعق محرقہ۔ ابن عساکر)

حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبّت رکھنا ہم فرائضِ دین میں سے سمجھتے ہیں۔ کیونکہ:

؎ فما طلب المبعوث اجرا اعلیٰ الھُدیٰ　　　تبلیغہ الا الموده فی القربیٰ

(آپ ﷺ نے تبلیغ رسالت وہدایت پر کوئی معاوضہ طلب نہیں فرمایا سوائے اہل بیت کی محبّت کے۔)

حضرت ابوالحسن بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی عقیدت اہل بیت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اہل بیت رسول ﷺ کی محبّت ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ ان کی محبّت آخرت کیلئے بہترین اور بلند ترین ذخیرہ ہے''۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اہل بیتِ رسول اللہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تم کسی مخلوق کو برابر نہ کرو کیونکہ اہل بیت ہی اہل سیادت واہل سعادت لوگ ہیں۔''

جو اس بات کو نہ مانے تو وہ اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے۔ ان کا کچھ نہیں بگڑتا اس لئے شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ان کے ساتھ بُغض، حسد رکھنا انسان کے لیے سراپا نقصان ایمان ہے۔ اور ان کے ساتھ محبّت رکھنا عین عبادت ہے۔''

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ وہ شخص ہیں کہ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاص خاص مریدوں کو ان کے پاس جانے سے منع کرتے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ ''ان کی باتیں اور گفتگو اتنی دقیق اسرار و رموز معرفت وتصوف پر مبنی ہوتی ہیں کہ ان کا سمجھنا کسی خاص آدمی کی دسترس سے بھی باہر ہوتا ہے۔ اس لئے ڈرتا ہوں کہ میرے مرید اُن کی گفتگو نہ سمجھ کر ان پر کہیں معترض بن کر اپنا نقصان نہ کر بیٹھیں اس لئے بجائے فائدے کے نقصان اٹھانے کے خدشے میں اپنے مریدوں کو ان کے پاس جانے سے منع کرتا ہوں۔'' خدا ہر دوست کو یہی عقیدہ وعقیدت نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ ''محبّت اہل بیت موجب ایمان اور سرمایہ بقائے تصدیقِ ایمان ہے۔ میرے پاس تو ان لوگوں کی محبّت کے علاوہ اور کوئی عمل اور وسیلۂ نجات نہیں ہے''۔

شارح ''لوائحِ جامی'' حضرت شیخ زمان پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں نقل فرماتے ہیں کہ ''سرمایۂ درویش پیش ما دو چیز است۔ تہذیب اخلاق ومحبّت خاندانِ پیغمبر ﷺ'' یعنی میرے نزدیک سرمایۂ درویشی صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک تہذیب اخلاق اور دوسری محبتِ اہل بیت نبوت ﷺ ہے اور بس۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "صوفیاءِ اہل سنت کے تمام سلسلہ ہائے طریقت جا کر آئمہ اہل بیت پر مُنتہی ہوتے ہیں" لہٰذا یہ حضرات بغیر کسی شک وشبہ کے اہل سنت کے پیر ومرشد ہوئے اور یہ پھر اپنے تئیں سمجھنا چاہیئے کہ ہم اہل سنت کے نزدیک پیر ومرشد کا کیا مقام اور ان کے ساتھ کتنی عقیدت ہونی چاہیئے۔ بالکل یہی محبّت و عقیدت مِن جُملہ جب تک آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتو وہ پیری مریدی بھی بیکار ولا حاصل! کیونکہ وہ بنیاد (ایمان) ہی سے کھوکھلی ہے۔ (خدا بچائے) نیز فرماتے ہیں کہ "اہلِ بیت کا اہلِ سنت کی طرف نسبت کرنا ایسا ہے جس طرح کہ نور کو ظلمت کے ساتھ منسوب کیا جائے۔ بلکہ اہلِ سنت کی نسبت اہلِ بیت کی طرف کی جائے۔ کیونکہ ان کی ذات بابرکات ہی مراکز اہل سنت ہیں اور مسلک اہل سنت انہی کی ذات بابرکات سے پھوٹتی ہے۔ اور بس۔"

پیشوائے نقشبنداں امام ربانی مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور زمانہ مکتوبات جلد دوم میں شان اہلِ بیت کے بارے میں یوں گلہائے عقیدت بکھیرتے ہیں۔ کہ "گویم چگونہ عدم محبّت اہل بیت برحق اہل سنت گُماں بردہ شوّد کہ آں محبّت نزد ایں بزرگواراں جزو ایمان است وسلامتی خاتمہ راشیوخ باآں محبّت مربوط ساختہ اند" یعنی ہم کہتے ہیں کہ یہ گمان کیسے کیا جاتا ہے کہ اہل سنت کو اہل بیت عظّام سے محبّت نہیں بلکہ یہ محبّت ان بزرگوں کے نزدیک جزو ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی محبّت آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مضبوط ہونے پر موقوف ہے۔ مطلب یہ کہ دعویٰ ایمان حُب اہل بیت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ عقیدہ ان مجدّد کا ہے کہ جن کی بشارت پیغمبر اسلام نے ہزار سال پہلے دی ہے۔ خدا سمجھ عطا کرے۔

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے لنگر میں جو بھی شخص اپنے آپ کو سیّد ظاہر کرتا خواہ کسی اور خاندان سے متعلّق ہوتا آپ کا حکم تھا کہ ہر سید (نام والے) کو دگنا لنگر دیا جائے۔ اس بات پر آپ سختی سے عمل پیرا رہتے اور اپنے خلفاء اور لانگری کو سادات کے بارے میں خاص خاص ہدایات دیا کرتے تھے۔ سادات کے بارے آپ کی سیرت میں کئی کئی مشہور واقعات موجود ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کسی سیّد کو دیکھتے تو کہتے کہ ہم اس دَر کے گداگر اور غلام ہیں۔ آپ سادات سے بہت انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے حالانکہ دوسری مخلوق کے ساتھ آپ کی جلالی کیفیت رہا کرتی تھی۔ جب کوئی سیّد آپ سے ملنے اور زیارت کرنے کو آتا تو اُٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے اور اپنے ساتھ بٹھا کر اپنی طرف سے جو کچھ ہوتا تھا خوب خاطر تواضع فرماتے۔ بندہ کے کئی دوست اس بات کے عینی شاہد ہیں۔

دورِ حاضر میں خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرّشید خواجہ معین الدین صاحب کہ جن کا وجود ساکنانِ تونسہ کیلئے غنیمت ہے ہمارے مرشدِ کریم سے کئی بار اُن کی ملاقات ہوئی بڑی عقیدت سے پیش آتے ہیں۔ ہمارے مرشدِ کریم کے سامنے جب بھی ان کا تذکرہ ہوتا ہے تو آپ فرمایا کرتے ہیں کہ خواجہ معین صاحب عقل سلیم کے مالک ہیں خداوند کریم ان کے درجات بلند فرماوے۔ چونکہ ہماری ان سے کئی بار ملاقات ہوئی ہے۔ جو بھی اجنبی ان سے ملنے جائے

اکثر دریافت کیا کرتے ہیں کہ آپ سیّد تو نہیں ہیں؟ اگر وہ اپنے آپ کو سیّد بتائے تو اپنے والد گرامی کی طرح اس کی بڑی عزت وتکریم کرتے ہیں۔

اب آخر میں چند عقیدت مند شعراءِ اسلام کا عقیدت بھرا کلام پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی میں، جو کہ زبان فارسی میں قرآن سمجھا جاتا ہے، اہل بیتِ نبی رضی اللہ عنہم کی تعریف میں یوں فرماتے ہیں:

از علیؓ آموز اخلاصِ عمل — شیر حق راداں منزّہ از دغل

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اخلاص عمل سیکھو اور شیر خدا کا ہر کام کھوٹ سے پاک صاف سمجھو۔ جنگ میں دشمن نے مغلوب ہو کر آپ رضی اللہ عنہ کے چہرہ انور پر تھوکا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے معاف کر کے فرمایا:

شیر حقّم نیستم شیر ہوا — فعلِ من بر دینِ من باشد گواہ

میں شیر خدا ہوں خواہشات نفسانی کا شیر نہیں ہوں۔ اس لئے میرا ہر ہر فعل میرے دین کی سچائی پر گواہ ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں یوں گویا ہیں۔

1۔ اہل بیت نبی رضی اللہ عنہم میں نور نبی اس طرح ظاہر و درخشاں ہے جس طرح کہ چاند میں سورج کا نور ظاہر ہے۔

2۔ یہ نورِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازل سے (ہے اور) ابد تک نمایاں رہے گا۔ کیونکہ یہ نُور ابدی نُور ہے۔

3۔ اے گناہوں میں غرق انسان تو غموں کے طوفان سے نہ گھبرا۔ کیونکہ آلِ محمد رضی اللہ عنہم ہمارے لئے کشتی نوح علیہ السلام کی مانند ہمہ وقت موجود ہے۔

مفکّر دورِ جدید، حکیم الاُمت، شاعر مشرق، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مدح اہل بیت نبی رضی اللہ عنہم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یوں تعریف فرماتے ہیں کہ:

ذات اُو دروازۂ شہر عُلوم — زیر فرمانش حجاز و چین و رُوم

دست او آنجا قسیم کوثر است — زیر پایش اینجا شِکوہِ خیبر است

1۔ بلحاظ علم آپ رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات تمام علوم کے شہر کا دروازہ ہے اور بلحاظ حکومت وطاقت حجاز، چین اور رُوم جیسے ممالک آپ کے زیر نگیں ہیں۔

2۔ اس دنیا میں قلعہ خیبر جیسی شان وشوکت آپ کے مبارک قدموں کے نیچے ہے۔ اور اُس دنیا میں اُن کا دست ید الٰہی آب کوثر تقسیم کرنے والا ہوگا۔ (کیونکہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق آپ کا کام قیامت کے دن حوض کوثر پر تشریف فرما کر اُسے تقسیم کرنا ہوگا۔ جسے چاہیں دیں اور جسے چاہیں نہ دیں۔)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ! سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ ناز میں یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

1 ؎ آں امامِ عاشقاں پورِ بتول	سَروِ آزاد زبستان رسول ﷺ
2 بہر آں شہزادۂ خیر المِلَل	دوشِ ختم المرسلین ''نِعم الجمل''
3 موسیٰؑ و فرعون! شبیرؓ و یزید	ایں دو قوّت از حیات آید پدید
4 زندہ حق از قوّت شبیری است	باطل آخر داغ حسرت میری است
5 بر زمین کربلا بارید و رفت	لالہ در ویرانہا کارید و رفت
6 تا قیامت قطع اِستبداد کرد	موج خونِ او چمن ایجاد کرد
7 بہرحق در خاک وخوں غلطیدہ است	پس بنائے لاالہٰ گردیدہ است
8 سرّ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ بود	یعنی آں اِجمال را تفصیل بود
9 ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست	پیش فرعونش سرش افگندہ نیست
10 خون او تفسیر ایں اَسرار کرد	ملت خوابیدہ را بیدار کرد
11 نقش الااللہ در صحرا نوشت	سطر عنوان نجات مانوشت
12 رمز قرآں از حسینؑ آموختیم	زِ آتش او شعلہ ہا اندوختیم
13 در نوائے زندگی سوز از حسینؓ	اہل حق حُریّت آموز از حسینؓ

14 تار ما از زَخمہ اش لرزاں ہنوز
زندہ از تکبیر او ایمان ہنوز

1۔ خاتونِ جنت کے بیٹے وہ عاشقوں کے امام، باغ رسول ﷺ کے سروِ آزاد۔

2۔ اپنی اُمت میں سے بہترین شہزادہ کیلئے پیغمبر آخرالزماں ﷺ نے جب وہ ان کے کاندھے پر سوار ہوئے تو فرمایا کہ ''یہ کیسا بہترین اونٹ ہے۔''

3۔ ازل سے ابد تک رزم گاہ حیات میں صرف یہ دو طاقتیں موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کے مقابلے میں رونما ہوئیں۔

4۔ حق حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی طاقت سے زندہ ہے باطل آخر داغ حسرت لیکر دم توڑنے والی ہے۔

5۔ کرب وبلا کی زمین پر برسے اور چلے گئے۔ ویرانوں میں گل لالہ بو کر چلے گئے۔

6۔ قیامت تک جبروستم اور استیصال کی کمر توڑ دی اور ان کے خون کی موجوں نے ایک اور پُر بہار چمن ایجاد کر دیا یعنی چمن اسلام کو ابدی جلا بخشی۔

7۔ حق کی خاطر خاک وخون کی ہولیوں سے کھیلے تب جا کر لاالہٰ کی بنیاد پڑ گئی۔

8۔ تسلیم ورضا ایثار وقربانی میں آپ رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے رازمخفی تھے یعنی اس اِجمال (نکتے) کی آپ علیہ السلام تفصیل (تفسیر) تھے۔

9۔ اللہ کے سوا مسلمان اور کسی کا غلام نہیں ہے۔ کسی فرعون کے سامنے اس کا سر جھکا ہوا نہیں ہے۔

10۔ ان کے خون نے اس امر کو کھول کر بیان کر دیا۔ اور سوئی ہوئی قوم کو (اپنی قربانی دیکر) جگا دیا۔

11۔ اِلَّا اللہ (اللہ کے بغیر اور کوئی طاقت نہیں کہ جس کے سامنے جھکا جائے) کا نقش ریگستان میں ثبت کر دیا۔ بالفاظ دیگر ہماری نجات کا عنوان تحریر کر گئے۔

12۔ قرآن حکیم کے اسرار ورَموزِ حقیقت ہم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے سیکھے۔ اور ان کے آتش عشق سے ہم نے ہزاروں شعلے (فتوحات) حاصل کئے۔

13۔ ہماری زندگی کے سازوں میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی بدولت ابھی تک سوز وگداز موجود ہے اور اہل حق آج تک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے حُریّت و آزادی کا درس لیتے ہیں۔

14۔ ہماری زندگی کی تاروں میں ابھی تک ان کی مضراب سے میٹھی میٹھی آوازیں (یعنی ترانہ ہائے توحید) نکل رہی ہیں اور ہمارے ایمان ابھی تک ان کی تکبیروں کی تاثیر سے زندہ وتابندہ ہیں۔

؎ مریم از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہراؓ عزیز
نور چشم رَحمتہ للعٰلمین — آں امام اوّلین و آخرِیں
بانوئے آں تاجدار ھَلۡ اَتٰی — مُرتضٰی، مُشکل کُشا، شیرِ خُدا
مادر آں مرکز پرکارِ عشق
مادر آں قافلہ سالارِ عشق (اقبالؒ)

حضرت مریم علیہا السلام صرف ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نسبت رکھنے کی وجہ سے پیاری ہیں لیکن فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تین نسبتوں کی وجہ سے پیاری ہیں۔

ایک یہ کہ رحمت للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی جو کہ سب انبیاءِ اوّلین اور اولیاءِ آخرین کے امام ہیں

دوم یہ کہ آپ رضی اللہ عنہا تاجدار ھَلۡ اَتٰی حضرت علی المرتضٰی مُشکل کُشا شیر خدا کی زوجہ ہیں۔

سوم یہ کہ آپ رضی اللہ عنہا پرکار عشق کے مرکز اور قافلہ عشق ومستی کے سالار اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔ یہ آپ کی امتیازی خصوصیات ہیں جو کہ دنیا میں نہ کسی خاتون کو نصیب ہوئیں اور نہ ہوں گی۔ ایسی عدیم المثال ہستی کی اولاد کو اگر سیّد الامت کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

شاعر اہل سنت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ اپنی عقیدت کے پھول اہل بیت اطہار کی بارگاہ میں یوں نچھاور کرتے ہیں۔

؎ تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا　　تو ہے عینِ نُور تیرا سب گھرانا نُور کا
تو ہے سایہ نُور کا ہر عُضو ٹکڑا نُور کا　　سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نُور کا
وصف رُخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نُور کا　　قدرتی بینوں میں کیا بجتا ہے لہرا نُور کا
نُور کی سرکار سے پایا دو شالہ نُور کا　　ہو مبارک تم کو ذوالنورینؓ جوڑا نُور کا
تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نُور کا　　بخت جاگا نُور کا چمکا ستارہ نُور کا
تاج والے دیکھ کر تیرا عِمامہ نُور کا　　سر جھکاتے ہیں اِلٰہی بول بالا نُور کا

مَیں گدا تُو بادشاہ بھر دے پیالا نُور کا
نور دن دونا تیرا دے ڈال صدقہ نُور کا

حضرت بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کے یہ الفاظ ہوا کرتے تھے:

؎ ائے خدائے مَن بحَقِّ مُصطفیٰؐ　　از طفیل حُرمت آل عباؑ
روز محشر دار با آلِ رسولؐ　　از طفیل مُقبِلاں گردد قبول

صوفی شاعر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی دلی دعا جو کہ زبان زد خاص و عام ہے:

؎ خدایا بحق بنی فاطمہ　　کہ بر قول ایماں کُنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کُنی در قبول　　من و دست دامان آل رسولؐ

(۳) صوفی ۞

صوفی عربی زبان کے لفظ صوف سے سے مشتق ہے جس کے معانی عربی زبان میں ''لمبے لمبے بال'' کے ہیں اس کی جمع صوفیاء ہے۔ چونکہ مسلمان صوفی لوگ حضور کی ذاتی سنتوں پر عامل لمبی داڑھی اور لمبی زلفیں رکھتے تھے اس لئے صوفی کہلائے جبکہ ظاہری طور پر پہلے پہل سارے مسلمان ایک ہی شکل وشباہت کے تھے۔ جب سے مسلمانوں میں ظاہر و باطن کا فرق شروع ہوا تب سے جن لوگوں کا وہی سابقہ نقشہ رہا خاص مسلمان ٹھہر کر صوفی کے نام سے پکارے جانے لگے وہ اس بنا پر کہ ان کے پاس اصل نقشہ رسول ﷺ اور نقشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھا۔

کئی بزرگوں کا فرمان ہے کہ لفظ صوفی ''لباس صوف'' سے منسوب ہے کیونکہ حضور ﷺ بذات خود اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم خاص کر اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم سفید کھدر لباس پہنا کرتے تھے۔ ان پاکباز ہستیوں کی اِتباع کی وجہ سے انہیں صوفی کہتے تھے بقول حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہ ''میں نے ستر اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کو دیکھا سب کے سب سفید کھدر (صوف) پہنے ہوئے تھے۔'' لہٰذا یہ سنت پیغمبر ﷺ اور سنت اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہے کچھ محقّقینِ اسلام فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام چونکہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی نقل کرتے ہیں اس لئے صوفی کہلاتے ہیں۔ بہر حال لفظ کا تعلّق جہاں سے بھی ہو مگر مطلب پیغمبر ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کی مکمّل ظاہری و باطنی اِتباع (پیروی) کرنا ہے اور بس۔

اصطلاحاتِ صوفیاء میں صوفی وہ ہے جو ذکر نفی و اثبات کے ذریعے اپنے اندر! اوصافِ بشریّت کی نفی کر کے اوصاف خداوندی کا اثبات کرے تب جا کر مقام صوفیت پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ نیز صوفی جب اوصاف و اخلاقِ الٰہی کا منبع بن جاتا ہے تو بحرِ توحید میں هَلْ مِنْ مَّزِيْد (خدایا اس سے آگے کوئی مقام عطا فرما) کا نعرہ لگا کر بقول بابا عبدالرّحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جس طرح بُرابُرائی سے سیر نہیں ہوتا اس طرح صوفی معرفت سے سیر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ منصور حلاج نے اَنَا الْحَق کا نعرہ لگایا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ اللّٰہ اللّٰہ گفت اللّٰہ می شود — ایں سخن حق است باللّٰہ می شود

صوفی اللّٰہ اللّٰہ کرتے اللّٰہ ہی بن جاتا ہے (یعنی اسے فنائے ذات حاصل ہو جاتی ہے) یہ بالکل ایک حقیقت ہے خدا کی قسم ایسے ہی ہو جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اللّٰہ کو اللّٰہ سے پہچانا اور پھر ماسوا اللّٰہ کو اس کے نور سے دیکھا تب حقیقت کا پتہ چلا۔

۞ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی چونکہ لفظ صوفی اکثر خاص خاص دوستوں کے لئے استعمال فرماتے رہتے ہیں اس لئے اس لفظ کی اہمیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس کی تعریف اور مفہوم بیان کرنا لازمی سمجھا۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ تصوف میں علاقائی لحاظ سے صوفی، درویش، فقیر اور سالک تقریباً ایک ہی مفہوم کے لئے استعمال ہوتے آرہے ہیں اور ان لوگوں کی راہِ معرفت کو فقر، تصوّف، سلوک اور راہِ درویشی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقر میں مقام صوفی ابتدائی اور مقامِ صافی انتہائی مقام ہے فرماتے ہیں۔

؎ صوفی ابن الوقت آمد در مثال لیک صافی فارغ است از وقت و حال

''صوفی ابن الوقت ہوتا ہے جو تابع وقت ہو کر تقاضائے وقت کے مطابق کام کرتا ہے مگر ''صافی'' وقت وحال کی قید و بند سے مکمّل آزاد ہو کر ابوالوقت بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وقت وحال اس کے اشارہ کے مطابق چلتے ہیں۔''
آگے فرماتے ہیں۔

؎ علم حق در علم صوفی گم شود ایں سخن کئے باور مردم شود

''علوم الٰہی صوفی کے علم کا جزو بن کر رہ جاتے ہیں یہاں تک کہ (لوح حافظ لوح محفوظے شود) اس کے فقط ایک اشارے سے لوح محفوظ میں ردوبدل واقع ہو جاتا ہے۔'' (کیونکہ وہ خدا کی صفت فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْد کا بھی مصداق بن چکا ہوتا ہے) حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو لفظ ''کن'' کا تصرّف عطا فرما دیتا ہے لیکن پھر بھی وہ اَدباً اپنے ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں۔'' مگر یہ بات عام لوگ کب تسلیم کرتے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ لفظ تصوّف کی یوں تشریح فرماتے ہیں کہ:

ت: سے مراد توبہ ظاہری و باطنی پر فائز ہو کر پھر ظاہری و باطنی صورت میں خداوند کریم کی طرف متوجہ رہنا۔

ص: سے مراد صفائی ظاہری و باطنی یا روزِ حشر مردانِ خدا کے ساتھ صفِ اوّل میں کھڑا ہونا یا صوف لباس کا از روئے سنت انبیاء و اولیاء پہننا یا اصحاب صُفّہ کا پیروکار ہونا۔

و: سے مراد ولایت و قربتِ الٰہی۔

ف: سے مراد مقاماتِ فنا و بقا کا شناور ہونا۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ صوفی کی تین اقسام بتاتے ہیں۔

1۔صوفی 2۔متصوّف 3۔مستصوّف۔ ان میں سے صوفی صاحبِ وصول (حقیقت پر قائم معرفت کا حاصل کنندہ) متصوّف صاحبِ اصول (راہ صوفیت میں مشابہتِ صوفیا اختیار کر کے گامزن ہونے والا) اور مستصوّف صاحبِ فضول (بے عمل محض نقال، ریاکار اور فراڈی ہوتا ہے) متصوّف کسی نہ کسی وقت صوفی بن سکتا ہے مگر مستصوّف ہرگز صوفی نہیں بن سکتا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ''صوفی'' کی یہ تعریف بھی فرماتے ہیں کہ: ''اَلصَّفَاءُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنْعَامٌ

وَ اِکْرَامٌ وَالصُّوفُ لِبَاسُ الْاَنْعَامِ'' ''حقیقت حال اگر پوچھتے ہوتو صفائی ظاہر و باطن خداوند کریم کی طرف سے ایک خاص انعام واکرام ہے۔ (جو اصل صوفی کو عملی طور پر حاصل ہے) اور جہاں تک لباس صوف کا تعلق ہے تو یہ جانوروں کا لباس بھی ہے۔ (جو عمل سے بالکل عاری ہوتے ہیں) مطلب صوفی ظاہری و باطنی پاکیزگی کے لحاظ سے ہوتا ہے نہ کہ صرف لباس کے لحاظ سے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے بلکہ حضرت آدم صفی اللہ عالم بالا میں بھی مسلک صفا و تصوف اختیار کیے ہوئے تھے۔

فقر، قرآن و حدیث سے تلخیص اور ان کی خالص ترین صورت ہے جسے ہم خالص اسلامی تصوف کہتے ہیں۔ فقر کا فلسفیانہ اور ملحدانہ تصوف سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے صوفی کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو ان کی تعلیمات کا نمونہ گردانتا ہے۔ اس لئے علومِ صوفیاء ظاہری یا باطنی صورت میں سب قرآن و حدیث ہی سے لئے گئے ہیں۔ صوفی کسی عامل یا مولوی کی طرح کسی ایک دو یا چند آیات کا پیشہ وارانہ عامل نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں واحد شخص ہے جو سب قرآن اور تعلیمات اسلام پر مکمّل عمل کرنے والا ہوتا ہے۔ بحکم قرآن ''اُدْخُلُوْ فِیْ السِّلْمِ کَافَۃً '' کا عملی نمونہ ہوتا ہے جسے ہم کامل کہتے ہیں۔ جیسے انسانِ کامل، صوفیٔ کامل، پیرِ کامل اور مرشدِ کامل وغیرہ۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''مُوْتُوْ اقَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' ''مرنے سے پہلے مر جاؤ۔'' اس حدیث کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو فوت شدہ آدمی کو روئے زمین پر چلتا ہوا دیکھنا چاہے (دنیا میں رہتے ہوئے نظّارہ آخرت کرنے والا ہو) تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے (کیونکہ وہ اپنے نفس کو مرنے سے پہلے مکمّل طور پر مار چکے ہیں) یہی وجہ ہے کہ نبوّت سے قریب ترین مقام مقامِ صدّیقیّت ٹھہرایا گیا ہے۔ اس طرح صوفی کامل کا قدم بر قدمِ صدیق رضی اللہ عنہ ہوتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح دنیا میں رہتے ہوئے مشاہدۂ آخرت کرتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے اس دنیا کو میرے لئے آخرت بنا دیا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ''وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ'' (اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی) کا اصل اِطلاق درویشوں ہی پر ہے۔ کیونکہ صرف یہی لوگ اس دنیا میں حق عبدیّت، حقِ زندگی، حقِ تخلیق اور حقِ انسانیت ادا کرتے ہیں۔ مشائخ کا فرمان ہے کہ حدیث جبرائیل کے مطابق صوفی مقام احسان پر فائز ہوتا ہے اور احسان کی تعریف مقام عدل (اعتدالیت) سے بھی اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ اپنا نصف حق بھی دوسرے کے حوالے کر کے اسباب دنیا سے مکمّل طور پر کنارہ کش ہو کر صرف متوکل علی اللہ بن جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

''وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ ''(حشر:9) (اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود شدید محتاجی ہو۔) ایک اور مقام پر قرآن کریم روح و نفس (انسان) کو حکم دیتا ہے۔

'' لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰئکُمْ'' (الحدید:23)

(اس لئے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔)

قرآن کے حکم کے مطابق صوفیاء کرام صوفی کی بھی یہی تعریف کرتے ہیں کہ ''صوفی وہ ہے جس کے سامنے ''یافت'' (کسی چیز کے ملنے پر خوشی) و ''نایافت'' (کسی چیز کے کھو جانے پر غم) دونوں میں کوئی فرق نہ ہو۔ لہٰذا واضح ہوا کہ اسلام میں صوفی وہ ہے جو ہمہ قسمی تقاضائے اسلام پر پورا پورا اترے، جو ''اُدۡخُلُوۡ فِیۡ السِّلۡمِ کَافَۃً'' میں کیا گیا ہے۔ احادیث مبارکہ میں بھی صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر و باطن کی خصوصیت کے ساتھ تعریف فرمائی گئی ہے۔ لباس صوف کے بارے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

ترجمہ:۔ جس دن موسیٰ علیہ السلام نے خداوند تعالیٰ سے مناجات کی اور ہم کلام ہوئے تو آپ علیہ السلام پر اُون کا جُبہ تھا۔ اُون کا تہبند اور پشم کی چادر تھی۔

ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھیڑ بکریوں کے بالوں کا لباس پہنتے تھے۔''

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ''کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَلۡبِسُ الصَّوۡفَ وَ یَرۡکَبُ الۡحِمَار'' یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سفید کھدر (صوف) لباس پہنتے اور گدھے پر سواری فرماتے۔ یہاں تک کہ دوسروں کو بھی اس لباس کے پہننے کا حکم دے کر حکمت بھی واضح کر دی۔ فرمایا ''لباسوں میں سے لباس صوف کا پہننا اپنے اوپر لازم کرو کہ جس کی وجہ سے آپ اپنے دِلوں میں ایمان کی مٹھاس پاؤ گے۔'' اس لئے اس لباس کو انبیاء کرام نے بطور لباس فقر اختیار کیا تھا اور ہر صاحبِ فقر کے لئے اس لباس کے پہننے کی تاکید بھی کر دی تا کہ اس لباس خاص سے اُمت بھی مستفید ہوتی رہے۔ اسی اتصالِ قلبی کی بناء پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی حالت فقر کو دیکھتے تو فرطِ محبّت سے فرما دیتے ''میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہم پر قربان ہوں'' ان کی فاقہ کشی کو دیکھ کر اپنی آل رضی اللہ عنہم کے لئے دست بہ دعا ہوتے کہ ''خدایا! آلِ محمد رضی اللہ عنہم کے رزق کو قُوۡتِ لایَمُوۡت (صرف اتنی دے کہ ان کی زندگی بحال رہے) بنا دے۔ اس سے زیادہ صوفیاء کے لئے اور کون سا اعزاز ہو کہ ان کی مرکزی خانقاہ میں رہنے والوں کی اتنی بڑی شان ہے۔ ان لوگوں کے پیروکار صوفیاء کی عارفانہ گفتگو سننے کی تاکید فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''جس نے اہل تصوف کی آواز سنی اسے تسلیم نہ کیا تو بارگاہِ الٰہی میں وہ غافلوں میں شمار ہو گیا۔''

ان کی پُرسکون اور خدا یاد مجلس کی اہمیت کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح ظاہر فرمایا۔ ''مَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّجۡلِسَ مَعَ اللّٰہِ فَالۡیَجۡلِسۡ مَعَ اَھۡلِ التَّصَوُّفۡ'' (اَلۡاٰلِیۡ اِمَام سُیوطِیؒ) یعنی جسے خدا کی ہم نشینی کا شوق ہو تو وہ اہلِ تصوف (صوفیاء کرام) کی مجلس میں جا کر بیٹھے یعنی اُن کی صحبت اختیار کرے پھر ان کی صحبت کا یہ کرشمہ ہوگا کہ ''لَا یَشۡقٰی جَلِیۡسُھُمۡ'' ان کے ساتھ بیٹھنے والے بد بخت نہیں ہو سکتے۔ ان کے ساتھ محبّت کرنے والوں کے لئے یہ خوشخبری سنائی گئی کہ ''مَنۡ اَحَبَّ قَوۡمًا فَھُوَ مِنۡھُمۡ'' جو جس گروہ سے محبّت کرے وہ خدا کی بارگاہ میں اسی گروہ میں شمار ہوتا ہے۔ نیز

''حُبُّ الْفُقَرَاءِ مِفْتَاحُ الْجَنَّه'' (روایت از حضرت عُمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فی مکارم الاخلاق) فقیروں کی محبّت جنت کی چابی ہے۔ ان لوگوں سے ظاہری مشابہت رکھنے والوں کے بارے بھی یہی خوشخبری سنائی گئی ہے فرمایا ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں شمار ہوگا۔ مرشد کریم بابا جی سرکار فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری نقل ہی اسی اصل کا ثبوت ہے اور اس پُرفتن دور میں یہ ہمارے لئے غنیمت اور خاص انعام خداوندی ہے۔

خداوند کریم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا کہ ''اگر درویشوں کا وجود اس دنیا میں موجود نہ ہوتا تو یہ دنیا کب کی تہہ و بالا کر دیتا۔ مگر ان لوگوں کے وجود کی برکت سے میں نے اسے امان بخشی ہوئی ہے۔''

دنیا میں سب سے پہلے با قاعدہ صوفی کے نام سے ملقب شیخ ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ تھے جو شام کے قریب علاقہ رملہ کے رہنے والے دوسری صدی ہجری سے تھے۔ اس وقت تک سب علماء اور اولیاء کا مرکز مساجد ہوا کرتی تھیں مگر جب صوفی ہاشم نے یہ محسوس کیا کہ علماء مساجد میں رہتے ہوئے آپس میں فرقہ بازی اور حسد و بغض کا شکار ہو رہے ہیں کہ جس کی اسلام میں گنجائش نہیں تنفر ہو کر دور ایک پہاڑ ''رملہ'' موجودہ فلسطین میں جا کر خانقاہ تعمیر کی وہاں آزاد ماحول میں فقر و تصوف کی تعلیم دینے لگے۔ (ابو ہاشم صوفی خطرات نفس کی باریکیوں کے معاملے میں انتہائی ماہر تھے اس لئے انہیں امام الصوفیاء بھی کہا جاتا ہے)

حتیٰ کہ اس کے بعد سے اب تک علماء ظاہر کے لئے مساجد (جہاں فتنہ و تعصّب کے امکانات ہیں) اور صوفیاء کے لئے خانقاہ (فتنہ و تعصب سے پاک ماحول) کی رسم چلی آ رہی ہے اور یہ لوگ سالکین کی تربیت کے لئے ایک مقررہ وقت تک خانقاہی زندگی گزارنے کے بعد تزکیہ نفوس اور اصلاح خلق کے لئے وسیع النظر ہو کر باہر نکلتے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

یعنی اقبال کے نظریہ کے مطابق اگر اس دنیا میں کوئی رسم شبیری ادا کر سکتا ہے یا ضرب حکیمانہ اور نعرۂ مستانہ لگا سکتا ہے تو وہ صرف صوفیاء ہی کر سکتے ہیں علماء ظاہر کا ہرگز یہ کام نہیں۔ اور نہ وہ اس کام کے اہل ہیں۔

؎ کارِ مومن فی سبیل اللہ جہاد
کار مُلّا فی سبیل اللہ فساد

؎ میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں مُلّا ہوں غازی

؎ الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پیران پیر غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اور سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

اوصاف وعوامل فقر وتصوف اور طریقہ صوفیاء کی بنیاد ان آٹھ خصلتوں پر استوار ہے۔ ان میں سے ہر ایک خصلت کا مظہر ایک اولوالعزم پیغمبر علیہم السلام کی ذات ہے۔ ایک سالک کے لئے ان خصائل کے بغیر وصال الٰہی حاصل کرنا ناممکن ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

پہلی خصلت: سخاوت! حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کہ جنہوں نے اپنے لختِ جگر کو راہ خدا میں قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا۔

دوسری خصلت: رضائے! اسماعیل واسحاق علیہم السلام کہ جنہوں نے خوشنودئ پروردگار کے لیے اپنی عزیز جانوں کو پیش کیا۔

تیسری خصلت: صبر! ایوب علیہ السلام کہ جنہوں نے امتحانِ الٰہی میں صبر اختیار کیا اور کیڑوں کی مصیبت برداشت کی۔

چوتھی خصلت: اشارات ومناجات! حضرت زکریا علیہ السلام کہ جنہوں نے متواتر تین دن حکم الٰہی سے اشاروں سے کام لیا اور چپکے سے اپنے رب کو پکارا۔

پانچویں خصلت: غربت! یحییٰ علیہ السلام کہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے بھی اپنوں سے (بوجہ ان کے غیر مسلم ہونے کے) بیگانہ رہے۔

چھٹی خصلت: خرقہ پوشی وصوف پوشی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ جنہوں نے ساری زندگی اون کا لباس اور خرقہ استعمال فرمایا۔

ساتویں خصلت: سیر اور تجرّد! عیسیٰ علیہ السلام کہ جو سامان زندگی میں سے صرف ایک پیالہ اور ایک کنگھی رکھتے تھے۔ جنگل میں دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ سے پانی پی رہا ہے تو اپنا پیالہ توڑ دیا۔ دوسرے کو دیکھا کہ انگلیوں سے بال درست کر رہا ہے کنگھی بھی پھینک دی۔ نیز جڑی بوٹیاں کھاتے۔ جہاں رات ہوتی شب باشی فرماتے۔ اولاد اور گھر کے غم سے آزاد ساری زندگی صبح کے لئے کچھ بچا کر نہ رکھا۔

آٹھویں خصلت: فقر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم! کہ خداوند کریم نے سب خزانوں کی چابیاں آپ کو عطا کیں اور فرمایا کہ محنت و مشقّت چھوڑ کر شان وشوکت سے زندگی بسر کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں عرض کیا کہ باری تعالیٰ خزانے اور شان و شوکت نہیں چاہیے بلکہ ایک دن سیر اور دوسرے دن بھوکا رکھ۔ تب اللہ تعالیٰ نے سب نبیوں سے ممتاز مقام ''مقامِ ذکر'' پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز فرمایا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل صوفی وہی ہے جو اپنے مرشد ورہبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھے۔ نیز فرماتے ہیں کہ صوفی قرآن کریم کی ہر آیت کا مطلع اور آئینہ ہوتا ہے اور وہ مشاہدے میں عبادت کرتا ہے کُتبِ تصوف میں مشائخ طریقت کا بیان ہے کہ تصوف کا پہلا قدم ''علم راست''اوسط''عمل'' اور آخر ''مُوہبت'' (اپنے آپ کو برائے معرفت مکمّل طور پر مرشد کے حوالے کر کے ذات حق میں فنائے کلی حاصل کرنا) ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو"اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً" (ظاہری و باطنی صورت میں مکمّل طور پر اسلام میں داخل ہونے) کا ثبوت دے وہی صوفی ہوتا ہے۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم صوفیاء کے پاس معیار فقر صرف شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ صوفی کے لئے ظاہری علم کو لازمی گردانتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جاہل صوفی حقیقت (اصل) اور سراب (بناوٹ) میں امتیاز کرنے سے قاصر ہو کر نفس و شیطان کے دھوکے میں آسکتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا۔

؎ علم باطن ہمچوں مسکہ علم ظاہر ہمچوں شیر   کئے بود بے شیر مسکہ کئے بود بے پیر! پیر

(علم باطن مکّھن اور علم ظاہر دودھ کی طرح ہے جس طرح بغیر دودھ کے مکّھن نہیں بن سکتا بالکل اسی طرح بغیر پیرِ کامل کے کوئی پیر بھی نہیں بن سکتا۔) یعنی صوفی کے لئے علم اور پھر اس علم کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مرشد بھی لازمی ہے۔ جو علم ظاہر کو علمِ باطن میں بدل دے۔

مشائخِ طریقت نے واضح کیا ہے کہ فقیر اور صوفی تہی دست (مال و دولت سے خالی ہاتھ) کو نہیں کہتے کہ جس کے پاس خواہ مخواہ مال و متاع اور زادِ دنیا نہ ہو بلکہ فقیر اور درویش وہ ہے کہ جس کا دل خواہشات غیر اللہ سے خالی اور جسم لباس فقر میں ملبوس ہو۔ اس لئے مرشد کریم باباجی سرکار فرمایا کرتے ہیں۔

ع ہتھ کار وَل دِل یار وَل

ایک عربی شاعر کا کہنا ہے کہ اگر تُو نے حقیقی صوفی دیکھنا ہے تو صدق و صفا کے پیکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ظاہر و باطن کو دیکھ کہ! وہی اصل نمونہ صوفیّت ہیں۔ حضرت شیخ حضری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس مطمئنہ پر فائز شخص کو صوفی کہتے ہیں کہ جس کا دل نفس و شیطان کے ہتھکنڈوں سے مکمّل محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلب صوفی تک بذریعہ نفس جو رَگیں جاتی ہیں خداوند کریم اس کی دوستی کی بناء پر اپنی قدرت کاملہ سے انہیں مکمّل طور پر کاٹ دیتا ہے تاکہ ان کے قلوب تک شیطان راستہ پا کر نقب نہ لگائے۔ (کیونکہ از روئے حدیث کہ شیطان تمہاری رَگوں میں خون کی طرح دوڑتا پھرتا ہے) اس لئے صوفی کی زبان و دل خانۂ خدا کی ترجمانی اور دل خدا کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس بات پر قرآن کریم کی یہ آیت دال ہے کہ روزِ ازل سے ابلیس نے بے بس ہو کر اعتراف حقیقت کیا تھا قرآن ناطق ہے:

ترجمہ": بولا تو تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ مگر جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔" (سورۃ صٓ: 82)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی شیطانی کشش اور باطنی واردات نفس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

؎ شہود کیسے ہو حاصل اس زمانے میں وجود جس کا نہیں جذب خاک سے آزاد

حضرت شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صوفی فنائے کلی پر فائز ہوتا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ وہ نہ مالک ہوتا ہے اور نہ مملوک یعنی نہ وہ کسی چیز کا مالک اور نہ کوئی (بغیر خدا کے) اس کا مالک ہو۔ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''اَلصُّوفِیَ لَا یَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰہِ غَیْرُ اللّٰہِ'' ''صوفی وہ ہے جو دونوں جہان میں بغیر ذات خدا کسی چیز کو نہ دیکھے۔ اور نہ اس کی طرف کوئی مائل ہو۔''

حُسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ سے جب صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا۔ ''صوفی وحدانی الذّات ہوتا ہے (یعنی) نہ اسے کوئی اللہ کے سوا قبول کرتا ہے اور نہ وہ کسی کو اللہ کے سوا قبول کر سکتا ہے۔'' بالفاظ دیگر وہ ہر حیثیت سے غیر اللہ سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے۔ ''حلاّج'' اپنے اس قول کی تشریح میں ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کو جاتے ہوئے دیکھا تو اس سے پوچھا۔ اَئے مردود! تُو نے خدا کے حکم پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا۔ اگر تو سجدہ کر لیتا تو یہ لعنت کا طوق تیری گردن میں ہرگز نہ ہوتا۔ شیطان نے جواب دیا اے موسیٰ کلیم علیہ السلام! میں آپ کی طرح نہیں تھا کہ جب تُو نے خدا سے دیدار کی خواہش کی تو خدا نے حکم دیا ''یٰا مُوسٰی اُنْظُرْ اِلَی الْجَبَلْ'' یعنی اے موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی طرف دیکھو (تاکہ وہاں تجھے اپنا جلوہ دکھادوں) تو آپ علیہ السلام فوراً (ذات خدا سے ہٹ کر) پہاڑ (غیر اللہ) کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن جب مجھے سجدہ کرنے کا حکم ملا تو میں چونکہ مقام صوفیّت پر فائز تھا جواب دیا باری تعالیٰ تیرے سوا کسی اور کی طرف نہ تو توجہ کروں گا اور نہ کسی اور (غیر اللہ) کو سجدہ کروں گا۔ لہٰذا میں نے نہ کسی اور کی طرف توجہ کی اور نہ ہی انکار سجدہ کر کے کوئی برا کام کیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَئے لعین! پھر بھی امر حق کو تو نے نہ ٹھکرانا تھا۔ اگر تو اس کا فرمانبردار ہوتا تو اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا مگر نا سمجھی اور غرور کی وجہ سے مردود ہو گیا۔ لہٰذا میں تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پڑھتا ہوں۔ آخر کار شیطان لاجواب ہو کر بھاگ گیا۔ منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس روایت سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ صوفی جو کچھ بھی بن جائے۔ مگر خدا کے ہر حکم کے سامنے پھر بھی اس کا سر تسلیم خم ہے۔ یا مُرید جتنی بھی ترقی کرے مگر مُرشد کے ہر حکم پر سب کچھ بالائے طاق رکھتے ہوئے دل و جان سے اس پر عمل کرے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے ضمن میں بہت کچھ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ شیطان صرف اپنی ذات کی طرف سے ادب کو ملحوظ نظر رکھ کر حکم خدا کو نظر انداز کر کے دھوکہ کھا گیا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ''اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبْ'' یعنی ادب پر امر کو ترجیح ہے۔ جب حکم مل جائے تو تمام آداب کو بالائے طاق رکھا جاتا ہے کہ جن میں زیادہ تر اپنے نفس کا عمل دخل ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ ناسخ احکام (حکم ختم کرنے والا) حکم سابق کو نسخ (ختم) کر سکتا ہے۔ (جس طرح قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ آیات کا حکم موجود ہے)۔ پھر مولاناؒ نے اس ضمن میں بہت سی مثالیں دیں مثلاً محمود غزنوی کا ایاز کو انمول موتی توڑنے کے لئے حکم! اور ایاز کا حکم پاتے ہی اسے پاش پاش کر کے رکھ دینا۔ پھر جہاد کی مثال دی کہ خدا

نے سب کو پیدا بھی کیا مگر خود اُن (منکرین) کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس طرح تخلیقِ نفس پھر خلاف نفس کا حکم جیسی مثالوں کے بعد آخر میں یہ فیصلہ فرمایا کہ۔

؎ امر حق راہم بامر حق شِکن بر زُجاجِ دوست سنگ دوست زن

(خدا کے حکم کو خدا ہی کے حکم سے توڑ دے۔ (نہ کہ کسی غیر کے حکم سے) دوست کے شیشے پر دوست ہی کے ہاتھ کا دیا ہوا پتھر مار دے کیونکہ چیز بھی اُسی کی حکم بھی اسی کا۔)

مولاناؒ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ابلیس کو خدا کا حکم (کہ میرے بغیر کسی اور کی طرف متوجہ مت ہو جاؤ) اب خدا کے حکمِ سجدہ سے حکم سابق کو توڑ دینا چاہیے تھا۔ کیونکہ بوقت امر ادب کو ترک کیا جاتا ہے اور یہی حقیقت تسلیم ورضا ہے۔ لہٰذا اس مغالطہ کی بناء پر اتنے بڑے مقام سے گر کر تباہ و برباد ہو گیا۔ بقول منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ صوفی بھی اسی مقام وحدانی الذّات میں ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ سب کچھ ترک کرنے کے باوجود خدا کا حکم پا کر پھر بھی سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ ہر حال میں اپنے آپ کو بندۂ عاجز مانتے ہوئے امرِ الٰہی کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ جس طرح کہ انبیاء واولیاء کی زندگیاں بطور نمونہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام غیر اللہ سے کٹ کر بھی حکم خدا پاتے ہی فوراً پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے۔ صوفیاء میں بھی اگر ایسا نہ ہو تو وہ مقام صوفیّت سے گر کر تباہ ہو جائیں۔ حدیث پاک میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"کَادَ الْفَقْرُاَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا" (کنوز الحقائق) (حکم عدولی اگر واقع ہو تو فقر، کفر کے بہت قریب ہے۔)

بہت سے صوفیاء کرام نے اپنے مریدوں سے ایسے ہی مقامات پر اس قسم کے امتحانات لئے ہیں کہ کیا مرید اپنے نفس کی مرضی پر چلتا ہے یا اپنی مرضیٔ نفس کو حکم کی تلوار کے نیچے رکھ کر فنا فی الشیخ ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکمتِ اَمر کو یوں حکیمانہ انداز میں بیان فرمایا۔

؎ بخور ہر چہ آید زِ دستِ حبیب نہ بیمار دانا تراست از طبیب

(دوست کے ہاتھوں جو بھی چیز ملے بلا جھجک کھالے کیونکہ مریض ڈاکٹر سے زیادہ عقلمند (دانا، مرض شناس) نہیں ہوا کرتا۔)

دراصل پیری مریدی اسی صوفیّت کے گرد کسی نہ کسی صورت میں گھومتی رہتی ہے۔ اس کے عرفان میں عرفان الٰہی مضمر ہوتا ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درویشی کے ستر ہزار مقامات ہیں۔ ان میں سے پہلا مقام ساکنانِ عرش کے ساتھ عرش مُعلّٰی پر نماز پنجگانہ ادا کرنا ہے۔ باقی سب مقامات اس سے آگے ہیں۔ ان سب کو ایک درویش کامل چھان مارتا ہے۔ پھر اگر اسے اٹھارہ ہزار عالمین کا زر وسیم دیا جائے بلا تاخیر سب راہ خدا میں خرچ کر ڈالے تب درویشی کا مستحق بن جائے۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ صوفی وہ ہے جو ظاہری طور پر مخلوق کے سامنے اور باطنی طور پر خدا کے سامنے سچا ہو۔ نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے علوم تصوف قیل وقال (بحث وتکرار) سے حاصل نہیں کئے، بلکہ بھوک اور دنیا کی خوشگوار ومحبوب اشیاء کو ترک کرنے سے حاصل کئے ہیں (یعنی قال سے نہیں عمل سے)۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف ایک عملی فن ہے جس طرح کہ ہر عمل کے لئے پہلے علم چاہیے۔ مگر صوفیّت میں پہلے عمل کرنا پڑتا ہے پھر خود بخود جا کر خدا کی طرف سے علم حاصل ہوجاتا ہے جو علمِ بقا کہلاتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ صحتِ علم صحتِ حال کا ضامن نہیں ہوسکتا مگر صحتِ حال، صحتِ علم کا ضامن ضرور ہوتا ہے، جو صوفی کے ساتھ مختص ہے۔ اس لئے محقق صوفیاء کا فرمان ہے کہ حقیقتِ تصوف مقامِ احسان، مقصودِ تصوف مقامِ رضائے الٰہی اور انحصار تصوف مقام پیروئی سنت ہے۔ لہٰذا تصوف علوم باطن کا نام اور اسلام کی خالص ترین صورت ہے۔ نیز صوفیاء کا خلق ترک تکلّف ہے تصوف نام ہے ترک تکلّف کا اور بقول ہمارے مرشد کریم کے کہ اس میں کدورت اس لئے نہیں ہے کہ ہر قسم کے تکلّفات سے پاک راستہ ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم الٰہی صوفیاء کی صفت، عبادتِ الٰہی ان کا سراپا تقویٰ ان کا لباس اور حقیقت کے اسرار صوفیاء کے حقائق ہیں۔ حضرت شیخ ابوحفص حدّادنیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تصوف سراپا ادب ہے، جو ہر وقت ہر مقام اور ہر حال پر محیط ہے۔ حضرت ابومحمد الجریری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''تصوف ہر اعلیٰ درجے کے اخلاق کے حاصل کرنے اور ہر ادنیٰ درجے کے اخلاق سے گریز کرنے کا نام ہے۔'' صوفیا کے نزدیک ''صوفی شریعت کا پابند اور خدا کے ذاتی غیبی علوم کو چھپانے والا ہوتا ہے''۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ''اَلتَّصَوُّفُ اَلْیَوْمُ اِسْمٌ'' یعنی تصوف آج کے دن کا نام ہے صاحب تصوف صرف حال کو پا کر صاحب حال بن جاتا ہے۔ اس کی لغت میں دوش وفردا (ماضی و مستقبل) ہیں ہی نہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے:

؎ کسی نے دوش دیکھا ہے نہ فردا　　　فقط امروز ہے تیرا زمانہ!

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حقائق صوفیہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''علماء شریعت کو نقل و استدلال سے اور صوفیاء شریعت کو کشف والہام سے متحقق کر کے سمجھتے اور سمجھاتے ہیں۔'' حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوتراب نخشبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز ناپاک نہ کرسکے اور وہ خود ہر چیز کو پاک وصاف کرسکتا ہو۔'' مولوی پانی کا وہ مٹکا ہے جو صرف ایک گندے قطرے سے خراب ہوجاتا ہے مگر صوفی وہ دریا ہے جو ہر قسم کی غلاظتوں کو دھو کر بھی صاف وشفاف رہتا ہے۔ یعنی صوفی میلوں کو تو دھولے مگر خود گدلا تک نہ ہو۔ مولوی وہ کہ جس کی گُفتار سے مسائل حل ہوں اور صوفی وہ کہ جس کے دیدار سے منازل سلوک طے ہوں۔ مولوی صاحبِ استدلال، صوفی صاحبِ کشف ویقین، مولوی صاحبِ قال، صوفی صاحبِ حال، مولوی مُدافعانہ جنگ تک محدود، صوفی اقدامی جہاد کا علم

بردار، مولوی صاحب تقریر، صوفی صاحب اطاعت، مولوی صاحب عقل، صوفی صاحب عشق، مولوی سراپا انتظار، صوفی سراپا دیدار، مولوی نقاش اور صوفی نگار خانہ ہے۔ اس لئے چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفی معرفت الٰہی میں مرد میدان جس کے دائیں ہاتھ میں کتاب اللہ اور بائیں ہاتھ میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع، جو اِن دونوں کی روشنی میں چلے'' نیز آپ فرماتے ہیں کہ ''تصوف ترک اختیار کا نام ہے۔'' آپؒ فرماتے ہیں کہ ''صوفی زمین کی طرح ہے کہ جس پر ہر بری چیز ڈال دیتے ہیں مگر اس سے جو بھی چیز نکلتی ہے اچھی ہی ہوتی ہے۔ یعنی اسے ہر نیک و بد روندتا ہے۔ مگر صلہ پھر بھی خیر کا پاتا ہے۔ یا صوفی ابر کی مانند ہے کہ ہر نیک و بد پر سایہ فگن رہتا ہے یا بارش کی طرح ہے جو ہر جاندار و بے جان کو بلا تخصیص سیراب کرتی ہے۔''

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''صوفی دوسرے کے جرم اور بے ادبی کو دیکھ کر بجائے اس پر غصّہ کرنے کے اپنے نفس کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے۔ (وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھ میں وہ جوہر کیوں نہیں کہ میں دوسروں کی اصلاح کرتا۔)'' یہاں تک کہ صوفی دوسرے کے لئے طالبِ انصاف مگر اپنی ذات کے لئے طالب انصاف نہیں ہوا کرتا۔ بقول خواجہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کہ ''مقامِ فقر بہت اعلیٰ و اَرفع ہے۔ یہاں مَیں اور ہم کے دعوے سراسر حرام ہیں۔'' اس لئے صوفی ذکر کے بعد شُکر اور شُکر کے بعد ذکر میں مصروف رہتا ہے۔ بقول صوفیاء صوفی تذکیّہ نفس کر کے مثل آفتاب بن جاتا ہے کہ جس میں لطیف ترین ہونے کی صورت میں ذرا بھر کثافت کی گنجائش نہ ہو اور بقول حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ''صوفی بشری کثافتوں سے اس وقت پاک وصاف ہو سکتا ہے، جب وہ مقامات کی لالچ سے مکمّل آزاد ہو جائے۔'' حضرت بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ صوفی وہ ہے جو دوزخ کے ڈر اور بہشت کی لالچ سے مبرّا ہو کر صرف دیدار ذات کا طالب ہو۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ''درویش وہ ہے جس میں بحالت تندرستی خوف امید پر غالب اور بحالت مرض امید خوف پر غالب رہے۔ کیونکہ خرابی انجام کا خوف ہی خرابی انجام سے نجات دلاتا ہے۔''

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بن ادھم فرماتے ہیں کہ فقر میں خالص فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طالب کا استقبال تونگری سے ہوتا ہے۔ مگر فقیر اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ٹھکرا کر فقر اختیاری میں آجاتا ہے اور فقر میں تونگری کے طالب کا استقبال محتاجی کرتی ہے (جو اُسے فقرِ اضطراری (مجبوری) میں دھکیل دیتا ہے جس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی تھی اور اسے ''سَوَادُ الْوَجْهِ فِـىَ الـدَّارَيْـنِ'' (دونوں جہانوں کی رُوسیاہی) قرار دے دیا۔) حضرت شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درویش جذبہ ایثار کا پیکر ہوتا ہے کسی چیز سے دل لگا کر اپنے پاس نہیں رکھتا اس لئے اس کے پاس نہ کچھ ہوتا ہے اور نہ اس کا بخل سے کچھ سروکار ہوتا ہے۔ اس لئے فقر میں زیادہ تر صوفیاء کرام فاقہ کشی کو اپنا طُرّہ امتیاز سمجھتے ہیں۔ مشہور مقولہ ہے کہ:

''مِعْرَاجُ الْفُقَرَآءِ لَيْلَةُ الْفَاقَهْ'' یعنی فقراء کی معراج شب فاقہ ہے۔ بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ:

؎ اندرون از طعامِ خالی دار تا درو نُورِ معرفت بینی

(پیٹ طعام سے خالی رکھ تب تُو اس میں نُورِ معرفت دیکھے گا۔)

رسولِ خداﷺ نے فاقہ فقراء کو طعام اللہ قرار دے دیا ارشاد ہے۔ ''اَلْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ'' بھوک زمین پر اللہ کا طعام ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ ہر کہ کاہ و جو خورد قرباں شود ہر کہ نور حق خورد قرآں شود

(جو کھانے پینے پہ زور دیتا ہے وہ آخر کار قربانی کا بکرا بن جاتا ہے اور جو اپنی غذا نورِ حق بنا دے وہ چلتا پھرتا قرآن بن جاتا ہے)۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''درویش وہ ہے جو گونگا، (غیر شرعی باتوں سے) نابینا، (ناجائز دیکھنے سے) بہرہ، (غیر شرعی گفتگو سننے سے) اور لنگڑا، (غیر شرعی حرکات و افعال سے) ہو۔ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقر دریائے بلا (بحر البلاء) ہے اور اس کی ہر ایک بلا میں بارگاہِ ایزدی سے ایک عزّت مخصوص ہے۔ حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی کی گفتگو شارح حقائق (اَسرار و رموزِ الٰہی سے پردہ اٹھانے والا) اور خاموشی شارح حال ہو۔ صوفیاءِ اسلام فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کا مرجع ہر حالت میں باری تعالیٰ ہو خواہ مخلوق اسے مردود کیوں نہ سمجھے اور پھر وہ جملہ خلائق کو اپنا عیال خیال کرے۔

حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی کے لئے دنیاوی اسباب اس کی راہ فقر میں مانع توکل ہیں۔ (درویش کی ملکیت میں اگر کوئی چیز ہو تو اس کے توکل میں زبردست خلل پڑ جاتا ہے)۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ہے کہ درویش اس دُنیا میں اس قدر اہم اور متبرّک ہوتا ہے کہ اس کی وفات سے زمین و آسمان اور جو اُن کے درمیان ہے سب روتے ہیں۔

آخر میں تبرکات حضرت غوث اعظم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ پر یہ مقدس موضوع ختم کرتا ہوں۔ کہ ایک مقام پر انہوں نے **مدارجِ صوفی** کی یوں تشریح فرمائی جسے گراف کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

مقامِ مسلمان	مقامِ مبتدی	مقامِ متوسط	مقامِ منتہی
عقلِ معاش	عقلِ معاد	عقلِ روحانی	عقلِ کُل
علمِ شریعت	علمِ طریقت	علمِ معرفت	علمِ حقیقت
روحِ جسمانی	روحِ نُورانی	روحِ سُلطانی	روحِ قُدسی
عالَمِ مُلک	عالَمِ ملکوت	عالَمِ جبروت	عالَمِ لاہُوت یا عالَمِ حقیقت
تجلّی آثار	تجلّی افعال	تجلّی صِفات	تجلّی ذات
جنتُ الماوٰی	جنتُ النعیم	جنتُ الفردوس	دیدارِ الٰہی

غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس سے آگے لکھتے ہیں کہ از روئے حدیث اہل اللہ (صوفی) پر دنیا و آخرت دونوں حرام ہیں وہ ''فَفِرُّوۡٓا اِلَیاللّٰہِ'' (پس اے لوگو خدا کی طرف بھاگو) پر عامل ہوتا ہے وہ سب مقامات سے بھاگ کر صرف حقیقت میں جا کر قرار حاصل کرتا ہے۔

چنانچہ امام ربّانی مجدّد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اہل اللہ کے لئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ:

؎ اے برادر بے نہایت در گہیست هر چه بروئے میرسی بروئے مایست

اَے دوست! اس کی بارگاہ کی کوئی انتہا نہیں۔ جس مقام پر تُو پہنچ جائے، اس پر صبر نہ کر جب تک کہ بے مقام نہ ہو جائے۔ اقبال کہتے ہیں:

؎ شرعِ محبّت میں ہے عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام

(۴) بیعت اور صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ

مقصد بیعت: مقصد بیعت حصول رضائے الٰہی ہے۔قرآن کریم صاف صاف بیان کرتا ہے۔

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" (فتح:18)

(بے شک اللہ راضی ہوا ان ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔)

اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ بیعت حصولِ رضائے الٰہی کا وسیلہ ہے۔اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت کو بیعتِ رضوان (خدا کے راضی ہونے کی بیعت) جنت کی بشارت اور فتح وکامرانی کا ذریعہ فرمایا گیا ہے۔نیز خداوند کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ فرما کر بیعت کرنے والوں سے اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا: ملاحظہ ہو: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ج فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ ج وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا" (فتح:10)

"وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ان (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے عہد (بیعت) توڑا اس نے اپنے برے عہد کو توڑا (عہد شکنی کا وبال اسی عہد توڑنے والے پر ہی پڑے گا) اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا۔تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب (اجرِ عظیم) دے گا۔" اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح میں دستِ اولیاء کی تعریف فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎ دستِ اُو را حق چوں دست خویش خواند
پس یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ براند
دست پیر از غائباں کو تاہ نیست
دست او جز قبضہ اللہ نیست

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو خدا تعالیٰ نے اپنا ہاتھ فرما کر یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ پر بات ختم کردی اسی طرح، پیر کا ہاتھ بھی ہر جگہ (غائب ہو یا حاضر) مُرید کے سر پر موجود رہتا ہے کیونکہ اس کا ہاتھ بھی خدا ہی کا ہاتھ اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہوتا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رضائے الٰہی، جنت کی بشارتیں، یہ اجرِ عظیم کے وعدے، شرف بیعت کی وجہ سے سنائے جارہے ہیں کیونکہ بیعت لفظ بَیع (قرآن) سے ماخوذ ہے جس کے معانی کسی چیز کے مکمّل بیچنے کے ہیں۔یعنی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانوں کو خدا کے راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بیچ کر اپنا سب کچھ خوشنودیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کردیا۔اس کے صلّے میں پھر خداوند کریم نے انہیں اپنی اسی زندگی ہی میں یہ خوشخبری سنادی کہ قرآن زبان حق سے ناطق ہے۔"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ" (آگے مزید فرمایا ہے کہ)

''فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ '' (توبہ:111)

''بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں اسی بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔تو خوشیاں مناؤ! اپنے سودے کی جو تم نے اپنے رب سے (بوسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کیا ہے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔'' مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے سچ فرمایا:

؎ ما بہائے خونبہارا یافتیم   جانب جاں باختن بشتافتیم

''یعنی جب ہمیں خدا کی محبت میں فنا ہونے (جل جانے، بِک جانے) کے بدلے گراں خون بہا کا پتہ چلا تو ہم آنکھیں بند کر کے بے خطر اس بحر فنا میں کود پڑے کیونکہ خون بہا عقل وفہم سے بھی بالا تھا۔'' از روئے حدیث (مَنْ قَتَلْتَهٗ مُحَبَّتِىْ فِدْيَةٗ رُوْيَتِىْ) جو میری محبت میں قتل (فنا) ہُوا اس کا فدیہ (بدلہ) میرے دیدار کے سوا اور کچھ نہیں۔

؎ جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا   تو نے خرید کر ہمیں انمول کر دیا

مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ نے خود زبانِ حال سے اقرار کیا تھا۔

؎ مولوی ہرگز نشُد مولائے روم   تا غلام شمس تبریزیؒ نشُد

(مولوی رومی ایک عام آدمی سے مقام ''مولا'' تک ہرگز نہ پہنچا جب تک کہ اپنی ذات کو شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات میں فنا نہ کیا۔)

ضرورت بیعت از روئے حدیث

احادیث مبارکہ میں بھی بیعت اور احکام بیعت موجود ہیں۔ فقہائے اسلام نے بڑی چھان بین کے بعد بیعت کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

1۔ بیعتِ اِسلام۔ اسلام قبول کرتے وقت۔

2۔ بیعتِ جہاد۔ عزمِ جہاد فی سبیل اللہ کرتے وقت۔

3۔ بیعتِ طلبِ معرفت۔ بیعتِ معرفت طالب مولا سے اس وقت لی جاتی ہے جبکہ وہ معرفت حق اور حصول رضائے الٰہی کا مقصد لے کر کسی ولی کامل کی خدمت میں آ کر حاضر ہو جاتا ہے اور یہ شرف اس دور میں صرف اولیاء کرام کے ساتھ مختص ہے۔ پھر ضرورت کے لحاظ سے۔ بیعت اسلام فرض، بیعت جہاد سنت، اور بیعت طلب معرفت واجب ہے۔ مگر بیعتِ طلب معرفت کو بعض محققین اس حدیث پاک کی رُو سے فرض بھی قرار دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''طَلَبَ الْعَلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٌ'' یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ عورت کو از رُوئے حدیث متعدد مقامات پر علم ظاہر (لکھائی پڑھائی) حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ معرفتِ حق کا تعلق چونکہ علم باطن سے ہے اور طالب مولا خواہ مرد ہو یا عورت علم باطن کا طلب گار ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں حصولِ علمِ

باطن ومعرفت کیلئے مرد اور عورت دونوں برابر ہیں۔نتیجتاً! طلب علم باطن واسرار دین کا حصول چونکہ بیعت کے ساتھ مشروط ہے اس لئے بیعت طلبِ معرفت فرض ٹھہرایا گیا۔علاوہ ازیں ابن ماجہ کی ایک حدیث میں بھی اہمیت بیعت پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ اس کی فرضیت تک بات جا پہنچتی ہے۔کہ ''مَنْ مَاتَ وَ لَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ ط مَاتَ مَوْتَ جَاهِلِيَّةً'' (جو شخص بلا بیعت کے مرا جبکہ اس کی گردن میں طوق بیعت نہ آئی وہ جاہلیت کی موت مرا۔)

بہرحال کچھ بھی ہو مگر بیعت طلبِ معرفت کے سنت مؤکدہ ہونے پر تو سب علماء ظاہر و باطن اور مشائخ عظام کا اتفاق ہے۔

اقسام بیعت: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد از تحقیق یہ ثابت کیا کہ حقیقت و معرفت تک بغیر کسی پیر کامل کی بیعت کے کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔اور انہوں نے بیعت کی پانچ قسمیں بیان فرمائیں۔

(1) بیعتِ معیشت۔کوئی اس لئے کسی ولی اللہ کی بیعت ہوتا ہے کہ تنگ دستی سے نجات ملے اور اس کی دعا سے روزی فراخ ملے۔

(2) بیعت وسیلت: کوئی دنیاوی کام رکا ہوا ہوتا ہے کہ ولی اللہ کے مرید ہونے اور اس کی دعا کی برکت سے وہ کام ہوجائے۔

(3) بیعت شریعت: کوئی اس لئے آ کر مرید ہوتا ہے کہ نماز و روزہ اور شرعی احکامات وغیرہ کا پتہ چل جائے۔

(4) بیعت طریقت: کوئی اس لئے آ کر مرید ہوجاتا ہے تاکہ نیک لوگوں کا راستہ اور ان کی پیروی نصیب ہوجائے۔

(5) بیعت حقیقت: اور کوئی اس لئے آ کر شرفِ بیعت حاصل کر لیتا ہے جس کا مقصد حقیقت و معرفت اور رضائے الٰہی کا حاصل کرنا ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ صرف بیعت حقیقت کرنے والا اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واصل باللہ ہوسکتا ہے اور کماحقہٗ مقصد بیعت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔دیگر سب بیعتیں ناقص اور نامکمّل ہیں۔اس لئے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار فرمایا کرتے ہیں: ''کہ طالبِ حقیقت اور طالبِ مولا کوئی دانہ دانہ ہوا کرتا ہے وگرنہ اس دور میں سب لوگ کسی نہ کسی دنیاوی لالچ میں آ کر ہماری بیعت کرتے ہیں۔وہ بھی انہیں ضرور مل جاتا ہے۔مگر ہوتا عارضی ہے۔ہاں! اگر کوئی طالب مولا بن کر ہمارے پاس آئے تو چند دنوں تک مالا مال ہوجائے۔'' لالچ کے بتوں کو اگر دل سے نکال دیا پھر تو کعبہ دل میں صرف خدا ہی کی ذات موجود ہوتی ہے اور بس۔طالب اگر موسیٰ علیہ السلام جیسا سچا ہو تو شعیب علیہ السلام بھی سب کچھ دے سکتا ہے۔'' مگر:

ع جلوۂ طُور تو موجود ہے موسیٰؑ ہی نہیں

علاوہ ازیں آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ہم ہر کسی کو اِس حکمت کے تحت بیعت کر لیتے ہیں کہ شاید کوئی ایک بیعت ہونے کے بعد اس چیز کو سمجھ جائے اس لئے کہ ''ہم لوگ افعال خلق کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ مرضی خالق کی طرف دیکھتے ہیں۔''

حکمت بیعت: بیعت میں دراصل مرید کی تربیتِ نفس مطلوب ہوتی ہے کہ شیخ کامل عہدِ وفاداری لینے کے بعد

نفس امّارہ کو سُدھار کر نفس مطمئنہ بنا دیتا ہے۔ شیخ اکبر المعروف ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں طالب مولا کو بتایا کہ ''اگر تو اپنے افعال مرضیہ کو کسی دوسرے (شیخ کامل) کی مراد کے موافق نہ کرے گا تو خواہشِ نفسانی سے ہرگز رہائی نہ پائے گا۔ اگر چہ (اپنی مرضی پر) تمام عمر نفس سے مجاہدہ کرتا رہے مگر گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آئے گا۔''

؎ اللہ اللہ کیے جانے سے اللہ نہ ملے　　　اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں

علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ واضح فرماتے ہیں کہ:

؎ می نروید تخمِ دل از آب و گِل　　　بے نگاہے از خداوندانِ دل

(جسطرح کوئی بیج زمین بغیر پانی کے نہیں اُگ سکتا اِسی طرح تخمِ معرفت بھی قلبِ مومن میں بغیر پیرِ کامل کی توجہ کے ہرگز پھل پھول نہیں سکتا۔)

اس لئے صوفیاء کا مقولہ ہے کہ ''جو صحبت اولیاء میں رہنا چاہے پہلے اپنے آپ کو بے نفس، بے دل اور بے ملک تصور کرے۔'' پھر اس بات کا انحصار عقیدت پر ہے۔ صوفیاء کا فرمان ہے ''بیعت سے مراد (اصل میں) حُسنِ عقیدت ہے۔ جب پیر کے متعلّق حسن عقیدت نہ ہو تو بیعت کا مقصد ضائع ہو جاتا ہے اور اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ تصوف میں رشتۂ بیعت! مرشد کی ناپسندیدگی سے نہیں ٹوٹتا مگر مرید کی ذرا بھر بدعقیدگی سے رشتۂ بیعت ٹوٹ جاتا ہے۔ اور رشتۂ بیعت ٹوٹنے سے رابطہ فیض منقطع ہو جاتا ہے۔''

اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجتہدانہ تحریرات میں یہ بات واضح لکھی ہے کہ مرید کے لئے بیعت کا مقصد حصولِ تسکین باطن کے علاوہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر بھی ہے اور بیعت کے اس مقصد سے ایک شخص ہرگز استفادہ نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ مکمّل سمجھدار اور بالغ العقل نہ ہو اس سے آگے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ رہنمائی فرماتے ہیں کہ:

؎ چوں گرفتی پیر ہیں! تسلیم شو　　　ہمچوں موسیٰؑ زیر حکم خضرؑ رَو

''جب تُو نے سوچ سمجھ کر بعد از یقینِ کامل کسی پیر کامل کا مرید بن کر شرف بیعت حاصل کر لیا تو ہوشیار باش! اس کے ہر حکم اور قول و فعل کو اس طرح دل و جان سے تسلیم کر لے جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام نے پیغمبر ہو کر حضرت خضر علیہ السلام کے ہر قول و فعل کی فرمانبرداری کی تھی۔ (تب جا کر انہیں حقائق کا پتہ چلا تھا)'' آگے فرماتے ہیں:

؎ شرطِ تسلیم است نئے کار دراز　　　سود نبود در ضلالت ترک تاز

''اے طالب مولا! مرشد کامل سے فیض حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ شرط صرف تفویض و تسلیم (کلی طور پر ان کے سپرد ہونے کے بعد صرف اُنھی کا ہو کے رہ جانا) کی ہے پھر جس قدر چاہے فیض لوٹ لے۔ مولانا حالتِ انسان پر حیران ہو کر آہ بھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے کم عقل انسان! یاد رکھ تو نے مقصد زندگی سمجھا ہی نہیں! کور باطنی اور ضلالت میں بھاگنے دوڑنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا بلکہ کسی پیرِ کامل کی بیعت کر کے مقصد زندگی حاصل کر لے۔''

(۵)خلیفہ کون؟

خلیفہ لفظ خلف سے ہے جس کے معانی پیچھے یا بعد کے ہیں۔ یعنی کسی کے بعد اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلا کو پورا کرنے والا خلیفہ کہلاتا ہے جس کا مطلب جانشین یا قائم مقام (اختیارات کا مالک ہونا) ہے۔ یہ خِلعت سلطانی کا خاص نوازا ہوا ہوتا ہے۔ خلیفہ کی جمع خلفاً آتا ہے۔ قرآن وحدیث اور اصطلاح تصوف میں بھی اس کے معانی یہی سمجھے جاتے ہیں کیونکہ یہ ہے ہی قرآنی (اسلامی) لفظ اور ابھی تک صاحبِ قرآن ﷺ کے خاص تعلق داروں کے ساتھ منسوب چلا آ رہا ہے جو تصرّفات میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔ یہ خدا کا ایک بندۂ خاص ہوتا ہے جو خدا اور مخلوق کے درمیان رابطے کا کام دیتا ہے۔ رب سے فیض لیکر عوام الناس میں تقسیم کرتا ہے۔ جس طرح کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ ''اَللّٰہُ یُعطِیَ وَاَنَا قَاسِمٌ'' اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور پھر میں (بطور خلیفہ) آگے تقسیم کرنے والا ہوں۔

خلیفہ تین قسم کا ہوتا ہے

1۔ پس پردہ کام کرنے والا جس طرح کہ نبی پس پردہ براہِ راست خدا کا خلیفہ ہوتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح کہ خدا نے اپنی طرف سے خلیفہ بنا کر زمین کی طرف (بطور نمائندہ) بھیج دیا۔ (سارے انبیاء کرام اسی مقام پر فائز تھے)۔

2۔ پس پشت سلطان کا کام کرنے والا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام کہ بوقت روانگی موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام سے فرمایا۔ ''اَخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ'' یعنی میرے بعد میری قوم میں میرے خلیفہ بن جاؤ۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی کئی سفروں کی روانگی پر حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔

3۔ پس وصال سلطان کام چلانے والا جس طرح کہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد آپ کے جانشین خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم۔ (اس مختصر سے مقالے میں ہمارا مقصد دوسری اور تیسری قسم کے خلفاء کو زیر بحث لانا ہے)

ختم نبوت سے پہلے انبیاء کرام بذات خود اور اُن کے بعد ان کے نائبین (اولیاء اُمت) مَنصبِ خلافت پر فائز ہوا کرتے تھے۔ ختم نبوّت کے بعد خلفائے راشدین اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ''خَلِیۡفَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡاَرۡضِ'' کا لقب غوث زماں کو نصیب رہا ہے اور رہے گا۔ دنیا میں سب سے پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری امتی خلیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے۔

خلافت وولایت جاری ہے: چنانچہ خداوند کریم نے اپنی رحمتِ خاص سے اس نعمت عظمیٰ کو انبیاء کرام علیہم السلام تک محدود نہ رکھا بلکہ بطور ان کی وراثت کے ان کی امتوں کو بھی بہرہ ور فرمایا۔ یہاں تک کہ قرآن کریم میں اُمّت محمدیہ کے مسلمانوں کو بھی خوشخبری سنا دی کہ قیامت تک اس امت میں نعمتِ خلافت و بیعت جاری رہے گی۔ جس طرح کہ پہلی امتوں میں چلی آئی تھی۔ بشرطیکہ: ''وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی

الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ‘‘ (نور:55)

’’اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا۔ جیسی ان سے پہلوں کو دی۔‘‘ یعنی نیابت وخلافت الٰہی کا تعلق ایمان اور اس کے ساتھ عمل سے ہے۔ زبانی کلمہ نہ ہو۔ بلکہ تصدیق قلب کے ساتھ ثبوت عمل بھی ہو۔ اور یہ لوگ بہت قلیل ہیں۔ بقول باہوؒ:

؎ زبانی کلمہ ہر کوئی پڑھدا دل دا کلمہ کوئی ھُو

جس نے اس طرح کیا اس نے مقام خلافت بھی پالیا۔ اسی وعدۂ الٰہی کے مطابق خلفاء راشدین سے لے کر اب تک صرف اعمال صالحہ کے بل بوتے پر یہ تعلیماتِ انبیاء خلافت کے وسیلہ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جس طرح کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اور ان کے فیض خاص کے امین اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے خلیفہ تھے بالکل اس طرح اور اسی اصول کے مطابق ہر ولی اللہ پہلے خود کسی ولی اللہ کی طرف سے خلیفہ ہوتا تھا۔ مگر خدمت ولی کی برکت سے:

؎ عاقبت جوینده یا بنده بود چونکه در خدمت شتابنده بود

(جو خدمت میں مستعد اور پُر خلوص ہو آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔) کے تحت مقام مخدومی و ولایت پر فائز ہو کر آگے پھر خود اپنی طرف سے خلفاء بنانے لگا، یہاں تک کہ یہ سلسلہ ہم تک پہنچا ہے۔ جس طرح کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حضرت خواجہ زرّیں زر بخت سر خیل ہند صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار ہیں۔

<u>حقیقتِ خلیفہ</u>: قرآن حکیم میں جا بجا حقیقتِ خلیفہ اور اس کے فضائل ومناقب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ چنانچہ خلیفہ اوّل حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری ہے: ’’وَاِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً ‘‘ (البقرہ:30) (اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔) تو فرشتوں کے اظہار حسرت و حیرانگی اور استفسار کے بعد خداوند کریم نے عملی طور پر انہیں حقیقتِ حال سے آگاہی بخشی۔ پھر مطمئن کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو ان پر ترجیح دیتے ہوئے منصبِ خلافت دے کر اپنے اسماء کا مظہر ٹھہرا کر مسجودِ ملائک بنایا۔ حضرت مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ جملہ اسماء را تو مرأت آمدی زاں خلیفہ و مظہر ذات آمدی

’’تُو سب اسماء الٰہی کا عکاس (شیشہ) بن کر آیا۔ اسی وجہ سے ذات الٰہی کا مظہر اور خلیفہ (نائب خدا) کی صورت میں ہمارے سامنے نمودار ہوا۔‘‘ اِسی سنت الٰہیّہ کے پیش نظر ولی اللہ بھی اپنے اس مرید کو خلافت حقیقی عطا فرماتا ہے، جو

احکامِ خدا رسول ﷺ کا مکمل پابند، اپنے مرشد کے اوصاف حمیدہ کا حامل اور ان کی ذات کا مظہرِ اتم ہو۔ مرشد کامل کی تعلیمات فقر کا پورا امین اور مبلغ ہو۔ ہر حال میں اس کی ذات کے ساتھ مربوط اور اس کے دامن کے ساتھ وابستہ ہو۔

فرائضِ خلیفہ: فرائض خلیفہ کے بارے میں خداوند کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یوں ہدایات جاری فرمائیں کہ: ''اے داؤد (علیہ السلام) بے شک ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) نائب کیا۔ تو لوگوں میں سچا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا وے گی۔'' (ص:26)

یعنی فرائض خلیفہ یہ بیان فرمائے کہ وہ خود سچا ہو اور دوسروں کو سچائی کا حکم دے۔ خود خواہشات نفسانی سے پاک ہو اور دوسروں کو ان کی پیروی سے روکے۔ خلاف نفس کے فائدے اور پیروی نفس کے مضر اثرات کو واضح کر کے بلا جھجک لوگوں کے سامنے بیان کرے اور انہیں خدا کی طرف بلانے میں ہمہ تن مصروف ہو جائے۔ اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کی یہ تعریف کی تھی کہ: ''خلیفہ وہ ہے جو نبی ﷺ کی شریعت کو مخلوق میں جاری رکھے اور اس کے ہاتھ پر اللہ اور اس کے نبی ﷺ کے ساتھ کیا گیا وعدہ ظاہر ہو'' حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''امیر (خلیفہ) وہ ہے جس کا اپنا کوئی اختیار نہ ہو صرف اختیار حق ہی اس کا اختیار ہو۔''

اعجازِ خلیفہ: خلیفہ کا یہ اعجاز ہونا چاہیے کہ وہ خود پاک وصاف ہو اور دوسروں کو اپنی نگاہ کی باطنی قوت سے پاک کرتا ہو۔ اور اس چیز کا دارومدار ہوتا ہے تزکیہ نفس پر جس کی خداوند کریم نے خود ذمہ داری قبول کر کے اپنی نظر عنایت کا یقین دلایا۔ ''وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ'' (النمل:62) (اور دور کر دیتا ہے برائی اور (تب) تمہیں زمین کا وارث (خلیفہ) کرتا ہے۔) یعنی زمین پر حق خلافت اسے عنایت ہوتی ہے جسے خداوند کریم اپنی قدرتِ کاملہ سے ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ کر کے تزکیۂ ظاہر و باطن سے سرفراز فرمائے اور تب اس سے خلافت کے شایانِ شان اصلاح خلق کا کام لے۔

امتحاناتِ خلیفہ: اللہ کریم واضح فرماتے ہیں ''اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ'' (العنکبوت:3-2) (کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے۔ کہ کہیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی اور بے شک ہم نے ان سے اگلوں کو (بھی) جانچا)

خلیفہ! جس طرح کہ خلق خدا میں یہ ایک اعلیٰ وارفع مقام ہے۔ اسی طرح اس کا بوجھ بھی خاص ہے اور اس میں امتحانات بھی خاص ہیں۔ اندرونی طور پر جہاد بالنفس کا معرکہ گرم ہو جاتا ہے اور بیرونی طور پر انبیاء و اولیاء کے نقش قدم پر ہونے کی وجہ سے ہر طرف سے بلائیں اور مصیبتیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ بقول مخبر صادق ﷺ کے ''اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ'' یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبتیں گروہِ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ پھر اُن کی اولیاءِ امت پر (درجہ بدرجہ) پھر اُن کے خاص پیروکاروں (خلفاء) پر۔ پھر ان کی طرح کرنے والوں (مریدین) پر۔ آزمائش کے وقت استقامت کی وجہ سے یہ لوگ (حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح) مصیبت کو معصیّت

(گناہ ونافرمانی) پر ترجیح دیتے ہیں۔ پھر اس قسم کے ظاہری و باطنی امتحانات کی مناسبت سے ان پر مختلف قسم کے ظاہری و باطنی علوم کامل مرشدین (رہنماؤں) کی توجہ کی برکت سے منکشف ہونے لگتے ہیں۔ تدبیر جان و جہان کے لئے ان میں عقل سلیم بھی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر انہیں کامل ضبط کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ وگرنہ اس مقام پر سالک ذرا سی لچک سے زوال میں آ سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن (دو قسم علوم) حاصل کئے۔ ان دونوں میں سے ایک کو میں نے تمہارے سامنے ظاہر کر دیا ہے اور اگر دوسرا ظاہر کر دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔ (صحیح بخاری شریف)

اثباتِ خلیفہ: خداوند کریم کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے اپنی مخلوق میں ہر قسم اور ہر درجہ کے لوگوں کے لیے کچھ اوصاف و کمالات بھی لازمی گردانے ہیں۔ اس طرح قرآن و حدیث اور کتبِ تصوّف میں خلیفہ (امیر کارواں) کے لئے بھی ظاہری و باطنی اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ: خلیفہ! خداداد قوت کی بناء پر ساری مخلوق یعنی فرشتوں اور جن و انس تک کا خلیفہ ہوتا ہے اسی لئے اسے علمِ روحانیت، علمِ ملکوتیت، علمِ جسمانیت اور علم الٰہیات عنایت کئے گئے تا کہ وہ عالم اجسام اور عالم مثال کے درمیان رابطے کا کام دے۔ نیز اپنے وجود سے رب کے وجود، اپنی وحدانیت سے رب کی واحدانیت، اپنی حیات سے رب کی حیات، اپنی قدرت سے رب کی قدرت، اپنے علم سے رب کے علم، اپنے کلام سے رب کے کلام، اپنے سمع و بصر سے رب کے سمع و بصر، اپنی روح کی لامکانیت سے رب کی لامکانیت یہاں تک کہ اپنی ظاہری و باطنی صفات سے رب کی جمالی و جلالی صفات کا ثبوت دیگر مخلوق کے سامنے اوصاف الٰہی کا نمونہ پیش کرے۔

اوصافِ خلیفہ: اولیاء کرام نے اپنے آپ کو اس منزل کا مستحق، انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کی کامل اتباع اور اپنے اعمال صالحہ کی بناء پر بنایا۔ پھر دوسروں کو بھی اپنے رشد و ہدایت اور فیض باطنی کے ذریعے مستفید فرما کر اس منصب عالیہ کا اہل بنایا۔ اولیاء کرام کے پاس ہر دور میں اپنی نورِ بصیرت کے مطابق خلافت و بیعت کے اصول و ضوابط رہے ہیں۔ وہ اپنی نورِ نظر سے ایک مرید کے حالات باطنی کو بھانپ کر اسے اس عہدے کا اہل قرار دے دیتے ہیں کہ یہ کس مقام پر ہے! اگر اس نے ہمت کی تو کیا یہ طریقت چلا سکتا ہے! گو خود مرید کو بھی اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کے بغیر اس بات کا اور کوئی مکمّل علم نہیں ہوتا۔ مگر اس کا حال اور مستقبل مرشد کی نگاہ سے مخفی نہیں۔ بقول مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار کے ''ایک مرید اپنے ذوق و شوق کی بناء پر جب تک مقام مطمئنہ پر قدم نہ رکھے ہم اس کے سر پر دستارِ خلافت و بیعت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہم اسے اصلاح خلق کے لئے مقرر کرتے ہیں جب تک اس میں عام مریدین سے قول و فعل میں برتر نہ پائیں۔''

تو پھر چاہیے کہ خلیفہ ایک عام مرید کی طرف نہ دیکھے بلکہ اس کے سامنے ہمہ وقت اپنے مرشد کا نقشہ ہونا چاہیے۔ مرشد کی طرح صبر و تحمل، ضبطِ نفس، طرزِ گفتگو، نشست و برخاست اور ان کے بلند مقامات کی طرف دیکھے اور اپنے آپ کو مکمّل طور پر ظاہری و باطنی صورت میں ان کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرے۔ عزت نفس کا خاص خیال رکھے۔ انبیاء و اولیاء کی

طرح دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز اپنی منزل آخرت پر نگاہ رکھے اور اپنا مقصد زندگی خدمتِ مرشد اور طریقت کا پھیلانا سمجھے کیونکہ اسی کام کی بناء پر اسے اس منزل پر فائز کیا گیا ہے۔ خدمتِ مرشد میں پیش پیش رہے۔ قربانی کے میدان میں ہمت و غیرت کے ساتھ آگے قدم بڑھانے کی کوشش کرے۔ کیونکہ فقر میں جس قدر ہمت اور غیرت کام کرتی ہے اور کوئی چیز نہیں کرسکتی۔ جس پیر بھائی میں کوئی کمی بیشی دیکھے اسے پیار سے سمجھا دے اور جب سمجھدار اور باصلاحیت دیکھے اسے مرشد سے قریب تر کر کے چھوڑ دے کیونکہ مرید کو آگے چلانا صرف مرشد کا کام ہوتا ہے۔ خود اور مرید لانے کی کوشش کرے۔ مرشد کی بارگاہ میں یہ بہت بڑی خدمت سمجھی جاتی ہے۔ قرآن وحدیث کے لحاظ سے اس کی فضیلت کی کوئی انتہا نہیں۔ اپنا وقت ضائع نہ کرے ہر لمحہ کا حساب کرے۔ غنائے نفس سے کام لے۔ بخل کا فقر میں دخل نہیں ہوا کرتا۔ جہاں جائے مرشد کی خدمت میں ہو یا اکیلا اپنے آپ کو مہمان ہرگز نہ سمجھے بلکہ قولی طور پر عوام الناس کو سمجھائے اور فعلی طور پر اوّل مرشد کا ہمہ قسم خیال رکھے اور پھر دوستوں کی خدمت کرنے پر توجہ دے، جس سے اخوت ومحبّت پیدا ہوتی ہے اور مرشد کا فیض بھی پھیلنے لگتا ہے۔ جہاں جہاں مرشد کے پروگرام ہوں حتی الوسع پہلے پہنچنے کی کوشش کرے۔ لوگوں کو خدمت کرنے، فیض حاصل کرنے اور مرشد کی خوشنودگی حاصل کرنے کے طریقے بتائے کیونکہ خود بخود کوئی نہیں سمجھا ہوا ہوتا۔ سمجھانے سے ہی دوسرا سمجھتا ہے۔ اپنے آپ کو مرشد کی طرح عجز وانکساری کا پیکر بنائے اور ناقص سمجھے! خواہ اسے جس قدر مشاہدات ومکاشفات نصیب ہوں۔ کیونکہ:

؎ آنچہ پیش تو پیش ازاں رہ نیست ٭ غایت فہم تست اللہ نیست

(جہاں تو ایک مقام کی انتہا سمجھتا ہے وہ مقام معرفت کی انتہا نہیں بلکہ وہ تیرے اپنے عقل وفہم کی رسائی کی انتہا ہوتی ہے۔) (اس دور میں) مقام مرشد تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر یہ خیال آئے بھی تو اسے شیطانی خیال اور وسوسہ سمجھے۔ کیونکہ ''اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاَنْ تَرَقّٰی'' یعنی بندہ (خلیفہ) بندہ ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ جتنی ترقی کیوں نہ کرے مرشد کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اپنے آپ کو کسی علاقے میں محدود نہ سمجھے بلکہ ہر اس مقام پر جہاں مرشد کا قدم ہو بطور خدمت گار اپنے آپ کو حاضر کرے۔

؎ ہر کس در طفیل تو گردد ٭ گر تو خود را طفیل کس دانی

''اگر تو اپنے آپ کو مرشد کا طفیلی (خادم) سمجھتا رہے تو پھر سب لوگ تیرے طفیلی بن جائیں گے۔''

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ جب ہم مرشد کی زیارت کو جایا کرتے تو ہمارے ساتھ اتنے زیادہ لوگ (کوئی حضرت صاحب کی زیارت کے لئے کوئی مرید ہونے کیلئے) ہوتے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کہ یہ شاہ صاحب کے مرید ہیں یا صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے زیارتی ہیں۔ خلیفہ کیلئے آرام تلاش کرنا موت کے مترادف ہے کیونکہ ''مَوْتُ الْفُقَرَآءِ رَاحَةٌ'' فقرا کی موت آرام طلبی ہے اور یہ اس کے راہ فقر میں جمود کا پیش خیمہ ہے اور جمود سراپا خسارہ ہے۔ از روئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ''مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاً فَھُوَ مَغْبُوْن'' یعنی جو (صاحب فقر و ایمان) دو دن میں یکساں رہا وہ خسارے میں رہا۔

(٦) کُلاہِ صوفیاء (ٹوپی)

کُلاہ صوفیا خود نبی آخرالزماں ﷺ، اصحاب کرام خاص کر اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اور سب صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بطور سنت اختیار کیا ہے۔ منقول ہے کہ چہار گوشہ کلاہ سفید جبرائیل امین علیہ السلام بہشت سے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں خدا کی بارگاہ سے بطور تحفہ لائے۔ اور خدا کے حکم کے مطابق آپ ﷺ نے اسے پہننے کے لئے قبول فرمایا اور یہ بھی ہدایت کی گئی کہ بعد میں جسے اس کا اہل سمجھیں عنایت فرمادیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو، ایک عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو، ایک عثمان غنی رضی اللہ عنہم کو اور چہار برکی کلاہ (چار کونوں والی ٹوپی) دروازۂ علوم، منبعِ فیض وولایت حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرما کر یہ خوشخبری سنائی کہ چہار گوشہ ٹوپی کا خاص حکم آپ ہی کے لئے تھا۔ اور بعد میں جسے مناسب حال اور اہل سمجھیں دیدیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا تھا۔ (دُرِّ ثمین)

بعض روایات میں یہ کلاہ سفید اور بعض روایات میں سیاہ رنگ کا تھا، جسے بعد میں صوفیاءِ کاملین نے اپنے اپنے سلاسل کے لئے مختلف طریقوں سے از راہِ سنت استعمال کرنا شروع کیا اور خاص کر سادات نے مرشد کریم (بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی) کی طرح چہار گوشہ کلاہ کو ترجیح کے ساتھ استعمال کرنا زیادہ پسند فرمایا یہاں تک کہ یہ کلاہ صوفیاء ابھی تک مروّج اور جب تک اس دنیا میں اولیاء اللہ رہیں گے استعمال ہوتا رہے گا۔ اس لئے اولیاء عظام اور صوفیاء کرام نے اس کلاہِ فقر کی اپنے اپنے خیالات کے مطابق تعریف اور فضیلت واہمیت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے خاص احتیاطیں برتنے کا بھی حکم فرمایا جو نمونتاً پیش کئے جاتے ہیں۔

سب سے پہلے بزرگ، سرخیل زہاد و عارفین، حضرت خواجہ عبداللہ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا قول مبارک پیش کرنا مناسب حال ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا۔ ''چہار گوشہ کُلاہ کا پہلا خانہ صوفیاء کے لئے خانہ اِسرار وانوارِ الٰہی، دوسرا خانہ خانہ محبّت الٰہی، تیسرا خانہ عشقِ الٰہی اور چوتھا خانہ رضائے الٰہی ہے۔'' حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تعریف فرمائی کہ ''چہار برکی کلاہ کا پہلا کونہ شریعت محمدؐ کا، دوسرا کونہ طریقت کا، تیسرا کونہ معرفت کا اور چوتھا کونہ حقیقت کا ہے۔''

نیز بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''یہ کلاہ صوفیاء دنیا میں سائبان رحمت ہے جو بوقت عبادت ومشکلات سر پر رکھ کر خدا کی بارگاہ میں حاجاتِ شرعیہ کے لئے وسیلہ بنایا جاتا ہے اور آخرت میں میدان محشر کے رنج وآلام کے لئے سائبان کا کام دیتا ہے۔'' بہت سے اولیاء کرام اس کلاہ مبارک کو امساک باران (بارشوں کے بند ہونے) کے وقت خصوصی طور پر استعمال فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''سعادت دین ودنیا اسی کلاہ درویشی کے نیچے ہے۔'' شیخ کامل

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق:۔

؎ درطاقیہ فقر و زُہد عشق است ہمہ — اسرار جمال دوست ذوق است ہمہ

''اس کلاہ صوفیاء میں فقر، زہد اور تمام تر عشق بھرا ہوا ہے۔ حُسن محبوب بے مثال کے بھید اس میں چھپے ہوئے ہیں اور ذوق معرفت کا پیامبر ہے۔'' نیز فرماتے ہیں۔ ''جب تو نے اپنے سر پر کلاہ محبوبیّت رکھ دی تو اس کے عشق میں جل جا کہ اس میں شوق دیدار کے بغیر اور کچھ نہیں۔'' اسی کلاہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کاسۂ معرفت سے تعبیر فرمایا کہ یہ کلاہ جو بظاہر میرے سر پر رکھا ہوا کپڑے کا ٹکڑا ہے مگر حقیقت میں یہ کاسۂ معرفت ہے۔

مرشد کریم (بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی) کلاہ صوفیاء (دستار) کو دونوں جہانوں کا تاج فرماتے رہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے چار آنے کا کپڑا نہ سمجھا جائے بلکہ یہ جلیل القدر بزرگان دین کی نشانی اور انمول تحفہ ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ایسی چیزوں کی قیمت جنہیں مرشد اپنے دست مبارک سے عنایت فرما دے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھیں کہ اپنے مرشد کی ایک پرانی جوتی کے عوض سارا قافلہ لٹا دیا تھا۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ ہمیں جب مرشد کریم نے یہ ٹوپی عنایت فرمائی ہم جس قسم کے مریض پر ٹوپی پھیرتے فی الفور تندرست ہو جاتا۔ یہ سب مرشد کریم کے دست مبارک سے دی ہوئی متبرک ٹوپی کا کمال تھا۔ اس ٹوپی کے چہار کونوں کے بارے میں بعض اوقات فرماتے ہیں کہ اس میں ہمارے نانا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی سنت کے علاوہ چہار یار رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کا فیض بھی مُضمر ہے۔ جس طرح کہ اپنے دور میں ہر ولی اللہ سابقہ انبیاء واَولیاء کی تعلیمات کا امین اور مبلّغ ہوتا ہے۔ شکر الحمد اللہ ہمارا بھی وہی راستہ اور وہی طریق کار ہے۔

کُلاہِ صوفیاء کی احتیاطیں

اب آخر میں صوفیاء کی ٹوپی کے کچھ لوازمات اور احتیاطیں بیان کرنا بھی ضروری ہیں تا کہ طالبین اور سالکین کو اس کی حقیقت و آداب کا پتہ چل سکے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو دنیا و مافیھا سے بیزار ہو وہی اس کلاہ درویشی کے پہننے کا حق دار ہے۔'' حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جو چہارگانہ نگہداشت پر پورا اترے وہی چہار خانہ ٹوپی پہننے کے قابل ہے۔ یعنی آنکھ، کان، زبان اور دَست وپا (ہاتھ، پاؤں) کو جو مَنہیات شرع (شریعت کی منع کی ہوئی چیزوں) سے روکے۔'' شیخ الاسلام حضرت خواجہ بختیار کا کی اوشی چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''چہار گوشہ ٹوپی وہی پہنے جو اس کی درجہ ذیل چار شرائط پوری کرے۔

1:۔ اپنی مسند سے سوائے قضائے حاجت کے نہ اٹھے۔ (رات دن مصروفِ عبادت ہو) اور بغیر الہام الٰہی کے زبان وقدم نہ ہلائے۔

2:۔ یہ ٹوپی اپنی نورِ نگاہ سے صرف اسے دیدے کہ جس کے قلب کو اپنی نظر کیمیا ساز سے صاف کر کے معرفت ِ الٰہی کا مستحق بنا ڈالے۔

3:۔مسائل شرعیہ وتصوف بغیر کسی حوالہ کتب سے وجدانی طور پر دوسرے کو سمجھا کر مطمئن کرا سکے۔

4:۔جس مرید کا ہاتھ پکڑے اسے خدا تک پہنچا دے۔نیز اپنی سجادہ نشینی کے لئے کم از کم اپنے برابر ایک صادق مرید بنا سکے تب اس دستار صوفیاء کے پہننے کا حقدار بن جاتا ہے۔''

مشائخ عظام کے فرمودات کے مطابق دستار صوفیاء پہن کر گھریلو اور دنیاوی اُلجھنوں میں پڑنے سے خیر و برکت اور سکون قلب اٹھ جاتا ہے۔مُرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مرشد تو اپنی نظر سے مرید کے دل کو پاک کر کے اس کلاہ کے قابل بنا کے چھوڑتا ہے۔آگے اس کا بھرم رکھنا صاحبِ دستار کا کام ہے۔اکثر صوفیاء کا مقولہ ہے کہ جو کلاہ صوفیاء کے تقاضے پورا نہ کرے وہ نقد تباہی و بربادی کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔اولیاء اللہ کے متعدد واقعات اس پر شاہد ہیں کیونکہ خداوند کریم لباس صوفیاء کسی دھوکہ باز پر ہرگز نہیں چھوڑتا۔بروز حشر اس قسم کے ظاہر دار لوگ عام مخلوق سے بھی پہلے زیر عتاب آجاتے ہیں۔بعض صوفیاء یہ فرما کر ٹوپی پہناتے رہے کہ اگر اس کا تقدس بحال نہ رکھا تو یہ آپ سے خود اپنا بدلہ لے گی کیونکہ یہ عام ٹوپی نہیں بلکہ کلاہ پیغمبریؑ ہے۔مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی بھی بعض اوقات سلف صالحین کے یہی الفاظ دہراتے رہتے ہیں اور اس کے تقدس کو بحال رکھنے کی تاکید فرماتے رہتے ہیں۔

(۷)خرقۂ درویشی یاجُبّۂ اولیاءاللہ

لفظ خرقہ کے لغوی معانی چیتھڑا یا مختلف چیتھڑوں سے پیوند کیا ہوا کپڑا کے ہیں، جسے مختلف علاقائی زبانوں کی نسبت سے گلیم (گدڑی) یا جُبہ (جغہ، لمبا کوٹ) بھی کہتے ہیں۔مگر اصطلاح صوفیاء میں ایک خاص قسم کا کپڑا جسے پیر کامل بیعت کرتے وقت یا عام حالات میں بھی زیب تن کرتا ہے یا اپنے کسی خاص مرید کو خلافت دیتے یا اجازت بیعت کے وقت ارزانی فرماتا ہے جو علوم باطن کی طرف نشاندہی کرتا ہے، جسے خرقۃ التصوف یا خرقہ صوفیاء بھی کہتے ہیں۔قرآن کریم کے الفاظ ''مدثر'' یا ''مزمل'' سے صوفیاء کرام ''خرقہ'' (کالی کملی) مراد لیتے ہیں جو آپ ﷺ کے لئے خدا کا پسندیدہ اور خاص لباس ٹھہرایا گیا تھا۔قرآن کریم میں دیگر مقامات کے علاوہ درج ذیل آیات میں خرقہ درویشی کا خاص ثبوت مع اعجاز کے مل جاتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو فرمایا تھا۔''اِذْ هَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا '' (یوسف:93) ''میرا یہ کُرتا لے جاؤ اسے میرے باپ (حضرت یعقوب علیہ السلام) کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کُھل جائیں گی۔'' یہاں تک کہ۔'' اَلْقٰـهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا '' (یوسف:96) ''اس (یہودا بڑے بھائی) نے وہ (یوسف علیہ السلام کا) کُرتا۔یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈالا۔اسی وقت اس کی آنکھیں پھر آئیں۔''

مسلک اولیاء میں خرقۂ درویشی بھی مرید پر وہی کام کرتا ہے جو قمیض یوسف علیہ السلام نے دیدِ یعقوب علیہ السلام پر کیا تھا کہ اس میں خوشبوئے بہشت اور برکاتِ جنت موجود تھیں۔خرقہ شیخ بالکل ایسی برکات و فیوضات کا حامل خوشبوئے بہشت سے مالا مال جو صاحب خرقہ کو اپنے اصل وطن (بہشت) کی طرف دعوت دیتا ہے۔یہ خرقہ اکثر انبیاء کرام علیہ السلام کا لباس مبارک رہا ہے جو باطنی وراثت کے لحاظ سے ان کی اُمتوں کے اولیاء اللہ کو بھی اس کا نقل عنایت ہوتا رہا ہے۔چنانچہ مشہور روایت ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان پر اٹھائے گئے تو اس وقت وہ خرقہ پہنے ہوئے تھے اور اس کے ہر پیوند سے نور کی شعائیں نکلتی تھیں۔'' نیز خرقہ ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی خاص لباس رہا ہے۔

خرقہ فقر کا پس منظر

اس خرقہ کو دراصل خرقہ فقر کہتے ہیں جو کہ حضور اکرم ﷺ کو شبِ معراج خدا کی طرف سے بطور انعام عطا ہوا تھا۔جس کا رنگ سیاہ تھا۔آپ ﷺ نے جب خرقۂ درویشی پہنا تو اسی وقت خداوند کریم نے تمام عالمِ ملکوت (فرشتوں) کو اس لباس کے پہننے کا حکم صادر فرما کر انہیں شکرانے کے طور پر سربسجود ہونے کا اشارہ فرمایا۔اس پر فرشتوں نے عرض کی باری تعالیٰ یہ کس کی اتباع کی جارہی ہے۔جواب دیا کہ آج میرے حبیب ﷺ نے گلیم درویشی پہنی اور تم سب ان کی سنت ادا کر رہے ہو کیونکہ یہ لباس فقر میرے محبوب ﷺ اور ان کی امت کے لئے ایک خاص انعام تھا۔جو آج اس خاص وقت میں انہیں ارزانی ہوا۔

بعد از خرقہ پوشی خداوند کریم نے اپنے محبوب علیہ السلام کو بتایا کہ اے محمد ﷺ! آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ اس خرقہ سے آپ کا شرف بڑھایا گیا بلکہ آپ ﷺ کی نسبت سے اس خرقہ کو شرفیاب کیا گیا۔ بالفاظ دیگر آپ کے ذریعے اس خرقہ کا بھرم رکھوایا گیا۔ (اس لئے خرقہ کے بھرم رکھنے میں ہی کمال طالب ہے) چنانچہ معراج کی صبح کو آپ ﷺ نے شریعت وطریقت کا خرقہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کو پہنا کر تعلیم فقر دی۔ اس لئے آپ رضی اللہ عنہ کو "اَنَــا مَــدِیۡـنَـۃُ الۡعِلۡمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا" (میں علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے) فرما کر دروازۂ علوم ظاہری و باطنی، شہنشاہ فقر و ولایت، منبع فیض روحانی اور امام الصوفیاء ٹھہرایا گیا اور بعد میں خرقۂ قلندریہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو پہنچانے کی وصیت فرمادی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بعد میں ستر اصحاب رضی اللہ عنہ کو خرقہ فقر عطا کیا تھا اور چار کو اپنا خلیفہ منتخب فرمایا جو حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم، حضرت کمیل بن زیادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلوت میں ایک خاص قسم کا (رسول خدا ﷺ کا عنایت کردہ) خرقہ پہنتے تب معمولات ووظائف ادا فرماتے۔ سیرتِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ "کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خرقہ ہوا کرتا تھا کہ جس پر تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔"

حضرت شیخ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر (70) بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا جو خرقہ صوف پہنے ہوئے تھے۔ نیز حضرت شیخ حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک خرقہ نما کمبل اوڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ جس پر متعدد پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ایک خرقہ حضرت اُمِ خالد رضی اللہ عنہا کو پہنا کر فرمایا کہ "اسے پہنو اور پُرانا کرو یہ بہت ہی اچھا ہے۔" آپ ﷺ کا اس سے مقصد، خلق خدا کو خدا کی طرف بلانے کا حکم تھا اس خرقہ پر سرخ اور زرد دھاریاں تھیں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ حنفیہ کے مؤسس حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے مقربین بارگاہ الٰہی اور بلند پایہ صوفیاء یہ خرقہ فقر زیب تن فرماتے تھے پس خرقہ فقر شریعت وطریقت کے محافظین فقراءِ واصلین اور خرقۂ قلندریہ عشق ومستی کے علمبرداروں اور محبت الٰہی میں سوختہ جانوں کا لباس ٹھہرایا گیا۔ صوفیاء کاملین اور علماء باطن کا فرمان ہے کہ خرقہ فقر پر اعتراض کرنا شریعت وطریقت پر اعتراض اور اس کا انکار سنت نبویؐ کا انکار ہے اور لباس فقر اس وقت تک اس دنیا میں باقی رہے گا جب تک اولیاءِ کرام کا وجود مبارک اس دنیا میں جلوہ گر رہے گا۔

خرقۂ فقر اور صُوفیاءِ کرام

شیخ الاسلام قطب الدّین حضرت خواجہ بختیار اوشی چشتی رحمۃ اللہ علیہ فضیلت وحقیقت خرقہ کے بارے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ "روز محشر گلیم پوشوں کے گلیموں کی لاکھوں کی تعداد میں اس قدر مضبوط طنابیں ہوں گی کہ سب مریدان اُن کو پکڑیں

گے اور خرقہ پوش درویش میں اتنی خدا داد قوت و ہمت ہوگی کہ پل صراط پر سے گزار کر بہشت میں جا داخل کریں گے۔ تب میدان محشر میں موجود مخلوق کو گلیم (خرقہ) پوشوں کی حقیقت کا پتہ چلے گا۔'' اسی قوت باطنی کے پیش نظر حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جُبّے کی یہ تعریف فرمائی تھی کہ ''نیست اندر جُبّہ ام اِلّا خدا۔'' یعنی میرے جبے میں بغیر ذات خدا کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

مرشد کامل قبلہ و کعبہ بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اپنے مریدوں کو جُبہ پہناتے وقت فرماتے رہتے ہیں کہ بچے ہمت کرو اسی جبے میں سب کچھ ہے۔ غوث قطب تک خدا کے خاص بندے اسی جبے ہی میں چھپے ہوئے ہیں۔ شرط محنت و مشقّت ہے۔ بقول امیر خسرو کہ:

؎ مرد پنہاں در گلیم بادشاہ عالم است　　　تیغ خفتہ در نیام پاسبان کشور است

(گدڑی (خرقہ) میں چھپا ہوا ایک مرد خدا (غوث زماں) ساری دنیا کی بادشاہی کا کام سرانجام دیتا ہے جس طرح کہ بادشاہ کی نیام میں رکھی ہوئی تلوار سارے ملک کی پاسبانی کی ذمہ دار ہے۔)

خِرقۂ درویشی میں احتیاطیں

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''خرقۂ انبیاء و اولیاء کا لباس ہے۔ اس لئے خرقہ پوشی صرف اسے زیب دیتی ہے جو ہر دو عالم سے سلسلہ تعلّقات (حُبّ دنیا، خوف دوزخ، امید بہشت) منقطع کر کے اپنا نفع و نقصان خدا کے حوالے کر دے اور اپنے مرشد کامل کے طریقہ پر پابند ہو۔''

صاحب خرقہ حکم قرآن کے مطابق سنتِ صحابہ کی تجدید کرتے ہوئے اپنے مرشد کو اپنے اوپر دل و جان سے حاکم تسلیم کرتا ہے تاکہ خرقہ مرشد کی برکت سے کوئی کام اس پر گراں نہ گزرے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ''تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس (نفس و روح) کے جھگڑے (معاملات) میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔'' (نساء:65)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''خرقہ وہی پہنے جو اس کا اصل حق یعنی مخلوق خدا کی عیب پوشی کا فریضہ سرانجام دے'' کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خرقہ فقر پہناتے وقت یہ شرط لازمی دہراتے تھے اس لئے کہ اس خرقہ کی برکت سے وہ ایک نہ ایک دن ضرور چشم بینا کا مالک بن جاتا ہے۔ پھر اس پر سب سے پہلی پابندی چشم پوشی کی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو جب اپنے شیخ کامل نے خرقہ فقر پہنایا تو بعد از خرقہ پوشی چالیس سال تک کسی نے انہیں مسکراتے نہ دیکھا فرماتے کہ ''میں عالم حیرت میں ڈوبا ہوا ہوں کہ اس لباس انبیاء کا حق کیسے ادا کروں۔'' صوفیاء کرام کے نزدیک خرقہ نفرتِ دنیا، اور عاشقان الٰہی کی خاص نشانی ہے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”میں ایک مرتبہ اپنے شیخ طریقت کے ساتھ آذربائیجان کے دیار میں سفر کر رہا تھا۔ دو تین خرقہ پوش درویشوں کو دیکھا کہ ایک گندم کے کھلیان کے پاس کھڑے تھے اور اپنے دامن پھیلائے ہوئے تھے اس امید پر کہ کسان کچھ گندم ڈال دے۔ یہ منظر دیکھ کر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالْھُدٰی ص فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ“ (یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی پس اُن کو اِس تجارت نے کوئی نفع نہ دیا اور یہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔) میں نے پوچھا حضرت! وہ کیوں اس بلا میں مبتلا ہوئے اور لوگوں کے لئے باعث ذِلّت بنے؟ فرمایا اِن کے پیروں کو مرید جمع کرنے اور متاعِ دنیا جمع کرنے کی ہوس تھی۔ دیگر یہ کہ بے حقیقت دعویٰ ہوس پروری کا ذریعہ ہوتا ہے۔“

بعض صوفیاء کے نزدیک یہ مسلمان پر کفن کی طرح ہوتا ہے تاکہ وہ ہر وقت موت کے لئے تیار رہے۔ علاوہ ازیں اس میں مخلوق خدا کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوتا ہے کہ وہ سب کو عیالُ اللہ تصور کرے۔ بقول حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ”خرقہ کا تعلّق عشق ومحبّت سے ہے یہاں عقل محوِ تماشا بن کر بیرونِ دریا کھڑی ہو جاتی ہے۔“

من خرقہ عاقلی دریدم   ایمان محمدی گزیدم

(میں نے جب سے ایمان محمدیؐ (فقر محمدیؐ) اختیار کر کے خرقہ فقر پہنا تب سے خرقہ عقل پھاڑ کر دور پھینک دیا ہے۔) حضرت خواجہ فرید الدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ”عاشق لوگ جب لباس صوف اور خرقہ عشق پہنتے ہیں تو پہلے پہل (طریق انبیاء کے مطابق) اپنی جان کی قربانی شکرانے کے طور پر درِ یار پر پیش کرتے ہیں۔ تب اپنے آپ کو خرقہ عشق ومحبّت کا اہل سمجھتے ہیں۔“ حضرت خواجہ بہاؤالدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے:

تا دریں خرقہ ایم از کس ما   ہم نرنجیم و ہم نرنجانیم

(جب سے ہم اس خرقہ فقر (جہاں پناہ) میں آئے ہیں نہ خود کسی پر ناراض ہوئے ہیں اور نہ کسی کو اپنے سے ناراض ہونے دیا ہے۔)

پیرِ کامل کی عنایت خرقہ میں حکمتیں

جس طرح کہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس طرح کسی ولی کامل کی اپنے کسی مرید صادق کو عنایت خرقہ میں بھی کافی حکمتیں ہوتی ہیں۔ جو مختصراً نذر طالبین ہیں۔

خرقہ خلافت کے بعد مرید کے لئے صحبت شیخ لازمی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا   اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

شیخ کامل کا عنایت کردہ خرقہ مرید کے لئے فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ کا مقدمہ ونقطہ آغاز ہے۔

(شہاب الدین سہروردیؒ)

خرقہ شیخ مرید کے لئے مقام تفویض (یعنی جب خرقہ مرید پر ہوتو اس کا سب کچھ مرشد کی ذات ہونے اور اس کے سپرد ہونے کا ثبوت) ہے۔ بقول نظامی گنجویؒ:

سپردم بہ تو مایہ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

(میں نے سب کچھ تیرے حوالے کیا اور تو ہی نفع ونقصان کا مالک ہے۔) اسی تعلّق خرقہ سے مرید کی الفت (انس ومحبّت شیخ) مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ مرشد اگر فرط محبّت میں آ کر اپنا مستعمل قمیض ایک مرید کو عنایت کرتا ہے تو یہ اس پر خصوصی توجہ کی نوید ہوتی ہے اور مرید کو اُسے پیراہن یوسف علیہ السلام سے کم نہ سمجھنا چاہیے۔ اس میں وہی تاثیرات اور کرشمے موجود ہوتے ہیں جو پیراہن یوسف علیہ السلام میں موجود تھے۔ ایسے انعامات ذکر الٰہی کے صلے میں شیخ کامل عنایت فرماتا ہے جس سے شیخ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اِتّصال قلبی (باطنی رابطہ) قائم ہو جاتا ہے اور جذبہ خلوص روز افزوں پروان چڑھتا ہے۔ شیخ کامل کی عطائے خرقہ کے وقت ایک خاص حالت ہوا کرتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے کہ شیخ اپنی نورِ بصیرت سے مرید کے حال کو دیکھتا ہے۔ اس میں اگر کچھ کمی پاتا ہے تو پوری کر دیتا ہے۔ خرقہ کے عنایت کرنے میں مرید کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اب مجھ پر مرشد کی خاص توجہ ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھ لوں اور اپنے ظاہر و باطن کو مرشد کی طرح بنالوں۔ ظاہری طور پر لباس اور باطنی طور پر اوصاف کی مشابہت اختیار کرلوں۔ (کیونکہ مرید خود ایسے نہیں کرسکتا۔ یہ ہمت اسے مرشد کی توجہ کی برکت سے حاصل ہوتی ہے، جسے عملی جامہ پہنانا مرید کا کام ہوتا ہے۔)

اقسامِ خرقہ

نسبتِ مرشد کے لحاظ سے خرقۂ فقر کی دو قسمیں ہیں۔ 1: ۔خرقۂ اِرادت　　2: ۔خرقۂ تبرک

خرقہ ارادت تو مرید حقیقی کو عنایت کی جاتی ہے اور خرقہ تبرک متشبّہ صوفی (صوفیوں جیسا بننے کا خواہشمند) کو عنایت کی جاتی ہے۔ جو خرقہ دینے والے کا مرید نہیں ہوتا۔ اس لئے خرقۂ تبرک ہر طالب مولا کو مگر خرقۂ ارادت صرف طالب صادق، صاحب طریقت مرید خاص کو دیا جاتا ہے جس سے مرشد کو مستقبل میں طریقت چلانے کی توقع ہو۔ خرقہ تبرک اس خرقہ ارادت کا مقدمہ (مائل بہ خرقہ ارادت) ہوتا ہے۔ اس کے آداب بجالانا اس متشبّہ صوفی کی اپنی ذاتی کوشش پر منحصر ہے کیونکہ خرقہ دینے والے سے اس کا باطنی رابطہ مکمّل نہیں ہے۔ خرقہ کا زیادہ تر تعلّق اکملیّت رابطہ سے ہے۔ سلفِ صالحین میں خرقہ تبرک کی رسم چلتی تھی مگر آج کل یہ طریقہ مفقود ہو چکا ہے کیونکہ اس دور میں لوگوں میں شوق معرفت نہیں رہی۔ علاوہ ازیں کئی ایسے صوفیاء بھی ہوگزرے ہیں جو خرقہ سے واقف تک نہیں تھے۔ وہ بغیر واسطہ خرقہ کے علومِ معرفت اور آدابِ سلوک کا درس دیتے تھے۔ وہ خرقہ کو اس قدر لازمی نہیں سمجھتے تھے۔ صرف نگاہِ شیخ اور احوال باطنی کو لازمی گردانتے تھے۔

رنگِ خرقہ

تاریخ تصوف سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء کرام مختلف رنگوں کا خرقہ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ سیاہ رنگ کا خرقہ صوفیاء کرام نے زیادہ استعمال کیا ہے اور نیلی فام بھی کیونکہ سیاہ رنگ، کالی کملی کی نسبت کے ساتھ ساتھ میل بھی کافی چھپاتا ہے سیاہ رنگ کا جُبّہ خود آپ ﷺ نے استعمال فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ سرخی مائل جُبّہ اور زرد رنگ کا جُبّہ بھی آپ ﷺ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پہنوایا کرتے تھے۔ اور یہ رنگ خاص کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت سے مشہور ہے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی زرد رنگ کا جبہ سنت صدیقی سمجھ کر بعض اوقات زیب تن فرماتے ہیں مگر زیادہ تر آپ سبز رنگ اور سیاہ رنگ کے جبے کو پسند فرماتے ہیں۔ کیونکہ سبز رنگ کا جبہ اور دستار تو سادات کی خاص علامت سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ بعض اولیاء کرام نے اس رنگ کو صرف آل رسول ﷺ کے لئے مخصوص سمجھا ہے۔ علاوہ ازیں منقّش خرقے بھی بلخ و بخارا کے اولیاء کرام نے استعمال فرمائے ہیں کیونکہ ان میں عقیدتِ مریدان کی وجہ سے علاقائی حسن بھی جھلکتا ہے اس لئے کہ مرید اپنے شیخ کو زیادہ سے زیادہ خوبصورت دیکھنا چاہتا ہے اور اس کا زیادہ تر انحصار علاقائی لباس کے خدوخال سے ہے۔ صرف رنگ و کشادگی لباس بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔ مرشد جب سج کر مسند پر جلوہ افروز ہوتا ہے تو مریدِ صادق کی زباں پر بے ساختہ نکلتا ہے کہ:

ع صنمے کہ بر جمالش دل و جان نثار بادا

(ایسا معشوق جس کے حسن و جمال پر میرا دین وایمان قربان)

یا بقول خسروؒ:

؎ پری پیکر نگارے سرو قد لالہ رُخسارے — سراپا آفت دل بود شب جائیکہ من بودم

(رات کی تاریکی میں جو پری پیکر، سرو قد اور لالہ رُخسار حسین وجمیل معشوق میں نے دیکھا ہے اس سے کیسے جان بچائی جاسکتی ہے وہ تو سراپا آفت جان ہے۔)

(۸) دست بوسیٔ اولیاء اللہ

اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنے محبوب علیہ السلام کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ فرمایا ''یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم'' اور ''مَارَمَیتَ اِذْ رَمَیتَ'' سے اس کا ثبوت مخلوق کے سامنے پیش کر کے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کی نعت خوانی فرمائی۔ اور پھر ان کے پیروکار اولیاءِ امت کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ، آنکھوں کو اپنی آنکھ، کانوں کو اپنا کان، زبان کو اپنی زبان اور پاؤں کو اپنا پاؤں فرما کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں کی انفرادی شان بھی بیان کر دی۔

ان کے ہاتھوں کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ اپنے دست حق پرست پر گمراہ مخلوق کو بیعت کر کے شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مکمّل پابند فرماتے ہیں خود شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں راسخ ہوتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی اس دائرہ خدا پناہ میں اپنے دست مبارک سے لے آتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا:

؎ آں دعائے شیخ نئے چوں ہر دُعاست فانی است و دست اُو دست خداست

(شیخ کامل کی دُعا عام انسان کی دُعا کی طرح نہیں ہے۔ وہ خدا کی ذات میں فنا ہوتا ہے اس کا ہاتھ اپنا ہاتھ نہیں ہوتا بلکہ خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔) قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ ''پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں۔'' (زمر:23)

صحابی رسول حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے جسم وقلوب کی تعریف بھی یہی ہے کہ ذکر الٰہی میں ان کے دلوں کے نرم ہونے کی وجہ سے ان میں انتہائی ظاہری لطافت ودلکشی آجاتی ہے۔ مُرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے دست مبارک ریشم کی طرح نرم اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے (غالبؔ)

ایسے ہاتھوں کو چومنا براہِ راست جذبہ محبّت سے تعلّق رکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جب بھی زیارت سے مشرف ہوتے دست بوسی کہاں! پابوسی تک کر لیتے۔ (مشکوٰۃ شریف میں اس کے ثبوت میں متعدد احادیث موجود ہیں) کیونکہ جن ہاتھوں کو خدا اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے ان کے ساتھ ہاتھ ملانا اور انہیں بوسہ دینا عبادت نہیں تو اور کیا ہے؟ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں دست بوسی کے واضح ثبوت موجود ہیں۔ یہ عین فعلِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ چونکہ اولیاء کرام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ ہیں اس لئے جو بھی ولی کامل کے ہاتھ چومے گویا سنت صحابہ پر عمل کر رہا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی کو راہ نجات قرار دیا گیا ہے۔ ہاں البتہ جس شخص میں ولی اللہ کی محبّت نہیں تو اس کے لئے ولی اللہ کا ہاتھ چومنا بھی لازم نہیں ایک انسان محبّت کی بناء پر اپنے ماں باپ کے ہاتھ پاؤں چومتا ہے اور دوسرا نفرت کی بنا پر انہیں پیٹ کر گالیاں دینے تک تیار ہوتا ہے۔ تو یہ دونوں محبّت اور عدم محبّت کی باتیں ہیں۔ موجودگی محبّت! ایمان اور عدم محبّت! فقدانِ ایمان کی علامت ہے۔

اولیاءِ کرام کے نزدیک حکمت وفضائلِ دَست بوسی

اصطلاح تصوف میں دَست (یَد) ایک قسم کی صفتِ قدرت بھی ہے یعنی دست بوسی کرنا صفتِ الٰہی سے محبّت کرنا ہے۔ دیگر یہ کہ اولیاء کرام میں درجہ بدرجہ عشقِ مرشد، عشقِ رسول ﷺ اور عشقِ خدا موجود رہا ہے۔ اس عشق ومحبّت کے ورثے کی بناء پر انہوں نے اپنے مرشدوں کے ہاتھ چومے اور پھر ان کے ہاتھ بھی مشیّت ایزدی کے مطابق (ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد) چومے گئے اور یہ فعل محبّت ان کی نسبت کی بدولت موجود ہے اور انہیں لوگوں کے پیروکاروں کے وجود کی بدولت قیامت تک جاری رہے گی۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''دَستِ مشائخ دَستِ رسول ﷺ ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ انھی ہاتھوں سے سنت کے مطابق بیعت کر کے مخلوق خدا کو شریعت محمدی ﷺ کا پابند بناتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میدانِ محشر میں لاتعداد گنہگار اور مجرم صرف بزرگوں کی دست بوسی کی بناء پر عذاب دوزخ سے نجات پائیں گے۔'' (حجاج بن یوسف جیسے ظالم شخص کی بھی حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی دست بوسی کی وجہ سے بخشش ہوئی ہے اس سے زیادہ اس کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔) آپ مزید فرماتے ہیں کہ ''صوفیا کی دست بوسی سے رحمت خدا جوش میں آجاتی ہے اور ان پر خزانہ غیب سے کئی انواع کی نعمتیں نثار کر دی جاتی ہیں۔''

اسرارُ الاولیاء میں ہے'' کہ مرشد کامل کے ہاتھ مبارک چومنے سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح کہ موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں کیونکہ اس فعل کی بناء خلوص اور عشق ومحبّت پر رکھی ہوئی ہے اور تمام انبیاء و اولیاء کی سنت ذاتی ہے۔'' صوفیاء کرام کا فرمان ہے کہ ''دست بوسیٔ مرشد میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دست بوسی کرنے والوں میں کئی ایسے مغفور (بخشے ہوئے) لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جن کے طفیل سے خود شیخ کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔'' بقول مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے'' یہ حقیقت میں ولی اللہ کے ہاتھ کا چومنا نہیں بلکہ اس کے اعمال صالحہ کا چومنا ہے اور ہر وہ شخص جو حقیقی اعمال سے مشرف ہو جائے یا کسی مرد کامل کی نظر میں آجائے یقیناً اس کے ہاتھ بھی چومے جائیں گے۔ ولی اللہ کے ہاتھ چومنے میں خدا کی رضا موجود ہوتی ہے۔ ہر کسی کے ہاتھ نہیں چومے جا سکتے۔ ہاتھ اس کے چومے جاتے ہیں جس پر خدا اور رسول ﷺ راضی ہوں۔ یہ فعل کرتا بھی وہی ہے جو تکبّر اور نفس سے دور ہو۔ متکبّر اور صاحبِ نفس انسان کے لئے یہ بہت بڑا بوجھ ہے۔ کیونکہ اس کا نفسِ امارہ دوسرے کو اپنے سے اچھا نہیں سمجھتا اور یہی ایک سب سے بڑا روحانی مرض ہے اس لئے وہ بجائے دست بوسی کے الٹا معترض بن جاتا ہے'' علاوہ ازیں نفس میں فرعونیّت ہوتی ہے وہ نہیں چاہتا کہ دوسرے کو اپنے سے بڑا تسلیم کرے۔ امیر کی تابعداری، مرشد کی تابعداری اور نبی کی تابعداری میں سب سے بڑی حکمت یہی ہے کہ وہ خلافِ نفس کر کے تربیّت نفس کرتا ہے۔ جس پر نفس سوار ہو وہ ان لوگوں کے قریب تک نہیں

بھٹکتا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دست مومن کی تعریف کر کے بات ختم کر دی کہ:

؎ ہاتھ ہے اللہ کا ، بندۂ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں ، کار کشا، کار ساز

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو　　یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں

☆☆☆☆

(۹) حقیقتِ ارشادات اور ملفوظاتِ اَولیاء اللہ

ارشاد لفظ ''رُشد'' سے مُشتق ہے جس کے معنی ہدایت اور راہِ مستقیم پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ہیں۔ اس راہ ہدایت کے دکھانے کو ''رُشد'' اس کی وعظ و نصیحت کو ''ارشاد'' کہتے ہیں۔ ''ارشاد'' کی جمع ''ارشادات'' اور اس کام کے علم بردار کو ''صاحبِ ارشاد'' یا ''مرشد'' کہتے ہیں۔ مرشد کے معنی ہدایت دینے والا کے ہیں۔

''ملفوظ'' ''لفظ'' سے ہے اور ملفوظ کی جمع ملفوظات ہے جس کے معنی ''باتیں'' ہیں۔ صاحب ارشاد ولی اللہ کے فرمودات وارشادات کو اصطلاحِ عام میں ''ملفوظات'' کہتے ہیں جو عقیدت مندوں اور مریدین کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ اصطلاح تصوف اور مسلک اولیاء میں ارشاد اور صاحب ارشاد کا ایک خاص مقام ہوتا ہے جو کہ پہلے اُولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام کے سپرد رہا ہے۔ اب اولیاء امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہے۔ یہ رُشد و ہدایت کا مقام ہر کسی کے لئے نہیں بلکہ یہ کام وہی کرسکتا ہے جو اس کے معیار پر پورا اُترے۔ قرآن وحدیث اور اقوال اولیاء کرام کی روشنی میں اس کی تشریح و توضیح لازمی ہے۔ فلسفہ قرآن کے مطابق رُشد کا تعلق علمِ باطن سے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کے اکتساب کی خواہش ظاہر کی تھی قرآن ناطق ہے۔ ''هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰۤی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا'' (الکہف:66)

''اس (خضر علیہ السلام) سے (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم مجھے سکھا دو گے نیک بات (رُشد) جو تمہیں تعلیم ہوئی۔'' یہی علم باطن کہ جس سے رشد وہدایت کی نہر پھوٹتی ہے۔ پھر ان صاحب رُشد حضرات کی خداوند کریم نے یہ علامت بیان کی کہ ''وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ'' (الحجرات:7)

''اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) ناگوار کردی (تمہیں مبارک ہو کہ) ایسے ہی لوگ راہ (یعنی رُشد وہدایت) پر ہیں۔'' ان ہدایت یافتہ لوگوں کی یہ تعریف ہے کہ وہ خود تو احکام الٰہی کی خلاف ورزی اور نافرمانیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پاک ہوں اور دوسروں کی نافرمانی بھی ان پر گراں گزرے۔

ان ہی اوصاف کی بناء پر اولیاء اللہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح میدان رشد وہدایت میں کود پڑتے ہیں۔ علمِ لدنی اور اپنی نگاہِ باطن سے اصلاح نفوس فرماتے ہیں۔ مدارج ہدایت تین ہیں۔ پہلا درجہ! خیر وشر میں امتیاز کرنے کا ہے یہ درجہ عوام الناس کا ہے۔ دوسرا درجہ! مجاہدے کا یہ درجہ خواص کا ہے۔ تیسرا درجہ! مشاہدے کا ہے یہ درجہ ہدایت خاص الخاص کا ہے۔ جس کا تعلق نورِ ولایت اور نورِ نبوت سے ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہے اور جسے چُنے۔ ''رُشد'' دراصل ہدایت کو سمجھ کر اس پر چلنے کی خواہش کو کہتے ہیں۔ جس طرح کہ نابالغ بچہ اپنے وقت کے مطابق سنِ رشد (سنِّ بلوغت) پر پہنچ کر اپنے تصرفِ مال کا حقدار بن جاتا ہے بالکل اسی طرح جسے مقام رشد پر فائز ہونا ہے وہ بھی آہستہ آہستہ اپنے مرشد

کی زیرِ تربیت اس مقصد کی طرف گامزن رہتا ہے۔ پھر مرشد! حکمِ قرآن کے مطابق علوم معرفت سے اسے وقت کے مطابق نوازتا ہے۔قرآن کریم یوسف علیہ السلام کی سوانح عمری میں رہنمائی فرماتا ہے۔ ''وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا'' (یوسف:22)

''اور جب (یوسف علیہ السلام) اپنی پوری قوت کو پہنچا (تب) ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔'' اسی طرح ایک مرید اپنے مرشد کی زیرِ نگرانی جب بالغُ العقل اور بالغُ الفراست کے مقام پر آجاتا ہے تو (جس طرح کہ یوسف علیہ السلام کو خداوند کریم نے اپنے وقت کے مطابق علم وحکمت سے نوازا تھا۔(تاکہ فرائضِ تبلیغ سرانجام دیں) اسی طرح مرشد اسے ترویجِ شریعت وطریقت کے لئے فیض خاص سے نوازتا ہے تب کارِ تبلیغ پر اسے مقرر کر دیتا ہے۔لیکن مادر زاد ولی اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کے نقش قدم پر ہونے کی وجہ سے ابتداء ہی سے اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے فرماتا ہے۔''وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ'' (الانبیاء:51)

''اور بے شک ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو (قبل از سنِّ بلوغت) پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کر دی۔'' مگر مادر زاد ولی اللہ پھر بھی بعد از عقل بلوغ مزید کسی مرشد کامل کی زیرِ تربیت مقاماتِ معرفت طے کرتا ہے۔ چونکہ نبی کے لئے ظاہری تربیت نہیں ہوا کرتی مگر ولی اللہ جس بلند مقام پر کیوں نہ ہو ظاہری تربیت اس کے لئے ضروری ہے۔(جس طرح مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار نے باوجود مادر زاد ولی اللہ ہونے کے ظاہری طور پر حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مکمّل اٹھارہ سال تک خدمت کر کے تربیت سلوک حاصل کی) پھر بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ:

ع خام بودم، پختہ شُدم، سو ختم،

(کچا تھا، پک گیا اور آخر کار جل گیا) یہ لوگ بھی مرشد کامل کی تربیت کی کُٹھالی میں جب مکمّل پک جائیں تب حکمِ مرشد پا کر اصلاحِ خلق کے میدان میں نفس وشیطان کے خلاف مردانہ وار نبرد آزما ہوتے ہیں۔

اولیاءِ کرام اور صوفیاءِ عُظّام کی تحقیق کے مطابق ولایت صغریٰ کی انتہا پر قطب ارشاد کی ابتداء ہوتی ہے۔اس سے پہلے بھی وہ اصلاح قلوب کیلئے اہلِ ارشاد کے مقام پر ہوتا ہے جو بقول مولانا رومی تمام علوم ظاہری وباطنی کا جامع اور مخلوق کی تقلید کے لئے ایک مثالی نمونہ ہوتا ہے۔جس کی ابتداء، جلال میں اور انتہا جمال میں ہوتی ہے۔ یہ پہلے ابن الوقت (تقاضائے وقت کے مطابق) ہوتا ہے مگر رحمت ایزدی اور تبلیغ دین کی برکت سے ترقی کرتے کرتے آخر کار ابوالوقت (وقت اس کا متقاضی ہو کر اس کے اشارے کے مطابق چلتا ہے) کے مقام پر آجاتا ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق رشد وہدایت اور اصلاح نفوس کا کام صحیح معنوں میں صرف وہی انسان کر سکتا ہے جو فنا فی اللہ ہونے کے بعد مقام بقاباللہ پر جا پہنچے کیونکہ مقام فنا میں سالک دنیا ومافیھا، امتیاز خیر وشر، شریعت وعقل اور اپنی ذات سے بے خبر تمام تر اختیارات سمیت فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔(جو مسلک صوفیاء میں منصور حلاّج کی طرح مقام وحدت الوجود پر ہوتا ہے۔)

بقول مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے اس مقام پر کوئی واردات قلبی سے بے قابو ہو کر حلاّج کی طرح پھسل جاتا ہے اور کوئی مجذوبِ حال بن جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی دانہ اس سے آگے (مجذوبیّت سے) گزر کر مقام بقاء پر فائز ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کے تمام تر مسلوب (چھینے ہوئے) اختیارات اور نفس کو نفس تزکیہ بنا کر اسے واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔ وسیع الظرف پابند شریعت کر کے عوام الناس کی اصلاح اس کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس مقام کو مسلک صوفیاء میں مقام وحدت الشہود بھی کہتے ہیں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص کو رِجالُ اللّٰہ (مردان خدا میں سے ایک مرد) قرار دے کر اس کی ظاہری حالت کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں کہ: "لَیْسَ لَھُمْ فِی الْعَامَةِ حَالَةٌ یَتَمَیَّزُوْنَ بِھَا" یعنی ایسے شخص کا عوام الناس میں ظاہری طور پر کوئی خاص امتیازی فرق نہیں ہے۔ صرف اس کی صحبت اور نگاہ کی اثر اندازی سے اس کی ولایت و معرفت کا پتہ چل جاتا ہے کیونکہ وہ عوام الناس کی اصلاح کے لئے اپنے آپ کو چھپا کر ان کے ساتھ انتہائی ظاہری مناسبت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ ہر قسم کا آدمی اس سے مانوس ہو کر کماحقہٗ فیض حاصل کر سکے۔ (اسی حکمتِ مناسبت و مانوسیت کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللّٰہ تعالیٰ نے کہلوایا کہ اے میرے محبوب! اِن لوگوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے کہہ دیجئے "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" میرے قریب آؤ میری بات سنو۔ میں تم میں سے تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں۔)

ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کو اصحابِ نفوس (خاکی مزاج اولیاء) کا لقب دے کر فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں ایسے لوگوں کے سر پر تبلیغ اسلام کا تاج رکھا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللّٰہ رحمۃ اللہ علیہ نے مبلّغِ اسلام، حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں فرمایا کہ۔ "مقامِ قطب الارشاد پر فائز حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کہ دین محمدیؐ ان کے طفیل آباد ہو گیا (چار دانگ عالم میں پھیل گیا) دونوں جہانوں کے لئے بحیثیت ابوالوقت کے ہیں۔ پیرویٔ سنت میں اس قدر پختہ ہیں کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ بھی انہیں دیکھ کر حیران و ششدر رہ جائیں" ایسے لوگ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہر زمانے میں یہ کردار ادا کرتے ہیں کہ:

؎ حدیث بے خبراں ہے کہ تو با زمانہ بساز — زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

(یہ لوگ باطل کی تند و تیز طوفانوں میں روندے نہیں جاتے انہیں سر کر لیتے ہیں یا ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتے ہیں) کیونکہ:

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز — چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یہ لوگ شریعت و طریقت کی حفاظت میں تختہ دار چومنے تک تیار ہوتے ہیں وہ شیرانہ زندگی کے ایک لمحہ کو گیدڑ کی سو سالہ زندگی پر ترجیح دیتے ہیں بقول اقبالؒ۔

؎ آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللّٰہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی!

(۱۰) حقیقتِ کشفُ وکرامت

(الف) کشف

کشف: لفظ کشف کے لغوی معانی کھولنا یا ایسی چیز کا ظاہر کرنا ہے جو پہلے چھپی ہوئی ہو۔ لفظ انکشاف اسی کشف سے ہے جو انکشافِ حقائق کی نشاندہی کرتا ہے۔ مگر اصطلاحاتِ تصوف میں مجاز سے حقیقت کی طرف دروازہ کھلنے اور پوشیدہ حقائق و اسرار کے ظاہر ہونے کا نام کشف ہے جو باطنی آنکھوں کے ذریعے قریب ہو یا بعید سامنے ہو یا غائب، اس جہاں سے ہو یا عالمِ آخرت سے، عالمِ سُفلی سے ہو یا عالمِ عُلوی سے دیکھی جائے سب کو کشف کہتے ہیں۔ دراصل یہ چشمِ دل اور دریچۂ دل ہوتا ہے۔ بقول شیخ عطارؒ:

؎ جملہ عالم جرعہ نوشِ جامِ دل   از مکاں تا لامکاں یک گامِ دل

(ساری دنیا جامِ دل کے ایک قطرے کی رہینِ منت ہے۔ مکان خاکی سے لے کر عرش لامکاں تک دل کے لئے صرف ایک قدم کا فاصلہ ہے)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے دنیائے تصوف میں اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''کشف المحجوب'' کے ابتدائیہ میں اس بات کی طرف یوں اشارہ فرمایا کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَشَفَ الْاَوْلِیَآئِهٖ بِوَاطِنِ مَلَكُوْتِهٖ '' یعنی سب تعریفیں اس ذاتِ مقدس کے لئے ہیں کہ جس نے اپنے اولیاء کرام کے لئے عالمِ ملکوت (عالم بالا، عالم اَرواح، عالم عُلوی) کے رازِ نہاں کھول دیئے۔ یعنی عالمِ ملکوت کا علم اولیاء اللہ کو بذریعہ کشف عنایت فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کے نزدیک نورِ حقیقت کے ذریعے حجاباتِ بشریت کو چاک کر کے پوشیدہ چیزوں کے ظاہر کرنے اور اپنی لطافتِ نگاہ سے کسی چیز کی حقیقت تک پہنچ کر اسے ظاہر کرنا کارِ کشف ہے اور یہ چیز از قسم کرامت و انعامِ رب ہے۔

شیخ کامل حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت کے راستے میں شکوک و شبہات اور بے یقینی کے جو پردے پڑے ہوتے ہیں ان کا رفع (دور) کرنا اس کے بعد حقیقت کا مشاہدہ کر کے یقین و ایقان اور طمانیّت قلب حاصل کرنا کشف ہے۔ اس لئے گویا ہیں ''كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ '' یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تاریکی کو جو حصولِ راہِ حق میں مخلوق کے درمیان حائل تھی اپنے کمال حسن کی نورانیت سے ہٹا کر مخلوق کے سامنے حقیقت حال کو آشکارا کر دیا۔ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سالک راہِ حق کو نصیحت فرماتے ہیں کہ:

؎ کشف در معنی بود رَفعِ حجاب   بود تو آمد بروئے تو نقاب

(حجابات دل کے اٹھنے کا نام کشف ہے۔ یہ ترے وجود کے حجاباتِ کثافت، حقیقت کے آگے پردہ بنے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے تُو حقیقت کو دیکھنے سے محروم ہو گیا ہے۔) ان حجابات کو چاک کرنے اور حقیقت کو آشکارا کرنے والے

سب سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات رہیں۔ لہٰذا یہ کشف اور علوم کشف! انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت ٹھہرے۔

سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی یہاں تک کہ میں نے اس کے مغربی اور مشرقی گوشے دیکھے۔ جو میرے لئے سمیٹی گئی اور دکھایا گیا کہ میری اُمت کی حکومت وہاں تک ہوگی۔ پھر مجھے خدا کی بارگاہ سے سرخ اور سفید دونوں خزانے عطا فرمائے گئے۔''

اصطلاحاتِ صوفیاء میں اسے ''طئیِ ارض'' (یعنی زمین کا انبیاء و اولیاء کے لئے سمٹ جانا) کہتے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام سے شروع ہوئی جنہیں بذریعہ کشف عجائباتِ عالم دکھائے گئے اور اولیاء کرام پر ختم ہوئی۔ نیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ ''کشف مُلک'' کی ایک معمولی سی جھلک تھی کہ صبح معراج، منافقین اور مشرکین کے اعتراض پر بیت المقدس کو سامنے پا کر سب نشانات بتا دیئے۔ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ نے مکہ میں تختہ دار پر اپنے محبوب ﷺ کو سلام کیا تھا۔ آپ ﷺ نے تین سو میل دور مدینہ منورہ میں بذریعہ کشف دیکھ کر سلام کا بروقت جواب دیا اور ساتھ ساتھ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو یہ بھی فرما دیا کہ حضرت خُبیب رضی اللہ عنہ مکہ میں اس وقت عالمِ آخرت کو کوچ کرنے والے ہیں۔

مُرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام سے تو خداوند کریم کی عظیم ذات بھی پوشیدہ نہ رہ سکی تو اس سے بڑی اور کون سی چیز ہے جو ان سے پوشیدہ رہ سکے کیونکہ آپ ﷺ فرماتے ہیں ''رَئَیْتُ رَبِّیْ بِعَیْنِیْ وَ قَلْبِیْ'' (مسلم شریف) یعنی میں نے اپنے رب کو ظاہری و باطنی دونوں آنکھوں کے ساتھ خوب دیکھ لیا۔ شریعت ساری بذریعہ کشف (جسے مولوی صاحبان علم غیب کا نام دیتے ہیں) محقق ہوئی۔ آپ ﷺ اگر اس دنیا کے اعمال و جزائے اعمال سے جو عالم آخرت میں وقوع پذیر ہونے والے تھے آگاہ نہ ہوتے اور یقینی طور پر مشاہدہ نہ ہوتے تو کیسے قبل از آخرت بتا دیتے کہ نیکی کا یہ صلہ ملے گا اور برائی کا وہ۔ چنانچہ بہشت، جو عالم آخرت سے متعلق ہے کے بارے یوں فرماتے ہیں۔

''لَا عَیْنَ رَأَتْ وَلَا اُذُنَ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ'' ''یعنی نعمتہائے اور میوہ ہائے جنت نہ تمہاری آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سُنیں اور نہ دل میں ان کی لذت کا خیال تک آیا کہ وہ کس حد تک ہیں۔'' یہ سب کچھ آپ ﷺ نے بذریعہ کشف مشاہدہ فرمایا تھا۔ اس معاملے میں آپ ﷺ کے پیروکار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ ایک دن حضرت حارث رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں صبح سویرے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر پوچھا ''کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا حَارِثُ'' یعنی اے حارث رضی اللہ عنہ تجھ پر صبح کا ظہور کیسے ہوا؟ جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے صبح ایسی حالت میں کی کہ (بذریعہ کشف حقیقی) اللہ پر ایمان لایا اور بالکل سچا ایمان۔ آپ ﷺ نے متوجہ ہو کر فرمایا اے حارث رضی اللہ عنہ! اچھی طرح سوچو کیا کہہ رہے ہو۔؟ ہر شئے کی ایک حقیقت ہے تو تیرے

ایمان کی کیا حقیقت (درجہ) ہے۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ میں نے دنیا سے منہ موڑ کر اپنے آپ کو پہچانا۔ پس اس کا پتھر، سونا، چاندی اور مٹی میری نظر میں برابر ہوا۔ میں رات بھر جاگا اور دن پیاس میں گزارا یہاں تک کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں اپنے رب کریم کا عرش (اعظم) دیکھ رہا ہوں اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ اہل بہشت ایک دوسرے سے خوش خوش مل رہے ہیں اور اہل جہنّم ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں" اس پر آپ ﷺ نے جوش سے فرمایا کہ "عَـرَفْـتَ فَالْزِمْ" "اے حارث! تو نے پہچان لیا۔ پس اس کو لازم پکڑ کہ حقیقت سوائے اس کے اور کچھ نہیں" حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے جلال میں آ کر عرض کیا۔ بقول رومیؒ:

؎ یارسول اللہ بگویم سرّ حشر　　　　لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

(یارسول اللہ ﷺ قیامت کے بارے میں بتادوں! (کہ کب برپا ہوگی) آپ ﷺ نے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کے منہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا بس اس سے آگے نہیں بتانا۔) اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو بذریعہ مراقبہ! کشف ہو گیا تھا۔ نگاہِ مصطفوی ﷺ کے اثر سے مادی دنیا سے پار احوال آخرت مشاہدہ فرمائے کیونکہ ایمان اور اسلام کشف حقیقی سے ہی محقق ہوتے ہیں (جو خواص کو نصیب ہے عوام کی قسمت میں کہاں؟۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کئی سو میل کے فاصلے پر بیٹھ کر "یَا سَارِیَۃَ اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلَ" (اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ میں پہاڑ کی اوٹ میں) فرمانا بھی کشف ہی کا ایک حسین مظاہرہ ہے (جسے مولوی صاحبان آپس میں لڑنے جھگڑنے کے لئے علم غیب کے نام سے عوام کے سامنے ظاہر کرتے ہیں) کشف میں ہر شئے کی حقیقت نظر آتی ہے۔ جس کیلئے پیغمبر ﷺ نے خود دُعا فرمائی تھی۔ "اَللّٰھُـمَّ اَرِنَـا لَا شْیَاءَ کَمَا ھِیَ" "یعنی اے میرے رب مجھے ہر شے کی اصلیت اور حقیقت دکھا دے۔" تو آپ ﷺ کو حقیقتِ کائنات کے علاوہ حقیقتِ آخرت تک دکھا دی گئی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ قیامت کے دن جس کے اعمال جس طرح کے ہوں گے بالکل اسی طرح کے اعمال کے روپ میں اس کی اصلی شکل نظر آئے گی کہ میدان محشر میں "بلعم باعور" اپنے اعمال کی صورت میں کتا، "ظالم" اپنے اعمال کی صورت میں چیونٹی، "لالچی" اپنے اعمال کی صورت میں بچھو اور "بے غیرت" اپنے اعمال کی صورت میں "سور" کی شکل میں نظر آئے گا۔ اور پھر اس وقت کہا جائے گا۔

"لَقَدْ کُنْتَ فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ" (ق:22)

(بے شک تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھایا تو آج تیری نگاہ تیز ہے)۔

یہی حقائق اولیاءِ امت محمدیہ کو بھی حضور ﷺ کی کامل اتباع اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے کے طفیل نصیب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ صدق عقیدہ کی بنیاد پر تزکیہ نفس کے ذریعے اور مَن کو مکمّل پاک وصاف کرنے کے بعد اپنی آنکھوں کے سامنے سے اس دنیا کے حجابات اٹھا لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں پھر مشاہدۂ کائنات کے علاوہ آپ ﷺ

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح عالم آخرت تک کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ غافلوں کی آنکھیں قیامت کے دن حقیقت کو دیکھنے کے لئے کھلتی ہیں مگر بیدار دل اولیاء اللہ کی آنکھیں اسی دنیا میں کھل جاتی ہیں، جس کی بناء پر وہ مقامِ تصدیق بالقلب کو پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آئینہ دل کو آلائش دنیاوی سے جس قدر صاف کرتے جاتے ہیں اسی قدر ان کا کشف تیز اور یقینی بنتا جاتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ آئینۂ دل را چوں داری صاف و پاک نقشہا بینی بروں از آب و خاک

''اگر تو اپنے آئینہ دل کو پاک و صاف کر لے تو اس جہان آب و گل کے سوا (عالم بالا) کے نقوش بھی اس پر منقّش ہو جائیں گے۔'' اسی بات کے پیش نظر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام الناس کو خبردار فرمایا تھا کہ مومن کی فراست (دور بین نگاہ) سے ڈرو کیونکہ وہ نور خدا کی طاقت اور روشنی سے دیکھتے ہیں۔ یہی نُو رِ خدا نُو رِ نظر بن کر کشفِ حقائق کی صورت میں مومن صادق کو عطا کی جاتی ہے وہ اپنے نور نظر سے ہر فعل کی حقیقت تک پہنچ کر پھر زبان ہلاتے ہیں۔ بیٹھے کہاں ہوتے ہیں اور نگاہ کہاں کام کر رہی ہوتی ہے۔ اس چیز کو میراث انبیاء کہتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:

؎ دستِ ظاہر می کند داد و سَتد دستِ باطن بر درِ فردِ صَمد

''یعنی دوستانِ خدا کا ظاہری ہاتھ تو ہمارے سامنے دنیاوی لین دین کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن باطنی ہاتھ ہمہ وقت خدا کی بارگاہ میں پھیلا ہوا ہوتا ہے'' اس لئے تاکید سے کہہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کا ہر قول و فعل مشاہدہ میں ہوتا ہے۔ ان پر معترض بن کر اپنا نقصان نہ کرو۔

حصولِ کشف کے ذرائع

اب یہ بتانا لازمی ہے کہ یہ نعمت عظمٰی کیسے مل جاتی ہے تو مکتب تصوف میں اس کے حصول کے دو اہم ذرائع ہیں۔

(جن سے صرف قلندر مستثنٰی ہوتا ہے)

1:۔ نگاہ پیر کامل: کشف (باطنی آنکھوں کا کھلنا) علم ظاہر پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ علمِ راست (علمِ محمود) پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وگرنہ صرف ظاہری علم حقیقت کے درمیان ایک بڑا حجاب ہے۔ کہا گیا ہے ''اَلْعِلْمُ حِجَابَ الْاَکْبَرَ'' یعنی صرف ظاہری علم پر اکتفا کرنا خدا کے درمیان سب سے بڑا حجاب (پردہ) ہے۔ علم محمود پر عمل کرنے سے اس کا پھل یعنی نورِ باطن ملتا ہے۔ پھر اس علم کو ''اَلْعِلْمُ نُوْرٌ'' کہا گیا ہے جو مطلوب تک پہنچنے کے لئے چراغِ راہ کا کام دیتا ہے۔ یہی نُور نُو رِ کشف ہے جس کی جڑیں عشقِ دین میں پیوست ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ علم بودش چوں نبودش عشق دیں او ندید از آدم اِلَّا نقش طیں

(شیطان کو علم تھا مگر عشق و عرفان کی چاشنی سے محروم تھا اس لئے اسے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر بغیر مٹی کی تصویر کے اور کوئی چیز نظر نہ آئی۔) مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے علم اور پھر اس پر جامع عمل کا یوں موازنہ فرمایا:

؎ در رَفعِ حُجب کوش نہ در جمع کُتب   کز جمع کُتب نمی شود رَفعِ حُجب

(کتابوں اور حوالہ جات کے جمع کرنے کی کوشش نہ کر بلکہ حجاباتِ باطن اٹھانے کی کوشش کر جو علم کا اصل مقصد ہے۔ کیونکہ مطالعہ کتب سے رفع حجابات نہیں ہوسکتا۔)

اس نُورِ باطن کو صوفیاء کرام علمِ حال کا نام دیتے ہیں جو علم قال (ظاہری علم) سے کہیں آگے ہے۔ اور اس علم حال تک رسائی حاصل کرنا بغیر مرشد کامل کے نہیں ہوسکتی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی شرط اس علم کے لئے لگائی ہے۔

؎ قال را بگزار مرد حال شو   زیرِ پائے کاملے پامال شو

''اے انسان علم قال سے گزر کر مردِ حال بن جا اور کسی مرد کامل کا دل وجان سے غلام بن جا اس سے تربیت نفس حاصل کر جو تجھے قال سے صاحب حال بنادے گا۔'' بقول جامیؒ:

؎ خواہی کہ شوی داخل اربابِ نظر   از قال بحال بایدت کرد گزر

خدمتِ شیخ سے علم حال اور پھر علم حال کا ثمرہ کشف کی صورت میں ملتا ہے پھر کشف کا ثمرہ کرامت اور دیدار الٰہی ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ آنا نکہ کورانِ چشم دل اند   ہمانا ازیں توتیا غافل اند

(جو لوگ دل کی آنکھوں کے اندھے ہیں وہ کسی مرشد کامل کے پاؤں کی مٹی کے سرمے سے بے خبر ہیں۔) اگر ایسا کرتے تو دل کے اندھے ہرگز نہ ہوتے۔ چشم دل اس وقت بینا ہوتی ہے جب اس میں خاک پائے مرشد کا سرمہ لگ جائے۔ اقبال کا فلسفہ ہے۔ علم از کتاب، دین از نظر۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے ہزاروں کشف وکرامات کے واقعات ہیں جنہوں نے خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ علوم ومعارف اور کشف وکرامات حاصل کئے۔ نہ کہ کسی مدرسہ و کتاب سے۔

اولیاء کرام کے جبہ ودستار کے نیچے علومِ کشف کے سمندر بہہ رہے ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کملی مبارک جو سر پر اوڑھ لی ان کا کشف کھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انوار وتجلّیات کی بارش کا متواتر مشاہدہ فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کملی مبارک کا سر پر سے ہٹانے کا حکم فرمایا تب کشف ختم ہوگیا۔ اولیاء اللہ کے ان جبہ ودستار کو بھی وہی نسبت حاصل ہے جو ان کی خدمت کرے وہی پائے (مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے ملفوظات میں ایسے کئی واقعات درج ہیں جو قارئین کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے۔)

؎ نظر نہ آئے تو اپنا قصور ہے ورنہ   جمالِ رحمت حق ہے، ہر اک نظر کے لئے

2:۔ عقیدۂ راست اور عبادات وریاضات:۔ حصول کشف کا دوسرا طریقہ صحیح عقیدے پر عبادات وریاضات اور مجاہدات سے متعلّق ہے۔ اس کی ابتداء میں بھی رہبر کامل کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔ مگر مجبوراً اگر کسی خضرِ راہ سے

ملاقات نہ ہوسکے تو نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔ ذکر وفکر میں مشغول ہوجائے۔ کثافتِ قلب کو ذکر وفکر اور مجاہدات کے ذریعے جس قدر ممکن ہو دور کیا جائے اور جہاد بالنفس پر زور دیا جائے۔ اس قدر قلب کو جلا ملتی ہے اور کشف قلبی شروع ہونے لگتا ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ نگاہِ مرشد سے ہزاروں منازل ایک لمحہ میں طے ہوتے ہیں بغیر مرشد کی رہبری کے ہزاروں مجاہدات سے صرف ایک لمحہ کی مسافت طے ہوسکتی ہے۔ بقول باھوؒ:

؎ لکھ نگاہ جے عالم ویکھے کِسے کندھی نہ چاڑھے ھُو
ہِک نِگاہ جے عاشق ویکھے لکھاں پار لنگھاوے ھُو

یہ مشیّت ایزدی ہے اگر ایسا نہ ہوتو اولیاء وانبیاء کے وجود کی اہمیت مفقود ہوجائے جو خدا کی طرف سے ان کا اصل مقصد متعیّن ہوتا ہے بغیر قدر واہمیت کے عوام الناس سے چُوک جاتا ہے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کچھ لوگوں کو دیکھ کر بعض اوقات فرماتے رہتے ہیں اگر اس کا کوئی کامل رہبر ہوتا تو معلوم نہیں یہ کہاں کہاں تک پہنچتا یعنی بغیر رہبرِ کامل کے نفس اور شیطان قدم آگے نہیں بڑھنے دیتے۔ دستِ مرشد اُن دونوں کے لئے بمنزلہٗ ڈھال کے ہوتا ہے اور رہزنانِ راہ معرفت کے لئے بمنزلہٗ پاسبان کے ہے جو اسے جلد امن وامان کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچا کے چھوڑتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ ہیچ نکُشد نفس را جز ظِلِّ پیر   دامن ایں نفس کُش محکم بگیر

(نفس اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے اگر جان چھڑانا ہوتو پیر کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑلو۔) علاوہ ازیں فرمانِ رسول ﷺ موجود ہے۔ ''اپنے پیٹوں کو خالی رکھو، حرص کو چھوڑو، جسموں کو لباس فاخرہ سے آراستہ نہ کرو۔ تمناؤں کو کم کرو۔ جگروں کو پیاسا رکھو۔ دنیا سے روگردانی اختیار کروتا کہ تمہیں دِلوں میں مشاہدہ حق حاصل ہو'' ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے نفس ظالم مغلوب ہوجاتا ہے۔ اور روح کو فروغ ملتا ہے۔ روح سراپا اوصاف خداوندی ہے تب اسے معرفتِ کشف نصیب ہوتی ہے۔ حدیثِ رسول ﷺ ہے۔ ''عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ'' (میں نے رب کو رب (اوصاف رب) کے ذریعے پہچانا۔)

اربع عناصر میں جن سے انسان مرکب ہے۔ تقویٰ کی ریتی پر رگڑنے سے جام سفال میں جب چمک پیدا ہوکر جام جمشیدی بن جائے تب نقش ونگار دو جہاں اس میں منقّش ہونے لگ جاتے ہیں جسے قرآن وحدیث میں کشف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان عبادات ومجاہدات کی حقیقت کی طرف پیغمبر ﷺ نے یوں اشارہ فرمایا کہ ''اَعْبُدُاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' (خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ آپ اسے (کشف حقیقی کے ذریعے سامنے) دیکھ رہے ہیں) اگر تمہاری یہ حالت نہیں تو جان لو کہ تمہارا طریق عبادت (فساد عقیدہ یا رہبر کامل کے نہ ہونے کی وجہ سے) غلط ہے کیونکہ خدا کسی طالب صادق کی مزدوری ضائع نہیں فرماتا۔ جو کوئی عام محنت کرتا ہے اس کا پھل پاتا ہے۔ یہ تو ایک خاص محنت ہے پھر وہ کیسے اس کا پھل

نہیں دیتا بلکہ محنت سے بھی کہیں زیادہ عنایت کرتا ہے۔ایک قدم کے بدلے دس قدم۔ایک مرتبہ یَا اَللّٰہ کرنے سے دس مرتبہ یاَعَبدِی (اےُ میرا بندہ میں حاضر ہوں) سے نوازا جاتا ہے۔

مراتبِ کشف

مسلک صوفیاء میں (قرآن وحدیث کے مطابق) کشف کی دو قسمیں ہیں **1**:۔کشف صُغریٰ **2**:۔کشف کُبریٰ

1:۔کشف صُغریٰ:۔کشف صغریٰ کو کشف کونی اور مکاشفہ بھی کہتے ہیں یہ صرف مادیات پر حاوی قلب کے عین صغریٰ (چھوٹی آنکھ) سے متعلّق ہے۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کی عینی تصریح کے مطابق اس کے چار درجے ہیں۔ (1) کشف ملک (آسمان وزمیں کے درمیان تک)، (2) کشف قبور (زیرِ زمین تحت الثریٰ تک)، (3) کشف قلوب (قلوب جن وانس تک)، (4) کشف لوح محفوظ (عالم بالا، ملائک، منازل بہشت، عرش وکرسی اور لامکاں تک) یہ کشف صغریٰ مشاہدہ صفات اور ولایت صغریٰ تک محدود ہوتا ہے۔

2:۔کشف کبریٰ:۔کشف کبریٰ جس کا تعلّق قلب کے عین کبریٰ (بڑی آنکھ) اور اس کا علم بردار صاحب ولایت کبریٰ ہوتا ہے۔اس کشف کو کشفِ مشاہدہ حق کہتے ہیں جو عاشقین وسالکین کا منزل مقصود اور کعبہ مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں بلاحجاب صفات وظلال براہِ راست ذات الٰہی کو دیکھنا ہے۔

اولیاءِ کرام کو کشف کُبریٰ کے عروج پر ظاہری آنکھوں سے بھی کشف حاصل ہوجاتا ہے۔(مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی پر بالکل ظاہراً یہ حالت طاری رہتی ہے) اس سے آگے کشف انبیاء کی ابتداً ہوتی ہے۔یہ واضح رہے کہ جو سالک کشف صغریٰ کی رعنائیوں اور عجائبات ولذائذ میں اُلجھ کر رہ گیا وہ کشف کبریٰ سے محروم رہ جاتا ہے۔کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے جو صفات میں الجھ گیا ذات تک نہیں پہنچ سکتا۔

کشفِ کُبریٰ میں سالک کو ہر چیز میں خدا کی ذات نظر آتی ہے۔اَزروئے حدیث ''وَفِیَ الْخَفِیَ اَنَا'' (حقیقت میں ہر چیز کے اندر مَیں ہوں۔) اس منزل کی طرف اشارہ ہے۔نیز خدا کے ''عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر'' ہونے پر بھی اس مقام پر سالک مشاہدہ کر کے ایمانِ کامل حاصل کرتا ہے اسی کو معرفت تامہ (مکمّل معرفت) کا نام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السّلام سے دریافت فرمایا اےُ داؤد علیہ السّلام! تجھے معلوم ہے کہ میری معرفت کیا ہے؟ عرض کیا یارب! نہیں۔فرمایا ''میرے مشاہدہ سے دل کا زندہ ہونا'' جو کہ عروجِ کشف سے میسر آتا ہے۔حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مکاشفہ ٔنفس کے بغیر مکاشفہ ٔحق نصیب نہیں ہوسکتا۔کیونکہ خدا نے اپنی معرفت کو معرفتِ نفس کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔مکاشفہ ٔنفس تو انسانی کوشش ہے جو بذریعہ مجاہدہ کرتا ہے۔مگر مکاشفہ ٔحق خدا کا ذاتی انعام ہے۔جس کا تعلّق صداقت نیت وعقیدہ اور شیخ کامل کی توجہ پر ہے۔صوفیاءِ کاملین کا فرمان ہے۔کہ سالک (خدا کی راہ میں چلنے والا) جب مستقیم الحال (استقامت میں پختہ) ہوکر خوف ورِجاء دونوں سے بے نیاز ہوجائے تب اس پر خداوند کریم اپنی رحمت وشفقت سے اس

بے لوث عبادت وشوق کے صلے میں کشف ولایت منکشف فرماتا ہے۔ بشرطیکہ رابطہ شیخ بھی کامل ہو۔ حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''توبہ اگر خوف کی وجہ سے ہو تو کشف جلال حق اور اگر توبہ شرمساری وحیاء کی بناء پر ہو تو کشف جمال حق نصیب ہوتا ہے (صاحب خوف! صاحبِ ''سکر'' اور صاحبِ حیاء صاحبِ ''صحو'' ہوتا ہے) شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ مقام کشف مقامِ حق الیقین ہے اور اس میں طالب پر وارداتِ قلبی (انوارِ الٰہی) کا نزول ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں مجاہدہ کرنا انسان کا اصل فریضہ زندگی ہے۔ آگے مشاہدہ سے مشرف فرمانا خدا کا کام ہے۔ نیز انسانی زندگی کی حقیقی خوشی اور انبساط کشف ومشاہدہ میں مضمر ہے۔ اس لئے حقیقتِ زندگی اور حقیقتِ کائنات صرف صاحب کشف اولیاء اللہ کو معلوم ہے۔ باقی سب اس معاملے میں نابینا ہیں۔

مسئلہ تصوف ہے کہ صاحبِ کشف ہر چیز سے مانوس ہوتا ہے۔ کیونکہ ''جس نے خدا کو پہچان لیا اس نے سب کچھ پہچان لیا اور پھر سب کچھ نے بھی اُسے پہچان لیا'' (خواہ ارضی مخلوق ہو خواہ سماوی) درج ذیل واقعہ اسی مقامِ کشف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ''مرشد کریم مدظلہٗ العالی پر بخار کا اس قدر شدید حملہ ہوا کہ مریدین آپ کی زندگی سے مایوس ہونے لگے آپ سرکار جائے نماز پر تشریف فرما تھے شیشے کے گلاس میں پانی پیش کیا گیا۔ مریدان کے اضطراب کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم ساری کائنات کو ایسے دیکھ رہے ہیں جیسا کہ اس گلاس میں موجود پانی کو۔ جاؤ آرام کرو ہمیں ابھی اس دنیا میں چند سال اور جینا ہے۔'' اس مقامِ کشف پر آ کر غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ:

؎ نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعاً   کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اِتِّصَالِیْ

''سب بلاد الٰہی میرے سامنے ہتھیلی پہ رکھے ہوئے رائی کے دانہ کی طرح عیاں ہیں''۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''کشف (صغریٰ) ہمارے طفلانِ مکتب کے راستے میں کھلونوں کی طرح ہے کہ جنہوں نے لحاظ وقت کے ساتھ انہیں چھوڑ کر آگے مقامِ بلوغت کو پہنچنا ہوتا ہے'' یعنی سالک کا اصل مقصد حصول کشف نہیں (یہ راستے کا نظارہ اور خس وخاشاک کی حیثیت سے ہے) بلکہ اصل مقصد حصول رضائے اِلٰہی اور دیدارِ الٰہی ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ کمالِ زندگی دیدارِ ذات است   طریقش رَستن از بندِ جہات است

(کمال زندگی دیدار خدا ہے۔ اور اس کا طریقہ اپنے آپ کو دنیاوی بندھنوں سے مکمّل طور پر آزاد کرالینا ہے۔)

شیخ کامل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''راہ سلوک میں سالک کے لئے سو درجے ہیں ان میں سترّھواں درجہ کشف کا ہے۔ جو اس میں الجھ کر رہ گیا بقیہ (83) مدارج کے مشاہدات سے محروم رہ جاتا ہے (معلوم نہیں اس سے آگے کیا کیا عجائبات ہوں گے خدا جانے اور اس کا بندہ)۔ (واللّٰہ اعلم)

ضبطِ کشف

حقائق ومشاہدات کو سالک کے لئے چھپانا ازحد لازمی ہے کیونکہ اسرارِ غیبی کا سمجھنا عوام الناس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ وگرنہ اظہار سے یہ مقام سلب بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کا قول ہے کہ:

؎ عَلَیۡکُمۡ بِحِفۡظِ السَّرآئِرَ فَاِنَ اللّٰہَ مُطّلِعُ عَلٰی الضَّمَائِرَ

(اسرار ورموز غیبی کی حفاظت کرنا (چھپا کے رکھنا) لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا ذاتی ''پرتو'' دلوں پر ظاہر فرماتا ہے) منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو افشائے راز کی پاداش میں سولی پر لٹکایا گیا تھا۔ کشف دراصل معرفتِ الٰہی کا دوسرا نام ہے اور صاحبِ معرفت عارف باللہ اپنی زبان بندی کرتا ہے۔ یہ قدرتی امر ہے قولِ صوفیاء ہے۔'' مَنۡ عَرَفَ اللّٰہُ کَلَّ لِسَانَہ'' (جس نے خدا کو پہچانا وہ زبان سے گونگا ہو گیا) نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ ستانی زباں از رقیبانِ راز کہ رازت بہردم نگویند باز

(خدایا تو اپنے رقیبانِ راز سے زبان واپس لے لیتا ہے تاکہ تیرے خزانہ خاص کی چھپی ہوئی باتیں لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔) مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک مبتدی سالک کے لئے یہاں تک کہہ دیا کہ:

ع کشف اورا کفش کُن بر سر بزن

(خام حال صوفی سے اظہار کشف کو کفش (جوتا) بنا کر اس کے سر پر مار دے۔) تاکہ وہ دوبارہ اظہارِ رموزِ غیب کی جرأت نہ کر سکے۔ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''سالک کشفِ شہود کو بھی (لا) کے نیچے لائے تب ذات تک پہنچ سکتا ہے'' البتہ تمام مدارجِ کشف کے مکمّل عبور کرنے کے بعد مقام بقا باللہ پر فائز اولیاء اللہ اگر کچھ اظہار بھی کریں تو انہیں اختیار ہے اور گرفت سے بھی بچ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ذاتی شہرت کے لئے نہیں بلکہ للہ فی اللہ خدا کی شہرت اور عوام الناس کو حقیقت کا سراغ دے رہے ہوتے ہیں جو کہ سراپا اصلاحِ خلق ہے اور بس۔ اسی بناء پر بعض اولیاء فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا فخر خدا کی بے نیازی کی عکاسی کر رہا ہے نہ کہ ذاتی ونفسانی خواہشات کی عکاسی۔ بقول پیر رومیؒ:

؎ زانکہ بُوشِ بادشاہاں از ہواست بارِ نامہ انبیاء با کبریا است

(بادشاہوں کا دبدبہ نفسانی تکبّر سے ہے۔ مگر انبیاء کرام (یا خدا کی برگزیدہ ہستیوں) کا دبدبہ خدائی جلال ونمود کا مستقل اظہار ہے۔)

(ب) کرامت: یعنی عزت و تکریمِ حق

کرامت: لفظ کرامت کے لغوی معانی عزت و تکریم اور بڑائی کے ہیں مگر صوفیاء اسلام کی اصطلاح میں وہ خاص اور دائمی عزت و تکریم جو خدا کی بارگاہ میں کسی خاص صاحبِ تصرف بندے کو ودیعت کی جاتی ہے۔ جسے اصطلاح عام میں خارقِ عادت (خلاف معمول یا عوام الناس کی عقل سے بالا بات) کہتے ہیں۔ مثلاً عام لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہا موم ہوتے ہوئے دیکھ کر پوچھتے کہ یہ ایسے کیوں ہو رہا ہے۔ مگر لقمان حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا تو خاموش ہو گیا۔ پوچھا نہیں بلکہ اپنی عقل کامل سے پہچان گیا کہ یہ اُن کا معجزہ ہے اور یہ پیغمبر ہے۔ یہی خرقِ عادت فعل جب نبی سے سرزد ہو جائے تو معجزہ، اگر ولی سے سرزد ہو جائے تو کرامت کہلاتا ہے۔

اقسامِ کرامت

مُدبّرِ اسلام مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کرامت کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں۔

1:۔ کرامت حِسّی یا ظاہری! جسے اولیائے کرام فیض باطن سے مملو ہو کر (جلال میں آ کر) عوام الناس کو دکھاتے ہیں۔

2:۔ کرامتِ معنوی یا کرامتِ حقیقی! جو کرامتِ ظاہری کا اصل ماخذ اور اس کی بنیاد ہے کرامتِ حقیقی کی مثال پانی کے چشمے کی طرح ہے۔ مطلب! کرامت ظاہری کے فقدان سے کرامتِ حقیقی یا باطنی ویسے ہی بحال رہتی ہے۔ مگر کرامتِ حقیقی یا باطنی کے فقدان سے دونوں کرامتیں بیک وقت ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ کرامت حقیقی کا دارومدار آدابِ دین، اخلاقِ حسنہ اور پابندیٔ احکاماتِ شرعی پر ہے۔ مثال مشہور ہے کہ صوفی طریقت و معرفت اور اپنے بلند مقامات سے زوال میں آ کر اگر حدودِ شریعت کے اندر اندر گر جائے تو دوبارہ سنبھل سکتا ہے۔ اگر شریعت سے باہر گر جائے تو پھر اس کا سنبھلنا محال ہے۔ اس لئے ولی اللہ کے لئے یہی پابندیٔ شریعت! کرامتِ حقیقی، ولایتِ دوامی اور معرفتِ تامہ کی مُبیّن اور واضح دلیل ہے لہٰذا اولیاءِ کرام کے لئے کرامت ظاہری لحاتی اور غیر دوامی ہے۔ ہو تو بہتر! نہ ہو تو ولی کی ولایت معنوی میں کوئی فرق نہیں پڑتا یہی حکمت ہے کہ کرامت کے لغوی معانی پانی سے بھرے ہوئے بادل کے بھی ہیں کہ بادل برسے یا نہ برسے اس میں پانی ضرور موجود ہے۔ اس کا نہ برسنا پانی سے خالی ہونے کا ثبوت نہیں۔ بلکہ اس میں مشیّت ایزدی کارفرما نظر آتی ہے۔

حقیقتِ کرامت

قرآن کریم میں حقیقتِ کرامت کو یوں واضح کر دیا گیا ہے۔ ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ'' یعنی بے شک اولادِ آدم کو ہم نے بڑی عزت و کرامت دی ہے۔ بندوں نے عرض کیا خدایا! یہ عزت سب کو دی ہے یا کسی خاص طبقے کو؟ اللہ کریم نے اس تردّد کو دور فرما کر یوں واضح کر دیا کہ ''اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ'' بے شک تم میں خدا کے نزدیک

سب سے زیادہ صاحب عزت وتکریم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار اور متقی ہو۔ پھر سائل نے عرض کیا یا رب ان پرہیز گار لوگوں کی کوئی خاص علامت بھی ہے! جواب میں رب نے فرمایا ''اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۝ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ'' (یونس:63-62) یہ میرے وہ دوست ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد پرہیز گاری اختیار کی اور اس پرہیز گاری کی بنیاد پر وہ بے خوف اور بے غم ٹھہرے۔ یعنی یہ عزت وکرامتِ حقیقی بنی نوع انسان میں سے صرف اہل ایمان پرہیز گار لوگوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہے۔

مخبر صادق علیہ السلام نے اس کی حد بندی یوں فرمادی کہ ''لَا کَرَامَۃَ لِلۡکَاذِبِ'' یعنی غیر متقی جھوٹے انسان کے لئے یہ عزت وکرامت ہرگز نہیں ہے لہٰذا مطلب واضح ہو گیا ہے کہ متقی اور پابندِ شریعت انسان سے جو خلاف عقل (خارق عادت) فعل سرزد ہو جائے اسے ''کرامت'' اور غیر شرعی یا جھوٹے انسان سے جو خلافِ عقل فعل سرزد ہو جائے اسے ''اِستدراج'' (فریبِ نگاہ، جادو، دوسرے کو دھوکے سے اپنی طرف مائل کرنا) کہتے ہیں۔

دراصل جو لوگ تلاشِ حق کی خاطر راہِ فقر میں قدم رکھتے ہیں تو خداوند کریم مصائب سے انہیں پرکھنا شروع کر دیتا ہے۔ جو اُن مصائب پر صبر اختیار کر کے شکرِ خدا ادا کریں وہ خدا کے دوستوں میں شامل ہو کر مقامِ ولایت پر فائز ہو جاتے ہیں اور جو لوگ اُن مصائب کے دوران بے صبر ہو کر زبانِ شکایت عوام الناس کے سامنے کھول دیں تو خداوند کریم انہیں اپنے خاص بندوں سے اور راہِ فقر سے علیحدہ کرنے کے لئے ان پر دنیاوی نعمتوں اور لذائذ فنا کا دروازہ کھول دیتا ہے تاکہ وہ دنیاوی چکروں میں غرق ہو کر اس پُر خار راستے کو بھول ہی جائے کیونکہ بعد از امتحان وہ اس راہِ فقر کے قابل نہ رہا۔ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے ''سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ'' (القلم 44) (قریب ہے کہ پھر انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی۔)

لفظ ''اِستدراج'' قرآن کریم کے اسی مقام سے ماخوذ ہے۔ احادیث میں بھی اس بات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے کہ ''گناہوں میں اصرار کے باوجود مطلوب ومحبوب چیزیں دی جارہی ہیں۔ تو یہ استدراج ہے'' جو کہ آہستہ آہستہ اسے ہلاکت کی طرف لے جارہی ہے۔ ایسے انسان کو چاہیے کہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کر کے غربت، فقر ومصائبِ دنیا قبول کر کے طلب دنیا سے پناہ مانگے اور حرفِ شکایت لب پر نہ لائے۔ یہی راہ خاصان خدا ہے۔ تب وہ ''استدراج'' سے بچ کر ''کرامت'' کا مستحق بن جاتا ہے۔ کیونکہ دین کو چھوڑ کر دنیاوی شہرت کے پیچھے بھاگنے سے حقیقت مکمل طور پر ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ وعظ صوفیاً ہے۔

؎ کم تر از کم شو اگر داری خبر — کہ ایں طریق کاملا نست ائے پسر

(اپنے آپ کو سب سے کم اور عاجز سمجھنا کاملین بندوں کا راستہ ہے۔) حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو یوں آشکار فرماتے ہیں کہ ''کسی ایک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تارک اگر ہوا میں اڑتا ہوا کیوں نہ آئے وہ جادوگر تو ہوسکتا ہے۔ مگر ولی اللہ

نہیں ہوسکتا۔'' اس لئے یہاں اس مختصر مقالے میں ہمارا مطلب شریعتِ محمدی کے پاسبان متقی اولیاء اللہ کی عزت وکرامت کے بارے تفصیلات بیان کرنا ہے کہ جنہیں خداوند کریم نے ایمان لانے کے بعد ان کی پرہیز گاری کی بناء پر یہ عزت وتکریم بخشی ہے۔ کرامتِ حقیقی کے بارے شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مرید تو اپنے پیر کی کسی قسم کی کرامت کا احساس تک نہ کرے کیونکہ پیر نے مرید کے مردہ دل کو زندہ کر کے یادِ الٰہی میں لگا کر مشاہدہ ومکاشفہ تک پہنچا دیا ہے۔ عوام کے نزدیک تو ایک مردہ جسم کو زندہ کرنا بڑی (کرامت کی) بات ہے۔ مگر صاحبِ سمجھ لوگوں کے نزدیک پیر کامل کا مرید کے قلب وروح کا زندہ کرنا اس سے بھی افضل کرامت اور اس کی ولایت کے لئے دلیلِ قاطع ہے'' مجدد رحمۃ اللہ علیہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں ''چونکہ مردہ جسم کا زندہ کرنا اکثر لوگوں کے نزدیک بڑا اچھا کام سمجھا جاتا ہے۔ مگر اہلُ اللہ جسم مردہ زندہ کرنے سے منہ پھیر کر رُوحِ مردہ زندہ کرنے میں مشغول ہوگئے ہیں۔ حقیقت میں مردہ جسم کا زندہ کرنا قلب کے زندہ کرنے کے مقابلہ میں اس چیز کی مثل ہے۔ جو (منزل پر پہنچائے بغیر) راستے ہی میں پھینک دی گئی ہو۔ کیونکہ جسم کا زندہ کرنا چندروزہ زندگی کا سبب ہے اور قلب کا زندہ کرنا ہمیشہ کی زندگی (معرفتِ الٰہی) کا وسیلہ ہے۔'' آگے مزید لکھتے ہیں ''وہ علامت کہ جس سے اس گروہ کی سچائی باطل سے علیحدہ ہوجائے۔ یہ ہے کہ اگر ایسا شخص ہو جو شریعت پر ثابت قدم ہو اور اس کی صحبت میں دل کو حق سبحانہٗ کی طرف رغبت وتوجہ پیدا ہوتی ہو۔ اور ماسوائے حق سے بے توجہی مفہوم (معلوم) ہوتی ہو۔ وہ شخص حق بجانب ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق درجاتِ اولیاء کے شمار میں ہے''۔

مجدّد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں اس بات کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''خوارق (کرامات) کا کثرت سے ظاہر ہونا (بھی اچھی بات ہے) مگر صرف یہی چیز افضلیتِ ولایت پر دلالت نہیں کرتی۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ولی اللہ سے کوئی ایک کرامت بھی ظاہر نہ ہو مگر (پابندیٔ شریعت کی بنیاد پر) دوسرے (صاحبِ کرامت) سے افضل ہوتا ہے کیونکہ ولی اللہ درحقیقت وہی ہوتا ہے جو کامل شریعت کا علم بردار ہو نہ کہ صرف کرامات کا'' نیز ''ہمارا طریقِ صوفیہ تو علوم شرعیہ ہی کا اصل خادم ہے'' (نہ کہ صرف کرامات کے پیچھے دوڑنے والا) ایک اور مقام پر مجدد رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں کہ ''ولی کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کافی ہے اگر ولی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سوا کسی اور شریعت کی دعوت دیتا تو پھر اس کے لئے خوارق (کرامات) کا ہونا ضروری تھا چونکہ اس کی دعوت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لئے اسے خارق (کرامت) کی کچھ ضرورت نہیں'' کیونکہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور ان کی تعلیمات اس کے لئے بمنزلہ صداقت وکرامت کے ہیں اور بس۔

کرامت یا استقامت

حقیقت یہ ہے کہ صوفیائے خام اور عوام الناس کو سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے کہ وہ کرامت کو استقامت شریعت پر فوقیّت دینے لگے۔ حالانکہ بات اس کے برعکس ہے۔ دوسری بات یہ کہ البتہ ولی اللہ کے لئے صاحب کشف ہونا ایک

لازمی چیز ہے۔ جواس کے لئے بمنزلہ باطنی فوج کے ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ دور ونزدیک کو دیکھ کر پھر تصرفات کر کے قبل از وقت انتظامِ اُمور کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ تیسری یہ کہ ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ لوحِ محفوظ پر اپنی باطنی طاقت کے ذریعے تصرّف کر کے مخلوق کی تقدیریں بدل ڈالے۔

شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات پر یوں روشنی ڈالی ''ولایت خوارق عادات اور احوال و کرامات پر موقوف نہیں بلکہ افعال واقوال میں (شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق) استقامت پر موقوف ہے''۔ اولیاء تو اولیاء رہے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ایمان کے بعد استقامت اختیار کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے۔ (قرآن شاہد ہے) گویا یہی استقامت برصداقت انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بمنزلہ معجزہ اور ولی اللہ کے لئے بمنزلہ کرامت کے ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے ''اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ ''یعنی راہ راست پر استقامت اختیار کرنا کرامت سے بھی بہت زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے۔

فقر وسلوک میں مرید کے لئے خدمتِ شیخ میں استقامت اختیار کرنا اور شیخ کامل کا یادِ الٰہی میں ہمہ وقت مصروف رہنا سب سے بڑی کرامت ہے۔ صوفیاء کا ملفوظ ہے۔ ''لوگ جب خدا کی ذات سے کرامت طلب کرتے ہیں تو بارگاہِ الٰہی سے آواز آتی ہے اے میرا بندہ! تو اگر مجھ سے کرامت طلب کرتا ہے تو میں تجھ سے استقامت طلب کرتا ہوں۔ اگر تُو استقامت اختیار کرے تو میری طرف سے سب کرامتیں تیرے لئے ہیں'' نیز عارفین، خدا کی بارگاہ سے صرف استقامت کے خواستگار رہتے ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سہروردی کا فیصلہ ہے کہ ''استقامت ہی کرامت کُلی ہے'' گویا خوارق اور کرامات سمندرِ استقامت کی نہریں سمجھی جاتی ہیں۔ حضرت شیخ بوعلی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اے سالک طالب استقامت بن طالب کرامت نہ بن۔''

صوفیاءِ اسلام نے بعد از تحقیقات یہ واضح کردیا کہ ''اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلٰی الْفَقْرِ اِلَی الْقَبْرِ '' (فقر پر قبر تک صبر واستقلال کے ساتھ ثابت قدم رہنا خدا کی بارگاہ میں سب سے افضل مقامات میں سے ہے۔)

ضبطِ کرامت

مسلکِ صوفیا میں ضبطِ کرامت بھی ایک لازمی امر ہے۔ کتب تصوف میں درج ہے کہ ''فَرَضَ اللّٰہُ اَوْلِیَائِہٖ کِتْمَانِ الْکَرَامَۃِ کَمَا فَرَضَ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ اِظْھَارَ الْمُعْجِزَۃِ '' یعنی خداوند کریم نے اپنے اولیاء کے لئے کرامت کا چھپانا اس قدر لازمی قرار دیا ہے جس طرح کہ انبیاء علیہم السلام پر معجزہ کا ظاہر کرنا لازمی قرار دے دیا ہے۔ قولِ صوفیاء ہے ''اَلْکَرَامَۃُ حَیْضُ الرِّجَالِ لَا بُدَّاسْتِتَارُھَا '' (کرامت مردوں کا حیض ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔) اس لئے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کا مقولہ ہے ''ولی کرامت دکھانے والا نہیں بلکہ زُہد وتقویٰ اختیار کرنے والا ہے'' نیز فرماتے ہیں کہ صرف دو مقامات کے علاوہ کرامات کا چھپانا لازمی ہے۔ ایک غیر مسلم کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت دوسرا

جلال میں آ کر بے قابو ہوتے وقت کہ خدا انسان پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اخفائے کرامت میں اولیاء کرام کے لئے بہت بڑی حکمتیں ہیں۔ مثلاً لُغتِ عرب میں کرامہ کے معنی مٹکے کے ڈھکنے کے ہیں۔ مطلب! جس طرح کہ مٹکے کے ڈھکنے کو ہٹانے سے اس کے اندر موجود پانی کو خطرۂ نقصان لاحق ہوتا ہے۔ اسی طرح ولی اللہ کے اظہارِ کرامت سے اس کے دل میں نفس وشیطان کی نقب زنی کا خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے کہیں تکبّر میں مبتلا کر کے آبِ زُلال معرفت کو مکدّر نہ کروا ڈالیں۔ اور یہ ولی اللہ کے لئے خطراتِ نفس کے معاملے میں انتہائی احتیاط کا ثبوت ہے جو خزانۂ معرفت کے پاسبان ہیں۔ کیونکہ بادشاہ بھی خزانچی صرف اسے بناتا ہے جو انتہائی سچا، معتمد اور ہر معاملے میں مکمّل ہوشیار ہو۔ اس ضمن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معلوماتی ملفوظ لکھنا لازمی ہے۔ فرماتے ہیں ''جو سالک سب مدارج سلوک طے کر جائے تو صرف اس کے لئے اَخفائے کرامت لازم نہیں (باقی سب مُبتدی اور متوسط الحال (ابتدائی اور درمیانی درجہ کے فقراء) سالکین کے لئے کرامت کا چھپانا لازمی ہے)۔

(۱۱)حقیقتِ سماع ووجد

(الف) سماع

سماع: لفظ ''سماع'' قرآن کریم سے ماخوذ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خوشگوار اور سریلی آواز کے ہیں۔ مگر اصطلاحاتِ صوفیاء میں سماع ساز و آواز یعنی فنِ قوالی کو کہتے ہیں جس میں خدا اور رسول ﷺ اور کسی ولی اللہ یا مرشد کی تعریف بیان ہو۔

لفظ قوالی کی تشریح

فرموداتِ الٰہی کو قرآن، فرمودات نبی ﷺ کو احادیث اور اس طرح فرمودات اولیاء اللہ اور بزرگان دین کو اقوال کہتے ہیں، جو عربی لُغت میں قول سے لیا گیا ہے۔قول کے معنی بات یا گُفت کے ہیں۔اس کی جمع اقوال ہے۔یعنی بزرگان دین اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی نصیحت آموز باتیں۔ اَقوال کی دو صورتیں ہیں۔ایک نثری اقوال اور دوسرے منظوم اقوال انہی منظوم اقوال اولیاء کو ایک خاص ترتیب و ترنم کے ساتھ اور ساز و آواز کے ساتھ کسی روحانی شخصیت کی موجودگی میں پیش کرنا فنِ قوالی اور پیش کرنے والوں کو قوّال (اقوال بیان کرنے والے) کہتے ہیں۔اقوالِ اولیاء، قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہر دور کی حکمت عملی کے مطابق آسان فہم طریقے سے ماخوذ (نکالے ہوئے) ہوتے ہیں جو عوام الناس کو ان کی سمجھ کے مطابق پیش کئے جاتے ہیں تا کہ یہ باتیں قرآن وحدیث کو سمجھنے کیلئے ان کیلئے مشعل راہ ثابت ہوں۔یعنی اقوال، قرآن وحدیث کو ہر دور کے مطابق سمجھانے کیلئے بمنزلۂ ایک زینہ کے ہیں اور ان کی اہمیت قرآن و حدیث کے بعد تیسرے نمبر پر ہے اہلِ ایمان کیلئے انہیں سننا باعث برکت ورحمت ہے۔اوران پر عمل کرنا باعث نجات ہے۔

سماع: اَز روئے قرآن

اقوال اولیاء کا تعلّق ایمانی اور روحانی کیفیّت سے ہے۔اس لئے سماع بھی صاحب نسبت اور زندہ دل صاحب روحانیت لوگوں کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔صوفیاء کرام قرآن کریم کی اس آیت سے اس کا اِستدلال کرتے ہیں ''فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ''(الروم: 52) (اس لئے کہ (اے محبوب ﷺ) تم مردوں کو نہیں سناتے) یعنی مردہ (دل) سماع (سننے) کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ یہ صرف زندہ دل اور چشم دل رکھنے والے لوگوں کا کام ہے۔صوفیاءِ کرام ثبوتِ سماع قرآن کریم کی اس آیت سے بھی لیتے ہیں کہ: '' فَبَشِّرْ عِبَادِ () الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ '' (الزّمر: 18)

ترجمہ: تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات (قول) سنیں پھر اس کے بہتر (پہلو) پر چلیں۔یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہ ہیں جن کو عقل (سلیم) ہے۔یعنی سماع کے دو پہلو ٹھہرے ایک اچھا (تعمیری) پہلو اور

دوسرا برا (تخریبی) پہلو۔ اولیاء کرام قرآن کے مطابق اچھے سماع پر عامل! برے سماع سے پاک ہیں۔

سماع از روئے حدیث

احادیث مبارک، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور واقعاتِ اولیاء کرام سے پتہ چلتا ہے کہ سماع کسی نہ کسی صورت میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم، تبع تابعین رضی اللہ عنہم، فقہائے اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، متعدد متبحر علماء دین، صاحبِ طریقت مشائخ اور اولیاء اللہ نے بھی سنا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن جعفر طیّار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت احمد بن عیسیٰ خراز رحمۃ اللہ علیہ بھی سماع سنتے تھے۔ (قوتُ القلوب جلد۲)

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سماع کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ: ''سماع ایک گروہ کیلئے فرض، ایک گروہ کیلئے سنت اور ایک گروہ کیلئے بدعت ہے۔ یہ گروہ بالترتیب اہل اللہ، اہل محبّت اور غافلین ہیں۔'' چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اولیاء کرام میں بھی سماع کی تخصیص کو مدنظر رکھا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی بھیجا اچھی آواز والا بھیجا''۔ (ترمذی شریف) دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کسی بات کی طرف اس قدر کان لگا کر نہیں سنتے جس قدر وہ اچھی آواز والے نبی کے کلام کو سنتے ہیں۔'' (بخاری ومسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سریلی آواز کے بارے ارشاد فرمایا کہ ''حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑی سُریلی آواز عطا کی گئی تھی جب آپ علیہ السلام زبور پڑھا کرتے تو جن، انسان، وحشی جانور اور پرندے خوب کان لگا کر سُنا کرتے تھے۔ بنواسرائیل اکٹھے ہو کر سنا کرتے اور حدیث پاک کے مطابق مجلس سے (اس آواز کی مستی کی بنا پر) مرجانے والے انسانوں کے چار سو تک جنازے اُٹھائے جاتے۔'' (الحدیث) نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لَقَدْ اُعْطِیَ اَبُوْ مُوْسیٰ مِزْمَاراً مِّنْ مَزَامِیْرِ آلِ دَاؤدَ۔'' (بخاری ومسلم) ''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو آلِ داؤد کی بانسریوں میں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔''

سماع: صوفیاءِ اسلام کی نظر میں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ قرآن وحدیث کے مطابق بعد از تحقیق سماع کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(1) سماعِ راست: (سماع محمود، فائدہ مند) جس کا تعلّق صاحب روحانیت عالم بالا سے ہے۔

(2) سماعِ باطل: (ناجائز، نقصان دہ) جس کا تعلّق صاحب نفس عالم دوں (سفلی) سے ہے۔

سماعِ راست میں تو عشق الٰہی، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق مرشد رمز و کنایہ کی صورت میں بیان کی جاتی ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں

(واہ! دوسروں کی باتوں میں معشوق کا تذکرہ اشارتاً اور کنایتاً کتنا اچھا لگتا ہے) اس کے علاوہ ہر قسم کا سماع! باطل میں شمار ہے۔ مولانا صاحب سماع راست کو واضح کر کے اس کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

؎ بر سماع راست ہر کس چیر نیست　　　　طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

(سماع راست سن کر اس کی حقیقت تک پہنچنا ہر کسی کا کام نہیں جس طرح کہ انجیر کو ہر پرندہ کھا کر ہضم نہیں کر سکتا۔ یعنی بغیر کسی صاحبِ نسبت، صاحبِ ذوق اور ولی کامل کے سماع سے ہر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع روحانی غذا، مہمیز حقیقت اور بنیادی طور پر ایک جائز چیز ہے۔ مگر پھر بھی سماع کا دارومدار اس کے مستمع (سننے والے) پر ہے۔ فرماتے ہیں۔

؎ سماع ائے برادر بگویم کہ چیست　　　　مگر مستمع را بدانم کہ کیست

گر از برجِ معنی بود طیرِ او　　　　فرشتہ فروماند از سیرِ اُو

(ائے بھائی! سماع کی حقیقت میں اس وقت تجھے بتا سکتا ہوں جبکہ مجھے مستمع کا پتہ چلے کہ وہ کیسا ہے اگر مستمع (سننے والا) راہ حقیقت کا متلاشی ہو تو فرشتے بھی (بوقت وجد) اس کی (روحانی) پرواز سے پیچھے رہ جائیں گے) وگرنہ:

؎ وگر مرد لہو است و بازی ولاغ　　　　قوی تر شود لہوش اندر دماغ

(سننے والا اگر صاحب نفس اور بے ہودہ قسم کا ہو تو اس کے دماغ میں بیہودہ اور درندگی زیادہ مضبوط ہوتی جائے گی) یعنی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سماع! مذموم (بری) چیز نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار اس کے سننے والے پر ہے۔ (جس طرح کہ اسلحہ کوئی بری چیز نہیں مگر اس کا دارومدار اس کے استعمال پر ہے)۔

؎ جو ذرا سی پی کے بہک گیا اسے میکدے سے نکال دو

یہاں کم نگاہ کا گزر نہیں یہاں اہل ظرف کا کام ہے

حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد محاربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین چیزوں کے ساتھ تین فائدے ملتے ہیں مگر ہم تینوں ہی گنوا بیٹھے ہیں۔

1:۔ خوبصورت آواز کے ساتھ ساتھ! دینداری۔

2:۔ خوبصورت چہرے کے ساتھ ساتھ! گناہوں سے بچنا۔

3:۔ اچھے بھائی چارے کے ساتھ ساتھ! وفاداری و مروّتی۔　　　　(اللُّمع فی التّصوف)

حضرت شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''قُوۡتُ الْقلوب'' میں فرماتے ہیں کہ سماع حلال بھی ہے اور حرام بھی ہے جس نے تحریکِ نفس سے سنا حرام اور جس نے تحریک قلب سے سنا حلال اور مباح ہے۔ شیخ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع صرف وہی سنے جس کا نفس مردہ اور دل زندہ ہو۔ حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام پر خدا کی رحمتِ خاص تین موقعوں پر نازل ہوا کرتی ہے۔ (1) بوقت طعام (2) بوقت ذکر و کلام (3) بوقتِ سماع۔

رموزِ سماع

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فلسفہ سماع پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کا پس منظر یوں بیان فرماتے ہیں کہ ہر ''ذی روح'' چیز کو عالمِ بالا (عالمِ ارواح) سے اس دنیا میں اُتار دیا گیا ہے ''کُلُّ شَـئٍ یَرۡجِعُ اِلیٰ اَصۡلِہٖ '' (ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) کی حکمت کے پیشِ نظر اب ہر چیز اپنے اصل وطن کی طرف جانے کیلئے بے چین اور جدائی کے صدمے سے دوچار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

؎ بشنو از نئے چوں حکایت می کند ۔۔۔ وز جدائیہا شکایت می کند

یعنی بانسری سے سن لے کہ وہ اپنی (عالمِ ارواح سے) جدائی کی حکایت و شکایت بیان کرتی ہے۔ بانسری اپنی اصلیت اور حقیقت کی طرف خود نشاندہی کرتی ہے کہ:

؎ کز نیستاں تا مرا بُبریدہ اند ۔۔۔ از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جب سے مجھے جنگل (عالمِ ارواح) سے کاٹ کر اس محفل (عالمِ فنا) میں لائے تو مرد ہو یا عورت جو بھی میری آہ و فغاں جدائی سنے رونا شروع کر دیتا ہے۔ کیونکہ میں ان کی پیامبر اصلیت ہوں۔

؎ سرِّ من از نالۂ من دور نیست ۔۔۔ لیک چشم و گوش را آں نور نیست

میری حقیقت میری آواز سے دور نہیں ہے (کہ میری آواز میں لفظ ''کُن'' اور ''اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ'' کارفرما ہے) لیکن تمہاری آنکھ اور کان میں وہ نور حقیقت شناس نہیں کہ اس کی حقیقت کو دیکھ اور سن سکیں۔ مولانا اپنے حال جذب و کیف میں غرق ہو کر فرماتے ہیں کہ اے انسان! اس کی آواز کو صرف ایک ''آواز'' تک محدود نہ سمجھنا بلکہ:

؎ آتش است ایں بانگ نائے نیست باد ۔۔۔ ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

ان سازوں کی آواز میں تو آگ ہی آگ بھری ہوئی ہے ''ہوا'' نہیں ہے اور جس ذی روح میں یہ آتشِ عشق نہ ہو خدا کرے وہ نیست و نابود ہو جائے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے انسان حقیقت شناس بن:

؎ ہیچ میدانی صدائے چنگ و عود ۔۔۔ اَنۡتَ حَسۡبِیۡ اَنۡتَ کَافِیۡ یَا وَدُوۡد

تجھے کیا معلوم کہ ان لکڑیوں کے سازینہ میں کیا شور و غل ہے اور یہ کیا کہتے ہیں یہ تو خدا کی مختلف تعریفیں مثلاً اے محبّت والی ذات (یا ودود) تو ہی سب کچھ اور تو ہی کافی ہے۔ جیسی حمدِ خدا بیان کر رہی ہیں مگر تو غفلت کی وجہ سے ان کی حقیقت حال سے محروم ہے۔

حضرت خواجہ مہر علی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے غافل!۔

؎ ساعتے وا کن عُقال بَعیر را ۔۔۔ بشنو از نئے نالہ شب گیر را

تا بہ او یَعۡقِلُ بہ او یَبۡطِشُ شوی　　　ہم بدو یَسۡمَعُ بدو یُبۡصِرُ شوی

(ایک لمحے کیلئے تو اپنے آپ کو نفس ظالم کی بندھنوں سے آزاد کر کے بانسری کی آہ وفغانِ نیم شبی تو سن لے تا کہ تو اس سے قبض وبسط کا مزہ چکھ لے اور اس کی زبانی حقیقت حال سن لے اور پھر اسی سے (معشوق حقیقی کو) دیکھ سکے اور اس کی بات سن سکے۔)

مولانا جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ معترضین سماع کو یوں نصیحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎ منع سماع و نغمہ نئے می کند فقیہ　　　بیچارہ پے نبرد بہ سِرِّ نَفَخۡتُ فِیۡہ

(فقیہ شہر بیچارہ سماع اور بانسری کے ساز ینے سے اس لئے منع کرتا ہے کہ اسے ابھی تک "نَفَخۡتُ فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ "(یعنی میں نے ہر ذی روح میں اپنا روح پھونکا ہے یہ وہی روز ازل کی صدائے بازگشت ہے جو ہر شے میں شورش محشر برپا کئے ہوئے ہے) کی حقیقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اگر اسے اس کا علم ہوتا تو ہم پر ہرگز اعتراض نہ کرتا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس رمز کو لے کر فرماتے ہیں کہ لکڑی سے تو وہی روز ازل کی "قَالُوۡا بَلٰی "(جب خدا کے استفسار پر سب نے جواب دیا خدایا بے شک تو ہم سب کا رب ہے) کی آواز آرہی ہے مگر تو اے انسان! مردہ ہو کر ایسا خشک ہو گیا ہے کہ اشرف المخلوق ہو کر بھی تجھ میں آوازِ دوست کی پہچان نہیں رہی۔ فرماتے ہیں:

؎ خشک تارو خشک چوب و خشک پوست　　　از کجا می آید آں آواز دوست

تیرے تارو پود اور چوب و پوست (رگ وریشہ ہڈی چمڑی) سب خشک (مردہ) ہو چکے ہیں۔ تو پھر اس زندہ جاوید دوست کی آواز کہاں سے آئے۔ کیونکہ تو نے اس کی دوستی سے اپنے آپ کو جدا کر دیا ہے۔ وگرنہ:

؎ بالب دم ساز گرما جُفتمے　　　سخن ہائے گُفتنیہا گُفتمے

کاش! اس کی دوستی (قربت) حاصل کر کے اس کے ساتھ راز و نیاز رکھتے تو ہم بھی (آلات سماع کی طرح) اس کی بولیاں بولتے اور کہنے کی باتیں کہہ کر اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے۔ بہر حال سماع اور ساز و آواز اولیاء کرام کو لحن داؤدی علیہ السلام اور لفظ کن کی یاد دلاتے ہیں بقول اقبالؒ:

؎ حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو　　　لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

<u>جواز سماع</u>: جوازِ سماع پر اولیاءِ عظام کے علاوہ علماء حقیقت شناس نے بھی کافی کچھ لکھا ہے۔ اس موضوع پر حضرت حمام مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور ومعروف تصنیف "جوازِ سماع" ہے۔ دور حاضر میں غزالی زماں حضرت علامہ سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ (علاقہ ملتان میں ایک متبحر عالم باعمل اور صاحبِ فقر آدمی ہو گزرے ہیں) کی "اثباتُ السَّماع" ایک مبسوط تصنیف موجود ہے۔ حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ "قُوۡتُ الۡقُلُوۡب" میں بعد از تحقیق سماع یہاں تک فرماتے ہیں کہ "سماع کا منکر تو ّے بلند پایہ صدّیقین کا منکر ہے" علاوہ ازیں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی بنیادی

تصنیف ''احیاء العلوم'' اور دیگر کئی تصانیف میں متعدد مقامات پر جوازِ سماع کے موضوع پر پُر مغز اثبات و دلائل پیش کئے جو اصحابِ علم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

اصحابِ سلسلۂ نقشبند (وہ بھی اپنے دور کے مطابق) خاص کر اس کی مخالفت میں مشہور تھے مگر اس کے باوجود شاہِ نقشبنداں حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سماع کے بارے فرماتے ہیں کہ ''ہم نہ قوالی سنتے ہیں اور نہ منع کرتے ہیں کیونکہ بعض (کامل) اولیاء نے سنا اور بعض نے نہیں سنا'' (مکتوبات امامِ ربانی) لہٰذا تقاضائے وقت کے مطابق یہ ایک مباح کام ہے۔ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور صاحبِ ذوق حضرات اختیار بھی کر سکتے ہیں (حسب شرائط مذکورہ) اور ترک بھی کر سکتے ہیں۔

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی سماع کے بارے تصریح فرماتے ہیں۔ کہ ''پہلے پہل منظّم طریقے سے قوالی کا وجود تھا ہی نہیں۔ یہ سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مخلوق کو اپنی طرف برائے اصلاح متوجہ کرانے کیلئے بطور ہتھیار استعمال کیا تھا۔ جو بعد میں سلسلۂ چشتیہ کے ساتھ مخصوص ہو کے رہ گیا۔ اور اس دور میں ہم نے بھی تقاضائے وقت کے مطابق اپنے ہنر سے کام لیتے ہوئے قوالی کو اپنے سلسلے میں شامل کیا ہے۔ گو ہمارے سلسلے میں بھی (سلسلۂ چشتیہ کی طرح) اس سے قبل قوالی کا وجود نہیں تھا۔ (ملفوظات میں اس پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے) کیونکہ دیگر دینی محافل میں اس قدر لوگ نہیں آتے جس قدر محفلِ قوالی میں لوگ آجاتے ہیں۔ جس سے اس پُر فتن اور اندھے دور میں فقر کی تشہیر کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا بھی موقع مل جاتا ہے جو کہ ہمارا اصل مقصد ہوتا ہے۔ اس مقصد فقر و تبلیغ حاصل کرنے کے لئے ہم نے بھی قوالی کو سلطان الہند کی طرح بطور ہتھیار استعمال کیا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء اللہ ہی کی تعریف ہوتی ہے جو سراسر عبادت و ثواب کا کام ہے۔ بہر حال سماع اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی مرغوب روحانی غذا اور مرّوجہ رسمِ بزرگانِ دین رہی ہے اس لئے ان کی یاد تازہ کرنے کیلئے ہم بھی محافلِ سماع کا انتظام کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ رسم قیامت تک روحانیت کے ساتھ کسی نہ کسی طریقے سے ضرور منسلک رہے گی۔ خداوند کریم ہمیں اس کی حقیقت اور مقصد سے بہرہ مند فرمائے'' آمین۔

(ب) وجد

لفظ وجد، وجود اور وجدان سے ہے جس کے معانی حقیقت کا پانا اور کسی چیز کا حاصل کرنا ہے۔ حصولِ ذات الٰہی میں کوشاں جسے واجد (پانے والا) کہتے ہیں از روئے حدیث نبوی ﷺ ''مَنۡ جَدَّ وَجَدَ'' (جس نے کوشش کی اس نے رضائے الٰہی اور دیدارِ الٰہی حاصل کر لی)

اسی کوشش کے عروج کو وجد کہتے ہیں یعنی اس کا مقصد و مطلب معشوق حقیقی کا پانا ٹھہرا۔ اولیاء کرام کو وجد صرف سماع کے وقت ہی طاری نہیں ہوتا بلکہ خاص حالت میں جو بھی محرک آواز پہنچے ان پر حالت وجد طاری ہو جاتی ہے جس طرح کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو صلاح الدّین زرکوب کے ہتھوڑے کی آواز پر کیفیت وجد طاری ہو جاتی تھی۔ انسان تو انسان ہے خوش آوازی سے جانور بھی (بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ) متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے (جس طرح کہ لفظ حُدیٰ پر اونٹ بھی وجد میں آجاتا ہے اور بانسری کی آواز پر سانپ متاثر ہو کر ناچنے لگتا ہے) یہ ایک اکتسابی چیز نہیں بلکہ ایک فطری چیز ہے۔ حضرت شیخ ابونصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''اللُّمع'' میں اپنی ایک عجیب وغریب آپ بیتی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علاقہ دمشق میں شیخ دقّی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ ''میں جنگل میں تھا اور وہاں عربوں کے ایک قبیلہ کے ہاں گیا۔ ان میں سے ایک شخص نے میری ضیافت کی اور مجھے اپنے خیمے میں لے گیا۔ خیمے کے اندر پہنچ کر میں نے ایک سیاہ فام (بچہ) غلام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھا۔ پھر میں نے خیمے کے سامنے کچھ مرے ہوئے اونٹ دیکھے۔ ایک اور اونٹ دیکھا جو دُبلا تھا اور اس قدر مرجھایا ہوا تھا کہ ابھی مر جائے گا۔ دقّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے اس جکڑے ہوئے بچے نے کہا! آپ آج رات میرے آقا کے ہاں مہمان ہیں اور وہ آپ کی بڑی تعظیم کرتا ہے۔ آپ اس کے پاس سفارش کر کے میری بیڑیاں کھلوا دیں۔ وہ آپ کی بات کو رد نہیں کرے گا۔ دقّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب میرے سامنے کھانا رکھا گیا تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ بات میزبان کو بڑی ناگوار گزری۔ اُس نے اِس کا سبب پوچھا تو میں نے کہا! جب تک آپ اس بچے کا گناہ معاف نہیں کر دیں گے اور اس کی بیڑیاں نہ کھول دیں گے میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ میزبان نے کہا ارے بابا! اس نے تو مجھے فقیر کر دیا ہے اور میرے تمام اونٹ ہلاک کر دیئے ہیں اور اس نے مجھے اور میرے عیال کو دُکھ دیا ہے۔ میں نے پوچھا اس نے کیا کیا ہے؟ اُس نے کہا اس بچے کی آواز بہت سُریلی ہے اور میں ان اُونٹوں کی بار برداری پر زندگی گزارتا ہوں۔ اِس نے ان پر بھاری بوجھ لا دیا اور ''حُدیٰ خوانی'' کی اور تین راتوں کی مسافت ایک رات میں طے کر لی۔ اور یہ اس کی سریلی ''حُدیٰ خوانی'' کی وجہ سے تھا۔ جب یہ اونٹ ہمارے پاس پہنچے اور ان سے بار اُتارا گیا تو اس ایک اُونٹ کے سوا سب مر گئے۔ آپ میرے مہمان ہیں میں آپ کی تعظیم کی خاطر اسے معاف کرتا ہوں۔ دقّی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِس پر اُس نے اُس کی بیڑیاں کھول دیں اور ہم نے کھانا کھایا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اُس کا گانا سننا چاہا۔ لہٰذا میں نے اُسے گانا سنانے کو کہا۔ اِس پر میزبان نے اُس سے کہا کہ وہ اِس اونٹ پر حُدیٰ خوانی کرے جس پر کنویں سے پانی لایا

جاتا ہے۔ بچہ آگے بڑھا اور وہ اس اونٹ کو ہانکنے اور اسے حُدیٰ سنانے لگا۔ جب اس نے آواز بلند کی تو اونٹ دیوانہ ہوگیا اور اس نے اپنی رَسّیاں کاٹ ڈالیں اور میں خود منہ کے بل گر پڑا۔ میرا خیال نہیں کہ میں نے کبھی اس سے بہتر آواز سنی ہو۔ اس کا مالک چلاّ رہا تھا اور کہہ رہا تھا ارے! تُو میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے تُو نے تو میرے (ایک) اونٹ کو بھی خراب (ہلاک) کردیا یہاں سے چلے جاؤ۔'' (اللّمع فی التصوف: کتاب السماع)

حقیقتِ وجد و رقص: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ مسجد میں شور کی آوازیں آرہی تھیں اور اچانک مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آواز دی، عائشہ! اِدھر آؤ، تو میں گئی اور مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پُشت مبارک کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ فرماتی ہیں کہ کچھ حبشی تھے جو رقص کررہے تھے۔ اور وہ زبان سے کچھ کہتے تھے جس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سمجھ نہیں آرہی تھی تو فرمایا یہ کیا کہتے ہیں؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لوگ اپنے رقص کے دوران یہ کہہ رہے ہیں کہ ''مُحَمَّدٌ عَبدٌ صَالِحٌ'' آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بہت دیر وہ رقص کرتے رہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا عائشہ! سیر ہو گئی ہو؟ تو میں نے عرض کیا نہیں ابھی سیر نہیں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ ایک ٹانگ اُٹھاتے تھے اور دوسری پر رقص کرتے تھے۔ (طبرانی فی المعجم الاوسط، ج۹)

حکمتِ وجد: حضرت شیخ ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع کا سننے والا مبتدی (ابتدائی سالک) حجاب اور مشاہدہ کے بین بین ہوتا ہے یعنی نفس اور روح دونوں اس کے شامل حال ہوتے ہیں۔ اس لئے وجد صرف مبتدی ہی کو آتا ہے جس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ انسان میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک روح جس کا تعلق عالم بالا سے ہے اور دوسرا نفس جس کا تعلّق عالم خاکی (زمین) سے ہے۔ بوقت وجد روح تو اسے اپنے اصل یعنی اوپر آسمان کی طرف کھینچتا ہے اور نفس اسے اپنی اصل نیچے مٹی کی طرف کھینچتا ہے۔ مبتدی کا وجد اسی عالم کشمکش میں واقع ہوتا ہے۔ مگر حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد نفس کی طرف سے ہوتا ہے۔ (جب نفس مقام لوّامہ پر ہو) لیکن (مقام مطمئنہ پر) روح جب نفس پر غالب آجائے (اور ان کی آپس میں دوستی ہوجائے) تو پھر وجد (کشمکش بین الحصولی والحرومی) طاری نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ لطافت کثافت پر ہمیشہ غالب ہوتی ہے۔ پھر روح بغیر جسم کے بندھن کے اپنی لطافت کے ذریعے محو پرواز ہوتی ہے اس لئے اس مقام پر وجد ناقص شمار ہوتا ہے صوفیاء فرماتے ہیں ''اَلرَّقصُ نُقصٌ اِلیٰ وَجهِ النَّفس'' یعنی وجد اگر تحریک نفس سے ہو تو وہ نقص ہے۔ مگر یہ نقص بھی وجدِ حقیقی کی طرف لے جانے کیلئے صرف غنیمت نہیں بلکہ انمول ہے۔ کیونکہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ''جسے وجد نصیب نہیں اسے دین بھی حاصل نہیں'' (روحانی کیفیت جو ظاہری ہو یا باطنی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ حجابات نفس ارضی و ظلمانی ہیں اور حجابات قلب سماوی و نورانی ہیں۔ جس کو حجابِ قلب تک واقع نہیں ہوا۔ (جس طرح کہ مادرزاد ولی اللہ ہوتے ہیں) وہ وجد نہیں کرتا اور نہ اس پر ظاہری حالت وجد طاری ہوسکتی ہے۔ مزید برآں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد کا تعلّق واردات و تجلّیات صفات سے ہے۔ مگر جو

ذات تک پہنچ جائے تو اس کیلئے پھر وجد باعث دوری اور لایعنی ہے اس لئے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ محفل سماع میں آپ کو وجد کیوں نہیں آتا۔ جواب دیا کہ ''تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ'' یعنی پہاڑ دیکھنے سے تو منجمد (ساکت) لگتے ہیں مگر حقیقت میں (لاوے کی وجہ سے یا فنائیت کی صفت سے) وہ بادلوں کی طرح تیزی سے گردش میں ہوتے ہیں۔ ہم بھی ظاہری طور پر تو ساکت اور باطنی طور پر محوِ گردش ہوتے ہیں۔

ابتداء میں ظاہری وجد کا تعلّق لاشعوری (عالم سکر) سے ہوتا ہے مگر انتہا میں باطنی وجد کا تعلّق شعور (عالم صحو) سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی محفل سماع میں جہاں عام لوگ تو تڑپ رہے ہوتے ہیں مگر آپ کے وجود مبارک کو حرکت تک نہیں آتی۔ وجد کے بارے میں حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول قولِ آخر ہے فرماتے ہیں کہ: وجد کی دس قسمیں ہیں جو واجد (وجد کرنے والا طالب حصول) کے ظاہر اور باطن دونوں پر اثر انداز ہوئے ہوتے ہیں کسی میں ظاہری آثار کا پتہ چل جاتا ہے جو اکثر مبتدی ہوا کرتے ہیں اور کسی میں ظاہری آثار بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں جو منتہی المراد اولیاء ہوتے ہیں۔ نیز وجد خدا کی طرف سے ایک نورانی کیفیت ہوتی ہے۔ جو طالب کے روح پر بوقت سماع (مرشد کامل کے توسط سے) القاء کی جاتی ہے اور یہ کیفیت اکثر و بیشتر حجابات وظلمات کے خاتمہ کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ جو خدا کی طرف سے اپنے ایک بندہ خاص کو انعام خاص ہے۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ روبروئے مرشد اپنے عالم وجد کی ایک رات کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں کہ:

؎ نمی دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم ۔۔۔ بہر سو رقصِ بسمل بود شب جائیکہ من بودم

رات میں ایک ایسی محفل جانگداز میں موجود تھا جو سراپا عالم کیف و وجد میں غرق تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مقام فرش تھا یا مقام عرش لیکن نظر جس طرف جاتی پروانے شمع کے چاروں طرف رقص کناں نظر آرہے تھے یعنی میرے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ جیسی شمع کے اردگرد محفل سماع میں عقیدت مند پروانوں کی طرح عالم وجد میں رقصاں نظر آرہے تھے۔

؎ خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسرو ۔۔۔ محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بود

(اے خسرو! رات عرش لامکاں میں خدا کی ذات خود میرِ مجلس تھی اور ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شمع بن کر محفل عشاق کو جگمگا رہی تھی)

دراصل یہ عالم وجد اولیاء کرام کو نگاہِ باطن کے ذریعے طاری ہوتا رہتا ہے جو بوقت سماع روبروئے مرشد یا بوقت دیدارِ الٰہی۔

حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تاریخی و وجدانی غزل

حضرت شیخ عثمان المعروف حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تاریخی اور وجدانی غزل پیش خدمت ہے۔ اور یہی غزل اس مضمون کی حرف آخر ہے۔

ز عشق دوست ہر ساعت درونِ نارمی رقصم
گہے در خاک می غلطم گہے برخارمی رقصم
بیا اَئے مُطرب مجلس سماعِ ذوق را در دِہ
کہ مَن از شادیٔ وصلش قلندر وارمی رقصم
شدم بدنام در عشقش بیا ائے پارسا اکنوں
نمیترسم ز رسوائی سر بازارمی رقصم
خلائق گر کند برمن ملامت زیں سبب ہردم
مگر نازم بایں ذوقیکہ پیش یارمی رقصم
منم عثمان مروندی کہ یار شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بردارمی رقصم

(1) میں ہر لحہ عشق مرشد میں بریاں آگ میں رقص (وجد) کرتا رہتا ہوں کبھی مٹی پر اور کبھی کانٹوں پر تڑپتا ہوں۔

(2) اے قوّال! مہربانی کر کے مجھے ذرا سماع کے ذوق سے تو آشنا کر دے تا کہ میں بھی وصلِ یار کی خوشی میں مست قلندروں کی طرح رقص کرتا پھروں۔

(3) اے پارسا دوستو! میں تو عشقِ مرشد میں مکمّل بدنام ہو گیا ہوں اس رسوائی سے کیا ڈرنا میں تو اب سرِ بازار عالمِ وجد میں وجد کرتا رہوں گا۔

(4) عشق مرشد کی بناء پر لوگ اگر مجھے ملامت بھی کرتے پھریں مگر پھر بھی ہر دم مجھے اس ذوق دیدار پر فخر ہے کہ میں اپنے دوست کے سامنے رقص کر رہا ہوں۔

(5) میں عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ ہوں اور مقتولِ عشق شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا دوست ہوں۔ لوگ اگر چہ مجھے ملامت کرتے رہیں مگر پھر بھی میں منصور کی طرح تختہ دار کو چوم کر اس پر رقص کرتا رہوں گا۔

(۱۲) حقیقت فناء وبقا

لفظ فنا عربی زبان سے ماخوذ ہے جس کے معانی ظاہری و باطنی صورت میں کسی چیز کے مکمّل ختم ہونے کے ہیں یا اردگرد اور ''صحن خانہ'' کے علاوہ نیست و نابود اور مر مٹنے کے بھی آتے ہیں۔ یہ لفظ لغوی صورت میں بھی اپنی حقیقت کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ اور فنا کے بعد دوبارہ کسی چیز کے از سر نو ابھرنے اور پہلے سے درجہا بہتر صورت میں نمودار ہو کر پاک اور صاف ماحول میں پرورش پانے کو بقا کہتے ہیں۔ پہلی صورت بمنزلہ مجاز کے ہے اور اب دوسری صورت بمنزلہ حقیقت کے ہے مگر مولانا رومیؒ مسلک صوفیاء کے پیش نظر اس بات کی یوں عکاسی کرتے ہیں کہ:

؎ ایں بقا ہا از فنا ہا یافتی پس چرا تو رو ازیں بر تافتی

یعنی اے انسان یہ جو موجودہ ہستی کی نعمتیں اور بقاء کو تو نے حاصل کیا ہوا ہے یہ سب فنا کے طفیل سے ہے جبکہ ایک وقت تو عدم محض اور وجود ظاہری و باطنی میں تھا ہی نہیں۔ خدا نے اپنی قدرت کاملہ اور مہربانی خاصہ سے تجھے لباس ہستی پہنایا ہے۔ پھر تو اب اس فنا (فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق مرنے سے پہلے مر جاؤ) سے کیوں روگردانی کر رہا ہے اس فنا میں تو نفع ہی نفع اور بقا ہی بقا ہے۔ جس طرح اصطلاحِ عام میں فنا فی الدنیا، فنا فی التفکّرات اور فنا فی اللذائذ استعمال ہوتے ہیں اس طرح اصطلاحِ تصوف میں بھی یکے بعد دیگرے تین مقامات ہیں پہلا مقام فنا فی الشیخ، دوسرا مقام فنا فی الرسول اور تیسرا مقام فنا فی اللہ ہے۔ پھر جس طرح ایک شخص دنیاوی تفکّرات اور لذائذ و خواہشات میں فنا ہونے سے دونوں جہانوں کے خسارے میں مبتلا ہو کر نیست و نابود اور عذاب دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے اس طرح ایک شخص اپنے شیخ کامل کی ہستی میں، رسول خدا ﷺ کی ہستی میں اور ذات خدا میں اپنے آپ کو فنا کر دے تو اس دنیا میں بھی حیاتِ دوام اور آخرت میں بھی مستحق بہشت اور دیدارِ الٰہی سے سرفراز کیا جاتا ہے بقول حافظؒ:

؎ ہرگز نمیرد آنکس کہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالَمِ دَوام ما

یعنی جس کا دل عشق کی تابانیوں سے زندہ ہو گیا۔ بقائے دوامی کے صحیفہ الٰہی پر اس کا نام لکھ دیا گیا۔

قرآنی فنا و بقا کا ظاہری فلسفہ: قرآن کریم میں ظاہری فنا و بقا کا مسلک اس قدر واضح اور تاکید کے ساتھ پیش کیا گیا کہ ہر صاحبِ شعور کو بغیر اس کے قبول کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہیں خداوند کریم انسان سے مخاطب ہو کر یقین دلاتا ہے کہ: ''مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ'' (نحل:96) یعنی اے انسان! جو تمہارے پاس ہے (ختم ہو کر) فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے صرف وہی ہمیشہ رہنے والا (باقی) ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا یہ قول مبارک اس آیت کی خوب تشریح کرتا ہے۔

؎ فان المال يغنى عن قريباً وان العلم يغنى لا يزال

(مال و دولت جس کا تعلّق انسان سے ہے فنا ہے اور علم معرفت حق کہ جس کا تعلّق خدا سے ہے اسے بقا ہی بقا ہے۔) بقول اقبالؒ:

؎ یہ مال و دولتِ دنیا ، یہ رشتہ و پیوند　　　بتانِ وہم و گماں ! لا الٰہ الا اللہ

ایک مقام پر خداوندکریم نے اس حقیقت کو یوں واضح کر کے بیان فرمایا۔ ''کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ () وَّیَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُوالۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ'' (رحمٰن: 27)

''زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والی'' عرض کیا گیا خدایا! کیا سب کیلئے فنا ہے؟ خداوندکریم نے قربانی صدیق رضی اللہ عنہ کو عملی نمونہ بنا کر کہ جب انہوں نے اپنا سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا خوشخبری سنا دی کہ اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدیق رضی اللہ عنہ تم ملامت خلق سے رنجیدہ خاطر اور پریشان ہرگز نہ ہوں۔ تمہارے لئے تو تمہارے اعمال کی وجہ سے بقا ہی بقا ہے فرمایا: ''وَمَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ'' (شوریٰ: 36) ''اور جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے۔ اور زیادہ باقی رہنے والا ان کیلئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں''۔ یعنی اپنا سب کچھ ختم کر کے خالص اپنے خالق پر توکل کرنے والا میری ذات کے ساتھ بقا میں شامل ہے۔ جسے اولیاء کرام فنافی اللہ و بقاباللہ سے تعبیر کرتے ہیں بقول مجدد الف ثانیؒ:

؎ تا ز جاروبِ ''لا'' نہ روبی راہ　　　نہ رسی در سرائی ''اِلَّا اللّٰہ''

یعنی جب تک تو اپنے صحن دل میں موجود (غیر اللہ کے خس و خاشاک) کو ''لا'' (نفی) کے جھاڑو سے صاف نہ کرے اس وقت تک (خانہ الا اللہ) اثبات خدا کو نہ پہنچ سکے گا۔

خداوندکریم کا اپنے خاص بندوں سے فرمان ہوتا ہے ''میں معرفتِ اسماء کیلئے ادب اور معرفتِ ذات کیلئے استہلاک یعنی ہلاکت و فنا لازمی گردانتا ہوں'' اقبالؒ نے کہا ہے:

؎ مرد مومن در نسازد باصفات　　　مصطفٰیؐ راضی نشُد الا بذات

(مرد مومن ''صفات الٰہی'' میں الجھ کر محدود نہیں رہ سکتا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ''ذات الٰہی'' تک پہنچے بغیر راضی نہ رہ سکے۔)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ ہیچ کس را تا نگردد او فنا　　　نیست راہ در بارگاہِ کبریا

(کوئی شخص جب تک فنا کی گھاٹ نہ اترے خدا کی بارگاہ میں باریابی حاصل نہیں کرسکتا۔)

<u>قرآنی فنا و بقا کا باطنی فلسفہ:</u> قرآن کریم کی باطنی تفاسیر اور تشریح و توضیحات کا اکثر تعلّق اولیاء کاملین سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے باطنی نور بصیرت کی تحقیق کے مطابق قرآن کریم کے ہر لفظ کے نیچے ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے جسے ہر شخص اپنے ظرفِ نظر کے مطابق حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ فنا و بقا کی حقیقت

سمجھنے کیلئے قرآن کریم کی ایک باطنی جھلک صوفیاءعظام کی تحقیق کے مطابق پیش کی جاتی ہے کہ: ''اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا'' (نمل: 34) (بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں۔)

صوفیانہ تفسیر میں جب شہنشاہ کل عالم! ذات خدا انسانی قالب (بستی) میں آن داخل ہو جائے تو اس کے وجود فانی کو ایک بار فنا و تباہ کر کے دوبارہ وجود باقی کی تعمیر کرتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ ہر بنائے کہنہ کآباد آں کنند — اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

(ہر پرانی عمارت کی جب از سرنو تعمیر کرتے ہیں تو پہلے اس کی بنیادوں تک سب کچھ توڑ پھوڑ کر ختم کر ڈالتے ہیں تب نئی عمارت کی سنگ بنیاد (اولیاء کرام بیعت سے) ڈالتے ہیں۔) یعنی پہلی عمارت ختم کر کے جب نئی عمارت بادشاہ کی شایان شان بنادی جائے گی تو پھر جس طرح کہ خدا فرماتا ہے زمین و آسمان (انسان کے اربعہ عناصر اور لطائف) بنا کر میں نے پھر عرش (اس نئی عمارت میں موجود دل مومن) پر اپنا خاص ٹھکانا (استوٰی) اختیار کیا۔ خدا خود آ کر اس میں موجود ہو کر بسیرا اختیار کرتا ہے۔'' اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ''(یونس: 3) (بیشک تمہارا رب ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استویٰ فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ کام کی تدبیر فرماتا ہے۔)

کیونکہ مقام بقا میں قلب مومن (از روئے حدیث قُلُوْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہ) عرش الٰہی بن جاتا ہے۔ پھر لوح محفوظ جو کہ عرش لامکاں میں موجود ہے بھی خود بخود قلب مومن میں آ کر موجود ہوتا ہے۔ وہ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث قدسی کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ گفت پیغمبرؐ کہ حق فرمودہ است — من نگنجم ہیچ در بالاؤ پست
در زمین و آسمان و عرش نیز — من نگنجم ایں یقین داں اے عزیز
در دلِ مومن بگنجم اے عجب — گر مرا جوئی در آں دلہا طلب

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا فرماتا ہے کہ میں کسی بلند اور پست جگہ زمین و آسمان اور عرش تک یقیناً نہیں سما سکتا۔ اے طالب تو اگر مجھے طلب کرے تو میں مومن کے دل میں موجود ہوتا ہوں وہاں سے مجھے حاصل کر لے۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانڑیں ھو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونج مہانڑیں ھو
چودہ طبق دلیں دے اندر تنبوں وانگیں تانڑیں ھو
میں صدقے جاواں تنہاں توں باھو جنہیں لگائے دل ٹھکانڑیں ھو

ان سب باتوں کا نچوڑ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی شعر میں پیش کر دیتے ہیں کہ:

؎ دل بدست آور کہ حج اکبر است　　　　وز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یعنی حقیقتِ دل معلوم کرلے کہ یہی حج اکبر! براہ راست دیدارِ الٰہی کا مقام ہے۔ اگر تو نے صرف اپنے ایک دل کی حقیقت معلوم کرلی تو تُو جان جائے گا کہ ہزار کعبہ سے ایک ہی دل بہتر ہے۔

صوفیائے اسلام کے نزدیک حصول فنا و بقا کا طریق کار

صوفیائے اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ہر دور کے مطابق اپنی نور بصیرت کے ساتھ اس مسئلے کو عام فہم اور ماحول کے مطابق آسان تر طریقے سے مخلوق کے سامنے پیش کیا۔ اس کا آغاز خلاف نفس اور انتہا روح و نفس کی الفت پر ہے۔ پھر ہر دور میں خلاف نفس کے ظاہری طریقے مختلف اور باطنی طریقے (عبادت و ریاضت، بھوک، پیاس، عجز و صبر وغیرہ) ایک ہی رہے ہیں۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی خلاف نفس کے معاملے میں ظاہری طور پر لباس صوفیاء زلف اور ذکر کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ اس دور کے مطابق یہ چیزیں عوام میں زیادہ تر نمایاں اور ہدف تنقید بنی ہوئی ہیں جبکہ ہر طرف مغربی تہذیب کے جھونکوں سے بچاتے ہوئے چراغِ سُنّتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلائے رکھنا ایک خاص صاحب ہمت اور صاحب ایمان مرد مومن کا کام ہے۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کیلئے مختلف اولیاء کرام کی آراء بیان کی جاتی ہیں۔ صوفیاءِ عظام فرماتے ہیں کہ ''علمِ نفس اور ارادہ نفس کو علمِ الٰہی اور ارادۂ الٰہی کے تابع کر کے نفس کو ہستی الٰہی میں فنا کرنے کے بعد حدود بقاء و رضا میں قدم رکھنا مقام فنا فی اللہ ہے۔'' مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ رَو نفیِ وجود کن کہ در خود یابی　　　　چیزیکہ نیابی در فَصُوص و لُمعات

(جا! علم الٰہی اور ارادۂ الٰہی سے اپنے وجود کی نفی کرلے تب تو اپنے اندر وہ چیز پالے گا جو فصوص الحکم ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور لُمعاتِ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی (اسرار و رموز صوفیانہ) کتابوں میں بھی تجھے نہ مل سکے گا۔)

کئی مشائخ عظام فنا سے ''مخالفاتِ الٰہی افعال کو فنا کرنا'' اور بقا سے ''موافقات الٰہی افعال کو باقی رکھنا'' مراد لیتے ہیں حضرت شیخ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ فنا ترک ہوا را نام کردند　　　　بقا جملہ صفاتش را شُمُردند

یعنی مسلک عارفین میں ''ترک خواہشات'' کو فنا کا نام دیتے ہیں اور ''جملہ صفات الٰہی کے اختیار کرنے'' کو ''بقا'' شمار کرتے ہیں۔ نیز مشائخ طریقت کے مطابق فنا کا مطلب یہ ہے کہ ''مرید میں کوئی خواہش باقی نہ رہے اور اسے اپنے ناقص ہونے کا مکمّل احساس (یقین) ہو جائے'' کیونکہ جسے اپنے فنا کا علم نہ ہو اس وقت تک اسے بقائے حق کا عرفان بھی نہیں ہو سکتا عارفِ رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر اپنی آپ بیتی اپنی زبانی بیان کی:

؎ جُبّہ و دستار، علم و قِیل و قال — جملہ در آب رواں انداختیم

(دائرۂ معرفت میں آتے ہی ہم نے جملہ لوازمات ظاہری جُبّہ، دستار، علم، مباحثہ، علوم نقلی وعقلی جنکا تعلّق روایات واستدلال کے ساتھ ہے سب کو بیک وقت دریائے رواں میں ڈال دیا تا کہ ظاہر وباطن میں صرف خیال دوست رہے۔)

؎ خرد کی گھتیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر! (اقبالؒ)

معرفت حق کا پہلا مطالبہ عقل سُود و زِیاں اور حِسّ خود بین کا مکمّل طور پر سلب کرنا ہے۔ عارف باللہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ عروسِ معرفت چوں رخ کُشاید — زِ حسن خویش عقل از تو رُباید

سالک کو معرفت کی دُلہن جب اپنا چہرہ دکھائے تو اپنے حسنِ بے مثال کی کشش سے پہلی ہی نظر سے ''عقل'' چھین لیتی ہے۔ مقامِ معرفت مقام عشق ہے۔ اقبالؒ:

؎ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ آں خیالاتیکہ دامِ اولیاء است — عکس مہر و یان بستان خداست

یعنی اولیاءکرام کے دام معرفت (عشق الٰہی کے جال) میں خداوندکریم کے ذاتی باغ کے سب حسین اور خوبرو موجود ہیں۔ اس لئے اہل دنیا کی طرف وہ توجہ دیتے ہی نہیں۔ کیونکہ فنا میں سب مجازی اور کسبی علوم سلب (ختم) کئے جاتے ہیں۔ پھر مقام بقا میں ان کے بدلے سب علوم وَہبی (فطری لدنی، باطنی، وجدانی) عطا کئے جاتے ہیں۔ بقول مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط فنا کو قبول نہ کیا تھا۔ علوم معرفت سے محروم رہا۔ فرمایا:

؎ گر بِاستدلال کار دیں بدے — فخر رازی راز دار دیں بدے

(اگر عقلی دلائل سے فہم دین (معرفت حق) حاصل ہوتی تو فخر الدین رازی بھی دین کے راز دار (محرم اسرار الٰہی) ہوتے۔) مگر عقل ومعرفت دونوں جداگانہ راستے ہیں۔ صوفیاءکرام فرماتے ہیں کہ فنا دہلیز بقا ہے اس طرح کہ ''ایک صفت کی فناء سے دوسری صفت کی بقا کا نمودار ہونا ایک لازمی امر ہے۔ یعنی ہر بشری صفت کی فنا سے ایک خدا کی صفت رونما ہوتی ہے۔ پھر خدا کی صفت کو تو ہرگز فنا نہیں'' حکماءِ اسلام کی تحقیق ہے کہ ''وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنَ الْاَشْيَاء'' یعنی حقیقتِ اشیاء ان کے اضداد کے ذریعے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو مزید یوں واضح فرمایا تھا کہ ''اپنے آپ کو آخر فنا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ صفات دوست کا آئینہ بن جانا اس کا اصل جواب ہے'' جس طرح خدا دنیا ومافیہا سے بے نیاز ہوتا ہے ایک طالب حقیقت بھی اس صفت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مسلک اولیاء میں اوصافِ بشریت

کی نفی اور اوصاف خداوندی کا اثبات کرنا فنا و بقا اور نفی و اثبات ہے۔

؎ بندگانِ حق رحیم و بردبار　　　خوئے حق دارند در اِصلاحِ کار

(اللہ کریم کے مہربان و بردبار بندے تمام معاملاتِ تبلیغ و اصلاح میں اللہ کی خُو (عادات) اختیار کر لیتے ہیں۔)

ایک مرشد کامل کے ناطے سے اس کا پس منظر یوں ہے کہ ''خداوند کریم جلال کی تجلّیوں سے دوستوں کے نفس کو فنا اور پھر اپنے جمال کے نور سے ان کے باطن کو بقا بخشتا ہے'' از روئے حدیث کہ جلال حق جب انسانی قلب پر غلبہ کرتا ہے تو اس وقت انسان اپنی ذات سے مکمّل طور پر فنا ہو جاتا ہے جس سے شان الٰہی کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اس مقام پر شارعِ اسلام ﷺ نے فرمایا کہ ''حق عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے گویا ہے'' مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کی مناسبت سے فرمایا تھا ''اس کے کمال کے بھیدوں کا خزانہ ہم ہیں۔ اس کے جمال کے انوار کا شیشہ ہم ہیں۔ اس کی جلال پر سے پردوں کو ہٹا کر لوگوں کو حقیقت جلال دکھانے والے ہم ہیں یہاں تک کہ اس کی توحید کے تاروں کو چھیڑنے والے بھی ہم ہی ہیں۔''

مغربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو آخری جامہ یوں پہنایا کہ:

؎ ما جامِ جہاں نمائے ذاتیم　　　ما مظہرِ جملہ صفاتیم

سلطانِ سریرِ قاب قوسین　　　مائیم و از طفیلِ ماست کونین

''ہم اس کی ذات کے جام (جامِ جمشید) ہیں جس میں اس کی ساری خدائی نظر آتی ہے۔ ہم اس کی سب صفات کا مظہر ہیں۔ یہاں تک کہ قاب قوسین کے تخت پر جلوہ افروز بادشاہ ہم ہیں اور ہماری ہی بدولت دونوں جہاں قائم ہیں۔''

ایک شاعر نے مسئلہ فنا و بقا کی حقیقت کو اس طرح بیان کیا:

؎ فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے　　　کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

یعنی سالک کیلئے مقامات فنا و بقا مقامات آشنا ہیں خدا کا انسان کے گھر (قلب) میں آنا فنا اور پھر اس کا عروج کر کے خدا کے گھر (عرشِ مُعلٰی پر) جانا بقا ہے۔ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس رمز کو اس طرح بیان کیا کہ:

؎ زِ آشوبِ دماغِ پُر تحیّر　　　گہے خود درا ''صدف'' بینم گہے ''دُر''

یعنی میں اپنے عقل و شعور کے حیرت کدہ میں اپنے آپ کو کبھی سیپ (جس میں خدا کی ذات موتی بن کر جلوہ گری فرماتی ہے) اور کبھی موتی (خدا کی ذات (سیپ) میں موجود) پاتا ہوں۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''تذکرۃ الاولیاء'' فرماتے ہیں کہ:

؎ قطرہ در دریا فتاد و شد فنا　　　عین دریا گشتنش باشد بقا

(بارش کے قطرے کا دریا میں گر کر فنا ہونا فنا کی مثال ہے پر اس قطرے کا عین دریا (یا جزو دریا) بن جانا بقا کی مثال ہے۔) حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ مقام فنا کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ ذاکر و مذکور و ذکرت یک شُود　　　اندر ایں دم غیر حق بے شک رَود

یعنی اس مقام پر ذاکر (طالب) مذکور (خدا تعالیٰ) اور ذکر (اوصاف مابین) سب ایک بن جاتے ہیں غیر حق کا یہاں پر گزر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ بقول جامیؒ:

؎ معشوق، عشق، عاشق ہر سہ یک است اینجا　　　چوں وصل در نگُنجد ہجراں چہ کار دارد

اس مقام پر معشوق، عشق اور عاشق تینوں ایک ہی ہو جاتے ہیں جب وَصل تک کی گنجائش نہیں ہے (دو مختلف وجود کے آپس میں ملنے کو وصل کہتے ہیں۔ جب دوئی ہی ختم ہو گئی) تو جُدائی کا کیا مطلب؟

مقاماتِ فنا و بقا کے ثمرات اور فوائد: جب سالک فنا سے بقا (نفس مطمئنہ سے نفس ملہمہ) کی طرف لوٹتا ہے تو اسے اس کا نفس بذریعہ نگاہِ مرشد اور عبادت و ریاضت کے دباغت ہو کر (تمام آلائش ظاہری و باطنی سے پاک و صاف) اپنے تمام تر اوصاف حمیدہ کے ساتھ واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔ اسلام حقیقی سے مشرف ہو کر پیکر تسلیم و رضا بن چکا ہوتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "بقا کی تکمیل ظاہر و باطن کے مکمّل فنا ہونے سے ہوتی ہے۔ اور مقام فنا میں اختیارات سلب کرنے کے بعد مقام بقا پر جب خدا تعالیٰ بندے کو سب اختیارات واپس کر دیتا ہے تو پھر وہ جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ اب اسے اجازت و منتظر رہنے کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اب اس کا فعل عین فعل خدا ہوتا ہے۔ بقول رومیؒ

؎ گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(ولی اللہ کی بات خدا کی بات ہوتی ہے وہ اگرچہ ظاہری صورت میں خدا کے کسی خاص بندے کی زبان سے ادا ہو رہی ہو۔) مقام بقاباللہ ہی میں ولی اللہ کو حقیقتِ کائنات، آسمان، زمین، بہشت، دوزخ وغیرہ کا پتہ چل جاتا ہے نیز مقام فنا میں ترک اسباب لازم ہے اور مقام بقا میں اختیار اسباب لازم ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس مقام پر منتہٰی، مبتدیوں کی ظاہری حالت کی طرح امتزاج خلق کی خاطر واپس لوٹتے ہیں۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح اختیار اور ترک اختیار ان کی اپنی مرضی پر چھوڑا جاتا ہے کیونکہ یہ مقامِ محبوبیّت ہے اور اس میں خود خدا کو ان کی رضا مطلوب ہوا کرتی ہے: بقول اقبالؒ:

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

مرشدِ کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں افسوس ہے کہ خدا کی معرفت آوازیں مار رہی ہے مگر میدان معرفت شہسواروں سے خالی ہے۔ معلوم نہیں کہ مخلوق کو کیا ہو گیا کوئی بھی اس میدان میں آنے کو تیار نہیں۔

(الف) مقامِ فنافی الشیخ

مقامِ فنافی الشیخ ایک مقامِ خاص ہے جو روزِ ازل سے خدا کے خاص اہلِ دل بندوں کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔اس لئے یہ مضمون عوام الناس کیلئے نہیں ہے جو بغیر سمجھے اسے ہدف تنقید بنا ڈالیں بلکہ یہ صرف صاحبِ نسبت اور صاحبِ ذوق مسلمان کیلئے ہے۔بقول جامیؒ:

؎ دریں وحشت سرائے پر علائق　　سماع ایں نوا را نیست لائق
جز آں کس کز نوائے بینوائی　　کند فہم رموزِ آشنائی

یعنی آلائشوں سے بھری ہوئی اس وحشت سرا (دنیا) میں کوئی شخص اس آوازِ حق کو سننے کے قابل نہیں ہے۔بغیر اس شخص کے جو حقیقت شناس ہو کہ ان رموز آشنائی کو سن کر سمجھ سکے۔شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نا آشنائی کی وجہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

؎ تو نداری ذوق اربابِ صفا　　گشتہ ئ زاں منکر اہل خدا

(تو صاف باطن لوگوں کے ذوق وشوق سے محروم ہے اس لئے (عدم مناسبت کی وجہ سے) اہل باطن اولیاء اللہ کا منکر ہو گیا ہے) حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ تو صاحبِ نفسی اے عاقل میان خاک وخوں می خور
کہ صاحب دل اگر زہرے خورد او انگبیں باشد

(اے عقل کا مارا انسان تو صاحبِ نفس واقع ہوا ہے۔صرف خون کے ذریعے چلنے پھرنے اور مٹی میں اُگی ہوئی چیزوں کے کھانے (خاک وخوں) تک محدود ہے۔تجھے اُن صاحب دل لوگوں کے حال کی کیا خبر اگر وہ زہر بھی پی لیں تو ان کے لئے شہد بن جائے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ فقدانِ ذوق قرار دے دیا ہے۔

؎ بو علی دانندۂ آب و گل است　　بے خبر از خستگیہائے دل است

بوعلی سینا (صاحب عقل سائنسدان) کا علم آب وگل پر تجربات کرنے تک محدود ہے۔اسے دل کے ٹوٹنے کے ذوق کی خبر تک نہیں ہے کہ علوم دل اور عارف دل کیا ہے۔اس تک پہنچنا صرف صاحب دل اور شکستہ دل لوگوں کا کام ہے۔

؎ رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے ممبر کی　　کہ منصورؒ کی سولی کو سمجھ بیٹھا رقیب اپنا

<u>فنافی الشیخ کا مطلب:</u> ایک سالک کا اپنے مرشد کامل کی ظاہری و باطنی اطاعت میں رنگ جانا اور عشق ومحبّت کی بنیاد پر اپنی ہستی (خودی) کو مرشد کی ہستی میں فنا کرنا طریق اولیاء اللہ اور مسلک صوفیاء میں ''فنافی الشیخ'' کہلاتا ہے۔

<u>فنافی الشیخ کا ظاہری ثبوت:</u> اپنے مرشد کا ہم شکل اور خوب ظاہری نقل (مشابہت) ہو۔بقول مرشد کریم بابا

بنوں والی سرکار مدظلہ العالی کے کہ پہلے پہل میری یہ شکل نہیں تھی مگر بارگاہِ مرشد میں جب بھی باریابی ہوتی صرف یہی التجا رہتی خدایا! اگر کچھ دینا ہے تو صرف مرشد کی طرح بنا دے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ میری خدمت میں استقامت اور مرشد کریم کی دُعا و توجہ سے یہ شکل نصیب ہوئی ہے۔ اب جو بھی دیکھتا ہے جس نے میرے مرشد کو دیکھا ہوا ہو بے ساختہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سبحان اللہ شاہ صاحب کی شکل تو بالکل صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے بیٹے تک کا خیال نہ رکھنا کہ ''اگر دورانِ جہاد تُو (بیٹا) میری تلوار کی زد میں آتا تو ہرگز بچ کر نہ نکلتا کیونکہ تو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف تھا۔''

(مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی کے ساتھ بھی سب عزیز و اقارب نے اس بات پر کئی سال تک بائیکاٹ کیا تھا کہ تو ایک پنجابی پیر کے پیچھے دیوانہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا نہ تُو ہمارا رہا ہے اور نہ پٹھان رہا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ (وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيلاً کا ثبوت دیتے ہوئے) اس چیلنج کو قبول کیا۔ مگر مرشد سے جدائی گوارا نہ کر سکے بقول رومیؒ:

؎ ہر چہ خواہی کن و لیکن ایں مکن ‏ ‏ وز جدائی تلخ می گوئی سخن

(اے محبوب کچھ بھی سزا دو مگر جدائی کی تلخ باتیں نہ کرو کیونکہ یہ بات ناقابل برداشت ہے۔) اور ایسا کیوں نہ ہو کہ خداوند کریم نے خود صحابہٗ رسول رضی اللہ عنہم کو فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (جو ہمارے لئے بمنزلہ فنا فی الشیخ کے ہے) ہونے کا سبق پڑھایا۔ فرمایا: ''لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ'' (بخاری و مسلم) (تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمّل نہیں جب تک تم میں میری (رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) محبّت اپنے والدین، اولاد اور ساری دنیا و مافیہا سے بڑھ کر نہ ہو۔) بالکل اسی طرح ایک مریدِ صادق مقام فنا فی الشیخ میں اپنی جان و مال اپنی آل اولاد، ماں باپ اور عزیز و اقارب تک سب کچھ مرشد پر قربان کر دیتا ہے۔ یہی مرشد کامل کے حق میں مقام حق الیقین ہوتا ہے۔

؎ آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند ‏ ‏ فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

(جس شخص کی تجھ سے شناسائی ہوئی وہ جان و مال، اہل و عیال اور رشتہ داروں کو کیا کرے۔) پیرویٔ صدیق رضی اللہ عنہ میں (مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار کی طرح) گھر کو مکمّل جھاڑو دے کر خدمتِ مرشد میں پیش کرتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خدا کے نام پر تو ایک دو دینار مگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر سب گھر سائل کے حوالے کر دیا۔ استفسار پر بتایا کہ خدا تو پہلے بھی موجود تھا جب ہم گمراہ تھے یہ ہم پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص احسان ہے کہ صراطِ مستقیم نصیب ہوا۔ لہٰذا ان پر سب کچھ قربان ہے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر کہہ دیا:

؎ قوّت قلب و جگر گردد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ‏ ‏ وز خدا محبوب تر گردد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(عشق کے اس مقام پر قوت قلب و جگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت بن جاتی ہے۔ اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے بھی

زیادہ محبوب ہونے لگتے ہیں) یہاں تک کہ:

~ بکُوئے تو گداز یک نوا بس　　مرا ایں ابتداء ایں انتہا بس
خراب جرأت آں رند پاکم　　خدارا گفت! مارا مصطفٰی بس

میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس رند پاک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیروکار ہوں اور تیری بارگاہ میں ابتداء سے لیکر انتہا تک صرف یہی ایک التجائے جان گداز ہے جس طرح کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہہ دیا ''خدایا! مجھے صرف آپ کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کافی ہے۔''

مقام فنا فی الشیخ میں عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح مرید کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے یہاں تک کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح دین وایمان مرشد پاک کی ذات بن جاتی ہے۔ بقول حضرت شیخ مجددالف ثانیؒ:

~ زاں روی چشم تو اَحول　　معبود تو پیر تست اَوّل

طریقت میں تو اس لئے ناکام ہے کہ بھینگا ہے تجھے ایک تین نظر آتا ہے (خدا اور رسول ومرشد) حالانکہ ایسا نہیں دراصل ایک ہی مرشد کی ذات میں خدا اور رسول دونوں مضمر ہیں (لٰہذا بطریق اُولیٰ تیرا پیر تیرے لئے بمنزلہ تیرے معبود کے ہے۔)

~ یہاں جان کی بازی لگتی ہے　　یہاں ایمان کے سودے ہوتے ہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس امر کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

~ اصل بیند دیدہ چوں اَکمل بود　　دو ھمی بیند چو مرد اَحول بود

(کامل دید والے (مرید) کو اصل ''ایک'' ہی نظر آتا ہے مگر بھینگے (ناقص دیدہ وعقیدہ والے) کو ''ایک'' دو یا تین نظر آتے ہیں) عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مزید رہنمائی فرمائی کہ:

~ صورت از بے صورتی آمد بروں　　باز شد انا الیہ راجعون

مرشد کی صورت اس بےصورت ذات سے ہے جس کے پس پردہ ذات الٰہی جلوہ افروز ہے یعنی یہ لوگ ''وَحی مِنَ وَّرَاءِ الْحِجَاب'' (پردہ کے پیچھے خدا سے ہم کلامی) کا ذریعہ ہیں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

~ انبیاء و اولیاء یک جان و تن　　ذات شاں باشد خدا بشنوز من

''انبیاء اور اولیاء ایک جان اور ایک ہی قالب سے ہیں (اے طالب مولیٰ) مجھ سے سن لے کہ دراصل ان کی ذات خدا کی ذات ہے۔'' مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''محبوب دوسروں کی شکل میں پوشیدہ ہو کر انہی نقش ونگار کے ساتھ نمودار ہوا۔ حسن کی بہتات سے اس کی وحدت کا پتہ چلا۔ وہ تھا تو ایک مگر ہزاروں رنگ میں جلوہ نما ہوا۔'' مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ جملہ معشوق است عاشق پردۂ — زندہ معشوق است عاشق مردۂ

عاشق کا وجود ایک پردے کی طرح ہے جس کے پیچھے معشوق حقیقی کی ذات موجود ہے زندہ وتابندہ صرف معشوق کی ذات ہے جبکہ عاشق مردے کی طرح ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کامل کے حق میں فرمایا:

؎ اندر ملکوت غُلغُل افتاد — کہ اسلام بہ شکل آدمی زاد

(فرشتوں کی دنیا میں یہ شور برپا ہوا کہ دیکھو'' اسلام'' آدمی کی شکل میں ظاہر ہوگیا۔) حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ بگردِ کعبہ کئے گردم کہ روئے یار من کعبہ — کنم طواف میخانہ بوسم پائے مستانرا

روم در بُت کدہ نشینم بہ پیش بت کنم سجدہ — اگر یابم خریدارے یا فروشم دین و ایمانرا

'' میں خانہ کعبہ کا طواف جا کر کیوں کروں کہ میرے مرشد کا چہرہ کعبۃ اللہ ہے۔ اس لئے میں میخانہ عشق کا طواف کر کے میخواروں کی قدم بوسی کرتا رہوں گا۔ میں آستانہ مرشد پر پہنچ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ یا جل کر فنا ہو جاؤں گا یا خریدار بن کر بقا حاصل کر کے لوٹوں گا۔''

لہٰذا عشق مرشد میں فنا ہونا اصل میں اسی خالق حقیقی اور اس کے پیغمبر برحق میں فنا ہونا ہے۔ کیونکہ مرشد کامل کے پاس بھی خدا اور سول کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں علاماتِ ظاہر میں سے مرشد کے حکم پر جس علاقے میں جائے اس کی طرف مخلوق متوجہ ہو کر پلٹ آتی ہے اور مرشد کریم کی توجہ کامل کی برکت سے اپنے مرشد کی طرح اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ جس طرح مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی مختلف غیر علاقوں میں دوروں پر اپنا استقبال دیکھ کر فرماتے ہیں کہ آج ہمیں اپنے مرشد کریم حضرت صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا استقبال یاد آ گیا۔

<u>فنا فی الشیخ کا باطنی ثبوت:</u> اس ظاہری انہماک وقربانی اور صدق واخلاص کے صلے میں جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا۔'' خداوند کریم نے جتنے علوم غیبی میرے سینے میں ڈالے ہیں وہ سب میں نے اپنے صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دیئے'' اس طرح مرشد کامل بھی مرید کی خدمت ومحبّت کے صلے میں اس کی طلب (استعداد باطنی) سے بھی کہیں زیادہ فیض اس کے سینے میں ڈال دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں اپنا روح پھونک دیتا ہے۔ (جس طرح کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کو گلے لگا کر ان میں اپنا روح پھونکا) پھر سینۂ مرید سینۂ مرشد بن جاتا ہے۔ اور اسے اس مقام پر لا کر کھڑا کرتا ہے جس پر وہ خود چاہے۔ مرید کے لطائف (روح، سرّ، خفی، اخفٰی) کو مزکّٰی کر کے مثل آئینہ بنا دیتا ہے۔ تب مرید، مرشد کے تمام تر اوصاف حمیدہ کا سراپا نمونہ بن جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر پھر وہ اپنی نگاہ سے نہیں بلکہ نگاہِ مرشد سے دیکھتا ہے۔ اس کا وجود وجودِ مرشد، اس کا ارادہ! ارادۂ مرشد، اس کا خیال! خیالِ مرشد، اس کا اشارہ! اشارۂ مرشد، اس کی زبان! زبانِ مرشد یہاں تک کہ'' رانجھا رانجھا کر دی میں آپے

رانجھا ہوئی۔'' یا بقول امیر خسروؒ:

؎ من توشُدم تو من شُدی من تن شُدم تو جاں شُدی   تا کس نگوید بعد زاں مَن دیگرم تو دیگری

''میں تُو ہو گیا اور تُو میں ہو گیا (میں تیرا ہو گیا اور تُو میرا ہو گیا) میں قالب ہوا اور تُو اس قالبِ بے روح میں روح بنا تا کہ کوئی پھر یہ نہ کہے میں اور ہوں اور تو کوئی اور ہے۔'' بغیر چہرہ مرشد کے اور اسے کوئی چیز نہیں بھاتی:

؎ آفاقہا گردیدہ ام مہر بُتاں ورزیدہ ام   بسیار خوباں دیدہ ام امّا تو چیزے دیگری (خسروؒ)

(ساری کائنات کو چھان مارا معشوق دیکھے اور ان کی محبّت بھی دیکھی جتنے بھی حسین دیکھے مگر تیرے برابر کسی کو نہ پایا اور ایسا کیوں نہ ہو کہ:

؎ لوحِ محفوظ ہست پیشانئ یار   راز پنہاں می شود زاں آشکار (رومیؒ)

(مرشد کامل کی پیشانی لوحِ محفوظ ہے کہ رازہائے سربستہ اس کی پیشانی کو دیکھنے سے منکشف ہو جاتے ہیں۔)

مرید جس طرف بھی دیکھے جلوہ مرشد پائے:

؎ عاشقاں را شُد مدرّس حُسنِ دوست   دفتر و درس و سبق شاں روئے دوست   رومیؒ

(عاشقوں کے لئے ان کے محبوب کا چہرہ ہی مدرس ہوتا ہے۔ ان کی کتاب اور سبق بھی محبوب کا حسین چہرہ ہی ہے)

بقول رومیؒ یہ آپس کی دوستی کوئی آج کی تو نہیں!

؎ بلکہ پیش از زادنِ تُو سالہا   دیدہ باشندت تُرا با حالہا

(بلکہ تیری پیدائش سے بھی کئی سال پہلے تیرے سارے حالات سے وہ واقف تھے۔)

؎ در و دیوار چوں آئینہ شد از کثرت شوق   ہر کجا می نگرم روئے تُرا می بینم

(شوقِ دیدار میں غرق ہونے کی وجہ سے در و دیوار شیشہ کی طرح بن گئے جس طرف بھی دیکھوں چہرۂ مرشد پاؤں۔)

؎ گہے کعبہ گہے بت خانہ دیدم   بہر سو جلوۂ جانا نہ دیدم

کعبہ کی طرف دیکھوں یا بت خانے کی طرف۔ جس طرف آنکھ اٹھاؤں جلوۂ دوست ہی پاؤں:

؎ واہ کیا رنگی ءِ خویش دامن گیر ہے   جس طرف بھی دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے

ہمہ شہر پُر زِ خوباں من در خیال ماہے   چہ کنم کہ چشم حق بیں نکند بکس نگاہے

(تمام شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر میں ایک ایسے چاند کی تلاش میں سرگرداں پھر رہا ہوں جو اپنے حسن و جمال میں یکتا ہے۔ اس لئے کیا کروں کہ میری آنکھیں اور کسی کی طرح مائل ہوتی ہی نہیں ہیں۔)

از روئے حدیث نبوی ﷺ یہ کرشمہ عشق ہوتا ہے کہ معشوق کے بغیر عاشق سب کچھ سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ''کسی چیز کی محبّت بغیر محبوب کے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔'' حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے

مرید حضرت شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ جب تک اپنے مرشد کا دیدار نہ کرتے نماز میں تکبیر تحریمہ نہ کہتے (اخبار الاخیار) القصہ ہر وہی کمال اور خرق عادت کام جو مرشد کی ذات سے سرزد ہوتا تھا مرید صادق سے سرزد ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے "مَنْ لَہُ الْمَوْلیٰ فَلَہُ الْکُلّ" (جو کلی طور پر مولا کا ہو جاتا ہے پھر مولا کا سب کچھ اسی کا ہو جاتا ہے) بقول حافظ شیرازیؒ:

؎ فیض روح القدس ارباز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحاً می کرد

(اگر خدا کی رحمت اور مرشد کی نگاہِ شفقت ہو جائے تو مرید بھی مرشد کی طرح مسیحائی کر سکتا ہے۔)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مزید اس طرح واضح کر دیا:

؎ آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایمان پیدا آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

<u>مقام فنا فی الشیخ کا طریقۂ حصول:</u> سالک اپنے شیخ کے ارشاد کردہ اذکار، اوراد اور وظائف سے فارغ ہو کر (مرشد کی تلقین کے مطابق) خلوت میں ظاہری آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرے۔ روحانی آنکھ (باطنی توجہ) لطیفہ قلب پر ڈالے اور تصور میں شیخ کا چہرۂ انور اپنے قلب (دل) پر منقّش کرنے اور جمانے کی کوشش کرے۔ یہ عمل (مراقبہ حضوری) متواتر جاری رکھے۔ آخر کار ایک دن سالکِ طریقت اپنے شیخ کامل کو فی الوجود اپنے سامنے جلوہ گر پائے گا۔ پھر جب بھی چاہے شرف زیارت وفیض حاصل کرنے کیلئے مذکورہ بالا طریقے سے مراقبہ کر کے بالمشافہ مرشد سے ہم کلام ہو سکتا ہے اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی رہنمائی اور ہدایات سے فیض یاب ہو سکتا ہے بشرطیکہ اجازت مرشد اور خوشنودی مرشد بلا وقفہ شامل حال ہو۔ اسی مقام کو تصوف میں مقام "فنا فی الشیخ" کہتے ہیں۔

<u>فائدہ:</u> وصال الٰہی اور دیدار الٰہی (مقام فنا فی اللہ) جو سالک کا اصل مقصد ہوتا ہے اس راستے کے دو زینہ (دو مقام) ہوتے ہیں پہلا زینہ فنا فی الشیخ اور دوسرا زینہ فنا فی الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اب چونکہ سالک ایک زینہ مقام فنا فی الشیخ کا حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کیلئے ایک زینہ صرف مقام فنا فی الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رہ جاتا ہے۔ مرشد کامل تب مرید کو لے جا کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر کرتا ہے اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کی قبولیت کی سفارش کرتا ہے۔ پھر مرید پر مقام فنا فی الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار وتجلّیات وارد ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور نورِ نبوت سے فیض یاب ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ پہلے اس پر شیخ کی نسبت سے انوار وتجلّیات کا نزول تھا۔ اب براہِ راست فیض یاب ہونے لگے گا۔ یہ واضح رہے کہ ان تینوں مقامات کے فیوض وبرکات اور انوار وتجلّیات اپنے اپنے مقامات کے مطابق ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے "ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد" مگر دونوں جہانوں میں ان کا وسیلہ پھر بھی مرشد کامل کی ذات ہوا کرتی ہے۔

<u>نوٹ:</u> دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مقام فنا فی الرّسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل کرنا بہت مشکل کام تھا۔ یہاں تک کہ خداوند کریم کو

خودفنافی الرّسول ﷺ ہونے کی صحابہ رضی اللہ عنہم کوتاکید کرنی پڑی۔قرآن کریم میں جابجاصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے رسول ﷺ کا حکم اپناحکم،رسول ﷺ کی فرمانبرداری اپنی فرمانبرداری بلکہ سب کچھ رسول ﷺ کی ذات اور مدارِایمان قرار دینے کی باقاعدہ تنبیہہ کی گئی۔ایسے سمجھ لیجئے کہ ساراقرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے فنافی الرّسول ﷺ کی دعوت تھی تاکہ آپ کے پیروکاروں کو مجھ تک پہنچنے کا ذریعہ معلوم ہو۔کیونکہ فنافی الرسول ﷺ کے بغیر فنافی اللہ ہونا ناممکن تھا۔اسی طرح اس دور میں بھی سب سے مشکل کام مقام فنافی الشیخ کا حاصل کرنا ہے جس پر اولیاء کرام نے اس قدر تاکید وتحقیق کی کہ تصوف کی کتابیں اَٹی پڑی ہیں۔کیونکہ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے فنافی الرّسول ﷺ کے بغیر فنافی اللہ ہونا ناممکن تھا۔بالکل اسی طرح اس دور میں ایک طالبِ مولا کیلئے فنافی الشیخ کے بغیر فنافی الرّسول ﷺ ہونا ناممکن ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر بندہ کو مقام فنافی الشیخ پر اس قدر زیادہ خامہ فرسائی کرنی پڑی۔مرشد قبول فرمادے۔آمین

(ب) مقام فنافی الرّسول ﷺ

؎ محبّت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں		یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

جب مرشدِ کامل اپنے مرید کامل کو بارگاہ نبوی ﷺ میں جا کھڑا کرتا ہے اور مرید اپنے شیخ کامل کے طفیل محبوب کبریا ﷺ کے بارگاہِ حسن و جمال میں اپنے آپ کو حاضر پاتا ہے تو اپنے آپ کو پیکر حسن کے عشق و محبّت میں فنا کر دیتا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما احسن منک لم تری قط عینی		ما اجمل منک لم تلد النساءٔ

خلقت مبرا من کل عیبٍ		کانک قد خلقت کما تشاءٔ

''یارسول اللہ ﷺ میری آنکھوں نے تجھ سے بڑھ کر اور کسی کو حسین نہ پایا۔ اور تجھ سے زیادہ حسین بیٹا کسی ماں نے نہ جنا ہے اور نہ جنے گی۔ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے تیری ذات کو ہر عیب و نقص سے پاک وصاف پیدا فرمایا بلکہ تجھے برخلاف دوسری مخلوق کے اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح آپ ﷺ نے خود چاہا'' بقول بہلول داناؒ:

؎ روشن از عکس جمالش عالم امکان ما		یک نگاہ ناز جاناں قیمت ایمان ما

(میری دنیا کا ظلمت کدہ آپ کے حسن کے پرتو سے منوّر رہے۔ آپ کے بازار حسن میں ہمارے ایمان کی قیمت صرف آپ کی ایک ہی نگاہ ناز ہے۔)

حضرت مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ بوقت دیدار اس طرح چہرہ والضحٰی کی تلاوت فرماتے ہیں:

؎ سبحان اللہ ما اجملک ما احسنک ما اکملک		کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء گستاخ اکھیں کتھے جا لڑیاں

(بے شک خدا کی ذات پاک ہے جس نے آپ ﷺ کو کس قدر خوبصورت، کس قدر اچھا اور کس قدر مکمّل بنایا۔ میں کمترین مہر علی کہاں اور تیری ذات والا صفات کہاں۔ آج میری آنکھیں کس بے مثال ذات کی بارگاہِ حسن میں غرق دیدار ہیں واہ میری قسمت واہ میری قسمت۔) بقول مظفّر وارثی رحمۃ اللہ علیہ یہ بالکل سچ ہے کہ:

؎ شیشۂ کثرت چہرۂ وحدت		حق موجود محمد ﷺ صورت

(خدا کی وحدانیت کا چہرہ آپ ﷺ کی درخشاں پیشانی میں حسن تاباں بن کر بکھرا ہوا ہے۔ خدا کی ذات اس دنیا میں محمد ﷺ کی صورت میں موجود ہے۔) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ''فِدَاکَ اَبِیَ وَ اُمِّیَ'' کا سماں بندھ جاتا ہے اور اس مقام پر مُریدِ صادق کے تمام تر امور آپ ﷺ کی رہبری میں انجام پانا شروع ہو جاتے ہیں۔

ع		سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

مقام فنا فی الرّسول ﷺ کی خصوصیات

سب سے پہلی بات، سالکِ طریقت کو شارع علیہ السلام سے براہِ راست سنت نبوی ﷺ کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مشاہدہ کر کے اس پر کار بند ہونے میں مزید پختگی آجاتی ہے۔جس طرح کہ سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے وہ امتیاز ختم ہو کر ذاتی وصفاتی سنن کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔مشہور ہے کہ ولی اللہ مشاہدے میں عمل کرتا ہے۔اس کا ہر قول وفعل حقیقت پر مبنی ہے۔شک وشبہ سے بالاتر مقام حق الیقین پر آجاتا ہے۔اس لئے ساری دنیا تخمین و ظن کا شکار ہوسکتی ہے۔مگر ولی اللہ اس حکمت کی بناء پر ہر دور میں حقیقت کا علم بردار ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتا ہے۔خواہ دین میں گمراہی وفتنہ کے ہزاروں طوفان کیوں نہ برپا ہوں۔

سالک اس مقام پر اپنے ظاہر کو مکمل طور پر نقشہ رسول ﷺ کے مطابق ڈھال دیتا ہے جس طرح حضرت مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد اپنی زلفیں چھوڑ دی تھیں۔کیونکہ عاشق اپنے معشوق کی ہر قسم کی ظاہری وباطنی عادات وخصائل کا ناقل ہوتا ہے۔اس منزل پر سالک میں آپ ﷺ کی طرح مکمل خاکی مزاجی آجاتی ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں اعتدالیت آجاتی ہے۔نیز حقائق اسلام سے مشاہداتی واقفیت نصیب ہوجاتی ہے۔

سالک میں آپ ﷺ کی طرح جذبہ عشق ومحبّت، ذوق وشوق عبادت اور زیادہ آجاتی ہے۔جس سے عالم اجسام وعالم امثال کے حقائق کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔سالک کو جب بھی کوئی تردّد واقع ہو براہ راست بارگاہ نبوی ﷺ سے ہدایات اور رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔آپ ﷺ کے ظاہری وباطنی توسط سے انوارِ نبوت سے فیض یابی شروع ہوجاتی ہے۔اور علوم غیب کے دہانے کھلنے شروع ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ بعض سالک اپنے جذبہ شوق کی مناسبت سے اور آپ ﷺ کی شان شفقت ورحمت کے طفیل مقام محمود تک کے عجائبات ونوادرات سے نوازے جاتے ہیں۔

ع چہ عجب شاہاں گر بنوازند گدارا

(یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں کہ بادشاہ اپنی سخاوت کی بناء پر بھکاریوں کی جھولیاں بھر دیں۔) علاوہ ازیں ان مقامات کی حقیقی تشریح کوئی بھی نہیں کرسکتا۔کیونکہ ان منازل کا تعلق حال سے ہے۔قال سے نہیں۔صرف ایک طالب اور دوسرا مطلوب کو پتہ ہوتا ہے۔اور بس۔ جس طرح کہ شب معراج خداوند کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی قربت کا حال بیان کرتے کرتے آخر یہ فرمایا کہ "اَوۡحٰی مَـا اَوۡحٰی" یعنی اس سے آگے بیان نہیں کیا جاسکتا بس ہوا جو کچھ ہوا۔ایک مجھے پتہ ہے اور دوسرا صرف میرے محبوب علیہ السلام کو۔یہ اسرار ورموز کے مقامات ہوتے ہیں بقول عارف رومیؒ:

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

(عاشق اور معشوق کے درمیان ایسا رابطہ راز ونیاز ہوتا ہے۔کراماً کاتبین جیسے مقرب فرشتوں کو بھی ان کی خبر تک نہیں ہے۔)

مقامِ فنافی الرّسول ﷺ حاصل کرنے کا طریق کار

سالک بحکمِ مرشد عنایت کردہ اَوراد و وَظائف اور معمولات سلسلہ کے فراغت کے بعد خلوت میں مراقبہ کرے۔ اور اپنے لطیفہ قلب پر تصور میں روضہ رسول ﷺ کی تصویر جمالے جس سے قلب طالب پر روضہ رسول ﷺ کی توسط سے انوار آنے لگیں گے یہاں تک کہ اپنی کشش کے ذریعے اس قابل ہوجاتا ہے کہ آپ ﷺ کے وجود اقدس کا عکس قبول کرے گا اور آہستہ آہستہ فی الوجود آنخضرت ﷺ کی زیارت اور دیدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ اور پھر جب بھی چاہے توجہ قلبی کے ذریعے شرف ملاقات سے سرفراز ہوسکے گا مگر:

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(زور بازو سے یہ سعادت دائمی نہیں مل سکتی جب تک کہ خداوند کریم راضی نہ ہو اور مرشد کریم کرم نہ فرمائے)

فائدہ: مقام فنافی الرّسول ﷺ حاصل کرنے کے بعد پھر یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مرضی پر ہے جب بھی چاہیں بارگاہِ ایزدی میں طالب کو لے جا کر شرفیاب فرمادیں۔ اب چونکہ سالک اپنی دو منازل طے کرچکا ہوتا ہے۔ دیدار الٰہی کے لئے بے تاب ہے۔ بقول مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے "ان سب مقامات کا تعلّق کشف سے ہے۔ اور کشف کا تعلّق تذکیہ نفس وقلب پر ہے۔ طالب کا تذکیہ باطن جس قدر کامل ہو اسی قدر وہ جلد مقام فنافی اللہ پر جا پہنچتا ہے۔"

نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ ظاہری رہنمائی اس مقام پر بھی مرشد کامل فرماتا ہے۔ مرشدِ کامل اور پیغمبر صادق ﷺ معرفتِ الٰہی کے لئے بمنزلہ زینہ (سیڑھی) کے ہیں۔ اگر ان دونوں ہستیوں کو سالک کی طرف سے ذرا بھی خلافِ شریعت و طریقت رنجش پہنچے تو زینہ کے مفقود ہونے سے مقامات کا مفقود ہوجانا ایک لازمی امر ہے۔ اس لئے راہ سلوک کو اسی دنیا میں پل صراط سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مگر سالک اگر باہمت ہو اور خدا کی رحمت بھی شامل حال ہو تو ان مقاماتِ ارفع کا طے کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ زہے یاوری قسمت۔

(ج) مقامِ فنافی اللہ

سالک کا اپنی ہستی کو اپنی تمام تر صفات و مراتب کے ساتھ ذات حق میں فنا کر دینا اور مٹا دینا مقام فنافی اللہ کہلاتا ہے۔اس مرتبہٗ عظمیٰ پر وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے توسط سے جا کر فائز ہوتا ہے۔مقام فنافی اللہ میں سالک کے دو مراتب ہوتے ہیں۔ پہلے فنائے صفات پھر فنائے ذات: فنائے صفات حریم کبریا جل جلالہٗ میں بمنزلہ صحن خانہ کے ہے۔ جہاں سے اندرون خانہ موجود ذات کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔جبکہ فنائے ذات گھر میں موجود ذات حق کو براہ راست دیکھنا ہے۔ فنائے صفات میں تجلّیات صفات مرحلہ وار تین اقسام: صفاتِ جمالی، صفاتِ جلالی اور صفاتِ کمالی وارد (نازل) ہوتے ہیں۔جبکہ فنائے ذات میں تجلّیات ذات کا ورود ہوتا ہے۔ان کے درمیان فرق کو اس شعر کے ذریعے واضح کیا جاسکتا ہے۔

؎ موسیٰ زہوش رفت بیک تجلّی صفات　　　تو عین ذات می نگری در تبسمی

(موسیٰ علیہ السلام صرف ایک تجلّی صفات سے بے ہوش (غرق سکر) ہو گئے۔مگر تو یا رسول اللہ ﷺ عین ذات کو دیکھے اور پھر بھی با ہوش و حواس تبسّم میں رہے۔)

<u>ظاہری کیفیت:</u> مرتبہ فنائے صفات میں سالک کے لئے علوم صوفیاء کے مطابق ''طال لسان'' کی علامت بتائی گئی ہے۔از روئے حدیث نبی ﷺ کہ: ''مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ طَالَ لِسَانَهٗ'' (الحدیث) عارف صفات کی زبان لمبی یعنی بے قابو ہو کر (جو ابھی تک اس کی قدرے کم ظرفی کی نشاندہی کرتی ہے) بولنے لگتی ہے۔جس طرح کہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ واردات صفات میں تجلّیات صفات کا قوت جذب نہ رکھتے ہوئے بے قابو (طال لسان) ہو جانا، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' (میری ذات پاک ہے میری کتنی بڑی شان ہے) کہنا شروع کیا اور حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیست اندر جُبّہ ام اِلاَّ خدا'' (میرے جبے میں بغیر ذات خدا کے اور کچھ بھی نہیں ہے) کا اعلان اسی مقام کی مناسبت سے کیا تھا جبکہ مرتبہ فنائے ذات میں سالک ضبط کا ثبوت دیتے ہوئے جو اس کی وسیع الظرفی کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔سکوت (خاموشی) سے کام لیتا ہے کیونکہ ''مَنْ عَرَفَ اللّٰهُ كَلَّ لِسَانَهٗ'' یعنی جو عارفِ ذات بنا وہ زبان سے گونگا ہو گیا۔(یہاں تک کہ اشارات سے بھی باہر ہو گیا) جس طرح پہاڑ میں ''لاوا'' اور کئی قسم کی معدنیات موجود ہونے کے باوجود وہ منجمد اور مکمّل سکوت میں ہوتا ہے۔بقول رومیؒ:

؎ بر دہانش قُفل در دل رازہا　　　لب خموش و دل پُر از آواز ہا

(ان کے قلوب اسرار و رموز کے خزینے ہیں مگر مونہوں کو تالے لگے ہوئے ہیں دل میں ہزاروں طوفان لئے مگر زبان خاموش ہے۔یعنی ان کے لئے اظہار رموز پر پابندی ہے۔)

اس مقام پر سالک کو عملی صورت میں معیّت (رفاقت) خدا نصیب ہو جاتی ہے از روئے قرآن حکیم

''وَھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ'' (حدید:44) ''وہ تمہارے ساتھ ہے (خواہ) تم کہیں ہو۔'' جس طرف بھی دیکھے (خدا کی شان کے مطابق) اس کی ذات وصفات کا مشاہدہ کرے۔ ''فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ'' (البقرہ:115) تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی شان رحمت اور) ذات پاک ہے'' انبیاء کرام علیہم السلام تو شروع ہی سے اس مقام پہ ہوتے ہیں جس طرح کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رَئَیۡتُ رَبِّیۡ بِعَیۡنِیۡ وَ قَلۡبِیۡ'' (مسلم شریف) میں نے اپنے رب کو ظاہری اور باطنی دونوں آنکھوں سے خوب دیکھ لیا۔ نیز سالک کو اسی مقام پر'' اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ '' بے شک خدا کی ذات ہر چیز پر قادر (میں موجود اصل محرک) ہے کی تصدیق ظاہری و باطنی، عینی وقلبی ہوجاتی ہے اسی مقام پر سالک کو خدا کی ذات کے بغیر باقی سب کچھ کے فنا ہونے کا یقین کامل ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بعد از مشاہدۂ حقیقت اس بات کا زبانِ حال سے اظہار کیا تھا۔

لَا آدَمَ فِیۡ الۡکَوۡنَیۡنِ وَلَا اِبۡلِیۡس   لَامُلۡکِ سُلَیۡمَانَ وَ لَا بِلۡقِیۡس

فَالۡکُلُّ عِبَارَةٌ وَ اَنۡتَ الۡمَعۡنِیۡ   یَا مَنۡ ھُوَ لِلۡقُلُوۡبِ مِقۡنَاطِیۡسُ

(دونوں جہانوں میں نہ کوئی آدم ہے (نہ آدم زاد) نہ کوئی ابلیس۔ نہ کوئی مُلکِ سلیمان تھا اور نہ کسی بلقیس نامی عورت کا وجود بلکہ یہ سب تعبیریں ہیں صرف تو ہی ایک حقیقت ہے۔ واقعی خدایا! تیری ذات دِلوں میں (وجود اشیاء میں) اس طرح رچی بسی ہے جس طرح کہ لوہے میں مقناطیسیت) نیز مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام کی مناسبت سے فرمایا:

خود ہُمو شاہد و ہُمو مشہود   غیر او نیست در جہاں موجود

ماند آں اللہ باقی جملہ رفت   ''اللہ'' لَیۡسَ فِیۡ الۡوَجُوۡدِ غَیۡرُ اللّٰه

(1) دیکھنے والی ذات (شاہد) بھی وہی ہے۔ اور جسے دیکھا جارہا ہے۔ (مشہود) وہ بھی اس کی ذات ہے۔ دنیا میں اس کے بغیر اور کوئی بھی نہیں ہے۔

(2) خدا کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ باقی سب جانے والے ہیں ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔ وجود کائنات میں بغیر ذات واحد کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔ ایک سالک فرماتے ہیں کہ:

؎ اوّل و آخر توئی کیست حدُوث و قدم   ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم

(جب ابتداء میں تو تھا اور انتہا میں بھی تُو ہے تو پھر حادث اور قدیم کون ہے؟ جب ظاہر میں بھی تُو ہے اور باطن میں بھی تو پھر وجود اور عدم کیا ہے؟) حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ ہر چہ بینی در حقیقت جملہ اوست   شمع و گل، پروانہ بلبل ہم اوست

(جو کچھ تو دیکھ رہا ہے حقیقت میں وہی ایک ہی ذات کے جلوے ہیں۔ شمع وہی خود ہے اور پروانہ بھی وہی آپ ہے گُل بھی وہی ہے اور بلبل بھی اسی کی اپنی ذات ہے۔)

طریقۂ حصول: طالب مولا اپنے مرشد کامل کی ہدایت کے مطابق خلوت میں بعد از ذکر و فکر اور اوراد و وظائف لطیفہ قلب پر توجہ دے کر ذات باری تعالیٰ جو کہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے تصور کر کے مراقبہ کرے۔ مرشد کی توجہ اور محبوب خدا ﷺ کی سفارش سے آہستہ آہستہ واردات قلبی شروع ہو جاتے ہیں۔ اسے کشف مشاہدہ حق کہتے ہیں جو زمین خاکی سے آسمان بالا کی طرف پہلی عروج (جست) ہے۔

باطنی کیفیت: اس مقام کی مناسبت سے واردات قلبی شروع ہونے کے بعد سالک کی باطنی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اس کی رگ رگ میں انوار و تجلّیات بس جاتی ہیں۔ انسان از خود فنا کی گھاٹ اتر جاتا ہے جس طرح کہ:

؎ خلیل اللہ با آتش ہمی گفت اگر موئے زمن با قیست می سوز

حضرت ابراہیم خلیل اللہ آگ سے یہ فرما رہے تھے ''مجھ میں میری ذات کا اگر ایک بال بھی ہو تو اسے جلا ڈال (یعنی بال بال میں خدا کی ذات بسی ہوئی ہے خدا کو آگ کیسے جلا سکتی ہے۔) سالک ہر ذرے میں تجلّیات خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بقول بوعلی قلندرؒ:

؎ اوست در ارض و سماء و لامکاں اوست در ہر ذرّہ پیدا و نہاں

''زمین میں، آسمان میں، لامکان میں بلکہ ہر ذرہ کے ظاہر و باطن میں اسی کی ذات موجود ہے۔''

بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ یہ مقام! خدا کی خاص مخلوق کے لئے ہے۔

؎ بذکرش ہر چہ بینی در خروش است دریں معنی ہر آں داند کہ گوش است

(جس چیز کو دیکھے اس کے ذکر میں محو ہے۔ مگر یہ معلوم صرف وہی کر سکتا ہے کہ جس کے پاس کان (سمع باطن) ہو) یہاں سالک خود کلام نہیں کرتا بلکہ ذات کبریا کلام فرماتی ہے۔ یہاں مخلوق خود عزت نہیں کرتی بلکہ ذاتِ الٰہی کی طرف سے عزت کرائی جاتی ہے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نعرۂ منصور کی یوں توجیہہ کرتے ہیں کہ:

؎ آں ''اَنَ الْحق'' کشف ایں معنیٰ نمود کہ ''بصورت'' پیش تو دعویٰ نمود

(نعرہ انا الحق اسی حقیقت کو بار بار ظاہر کر رہا تھا کہ اس کی ذات لباس (انسانی صورت) پہن کر تیرے سامنے ظاہر ہونے کا دعوٰی کر رہی ہے۔) بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام اِتّصال کا اس طرح نقشہ کھینچا۔

؎ عاشق و معشوق گردند ہر دو یک ہم توئی معشوق و عاشق نیست شک

(اس مقام پر عاشق و معشوق دونوں ''ایک'' ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ کہ معشوق بھی تو اور عاشق بھی تُو ہے۔) یہاں قلبِ مومن مقامِ کبریا بن جاتا ہے۔ ولی اللہ کی رگ رگ، ریشہ ریشہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے۔ کبھی اربعہ عناصر، کبھی ہفت اندام اور کبھی تین سو ساٹھ اعضاء علیحدہ علیحدہ ہو کر ذکرِ خدا میں مشغول ہو جاتے ہیں مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کو کئی مقامات پر لوگوں نے اسی حالت میں دیکھا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا:

؎ راست گفتہ آں شہ شیریں زباں ''چشم'' گردد مو بموئے عارفاں

اس شاہ شکر مقال ﷺ نے سچ فرمایا کہ عارفوں کا ہر ہر بال مقام مشاہدۂ حق میں ''آنکھ'' بن جاتا ہے۔یعنی رگ وریشہ سے لطف دیدار اٹھاتا ہے۔

؎ تجلّی تیری ذات کی سُو بسو ہے جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

؎ ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ سبحان اللہ خود عاشق خود معشوق بنڑیا سبحان اللہ سبحان اللہ

ہر چہ بینم در جہاں غیر تُو نیست یا توئی یا بوئے تُو یا خوئے تُو

(دنیا میں جس طرف بھی دیکھتا ہوں کوئی چیز بھی تیرے سوا (غیر) نہیں ہے۔یا خود تیری ذات ہے یا اس میں تری خوشبو بسی ہوئی ہے۔یا اس میں تیری کوئی نہ کوئی صفت موجود ہے۔) اس مقام پہ سالک کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جب بھی اسے حال طاری ہو جائے تو دو دو، تین تین دن تک حالت استغراق (دیدارِ الٰہی) میں مدہوش رہتا ہے۔ظاہر میں بقول بابا فرید گنج شکرؒ:

؎ در یاد تُو ہر روز چناں مدہوشم صد تیغ گر زنند زاں نخرو شم

(تیری یاد میں روزانہ میری یہ حالت ہے کہ اگر مجھ پر سینکڑوں تلوار چلائیں کوئی اثر نہ ہوگا) بقول اقبالؒ:

؎ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذتِ آشنائی!

باطن میں حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جب بحرِ معرفت میں غوّاصی فرماتے ہیں تو بے قابو ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ ''خِضْنَا بَحْرًا لَّمْ يَقِفْ عَلٰى سَاحِلِهِ الْاَنْبِيَاء'' (ہم نے اس دریا میں غوطے لگائے کہ جس کے کنارے پر انبیاء بھی نہ ٹھہر سکے۔)

<u>فائدہ:</u> مقام فنا فی اللہ میں پہنچ کر سالک اپنا مقصدِ زندگی اور گوہر مراد حاصل کر لیتا ہے، جو تخلیقِ انسان کا اصل مقصد یعنی عرفانِ حق تھا اور عبادات وریاضات کا ثمرہ جو کہ دیدارِ الٰہی تھا اس نے حاصل کر لیا ہے اب از روئے حدیث:

''مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ'' (جو خدا کا ہو جاتا ہے پھر خدا بھی اسی کا ہو جاتا ہے) بقول رومیؒ:

؎ اللہ اللہ گفت اللہ می شود ایں سخن حق است باللہ می شود

(اللہ اللہ کہتے کہتے انسان اللہ (طاقتِ الٰہی کا مظہر) بن جاتا ہے۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سچی بات ہے خدا کی قسم ایسے ہی ہو جاتا ہے۔) یہاں آ کر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ:

؎ جملہ معشوق است عاشق پردہ زندہ معشوق است عاشق مردہ

(یہ سب معشوق کی ذات تھی۔مَیں محض ایک پردہ تھا۔زندہ جاوید تو معشوق کی ذات ہے میں عدم محض (مردہ)

ہوں۔) طالب صادق سراپا نفع کا سودا کر کے ایک جان فانی دیکر سینکڑوں بقا کی جانیں حاصل کر چکتا ہے۔

؎ گر کُنی جا نرا تو بر جاناں نثار　　　　در عوض یک جاں دہد صد جاں نگار　　(بوعلی قلندرؒ)

(اگر تو اپنی ایک جان معشوق پر قربان کر دے تو وہ اس قدر مہربان ہے کہ ایک جان کے عوض سینکڑوں لافانی جانیں تجھے عطا کر دیتا ہے۔) اور پھر وہ سینکڑوں جانیں کس معیار کی! مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں:

؎ صد ہزاراں جبرائیل اندر بشر　　　　بہر خدا سوئے غریباں یک نظر

(بشر میں لاکھوں جبرئیل (روح الامین جیسی طاقت ورروحیں) موجود ہیں اَئے مرشد کامل خدارا ایک نظر تو ہم غریبوں پر بھی ہو جائے۔) اب خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ یہ بات کیوں نہ کہیں کہ:

؎ خلقت کوں جیندی گول ہے　　　　او ہر دم فرید دے کول ہے

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ عالم وجد میں آ کر کیوں نہ یہ اعلان کر دیں کہ:

؎ اےئ حج رفتگاں کجائید کجائید　　　　یار دریںجاست بیائید بیائید

''اے حُجاج کرام! آپ کہاں بھاگے جا رہے ہیں آؤ ادھر آؤ دیکھو! یار (معشوق حقیقی) تو میرے پاس موجود ہے''۔ اب سالک توحید وجودی کے تنگ کوچہ سے نکل کر توحید شہودی کی وسیع فضا میں اپنے آپ کو پاتا ہے۔ اور موجوداتِ عالم پر اپنے آپ کو براہِ راست متصرّف پاتا ہے۔

؎ ہر کہ واصل شد بذات پاک را　　　　اوست سیّد جملہ موجودات را

(جس نے وصالِ الٰہی حاصل کر لیا۔ وہی سب موجودات کا حاکم بن گیا۔)

<u>نوٹ:</u> یہ واضح رہے کہ ہر دور میں ابرار سے لے کر غوث زماں تک جتنے بھی خدا کے خاص بندے ہیں۔ وہ اسی راستے کے ساتھ منسلک ہوا کرتے ہیں ساری حقیقتیں صرف اسی راستے میں رکھی گئی ہیں لہٰذا جسے بھی تلاشِ حقیقت ہو تو اسے بغیر اس راہ پر آئے اور کہیں سے نہ مل سکے گی۔ اگر زبان خلق معاف کرے تو ایسے مقام پہ موجود ایک مردِ درویش کے اختیارات بھی بیان کرنا لازمی ہیں۔ اگر اس طرح نہ کیا جائے تو اس مقام کی افادیت واہمیت اور قدر ومنزلت کا پتہ نہ چل سکے گا۔

<u>تصرّفات واختیارات:</u> کسی دنیاوی منصب پر بھی جب حکومتِ وقت ایک خاص آدمی کو مقرر کرتی ہے تو اسے اپنی طرف سے اس کی حیثیت کے مطابق ضروری اختیارات بھی سونپ دیتی ہے۔ وگرنہ اس کے عہدے کی نہ اس کے اپنے سامنے کوئی حقیقت ہوگی نہ عوام الناس کے سامنے۔ کیونکہ اس کے بغیر ایک عام آدمی اور اس کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا اور یہ چیز خلافِ عقل اور خلافِ اصول وحکمت ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ صراط مستقیم پہ چل کر اللہ اللہ کر کے کئی جانی ومالی امتحانات سے گزر کر جب ان فنا وبقا جیسے جلیل القدر عہدوں پر خدائے ''عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٍ'' کی طرف سے فائز کئے

جاتے ہیں تو ان کی ظاہری و باطنی برکتوں کے علاوہ انہیں خداوند کریم کی طرف سے اختیارات بھی سونپ دیئے جاتے ہیں حدیث پاک ہے۔ "هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ" (یعنی ان لوگوں کے ہم نشیں اور صحبت یافتہ ہرگز بدنصیب نہیں ہو سکتے۔) بخاری شریف کی حدیث ہے۔ "وَهُمْ جُلَسَاءَ اللّٰهِ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ يُرْزَقُوْنَ" (یعنی یہ لوگ براہِ راست خدا کے ہم نشیں ہیں انہیں کے ذریعے دنیا والوں پر بارشیں برسائی جاتی ہیں اور انہیں کے ذریعے لوگوں کو رزق دیا جاتا ہے۔) (جس طرح کہ دنیاوی لحاظ سے بھی ایک علاقے کے وزیر کے طفیل وہاں کے باشندوں کو بھی سب بنیادی ضرورتیں فراہم کردی جاتی ہیں۔)

خداوند کریم فرماتا ہے کہ یہ لوگ بذریعہ نوافل میرے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ میں ان سے محبّت کرنے لگتا ہوں۔ یہاں تک کہ ان کا کان، ان کی آنکھ، ان کی زبان اور ان کے ہاتھ پاؤں تک میں خود بن جاتا ہوں۔ اگر وہ کسی بات پر قسم کھائیں تو میں ضرور ان کی دوستی کی بنیاد پر اسے پورا کرتا ہوں یہاں تک کہ اگر وہ کسی بے جان پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا حکم دیں تو پہاڑ بھی ان کا حکم مان کر ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جائے۔ یہ لوگ اگر سمندر پر چلیں تو سمندر الٹا ان کی حفاظت کرے۔

؎ دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے ‌ ‌ بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

؎ دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا ‌ ‌ سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

ان کو تکلیف دینا مجھے تکلیف دینا ہے۔ ان سے دشمنی رکھنا میری ذاتی دشمنی مول لینا ہے۔ ان کے ساتھ مقابلہ کرنا مجھ خدائے قہار کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ اس طرح ان سے دوستی رکھنا سراسر میری دوستی ہے۔ ان کو وسیلہ بنانا میرا ہی وسیلہ ہے۔ ان سے مانگنا مجھ سے ہی مانگنا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی خدمت کرنا میری ہی خدمت ہے۔ بروزِ حشر شفاعت صغریٰ کا سہرا انہیں کے سر ہوگا جس کی بھی چاہیں شفاعت کر کے بہشت میں داخل کرائیں لوح محفوظ تک پہنچ کر اس میں تصرف (ردو بدل) کرنا ان لوگوں کے اشارۂ انگشت کا کام ہے۔ دراصل یہ ان کی شرط وفاداری کا صلہ ہوتا ہے۔

؎ کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ‌ ‌ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تقدیریں بدلنا ان لوگوں کے لئے ایک اشارہ چشم کا کرشمہ ہے۔ یہ لوگ خدا کے توسط سے ہر وہ کام کر سکتے ہیں جو خدا کی ذات کے بغیر اور کوئی نہ کر سکے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ اولیاء را ہست قدرت از اِلٰہ ‌ ‌ تیر جستہ باز گردانند زراہ

(خدا کی طرف سے اولیاء کرام کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لا سکتے ہیں یعنی وقوع پذیر واقعہ کو واپس لوٹا سکتے ہیں۔)

؎ لوحِ محفوظ ہست پیشِ اولیاء ‌ ‌ آنچہ محفوظ است محفوظ از خطا

(لوحِ محفوظ برائے تصرّف ہر وقت اولیاء اللہ کے سامنے موجود ہے جو ہر خطا سے پاک ہے۔) اٹھارہ ہزار عالمین ان کی بارگاہ خدا پناہ میں دست بستہ تابع فرمان کھڑے ہیں یہ اطاعت الٰہی کی طرف سے ان کا خاص صلہ ہے بقول سعدیؒ:

تو ہم روئے از حکم داور مپیچ　　　　که گردن نه پیچدز حکم تو ہیچ

(تُو خدا کے احکام سے منہ نہ موڑ تو تیرے حکم سے بھی کوئی (چیز) شخص منہ نہیں موڑ سکتا۔)

القصہ یہ لوگ اوصافِ الٰہی اور اخلاق الٰہی کے حامل ہونے کی صورت میں ہر وہ کام باذنِ الٰہی کر سکتے ہیں جو خدا کی ذات کر سکتی ہے۔ مگر پھر بھی ایک بات یاد رہے کہ کہیں کوئی غلط سمجھ کر گمراہ نہ ہو جائے بقول ابن عربیؒ:

اَلْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی　　　　وَالرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ

(بندہ بندہ ہی ہوتا ہے اگر چہ کتنا ہی عروج کرے اور خدا خدا ہی ہوتا ہے اگر چہ جتنا نزول فرمائے۔) خدا اپنے مقامِ بے نیازی پہ قائم ودائم اور بندہ اپنے مقام نیازمندی اور مقامِ بندگی ہی پر موجود رہ کر محتاجِ الٰہ ہے۔ جو خدا کی ذات سے علیحدہ ہو کر کسی چیز کا دعویٰ کرے وہ ولی اللہ ہر گز نہیں ہو سکتا۔ ولی اللہ خدا کی دوستی کے بل بوتے پر اس سے ہر چیز منوا سکتا ہے وہ خدا نہیں ہے مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہے۔

آں مردانِ خُدا خُدا نباشند　　　　لیکن زِ خُدا جُدا نباشند

آدم کو مت خدا کہو آدم خدا نہیں　　　　لیکن خدا کے نور سے آدم جُدا نہیں

حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو لفظ ''کُن'' تک کا تصرّف عطا فرما دیتا ہے لیکن اولیاءِ کرام مقام بندگی پر رہتے ہوئے ہر کام ''بسم اللہ'' سے شروع کرتے ہیں۔ اس پاک موضوع کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر ختم کرنا چاہتا ہوں کہ جس میں انہوں نے خدا کی طرف سے یہ خوشخبری سنا دی:

ہر کہ اندر وجہِ ما باشد فنا　　　　''کُلُّ شَیْءٍ هَالِکٌ'' نہ بود جزا

(جو ہماری ذات میں فنا ہو جائے اس کی سزا ''ہر چیز کے لئے فنا ہے'' ہر گز نہیں ہوتی۔)

تحفۂ حکمت از حدیقۂ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ

(مُدتِ ایں مثنوی تاخیر شُد (رومیؒ) مہلتے بائیست تا خوں شیر شُد)

☆☆☆☆☆☆

روز ہا باید کہ تا یک مُشتِ پشم از پُشتِ میش
زاہدے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

ماہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دا نہ بعد کِشت
جامہ گردد شاہدے را یا شہیدے را کفن

سالہا باید کہ تا یک کود کے از درس علم
عالمے گردد نکو یا شاعرِ شیریں سُخن

قرنہا باید کہ تا یک سنگ خارا از آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

قرنہا باید کہ تا یک صاحبدلے پیدا شود
بایزیدؒ اندر خُراساں یا اویسؒ اندر قرن

مطالب

(مثنوی لکھنے میں تاخیر اس لئے ہوئی کہ خون کو دودھ بننے کے لئے وقت چاہیے)

1:۔کئی دن چاہئیں ہیں کہ بھیڑ پر سے پشم پیدا ہو کر کسی زاہد کا خرقہ یا ایک گدھے کی رسی بن جائے۔

2:۔کئی مہینے چاہئیں کہ کپاس کے بیج اگانے کے بعد کپاس پیدا ہو کر کسی معشوق کا خوبصورت لباس یا کسی شہید کا کفن بن جائے۔

3:۔کئی سال چاہئیں کہ ایک بچہ کسی مکتب سے دولتِ علم حاصل کر کے کوئی اچھا عالم یا ایک شیریں سخن شاعر بن جائے۔

4:۔صدیاں چاہئیں کہ ایک سخت پتھر سورج کی تپش سے ''بدخشاں'' میں لعل یا ''یمن'' میں عقیق بن جائے۔

5: صاحبِ حدیقہ عارف باللہ صوفی شاعر حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح صدیاں چاہئیں کہ خراسان میں بایزید رحمۃ اللہ علیہ جیسا مردِ کامل اور قرن میں اویس قرنی رضی اللہ عنہ جیسا قلندر کامل پیدا ہو۔ بقول اقبالؒ:

؎ عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

(بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی بھی اسی زمرے کے ایک ''رِجالُ اللہ'' ہیں۔ اب انکی حیات مقدسہ کی طرف مراجعت کرے ہیں۔ اللہ قبول فرمائے۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

حالاتِ زندگی پیرِ کامل سلطانُ الفقرأ

حضرت خواجہ، سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری

المعروف

﴿بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی﴾

(الف) نمونۂ زندگی (ب) سیرت و کردار (ج) افکار و نظریات

؎ ''کھول آنکھ ، زمیں دیکھ ، فلک دیکھ ، فضا دیکھ''
سادات ِ سمر قند و بخارا کی ادا دیکھ
بنوں والی سرکار کی دنیائے فقر میں
بنوں سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!
(شیر محمد)

(الف)

نمونۂ زندگی

؎ زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی!
(اقبالؒ)

1:۔ آباؤ اجداد

سادات کے آباؤ اجداد اور سلسلہ نسب کے تعارف کی چنداں ضرورت ہی نہیں کیونکہ ان کے روشن چہرے اور اخلاق کریمانہ ہی اپنے نسب پاک کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ان کا سلسلہ ہی طریقت ومعرفت ہے۔بقول شاعر:

؎ سیّد کسے بود کہ ظاہر شود ازو　　خلق پیمبری و سخاوت مرتضٰی علیؑ

''سیّد کی خاص علامت یہ ہے کہ اس میں ایک تو اخلاق نبوی ﷺ اور دوسری حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ جیسی سخاوت موجود ہو۔'' از روئے حدیث نبوی ﷺ سیّد میں چار اوصاف موجود ہوتے ہیں 1۔خوبصورتی 2۔خوش اخلاقی 3۔سخاوت 4۔صبر وتحمل۔ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

؎ تیری نسل پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا　　تُو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سادات میں ولایت ومعرفت ہر دور میں لازمی طور پر رہی ہے۔البتہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ کی بات ضرور ہے۔

حضرت شیخ سیّد حمّاد روحانی المعروف روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ: مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے آباؤ اجداد اور نسب پاک میں سے نزدیکی دور میں علاقہ افغانستان کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت شیخ حمّاد روحانی المعروف روحانی باباؒ ہوگزرے ہیں جن کا مزار علاقہ افغانستان ہی میں ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ علاقہ سمرقند و بخارا سے بحکمِ الٰہی افغانستان تشریف لائے۔ فیض اور شہرت کے لحاظ سے آپ کی ذات پاکستان کے مشہور ومعروف بزرگ سیہون شریف کے لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہے۔روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر کسی کو گزند نہیں پہنچ سکتی۔ آج کل وہاں زیادہ تر افغان مجاہدین پناہ گزیں رہتے ہیں ہمہ وقت ان کا رَسد موجود رہتا ہے۔روس نے ان پر روزانہ بیسیوں بم پھینکے مگر کوئی بھی پھٹ کر کسی کو نقصان نہیں دے سکا۔جو ان کی ابھی تک ایک زندہ کرامت ہے۔حضرت شیخ حماد روحانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو قریب ہی ایک بہتے ہوئے چشمے پر انہوں نے خود جا کر غسل فرمایا۔اس کے بعد ایامِ شیر خوارگی میں جب ان کی والدہ کو ماہواری آتی تو اس دوران آپ دودھ نہ پیتے۔یعنی آپ مادرزاد ولی اللہ تھے۔ان کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ ان کا جسد مبارک زمین کے اندر کسی قبر میں دفن نہیں ہے، بلکہ ان کی وصیت کے مطابق ان کا جسد مبارک ایک چارپائی پر رکھ کر اس کے چاروں طرف گنبد بنا دیا گیا ہے۔صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی رکھی ہوئی ہے جسے کھولنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔رات دن دربار پر زیارتیوں کی وجہ سے رش رہتا ہے۔جس کی وجہ سے مجاوروں کا پہرہ لگا رہتا ہے۔یہی گنبد ایک خوبصورت روضے کی شکل میں بنایا گیا ہے۔جو ابھی تک موجود ہے۔

چند سال قبل دربار کے نزدیک ایک نیک انسان کو ان کی طرف سے بشارت ملی کہ میری چارپائی (جس پر میں سویا ہوا ہوں) کا بان بہت بوسیدہ ہو گیا ہے۔اندر آ کر دوبارہ بن لیں۔اس شخص نے اس اشارے کو خیال سمجھ کر ٹال دیا۔دوسری رات یہی اشارہ ملا پھر بھی اس نے اس پر توجہ نہ دی۔تیسری رات روحانی بابا نے مُشبّہ ہو کر جذبے سے اسے نیند

سے اٹھا دیا کہ کیا کر رہے ہو فوراً آ کر میری چار پائی بُن دو۔ ثبوت یہ ہے کہ اندر آنے کے لئے کھڑکی کا دروازہ خود بخود کھل جائے گا۔ چنانچہ وہ شخص علی الصّبح دربار پر جا کر حاضر ہوا۔ بان لئے اندر جانے کے لئے جب کھڑکی پر گیا تو روحانی بابا کی کرامت سے کھڑکی خود بخود کھل گئی جب اندر چلا گیا تو کھڑکی اندر سے بند ہوگئی۔ انہوں نے چار پائی جس طرح بنی (جسد مبارک کو نیچے رکھ دیا یا روحانی بابا نے خود اُٹھ کر چار پائی چھوڑ دی۔ بہر حال) یہ وہی جانتا ہے اور دوسرا خدا کی ذات کیونکہ وہ چار پائی بُننے کے بعد جب گُنبد سے باہر آیا تو زبان سے گونگا ہو چکا تھا تا کہ اندر کے راز وہ باہر کسی کو نہ بتا سکے۔ حتّٰی کہ آج تک ان کا جسد مبارک اسی چار پائی پر رکھا ہوا ہے۔ ان کی سوانح حیات میں سے ایک مشہور و معروف کرامت یہاں پیش کی جاتی ہے تا کہ قارئین کو اولیاءِ کرام کی خداداد عظمت وحقیقت کا پتہ چل سکے۔

درج ہے کہ روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ نہ قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے اور نہ ہی کوئی حرام یا مشتبہ چیز استعمال فرماتے اگر کوئی ایسا اتفاق ہو بھی جاتا تو خدا کی طرف سے وہ بروقت آ گاہ کئے جاتے یہاں تک کہ یہ بات اس علاقے کے گورنر تک جا پہنچی۔ اس نے اپنے احباب کو بلا کر ان دونوں باتوں میں روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ کو آزمانے کی ٹھان لی۔ اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے جا کر روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت کیلئے مدعو کیا۔ سازش کے مطابق نشست گاہ کی پیٹھ کعبے کی طرف رکھی گئی۔ لنگر کا انتظام ایک بکری چوری کر کے کیا گیا۔ جب روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے لئے بنی ہوئی مسند پر بیٹھ گئے۔ گورنر نے دیکھ کر دل ہی دل میں کہا بڑی دُھوم سنی ہے۔ ایک بات تو غلط ثابت ہوگئی۔ تب لنگر پیش کیا گیا۔ روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مریدوں نے بڑے سکون سے لنگر تناول فرمایا اور صاحبِ دعوت کے حق میں دُعائے خیر کر دی۔ گورنر نے سوچا کہ دوسری بات بھی غلط نکلی پس ان کی بزرگی کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ جاتے وقت روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ نے گورنر کو بلا کر پوچھا کہ آپ نے ہماری دعوت کس مقصد کے لئے کی تھی۔ کچھ تو بتاؤ۔ آخر کار گورنر نے کھل کر دونوں آزمائش کی باتیں بیان کر دیں۔

شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر قطب نما لانے کا حکم فرمایا۔ قطب نما رکھنے سے پتہ چلا کہ شیخ صاحب کا رخ مبارک سیدھا قبلہ کی جانب تھا۔ تب حکم فرمایا کہ اس چرواہے کو بلایا جائے جس کے گلے سے تم بکری چرا کر لائے تھے وہ چرواہا جب آ کر سامنے قدم بوس ہوا تو شیخ صاحبؒ نے پوچھا کہ آپ کی کوئی بکری بھی چوری ہوگئی۔ چرواہے نے عرض کیا۔ حضور بالکل! آپ کی نذر کے لئے جو بکری رکھی ہوئی تھی وہی گم ہو چکی ہے بہت تلاش کی مگر نہ مل سکی شیخ صاحب نے چرواہے کو خوشخبری دی کہ آپ کی نذر ہمارے پاس پہنچ گئی ہے۔ آپ بےفکر رہیں۔ اس کے بعد روحانی بابا رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرینِ مجلس خصوصاً گورنر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جناب! شکر الحمد اللہ نہ ہم نے خانہ کعبہ کی طرف پیٹھ کی اور نہ ہی حرام کھانا کھایا۔ بکری میرے لئے تھی اور اپنی چیز بلاشک وشبہ حلال ہوا کرتی ہے۔ جس خدا پر ہم اتنا بھروسہ کرتے ہیں وہ تو قادر مطلق ہے۔ ضرور ہمارا بھرم رکھ ہی لیتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نغمہ سرا ہوتے ہیں:

؎ چوں شود از رنج و علّت دل سلیم　　طَعمِ صدق و کذب را باشد علیم

(جب تیرادل روحانی امراض سے پاک (قلبِ سلیم) ہوجائے تو اسے خود بخود حلال وحرام لقمہ کا پتہ چل جاتا ہے)

اس پر گورنر نے اپنی بدعقیدگی پر پشیمان ہوکر فوراً معافی مانگ لی۔ساتھ ساتھ بیعت بھی ہوگیا۔یہاں تک کہ بعد میں اپنی ایک لڑکی کا نکاح بھی شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کر دیا تھا۔چنانچہ شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اس علاقے میں پھلا پھولا۔ یہاں تک کہ آپ کا مزار بھی اسی علاقے میں موجود مرجعِ خاص وعام ہے۔آپ کا خاندان اس ملک میں ابھی تک بکھرا ہوا خال خال موجود ہے۔

2:۔علاقہ بنوں میں آمد

حضرت شیخ حماد روحانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے خدا کے حکم سے دو صاحبِ مقام درویش ایک کا نام خواجہ سیّد محمد عبیداللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ان کے صاحبزادے تھے دوسرے سیّد حبیب شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے پوتے تھے علاقہ افغانستان سے ہجرت کر کے صوبہ سرحد (پاکستان) ضلع بنوں کے غربی جانب بستی ''خان دلاسہ'' کے ساتھ ہی شیخان زڑکلہ میں آ کر وارد ہوئے۔ان دونوں کے رقاب ایک اور درویش المعروف لڑیا پیر رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ علاقے کا نواب اس وقت خانہ دلّاسہ تھا۔ان لوگوں نے اپنے قیام کے لئے خان صاحب سے مختصر زمین طلب کی۔خانہ دلّاسہ نے کہا کہ میں آپ میں سے صرف ایک گھرانہ یعنی حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یا لڑیا پیر رحمۃ اللہ علیہ کو جگہ دوں گا۔وہ بھی اس شرط پر کہ ایک سوکھی لکڑی زمین میں گاڑ دوں گا وہ جس کی کرامت سے صبح جڑیں پکڑ کر سبز ہو جائے۔حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت کی۔پہلے لڑیا پیر رحمۃ اللہ علیہ کی باری آئی مگر صبح کو وہ لکڑی جوں کی توں سوکھی ہوئی تھی۔دوسری رات حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی باری تھی۔صبح کو دیکھا کہ وہ لکڑی باقاعدہ سبز ہونے کے ساتھ ساتھ قد آور ہو کر پتے بھی نکالے ہوئے ہے۔چنانچہ خان دلاسہ نے اپنے ایک نوکر کو حکم دیا کہ تُو بھاگ! جہاں تک تُو بھاگتا جائے گا وہ زمین حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہوگی۔نوکر نے بھاگنا شروع کیا مگر اس کے دل میں حسد آ گیا ایک آدھ فرلانگ کے بعد وہ تھکے ہوؤں کی طرح کبڑا ہونے لگا۔حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آواز دی کہ واپس آ جاؤ۔مگر تیرا قد اِسی طرح کُبڑا ہی رہے گا۔وہ رُک کر واپس ہوا مرتے دم تک ویسے کُبڑا ہی رہا۔ان کرامات سے خان دلّاسہ حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری کا گرویدہ ہو کر مکمّل عقیدت مند بن گیا اور حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بعدازاں وہاں پر اپنا مستقل ڈیرہ لگا دیا اور خلقِ خدا کی اصلاح شروع کردی۔آپ کا مزار مبارک بھی میران شاہ کے دامن کوہ علاقہ ''دوویدشاہ'' بمقام گُرم گڑھی موجود ہے۔جو مرجع خاص وعام ہے جہاں بارہ مہینے لنگر چلتا ہے۔عرس مبارک بڑے تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔خواجہ عبیداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی یہیں ہے۔

حضرت شیخ حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت کامل ہستی تھے۔وہ علاقہ بنوں میں ''شیر بابا رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے مشہور

ہیں کیونکہ وہ جب اپنے عبادت خانے سے نکل کر کہیں جاتے تو جنگل سے ایک شیر آ کر اندھیرے میں حاضر خدمت ہوتا۔ آپ اس پر سوار ہو کر جہاں جانا چاہتے چلے جاتے۔ اس شیر کا اصول تھا کہ جب وہ کسی آبادی کے قریب سے گزرتا تو زور سے دھاڑتا۔ اس پر سب لوگوں کو پتہ چلتا کہ حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیر پر کہیں جا رہے ہوں گے۔ اس لئے آپ ''شیر بابا'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک مرتبہ ان کی گزرگاہ کے ساتھ ایک بستی کے کسی آدمی نے یہ گستاخی کی کہ ''یہ بات لوگ ویسے کہہ دیتے ہیں نہ کوئی شیر ہے اور نہ کوئی شیر بابا'' چنانچہ دوسری رات جب شیر اس بستی کے قریب سے گزرنے لگا تو اس قدر زور سے دھاڑا کہ بستی کے لوگوں پر دہشت طاری ہوگئی جس سے بستی میں موجود سب حاملہ عورتوں کی اس دہشتناک آواز سے حمل گر گئے۔ چنانچہ اس گستاخ نے اس بات کا پتہ چل جانے کے فوراً بعد جا کر اپنی اس گستاخ کی معافی مانگ لی اس کے بعد شیر نے زور سے دھاڑنا بند کر دیا۔

ابھی تک وہی شیر یا اس کی نسل آ کر ہر جمعرات آپ کے مزار پر حاضری دیتی ہے۔ اسے اب کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ لوگ اس کے دیکھنے کے لئے کئی کئی حربے استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ جسے دربار پر وہ شیر نظر آئے تو اس کے ''من کی مراد'' حاصل ہو جاتی ہے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی کے بڑے صاحبزادے غریب نواز حضرت خواجہ سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کئی سال اس دربار پر رہ کر لنگر چلایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں ہم نے کئی بار پچھلی رات اس شیر کو دیکھا تھا۔ جبکہ جتنے بھی دوسرے لوگ اس کی تاڑ میں بیٹھے ہوتے تھے سب پر غنودگی طاری ہو جاتی۔ وہ دربار کا ایک دو چکر لگا کر زیارت کر کے واپس چلا جاتا تھا۔ بقول شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھورے رنگ کا بھیڑیے سے کچھ بڑا دکھائی دیتا تھا۔

حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور مشہور و معروف کرامت ابھی تک زندہ ہے۔ اُن دنوں آپ کے گھر کے قریب کئی لوگ کپاس کاشت کرتے تھے۔ جب کپاس پک جاتی تو راتوں رات چور چُن کر لے جاتے۔ اس بات سے زمیندار تنگ آ کر حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے۔ آپ نے فرمایا اچھا اس کے بعد آپ کی کپاس کوئی چور چوری نہ کر سکے گا۔ صبح جب وہ کھیتوں میں گئے کہ کپاس چُن لیں دیکھا کہ ہر ڈوڈی کے ساتھ ایک سانپ لپٹا ہوا ہے۔ وہ ڈر کر واپس آپ کو بتانے آ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کی کپاس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ صرف چوروں کے لئے ہیں آپ کو وہ کچھ نہیں کہیں گے۔ ان کی یہ ڈیوٹی رہے گی جب تک آپ لوگ کپاس مکمّل طور پر چُن نہ لیں۔

تب جا کر انہوں نے کپاس چُننا شروع کر دی۔ وہ ہاتھ سے سانپ کو ہٹا کر کپاس چُنتے مگر سانپ بڑے سکون سے بیٹھے رہتے۔ کسی کو ڈسنے کے لئے نہ منہ اٹھاتے اور نہ لپٹتے۔ یہاں تک کہ اس سال ساری کپاس جب مکمّل چن لی گئی تب وہ سانپ کہیں غائب ہو گئے۔ اس کے بعد سے اب تک اس علاقہ کی کپاس کوئی چور چرا نہیں سکتا۔ اگر کوئی چوری کرنے کے ارادے سے آ بھی جائے تو اسے سانپ ڈس لیتا ہے۔ مگر عام شخص کو اس علاقے میں ابھی تک کوئی سانپ نہیں

ڈس سکتا۔ اگرچہ اس کا پاؤں سانپ کے اوپر بھی کیوں نہ پڑے۔ یہ صرف شیخ حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا کا اثر ہے جو ابھی تک کارفرما ہے۔ نیز آپ کے مزار کی مٹی کئی بیماریوں کے لئے خاک شفا کا کام دیتی ہے۔ ان بیماریوں کے بارے اس علاقے کے لوگوں کو معلوم ہے۔ شیخ حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش گاہ اب ایک بہت بڑی بستی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ جو بستی شیخان کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں ابھی تک سادات کے گھرانے ہیں۔

3:۔ ڈھیری کلہ سیدان بخاری کی آبادی

یہ بستی شیخان ہمارے مرشد کریم خواجہ سید محمد گل محمد حواص شاہ صاحب بخاری کی موجودہ بستی ڈھیری کلہ سیدان بخاری کے بالکل سامنے شمالی جانب واقع ہے۔ حضرت شیخ حبیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آخری وقت بستی والوں کو وصیّت کی تھی کہ آپ لوگ جب تک ان چار باتوں سے احتیاط کرتے رہے آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔

1:۔ کوئی کالا کپڑا نہ پہنے۔

2:۔ کوئی پکا مکان نہ بنائے۔

3:۔ کوئی گھر میں گدھا نہ رکھے۔

4:۔ کوئی گھر پر بکری نہ رکھے۔

جب بستی والوں نے کچھ عرصہ بعد ان باتوں کی پابندی چھوڑ دی تو اس کلی شیخان سے پہلے پہل وہ دو بھائی جنہوں نے یہاں سے خیر باد کہہ کر موجودہ بستی ڈھیری کلہ سیداں بخاری کی بنیاد ڈالی ایک سیّد نرز عابد شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری حضرت خواجہ سیّد ولی سیدان شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو سیّد زوار حسین شاہ صاحب کے نورِ چشم اور ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے والد ماجد تھے۔ یعنی سید نرز عابد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہمارے مرشد کریم مدظلہُ العالی کے چچا ٹھہرے۔ اور اس بستی کے مؤسّس اوّل ہمارے مرشد کریم کے والد ماجد ٹھہرے۔ اس لئے اس بستی کا نام بھی ڈھیری کلہ سیداں آپ کے والد ماجد کے نام پر رکھا ہوا ہے۔ اس بستی کے گرد ونواح کی تمام زمینیں انہیں کی ملکیت تھیں۔ ہمارے مرشد کریم کی پرانی بستی ''بستی شیخان'' ابھی تک آباد ہے اور وہاں پر آپ کا پرانا گھر ابھی تک بوسیدہ حالت میں موجود ہے۔ خواجہ غریب نواز سیّد محمد نواز شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم ابھی تک شادی اور غمی میں اکثر و بیشتر اس بستی میں جاتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنا پرانا گھر بھی دیکھ آتے ہیں۔

4:۔ آپ کی پیدائش اور بچپن

آپ کا تولّد موجودہ بستی ڈھیری کلہ سیداں بخاری میں تقریباً 1921ء کو ہوا۔ آپ کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی آپ کے والدِ ماجد رحلت فرما چکے تھے جس کی وجہ سے آپ کی کفالت وتربیت کی مکمّل ذمہ داری آپ کی والدہ ماجدہ پر آپڑی۔ چنانچہ قرآن کریم کی تعلیم کے لئے آپ کو اپنی والدہ محترمہ نے قریبی مسجد میں بٹھا دیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس

دوران موسم سرما میں مسجد آتے جاتے سردی محسوس ہوتی تھی ایک دن والدہ ماجدہ کے سامنے اس بات کا اظہار کیا۔ انہوں نے ایک پرانا جیکٹ (جسے اکثر پٹھان لوگ علاقائی لباس کی صورت میں پہنا کرتے ہیں۔) جو کہ والد ماجد نے بطور وصیت میرے لئے رکھوایا تھا! نکال دیا۔ میں نے دن کو تو پہن لیا۔ رات کو خواب میں مجھے ایک بہت بڑا سانپ دکھائی دیا۔ میرے ڈسنے کے لئے میرے پیچھے دوڑ پڑا۔ بڑی مشکل سے اس سے اپنی جان بچالی۔ دوسری رات دوبارہ یہی خواب دیکھا۔ جب تیسری رات بھی یہی خواب دیکھا تو بستی میں موجود ایک فقیر آدمی سے جا کر اس کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ آپ کے پاس کچھ پیسے ہوں گے یہ خواب اُنہی کی وجہ سے ہے۔ میں نے بڑی سوچ بچار کے بعد اس جیکٹ کو جب بار بار ٹٹولا تو محسوس کیا کہ اس کے ایک کونے میں چاندی کے کچھ پیسے سِلے ہوئے ہیں ٹانکے کھولنے کے بعد پیسے نکال لئے جو شاید والد ماجد نے میری کفالت کے لئے اس میں چھپا کر رکھے تھے۔ میں نے والدہ ماجدہ کے حوالے کر دیئے۔ جنہوں نے وہ رقم دورانِ تعلیم مجھ پر خرچ کر دیئے مجھے یاد ہے کہ کچھ کتابیں بھی اسی رقم سے خرید کر والدہ ماجدہ نے مجھے دی تھیں۔

5:۔ آپ کے بھائی

آپ کے ایک برادرِ محترم (بھائی) تھے۔ بہت صحت مند، قد آور اور حسین وجمیل تھے۔ عالم جوانی میں بغیر شادی کئے انتقال فرما گئے۔ ان کا نام نامی اسمِ گرامی سیّد محمد زرجان شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھا۔

6:۔ والد گرامی کے حالات اور ان کا عالمِ جذب وکیف

اپنے وقت کے قلندر، عارفِ کامل، حضرت خواجہ شاہ ولی سیدان شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے جدّ امجد چونکہ افغانستان کے شہر بخارا کے رہنے والے تھے۔ اس بابرکت شہر کے ساتھ نسبت کی وجہ سے آپ بخاری سیّد کہلاتے ہیں بخاری شریف "اَصَحَ الْكِتَابَ بَعَدَ كِتَابَ اللّٰه" (قرآن کریم کے بعد صحیح ترین کتاب) کے مصنّف حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس شہر کے ساتھ منسوب آپ کے آباؤ اجداد میں سے ہیں۔ مشہور ومعروف بزرگ حضرت خواجہ سیّد جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی شہر سے منسوب آپ کے سلسلہ نسب سے ہیں۔ سادات کو جس طرح کہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ "عشق ومستی" ورثے میں ملتی ہے۔ عارفِ کامل، حضرت شاہ ولی سیدان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی خاندانی روایات کے مطابق ہر وقت جذب وکیف اور وجد ومستی کی حالت میں رہتے تھے۔ آپ اکثر اپنی دنیا میں مست، مال ودولت کی طرف ذرا بھر توجہ نہ فرماتے اور دَورُوں پر اکثر وبیشتر علاقہ "مرگین" میں رہائش رکھتے۔ کیونکہ یہاں آپ کے بہ نسبت دوسرے علاقوں کے زیادہ مرید تھے۔ اس کے علاوہ آپ کی پیری ومریدی کا سلسلہ علاقہ کابُل، قندھار، غزنی اور ترکستان تک تھا۔ (اس بات کا ثبوت خود راقم الحروف کو علاقہ فورٹ منرو، جو کہ ضلع ڈیرہ غازیخان کے ساتھ ہے میں کابُل سے آئے ہوئے افغان مہاجرین کے کیمپوں میں ہوا انہوں نے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کی دعوت کی۔ وہاں پہنچ کر جب آپس میں تعارف ہوا تو وہ سارا خاندان آپ کے والدِ ماجد حضرت خواجہ شاہ ولی سیدان شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کا مرید نکلا۔ آپ اس دن دیر تک ان کے پاس خوش خوش محو گفتگو رہے) علاقہ ترکستان میں مشہور بزرگ حضرت سخی بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر آپ مکمّل سات برس چلّہ کش رہے تھے۔ وہاں سے آپ کو اپنے پردادا حضرت شیخ حماد روحانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بشارت ملی کہ آپ چونکہ میری اولاد سے ہیں۔ میرے دربار میں لنگر کا نظام ناقص ہو چکا ہے۔ آپ خود آ کر میرے لنگر کا انتظام سنبھال لیں۔ چنانچہ آپ حسب اشارہ روانہ ہو کر حضرت شیخ حماد روحانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ واقعی لنگر کا نظام ناقص پایا۔ جو مجاور مقرر تھا زیادہ تر اچھا مال اپنے قبضے میں لے لیتا۔ ناقص اور بہت کم سامان لنگر میں تقسیم کرتا۔ آپ نے جا کر مداخلت کی اور بتایا کہ میں ان کی اولاد سے ہوں۔ لنگر کا نظام خود چلانا چاہتا ہوں اور یہ میرا حق بھی ہے لہٰذا آپ دست بردار ہو جائیں۔ مجاور نے بالکل انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ بات وقت کے گورنر تک جا پہنچی۔ گورنر نے یہ فیصلہ صادر کیا۔ کہ شیخ حماد رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے کہ میری اولاد کا ثبوت یہ ہے کہ اگر وہ میرے دروازے پر آ جائیں بند تالا خود بخود کھل کر ان کی گود میں آئے گا۔ لہٰذا آپ کو صبح ہم دربار پر لے جائیں گے۔ اس طرح اگر ہوا تو آپ کو پھر انتظام چلانے کا حق ہوگا۔ چنانچہ علی الصبح کافی لوگ گورنر کے جلو میں دربار پر حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ ولی سیدان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب دروازے کے قریب پہنچے دو رکعت نماز نفل پڑھنے کی اجازت چاہی بعد از ادائیگی نفل آگے بڑھ کر جھولی پساری تالا فوراً کھل کر ان کی گود میں آ گرا۔ ساری موجود مخلوق نے یہ کرشمہ دیکھا۔ دیگر عام لوگوں کے علاوہ گورنر بھی آپ کا مرید بن گیا۔ اس کے بعد آپ نے مسلسل تین سال تک لنگر چلایا اور ساتھ ساتھ طریقت بھی چلاتے رہے۔

7:۔ آپ کے والد ماجد اور سلسلہ قادریہ وقلندریہ

حضرت خواجہ شاہ ولی سیدان شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ طریقت میں سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ کی بیعت و اجازت یافتہ تھے۔ بعد میں وقت کے ساتھ آپ کو سلسلہ قلندریہ چلانے کا بھی شوق پیدا ہوا۔ مثال مشہور ہے جس طرح کہ دنیا دار کبھی دنیا سے سیر نہیں ہوتا اسی طرح عارف بھی کبھی معرفتِ الٰہی سے سیر ہونے کو نہیں آتا۔ چنانچہ اس عزم کی تکمیل کے لئے آپ کو حضرت شیخ حماد روحانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے سخی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ سیہون شریف سندھ (پاکستان) جانے کا حکم۔ ملا حسب حکم یہاں آ کر آپ مکمّل تین سال تک سلسلہ قلندریہ لینے کے لئے لعل شہبار قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر چلّہ کش رہے۔ آخر کار ایک دن لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آپ کو سلسلہ قلندریہ بھی ارزانی ہوا۔

شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ کشف آپ سے فرمایا کہ اس سلسلے کا چلانا اس دور میں بہت مشکل کام ہے۔ میں نہ دیتا، مگر آپ چونکہ بخاری سیّد ہیں ضرور متحمل ہو جائیں گے اور احتیاط سے کام لیں گے۔ اس کے بعد آپ کو اپنے گھر علاقہ سرحد شہر بنوں کے قریب ڈھیری کلہ سیدان بخاری میں مستقل قیام کرنے کا حکم ہوا۔ جس طرح کہ پہلے بتایا جا چکا ہے وہ پہلے شخص آپ ہیں کہ اس موجودہ جگہ پہ آ کر ڈیرے ڈال دیے۔ پھر آپ کا باقی خاندان بھی آہستہ آہستہ یہاں آ کر آباد ہونے لگا یہاں تک کہ یہ جگہ مستقل آباد ہو کر ایک بستی کی صورت اختیار کر گئی۔ اس بستی کے گرد و نواح کی ساری زمین آپ

کی تھی۔مگر جو بھی یہاں آ کر آباد ہوتا،شروع میں اسے مستعار دیتے بعد میں فرما دیتے کہ ہم نے دنیاوی جائیداد کو کیا کرنا ہے یہ جگہ مستقل طور پر آپ کی ہوگئی۔اس وقت مرشد کریم حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری مدظلہُ العالی کا تولّد نہ ہوا تھا۔اب آپ کے صاحب زادے غریب نواز محمد نواز شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے جب ہوش سنبھالا تو ایک دن بابا جی سے عرض کی کہ دادا جان نے جو اپنی زمینیں لوگوں کو دی تھیں اب چونکہ ہماری زمین بہت کم ہو چکی ہے۔ان سے کچھ نہ کچھ واپس لے لیں۔آپ نے صاف صاف انکار کر کے فرمایا کہ میں بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہوں۔فقیروں کا دنیاوی دولت سے کیا تعلّق! ہمیں خدا نے جو دین کی دولت عطا کی ہے وہ کسی سے تھوڑی ہے؟ اسی پر شکر کر و خدا کی زمین سے خدا کی مخلوق مستفید ہوتی رہے۔غریب نواز فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد ابھی تک دوبارہ بات نہیں کی۔عارف کامل حضرت خواجہ سید شاہ ولی سیدان شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ واردات قلبی کی بھرمار کی وجہ سے اکثر و بیشتر حالت مجذوبیّت اور استغراق میں رہتے۔مرشد کریم سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے والد صاحب کی شکل وشباہت سن لاشعوری کی وجہ سے اتنی یاد نہیں ہے مگر والدہ صاحبہ بتایا کرتی تھیں کہ آپ کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قدر حسین تھے کہ تمہارا چہرہ ان کی نسبت چار آنے کے برابر بھی نہیں ہے۔اوران کی ریاضت وعبادت کی یہ حالت رہتی تھی کہ میں نے اپنی ساری زندگی رات بھر اُنہیں بہت کم سوتا ہوا پایا جب بھی دیکھا تو عبادت میں مصروف ہوتے۔اقبالؒ:

؎ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو　　　عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

8:۔والد ماجد کی وفات

آخری عمر میں آپ اکثر خلوت نشیں رہتے۔دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے عقیدت مندوں کو صرف ایک مختصر مقرر وقت کے لئے اپنی عارفانہ وجاذبانہ گفتگو سے نوازتے۔چنانچہ کمزوری جب حد سے بڑھ گئی تو نہایت قلیل علالت کے بعد دائمی اجل کو لبیک کہتے ہوئے ہمیشہ کی مسرّتوں سے ہمکنار ہوئے۔ مرشد کریم مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے کافی صاحبِ طریقت مریدان افغانستان اور دوسرے علاقوں سے کچھ عرصے تک آتے جاتے تھے چونکہ میں اس وقت چھوٹا اور ناسمجھ تھا۔ان سے واقفیت اور پہچان پیدا نہ کر سکا۔اب غیر ملک ہونے کی وجہ سے ان سے مکمّل طور پر رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ ولی سیدان شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک اسی ڈھیری کلہ سیدان بخاری سے متّصل ابھی تک موجود ہے، جہاں اکثر و بیشتر لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔سالانہ عرس مبارک بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے جس میں دور دراز علاقوں سے ہزاروں عقیدت مند آ کر شرکت کر کے روحانی برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

9:۔ والدہ کی خاص تربیت اور فیضِ دُعا

جس طرح کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ میرے سن شعور میں آتے ہی والد ماجد انتقال فرما گئے بعد میں مَیں اپنی والدہ ماجدہ کی خاص تربیت میں رہا وہ ہر وقت دست بہ دُعا رہتیں کہ خدایا میرے بچے کو ایسے چمکا دے جس طرح کہ چمکتا ہوا سورج جو ساری دنیا کو روشن کئے ہوئے ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت والدہ کے یہ الفاظ سن کر حیران رہ جاتا کہ یہ کیسی دعا کرتی ہیں اور اس دُعا کا کیا مطلب ہے؟ آخر کار ایک رات میں والدہ محترمہ کے قریب ہی سویا ہوا تھا کہ ایک نامعلوم شخص نے آ کر مجھے جگایا اور کہا شاہ صاحب آپ کا کام سونا نہیں۔ آپ سے آپ کے خدا نے بہت بڑا کام لینا ہے لہٰذا اُٹھو اپنے رب کو یاد کرو۔ فرماتے ہیں میں نے ان کی طرف خاص توجہ نہیں دی پھر سو گیا۔ سوتے ہی دوبارہ وہی شخص آیا مجھے جگا کر وہی الفاظ دہرائے۔ اب میرے دل میں ایک خوف سا پیدا ہو گیا اور دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ رات خدا کو یاد کرنا ہے۔ شاید کہ اس کام میں نیند سے زیادہ لطف ہو۔ تب دوسری رات اٹھا وضو کر کے مصلے پر کھڑا ہو گیا۔ آخرِ شب تھی کچھ دیر بعد اذانیں آئیں۔ جب والدہ صاحبہ اُٹھیں مجھے اس حال میں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور پوچھا کہ تجھے رات آرام نہیں آیا طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تب میں نے رات کی ساری آپ بیتی ان سے کہہ ڈالی۔ وہ فوراً سربسجود ہو کر خدا کا شکر ادا کرنے لگیں کہ جس مقصد کے لئے میں ساری زندگی دعائیں مانگتی رہی وہ مقصد آج پورا ہو گیا۔ چنانچہ چند دنوں بعد اس حال پر میری استقامت دیکھ کر مجھ سے آ کر کہنے لگیں کہ بچہ جس آدمی نے آ کر تمہیں اس رات کو دوبارہ اٹھایا تھا وہ حقیقت میں آدمی نہیں تھا بلکہ تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ایک فرشتہ تھا کہ جس نے آ کر ہمیشہ کے لئے تیرے بخت کو جگا دیا۔ اب اس پر قائم رہو۔ میری دعائیں ہر وقت آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اکثر میری والدہ رات کو وضو کے لئے خود اٹھ کر مجھے پانی دیتیں اور مصلّٰی بچھا دیتیں تب صبح تک خود بھی نوافل پڑھتیں اور میرے لئے بھی دعائیں کرتیں۔ آج تک خدا نے مجھ پر جتنے انعامات کئے وہ سب انہیں کی نیم شبی دعاؤں کا نتیجہ ہیں، جو مختلف وسائل سے مجھے آ کر نصیب ہوئیں گو کہ آج وہ جسمانی طور پر میرے ساتھ نہیں ہیں مگر روحانی صورت میں ان کی دعائیں ہمہ وقت میرے ساتھ ہیں۔ خداوند کریم انہیں غریقِ رحمت فرما کر جنت الفردوس نصیب فرماوے۔ آمین۔

10:۔ تحصیل علومِ ظاہری

آپ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے علوم مُتداوِلہ کے لئے اس وقت کے ایک مشہور و معروف مدرسہ جو کہ علاقہ ''سرانی'' بمقام ''مندری'' تھا۔ میں داخل کرایا جہاں آپ نے بہت سے جیّد علماء سے تفسیرِ قرآن و علوم فقہ کے علاوہ فارسی نظم و نثر کی بھی تکمیل کر لی۔ اس وقت آپ سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے۔ اس دوران پشتو کے مشہور و معروف صوفی شاعر بابا عبدالرحمٰن کا شعری مجموعہ ''دیوان بابا عبدالرحمٰن'' بھی خصوصی طور پر زیر مطالعہ رہتا جو بعد میں آپ کے لئے مہمیز فقر ثابت ہوا۔

11:۔شادی خانہ آبادی

ظاہری علوم عقلی ونقلی کی تکمیل کے بعد برادری کی طرف سے آپ کی شادی کا انتظام ہوا۔اس سنت رسول ﷺ کوادا کرنے کے بعداب آپ چونکہ مکمّل اپنی عملی زندگی میں آ چکے تھے۔اصل مقصد زندگی کی طرف مکمّل توجہ دینے کا فیصلہ کرلیا۔بات آخرکار مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر پر آن پہنچی کہ:

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کن　　　خویشتن را جانب دلدار کن

(اَے انسان!سب دنیاوی و مادی بندھنوں کوتوڑ کر معشوق حقیقی کی لذتِ دیدار کا سامان مہیا کرلے)

12:۔تحصیل علومِ باطنی کا شوق

چنانچہ اس کے بعد آپ نے تمام تر توجہ علومِ باطن کی طرف مبذول کردی کیونکہ آپ میں امام العاشقین حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا خون اطہر موجود تھا۔علومِ باطن دراصل عشق ہی کے ثمرات ہیں اور عشق کی تحصیل مکتبِ نگاہ کے بغیر اور کہیں بھی نہیں ہوسکتی۔جذب وکیف اور عشق ومستی چونکہ آپ کی گھٹی میں موجود تھی اور اس وقت پختہ ذہن ہوکر دنیائے تصوف کو بھی مکمّل طور پر چھان چکے تھے۔علم ظاہر کی تخمین وظن اور علوم باطن کے ذوق ومشاہدات سے مکمّل طور پر باخبر ہو چکے تھے۔یہ بھی معلوم تھا کہ ''قال'' سے ''حال'' کی طرف کس طرح آنا پڑتا ہے۔بقول آپ کے جب میں نے خاص کر رحمان بابا رحمۃ اللہ علیہ کا کلام مکمّل طور پر پڑھ لیا اُس وقت سے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ سب کچھ چھوڑ کر صرف اللہ کوراضی کرنا ہے۔

لہٰذا آپ نے کسی مرد کامل کی بیعت کرنے کی ٹھان لی اور فیضانِ نظر سے آداب طریقت وحقیقت حاصل کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کسی مرشد کامل کی جستجو میں لگ گئے۔آپ کو معلوم تھا کہ علمِ معرفت کا کٹھن راستہ بغیر مرشد کامل کے ہرگز طے نہیں ہوسکتا۔بقول رومیؒ:

؎ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر　　　ہست پُر از آفت و خوف و خطر

(اگر راہِ معرفت میں سفر کرنے کا ارادہ ہوتو کسی رہبر کامل کو تلاش کرلے۔کیونکہ یہ راستہ آفات و بلیات اور نفسانی وشیطانی خوف وخطر سے بھرا ہوا ہے)

13:۔مختلف اولیاءکرام سے اکتسابِ فیض

آپ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں ایک مرتبہ ایک بزرگ کی خدمت میں گیا۔اس وقت میری ابتدائی جوانی تھی۔وہ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر میرے استقبال کو آگے بڑھے اور کہتے جاتے تھے ''خدایا اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں!'' یہی الفاظ دہراتے ہوئے انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا۔دوران مصافحہ انھوں نے مجھ پر اتنی توجہ دی کہ مجھ پر حال طاری ہوگیا۔بے خود ہوکر رونے لگا۔آخرکار کچھ دیر بعد انہوں نے میرے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔تب وہ سب فیض ان

کے ہاتھ کی برکت سے مجھ میں جذب ہو گیا۔ چنانچہ بعد از مہمان نوازی انہوں نے مجھے بڑے اچھے طریقے سے رخصت فرما کر مزید ہمت کرنے کی تاکید فرمائی۔

فقیراے۔پی رحمۃ اللہ علیہ: آپ فرماتے ہیں کہ میں نے گو بہت سے اولیاء کرام سے اکتساب فیض کیا مگر اپنے والد ماجد اور حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جس قدر فیض، فقیر میرزعلی خان المعروف فقیراے۔پی سے حاصل کیا اور کسی سے نہیں کیا۔ ان کے والد کا نام ارسلہ خان اور قوم تُوری خیل سے متعلّق تھے۔ ان کے تین اور بھائی شیر زمان، میر زمان اور گل زلی خان بھی تھے جوان کی طرح نہیں تھے گو میں انکا مرید نہیں تھا۔ لیکن عقیدت کی بنیاد پر فیض صحبت سے بے انتہا مستفید ہوا۔ (فقیراے پی صاحب دراصل آپ کے رشتہ دار تھے۔ یعنی آپ کے چچا کی سالی کے خاوند تھے۔) وہ میرانشاہ علاقہ غیر (وزیرستان) کے پہاڑوں میں ایک جگہ ''گرویک'' کے رہنے والے تھے۔ اسی نسبت سے آپ کو ''گُرویک بابا'' بھی کہتے تھے۔ بعض لوگ آپ کو ''گرویک حاجی صاحب'' بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے حج کیا ہوا تھا۔ آپ کا ان کے پاس کافی آنا جانا تھا۔ چنانچہ آپ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا اصل نام میرزعلی خان تھا اور وہ پیر نقیب شاہ صاحب افغانیؒ کے مرید تھے۔ خلافت انہیں ملی ہوئی تھی مگر اشاعت سلسلہ کے لئے اجازت بیعت نہیں تھی۔ اس لئے وہ کسی کو بیعت نہیں فرماتے۔ ساری مخلوق صرف عقیدت کے لحاظ سے ان کی غلامی میں تھی۔ وہ کسی سے خود نذرانہ نہیں لیتے تھے۔ غیبی امداد سے رات دن ان کا لنگر چلتا تھا۔ وہ ہر وقت نقاب پوش رہتے۔ خصوصاً منہ اور ہاتھ کسی کو نہیں دکھاتے تھے۔ جو اُن کا چہرہ دیکھتا وہ بہت خوش قسمت ہوتا تھا۔ روٹی بالکل نہیں کھاتے تھے۔

مرشد کریم مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں یہ باتیں شک سے بالاتر ہیں، کیونکہ ان سے ہمارے ہمہ قسم قریبی تعلّقات تھے۔ ان کے معمولات کے بارے میں جس قدر میں جانتا ہوں شاید کوئی اور جانتا ہو۔ وہ لاغر اور کمزور نہایت چھوٹے جسم کے مالک تھے۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر دوروں پر جاتے اس قدر ہلکے جسم کے تھے کہ انہیں آسانی سے گھوڑے پر بٹھاتے اور پھر اٹھا کر انہیں اتارتے۔ ان کا گھوڑا بہت نرم اور فرمانبردار تھا۔ ان کے دَوروں پر ان کے آگے پیچھے کافی مخلوق ہوا کرتی تھی۔ ایک دن دوران سفر ایک اجنبی آدمی کے دل میں خیال آیا کہ یہ سب لوگ بے وقوف ہیں کہ اس قدر ضعیف و نحیف اور چھوٹے سے آدمی کے آگے پیچھے دوڑتے بھاگتے ہیں۔ اتنے میں خدا کی قدرت سے اس کی آنکھوں کے سامنے تاریک پردے اٹھ گئے۔ کیا دیکھتا ہے کہ فقیراے پی جس چیز کے سامنے سے گزرتے ہیں وہ سجدے میں گر پڑتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی یہ کیفیت ختم ہو گئی۔ بعد میں وہ آدمی ان کے پیچھے روتا پھرتا تھا کہ افسوس ہے میں نے حقیقت کو مذاق سمجھا تھا۔ فقیر صاحب مجھ پر ناراض نہ ہوں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سچ فرماتے ہیں کہ:

؎ آں گروہیکہ رہیدند از وجود چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود

(جو لوگ آلائشِ نفسانی سے مکمّل پاک ہو گئے۔ ان کے سامنے آسمان، چاند اور سورج سجدہ ریز رہتے ہیں۔)

مرشد کریم باباجی سرکار فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں ان کی ملاقات کا شوق لئے گھر سے روانہ ہوا۔ راستے میں بہت تھک گیا۔ یہاں تک کہ ایک جوتا بھی ٹوٹ گیا۔ دشوار گزار پہاڑی راستہ تھا۔ پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ آخر کار تھک کر ایک درخت کے نیچے ذرا سستایا۔ اچانک دیکھا کہ فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کا گھوڑا بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ میرے قریب آ کر بڑے سکون سے کھڑا ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ گھوڑا اے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کرامت سے بھیجا ہوا ہے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گھوڑا خود بخود واپس فقیرا ے پی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد دیکھا کہ فقیرا ے پی صاحب کا ایک نوکر اس راستے سے بھاگتا ہوا آ رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر ٹھہر گیا اور بتایا کہ گھوڑا ابھی ابھی چراگاہ سے اچانک دوڑ پڑا۔ جس طرح کہ اسے ایک آدمی ہانک رہا ہو۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑا مگر کہاں! حالانکہ اس سے پہلے ایسا واقعہ کبھی بھی پیش نہیں آیا۔ اب مجھے اس بات کی سمجھ آ گئی۔ جب میں فقیرا ے پی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا شاہ صاحب گھوڑا بروقت پہنچا؟ کوئی زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟ میں نے شکریہ ادا کر کے ان کی دست بوسی کی۔

آپ فرماتے ہیں کہ فقیرا ے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت مستجاب الدّعوات بزرگ تھے۔ ہمارے ماموں کی جب وفات ہوئی تو اسی رات میں نے انہیں خواب میں دیکھا پوچھا ماموں جان آپ سے کیا معاملہ ہوا؟ جواب دیا کہ شاہ صاحب! میری نیکیوں کا وزن کیا گیا اور گناہوں کا بھی مگر گناہ زیادہ ہوئے۔ حکم ہوا کہ اسے دوزخ کی طرف لے جاؤ۔ اتنے میں فقیرا ے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میری مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ فوراً خداوند کریم نے اپنے دوست کا بھرم رکھتے ہوئے میرا حکم دوزخ منسوخ کر کے بہشت میں داخل کر دیا۔ اب شکر الحمد اللہ میں بالکل پُرسکون ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد از بیداری خدا کا شکر ادا کیا۔

گوروں کی حکومت (متحدہ ہندوستان کے دور) میں انگریزوں سے آپ کا مقابلہ مشہور و معروف اور تاریخ اسلام کا ایک مکمّل باب ہے۔ ان کے پاس کثیر تعداد میں عقیدت مند مجاہدوں کی ایک مکمّل فوج ہوا کرتی تھی جنہیں انگریز کی فوج کشی کا پتہ ابابیلوں کی آمد سے چلتا تھا۔ وہ ان کے اشارے پر جہاد کرتے تھے۔ انگریزوں کی گوریلا فوج ان پر اور ان کے سرفروش مجاہدوں پر جس قدر بمباری کرتی مگر بم بالکل پھٹتے نہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے آستانہ پر گولہ باری کے لئے ٹینک ظاہر ہوا۔ عقیدت مندوں نے عرض کی حضور! سامنے گولہ باری کے لئے ٹینک آ رہا ہے کیا کیا جائے؟ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا وہ تو پتھر ہے ٹینک نہیں ہے۔ آپ کے فرماتے ہی وہ ٹینک پتھر بن چکا تھا۔ جو آج تک چشم فلک میں نشانۂ عبرت بنے فقیر صاحب کی کرامت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنے مجاہدوں کو ایک قسم کی لاٹھیاں تقسیم کی ہوئی تھیں۔ وہ لاٹھیاں جس طرف گھماتے ان سے اس قدر فلک شگاف فائرنگ شروع ہوتی کہ دشمن افواج کے دستوں کے دستے چند لمحات میں (لشکر ابرہہ کی طرح) تباہ و برباد ہو جاتے۔ ان لاٹھیوں سے اس قسم کے کارتوس نکلتے کہ ان کا سکہ اس

دنیا میں کسی دھات سے نہ ملتا تھا۔ انگریز دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اس بادیہ نشیں فقیر کے پاس اس قسم کا خطرناک اسلحہ کہاں سے آتا ہے؟۔ اس نے اس کی راہ رسد کا جتنا سراغ لگایا مگر جاسوسی کی قوت ناکام رہی۔ اس سے نکلنے والے بارود پر کافی تجربے کئے مگر حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ ہمارے بنوں کے علاقہ میں بہت سے عقیدت مندوں کے پاس وہ استعمال شدہ سکے بطور تبرک ابھی تک موجود ہیں۔ میں (سیّد محمد گل حواص شاہ) نے بھی اسے دیکھا ہوا ہے۔ انگریز چونکہ فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کے جانی دشمن تھے اور ہر وقت انہیں جان سے ماردینے کے درپے رہتے تھے۔ اس مقصد کی خاطر وہ ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ (ملفوظات میں جا بجا ان کا ذکر آتا ہے۔ حضرت صاحب بعض اوقات انہیں حاجی صاحب کے نام سے بھی یاد فرماتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے بنوں شہر سے ایک آدمی کو شدید ترین زہر چینی میں ملا کر بھیج دیا کہ یہ جا کر فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر میں بطور عقیدت پیش کر دیں تا کہ وہ سب کھا کر مر جائیں۔ چنانچہ اس نے وہ چینی اٹھائی اور فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر لنگر کے لئے پیش کر دیا۔ فقیر صاحب نے اسے دیکھتے ہی اس کے دل کی بات معلوم کر لی۔ حکم دیا کہ اس سے حلوہ اور بہترین چائے بنا کر صرف اس مہمان کے لئے تیار کی جائے۔ چنانچہ حسبِ حکم کھانا بنا کر خادم جب اسی (جاسوس) شخص کے سامنے لایا تو فقیرا ے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتا کر کہ یہ کھانا آپ ہی کے کھانڈ سے تیار کیا گیا ہے خوب کھاؤ! اسے تو پتہ تھا کہ یہ زہر ہے کھانے سے انکار کر دیا۔ فقیرا ے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب انکار کی وجہ بتانے پر مجبور کر دیا تو اس نے ساری بات کہہ ڈالی اور اپنی جان بخشی مانگی۔ چنانچہ فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ نے لنگر خانہ سے دور پہاڑ میں گڑھا کھدوا کر اس زہر کو زمین میں دفن کرا دیا۔ اور اس جاسوس کو اپنے مجاہدین کی نگرانی میں واپس بنوں بھیج دیا۔ چند دن بعد وہ عقل سے ماؤف ہو گیا اپنے گھر کو آگ لگا دی اور پاگل ہو کر نکل گیا۔ بعد میں انگریزوں کو بھی اس بات کا پتہ چل گیا تھا۔

اس طرح انگریز نے ایک آدمی سے دودھ میں زہر ڈلوا کر بھیج دیا کہ یہ فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کے لنگر میں دے کے آئیں تا کہ یہ پی کر وہ مر جائیں۔ چنانچہ اس نے جب وہ دودھ فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے حکم فرمایا کہ پہلے یہ دودھ آپ خود پی لیں پھر ہم پیئیں گے۔ مہمان یہ سن کر نہایت ہراساں ہوا اور پینے سے صاف صاف انکار کر دیا۔ فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ اس قدر کیوں گھبرا رہے ہیں اچھا ٹھہرو پہلے میں خود پی لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ایک پورا گلاس پی لیا۔ مہمان حیران رہ گیا کہ یہ مرا کیوں نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا دوست یہ کوئی حیرانگی کی بات نہیں ہے اس میں زہر ہے ہی نہیں۔ اب آپ بھی بے فکر ہو کر پی لیں۔ چنانچہ مہمان نے بھی پی لیا تب تو اسے معلوم ہوا کہ واقعی اس میں زہر نہیں ہے۔ اس کے بعد فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ سنو! جس وقت آپ بنوں شہر میں بیٹھے دودھ میں زہر ڈال رہے تھے میں دیکھ رہا تھا اور میں نے زہر ہاتھ میں لیا دودھ تک جانے ہی نہ دیا۔ یقین نہ آئے تو یہ دیکھو (آپ نے کاغذ میں رکھا ہوا وہی زہر مہمان کو دکھا دیا) مہمان حیران ہو کر توبہ تائب ہوا، اور عقیدت مند بن کر واپس لوٹا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ غالب است و چیرہ از ہر دو جہاں ⠀⠀⠀ بیانِ ایں غالب نگنجد در دہاں

(دونوں جہاں فقیر کے کنٹرول میں ہیں۔اس کی طاقت کا بیان کرنا زبان و بیان کی دسترس سے باہر ہے۔)

آخر کار فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ سے حکومت فرنگ نے تنگ آ کر دورانِ جنگ صلح کرانے اور دھمکانے کے لئے ان کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا کہ ان سے انٹرویو لے کر حکومتِ وقت کی طرف سے سب کچھ دے کر صلح کرنے کی پیش کش کریں۔ جب سفیر اس مرد درویش کے دربار میں پہنچا تو اے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بلا کر اس کی آنکھوں پر اپنا رومال پھیر دیا اور فرمایا دیکھو! سفیر کیا دیکھتا ہے کہ یہ سارے پہاڑ سونا چاندی کے ہیں۔تاحدِ نظر بے شمار اصل لڑا کا طیارے ہمہ قسم جدید آلات سے لیس بالکل تیار کھڑے ہیں اور اس قدر زمینی فوج جدید ترین اسلحہ سے لیس کھڑی ہے کہ زمین پر سمانے کو نہیں آتی۔سفیر یہ دیکھ کر کانپنے لگا۔اے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا اب سناؤ ہمیں کسی سے کوئی خوف ہے یا کسی کی کسی قسم کی امداد کی ضرورت ہے؟ سفیر قدموں میں گر پڑا اور اپنی اس جرأت کی معافی مانگی۔واپس جا کر حکومت کو آگاہ کر دیا کہ اس فقیر کے ساتھ آپ کی حکومت مقابلہ نہیں کر سکتی بغیر آزاد چھوڑنے کے اور اس کا کوئی علاج نہیں۔

؎ اللہ کو پامردئی مومن پہ بھروسا ⠀⠀⠀ ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے ⠀⠀⠀ وہ کیا تھا! زورِ حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

چنانچہ اس آخری حربہ کے بعد انگریز مجبور ہو کر اپنے ہتھیار سمیٹ کرنا کام واپس لوٹے اور فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ کو تبلیغ اسلام کی آزادی دے کر اپنی مرضی پر چھوڑ دیا۔علامہ اقبال نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا تھا:

؎ طائرِ دانا نمی گردد اسیر ⠀⠀⠀ گرچہ باشد دامے از تارِ حریر

(جال ریشمی دھاگوں سے بُنا ہوا کیوں نہ ہو۔عقل مند پرندہ اس میں ہرگز نہیں پھنس سکتا۔)

بابا جی (ہمارے مرشد کریم) فرماتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً انگریزوں کے جاسوس بھیس بدل کر خفیہ طور پر ان کی محفل میں آ گھستے۔تو آپ فوراً اس پر ہاتھ رکھتے تو اس قدر زور سے اس کے پیٹ سے ہوا خارج ہوتی کہ وہ اہل محفل کے سامنے شرمندگی میں ڈوب جاتا۔تب لوگوں کو پتہ چلتا کہ یہ جاسوس ہے۔اُس کے مارنے پر آمادہ ہو جاتے مگر اے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے اس بیچارے کی جان بخشی کرو۔ اِسے یہی شرمندگی کافی ہے۔انشاءاللہ دوبارہ ہماری جاسوسی کے لئے جرأت نہ کرے گا۔ یہ تھے فقیرا ے پی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات۔ان کا مزار پُر انوار ''میرانشاہ'' ہی میں مرجع خلائق ہے۔ بندہ نے خصوصی طور پر ان کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ہمارے مرشد کریم مدظلہُ العالی کو بطور ایک فقیر کامل ان سے نہایت عقیدت تھی اور ساتھ ساتھ قریبی رشتہ دار بھی تھے۔

بابا جی (ہمارے مرشد کامل مدظلہُ العالی) فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے فقیر دیکھے مگر فقیرا ے پی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کامل فقیر نہیں دیکھا۔فرماتے ہیں میری ابتدائی صحبت انہی کے ساتھ رہا کرتی تھی ایک دن انہوں نے مجھے

اپنے پاس بلا کر بٹھا دیا اور میرے جسم پر ہاتھ پھیرتے گئے۔ یہاں تک کہ میرا سارا جسم شیشے کی طرح صاف نُورٌ علیٰ نُور بنتا گیا۔ تب انہوں نے فرمایا شاہ صاحب! جو فیض آپ کی قسمت میں میرے پاس لکھا ہوا تھا وہ آج تمہیں مل گیا ہے اب اس سے آگے آپ کو طریقت چلانے کی ضرورت ہے۔ چونکہ میں خود اجازت یافتہ نہیں ہوں آپ کو اجازت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا جا کر کسی صاحب طریقت فقیر کی بیعت کر کے ان سے اجازت بیعت حاصل کر لیں۔ تب میں جا کر صاحبِ طریقت فقیر کامل حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تلاش میں کامیاب ہو گیا۔ بقول اقبالؒ:

؎ کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

14:۔ تلاش مرشد کامل

جس طرح مشہور ہے کہ خدا کی رحمت متلاشئ رحمت کا استقبال کرتی ہے۔ حکم الٰہی سے اس وقت کے غوث زماں، شاہ نقشبنداں، زرّیں زر بخت، سرخیل ہند حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو علاقہ بنوں کے تِشنگانِ معرفت کے سیراب کرنے کا اشارہ ہوا کہ ایک شہبازِ لامکاں تیری دام معرفت کا منتظر ہے۔ اس وقت صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کا چرچا عام تھا، جو کہ دربار موہری شریف سے متعلّق اور شہنشاہِ سلاسل، سلسلہ نقشبند کے علم بردار تھے۔ بنوں شہر میں ان فرشتہ رحمت کی آمد کی خبر پا کر آپ نماز جمعہ ادا کرنے ڈھیری کلہ سیدان بخاری سے جامع مسجد بنوں کی طرف روانہ ہوئے، جہاں حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ جلوہ فرما تھے۔ بقول آپ کے جب میں نے صحنِ مسجد میں قدم رکھا تو پہلی صف میں جُبّہ و دستار سے مُرصّع تزک و احتشام سے بیٹھے حضرت صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ پر نگاہ پڑی جب اور قریب گیا تو ایک بہت بڑا انُور کا جلوہ (شعلہ) آپ کے سر مبارک کے اوپر اٹھا اور یہ جلوہ کافی اوپر جا کر ختم ہوا۔ بعد از مشاہدۂ نور میں نے جا کر آپ کی قدم بوسی کی اور آپ کی رفاقت میں نماز جمعہ ادا کی۔

15:۔ بیعتِ مرشد اور اکتسابِ فیض

نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد قریب ہی ایک گھر میں آپ کی چائے کی دعوت تھی۔ میں بھی نیم بسمل کی طرح ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ چائے کے بعد میں نے حاضر خدمت ہو کر بیعت فرمانے کی درخواست کی۔ آپ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا شاہ صاحب ہم آپ ہی کے منتظر تھے۔ شکر الحمد للہ! اللہ کریم نے آپ کو بھیج دیا۔ بیعت فرمانے کے بعد علیحدگی میں بلا کر بتایا شاہ صاحب مسجد میں جو شعلۂ نور آپ نے دیکھا وہ میری روحانیت تھی جو خداوند کریم نے آپ کی طمانیت قلب کی خاطر ظاہر فرمائی تھی اور وہ شعلہ صرف آپ نے دیکھا کیونکہ اور کسی کی نگاہ اس قابل نہیں تھی۔ (جبکہ آپ خود فرماتے ہیں میں نے یہ سمجھا تھا کہ اتنا بڑا شعلہ سب موجودہ مخلوق نے دیکھا لیا ہو گا مگر حضرت صاحب کا فرمان بجا تھا کہ آج تک آپ کے کسی عقیدت مند نے اس شعلے کے بارے کوئی بات نہیں کی) بس آپ کی اتنی سی گفت و گو کے بعد میں ہمیشہ کے لئے آپ کی نگاہوں کا شکار ہو کر آپ کی دامِ محبّت کا اسیر ہو گیا۔ اسمِ ذات کی تلقین فرما کر روز الست کا جام پلا دیا بقول امیر خسروؒ:

؎ مدہوش بیک ساغرائے پیرِ مُغاں کردی　　　　دل بردی و جاں بردی، بے تاب وتواں کردی

(اَے بادہ الست سے مست پیرِ کامل! تُو نے ایک ہی جام (نگاہ) سے ہم سے دل و جان چھین کر ہمیشہ کیلئے بے تاب وتواں کر کے رکھ دیا ہے) پھر عشقِ مرشد کی نوبت اس تک پہنچ گئی تھی کہ اپنے وجود کا ہوش تک نہ رہا بقول شیخ سعدیؒ:

ع　آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد (کہ جسے ایک بار اس ذات حقیقی کی خبر ہوگئی اسے دوبارہ دنیا کی خبر نہ رہی۔)

دورہ ختم ہونے کے بعد جب آپ واپس پنجاب تشریف لے گئے۔ بارِ فراق نا قابل برداشت ہوگیا۔ ہر وقت خیالوں میں گم آپ کی تصویر سامنے رہتی تھی۔ نوبت یہاں تک آئی کہ مسلسل آپ کی خدمت میں رہنا شروع کر دیا۔ ایک لمحہ آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہونا اور دیدارِ جمال سے جُدا ہونا میرے لئے عذاب دوزخ سے کم نہ تھا۔ دیوانگی کی یہ حالت ہوگئی کہ آنکھوں میں مسلسل آنسو جاری رہتے۔ اس لئے مرشد کریم مجھے اپنا دیوانہ سمجھتے اور مجھے اپنے دیوانہ کے نام سے یاد فرماتے۔ جب بھی میں آپ کی محفل میں باریاب ہوتا تو فرماتے کہ دیکھو! ہمارا دیوانہ آ گیا ہے۔ آپ کی ہیبت وجلال کی وجہ سے میرا چہرہ جھکا رہتا۔ آنکھوں میں چونکہ آنسو بھرے رہتے۔ جب بھی کوشش کرتا کہ مرشد کا چہرۂ انور اچھی طرح دیکھ کر پیاس بجھالوں تو صاف صاف نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے ساری زندگی ایک بار بھی اپنے مرشد کریم کا چہرۂ انور صحیح معنوں میں جی بھر کے نہیں دیکھا۔ ہر وقت گریبان آنسوؤں سے تر رہتا۔ میری حالت چونکہ عالم جنوں میں غیر ہوا کرتی تھی جس وجہ سے آپ اکثر مجھے اپنے پیچھے کی طرف بیٹھنے کا حکم فرماتے تا کہ نظروں سے ہٹ کر ذرا سکون لے لے۔ لیکن کہاں!

16:۔زرّیں زر بخت حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر تعارف اور کشف وکرامات

آپ کی پیدائش موضع کھمبارہ ریاست جموں و کشمیر یکم فروری 1901ء بمطابق 28 صفر المظفر 1319ھ بروز جمعۃ المبارک ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی بابا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ کی پیدائش پر علاقہ جموں و کشمیر کے مشہور ومعروف مجذوب نے آپ کی مقبولیّت اور شانِ ولایت کی پیشین گوئی کی تھی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والد گرامی حکم ایزدی سے نقل مکانی کر کے موجودہ مقام ''موہری شریف''، ضلع گجرات پنجاب (پاکستان) میں آ کر مستقل طور پر مقیم ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 29 سال کی عمر میں 15 اپریل 1929ء کو حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ (عید گاہ شریف راولپنڈی) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی۔ آپ کی بیعت کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ان دنوں آپ محکمہ ہائی وے میں سب انجینئر تھے۔ ایک دن آپ کے ملازم نے کہا کہ صاحب جی کل مجھے چھٹی دے دینا۔ میرے مرشد کریم آ رہے ہیں میں اسٹیشن پر جا کر ان کا استقبال کروں گا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ملازم سے کہا ٹھیک ہے کل ہمیں بھی اپنے ساتھ لیجا کر اپنے مرشد کا دیدار کرانا۔ چنانچہ دوسرے دن اسٹیشن پر پہنچتے ہی حافظ عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ میں کب سے آپ کی تلاش میں تھا۔ آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ چھاتی کا ملانا تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہو کر رہ گئے۔

ملازمت کو خیر باد کہا اور تسبیح و مصلّٰی کے جو اصل مقصدِ انسان ہے، مالک بن گئے۔ متواتر 9 ماہ تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات کے خزانے لُوٹے۔ بقول مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے اس وقت جب ہمارے حضرت صاحب حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کے غلام بن گئے۔ حافظ عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکمّل سفید ریش ہو چکے تھے۔ اسی طرح جس وقت مَیں اپنے حضرت صاحب صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا غلام بن گیا آپ بھی سفید ریش ہو چکے تھے۔ چنانچہ مجھے اپنے مرشد کی سنت کی پیروی نصیب ہوگئی اور میں بھی حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آخری خلیفہ تھا۔

صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مختصر عرصہ 7 مارچ 1931ء میں اپنے مرشد سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ تبلیغ دین اور اشاعت سلسلہ کیلئے بیعت کرنا شروع فرمایا۔ پاکستان کے علاوہ دیگر مما لک افغانستان، ایران، عراق اور ملک عرب میں بھی آپ کے مریدوں کا حلقہ موجود ہے۔ 1956ء بمطابق 1375ھ بذریعہ بس فریضہ حج ادا فرمایا۔ تمام زندگی اشاعتِ طریقت اور ریاضات و عبادات میں گزار دی۔ آخر کار 12 جولائی 1965ء بروز سوموار اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ (اِس وقت آپ کے جانشینِ مجاز آپ کے فرزند حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب ہیں)

ع خدا رحمت کُنا د بر عاشقانِ پاک طینت را

''خدا! پاک فطرت عاشقوں پر اپنی رحمتیں نازل فرماوے۔''

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت صاحب نہایت شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے اور شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ گدڑی درویشوں کا خاصہ رہا ہے۔ آپ گدڑی چھوڑ کر شاہانہ لباس کیوں پہنتے ہیں؟۔ جواب میں فرمایا کہ فقیر ہر دور کے مطابق چلتا ہے۔ اسے اپنے نفس کا خیال نہیں ہوا کرتا۔ ان کا مقصدِ حیات رضائے الٰہی اور اصلاحِ نفوس ہوتا ہے جو جس ہنر اور طریقے سے بھی اسے حاصل ہو۔ ان سے پوچھا گیا کہ حضور! پرفتن دور آ گیا ہے۔ دین میں مختلف فرقے پیدا ہو چکے ہیں۔ ان سے کس طرح جان بچائی جا سکتی ہے۔ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ فقیر ہر دور میں اپنی اصلی حالت پر موجود ہوتا ہے۔ اسے کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا اور جو اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا وہ بھی ہر قسم کے نقصان سے محفوظ ہو گیا۔ مثال دیکر فرمایا کہ فقیر چاقو کی طرح ہے جس طرح خربوزہ چاقو پر گرے خربوزہ کٹ جائے گا۔ یا چاقو خربوزے پر گرے تو بھی نقصان خربوزے کا ہو گا۔ بالکل فقیر پر بھی اس طرح کسی فتنے کا اثر نہیں ہو سکے گا۔ مرشد کریم مدظلہٗ العالی روایت فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کی کوئی دعا ہم نے ردّ ہوتے ہوئے بہت کم دیکھی ہے۔ وہ مستجاب الدّعوات تھے۔ ہماری بستی میں منیر شاہ صاحب جو کہ آجکل سرحد اسمبلی میں وزیر منتخب ہو چکے ہیں ہمارے قریبی رشتہ دار ہیں۔ وہ جب حضرت صاحب کے مرید ہوئے تو نہایت غریب آدمی تھے۔ اُن کی ماں نے آ کر حضرت صاحب سے درخواست کی کہ حضور! دُعا فرمائیں کہ خداوند کریم یہ غربت ہم سے دور فرمائے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی یہاں تک کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کا اثر ہے کہ آج وہ دولت سے مالا مال ہیں۔ بعد میں

فرمایا کہ ہماری ساری بستی کے لوگ حضرت صاحب کے مرید تھے۔ مگر گردشِ زمانہ سے کوئی کسی چیز کے پیچھے لگ گیا اور کوئی کیسی چیز کے مگر شکر الحمدللہ صرف ہم ہیں کہ جس مقصد کی خاطر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ابھی تک اس پر قائم ہیں اس کے بدلے میں خداوند کریم نے ہمیں اس مسند پر بٹھا دیا کہ جس پر حضرت صاحب خود تشریف فرما تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے سامنے حضرت صاحب کی خدمت میں ایک اندھا شخص آ کر حاضر ہوا۔ اس نے اپنی بینائی کیلئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اس کی آنکھوں کو دم فرمایا تو عین اسی وقت اس کی بینائی واپس آ گئی۔ سب لوگ حیران رہ گئے۔ وہ شخص قدم بوس ہو کر رخصت ہوا۔ اپنے مرشد کریم کی دُعا سے ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار کا واقعہ ہے کہ علاقہ بارکھان بلوچستان میں ایک دورے پر ایک نابینا شخص نے آ کر اپنی آنکھیں دم کرائیں۔ عین اسی وقت ہمارے سامنے اس کی بینائی بحال ہوگئی۔ مولانا رومیؒ سچ فرماتے ہیں:

؎ اکمہ و ابرص چہ باشد مُردہ نیز　　　زندہ گردد از فسون آں عزیز

(مادرزاد اندھے اور برص والے کیا! مُردہ بھی خدا کے پیارے کی توجہ سے زندہ ہو جاتا ہے۔)

آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت صاحب کے خُلفاء میں بھی بہت کامل بزرگ تھے۔ ہمارے علاقے میں ایک نابینا لڑکا تھا۔ وہ حضرت صاحب کے ایک خلیفہ کے پاس آیا اس نے ان سے دعا کیلئے درخواست کی۔ خلیفہ صاحب نے دعا مانگ کر اُس سے فرمایا کہ حضور ﷺ کے اسم گرامی کو بوقت اذان چوما کرو (کیونکہ اس کا سارا خاندان وہابی تھا) اور دُرود شریف پڑھ کر آنکھوں کو دم کیا کرو۔ خدا رحم فرمائے گا۔ چنانچہ اس لڑکے نے یہ وظیفہ شروع کیا چند دنوں کے اندر اندر اس کی مکمّل بینائی واپس آ گئی۔ چنانچہ اب بھی وہ بنوں شہر میں پلاؤ بیچنے کا کام کرتا ہے۔ مرشد کریم مدظلہُ العالی مزید فرماتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں حضرت صاحب کا ایک مرید صوفی شیر حسن آفریدی تھا جس پر بعض اوقات مجذوبیت بھی چھا جاتی۔ ایک دن وہ سڑک پر شہر جانے کیلئے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بس کو روکنے کیلئے ہاتھ دیا مگر ڈرائیور نے دیوانہ سمجھ کر بس (گاڑی) نہ روکی۔ انہوں نے فوراً جلال میں آ کر اپنی مُشت کو بند کیا۔ چند قدم آگے بس (گاڑی) معاً جام ہو کر ٹھہر گئی۔ ڈرائیور نے جس قدر کوشش کی مگر بس (گاڑی) نے کوئی نقص بھی نہ ہوتے ہوئے ہلنے کا نام نہ لیا۔ تب سواریوں کو محسوس ہوا کہ پیچھے فقیر مُشت بند کئے کھڑا ہے جس کے لئے ڈرائیور نے بس (گاڑی) نہ روکی تھی۔ لوگوں نے جا کر بڑی منت سماجت کے بعد انہیں منا لیا۔ ان کی مُشت کا کھلنا تھا کہ بس (گاڑی) خود بخود سٹارٹ ہوگئی۔ انہوں نے نصیحت کی کہ آئندہ کیلئے ہر دیوانہ کو دیوانہ خیال نہ کرنا۔ آج ہم نے آپ کو معاف کر دیا۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کے فیض کا یہ عالم ہوا کرتا تھا کہ کئی جنات آپ کے مرید تھے۔ ایک تو چھوٹے قد کا (محفل میں کوتہ قد صوفی ندیم المعروف ''بُلبل'' کوٹ ادو والے بیٹھے تھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہمارے ''بلبل'' کی شکل سے مشابہت عاشق علی نام کا جن ہوا کرتا تھا۔ وہ سارا دن حضرت

صاحب کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔عشاء کے بعد غائب ہو جاتا تھا۔حضرت صاحب کے آستانے میں جتنے بڑے بڑے پتھر لگے ہوئے ہیں سب وہی اٹھا کر لایا۔ہم نے کبھی اُسے کھاتے پیتے اور سوتے نہیں دیکھا۔حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد وہ خواجہ معصوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اجازت چاہی کہ جس صورت کیلئے ہم یہاں کمر بستۂ خدمت تھے اب وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتیں۔لہٰذا آج کے بعد ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔اس بات پر ہمارے مرشد کریم اشک بار ہوئے۔ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''لوگ اعتراض کرتے ہیں آپ موہری شریف کیوں نہیں جاتے۔'' تو ہم بھی جب وہاں جا کر وہ صورت نہ پائیں تو ہماری حالت نا قابل برداشت ہو جاتی ہے۔اس لئے جانا بھی بند کر دیا۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب کے جلال کا یہ عالم تھا کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے مرشد حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ نے خُلفاء سے پوچھا ایسا کوئی ہے؟ جو علاقہ ''تیرا'' (کیونکہ وہ دشوار گزار اور خطرناک پہاڑی علاقہ تھا) جا کر تبلیغ کا کام سرانجام دے۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا۔مگر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً کھڑے ہو گئے اور جانے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرما کر روانہ ہونے کا حکم فرمایا۔اسی وقت روانہ ہو کر عالم جذب و کیف میں جب پہاڑوں میں سے گزر رہے تھے چند ڈاکو آپ کے سر ہو گئے اور زادِ سفر چھیننے لگے۔ ساتھ ہی تارکول کے بہت سے ڈرم پڑے ہوئے تھے۔ڈاکوؤں سے فرمایا تم میں سے جو تارکول کا ڈرم اٹھائے وہی میرے سامان کا حقدار بنے گا۔سب ڈاکو سن کر ہنسنے لگے کہ تارکول کا ڈرم بھی کوئی آدمی اٹھا سکتا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا مَردوں کے سامنے یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے۔فوراً آگے بڑھ کر تارکول کا ڈرم سر پر اٹھا لیا۔ڈاکو دیکھتے ہی آپ کے قدموں میں گر پڑے اور اپنے اس بُرے پیشہ سے مکمّل طور پر توبہ تائب ہو گئے۔مولانا رومیؒ اس حقیقت کو یوں آشکارا فرماتے ہیں:

؎ قوّتِ اصلی بشر! نورِ خداست　　قوّت حیوانی مر اُو را نا سزاست

(انسان کی اصلی طاقت تو نُورِ خُدا ہے جانوروں کی سی طاقت اس کے لئے نامناسب ہے۔)

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ آپ کی نور بصیرت اور نگاہِ جلالی کا یہ عالم ہوا کرتا تھا ایک مرتبہ علاقہ اٹک کے ایک نواب نے آپ کی دعوت کی۔ مشہور تھا کہ یہ نہایت متکبّر انسان ہے مگر جب وہ آ کر فخریہ انداز میں حضرت صاحب کے قریب ہی بیٹھ گیا حضرت صاحب نے نواب صاحب کو دیکھ کر فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ نواب صاحب اچھے آدمی نہیں ہیں لیکن ہم جیسے فقیروں کی دعوت کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نواب صاحب نہایت شریف النفس اور اچھے آدمی ہیں۔ کیونکہ اچھوں ہی کا رابطہ اچھوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ سن کر نواب صاحب قدموں میں گر گئے۔اتنا مرعوب ہو گئے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے زمین پر آ گئے۔

بعد از لنگر خانصاحب نے باتوں باتوں میں حضرت صاحب سے عرض کی حضور! کہتے ہیں کہ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

چوروں کو قُطب بناتے تھے کیا یہ بات سچ ہے؟ اس پر حضرت صاحب نے ان کی طرف باطنی توجہ فرما کر زور سے فرمایا ''اللّٰہ'' خانصاحب وجد میں آ گئے۔ چٹائیوں پر تڑپنے لگے لوگوں نے پکڑنا چاہا مگر حضرت صاحب نے منع فرمایا۔ بے خبر مٹی سے لت پت آخر کار جب ہوش میں آ گئے حضرت صاحب کے قدموں میں گر پڑے۔ آپ نے پوچھا خانصاحب حال سناؤ۔ خانصاحب رو رو کر عرض کرتے تھے۔ مہربانی فرماؤ جس مقام (مقام قُطبیّت) کا نظارہ میں نے دیکھا ہے۔ غلام بنا کر وہی مقام عطا فرمائیے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ابھی یہ نہیں ہوسکتا۔ مرید بننے کے بعد اپنے وقت کے مطابق آپ کو ضرور وہ مقام نصیب ہو جائے گا۔ چنانچہ نواب صاحب وہیں پر غلام بن کر باخدا بن گئے۔

ایک مرتبہ کوٹ ادو سالانہ عرس مبارک کے موقع پر ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے بڑے صاحبزادے خواجہ غریب نواز محمد نواز شاہ صاحب بخاری نے بچپن کی یادداشت میں سے اپنی آنکھوں سے صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دیکھی ہوئی کرامت یوں بیان فرمائی کہ میں اس وقت چھوٹا تھا۔ بابا جی کے پیرومرشد صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی پشاور میں ایک گھر پر دعوت تھی۔ جس کمرے میں آپ قیام پذیر تھے۔ بہت سے مریدین کے علاوہ مَیں بھی آپ کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ کیونکہ سیّد ہونے کے ناطے سے وہ ہم سے بہت پیار کرتے تھے۔ اچانک بجلی کی وائرنگ کو آگ لگ گئی۔ ہر طرف جب بدبودار تیز دھواں اور تڑ تڑ کی آواز آنے لگی تو سب لوگ ایک دوسرے کے اوپر گرتے پڑتے باہر بھاگ گئے مگر حضرت صاحب مسند پر بالکل پُرسکون بیٹھے تھے۔ میں بھی ساتھ بیٹھا رہا کیونکہ مجھے یقین کامل تھا۔ مرشد کو آگ کچھ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ جب آگ نے زور پکڑا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے زور سے ''اللّٰہ ھو'' کہہ کر کمرے میں ہاتھ گمایا سب وائرنگ اکھاڑ کر آگ سمیت کمرے کے درمیان اکٹھی کر دی۔ آگ فوراً ختم ہوگئی۔ چند لمحہ بعد جب دھواں بھی تھم گیا مجھے اپنے قریب دیکھ کر حیرانگی سے پوچھا۔ شاہ صاحب آپ باہر کیوں نہیں چلے گئے؟ میں نے عرض کیا حضور مجھے یقین تھا کہ آپ کے ساتھ ہمیں آگ کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے۔ دروازہ بند کرنے کا اشارہ فرمایا۔ میں نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ لوگوں نے بار بار اندر آنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے سختی سے سب کو منع کر دیا۔ بابا جی اس وقت بازار گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر انار ساتھ لائے آ کر پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ بابا جی کو اجازت مل گئی۔ باہر چونکہ لوگ بہت پریشان کھڑے تھے۔ بابا جی نے ان کے بارے میں عرض کیا۔ بابا جی کی بات پر آپ نے سب کو پھر اندر آنے کی اجازت دی۔ جب سب اندر آ گئے تو حضرت صاحب نے سب کو بڑے جلالی انداز میں تنبیہہ فرمائی کہ تم مرید تو ہو مگر مرشد پر کسی کو یقین نہیں ہے۔ اس بچے کو (میری طرف اشارہ کرتے ہوئے) دیکھو تم سب میں سے اس بچے کا عقیدہ کہیں زیادہ کامل اور پختہ ہے سب اس کی طرح بن جاؤ۔ تب تمہیں اولیاء اللّٰہ کے فیض کا پتہ چلے گا۔

آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جاہ وجلال کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ریل گاڑی پر چند خلفاء کے ساتھ پنڈی کے دورے پر جا رہے تھے۔ بوگی میں ہمارے علاوہ ایک پینٹ شرٹ میں ملبوس شخص بھی ہم سفر تھا۔

راستے میں ایک دریا آیا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے باہر حضرت خضر علیہ السلام بلا رہے ہیں۔ فوراً گیٹ کی طرف بڑھے اور چھلانگ لگا دی۔ ہم خُلفاً کو تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شان کا علم تھا خاموش رہے۔ مگر وہ شخص بے چین ہوگیا کہنے لگا کہ یہ کیا ہوا؟ گاڑی رُکوائیں کیا کریں؟ ہم نے اُسے سمجھایا کہ آپ فکر نہ کریں۔ اللہ کے دوستوں کے ایسے کام ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مطمئن ہوگیا۔

جب ہم پنڈی اسٹیشن پر پہنچے تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سے پہلے اسٹیشن پر ٹہل رہے تھے۔ جب ہم نیچے اُترے تو وہ شخص جا کر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست بوس ہوئے اور حیرانگی کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُس شخص سے مخاطب ہوئے (جو شاید سیّد تھے) کہ شاہ صاحب! ہم لوگوں کو یہ رُتبہ بڑی طویل محنت و مشقّت کے بعد نصیب ہوا۔ مگر آپ کو تو یہ رُتبہ صرف اِس احساس ہی سے مِل سکتا ہے کہ ''ہم سیّد ہیں'' تب وہ شخص فوراً قدم بوس ہوکر رونے لگا۔

(حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے انہی ملفوظات و کرامات پر اکتفا کرتا ہوں۔ مرشد قبول فرمائیں۔ علاوہ ازیں مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے ملفوظات میں بھی واقعات کی مناسبت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات و کشف و کرامات بیان ہوتے رہیں گے۔)

17:۔ مرشد سے والہانہ عشق ومحبّت

اپنے مرشد سے والہانہ عشق ومحبّت کی وجہ سے آپ بہت جلد منازل سلوک طے کرنے لگے اور نہایت مختصر عرصے میں مقام فنا فی الشیخ پر فائز ہو گئے جو کہ سب مقاماتِ قرب کی بنیاد اور معرفتِ الٰہی کی پہلی منزل ہے۔ شروع میں آپ کو مرشد کی زبان سے اسرار و رموزِ معرفت کے سمجھنے میں ذرا دقّت محسوس ہوتی تھی کیونکہ آپ کی مادری زبان پشتو تھی اور مرشد کی زبان پنجابی یا اردو ہوا کرتی تھی مگر مرشد کریم رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہ کی بناء پر، بہت جلد اُردو زبان کے ماہر اور ساتھ ساتھ پنجابی بھی اچھی طرح سمجھنے لگے، جس سے ایک بہت بڑا عقدہ حل ہوگیا۔ کمالِ اخلاص اور جلالِ عشق کی وجہ سے مرشد کریم ہر معاملے میں آپ کو مقدم سمجھتے۔ دیگر یہ کہ سیّد النّسب ہونے کی وجہ سے بھی آپ کا خاص احترام فرمایا کرتے اور ہر وقت ''شاہ صاحب شاہ صاحب'' کے نام سے یاد فرماتے۔ اپنے مرشد کے ساتھ آپ کی محبّت کا یہ عالم ہے کہ ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ہمارے ایک دوست کہیں سے خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر مبارک لائے۔ جب آپ نے تصویر ہاتھ میں پکڑی۔ بس صرف ایک نگاہ ڈالی تھی کہ زار و قطار رونے لگے اور چارپائی پر بیٹھے پُشت کی جانب گر پڑے۔ فرماتے جاتے تھے کہ ماسٹر صاحب! (بندۂ ناقص راقم الحروف) ابھی تک ہمارے کانوں میں یہ آواز گونج رہی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ انہی ہونٹوں سے فرمایا کرتے ''شاہ صاحب کیا حال ہے؟۔ شاہ صاحب کیا حال ہے؟'' آپ کی حالت مزید غیر ہوتی جا رہی تھی۔ سارے دوست حیران ہوکر رو رہے تھے کہ میں نے اشارہ کیا کہ تصویر واپس لے کر چھپا دو چنانچہ تصویر ہٹانے کے بھی بہت دیر بعد ہوش میں آ کر فرمانے لگے۔ کہ ماسٹر صاحب! وہ بے مثل و بے مثال ذات تھی۔ میں ان کی کیا

تعریف بیان کروں جبکہ ان کی ہم میں ایک بال برابر بھی صفت نہیں۔ ان کا دوستوں کو سمجھانا اور ان کی محفل میں انداز گفتگو یاد کر کے ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ خداوند کریم نے انہیں کیسی عقل وفراست دی تھی۔

مرشد کے ساتھ اس سے زیادہ عشق کامل اور کیا ہو سکتا ہے؟ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ یہ میرا وجود جو آپ کے سامنے موجود ہے یہ پہلے ہی سے ایسے نہیں تھا بلکہ مرشد کریم اپنی توجہ کامل سے ہمیں اس خوبصورت شکل میں لائے۔ خود خوبصورت تھے ہمیں بھی خوبصورت بنا دیا۔ میرے جتنے پیر بھائی ہیں۔ میرا فوٹو دیکھ کر بے ساختہ کہہ دیتے ہیں کہ شاہ صاحب! آپ کی تصویر تو اپنے مرشد کی تصویر سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ بال برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ واقعی مرشد کامل اپنے مرید کامل میں اپنی روح پھونک دیتا ہے۔ جس طرح کہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پوتے حضرت خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے رنگ میں رنگنے کے بعد حالت جلالی میں فرمایا: "نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي" یعنی میں نے اس (خواجہ اللہ بخش) میں اپنی روح پھونک دی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ خواجہ اللہ بخش رحمۃ اللہ علیہ کی شکل مبارک ہو بہو خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح بن چکی تھی۔ شکر الحمد للہ! ہمارے مرشد کریم سلطان الفقراء حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ بخاری مدظلہُ العالی بھی اسی حقیت آفتاب نما کے علم بردار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں مرشد کی خدمت میں ہوتا تو مجھے اپنی جان کی خبر نہ ہوتی تھی کیونکہ میں ہر وقت مرشد ہی کی خوشنودی اور آرام کے لیے بے قرار ہوتا تھا۔

؎ احمد بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام است ہر دم رضائے جاناں ایماں شد است مارا

''اَے احمد! عاشقوں پر بہشت کی لالچ اور دوزخ کا ڈر روز ازل سے حرام ہو چکا ہے۔ ہمارا تو دین و ایمان ہر دم صرف رضائے معشوق طلب کرنا ہے اور بس۔''

چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ علاقہ بہاولپور کے اٹھارہ دن کے دورے پر تھے میں وہاں پر پورے سولہ دن آپ کی خدمت میں رہا۔ اس دوران نیند آنے کے ڈر سے میں نے کوئی چیز نہیں کھائی کہ خدمت مرشد میں کوئی کوتاہی نہ ہو جائے۔ (اور نہ پھر نیند آئی) رات دن خدمت کیلئے دست بستہ کھڑا رہتا۔ لوگ رات کو یہ سمجھ کر چلے جاتے کہ پیر صاحب نیند کر لیں لیکن مجھے معلوم تھا کہ ولی اللہ کو غفلت کی نیند آتی ہی نہیں ہے۔ ساری رات چارپائی کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے پاؤں دباتا اور آپ کچھ نہ کہتے کہ جا کر آرام کر لو۔ کیونکہ انہیں میرے عقیدے کا بخوبی علم تھا۔ آخر کار متواتر سولہ دن گزارنے کے بعد ایک دن آپ نے خود آرام کرنے کا حکم فرمایا میں صرف ایک گھنٹہ کیلئے ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا کر سو گیا۔ ایسی مزیدار نیند آئی کہ میں نے ساری زندگی ایسی نیند نہیں کی۔ پھر دوسرے دن گھر جانے کیلئے مجھے رخصت فرمائی۔

عشقِ مرشد ہی سے مقامِ فنا فی الشیخ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کے ثبوت میں آپ کا ایک واقعہ پیش خدمت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے سامنے والی مسجد میں مَیں بیٹھا تھا کہ دو مولانا صاحب تشریف لائے۔

دونوں نے اعتراض کیا کہ شاہ صاحب اتنی بڑی زلفیں اور اتنی لمبی داڑھی رکھنا جائز نہیں ہے صرف چار انگلی یا ایک مشت برابر داڑھی رکھنا سنت رسول ﷺ ہے۔ایک مولانا صاحب بول پڑے نہیں ''ناجائز'' نہیں بلکہ مُباح ہے۔ میں نے کہا کہ مُباح (جسے کسی عذر یا کسی خاص مجبوری سے جائز کیا جائے۔ جو فقہ اسلامی میں مسئلہ تنگ کے شمار میں ہے۔) بھی تو اچھی چیز نہیں ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ داڑھی کم از کم ایک مشت ہو۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ میں ثواب زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ حد کے اندر خوبصورت دکھائی دیتی ہو۔ اور تراش کر جاذب نظر بنا دی گئی ہو۔ مگر اس بات سے مولانا صاحبان نے انکار کر دیا۔ مسجد میں مشکوٰۃ شریف رکھی ہوئی تھی اٹھالائے۔ اتنے میں مَیں نے مرشد کی طرف توجہ کر کے عرض کیا کہ حضرت صاحب! اب امداد کا وقت ہے۔ مہربانی فرماؤ! چنانچہ جب انہوں نے مشکوٰۃ شریف کو کھولا۔ جہاں بھی پڑھتے ان کی نظروں میں ہر طرف یہ حدیث آتی کہ مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ۔ (یعنی داڑھی کی لمبائی کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔) تب مولانا صاحبان بہت شرمندہ ہوئے۔ آگے زلفوں کی بات چھیڑنے کی جرأت ہی نہیں کی۔ دونوں معذرت کر کے چلے گئے۔

مسلک تصوف میں یہ مقام فنافی الشیخ کہلاتا ہے کہ مرشد کامل کی ذات بروقت مدد کو پہنچے اور اپنے صادق مرید کی مشکل میں امداد کرے۔ یہ بھی مسئلہ تصوف ہے کہ فنافی الشیخ مرید کو ہر چیز میں مرشد کی ذات نظر آتی ہے۔ بقول شاعر:

ع جس طرف بھی دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے

اور جہاں سے بھی کوئی فیض ملے وہ مرشد ہی کی طرف سے ملتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں لاہور داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو گیا۔ مزارِ اقدس پر دورانِ مراقبہ ہم نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں اپنے مرشد کو سوتے ہوئے پایا۔ جتنی بار توجہ دی مرشد ہی کو دیکھا۔ حتیٰ کہ فیض باطنی کے علاوہ ظاہری بھی اس قدر فیض ملا کہ میں اس دوران سخت بیمار تھا۔ فوراً تین حصّہ جتنی تکلیف سلب ہوگئی۔ صرف چار آنے جتنی باقی رہ گئی۔ وہ بھی شاید اس لئے تا کہ دوبارہ زیارت نصیب ہو۔ آپ کے ایسے بہت سے واقعات ہیں مگر طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

18:۔ مرشد کی نگاہِ جلالی کی متحمل صرف آپ کی ذات رہی

آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک دورے پر میں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں موجود تھا۔ رفع حاجت کیلئے جب اٹھے تو مجھے لوٹا اٹھانے کا حکم فرمایا۔ حضرت صاحب آگے آگے چل رہے تھے۔ باتوں باتوں میں ایک بات (❁ گارڈ بابا کے سوال کے جواب) پر بہت خوش ہو کر جلال میں آئے۔ جونہی رُخ مبارک موڑا مجھ پر چھوٹی آنکھ سے اس قدر توجہ ڈالی جس طرح کہ تیز بجلی کی کوئی رَو چلے (یہ واضح رہے کہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک آنکھ مبارک قدرے چھوٹی تھی۔ اور ایک بڑی، آپ عموماً توجہ فیض چھوٹی آنکھ مبارک سے فرمایا کرتے تھے) میں بے خود ہو گیا اور لوٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بس یہی کچھ یاد ہے کہ میں ''دہنگو'' کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا۔ کچھ عرصہ بعد میرے چچازاد بھائی عالم

❁ گارڈ بابا کا واقعہ صفحہ نمبر 386 پر ملاحظہ فرمائیں۔

شاہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر میرے بارے عرض گزار ہوئے کہ شاہ صاحب لاپتہ ہے۔ حضرت صاحب نے ''ہنگو'' کے پہاڑوں میں میری نشاندہی کر کے بھائی کو روانہ فرمایا کہ اسے لاکر کسی ٹھنڈے حوض میں ڈالا جائے۔ چنانچہ بھائی نے آکر پہاڑوں میں سے تلاش کرلیا اور گھر لائے (جبکہ مجھے اس وقت اتنی خبر نہیں تھی یہ باتیں بھائی نے بعد میں سنائی تھیں) علی الصبح سخت سردیوں کا موسم تھا گھر کے سامنے والے تالاب میں (جو ابھی تک موجود ہے) کنارے پر سے لاکر دھکا دے دیا۔ میں پانی میں گر پڑا۔ تماشائی کہتے ہیں کہ حوض کا پانی سخت سرد ہونے کے باوجود کھول کر ابلنے لگا۔ کچھ دیر بعد کھینچ کر باہر نکال لیا۔ مگر میں ابھی تک نیم مدہوشی کے عالم میں تھا۔ (جبکہ حضرت صاحب نے فرمایا تھا جب تک مکمّل ہوش میں نہ آئے پانی ہی میں رہنے دینا) چنانچہ دوبارہ تالاب میں ڈالا گیا۔ پھر پانی کھولنے لگا تھوڑی دیر بعد جب باہر نکالا تب مَیں ہوش میں تھا۔ دیکھا کہ اردگرد بہت بڑا ہجوم ہے اور مَیں پانی سے شرابور گھر کے قریب تالاب پر کھڑا ہوں۔ اس کے بعد بھائی عالم شاہ نے مجھے ساتھ لیکر حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ دیکھ کر زیرِلب مسکرائے اور میں قدم بوس ہوا۔

آپ فرماتے ہیں جب میں مرشد کی خدمت میں ہوتا تھا تو مرشد کریم کسی کو ٹوپی، کسی کو رومال، کسی کو دستار اور کسی کو جُبّہ پہنا کر خلافت سے نوازتے مگر ظاہری طور پر میری طرف خاص التفات نہ فرماتے اور میں یہ سمجھتا تھا کہ مرشد کی ذات کوئی لاعلم یا نا انصاف نہیں ہے میں بھی جب اس قابل بنا تو نظرِ عنایت لازمی ہوگی (یہ کہہ کر نفس کو سمجھاتا تھا)۔ آخر کار ایک دن سالانہ عرس مبارک کا پروگرام تھا زائرین اور مریدین کا بڑا ہجوم تھا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لاؤڈ سپیکر میں اعلان کرایا کہ بنوں والے شاہ صاحب میرے پاس آجائیں۔ مجھ پر اتنا رُعب طاری ہوگیا کہ میں اٹھتا تھا اور گرتا تھا۔ چنانچہ لوگ سہارا دے کر مجھے آپ کے حضور لے گئے۔ جب میں نے قدم بوسی کی تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے برابر قریب ہی مجھے بٹھا دیا۔ اپنے سر مبارک سے دستار اتار کر میرے سر پر رکھ دی اور مجھ پر اس قدر توجہ دی کہ بیان کرنے سے باہر ہے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا شاہ صاحب! یہ آپ کے گھر کی چیز تھی۔ مگر آپ لوگوں کی لاپرواہی سے عارضی طور پر ہماری محنت و کوشش سے ہمارے پاس آئی ہوئی تھی۔ اب آپ اس قابل ہوگئے ہیں لہٰذا اسے لے لو اور خوب قابو کرو۔ سمندر بنو جب وقت آئے تو اُمت محمّدی کو سیراب کرنا شروع کردو۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے میرے حق میں بہت لمبی چوڑی دُعا فرمائی۔

اب ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کی توجّہ اور بے بہا فیض سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ واقعی وہ صرف آپ کی ذات گرامی تھی کہ اپنے مرشد کامل کی اس قدر توجّہ جذب کرتی رہی اور اب آپ وہی چیز خلق خدا میں بانٹ رہے ہیں۔ ہمارے ایک بلوچ شاعر پیر بھائی بابا احمد خان (بارتھی) نے اس حقیقت کو یوں ایک شعر میں بیان کیا۔

؎ بنوں شہرئے انڑ کھٹیں چھاتوں　　　مَنہ عرضے کھنانی نواں گھٹے داتوں

(فیضِ مرشد کے نہ ختم ہونے والے کنوئیں شہر بنوں میں بہہ رہے ہیں۔ میں بھی کاسۂ گدائی لے کر حاضر ہوا ہوں۔شاید کہ وہ اس گدائے بے نوا کو ایک گھونٹ عنایت فرمادیں) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کہ عاشقین استسقاء والے مریض کی طرح ہیں سمندر پر کھڑے جس قدر پانی پی رہے ہیں مگر پیاس بجھنے کو نہیں آتی۔

؎ نگویم کہ بر آب قادر نیند　　　که بر ساحلِ نیل مُستسقی اَند

19:۔خدمت مرشد میں سبقت

؎ ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد　　　ہر کہ خود را دید اُو محروم شد

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ہماری جتنی زندگی دوران خدمت مرشد میں گزری۔ہم ہمہ وقت اپنے مرشد کی خدمت کے بارے سوچتے کہ ایسا کون سا کام کریں جس سے مرشد راضی ہوجائے اور ہمیں ان کی خوشنودی حاصل ہوجائے۔ان کی کسی خاص ضرورت کا پتہ چلتا ہم اپنے لئے بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے جب تک اوّل وقت میں وہ کام نہ کرتے آرام سے نہ بیٹھتے۔ یہ تو ہمارا عشق تھا۔اس سے آگے ہمیں کچھ خبر نہ ہوتی تھی۔اب ہمیں اس خدمت کا جو صلہ ملا ہے وہ صرف ایک ہمیں اور ایک خدا کی ذات کو معلوم ہے۔اقبالؒ نے سچ کہا تھا:

؎ تمنا درد دِل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی　　　نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

پھر جب وہ کسی کام کیلئے حکم فرماتے وہاں تو جان کی بازی ہوتی۔فرمایا کہ ایک مرتبہ علاقہ قائد آباد اور جوہر آباد کے درمیان موضع ''وَڑچہ'' آپ کے دورے کا پروگرام تھا۔ مین روڈ پر اترے۔ آپ کی سواری کیلئے گھوڑا لایا گیا۔ایک بہت بڑا اسامان سے بھرا وزنی ٹرنک مجھے سر پر اٹھانے کیلئے حکم فرمایا میرے سر پر صرف ایک چہار کونہ سادہ ٹوپی تھی۔ پورے پانچ میل تک گھوڑی سے آگے آگے بڑی تیزی کے ساتھ چلنا تھا۔جسم پر اس قدر وزن پڑا یہاں تک کہ ''وڑچہ'' پہنچتے پہنچتے میری آنکھوں کے سامنے مکمّل اندھیرا چھا گیا۔(اس وقت میری اتنی صحت بھی نہیں تھی۔ بالکل سوکھے جسم کا مالک تھا)۔ سردیوں کا موسم تھا۔جسم پسینہ سے شرابور ٹرنک کسی آدمی نے پکڑوا کر رکھدیا۔قریب ہی ایک پرانی مسجد دکھائی دی۔ میں نیم بیہوشی کی حالت میں وہاں جا کر گر پڑا۔خواجہ معصوم صاحب اس وقت چھوٹے بچے تھے۔میرے ساتھ ان کا بڑا پیار تھا۔ آئے اور کہا آ ؤ ابّا جی کے پاس چلیں۔ میں نے اشارے سے سمجھایا تم چلو میں آرہا ہوں۔ چنانچہ طبیعت بحال ہونے پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

اس لئے میرے مریدوں کو بھی یہ نصیحت ہے کہ مرشد کی خدمت صرف ولی اللہ سمجھ کر کریں۔مرشد کی خدمت دراصل اپنی ہی خدمت ہے۔ آج اس مختصر عرصے میں ایک ولی اللہ کی بے لوث خدمت کی برکت سے ساری دنیا ہماری خدمت کیلئے تیار کھڑی ہے۔ آخرت کے مفاد کے علاوہ اسی دنیا میں بھی ہمیں اس کا ہزاروں گنا بدلہ ملا ہے۔ہمیں اپنے مرشد کریم کی کسی مالی یا جسمانی خدمت کا پتہ چلتا تو سب سے پہلے ہم اُسے بجالاتے۔ پھر سبقتِ خدمت کی بناء پر جو بھی

مشکل کام ہوتا حضرت صاحب مجھے حکم فرماتے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مریدین میں ''شاہ صاحب ہمارا شیر ہے''، ہمیں جہاں بھی کوئی من پسند اچھی چیز ملتی۔ ہرصورت ہم حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کردیتے اور ہر طرح سے انہیں خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے۔ رات دن یہی کوشش رہتی کہ مرشد کا فیض دنیا کے چپے چپے میں پہنچ جائے۔ اس حرصِ اصلاح اور فیضِ مرشد کو پھیلانے کے پیش نظر ہم نے کئی بڑے بڑے آفیسر اور نوابوں کو حضرت صاحب کا غلام بنوایا جو تکبّر کی وجہ سے زمین پر بیٹھنا گوارانہ کرتے وہی حضرت صاحب کے جوتے سیدھا کرتے اور صاحب شرع بن جاتے۔ مرشد کی دعا سے یہ مقصد لیکر ہم جہاں جاتے خالی ہاتھ واپس نہ لوٹتے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دوروں پر میرا یہ کام ہوتا تھا کہ لوگوں کو سمجھا کر شرف بیعت حاصل کراتا۔ سمجھانا اور مرشد تک لانا ہم خلفاء کا کام ہوتا تھا۔ آگے ان پر توجہ دینا اور راہ راست پر لانا مرشد کا کام تھا۔

20:۔خدمت مرشد میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیروی

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے پڑھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا اثاثہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قربان کردیا۔ مجھے بھی یہی شوق پیدا ہوگیا۔ خدایا! وہ وقت مجھ پر بھی آئے گا کہ میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے رہبرِ کامل پر سب کچھ قربان کرڈالوں۔ فرماتے ہیں ایک دن میں مرشد کریم کے آستانہ عالیہ حاضر ہوا تو لانگری سے پتہ چلا کہ لنگر کافی مقروض ہو چکا ہے۔ میں نے فوراً واپس آکر جتنی بھی زمین تھی اور گھر کا جتنا بھی اثاثہ تھا سارا بیچ دیا۔ دس ہزار روپے بن گئے تھے (اس وقت دس ہزار بہت بڑی چیز تھے) اٹھا کر موہری شریف کا رخ کیا۔ لوگ تو کافی طعن وتشنیع کرنے لگے مگر مجھے اپنے جذبے کی بناء پر ذرا بھر تردّد نہ تھا اور خدا پر پورا توکّل تھا۔ جب موہری شریف پہنچا تو حضرت صاحب کی خدمت میں ساری رقم پیش کردی۔ کچھ دیر تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سوچتے رہے۔ مگر پھر دعائے خیر فرما کر لنگر کیلئے قبول فرمالئے اور فرمایا شاہ صاحب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو صرف ایک ہی تھے۔ آپ صدیق رضی اللہ عنہ تو نہیں بن سکتے مگر آپ نے چونکہ ان کی سنت خوب ادا کردی اس لئے ''صادق الیقین''ضرور ہیں۔ خداوند کریم آپ کو عشق صدیقی عطا فرمائے۔ میں نے بار بار خدا کا شکر ادا کیا کہ اس مادہ پرست دور میں مجھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی پیروی کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے زیادہ میں رب سے کیا مانگتا ہوں۔

؎ خراب جرأت آں رند پاکم   خدارا گفت! مارا مصطفیٰؐ بس

(میں اس رند پاک (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کا پیروکار ہوں کہ جس نے خدا سے عرض کیا کہ ''ہمیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کافی ہے۔)

چنانچہ میں قدم بوس ہوکر واپس گھر لوٹا۔ دو تین دن گزر چکے تھے۔ ایک دن میں مسجد میں بیٹھا تھا کہ ڈاکیا آیا اور کہا شاہ صاحب! آپ کا اَسّی (80) روپے کا ایک منی آرڈر موہری شریف سے آیا ہوا ہے باہر آکر وصول کریں میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ خدایا یہ پیسے مرشد نے قبول کیوں نہیں فرمائے۔ شاید مشکوک یا حرام تھے۔ میں جب اَسّی

(80) روپے لیکر گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرا سالا گھر آ کر کہہ رہا ہے کہ شاہ صاحب نے تو گھر سارا برباد کر دیا ہے۔ میرا اسّی (80) روپے قرضہ دینا تھا وہ ابھی تک نہیں دیا۔ مجھے سخت ضرورت ہے۔ معلوم نہیں کہ اب وہ کہاں سے دیں گے ہر وقت ایک پنجابی پیر کے پیچھے دیوانہ وار پھرتا ہے۔ اسے ہمارے قرضے کا احساس تک نہیں ہے۔ یہ سن کر میں نے فوراً وہ اسّی (80) روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے اور کہا بھائی یہ اپنا قرضہ لو اور چلے جاؤ۔ میرے بال بچوں کو گمراہ نہ کرو! سالا بہت شرمندہ ہو گیا کہنے لگا اگر ضرورت ہیں تو رکھ لیں۔ میں نے کہا بھائی نہیں آپ کی مہربانی ''مجھے تو میرا اللہ ہی کافی ہے'' تب مجھے حضرت صاحب کے بھیجے ہوئے منی آرڈر کی حقیقت کا پتہ چلا کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ ہر وقت ہمارے حال پر ہے۔

21:۔ریاضات ومجاہدات

؎ بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا   روشن شرر تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد (اقبالؒ)

ریاضات ومجاہدات کی چکی میں پسنا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ سہرا اس عشرت گاہ دنیا میں صرف اولیاء کرام کے سر ہے۔ بغیر مجاہدہ کے اگر کوئی ولی اللہ بن سکتا تو سب ولی اللہ ہوتے۔ اس لئے قرآن کریم میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کی طرف نشاندھی کی گئی ہے کہ صرف مجاہدہ کرنے والوں کو حقیقت کا سراغ مل سکتا ہے۔ ''وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ''(العنکبوت: 69) اولیاء کرام انہی ریاضات ومجاہدات کی بنیاد پر حقیقت کے علمبردار ٹھہرے۔ اس لئے حقیقت کا سراغ لگانا کوئی بازیچہ اطفال نہیں ہے۔ سلف صالحین کی طرح مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی نے بھی اس قدر بلند مقام ریاضات ومجاہدات (جو صحبتِ مرشد میں خدمت یا غیر موجودگی میں نفلی عبادات) کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر (ڈیری کلہ سیداں بخاری) سے کچھ فاصلے پر ''کچ کوٹ'' نامی ایک ندی بہتی ہے جہاں شروع شروع میں کوئی آبادی نہیں تھی۔ رات دن ندی کی خاموش لہریں فطرت سے باتیں کرتی چلی جاتی تھیں۔ میں اس کے کنارے پر کئی دن رات مسلسل بغیر کسی خورد ونوش کے مصروفِ عبادت رہتا۔ یہاں تک کہ جب میرے بدن سے مادی وبشری کثافتیں رفع ہو جاتیں تو آسمان سے براہِ راست انوار وتجلّیات کا نزول ہونا شروع ہو جاتا۔ جس طرف حرکت کرتا وہ مسلسل میرے اوپر قائم رہتے۔ مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا:

؎ حق فشاند نور را بر جانہا   مقبلاں برداشتہ دا مانہا

(خداوند کریم اپنی مخلوق پر رات دن انوار کی بارش برساتا ہے صرف پاک ارواح! مقبولانِ بارگاہ حصولِ انوار کے لئے اپنے دامن پسارے ہوئے ہوتے ہیں۔)

آپ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات یہ تجلّیات اس قدر شدید ہو جاتیں کہ میں بیخود ہو جاتا تھا۔ اسی دوران ایک دن چچازاد بھائی نے کسی گھریلو کام کے سلسلہ میں ہمیں آ کر وہاں سے بلایا۔ میں بڑی کوشش کے بعد اٹھ کھڑا ہوا مگر انوار کی

تُندی و بُرّانی سے میں قدم نہ اٹھا سکتا تھا۔ بھائی نے مجھے ہاتھ سے پکڑا ہر قدم پر مجھ پر ایک ایسا نور کا شعلہ گرتا کہ ایک مرتبہ میں حالت استغراق میں جاتا پھر ہوش میں آ کر قدم بڑھاتا۔ پھر یہی حالت ہو جاتی یہاں تک کہ وہ فاصلہ دوپہر سے مغرب کی نماز تک بڑی مشکل کے ساتھ وہ بھی بھائی کے سہارے سے طے کیا حالانکہ صرف دس منٹ کا فاصلہ تھا۔ شکر الحمد للّٰہ وہی انوار و تجلّیات اب بھی میرے جسم میں انہی ریاضات و مجاہدات کی برکت سے موجود ہیں۔ یہ مقامِ فخر نہیں بلکہ مقامِ شُکر ہے کہ میرا جسم ہزاروں مختلف النّوع انوار و تجلّیات سے بھرا ہوا ہے۔ مگر وہ صرف صاحبِ بصیرت ہی کو نظر آ سکتی ہیں۔

آپ اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ میں پورے تین سال سر و پا برہنہ صرف ایک چولے (کُرتے) میں ہنگو کے پہاڑوں میں ریاضات و مجاہدات اور چِلّہ کشی کرتا رہا۔ صبح کے وضو سے عشاء کی نماز اور عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا کرتا تھا۔ دو تین ہفتہ بعد جب بھوک سے بالکل نڈھال ہوتا تو صرف ایک چھٹانک جتنی دال پانی میں بھگو کر پی لیتا تا کہ رشتۂ زندگی بحال رہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

؎ گر خوری یک لقمہ از نانِ نُور　　　　خاک ریزی برسرِ نان تنور

(تو اگر نور کی روٹی کا ایک لقمہ کھالے تو تنور کی روٹی پر مٹی ڈال دے گا) آپ فرماتے ہیں کہ اس دوران میرا جسم شیشے کی طرح ہوتا تھا۔ جس طرف توجہ کرتا نگاہ آر پار جاتی۔

فرمایا ایک مرتبہ گھر کے سامنے والی مسجد کے صحن میں مَیں نے مجاہدہ کی خاطر اپنے لئے ایک تہہ خانہ بنایا ہوا تھا جو بہت گہرا اور اتنا تنگ تھا کہ جہاں مَیں صرف کھڑا ہو سکتا تھا یا مُصلّے پر بیٹھ کر نوافل ادا کر سکتا تھا۔ جب میں ذکر کرتا تہہ خانہ بھی میرے ساتھ ساتھ ذکر کرتا تھا۔ جس کی آواز صرف مَیں سُن سکتا تھا۔ یہاں تک کہ مَیں تہہ خانے سے باتیں کرتا تھا اور وہ باقاعدہ جواب دیتا تھا۔ خورد و نوش کیلئے اس عرصے میں جو چیز آتی وہ مہمانوں یا مسجد میں موجود طالب علموں کو دے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ اچھا بھلا عرصہ میں نے اس حال میں گزارا۔

؎ اندرون از طعام خالی دار　　　　تا درو نُورِ معرفت بینی (سعدیؒ)

(اے سالک پیٹ کو طعام سے خالی رکھ تب اس میں نُورِ الٰہی آ سکتا ہے۔)

اس دوران نیند کا ہمیں پتہ نہ ہوتا تھا کہ کیا چیز ہوتی ہے۔ وقتاً فوقتاً جب کبھی باہر کسی دورے پر نکلتا تو مخلوق کا اس قدر ہجوم ہو جاتا کئی دن رات میں مسند پر باوضو بیٹھا رہتا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ خدا کا مجھ پر ایک خاص انعام تھا کہ مجھ ناقص کو اس نے اپنی یاد و عبادت کا شرف بخشا ہے:

؎ نامی کوئی بغیر مشقّت نہیں ہوا　　　　سو بار عقیق کٹا تب نگیں ہوا

فرمایا کرتے ہیں کہ میں ابتداء میں روزانہ رات سو رکعت نفل پڑھا کرتا تھا۔ رکوع و سجود میں سو سو بار تسبیح پڑھتا۔ کھانے پینے اور نیند کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔

(ریاضات ومجاہدات کے بارے میں بتانے کے بعد آپ فرمایا کرتے ہیں گو کہ ایسی باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں مگر میں صرف اس لئے بتاتا ہوں تاکہ میرے مریدوں کو حقیقت کا پتہ چلے اور شاید اِن میں بھی کوئی ایسی ہمت کر کے خدا کی معرفت کا مستحق بن جائے۔ دوسری یہ کہ انہیں اس مسندِ رسول ﷺ پر بیٹھنے کے شرائط وآداب کا بھی پتہ چل جائے کہ یہ مقام عزت کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔) یہ آپ کی ریاضات ومجاہدات کی چند باتیں عقیدت مندوں کیلئے پیش کی گئیں تا کہ انہیں اپنے مرشد کی شان کا پتہ چل جائے۔ وگرنہ ولی اللہ کی تو ساری زندگی ریاضات ومجاہدات میں گزرتی ہے۔ جسے ہم خلافِ نفس اور عداوتِ شیطان سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدا سب دوستوں کو مقامِ احتساب نصیب فرما کر مرشد کریم کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

22:۔ کشف خواب

آپ نے اپنی اجازت بیعت کے بارے (جو کہ مرشد کی طرف سے ارزانی ہوئی) ایک خواب بیان فرمایا کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک انتہائی مُرصّع ، خوبصورت اور باوقار تخت رکھا ہوا ہے۔ کافی اونچا اور اس کے چاروں طرف فرشتگانِ غیبی مقرر ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ تخت کسی کو دیا جانے والا ہے۔ تخت پر تخت نشیں کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ بہت خوبصورت مخلوق اس تخت کے سامنے سے اُسے دیکھ کر آگے گزرتی جارہی تھی۔ اس امید پر کہ شاید اس کا نام تخت پر لکھا ہوا ہو۔ اسی مخلوق میں مَیں بھی شامل تھا اور قطار میں آگے جانے کیلئے منتظر تھا۔ جب تخت کے سامنے میرے گزرنے کی باری آئی تو مَیں نے بھی اس پر اس امید سے دیکھا کہ شاید اس پر میرا نام لکھا ہوا ہو۔ چنانچہ جب غور سے دیکھا تو واقعی بہت نمایاں اور جلّی حروف میں میرا ہی نام لکھا ہوا تھا اور فرشتگانِ غیب جو اس پر مامور تھے انہوں نے مجھے دیکھ کر اشارہ کر کے حکم دیا کہ جناب یہ تخت آپ کے لئے خالی پڑا ہوا ہے آکر اس پر بیٹھ کر اسے سنبھال لیں۔ میں بہت خوش ہو کر جونہی اس پر بیٹھ گیا نیند سے بیدار ہو گیا۔ صبح سویرے مرشد کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب سنادیا۔ خواب سنتے ہی مرشد کریم نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا تمہیں مبارک ہو شاہ صاحب! جو تخت ہم تمہارے لئے تجویز کئے ہوئے تھے وہ تمہیں آج مل گیا ہے۔

23:۔ عطائے خلافت اور اجازت بیعت

باطنی علوم اور منازلِ سلوک کی مکمّل تکمیل کے بعد آپ کے مرشد نے اپنی نگاہ باطن سے بھانپ لیا کہ اب آپ خلافتِ عُظمٰی پر فائز ہو کر مخلوقِ خدا کو خدا کی رحمت سے فیض یاب کر سکتے ہیں ، کیونکہ کسی ولی کامل کی طرف سے خلافتِ عظمٰی کا عطا ہونا کوئی عام بات نہیں ہے جب تک کہ مرید ظاہری وباطنی صورت میں شریعت وطریقت پر مکمّل عامل نہ ہو آخر کار مرشد کریم نے کشف خواب کے بعد بلا کر آپ کو اپنا خرقۂ خاص پہنا کر خلافتِ عظمٰی عطا فرمائی اور تعلیمات فقر کی تلقین فرمائی۔

یہ واضح رہے کہ مکمّل چودہ سال کے بعد خلافت عطا کی اور پھر تین سال گزرنے کے بعد خصوصی طور پر ایک دن مرشد کریم نے آپ کو بلا کر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور طریقت چلانے کا حکم صادر فرمایا۔ بایں الفاظ کہ ''آج سے شاہ صاحب آپ کو میری طرف سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ میں مخلوقِ خدا کو بیعت کرنے کی مکمّل اجازت ہے۔ آپ کی دعا میری دعا ہے اور آپ کی بیعت میری بیعت ہے۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ میری خصوصی دُعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو اپنے اس عظیم مقصد میں کامیابی و کامرانی عطا فرماوے''۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ پھر بھی میں نے جب تک حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بحیات رہے بیعت کرنے سے گریز کیا۔ کیونکہ جب سمندر موجود تھا تو میری کیا وُقعت تھی۔ جو دوست ملتا میں اسے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا غلام بناتا۔ مگر جو کسی صورت نہ پہنچ سکتا اسے خود بیعت کر لیتا۔

24:۔انتقالِ مرشد اور وصیّتِ خرقہ

مرشد کی موجودگی میں تو آپ کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے کا خیال تک نہ آتا تھا۔ آخر کار حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر علالت کے بعد داعیٔ اَجل کو لبیک کہا اور اپنے دیوانہ کو عالمِ تنہائی میں چھوڑ گئے۔ مرشد کریم کی جدائی کے اس سانحۂ جانکاہ سے آپ پر اس قدر اثر پڑا کہ تین سال تک اسی غم واندوہ میں ڈوبے رات دن آنکھوں میں آنسو جاری رہتے آہستہ آہستہ آپ کی طبیعت کچھ سنبھلتی گئی جب اعتدال پہ آئے تو تب اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب مرشد کریم کا اس جہانِ فانی سے انتقال ہوا۔ مَیں اس وقت وہاں موجود نہ تھا مگر مرشد کریم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا وہ جیکٹ جو کہ ساری زندگی خود استعمال فرمایا۔ وصیّت کی کہ یہ میرے خلیفہ سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری بنوں والے شاہ صاحب کو پہنچایا جائے ان کے بغیر اور کوئی اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حسب وصیّت وہ جیکٹ مجھے ملی جو فیوض و برکات اور باطنی انعامات اس میں ملے ایک مَیں اور دوسرا دینے والا مرشد ہی جانتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے علاقہ ''تیرا'' ہنگو اور پشاور کے کٹھن پہاڑی علاقوں میں سلسلۂ بیعت کا آغاز فرمایا اور مخلوق خدا کو اپنے وراثتی جُود وسخا کے سمندر سے فیض یاب کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ابتک اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لنگر تقسیم فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے۔

25:۔سلسلۂ قلندری اور طریقتِ نقشبندی

؎ در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق　　　ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

(ایک ہاتھ میں جامِ شریعت اور دوسرے ہاتھ میں اَہرنِ عشق! جام واہرن دونوں کے ساتھ بیک وقت کھیلنا ہر انسان کا کام نہیں یعنی شریعت اور قلندری دونوں کا بیک وقت چلانا ہر ولی اللہ کا کام نہیں)۔

بیک وقت قلندری اور طریقت کا چلانا آگ اور پانی اکٹھا رکھنے کے مترادف ہے۔ دنیائے تصوف میں سلاسل

اربعہ سے صرف چند ایک اولیاء کرام کا نامِ نامی اسم گرامی آتا ہے کہ وہ اس مقامِ جلیل پر فائز تھے۔ دورِ حاضر میں صرف ہمارے مرشد کریم بابا بنو والی سرکار مدظلہٗ العالی ہیں کہ اس منصبِ جلیل پر فائز ہو کر خلقِ خدا کی ظاہری و باطنی اصلاح فرمارہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ قلندریہ اور طریقتِ قادریہ کے بہت پائے کے بزرگ تھے ان کے انتقال کے وقت چونکہ میرا بچپن تھا۔ ان سے کوئی خاص استفادہ نہ کر سکا۔ ہوش سنبھالنے اور طریقت میں آنے کے بعد ریاضات ومجاہدات کے دوران اکثر مجھ پر جلالی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس دوران حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے اور سلسلۂ اویسیہ قلندریہ کے چلانے کی بار بار بشارتیں ہونے لگیں۔ (چونکہ یہی چیز عملی صورت میں میرے ورثے میں بھی موجود تھی) تب یہ سلسلہ چلانا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ چلاتے ہی مجھ پر فیوضاتِ اویسیہ وقلندریہ کے دہانے کھلنے لگے اور آہستہ آہستہ اب تک میں شکر الحمدللہ بڑی کامیابی کیساتھ یہ سلسلہ بھی طریقت کے ساتھ ساتھ چلا رہا ہوں۔ خدا اس پر مجھے استقامت نصیب فرماوے اور خلقِ خدا کو فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرماوے۔

؎ صورت میں ملاحت تو فصاحت میں سمندر — ہے جانِ طریقت وہ کرم کیش قلندر

ملّت کا مجدّد ہے، جلالت میں سکندر — شہبازؒ کے نائب کا ہے دلچسپ فسانہ

بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

آپ فرمایا کرتے ہیں کہ سلسلۂ نقشبندی سید السّلاسل اور بوجہ جذب وشوق سلسلۂ اویسیہ قلندریہ سے قریب ترین سلسلہ بھی ہے۔ اس لئے ہم لوگ ساری زندگی سلسلۂ نقشبندیہ میں موجود ہونے کا شکر بھی ادا کرتے رہیں تو نہ ادا کر سکیں گے۔ خدا اس کی اشاعت کی مزید توفیق عطا فرمائے اور ہمارے سب خلفاء کو اس میں کامیابی وکامرانی نصیب فرماوے۔ آمین۔

لہٰذا ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اس پُر فتن اور قحط الرّجال دور میں یہ دونوں سلسلے بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ اگر عینی مشاہدہ کرنا ہو تو ہر متجسّس طبع اور طالبِ صادق کیلئے صلائے عام اور نادر موقع ہے کہ اس مردِ قلندر اور مردِ مومن کی بارگاہ میں آ کر ان اوصاف کو خود ملاحظہ فرمائے کہ صُحبتِ اولیاء کیا ہے؟ نگاہ کیا ہے؟ فیض کیا ہے؟ قلندری کیا ہے؟ طریقت کیا ہے اور حقیقت ومعرفت کیا چیز ہے؟ تا کہ پتہ چلے کہ یہ دعویٰ کہاں تک پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ بارگاہ قلندر سے تو ہر وقت یہ صدا بلند ہو رہی ہے۔

؎ طالب بیا طالب بیا طالب بیا — تا رسانم روزِ اوّل با خدا (اقبالؒ)

(اے طالبِ صادق آجا! کہ پہلے ہی دن تجھے واصل باللہ کر دوں)

؎ کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں — ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

26:۔ پہاڑی علاقوں میں گھر گھر فیض پہنچانا

آغازِ اسلام پہاڑی علاقے سے ہوا تھا اور اختتامِ اسلام بھی پہاڑی علاقوں پر ہوگا۔اس نسبت سے اولیاء کرام کو پہاڑی علاقوں سے خاص شغف رہا ہے۔ان لوگوں کے مجاہدات وریاضات اور چلّہ کشی کا تعلّق زیادہ تر پہاڑی علاقوں سے رہا ہے۔مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کا ان باتوں کے علاوہ پہاڑی علاقوں سے محبّت کا ایک اور پس منظر بھی ہے۔وہ اس طرح کہ جب خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ نے دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں تبلیغ کے لئے کسی جانباز مرید کو طلب کیا تو صرف اور صرف ہمارے مرشد کریم کے مرشد حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھ کر مردانہ وار اپنی خدمات پیش کیں۔بالفاظ دیگر زرّیں زر بخت حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تبلیغ کا آغاز ہی پہاڑی علاقے سے کیا تھا اور وہ زیادہ تر پہاڑی علاقوں میں دورے کرنا پسند فرماتے تھے۔اِسی سنّتِ مرشد کی بناء پر ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی نوجوانی سے لے کر اب تک پہاڑی علاقوں سے منسلک سلسلۂ تبلیغ واصلاح جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بامر مجبوری نہیں بلکہ دِلی طور پر پہاڑی علاقوں کو پسند بھی فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ بار بار مشاہدے میں آیا کہ آپ کی باطنی انعامات کی بھر مار بھی اکثر پہاڑی علاقوں میں رونما ہوتی رہتی ہے۔اس ضعیف العُمری میں ان علاقوں کے دورے کرنا اور فلک بوس پہاڑوں پر ذکرِ الٰہی پہنچانا۔اسی بات کا بیّن ثبوت ہے۔ جوانی میں اگر سرحد کے پہاڑی علاقے آپ کی تبلیغ کی آماجگاہ رہے تو بڑھاپے میں کوہ سلیمان کی وادیاں ذکر الٰہی سے رات دن گونج رہی ہیں۔ڈیرہ غازیخان کے قبائلی علاقوں سے لے کر کوئٹہ تک آپ کے مریدوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ہنگو اور میران شاہ کے پہاڑی علاقوں کے علاوہ پشاور کے قریب سب سے زیادہ خطرناک پہاڑی سلسلہ جہاں موسم گرما میں بھی برف جمی رہتی ہے۔''لیا سڑی'' علاقہ ''تیرا''، تحصیل ہنگو میں عالم جوانی میں محافل ذکر منعقد کیں اور بے شمار مخلوق کو طریقت میں داخل فرمایا جہاں آج تک آپ کے خلفاء مصروفِ کار ہیں۔آجکل پنجاب سے متّصل کوہِ سلیمان کے ایسے دشوار گزار خشک علاقوں میں فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کیلئے دورے فرماتے ہیں کہ آپ کی عمر اور راستے کی صعوبتوں کو دیکھ کر ہم پہاڑوں میں رہنے والے نوجوان گھبرا جاتے ہیں مگر آپ ذرا بھر بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ یہ بات سنتِ پیغمبریؐ اور سنت مرشد کی محبّت اور حرصِ تبلیغ واصلاح کا واضح ثبوت ہے۔(حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ)جو اس مادہ پرست اور نفس پرست دور میں صرف آپ ہی نبھا رہے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ مقام شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں　　　اُنہیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد!

27:۔ پنجاب میں آمد اور اس کی وجہ خاص

ایک ولی اللہ ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف قدم نہیں اٹھاتا جب تک کہ اسے حکمِ خداوندی نہ ہو۔ جیسے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دیگر اولیاء کرام کے بارے میں مشہور ہے۔اسی طرح ہمارے مرشد کامل بابا بنوں

والی سرکار مدظلہٗ العالی کا بھی پنجاب میں آنا حکمِ الٰہی کے تحت تھا۔ آپ خود بیان فرماتے ہیں کہ 1970ء کے بعد ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ پنجاب چلے جائیں۔ وہاں کے لوگوں کو اصل مقصد اور راہ راست کی طرف بلائیں کیونکہ وہاں کا تخت خالی ہو چکا ہے۔ علی الصّبح ہم بنوں (گھر) سے صرف توکّل پر پنجاب کی طرف روانہ تو ہوئے مگر ڈیرہ اسماعیل خان سے آگے ذرا بھر واقفیت نہیں تھی۔ مزید برآں ہمیں مقامی بولیاں سرائیکی وغیرہ سے بھی اتنا تعارف نہیں تھا۔ صرف اُردو سے حضرت صاحب ﷫ کی خدمت کے دوران تھوڑی بہت شناسائی تھی، عبور نہیں تھا کیونکہ ہماری مادری زبان پشتو تھی اور ہم ساری زندگی پشتو بولنے والے علاقوں میں رہے تھے۔ بہر حال ان باتوں کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ صرف توکّل کو اپنا ساتھی بنایا۔ محرّم کا مہینہ تھا۔ بس پر بیٹھ کر علاقہ پنجاب کے شہر ''کروڑ لعل عیسن'' کے درمیانی چوک پر اُترا۔ پس زمین پر قدم رکھتے ہی مخلوق خدا زیارت کیلئے ٹوٹ پڑی۔ کسی نے چائے پلا دی، کسی نے دعوت پیش کی اور بے شمار لوگ موقع پر ہی دست بیعت ہو گئے واقعی:

ع خدا خود میرِ سامان است ارباب توکّل را

حوصلہ کچھ بلند ہوا۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ محلّہ گازراں والا چوک کے قریب مسجد اللّٰہ ھُو والی کے ساتھ ہی ایک خالی مکان میں رہائش کا بندوبست ہو گیا۔ پشتو زبان سے واقف صوفی اللّٰہ وسایا کا گھر بھی اِسی محلے میں تھا۔ بہت سے دوسرے خاص خاص دوستوں سے بھی اسی دن ملاقات ہوئی۔ (وہ مکان راقم الحروف کو بھی مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ایک دورے پر دکھایا تھا کہ شیر محمد! ہم پہلے پہل اس مکان میں آ کر قیام کرتے اور سلسلہ طریقت چلاتے تھے) ہمارا حلقۂ احباب بہت جلد وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوئی ایسا دن نہ تھا کہ متعدد دعوتیں پیش نہ ہوتیں۔ رات دن وسیع پیمانے پر لنگر چلتا تھا۔ علاقے کے بڑے بڑے لوگ آ کر ہماری بیعت ہو گئے۔ آستانے پر اتنا ہجوم رہتا تھا کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ جب کبھی بازار کی طرف نکلتا۔ اتنی مخلوق اکٹھی ہوتی تھی کہ ٹریفک جام ہو جاتی۔ اس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا کہ ان اجنبی لوگوں میں اللّٰہ تعالیٰ نے ہماری اتنی محبّت ڈالی اور ان کی طرف سے ہمیں اتنی عزت دی کہ جس کا مجھے وہم وگمان تک نہ تھا۔ کہاں علاقہ سرحد (بنوں) اور کہاں علاقہ پنجاب (کروڑ لعل عیسن) پہلے پہل مسجد ''کھجور والی'' میں نعتیہ انداز میں قوّالی ہوئی پھر نصیر خاں قصّاب کے ہاں با قاعدہ قوّالی کا پروگرام منعقد ہوا۔ یہ تھی آپ کی علاقہ پنجاب میں آنے کی ایک جھلکی جبکہ اب تک ایک مختصر سے عرصے میں آپ نے سارے پنجاب کو نُورِ معرفت سے روشن کر دیا۔ یہ صرف کرشمۂ ولایت ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ جلا سکتی ہے شمع کُشتہ کو موجِ نفس ان کی الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

کروڑ لعل عیسن ہی سے صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری آپ کے مرید ہو گئے جنہوں نے پنجاب میں آپ کا فیض پھیلا دیا۔ اس وقت آپ کے خُلفاء اور مرید کثیر تعداد میں کروڑ، لیہ، کوٹ ادو، فیصل آباد، لاہور، بھکر، میانوالی،

ملتان، بہاولپور، وہاڑی، سرگودھا، میلسی، مظفرگڑھ، تونسہ شریف، ڈیرہ غازیخان، سخی سرور، فورٹ منرو اور بلوچستان میں بارکھاں، موسیٰ خیل، لورالائی اور کوئٹہ تک موجود ہیں۔

جیلانی و بُسطامی و بغدادی لقب ہے　　زندہ کیا پنجاب کو ہجویری نسب ہے
دل زندہ فقط اس کی غلامی کے سبب ہے　　وہ دولتِ انوارِ محبّت کا خزانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

صوبہ سندھ میں کراچی تک آپ کا حلقۂ مریدان موجود ہے۔ غیر ممالک دوبئی اور سعودیہ تک آپ کے مرید اور خلفاء تبلیغ و اصلاح کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ خداوند کریم آپ جیسی بے عدیل و بیمثال شخصیتوں کا سایہ ہم گنہگاروں پر تادیر سلامت رکھے تا کہ اُمت محمدی ﷺ ان کے فیض سے مستفید ہوتی رہے۔ آمین۔

جان ہو میری تصدّق کیسا پیارا نام ہے　　ہر طرف دنیا میں جاری جن کا فیضِ عام ہے

28:۔ پنجاب کے فقراء، صاحبزادگان اور علماء سے ملاقاتیں اور ان کا اعترافِ حقیقت

آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سرزمین پنجاب میں قدم رکھا تو علاقہ فتح پور کے مشہور و معروف صاحبِ طریقت بزرگ حضرت خواجہ میاں محمد عبداللہ المعروف پیر بارو رحمۃ اللہ علیہ ملے جو حضرت خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ کے کامل مرید اور سب سے مقرّب خلیفہ تھے۔ ان کے ادب کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ میں خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس مبارک پر گیا تو دیکھا کہ دور سے جوتے اتارے لنگر کیلئے سر پر لکڑیاں رکھے پیدل دربار کی طرف چلے آرہے ہیں۔ دربار کے کام کاج سے فارغ ہونے کے بعد جب واپس ہونے لگے تو جوتے بغل میں پیٹھ پیچھے چلتے جارہے تھے تاحدیکہ دربار ظاہر تھا۔ لوگوں سے استفسار پر معلوم ہوا کہ یہی خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد چند مریدوں کے ساتھ مَیں نے ان کی دعوت کی اور کافی دیر تک ان کے ساتھ ہم کلام رہا۔ پھر اس کے بعد نہ مل سکے حتیٰ کہ اُن کا انتقال ہوا۔ جس رات ان کا انتقال ہوا میں کروڑ لعل عیسن میں تھا۔ رات کو خواب دیکھا کہ دو (2) خوبصورت سنہری تخت ہیں۔ ایک پر میں بیٹھا ہوں جب کہ دوسرا خالی ہے۔ اشارہ ہوا کہ یہ دوسرا تخت بھی اب آپ کے تصرّف میں ہے۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد میں اس خواب کی تعبیر کے بارے سوچ رہا تھا کہ خبر ملی کہ رات کو میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے پھر میں سمجھ گیا کہ یہ خالی تخت میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ واقعی فقر کے شہنشاہ تھے۔ لیکن ان کا فقر اِنہی تک محدود رہا۔ خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہی ایک مرید پیدا کیا تھا مگر انہیں شاید کوئی مرید ملا ہی نہیں۔

کروڑ لعل عیسن میں ایک پیش امام حافظ صاحب تھے۔ میں جب کروڑ میں ہوتا تو اکثر و بیشتر انہی کے پیچھے نماز ادا کرتا تھا۔ بڑے مؤدب فقیر قسم کے آدمی تھے۔ وہ خلاف نفس کے وقت بعض اوقات نفس سے باتیں کرتے تھے اور چھڑی اٹھا کر شیطان کو بھگاتے تھے۔

علاوہ ازیں دربار ''دائرہ دین پناہ'' میں بھی ایک قلندر یہ سلسلے کے کامل بزرگ موجود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نقش قدم پر براہِ راست خدا سے ہم کلام ہوتے رہتے ہیں۔ جو ابھی تک حیات ہیں۔ خدا ان کی عمر دراز فرمائے۔

تونسہ شریف میں حضرت خواجہ خان محمد صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُس وقت کے ایک کامل بزرگ تھے۔ پہلے ہماری خواب میں ان سے ملاقات ہوئی پھر کچھ عرصہ بعد اس خواب کے مطابق بالمشافہ بھی ملاقات ہوگئی۔ واقعی ان کی فقیری میں ذرا بھی شک نہیں تھا جو اس وقت پردہ پوش ہو چکے ہیں۔

ایک مرتبہ لاہور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عرس مبارک پر حاضری کا شرف حاصل ہو۔ اوہاں اکثر زندہ اولیاء کرام تشریف لائے ہوئے تھے۔ ایک کامل مجذوب حال فقیر ''جمال بابا'' نامی جس کا صرف مجھے علم تھا۔ بقول محمد اظہر بٹ صاحب وہ مسجد کے ایک کونے میں کھڑے قرآن کریم کی ایک آیت اس قدر تیزی سے پڑھ رہے تھے۔ کہ عام آدمی ایک مرتبہ اور ''جمال بابا'' ستر مرتبہ کی اوسط سے پڑھ لیتے۔ ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی نے دُور سے انہیں سلام کر کے ان کے بارے میں دوستوں کو بتایا کہ جمال بابا جامِ الست سے مَست مجذوبِ وقت اور بحر فنا و بقا کے شناور ہیں۔ آپ نے دربار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر سلام کے بعد دوستوں کو اشارہ کر کے فرمایا کہ دروازے سے اندر جو ایک فقیر بیٹھے ہیں ان کے ذمے دربار کے اندر کی نگرانی ہے اور جو چوکھٹ سے باہر بیٹھے ہیں ان کے ذمے احاطۂ دربار سے باہر کی نگرانی ہے۔ اتنے میں صوفی عبدالشکور صاحب بتاتے ہیں کہ ایک انتہائی خوبصورت سفید ریش آدمی آئے جو ٹھیٹھ پنجابی بولتے تھے۔ حضرت صاحب سے دعا کے لیے عرض کی۔ حضرت صاحب نے مسکرا کے فرمایا کہ تجھے دُعا کی کیا ضرورت ہے؟ ان کے دوبارہ اصرار پر بھی آپ نے یہی جواب دیا۔ اس کے بعد وہ خوشی سے جھومتے الٹے پاؤں دربار کی طرف واپس ہو گئے۔ مرشد کریم نے بعد میں بتایا کہ وہ علاقہ لاہور میں مقرر قطب ہیں۔

علاوہ ازیں آپ کے ہم عصر صوفیا میں سے پیر مقتداء صاحب، مولانا گل منیر صاحب اور پیر لانڈرے صاحب کے نامِ نامی اسمِ گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

یہ چند باتیں جو آپ نے ظاہر فرمائیں قارئین کی نذر کر دیں۔ مگر آپ اکثر فرماتے رہتے ہیں کہ اس دور میں اولیاء کرام فتنہ و فساد کی وجہ سے چھپے ہوئے ہیں۔ نہ وہ خود ظاہر ہونا چاہتے ہیں اور نہ ہم انہیں ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ خاموش باطنی تصرفات میں مصروف ہیں۔ یہ چیزیں اس دور میں صرف آنکھ والوں تک محدود ہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

پنجاب کے صاحبزادگان سے اکثر و بیشتر آپ کی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آپ انہیں دیکھ کر علاّمہ اقبال کی طرح شاکی نظر آتے ہیں۔ جن کے بارے میں اقبالؒ نے یوں حقیقت بیانی سے کام لیا تھا۔

؎ میراث میں آئی ہے اُنہیں مسند ارشاد زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن

آپ کا مقولہ ہے کہ صاحبزادہ بننا اور ولایت کا دعویٰ کرنا نہایت آسان کام ہے۔ مگر عمل کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ آپ ان کے بارے صرف یہ فرما دیتے ہیں کہ طریقت وفیض کا تعلق خدمت مرشد سے ہے۔ اولیاء کرام نے چالیس چالیس سال تک اپنے مرشدوں کی خدمت کر کے معرفت حاصل کی تھی، جبکہ آج کے صاحبزادگان کو خدمتِ مرشد کا پتہ بھی نہیں ہے۔ نہ خود مرید بنے ہیں اور نہ انہیں مریدوں کے احوال وتربیت کا کوئی علم ہے۔ صرف ''پدرم سلطان بود'' پر اکتفا ہے حالانکہ مسئلہ تصوف ہے، جو خدمت سے دُور ہے وہ معرفت سے بھی کوسُوں دُور ہے۔ جو مسائل تصوف سے واقف نہیں ہے وہ مقامِ تصوف ومعرفت پر کیسے پہنچ سکتا ہے؟ علاوہ ازیں فقر میں بلکہ عام مسلمان میں بھی بغض وحسد اور فخر وغرور کی گنجائش تک نہیں ہے، جبکہ آج کل کے صاحبزادگان ہمارا لباسِ فقر دیکھ کر ہی حسد کی آگ میں جلنا شروع ہو جاتے ہیں اور تکبّر کی وجہ سے ہمیں سلام تک کرنا گوارا نہیں کرتے۔ ہمارے پاس لوگوں کا ہجوم دیکھ کر اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کہیں ہمارے مرید بھی ان کے پاس نہ چلے جائیں۔ مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ فقر کسی کی وراثت نہیں ہے۔ اس کا دار و مدار عمل اور رضائے الٰہی پر ہے۔ آپ بھی اگر میدانِ عمل میں آ جائیں تو یہی عزت وشرف آپ کو بھی مل سکتا ہے۔ میں پنجاب کے اکثر درباروں پر سلام (زیارت) کیلئے گیا ہوں۔ سب مسند نشیں صاحبزادگان مجھے صرف شکل وشباہت تک جانتے ہیں مگر قریب نہیں آتے۔

اس لئے میں ان صاحبزادگان کی طبیعت پر نہ بوجھ بنتا ہوں اور نہ ان کے پاس جاتا ہوں کچھ نے میرے امتحان بھی لیے بلکہ مقابلہ تک کیا۔ مگر خدا کے فضل وکرم سے خود شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئے اور شکر الحمد للہ ابھی تک خاموش ہیں۔ ہاں جو اہلِ فقر ہیں ان سے ہمارا ظاہری وباطنی رابطہ ضرور رہتا ہے۔ وہ ہماری عزت کرتے ہیں اور ہم ان کی عزت کرتے ہیں کیونکہ فقیر سب ایک ہی دربارِ رسالت ﷺ کے متعلّم ہوتے ہیں۔ باقی رہ گئے مولوی صاحبان ان سے میری بنتی ہی نہیں اور یہ آج کی بات نہیں ہے فقراء کا ظاہر بین علماء سے اختلاف تبع تابعین اور دور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے مسلسل چلا آ رہا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایسے کوتاہ نظر لوگوں سے پالا پڑا تھا۔ اس سوزِ دروں کو یوں انہوں نے ظاہر فرمایا:

گر باستدلال کار دیں بدے ۔۔۔ فخر رازی راز دارِ دیں بدے
پائے استدلالیاں چوبیں بود ۔۔۔ پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

(اگر ظاہری نوک جھونک سے معاملات دین سلجھتے تو فخر رازی جیسا عالم اور فلسفی راز دارِ دین ہوتا۔ یہ لوگ دراصل بہروپئے کی طرح ہیں جن کے اپنے پاؤں ہی نہیں ہوتے۔)

ہاں جو فتنہ بازی سے پاک، دنیا سے متنفّر، خدا کی طرف راغب، باعمل اور سمجھدار علماء ہیں وہ ہماری محفلوں میں اکثر وبیشتر آیا کرتے ہیں۔ بعض اوقات ہمارے احباب کی طرف سے ایسے علماء کی تعمیری واصلاحی تقاریر کا بھی انتظام کیا جاتا ہے۔ ہمارے کئی مرید حقیقت شناس علماء سے تعلیمِ فقہ بھی حاصل کر رہے ہیں۔ علاقہ کروڑ، کوٹ ادو اور ملتان کے کئی

علماء سے اصلاحی بحثیں ہوئی ہیں۔ بعد از بحث وہ حقیقت کو تسلیم کر کے عقیدت مند بن گئے۔ خانیوال کے ایک مولانا سے ایک فقہی مسئلے پر ایک دن کافی دیر تک بحث رہی ہے مگر شکر الحمد للہ کہ وہ میری بات سمجھ گئے اور مرید بھی بن گئے۔ کیونکہ ہم فقراء کی بحث برائے بحث نہیں ہوا کرتی بلکہ بحث برائے اصلاح ہوا کرتی ہے۔

29:۔ سفر کو حضر پر ترجیح اور آپ کی سیرانی الطبع ہونے کی خاص وجہ

مثال مشہور ہے: سفر وسیلہ ظفر، اور اس کا باطنی تعلق ہجرتِ حبشہ و ہجرتِ مدینہ کی کامیابی سے ہے۔ رضائے الٰہی کے لئے وطن اور گھر بار چھوڑنا سنت انبیاء ہے۔ جہاد بالسیف کیلئے سفر کرنا اور جہاد بالنفس (جہاد اکبر) کیلئے غاروں کی تنہائی میں خدائے واحد سے لَو لگانا سنت نبوی ﷺ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی باتیں برداشت کرنا اور میدان طائف میں اذیّتیں برداشت کر کے گستاخوں کیلئے دعائے ہدایت کرنا سیرت پیغمبری ﷺ ہے۔ اسی سیرت پیغمبری ﷺ کو زندہ کرتے ہوئے اولیاء کرام محوِ سفر رہتے ہیں یہاں تک کہ سفر کو حضر پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ کیونکہ سفر بھی تہذیب نفس کا ایک کامیاب ذریعہ ہے کہ اس میں کوئی چیز بھی مرضی نفس کے مطابق نہیں ملا کرتی۔ انہی وجوہات کی بناء پر ہمارے مرشد کامل، نواسۂ رسول بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی سفر کو حضر پر ترجیح دیتے ہوئے اصلاحِ خَلق کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں تو خاص کر فتوحات ظاہری و باطنی سفر ہی میں زیادہ تر میسر آتے ہیں۔ مرشد کریم مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ سنت نبوی ﷺ کے علاوہ یہ سنت اولیاء بھی ہے۔ کیونکہ شیطان لعین چپّہ چپّہ پھر کر مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ اس کے بالمقابل اولیاء کرام قریہ قریہ سفر کر کے مخلوق خدا کو ذکر الٰہی، ہدایت و معرفت اور راہ راست کی طرف لانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ آج وہ دَور نہیں کہ گھر بیٹھے بیٹھے مخلوق آ کر اولیاء کرام سے فیض حاصل کرے۔ مصروف اور مشکوک دور آیا ہوا ہے۔ اولیاء کرام خود جسمانی و مالی صعوبتیں برداشت کر کے دور دور جا کر لوگوں کو سمجھانے اور نمونۂ عمل پیش کرنے کے بعد فیض یاب کرتے ہیں۔ سفر کے وسیلے سے اگر ایک آدمی کی بھی اصلاح ہو جائے تو ہمارے لئے تختِ سلیمانی سے بہتر ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ فقیر ہر وقت خانہ بدوش رہتا ہے جس طرح کہ خانہ بدوش شکاری۔ شکاری کو جہاں شکار ملے وہاں اپنا ڈیرہ ڈال دیتا ہے۔ فقیر کو جہاں تشنگانِ معرفت ملیں اور جہاں زیادہ گمراہ مخلوق میں تبلیغ کا موقع ملے وہیں اپنے ڈیرے ڈال دیتا ہے کیونکہ اس کا یہ فلسفہ ہوتا ہے کہ روئے زمین مومنِ جانباز کی میراث ہے۔ مومن کی دوڑ وہاں تک ہونی چاہیے جہاں تک کہ اس کا خدا مُتصرّف ہے۔ لہٰذا روئے زمین پر پھر کر تبلیغ کرنا اولیاء کرام کا شعار اور ان کی زندگی کا اک حصہ رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی دور کے مطابق کہا تھا:

~ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؑ   کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہِ دلگیری

لہٰذا مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی سیرانی الطبع ہونے کی یہی خاص وجوہات ہیں۔ خدا ایسے مرد مجاہد

کی عمر دراز فرمادے۔آمین۔

30:۔ آپؒ کی کرشمہ ساز شخصیّت

اولیاءِ کرام کا کام خدا کی رحمت کا بکھیرنا ہے۔یہ لوگ جہاں جہاں جاتے ہیں۔خدا کی رحمت بھی ان کے ساتھ ساتھ جاتی ہے۔پھر خدا کا جو بندہ اس کے قابل ہوا اُسے اپنی قابلیت سے بھی کہیں زیادہ دے ڈالتے ہیں۔رحمتِ خدا تو عام ہے مگر بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ باران کہ در لطافت طبعش خلافت نیست — در باغ لالہ روید و در شور! بوم و خس

(بارش کے پانی میں ایک ہی تاثیر ہوتی ہے۔مگر باغ میں گلِ لالہ جیسا ہر دلعزیز پھول اُگ آتا ہے اور شور زمین میں سرّ اور دھتورا اُگ آتا ہے۔) مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ہم جس نئے علاقے کی طرف جانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس علاقے کی مخلوق کیلئے خدا کی طرف سے ہمیں خاص خاص انعامات دیئے جاتے ہیں پھر ان انعامات کو تقسیم کرنے کیلئے ہم آگے مخلوق کو جا کر چھاننا شروع کر دیتے ہیں۔اس کی مثال اس طرح ہے جس طرح کہ ایک دُنیا کا حریص پہاڑ میں جا کر ہر ایک پتھر کو ٹٹولتا ہے کہ شاید یہی ''سنگِ پارس'' ہو۔بالکل اسی طرح ہم بھی حریصِ دین بن کر نئے علاقے میں وارد ہونے کے بعد ہر کسی کو بیعت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔اس امید پر شاید کہ وہ انعامات اس انسان کی قسمت میں ہوں۔یہی وجہ ہے کہ ہم جہاں بھی جاتے ہیں کوشش کرتے ہیں کہ یہاں ذکرِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کی پنیری لگ جائے۔پھر یہی پنیری خدا کی مہربانی اور فضلِ خاص سے ضرور لگ ہی جاتی ہے۔ابھی تک تو خدا کے فضل و کرم سے ہم بہت کم کسی علاقے سے خالی ہاتھ واپس لوٹے ہیں۔ضرور ایک نہ ایک دانہ نکل آتا ہے جو اس علاقے میں ہماری نشانی اور خدا کی رحمت کا وسیلہ بن جاتا ہے۔لہٰذا غیر ممالک کے علاوہ پاکستان کے چپّے چپّے میں ہمارے مرید اور خلفاء موجود ہیں۔پھر بقول سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ وہاں گلِ لالہ کے ساتھ ساتھ کوئی کوئی دھتورا بھی نکل آتا ہے۔آپ فرمایا کرتے ہیں کہ فقیر ایک پھول کی طرح ہے اور پھول کے ساتھ ساتھ کانٹوں کا ہونا بھی ایک لازمی امر ہے۔

خدا کے فضل سے زمین کے چپے چپے میں فقراء کا فیض جاری ہے اور ان کی نشانیاں موجود ہیں جو انہی کے نام سے موسوم ہیں۔خداوند کریم ہمیں بھی انہی لوگوں میں شمار فرما کر اپنی رحمت سے بہرہ ور فرمائے۔آمین۔

31:۔ عالمِ جوانی اور جلالِ سکندری

؎ شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب (اقبالؒ)

؎ دلبری بے قاہری جادو گری است — دلبری با قاہری پیغمبری است (اقبالؒ)

(حسن بے اصول جادوگری اور حسن با اصول پیغمبری ہے۔)

آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی جوانی عطا فرمائی جو ہر طرح سے مکمّل تھی۔ہمیں ایسے رشتوں کی پیش

کش ہوتی کہ جن کے لئے امیر کبیر لوگ ترستے تھے، مگر میرا ان سے یہ جواب ہوتا تھا۔ پہلی بیوی شرعی نکاح کی وجہ سے ہم سے چھوٹ نہیں سکتی۔ دوسری شادی کے لئے فرصت نہیں۔

فرماتے ہیں کہ جوانی کے وقت جب ہم کروڑ لعل عیسن پنجاب آئے سڑک پر نکلتے ہی لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا تھا کہ چلنا محال ہو جاتا۔ خدا نے بے انتہا حُسن دیا ہوا تھا۔ جب بازار سے گزرتا تو لوگ چھتوں پر چڑھ کر ہمارا نظّارہ کرتے کہ بنوں والا پیر آرہا ہے۔ اس وقت مجھ میں اتنا جلال ہوتا تھا کہ جہاں میں چاہتا قدم رکھتا۔ آسمان کی وسعت اور دریا کی پہنائی ہمارے سامنے ہیچ تھی۔ اگر فرعونِ وقت بھی ہمارے سامنے آتا اس کا سر ادب سے جھک جاتا اور جلال دیکھ کر مرعوب ہو جاتا۔

اس کے باوجود خدا نے ہمیں اتنی قوّتِ برداشت دی ہوئی تھی کہ ''کروڑ'' میں اگر کبھی مہمان زیادہ ہوتے تو میں اپنا بستر انہیں دے دیتا اور ساری رات مصلّٰی پر بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا۔ ہماری محفلوں میں کئی لوگ شرارت اور فساد کیلئے آجاتے۔ لیکن ہمیں دیکھ کر اتنا مرعوب ہو جاتے کہ اُلٹے قدم واپس چلے جاتے یا سب کچھ بھول کر باادب محفل میں بیٹھے رہتے۔ بعض لوگ گستاخی اور بدعقیدگی کی حالت میں آتے مگر خدا کے فضل و کرم سے واپس غلام بن کر جاتے۔ کیونکہ غصہ کرنا بدکلامی کرنا، اور کسی کو بددعا دینا ہمارا شیوہ ہی نہیں۔ ہم ان غلطیوں سے انشاء اللہ ساری زندگی محفوظ رہے اور آئندہ کیلئے بھی خدا بچائے گا۔ اس لئے ہمارے پاس جو بھی آیا فائدے ہی میں رہا۔ اپنے علاقے میں لوگوں سے ہماری خاندانی دشمنیاں بھی رہی ہیں مگر ابھی تک نہ ہم نے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا اور نہ کوئی ہمیں نقصان پہنچا سکا۔ مدت سے ہماری اپنی بستی ڈھیری کلہ سیداں بخاری میں جو بھی مسئلہ درپیش ہو میرے ہی مشورے سے طے ہوتا ہے اور شکر الحمدللہ ابھی تک یہی معمول چلا آرہا ہے۔

32:۔ فقرِ اختیاری اور کمال خودداری

؎ آنکہ شیر انند کئے روباہ شوند   احتیاجِ خود بہ پیشِ کئے برند

(خدا کے شیروں سے گیدڑ پنی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بغیر اپنے رب کے اور کسی کے سامنے وہ اپنی محتاجی کا اظہار نہیں کرتے) ایک مرتبہ مُرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ صدر اسحاق خان کی ہماری برادری میں رشتہ داری ہے۔ کئی بار ان کے خطوط آئے کہ لنگر کیلئے کوئی رقم کی ضرورت ہے تو میں بھیج دوں گا۔ اور مجھے ملاقات کا موقع بھی بخشیں۔ مگر ہم اسے یہ جواب بھیج دیتے کہ ہمیں شکر الحمدللہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اگر آپ میرے پاس نہ آئیں تو میں آپ کا بیحد مشکور رہونگا۔ ہم اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ خدا آپ کو اپنی جگہ خوش رکھے۔ بوعلی قلندرؒ نے کیا خوب فرمایا:

؎ زُہد و تقویٰ چیست اے مردِ فقیر   لا طمع بُودن ز سُلطان و امیر

(اے فقیر! (فقر کے مدعی) تجھے معلوم ہے کہ زُہد و تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ آ میں تجھے بتاتا ہوں! زُہد و تقویٰ

دراصل ہر میر وسلطان سے بے نیازی کا نام ہے۔)

؎ قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ (اقبالؒ)

آپ کی اس بات پر بندہ کو فوراً وہ حدیث پاک یاد آئی کہ ایک دن رسول ﷺ سے ایک سائل محروم واپس گیا۔ (آپ ﷺ کو یہ بات بہت شاق گزری) خدا کو یہ گوارا نہ ہوا۔ جبرائیل امین کو سب دنیاوی خزانوں کی چابیاں دیکر بھیج دیا کہ جا کر میرے محبوب ﷺ کو خوشخبری سناؤ کہ جتنا خرچ کرو گے بروز حشر آپ ﷺ سے کوئی حساب نہ لیا جائے گا۔ جب جبرائیل علیہ السلام نے آ کر یہ پیغام آپ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا جبرائیلؑ! میں نے تو درویشی رضا و رغبت سے قبول کی ہوئی ہے اور دنیا کو جان بوجھ کر ٹھکرا دیا ہے۔ اس لئے مجھے نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ میں اس کا طالب ہوں۔ میں نے دولت کو کیا کرنا ہے۔ مجھے صرف اپنا خدا ہی کافی ہے۔ میرا فقر اختیاری ہے اضطراری (مجبوری کی وجہ سے) نہیں۔ اس پر جبرائیل امین علیہ السلام خاموش ہو کر واپس چلے گئے۔

پیغمبر خدا ﷺ بذات خود فقر کا عملی پیکر تھے۔ لہٰذا اولیاء کرام کو بھی وہیں سے فقر اختیاری ورثے میں ملا ہے۔ ان لوگوں نے خدا کی رحمت اور انسانی عظمت کو دنیا کے سامنے واضح کر کے پیش کیا کہ انسان کو صرف اور صرف خدا کی ضرورت ہے۔ باقی ہر چیز کو انسان کی ضرورت ہے۔ مرشد کریم مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ ہم نے ساری زندگی کسی مرید سے چار آنے قرضہ تک نہیں لیا اور نہ ہی ابھی تک خدا کی مہربانی سے انتہائی تنگ دستی کے باوجود کسی کے آگے دست سوال دراز کیا ہے۔ خدا آئیندہ کیلئے بھی کسی کا محتاج نہ بنائے۔ گو ہمارے گھر متواتر کئی دنوں تک آگ نہیں جلی۔ تنگ دستی انتہا کی رہی ہے، پھر بھی ہم دل و جان سے اس پر راضی ہیں اور خدا کے شکر گذار ہیں۔ نہ ہمارے پاس کوئی جمع دولت ہے اور نہ شکر الحمد للہ ہمارا کوئی کام پیسہ کی وجہ سے رُک گیا ہے۔ یہ ہم پر خدا کی خاص رحمت نہیں تو اور کیا ہے!

؎ مرا از شکستن چناں عار ناید کہ از دیگراں خواستن مومیائی (اقبالؒ)

(مجھے ہڈی ٹوٹنے سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جس قدر دوسرے سے مومیائی مانگنے میں تکلیف ہوتی ہے۔)

اس بات کا ثبوت آپ کی محفل میں ہمیں بار بار ملتا ہے کہ آپ دولت مند لوگوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ ان کے آتے ہی انکا حال پوچھ کر خاطر تواضع کے بعد دعائے خیر فرما کر انہیں جانے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی صاحبِ عقیدہ ہو تو اس کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ہم پر ایسا وقت بھی گزرا کہ صرف ایک قمیض میں رہتے تھے۔ نہ پاؤں میں جوتا اور نہ سر پر کپڑا ہوتا تھا۔ مگر اب اس قناعت کی بدولت خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ لوگ ہمارے محتاج ہیں ہم کسی کے محتاج نہیں۔ آپ اپنی ایک آپ بیتی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شروع شروع شہر بنوں میں ہمارے کئی پیر بھائی تھے۔ ہر جمعرات کو محفل ذکر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ذکر سے فارغ ہو کر میں گھر کو روانہ ہوا۔ باہر کے دو تین آدمی میرے ساتھ شب باشی کو تیار ہوئے۔ میں پریشان ہو گیا۔ خدایا دو تین دن ہو گئے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ میں اِن

مہمانوں کی کیسے خدمت کر سکتا ہوں کیونکہ اس وقت شاہ صاحبان بہت چھوٹے تھے اور میرا ابھی کوئی ذریعہ آمدن نہیں تھا۔ خیر خدا پر توکّل کر کے مہمانوں کو گھر لا کر سامنے والی مسجد میں بٹھا دیا۔ گھر جا کر کھانے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ تھوڑا سا شوربہ اور مکئی کی صرف دو روٹیاں پڑی ہیں۔ ہمارا خیال تھا جب آپ آئیں گے تو مل کر کھائیں گے۔ مگر میں نے انہیں صبر کی تلقین کی اور شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ڈال دیئے۔ یعنی ثرید بنا کر ایک تھال میں مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا کہ کھانا شروع کرو۔ میں پانی لانے کے بہانے واپس گھر آیا۔ جب دوبارہ گیا تو پوچھا سناؤ کچھ گزارا ہوا ہے کہ نہیں؟ جواب دیا شاہ صاحب ثرید میں اتنی لذت تھی کہ ساری زندگی ایسا کھانا نصیب نہیں ہوا اور ہم خوب سیر بھی ہو گئے۔ معلوم نہیں کہ ایسا کھانا آپ کہاں سے لائے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ مہمان خوش رہے چنانچہ ہم گھر والے سب پھر ویسے ہی بغیر کچھ کھائے سو گئے۔ ایسے حالات میں بھی ہم نے خدا سے دولت کی آرزو نہیں کی۔ اگر کوئی آرزو رکھی بھی تو وہ صرف اور صرف صبر و استقامت کی آرزو تھی۔ ہماری دُعا ہے کہ خدا ہماری اولاد اور مریدوں کو بھی یہی راہ فقر نصیب فرما کر طالبِ صبر و استقامت بنا دے۔ آمین۔

ہمیں پنجاب میں کئی لوگوں نے زمینوں اور مکانوں کی مفت پیش کش کی ہے مگر ہم نے ان کی خلوص نیت کی بناء پر ان کے حق میں دُعائے خیر کر کے معذرت کر دی کہ ہم نے زمینوں اور مکانوں کو کیا کرنا ہے۔ خدا راضی ہے تو سب کچھ ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو سب کچھ بیکار ہے۔

؎ جچتے نہیں کُنجشک و حمام اس کی نظر میں — جبریلؑ و سرافیلؑ کا صیّاد ہے مومن (اقبالؒ)

بندۂ ناقص (راقم الحروف) کے سامنے لیّہ میں جان محمد ہوٹل والے نے زمین کی پیش کش کی اور ایک ہفتہ کے اندر اندر مکان بنانے کی اجازت چاہی۔ (کیونکہ لیّہ کے خلیفہ صوفی منظور صاحب کے پاس قیام کیلئے جگہ نہیں تھی۔ آپ ان کی دکان پر رہ کر چلے جاتے۔) مگر آپ نے ان کے حق میں دُعا فرما کر اس بات سے معذرت کر دی کہ ہمیں یہی حال جو خدا نے عطا کیا ہے، پسند ہے:

؎ یادِ اُو سرمایۂ ایماں بود — ہر گدا از یادِ اُو سُلطاں بود (رومیؒ)

(اللہ کی یاد ہی ایمان کی اصل ہے۔ گدا گر بھی اگر اس کی یاد میں آجائے تو وہ بادشاہِ وقت بن جاتا ہے۔)

33:۔ عشقِ رسول ﷺ

؎ ہر کہ عشقِ مصطفٰی سامان اوست — بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست (اقبالؒ)

(جس کا زادِ راہ عشق محبوب خدا ﷺ ہو تو ساری دنیا اس کے دامن کے ایک گوشے میں موجود ہوتی ہے)۔ عشق رسول ﷺ کے معاملے میں تو ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی براہِ راست اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اس گُفت کے مصداق ہیں کہ انہوں نے کہا تھا:

ع بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

(اے مردِ مومن بارگاہ مصطفیٰ ﷺ تک اپنے آپ کو پہنچا دے کہ دین وایمان سب انہی کی ذات والا صفات ہے۔) اس لئے آپ جب بھی پیغمبر ﷺ کی کوئی حدیث بیان فرماتے ہیں۔ تو ''نانا کریم ﷺ'' کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ جو اُن کی قربتِ رسول اللہ ﷺ اور اِتمام حُجت کی دلیل ہے۔ آپ جب پہلی بار عمرے سے واپس تشریف لائے دوستوں نے استفسار کیا کہ حضور آپ کو دیارِ حبیب ﷺ میں جا کر اپنے نانا کریم ﷺ سے ملاقات بھی ہوئی ہے۔ جواب دیا کہ ہم نے اپنے نانا کریم ﷺ کی خوب زیارت کی۔ وہ ایک ایسا پُر کیف وقت تھا معلوم نہیں زندگی میں پھر نصیب ہوگا کہ نہیں۔ جب بھی ان کا چہرۂ پُر انوار کا تصور ہمارے سامنے آتا ہے قوتِ برداشت جواب دے جاتی ہے اور ہمیں دنیا کا کوئی کام اچھا نہیں لگتا۔ دل کہتا ہے کہ وہی چہرۂ والضُحیٰ سامنے ہو اور ہم محو دیدار ہوں۔ ہم نے اُن (ﷺ) سے ایک عرض پیش کی مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا ''شاہ صاحب ابھی صبر کرو'' یہ بات سناتے ہوئے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور رقت طاری ہوگئی جس سے سب حاضرین کی آنکھیں اس منظر کی تاب نہ لاتے ہوئے اشکبار ہوئیں مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے یکدم گفتگو ختم کر کے خاموشی اختیار کی۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ جب میرے مرشد کریم (صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھے منازلِ سلوک طے کراتے ہوئے بارگاہِ نبوی ﷺ میں جا کھڑا کیا، پہلے ہی دیدار سے محبت اس قدر شدّت اختیار کر گئی کہ آپ کا نامِ نامی اسم گرامی سنتے ہی میں رونے لگتا اور کہتا کاش! نبی ﷺ کا جسم اطہر مٹی پر نہ سُلا دیا گیا ہوتا۔ مٹی پر پہلے میرا جسم بچھا دیا ہوتا تب آپ ﷺ کا جسم اطہر رکھدیا ہوتا۔ آپؒ کے عشقِ نبی ﷺ کی یہ حالت ہے کہ جب بھی کوئی نعت شریف سُنیں یا محفل میں آپ ﷺ کی سیرت وعادات اپنانے کی تلقین کر رہے ہوں تو آپ پر فی الفور وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے سامعین میں بھی عشق نبی ﷺ کا جذبہ موجزن ہونے لگتا ہے۔ صلوٰۃ وسلام پڑھتے وقت آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ نانا کریم ﷺ آنکھوں کے سامنے آ کر ہمیں زیارت کرا جاتے ہیں۔ اسی جذبۂ عشق کی بدولت اکثر و بیشتر مختلف حالتوں میں آپ کو نبی ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی رہتی ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مظفرؔ گڑھ سے حاجی نذر حسین صاحب زیارت کیلئے حاضر خدمت ہو کر قدمبوس ہوئے۔ بعداز احوال پُرسی مدینہ طیّبہ اور دربارِ رسالت ﷺ کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ ہر جمعرات کو دربارِ رسالت ﷺ میں تمام اولیاء کرام کی حاضری ہوتی ہے۔ وہاں پر ہر ایک کی جگہ درجہ بدرجہ یعنی سب سے آگے غوث، پھر قطب، ابدال، اوتاد اور سب سے آخری صف میں اولیاء اللہ کی جگہ بنی ہوئی ہوتی ہے۔ سب کے سامنے سرکار دو جہاں ﷺ مسند آراء ہوتے ہیں۔ مَیں بھی پہلے پہل جب دربارِ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ میری جگہ سب سے آخری صف میں بنی ہوئی ہے۔ مَیں وہاں سے کھڑے ہو کر زاروقطار رونے لگا۔ پہلی بات تو یہ تھی جو میرے

دل میں آئی کہ نانا بھی میرے اور مقام بھی میرا سب سے پیچھے ہے۔ دوسری یہ کہ معلوم نہیں کس وقت سرکارِ دو جہاں ﷺ کی ملاقات نصیب ہوگی اسی دوران مجھ پر سرکار دو جہاں ﷺ کی نگاہ پڑی۔ فرمایا شاہ صاحب! کیوں روتے ہو میرے پاس آجاؤ۔ میں روتا ہوا جب آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پہلو میں بٹھا کر میرے اوپر اپنے دونوں ہاتھ مبارک پھیلا دیئے۔ مَیں آپ کی گود میں یوں سما کر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک میرے جسم کو چھو رہی تھی اور مَیں اس قدر سکون محسوس کر رہا تھا جس طرح کہ کوئی بچھڑا ہوا بچہ اپنے غمخوار باپ سے آ کر ملا ہو۔ اس کے بعد نانا کریم ﷺ نے دِلاسہ دیتے ہوئے فرمایا شاہ صاحب! تم کیوں رو رہے ہو؟ تم تو میرے بچے ہو۔ پھر آپ ﷺ نے سامنے محفل میں تشریف فرما سب اولیاء کرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''ان لوگوں کو خدا کی بارگاہ میں جو بلند درجات نصیب ہوئے ہیں یہ ان کی ذاتی محنت کا پھل ہے۔ اس لئے میں انہیں انعامات تقسیم کر رہا ہوں۔ تم تو میرے بچے ہو تمھارا اپنا گھر ہے۔ گھبراتے اور ہچکچاتے کیوں ہو؟ تب دربار رسالت ﷺ دوسری جمعرات تک برخاست ہوئی۔ اس طرح مجھ ناچیز کو سرکارِ دو جہاں ﷺ نے غوثوں سے بھی پہلے اپنی قُربت سے نوازا۔ (مرشد کریم نے حاضرین سے فرمایا ایسی باتیں محفل میں نہیں بتانی چاہئیں۔ مگر حاجی صاحب کی وجہ سے دل بہت خوش ہوا اور یہ باتیں منہ سے نکل گئیں خدا معاف فرمائے) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ولایت کا دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے مگر دربارِ رسالت ﷺ تک رسائی حاصل کرنا بہت مشکل کام ہے جو کہ صرف اور صرف عشقِ رسول ﷺ سے وابستہ ہے۔

34:۔ دیدارِ الٰہی

؎ بعد از سی سال ایں معنی محقّق شُد بہ خاقانی　　　یک لحہ با خُدا بودن بہ از مُلکِ سلیمانی

(تیس سال کے مجاہدے کے بعد مجھے یہ پتہ چلا کہ ایک لمحہ کیلئے خدا کا دیدار کرنا مُلکِ سلیمان سے در جہا بہتر ہے۔)

ایمان کی ابتداء ایمان بالغیب سے اور انتہا جس نے پیدا کیا اس کو بالمشافہ دیکھنے پر ہوتی ہے۔ از روئے حدیث عبادت کی ابتداء اس حال میں کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے اور عبادت کی انتہا اُسے سامنے دیکھنے پر کرو۔ یہی اولیاء کرام کا نقطۂ نظر اور مقامِ اِحسان ہے۔ جس طرح کہ اس مقامِ قُرب پر سب اولیاءِ کاملین دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوتے رہے ہیں، اس طرح ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی بھی دیدارِ الٰہی سے کئی بار مشرف ہوئے جو کہ انسان کا اصل مقصدِ تخلیق ہے۔ بقول مولانا رومیؒ:

؎ آدمی دید است باقی پوست است　　　دید آن است آنکہ دید دوست است

(انسان صرف ایک ''آنکھ'' کا نام ہے باقی سب چمڑا ہے پھر آنکھ بھی وہی آنکھ ہے جو دیدارِ دوست کر سکے)

مرشد کریم مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ میرے اوپر ایک ایسا وقت آیا کہ میں کھاتا پیتا کچھ نہ تھا۔ خداوند کریم کے عشق و محبّت میں ننگے پاؤں اور ننگے سر پہاڑوں اور جنگلوں میں پھرا کرتا تھا۔ رات دن رو رو کر یہی آواز نکالتا کہ خدایا! تُو کہاں

ہے؟ میں آخر تیرا ہی بندہ ہوں۔ تُو مجھے کیوں نہیں دکھائی دیتا؟ اس حال میں کئی سال گزر گئے۔ آخر کار ایک رات آسمان سے ایک شعلہ نما گول ''نور'' نمودار ہوا۔ اس نے قریب آ کر انسانی شکل اختیار کرلی اور فرمایا اے دیوانہ! تُو کیوں روتا ہے؟ کیا تُو میرا دیدار چاہتا ہے؟ تو آج کرلے جتنا چاہے۔ چنانچہ میں نے اس رات خوب اپنے رب کا دیدار کرلیا۔ اس کے بعد میرے دل کو سکون نصیب ہوا۔ دیدارِ الٰہی کی برکت سے میرے جسم میں ایک ایسی خوشبو رچ گئی کہ وہ تعریف سے باہر ہے اور کسی دنیاوی خوشبو سے نہیں ملتی جو ابھی تک میرے جسم میں موجود ہے۔

یہ واضح رہے کہ شیطان بھی مومن کو دھوکہ دینے کیلئے انسانی نوری شکل میں خدا بن کر آتا ہے (جس طرح کہ غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور و معروف واقعہ ہے) مگر شیطان لعین کے جسم سے انتہائی بدبو پھوٹتی رہتی ہے، جس سے قلب مومن کو پتہ چل جاتا ہے وہ ''لَاحَــوْلَ'' پڑھنا شروع کردیتا ہے۔ جس سے اس کا دھوکہ ختم ہوجاتا ہے اور وہ بھاگ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک موقع پر ہم انتہائی تکلیف میں تھے اور دیدارِ الٰہی کا شوق اس قدر غالب آچکا تھا کہ جان کا ہوش تک نہیں تھا۔ نفل کی نیت سے کھڑا ہوگیا اور مراقبے کی حالت میں چلا گیا۔ دیکھا کہ میرے سامنے ایک گلابی رنگ کا گول نُور آ رہا ہے۔ اسے دیکھ کر سب تکلیف سلب ہوگئی۔ وہ جس قدر قریب آتا گیا تسکینِ قلب بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس قدر قریب آ گیا کہ چھاتی سے لگ گیا۔ میں نے اسے گلے لگانے کے لئے جب اپنے بازو کھولے تب وہ میری جنبش سے غائب ہوگیا۔ اس میں اس قدر لطف آیا کہ زبان و بیان سے باہر ہے۔ (یہ بالکل سچ ہے کہ روزِ محشر نعمتہائے جنت کے باوجود مومن کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے ہیں۔ خدایا دیدار کا جو وعدہ کیا تھا جلدی دکھادے۔) مگر اولیاء کرام نے تو اس دنیا میں اپنی صفائی باطن اور ریاضات و مجاہدات کے ذریعے یہ نعمتِ عظمیٰ اور یہ لطفِ دوام حاصل کرلیا ہے۔ لہٰذا جسے خواہشِ دیدارِ رب ہو وہ اسکے دیکھنے والوں کی خدمات حاصل کرے۔ بقول رومیؒ:

؎ دست زن در ذیلِ صاحب دولتے ‏ ‏ ‏ ‏ تا ز افضالش بیابی رِفعتے

(کسی صاحب عشق اور صاحب دیدار کا دامن پکڑلے تاکہ تو بھی اس کی بخت بیدار کی بدولت کوئی بلند مقام حاصل کرسکے۔)

35:۔ معراجِ روحانی

؎ رہ یک گام ہے ہمت کیلئے عرشِ بریں ‏ ‏ ‏ ‏ کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات (اقبالؒ)

انبیاء کرام علیہم السلام کے نقشِ قدم پر ہوتے ہوئے اولیاءِ کاملین کو بھی معراج نصیب ہوجاتا ہے۔ (بذریعہ عبادت راستہ خود ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' فرما کر بتادیا) انبیاءِ کرام علیہم السلام کو جسمانی و روحانی دونوں معراجیں مگر اولیاءِ کرام کو صرف روحانی معراج نصیب ہوجاتا ہے اور یہ ہر ولی کامل کو اپنی روحانی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ معراجِ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہر ولی اللہ کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار تو لازمی نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ کسی نے ظاہر کیا اور کسی نے اخفاء سے کام لیا۔ اس نعمتِ عظمیٰ سے ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی بھی سرفراز کئے گئے۔ چنانچہ آپ

فرماتے ہیں کہ ''ایک دن ہم مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آسمان کی طرف ہماری پرواز ہوئی۔ کچھ اوپر جا کر جب ہم نے اپنے وجود کی طرف خیال کیا تو دیکھا کہ ہمارے جبّے کی طنابیں مضبوط رسی کی طرح بہت لمبی ہو چکی ہیں۔ مزید جسم کے ساتھ رسیاں اور زنجیریں باندھی ہوئی ہیں۔ میرے سب مرید جُبّے کی طنابوں، رسیوں، زنجیروں، کپڑوں اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پکڑے ہوئے میرے ساتھ ساتھ آرہے ہیں۔ صوفی عبدالکریم خاص غلاموں کی حیثیت سے میرے آگے آگے چل رہے ہیں۔ فوراً میرے دل میں خیال آیا معلوم نہیں بٹ صاحب (محمد اظہر بٹ صاحب لاہور والے) بھی ہمارے ساتھ ہیں یا نہیں۔ اتنے میں سامنے ہو کر بٹ صاحب نے عرض کی حضور! میں تو پرواز سے پہلے آپ کی خدمت میں موجود ہو گیا تھا۔ تب مجھے تسکین ہوئی۔ ہم بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ رفتار بہت ہی تیز تھی۔ تب ہم عرش پر جا پہنچے۔ جہاں ہر طرف خدا کی ذات جلوہ گر تھی۔ پھر ہمیں وہ مقامِ خاص دکھایا گیا کہ جس مقام پر ہمارے نانا کریم ﷺ جلوہ افروز ہو کر اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوا کرتے تھے۔ دیگر بہت سے عجائبات دیکھنے کے بعد ہم واپس لوٹے۔ تب حالتِ مراقبہ ختم ہو گیا''۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ دیکھنے والے، یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے ۔۔۔ پھر یہ وعدہ حشر کا صبر آزما کیونکر ہوا ؟

بندۂ ناقص (راقم الحروف) کو یہ سن کر معراج بایزید کے علاوہ حضرت شیخ الاسلام قُطب الدّین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ملفوظ یاد آ گیا کہ انہوں نے فرمایا تھا ''میدانِ محشر میں گلیم پوشوں کی گلیموں (جُبّوں) کی اس قدر لاکھوں مضبوط طنابیں ہونگی کہ ان کے سب مرید اُن کو پکڑیں گے اور خرقہ پوش میں خداداد اِتنی قوّت ودیعت ہوگی کہ پل صراط پر سے گزار کر سب مریدوں کو بہشت میں جا کر داخل فرمائیں گے۔ تب وہاں پر مخلوق کو گلیم پوشوں کی حقیقت کا پتہ چلے گا'' خداوند کریم نے یہی طاقت اس دور میں ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کو دی ہوئی ہے اس لئے اس ذات پاک جل جلالہٗ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے اس آخری دور میں ہمیں ایسے کامل بزرگ کی غلامی نصیب فرمائی، جو سلف صالحین کی تصویر ہیں۔

36:۔ ادائیگی عمرہ و حج بیتُ اللّٰہ

آپ نے بذریعہ ہوائی جہاز تین عمرے اور ایک حج کیا۔ پہلا عمرہ ضلع لیہ علاقہ ''ہیرا'' میں قیام کے دوران مئی 1984ء ایک عرب ٹھیکیدار حسن نامی نے اپنے ویزے پر کرایا تھا۔ فرماتے ہیں کہ ان سے ایک دن اچانک ملاقات ہوگئی جو کہ خالص عربی بولتے تھے۔ حکومتِ عرب کی طرف سے پاکستان کے دورے پہ آئے ہوئے۔ تھے مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سارا انتظام کر لیا۔ مکہ مکرّمہ میں خانہ کعبہ کے بالکل سامنے ایک کمرہ کرایہ پر لے کے دیا۔ بڑے سکون سے زیارات کیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہاں اجنبی لوگ آ کر ہمیں مختلف جگہوں کی زیارات کراتے ایک دن ایک آدمی نے آ کر اپنی موٹر پر ہمیں اُٹھایا اُن کمروں کی زیارت کرائی جہاں آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی اور بچپن گزارا۔ یہ کمرے سادہ پتھروں کے بنے ہوئے بہت پرانے مگر ٹھیک حالت میں کھڑے تھے۔ ایک دن ایک اور آدمی آیا انہوں نے شہدائے اُحد کی زیارت

کرائی۔ جہاں امیر حمزہ رضی اللہ عنہ مدفون ہیں جنہیں آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ''سیّد الشہداء'' کا لقب دیا تھا۔ انہوں نے مجھ پر اتنی شفقت کی جیسے کہ حکمِ قرآن کے مطابق بالکل زندہ تھے۔

ایک دن دورانِ زیارت مَیں خانہ کعبہ کے بالکل سامنے پہلے برآمدے میں مراقبہ کئے ہوئے تھا کہ خانہ کعبہ سے ایک نیلے رنگ کا بڑا نُوری شعلہ نمودار ہوا۔ آتے آتے جب بالکل میرے قریب ہوا تو میں نے حالت مراقبہ ختم کر کے آنکھیں کھول دیں۔ چشم ظاہر سے بھی میں نے اس کا خوب نظّارہ کیا (اس سے آگے آپ خاموش ہو گئے اور سلسلۂ کلام منقطع فرمایا) فرماتے ہیں کہ واپسی سے دو تین دن پہلے ایک دن میں حرمِ کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میرے ساتھ ہی مکّے کے قاضی کا گزر ہوا۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو انہوں نے فوراً آ کر ہماری خیر و عافیت پوچھی اپنا بادامی رنگ کا جُبّہ اتار کر مجھے پہنایا جو ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔ اپنا دستار میرے سر پر رکھا اور ایک خوبصورت رومال بھی بڑے جوش سے میرے کاندھے پر رکھا۔ تب بڑی تعظیم کے ساتھ سلام کر کے چلے گئے۔ چنانچہ تین دن بعد ہم واپس پاکستان آ گئے۔

دوسرا عمرہ حاجی نذر حسین صاحب جو کہ مظفّر گڑھ کے رہنے والے ہیں ان کے ساتھ مئی 1985ء میں ادا کیا۔ فرماتے ہیں۔ اس موقع پر بھی ہم نے خانۂ کعبہ کے قریب قیام کیا اور پورا ایک ماہ گزارا۔ اس دفعہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اردگرد پہاڑوں پر جس قدر زیارات تھیں تقریباً سب کی پیدل چل کر زیارت کی۔ پاکستان میں سرکارِ دو جہاں ﷺ کے بارے میں مَیں نے ایک خواب دیکھا تھا، جس کا وہاں پر جا کر شکر الحمدللّٰہ عملی مشاہدہ نصیب ہوا جو بتانے کا نہیں ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دو جہاں ﷺ خدمت کرنے والوں کے ساتھ ذاتی محبّت رکھتے ہیں وہاں کے لوگ بہت نرم مزاج اور مہمان نواز ہیں گو کہ وہ لوگ میرے لئے اجنبی تھے اور نہ میں اچھی طرح ان کی زبان بول سکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود اُن لوگوں نے میری بہت سی دعوتیں کیں۔ ایسے کھانے تیار کرتے جو پاکستان میں ہم نے کبھی نہیں کھائے۔ چنانچہ ایک ماہ کی زیارات کے بعد ہم واپس پاکستان آئے۔

تیسرا عمرہ 1987ء میں اور حج آپ نے کوٹ ادو سے حاجی اسماعیل صاحب زرگر کے ساتھ گروپ کی صورت میں جولائی 1988ء میں ادا فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر ایسے عجائب و غرائب کا مشاہدہ ہوا اگر اُنہیں بتایا جائے تو معلوم نہیں کیا سے کیا کچھ ہو۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے وصیت کی تھی کہ شاہ صاحب! اپنے خاص خاص مشاہدات اور راز کی باتیں عوام الناس کے سامنے ظاہر نہ کیا کریں۔ اس لئے میں حتی الوسع احتراز کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

فرماتے ہیں کہ فریضۂ حج کے دوران حریمِ کعبہ میں کسی شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ حضور! حج کے موقع پر ''حلق'' کرنا لازمی ہے مگر آپکی ابھی تک زلفیں باقی ہیں۔

میں نے عرض کیا جناب! آپ بجا فرماتے ہیں حلق کرنا صرف حج کے موقع پر سُنّت ہے کیونکہ یہ ارکانِ حج میں سے ہے۔ اس کے علاوہ شریعت رسول اللّٰہ میں زلفوں کا رکھنا سُنّتِ مؤکدہ ہے کہ جن کو نہ کٹوانے کی چھوٹ قرآنِ کریم

میں خداوند کریم نے خود دی ہے۔ ''لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ لا مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَ مُقَصِّرِيۡنَ ''(الفتح: 27) (تم لوگ، اگر اللہ نے چاہا تو ضرور بالضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے امن وامان کے ساتھ، (کچھ) اپنے سر مُنڈوائے ہوئے اور (کچھ) بال کُتروائے (قصّر کئے) ہوئے۔)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کے مطابق صحیح بخاری، کتاب الحج میں امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ ''ہمیں عبداللہ بن محمد بن اسماء رضی اللہ عنہم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں جویریہ بن اسماء رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی از نافع کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے سر مُنڈوایا اور بعض نے سر کے بال کٹوائے۔''

مزید اسی عنوان کے تحت امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، اُنہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، اُنہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عُقبہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے کریب رضی اللہ عنہ نے خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ بیت اللہ کا طواف کریں اور صفا اور المروۃ میں (سعی کریں) پھر اِحرام کھول دیں اور سر مُنڈائیں یا بال کاٹ لیں۔

فقہ کی مشہور ومعروف کتاب ''بہارِ شریعت'' میں مولانا امجد علی حلق و تقصیر کے تحت لکھتے ہیں کہ ''قربانی کے بعد قبلہ مُنہ بیٹھ کر مرد حلق کریں یعنی تمام سر مُنڈوائیں کہ افضل ہے یا بال کُتروائیں کہ رُخصت ہے۔''

<u>دوسری</u> یہ کہ قرآن کریم میں اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زُلفوں کی قسم کھائی ہے۔ اس سے زیادہ اور انکی کونسی فضیلت ہو سکتی ہے جبکہ حلق کی اللہ کریم نے کہیں بھی قسم نہیں کھائی۔

<u>تیسری</u> یہ کہ زُلفیں رکھنا تقریباً سابقہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظّام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی بھی سنّت ہے۔

<u>چوتھی</u> یہ کہ جب بھی جبرائیل امین کسی خاص امر کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سربسجود پا کر عرض کرتے کہ خداوندِ کریم فرما رہے ہیں اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج آپ کی زلفیں کیا مانگ رہی ہیں؟

گو کہ حلق کی بھی اپنی فضیلت ہے مگر زلفوں کی بھی بہت زیادہ فضیلت بیان کی گئی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماسوائے حج کے موقعے کے باقی ساری زندگی زلفوں کے ساتھ رہے، جس کی بنا پر انہیں ذاتی سنّت کا مقام بھی حاصل ہے، اس لئے درویش لوگ زیادہ تر اس فائق طریقِ کار پر کاربند رہے اور ہمارا بھی یہی طریقِ کار ہے۔ علاوہ ازیں ہر دور میں صوفیائے کرام کا کردار عوام الناس سے منفرد رہا ہے جیسا کہ ہر کسی کو معلوم ہے۔ اس پر سائل مطمئن ہو کر دست بوس ہوئے اور معذرت کر لی۔

37:۔ دیارِ محبوب ﷺ کی باتیں اور یادیں

؎ خاکِ یثرب از ہر دو عالم خوشتر است ‏ اۓ خنک شہریکہ آنجا دلبراست (اقبالؒ)

(سرزمینِ بطحا کی مٹی دونوں جہانوں سے افضل ہے۔اَۓ وہ خوش قسمت شہر کہ جس میں میرا محبوب ﷺ موجود ہے)

اولیاءِ کرام اور عاشقین کے دل میں سرزمین بطحا کی جو قدر و منزلت ہے جناب عزت بخاری نے اس کی صرف ایک جھلک یوں پیش کی:

؎ ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر ‏ نفس گم کردہ می آیند جنیدؒ و بایزیدؒ اینجا

(آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ بھی ہے جو عرش معلٰی سے بھی زیادہ نازک ہے جہاں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید بسطانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ سانس بھی آہستہ لیتے ہیں۔ کہ کہیں بارگاہ نبوی ﷺ کی گستاخی نہ ہو جائے)

اس پاک سرزمین کے ذرّے ذرّے سے عاشقینِ مصطفٰی ﷺ کی عقیدت واحترام زبان زدِ عام وخاص ہے۔ اسی طرح مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی (جو کہ راہِ عشق ومحبّت کے شہسواروں میں سے ہیں) نے جب اس عرش رشک مقدس خطّے میں قدم رکھا تو عارفان و عاشقانِ الٰہی کی طرح آپ سے بھی کئی احوال سرزد ہوئے۔ چند باتیں، جو انہوں نے عالم کیف میں یارانِ طریقت کے سامنے ظاہر کیں، پیش کی جاتی ہیں۔

1988ء میں ادائیگی حج کے بعد آستانہ عالیہ بنوں تشرف لانے پر عقیدت مند دور دراز علاقوں سے حج کی مبارکبادی کیلئے جب مشرّفِ دیدار ہوئے تو آپ نے زائرین کے ایک کثیر مجمع سے ازراہِ نصیحت ارشاد فرمایا کہ اتنی بڑی سعادت ہمیں سنت رسول ﷺ، داڑھی اور زلف کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ہم نے اس پاک سرزمین پر جا کر کئی قسم کے مشاہدات کئے۔خانہ کعبہ کے چاروں طرف فرشتوں کے بہت بڑے ہجوم کو دیکھا جو کہ قیامت تک اس طرح حاضری دیتے رہیں گے۔روضہ رسول ﷺ پر بھی لاتعداد فرشتوں کا مشاہدہ کیا۔مقربین بارگاہ کیلئے نگران فرشتے بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔مزار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر حاضری کے وقت رحمت کی اس قدر تیز بارش دیکھی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔پھر خود اندازہ کیجئے کہ سرکارِ دو جہاں ﷺ کے مزارِ انور پر انوار و تجلّیات کا کیا عالم ہوگا۔بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے اس نقشہ رسول ﷺ کی برکت سے اور مرشد کی دعاؤں کے نتیجے میں حاصل ہوا۔لہٰذا میں اپنے سب مریدوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نقشہ رسول ﷺ اپنا کر دونوں جہانوں کی رحمتیں لوٹیں۔سب اولیاء کرام نے اس نقشے کے طفیل اتنے بلند مقامات حاصل کئے کہ جن کی کوئی تعریف بیان نہیں کر سکتا۔خدا سب کو احیاءِ سنت کی توفیق دے۔

فرماتے ہیں کہ عمرہ کے موقع پر میں روضۂ رسول ﷺ کی جالی مبارک کے ساتھ مراقبہ کر کے کھڑا ہو گیا۔فوراً نانا کریم ﷺ کے ساتھ رابطہ قائم ہو گیا۔اتنے میں وہاں موجود سرکاری دربان نے آ کر مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا اور شرک

شرک کی آوازیں کسنے لگا۔ (کیونکہ وہ جالی کے ساتھ کھڑا ہونے نہیں دیتے اور ان کی یہ سب سے بڑی زیادتی ہے) جس سے میرا باطنی رابطہ ٹوٹ گیا اتنی تکلیف ہوئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ ایک مرتبہ تو دل میں خیال آیا کہ اسے کچھ کہوں مگر با ادب مقام سمجھ کر اسے صرف یہ کہا کہ یار تُو نے میرے ساتھ بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر جب ہم مدینہ منورہ گئے تو ہم نے روضہ رسول ﷺ کے سامنے اس شخص کو دیکھا جو دربارِ رسالت ﷺ میں جا کر نئے احکامات کائنات لیکر آتا ہے۔ پھر اولیاء کرام کے ذریعے ان پر عمل درآمد کیا جاتا ہے جو کہ ہر دور میں خدا کا ایک برگزیدہ انسان ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ قحط الرجالی کے اس دور میں وہ ایک مخنّث تھا۔ باری باری وہ اندر جا کر احکامات لے آتا تھا۔ ہم نے اسے ایک دفعہ راستے میں جالیا کہ ہمارے ساتھ بیٹھے اور کچھ باتیں کرے۔ مگر انہوں نے کہا کہ شاہ صاحب راز فاش نہ فرماؤ۔ ابھی میں ذرا مصروف ہوں جب دربارِ رسالت ﷺ سے فرصت ملی تو میں خود آ کر آپ سے ملاقات کرونگا۔ چنانچہ آخری دن وہ آ کر ہم سے ملے۔ احوال پُرسی کے بعد پوچھا شاہ صاحب! ابھی گھر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے میں نے کہا ضرور! کہنے لگے خدا تمہیں خیریت کے ساتھ پہنچا دے تب سلام کر کے رخصت ہوئے۔

حاجی اسماعیل صاحب زرگر اور حاجی غلام حسن صاحب ٹیلر ماسٹر بتاتے ہیں کہ ہم دونوں ہمہ وقت حضرت صاحب کے ساتھ رہتے تھے۔ جو بھی عربی آپ کو دیکھتا، حیران ہو کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکلتا "هٰذَا تَصْوِيْرِ مُحَمَّدٍ" خصوصاً دوران طواف۔

مرشد کریم فرماتے ہیں کہ عمرے کے موقع پر لوگوں نے مجھے بتایا کہ حضور سامنے سڑک کے پار ایک مکان میں آپ کی طرح کے دو آدمی رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دن میں ان کے ملنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ ایک راستے ہی میں ملا جو انتہائی حسین وجمیل انسان تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مصافحہ کیا اور ایک زیتوں کی تسبیح عنایت کی۔ تب وہ مجھے واپس اپنے مکان کے اندر لے گیا۔ دوسرا آدمی جائے نماز پر بیٹھا بہت چھوٹا اور ضعیف العمر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مرحبا کہہ کر اٹھا اور گلے مِلا۔ پوچھا اس دور میں ایسا آدمی! صاحب آپ کہاں کے ہیں؟ میں نے بنوں کا نام لیکر اپنے خاندان کا تعارف کرایا۔ وہ بے حد خوش ہوئے کہ ہم بھی بخاری سیّد اور بلخ و بخارا کے رہنے والے ہیں۔ خدا کے حکم سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بزرگوں کے معاملے میں اس ملک کا قانون بہت سخت ہے۔ باہر نکلنے پر جو مسلمان آ کر ہمارے ہاتھ چومے تو حکومت کی طرف سے ہم پر سختی بڑھنے لگتی ہے۔ لہٰذا ہم یہاں پر ہی اپنی عبادت وریاضت کرتے ہیں۔ بغیر زیارات کے باہر بہت کم نکلتے ہیں۔ آپ کا کمال ہے کہ اس دور میں کھلم کھلا فقر چلا رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ کافی دیر تک ہم نے ان سے باتیں کیں۔ وہ فارسی زبان بولتے تھے۔ رخصت کے وقت بطور سنت چند قدم میرے ساتھ چلے۔ اس ضعیف العمر بزرگ نے بوقت رخصت تیرہ ریال بطور نذرانہ بھی پیش کیا۔ میں نے انکار کیا کہ آپ لوگ مسافر ہو میری طرف سے نذرانہ قبول کریں۔ مگر ان کے بار بار اصرار پر میں نے انکا نذرانہ قبول کر لیا۔

حج کے دنوں میں ایک دن میرے ساتھ حاجی غلام حسین صاحب کروڑلعل عیسن والے بھی تھے۔ ہم دونوں روضہ رسول ﷺ کے سامنے مسجد نبویؐ میں بیٹھے سرکارِ دو جہاں ﷺ پر درود وسلام پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک نامعلوم شخص ہاتھ میں ایک چینک نما برتن اور دو پیالے لایا۔ ڈیڑھ پیالی مجھے اور آدھی پیالی حاجی صاحب کو دیدی۔ حاجی صاحب کہنے لگے بابا جی تھی تو چائے مگر اتنی تھی کہ چائے محسوس نہ ہوتی تھی۔ میں نے تو ساری زندگی ایسی چائے نہیں پی۔ میں نے کہا حاجی صاحب یہ چائے نہیں تھی۔ آج نانا کریم ﷺ کی طرف سے ہماری سپیشل دعوت تھی یہ حوض کوثر کا پانی تھا، جو اسی دنیا میں انہوں نے اپنی کمال سخاوت سے ہمیں پلا دیا جو میری رفاقت کی وجہ سے آپ کو بھی نصیب ہوا مبارک ہو! یہ در پردہ معاملہ تھا حالانکہ یہاں کھانے پینے پر سخت پابندی ہوتی ہے ہر وقت پولیس نگران رہتی ہے مگر میزبان جو چاہے تو اور مخلوق کی کیا طاقت ہے یقیناً ہمارے سوا اس شخص کو اور کسی نے نہیں دیکھا۔

مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر طواف کے دوران بلکہ ہر مقام پر جب میں پہنچا تو میرے مرشد کریم حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہی سے اپنی روحانیت کی شان کے ساتھ کھڑے ہوتے۔ میں دیکھ کر ان کے جلوؤں کی تاب نہ سہتے ہوئے گرنے لگ جاتا۔ حاجی اسماعیل صاحب اور حاجی حسن صاحب ہمیں سہارا دیتے تھے اور پوچھتے بابا جی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ مگر انہیں یہ چیز نظر نہ آتی جو مَیں دیکھ رہا تھا۔ (واقعی اولیاء کرام کی بات برحق ہے کہ مریدِ صادق کو جہاں سے بھی کوئی فیض ملے وہ اپنے مرشد ہی کے ذریعے سے ملتا ہے)۔ آپ فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر ایک دن ہم روضہ رسول ﷺ کے بالکل سامنے بیٹھے خدا کے انوار و تجلّیات کا نظارہ کر رہے تھے ہماری اگلی صف میں دو تین باشرع آدمی بھی بیٹھے درود پاک پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک تبلیغی جماعت والا مولوی آیا ان سے کہا کہ باہر آجائیں۔ وہاں دین کی باتیں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری بار اس نے اس طرح کہا پھر بھی وہ خاموش رہے مگر تیسری بار جب اس نے وہی باہر آنے کی بات کی تو ان میں سے ایک نے اُٹھ کر اُسے گریبان سے پکڑ لیا اور کہا تجھے شرم نہیں آتی تم بہت بے ادب ہو۔ اس سے بہتر اور کونسی عبادت کی جگہ ہے جہاں سے تُو ہمیں لے کے جانا چاہتا ہے؟ سامنے آقائے دو جہاں ﷺ ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں بیٹھے محو نظارہ ہیں۔ تجھے کم از کم ان سے بھی شرم نہیں آتی کہ تُو ہمیں ایسے مقام سے دور لے جانا چاہتا ہے جو خدا کی خاص نزولِ رحمت کی جگہ ہے۔ اسی کشمکش میں پولیس نے آکر انہیں پکڑ لیا۔ معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ پھر کیا معاملہ ہوا۔

اس بات پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ انگریزوں نے جب دیکھا کہ اسلام کی کامیابی کا راز عشقِ رسول ﷺ اور اولیاءِ کرام کی روحانی قوّت میں پوشیدہ ہے تو ایک طرف سے انہوں نے پیغمبر ﷺ پر نکتہ چینیاں کرا کر لوگوں کے ایمانوں کو شک وشبہ میں ڈال کر کمزور کر دیا۔ دوسری طرف سے تبلیغی جماعت کے ذریعے مسلمانوں کو اولیاء کرام سے دور کرنے کی مہم شروع کر دی۔ خدا ہدایت نصیب کرے۔

38:۔ آپ کی تمنائے خاص

اس دنیا میں کوئی شخص بھی اپنی موجودگی میں اپنے منصب پر کسی دوسرے کو نہیں بٹھانا چاہتا۔ مگر یہ کمال فقر ہے کہ ایک ولی کامل کو ہر وقت اپنے مسند پر کسی اہل مرید کو بٹھانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ وہ میری زندگی ہی میں میرے سامنے میری مسند پر بیٹھ کر کامیاب طریقت چلائے۔ جس طرح کہ خواجہ باقی باالله رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی ہی میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی مسند پر بٹھایا تھا۔ اور کلی اختیارات دے دیے تھے۔ اس طرح ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ کسی ولی اللہ کو چار مرید ملے تھے کسی کو تین کسی کو دو کسی کو ایک اور کسی کو ایک مرید بھی نصیب نہیں ہوا تھا جو اس کے بعد اس کا مشن چلا کر صحیح معنوں میں کامیابی حاصل کر کے اس کا نام زندہ رکھتا۔ ہماری بھی خدا کی بارگاہ میں یہی ایک تمنائے خاص ہے۔ جس طرح کہ ہم نے اپنے مرشد کا نام زندہ کیا ایسے ہی ہمارا بھی کوئی اہل مرید نکل کر ہمارا نام زندہ رکھتا اور کامیاب طریقت چلاتا۔ حج کے موقع پر ہم نے ایسی ہی ایک دو خاص باتیں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کی تھیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی تک صبر کرنے کا اشارہ فرمایا۔

39:۔ بدنی ضعف اور جوان عشق

؎ چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم رخِ زرّیں من منگر کہ پائے آہنی دارم (رومیؒ)

(تجھے کیا معلوم کہ میرے اندر کیسا بادشاہِ حسن چھپا ہوا ہے۔ صرف ظاہری کمزوری مت دیکھ میرے اندر فولادی پاؤں موجود ہیں۔) جسمانی طاقت عارضی اور فنا پذیر ہوتی ہے۔ اصلی طاقت روحانی طاقت ہوتی ہے۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہ فرمایا۔ مگر کام کرتے وقت سب سے زیادہ طاقت کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار اولیاء کرام کو بھی یہی چیز ورثے میں ملی ہے۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کو لوگ دیکھ کر کہہ دیتے ہیں۔ بنوں والے پیر ہیں تو بوڑھے مگر ان کا عشق جوان ہے۔ گو آپ کی جسمانی کمزوری اب انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ جب آپ بیٹھتے ہیں تو کمزوری کی وجہ سے اردگرد تکئے لگا دیئے جاتے ہیں مگر عبادت اور ذکر و فکر کے وقت اس قدر چُستی دکھاتے ہیں جیسے کہ کمزور ہیں ہی نہیں۔ آپ خود فرمایا کرتے ہیں کہ جب سے ہماری ضعف البدنی شروع ہوئی ہے۔ عام حالات میں بغیر سہارے کے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے مگر نماز کے وقت کوئی غیبی قوّت آ جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے نماز ابھی تک بیٹھ کر نہیں پڑھی۔

ایک مرتبہ بستی ''کنڈے والا'' نزد محمود کوٹ (ضلع مظفّر گڑھ) ایک صاحب کے ہاں دعوت تھی۔ بستی کے قریب ہی ریل کی پٹڑی ہے اسٹیشن ماسٹر چونکہ آپ کا مرید تھا بستی کے سامنے گاڑی رکوا دی بندہ راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ پٹڑی سے سیڑھیاں اس قدر بلند تھیں ہم حیران تھے کہ آپ کو کیسے سوار کیا جائے۔ اتنے میں آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی نہ پکڑے۔ سب دوست پیچھے ہٹ گئے۔ آپ اس قدر چستی کے ساتھ سیڑھیوں پر چڑھتے گئے گویا کہ بالکل نوجوان ہیں۔

ایسے کئی دیگر مقامات پر بھی ہم نے آپ کی خداداد غیبی طاقت کا مظاہرہ دیکھا ہے۔ آپ سفر میں کئی رات دن تک مسلسل آرام نہیں فرماتے ہم آپ کی بے آرامی اور ضعیف جسم کی طرف دیکھ کر نہایت گھبرا جاتے ہیں۔مگر جونہی نظر چہرے پر پڑتی ہے۔ حیران رہ جاتے ہیں کہ اس قدر رونق اور تروتازگی آپ کے چہرے پر کہاں سے آئی ہے۔ ایک مرتبہ سالانہ پروگرام پر فورٹ منرو تشریف لائے۔ صبح وشام جب اسپیکر پر ذکر ہوتا تو آپ کی آواز اس قدر گرجدار ہوتی کہ سارا پہاڑ ''اللّٰھو اللّٰھوْ'' کی آواز سے گونج رہا ہوتا تھا۔ لوگ کہتے کہ آپ کے پیر ہیں تو ضعیف مگر ان کے کام سارے نوجوانوں کے سے ہیں۔ خوف طوالت سے صرف اِن کلمات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

40:۔اورادووظائف کی خاص پابندی

اورادووظائف ''صِقَالَۃُ الْقُلُوْب'' (دل کی ریتی) ہیں بقول رومیؒ:

؎ سینہ ہا صیقل زدہ از ذکر و فکر　　تا پزیرد آئینۂ دل نقش بکر
ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید　　بیشتر آمد برو صورت پدید

(1): اولیاء کرام اپنے سینوں کو ذکر وفکر کی ریتی سے صاف وشفاف کئے ہوئے ہوتے ہیں تاکہ ان کے قلوب نئے نئے نقوش (حوادثِ زمانہ) قبول کر سکیں۔

(2): جس نے صفائی قلب زیادہ کی اس نے زیادہ ہی دیکھا ہے۔ نیز اس پر زیادہ سے زیادہ (دونوں جہانوں کے) غیبی نقوش منعکس ہونے لگتے ہیں۔

؎ زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا　　تیرا حجاب ہے قلب ونظر کی ناپاکی (اقبالؒ)

قلب مومن ایک ہی حالت پر نہیں رہ سکتا۔ ہر لحہ منازلِ عروج کی طرف گامزن رہتا ہے اور اس ترقی کا سبب نگاہِ مرشد کامل کے ساتھ ساتھ ذکر وفکر اور اورادووظائف کی پابندی ہے۔ نیز مریدین کے اضافہ سے اولیاء کرام کے اوراد و وظائف میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ ایک مرشد کامل اپنی صفائی قلب کے ذریعے دُور دُور مقامات پر موجود مریدوں کے قلوب کی کثافت کو دھوتا ہے۔ اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ لہٰذا اسی صفائی قلب اور باطنی کشش کا ذریعہ از روئے قرآن و حدیث (کسی استاد کامل کی رہنمائی میں) ذکر وفکر اور اورادووظائف ہیں۔ اس لئے اولیاء کرام اپنی زندگی کے آخری لمحات تک اپنے اورادووظائف کی پابندی فرماتے ہیں۔

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کا بھی یہی معمول اور نظریہ ہے۔ اپنے دولت خانے پر تو آپ رات دن خلوت گزیں رہتے ہوئے اورادووظائف میں مشغول رہتے ہیں مگر دورانِ سفر بھی نہایت مصروفیات (اب ضعیف العمری کی تھکاوٹ اور اژدھامِ خلق) کے باوجود اپنے اوراد و وظائف کو قضا نہیں فرماتے۔ اگر بعض اوقات قضا ہو بھی جائیں تو دوسرے دن اکٹھے پڑھ لیتے ہیں۔ ختم خواجگان بھی اورادووظائف کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لئے آپ سفر وحضر میں ختم

خواجگان کا بھی خاص اہتمام فرماتے ہیں اگر ختم خواجگان کا کبھی ناغہ ہو جائے تو فرماتے ہیں کہ آج شاید خدا کی کوئی ناراضگی ہے کہ ختم خواجگان پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ختم خواجگان اولیاءِ سابقین کے وظائف کا مجموعہ ہے۔ اور یہ ہر صبح و شام بارگاہِ نبوی ﷺ میں پیش ہوتا ہے۔ پڑھنے والے کے حق میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا و توجہ ہوتی ہے۔ مزید فرماتے ہیں جس طرح کہ دنیاوی خزانہ بوقت مشکل دنیاوی آسائش کیلئے استعمال ہوتا ہے اس طرح اوراد و وظائف کا خزانہ آخرت کی آسانی کیلئے خدا کے خزانۂ غیب میں جمع ہوتا رہتا ہے جو مشکلاتِ قبر و حشر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

آپ خلفاء سے بھی اپنے اپنے علاقوں میں ان چیزوں کی ادائیگی کے دلی طور پر خواہاں رہتے ہیں گو کہ انہیں تاکیدی حکم نہیں فرماتے کہ کہیں تعمیل حکم میں کوتاہی کر کے زوال میں نہ آئیں۔

41:۔ جائیداد

؎ چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن نئے قماش و نقرہ و فرزند و زن (رومیؒ)

(دنیا کا مطلب خدا سے غافل ہونا ہے! ہمیشہ کی زندگی کیلئے ظاہری ساز و سامان سونا چاندی اور اہل و عیال جیسی فنا چیزیں کام نہیں دے سکتیں۔) انبیاء و اولیاء کی جائیداد تسبیح و مصلّٰی، ان کا مقصد تبلیغ و اصلاح، ان کی وراثت علوم ظاہری و باطنی اور ان کی دولتِ لازوال تعلیماتِ فقر رہی ہے۔ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی بھی اسی مقام پر فائز شانِ فقر و ولایت کے حامل ہیں۔ گو کہ ڈھیری کلہ سیدان بخاری کے گرد و مضافات کی اکثر زمین آپ کی ملکیت تھی۔ مگر آپ اس سے یکسر دست بردار ہو گئے اور کچھ رہی سہی زمین کو بھی بیچ کر اپنے مرشد زرّیں زر بخت صوفی نواب الدّین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر کے دنیاوی بندھنوں سے اپنے آپ کو مکمّل طور پر آزاد کر لیا۔ اپنی جائیداد ''نامِ خدا'' اور ''نامِ رسول ﷺ'' بنا کر صرف ''فقرِ محمدیؐ'' کو اپنا مقصد زندگی بنا لیا۔ بہت سے عقیدت مندوں نے آپ کو زمینوں اور مکانات کی پیش کش کی۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر انہیں مسترد کر دیا کہ خدا نہ کرے کل ہماری اولاد دولتِ دنیا کے عیش و عشرت میں پڑ کر دولتِ آخرت اور اپنا اصل مقصد عبادت و ریاضت اور اشاعتِ فقر بھلا نہ دے۔ بہتر ہے کہ خدا سے غافل کر دینے والی چیز ہی نہ ہو۔ ہماری جائیداد ''اللہ اللہ'' کرنا ہے اور وراثت کیلئے اپنی روحانی اولاد ہی کافی ہے۔ انہی سے انشاء اللہ ہمارا نام زندہ و تابندہ رہے گا۔ اور کسی چیز کی ہمیں ضرورت ہی نہیں اور نہ خدا سے ابھی تک کوئی دنیاوی دولت یا جائیداد طلب کی ہے۔

42:۔ نسلِ پاک

؎ تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نُور کا تُو ہے عین نُور تیرا سب گھرانا نُور کا (مولانا احمد رضا خانؒ بریلوی)

آپ کی نرینہ اولاد کی تعداد چار ہے سب سے بڑے بیٹے کا نام سیّد عبدالمالک شاہ بخاری تھا۔ قد آور اور جسیم انسان تھے۔ عالم جوانی میں سرسام لگنے کی وجہ سے اچانک بغیر شادی کئے وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ دوسرے بیٹے سیّد غریب نواز محمد نواز شاہ صاحب بخاری ہیں جن کی عمر اس وقت تقریباً پینتیس سال کے لگ

بھگ ہے۔شادی شدہ، صاحب فہم وفراست بحیات ہیں۔خدا ان کی عمر دراز فرمائے آمین۔

سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری مرشد کریم کی توجہ کا خاص مرکز ہیں۔اکثر بیمار رہتے ہیں۔صابر اور عارفِ الٰہی ہیں بقول مرشد کریم محمد نواز شاہ صاحب پیدائشی ولی اللہ ہیں۔کیونکہ بچپن میں جبکہ وہ ناسمجھ تھے۔میں گھر کے سامنے والی مسجد میں رمضان المبارک میں اعتکاف میں بیٹھا ہوا تھا۔سحری کے وقت گھر سے جب کھانا لیکر آتے تو کہتے بابا جی باہر ساری چیزیں قبلہ کی طرف جھکی ہوئی سجدے کی حالت میں ہیں ذرا دیکھیں تو سہی۔میں یہ سن کر خاموش ہو جاتا اور اسے واپس جانے کو کہتا۔(یعنی شب قدر کی اصل ساعت وہ دیکھتے تھے) غریب نواز سیّد محمد نواز شاہ صاحب کی محبّت بھری گفت وگو سے اسرار ورموز کے بہتے ہوئے دریا نظر آتے ہیں۔آپ کی گفتگو عارفانہ قسم کی نہایت میٹھی اور شُستہ ہوتی ہے۔ہر بات پر اپنے والدِ گرامی کا لہجہ اور انداز حاضرین کی آنکھوں کے سامنے آتا ہے۔اکثر گھر پر لنگر کے منتظم رہتے ہیں۔اپنے والدگرامی کے نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار ہیں۔جس طرح کہ مسلکِ صوفیاء میں مرشد کا مقام والدین کے مقام سے کہیں آگے ہے، جو مرید مرشد کو والد کی طرح یا والد کے مقام پر سمجھے وہ صحیح معنوں میں مرشد سے فیض حاصل نہیں کرسکتا۔ عموماً اولاد کا بوجھ والدین پر ہوتا ہے۔مگر قبلہ محمد نواز شاہ صاحب کو ان باتوں کے برعکس پایا گیا ہے۔وہ بابا جی کی خدمت، صحت اور صحبت کا اس طرح خیال رکھتے ہیں جس طرح کہ ایک کاملُ العقیدہ مرید اپنے مرشد کی خدمات و آداب کا خیال رکھتا ہے۔آپ پر بابا جی کی اس طرح ہیبت طاری رہتی ہے، جس طرح کہ ایک حقیقی مرید پر خوفِ مرشد طاری رہتا ہے۔ آپ کی ذہانت وفطانت اور وہبی ولایت ومعرفت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ بابا جی سرکار نے اپنے مرشد کریم صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے گھر پر دعوت کی اس وقت محمد نواز شاہ صاحب بہت چھوٹے تھے۔صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو کسی بات پر جلالی کیفیت طاری ہوئی۔سب لوگ محفل سے اٹھ کر غائب ہوگئے کہ کہیں ان کی نگاہِ جلالی سے جل نہ جائیں لیکن اچانک جب بابا جی سرکار مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے فرزند محمد نواز شاہ صاحب کو اپنے مرشد کی خدمت میں بیٹھے ہوئے پایا۔اب ان کی کیفیت بحال ہوچکی تھی۔صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے محمد نواز شاہ صاحب سے پوچھا کہ سب لوگ جلنے کے خوف سے بھاگ گئے لیکن تُو کس حکمت کے تحت ابھی تک بیٹھا ہوا ہے۔عرض کی حضور! مرشد کی جلالی آگ میں جلنے سے زیادہ کوئی اور سعادت بھی ہوسکتی ہے؟۔میں یہی تمنا لیکر بیٹھ رہا۔اس پُرمغز جواب پر صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے محمد نواز شاہ صاحب کو گلے لگا کر ان کی پیشانی چوم لی اور خصوصی دعا فرمائی۔علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر یاد آتا ہے کہ جس میں انہوں نے مسلمانوں کی موروثی خداداد فہم وفراست اور تربیتِ اخلاق کا نقشہ کھینچا تھا۔

؎ یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آدابِ فرزندی

مرشد کریم مدظلہُ العالی کو جس قدر محمد نواز شاہ صاحب سے محبّت ہے اس کا اندازہ مرشد کریم کے ان الفاظ سے لگ جاتا ہے کہ جب بھی سیّد محمد نواز شاہ صاحب کے بارے کوئی بات ہوتی ہے تو فرماتے ہیں۔''شاہ صاحب تو شاہ صاحب

ہے وہ خدا پر راضی اور خدا اُن پر راضی ہے۔ وہ ہر وقت شدید بیماری میں مبتلا رہتے ہیں لیکن کبھی بھی ان کی زبان سے حرف شکایت نہیں سنی گئی۔ وہ جس قدر ہماری اور ہمارے مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں خدا اور خدا کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' اگلے دنوں (اگست 1991ء) بندہ کو آستانہ عالیہ بنوں شریف ان کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ باتوں باتوں میں (سیّد محمد نواز شاہ صاحب) نے فرمایا شیر محمد! یقین کریں ساری زندگی صرف ایک گھنٹہ کیلئے بھی مجھے یاد نہیں کہ بغیر تکلیف اور بیماری کے گزری ہو۔ مگر پھر بھی ہم خداوند کریم کے شکر گزار ہیں کہ اس نے مصیبت میں مبتلا کیا نہ کہ کسی معصیّت (گناہ) میں۔ اس تکلیف میں یہ حکمت بھی ہے کہ کسی وقت بھی کسی غیر کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی۔ ہر وقت بیماری اور تکلیف کی وجہ سے ہماری توجہ خدا کی طرف رہتی ہے۔ (راقم الحروف نے یہ سن کر سوچا کہ واقعی یہی شیوہ شیوۂ پیغمبری ہے۔ انبیاءِ کرام نے بھی گناہوں پر مصیبت کو ترجیح دی ہے) قبلہ غریب نواز محمد نواز شاہ صاحب سے کئی کرامات بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ (**مگر بقضائے الٰہی مورخہ 23-12-1995 کو وصال فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔**)

تیسرے بیٹے سیّد مہر نواز شاہ صاحب بخاری ہیں جو مجذوب حال فقیر اور بحیات ہیں۔ ان کے چہرے پر نُورِ محمدی ﷺ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہمہ وقت ہنس مُکھ رہتے ہیں۔ ایک پاؤں سے معذور ہر وقت گھر کے قریب مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنہیں مہمانوں کی آمد کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ اکثر مہمانوں کو راستے پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں وہ انہیں ساتھ لیکر سیدھا گھر لے جاتے ہیں جس کی وجہ سے کسی واقف یا اجنبی کو پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ وہ اردو بہت کم جانتے ہیں۔ ہم نے انہیں کبھی سوتے اور کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ صرف چائے پینے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ بارہ مہینے گھر پر ہی رہتے ہیں۔ اگر بسا اوقات سفر کا بھی پروگرام بنے تو ہوٹلوں کی چائے اور روٹی ہرگز نہیں کھاتے۔ خواہ انہیں جتنی بھی طلب ہو۔ ان کی کئی کرامات بھی مشہور ہیں۔

چوتھے اور سب سے کم سن فرزند سیّد محمد بخاری شاہ صاحب ہیں۔ جو نوعمر جسیم اپنے والد گرامی کی قد و قامت اور ہُو بہو شکل و شباہت کے پیکر اور بحیات ہیں۔ شادی شدہ اور ایک بچی کے بھی باپ ہیں۔ شریف الطّبع، حلیم الفطرت، پابندِ شریعت، گفت و گو سنجیدہ، کم گو اور بہت کم آمیز ہیں۔ پنجاب میں کبھی کبھی مرشد کریم کے ساتھ دَوروں پر آتے رہتے ہیں۔ زیادہ تر وقت آستانہ عالیہ بنوں ہی میں گزارتے ہیں۔ خداوند کریم تا دیر اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین (حضرت خواجہ سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اب آپ ہی اپنے والد گرامی کے نقشِ قدم پر طریقت چلا رہے ہیں۔)

43:۔ آپ کا اپنی اولاد کے بارے میں نظریہ

؎ جُز یادِ دوست ہرچہ کُنی عمر ضائع است	جُز سرِّ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
؎ سعدیؔ بشوی لوحِ دِل از نقشِ غیرِ حق	علمی کہ راہِ حق نماید جہالت است

(یادِ الٰہی کے بغیر جو وقت گزرے اُسے ضائع سمجھ اور جس علم سے اَسرار و رموزِ عشق نہ کُھلیں اُسے فضول سمجھ۔ ائے سعدی! اپنے لوحِ دِل سے غیرُ اللہ کے حجابات ہٹا لے۔ جس علم (غیر نافع) سے دیدارِ حق حاصل نہ ہو اُسے بھی جہالت سمجھ۔)

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اپنی اولاد کے بارے فرمایا کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں نہ تو دنیاوی تعلیم دی اور نہ دنیاداری سکھائی ہے بلکہ ہم نے اُن سے کہا ہوا ہے کہ فقر اختیار کرو فقر سے بہتر اس دنیا میں اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر ''اللہ اللہ'' کیا تو اللہ تمہیں ہر معاملے میں کافی ہے۔ ہم نے بھی اس طرح دنیا کو ٹھکرا دیا اور اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ تو آج دنیا ہمارے قدموں میں ہے اور اس کی ہر آسائش ہمیں میسّر ہے۔ اب اس سے استفادہ کرنا یا نہ کرنا ہماری اپنی مرضی پر ہے۔ آپ بھی اگر اس طرح کرو گے تو اپنی وراثت لازمی پاؤ گے۔ سادات کی وراثت کیا ہے؟ معرفتِ الٰہی ہے، جو ہر دور میں انہی کا مقدر ہے مگر کوشش کرنا شرط اوّلین ہے۔

؎ سُخن کز بہر دیں گوئی چہ عِبرانی چہ سُریانی   مکاں کز بہر حق جوئی کہ جابلقا چہ جابلسا (حکیم سنائیؒ)

(بات اگر صرف اللہ کے لئے کرنا ہو تو اس کے لئے کوئی مخصوص زبان ''عِبرانی'' یا ''سُریانی'' کی ضرورت نہیں ہے۔ مقصد اگر صرف ''اللہ اللہ'' کرنا ہو تو اس کے لئے کوئی مخصوص جگہ ''جابلقا'' یا ''جابلسا'' کی ضرورت نہیں ہے۔)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا اگر ہماری اولاد خدا کی یاد میں نہ آئے تو ہم ایسی اولاد کو لات مارتے ہیں۔ اور پھر نہ ایسی اولاد کی ہمیں کوئی ضرورت ہوگی جو اپنے خالقِ حقیقی اور وراثت حقیقی کو بھول بیٹھے۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ خوب فرماتے ہیں:

؎ بہر چہ از دوست وامانی چہ کُفر آں حرف چہ ایماں   ہر چہ از راہ دُور اُفتی چہ زِشت آں نقش و چہ زیبا

(جو دوست سے کٹ جائے، اس کیلئے کفر اور ایمان دونوں برابر ہیں اور جو راہِ حقیقت سے ہٹ جائے اس کی خوبصورتی اور بدصورتی کس کام کی۔ یعنی بنی آدم کا زیور صرف اور صرف یادالٰہی ہے۔)

اس لئے ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم ہماری اولاد کو ہمارا ہی نقش قدم نصیب فرمائے۔ آمین

(ب)

سیرت وکردار

ؔ اُس مردِ مجاہد کی ضرورت ہے جہاں کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار!
(اقبالؒ)

(1) سراپا

؎ سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حُسن کا عاشق   بھلا اے دل حسین ایسا بھی ہے کوئی حسینوں میں
(اقبالؒ)

خداوند کریم نے ہر چیز کو اپنی مرضی کے مطابق پیدا فرمایا مگر اپنے محبوب علیہ السلام کو جس طرح کہ انہوں نے خود چاہا اسی طرح پیدا فرمایا بقول مدّاحِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

؎ خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ   کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خداوند کریم نے ہر نقص سے پاک جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چاہا اسی طرح پیدا فرمایا۔) اس طرح جب ہم اپنے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی طرف دیکھتے ہیں تو ہم اس بات کے اظہار پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہمارے مرشد کریم کو خدا نے اسی طرح بنا سنوار کر پیدا فرمایا جس طرح کہ آپ کے نانا کریم محبوبِ خدا، سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چاہا ہے۔ آپ کا وجود مبارک ایسے معیارِ حُسن پر ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک جہاں جہاں ہم دیکھتے ہیں کسی جگہ پر بھی انگشت نمائی نہیں کی جا سکتی۔ گویا کہ آپ نقصِ وجود سے مکمّل طور پر پاک کمال حسن کی انتہا پر فائز ہیں۔ اب امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھ کر ہم دادِ حُسن ادا کر سکتے ہیں۔

؎ اے چہرۂ زیبائے تُو رَشکِ بتانِ آذری   ہر چند وصفت می کُنم وَز حُسن زاں بالاتری

(آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھ کر دنیائے حسن بھی رشک کرتی ہے۔ آپ معیارِ حسن کی اس بلندی پر فائز ہیں مَیں جس قدر تعریف کروں تیرے حُسن کی رعنائی اس سے بھی بالاتر ہے)

<u>دستار مبارک:</u>۔ عالمِ نوجوانی میں آپ اکثر و بیشتر پگڑی (پشتون مُشدّی) باندھا کرتے تھے۔ مگر اب پگڑی استعمال نہیں فرماتے۔ اب آپ منقّش درمیان سے خلا ٹر کی کُلاہ استعمال فرماتے ہیں۔ (درمیان کھلا اس لئے رکھتے ہیں کہ آپ کے سر مبارک کی چوٹی کو اگر ہوا نہ لگے تو دماغ پر بوجھ آجاتا ہے۔ اس عذر کی وجہ سے آپ درمیانِ کُلاہ کُھلا رکھتے ہیں تا کہ ہوا لگتی رہے۔) یا آپ چہار گوشہ سفید ٹوپی جو سلسلۂ نقشبندیہ کی خاص نشانی ہے ہمہ وقت استعمال فرماتے رہتے ہیں۔ صرف خاص موقعوں پر منقّش کُلاہ صوفیاء استعمال فرماتے ہیں۔

<u>جُبّہ مبارک:</u>۔ موٹے کپڑے کا سبز، سیاہ اور گلابی رنگ کی کناری اور طناب دار جُبّہ جو لمبائی میں ایڑیوں تک ہوتا ہے استعمال فرماتے ہیں۔

<u>لباس مبارک:</u>۔ خدمتِ مرشد اور عبادات و ریاضات کے دوران آپ خاکی لباس استعمال فرمایا کرتے تھے تا کہ جلد میلا نہ ہو جائے۔ لیکن اب مُطلقاً سفید چمکدار لباس استعمال فرماتے ہیں۔ قمیص مبارک (کُرتہ نما) پہنتے ہیں۔ بغیر

بکرم کھلی لمبی آستینوں والی جو لمبائی میں انگلیوں تک ہوتی ہے۔قمیص چاکدار اچھی بھلی کھلی ہوتی ہے۔لمبائی میں ٹخنوں سے ذرا اوپر ہوتی ہے۔حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح گریبان سے قریب کا بٹن کھلا رکھتے ہیں۔شلوار مبارک کے پائنچے تنگ اور ٹخنوں کے برابر رہتے ہیں۔سامنے بائیں طرف صرف ایک چھوٹی سی جیب رکھتے ہیں۔پڑھے لکھے ہونے کے باوجود نہ آپ لکھتے ہیں اور نہ ہی کوئی قلم اپنے پاس رکھتے ہیں۔کاندھوں پر اکثر سفید رومال ہوتا ہے۔پشتون تہذیب کی بناء پر اکثر کلیجی اور نیلے رنگ کی صدری (جیکٹ) ضرور پہنتے ہیں۔

گیسو مبارک:۔ زُلفین عالم جوانی میں نہایت گھنی، کالی، کمر تک رہتی تھیں۔مگر اب گر گر کر کافی ہلکی ہوگئی ہیں۔ پھر بھی سینے تک آتی ہیں۔نصف سفید اور نصف ابھی تک سیاہ ہیں۔بال سیدھے، نرم و نازک، خوشبودار، نہایت جاذب نظر اور پُرکشش ہیں۔بقول بوعلی قلندرؒ:

؎ سُنبل از گیسوئے اُو شد تابدار ‌ ‌ ‌ ‌ لالہ از رُخسارِ اُو شد داغدار

''سنبل و ریحان کے پھول ان کے گیسوؤں سے تر و تازگی اور چمک دمک لائے ہیں گلِ لالہ کا دل ان کے رخساروں کا شکار ہو کر ہمیشہ کیلئے داغدار بن گیا''۔

جبین مبارک: بغیر بَل کھلی پیشانی جس پر ہمیشہ خوشی اور سکون کی لہریں دوڑتی دکھائی دیتی ہیں۔عاشقین کیلئے کتاب اللہ کی تفسیر اور بقول رومیؒ:

؎ لوحِ محفوظ ہست پیشانی یار ‌ ‌ ‌ ‌ راز پنہاں می شود زو آشکار

''مرشد کامل کی پیشانی لوحِ محفوظ ہے جس سے پنہاں اسرارِ الٰہی کا اظہار ہوتا ہے۔'' بعض اوقات صرف جلال کے وقت آپ کی پیشانی پر ایک دو بل پڑ جاتے ہیں۔

اَبرو مبارک:۔ اَبرو مبارک بالکل سیاہ گھنے، خمدار اور درمیان میں ذرا سا فاصلہ ہے۔چشمان مبارک پر ہالہ۔ بقول امیر خسروؒ:

؎ صد ہزاراں عید قربانت کُنم ‌ ‌ ‌ ‌ ائے ہلالِ ما رُخ ابروئے تُو

(آپ کے ابرو مبارک اس طرح ہیں جس طرح کہ پہلی کا چاند ہو۔ایسا چاند کہ جس پر ہزاروں عیدیں قربان ہوں کہ آپ کے رخ اَبرو کا دیکھنا ہمارے لئے ہزاروں عیدوں سے بھی بڑھ کر ہے۔)

چشمان مبارک:۔ بادامی مخمور آنکھیں جن میں ہر وقت آثارِ جلال نمودار رہتے ہیں۔اب جمال میں ہونے کے باوجود آپ سے کوئی آنکھیں نہیں ملا سکتا۔جس کی طرف آپ تیز نگاہ سے دیکھیں اُس کا پھڑکنے کے بغیر اور کوئی چارہ نہ ہو۔چلتے وقت آپ نگاہیں نیچی رکھتے ہیں۔مگر محفل میں آپ کی نگاہ ہر طرف دوڑ رہی ہوتی ہے۔اس وقت آپ مسلسل نظر والی عینک استعمال فرماتے ہیں۔

بینی مبارک:۔ ناک مبارک بالکل سیدھی۔ نہ اتنی باریک نہ اتنی موٹی صرف خوبصورتی کی حدتک لمبی ہے۔

چہرۂ انور:۔ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق آپ کی تبلیغ کا ایک ظاہری ذریعہ آپ کے چہرۂ انور کی خوبصورتی ہے اوراس کے پس پردہ وجہ ازرُوئے حدیث۔ ''مَنْ صَلَّ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْھَہٗ بِالنَّھَارِ''یعنی جورات بھرذکرالٰہی میں گزارے دن کواس کا چہرہ درخشندہ ہوکرخوبصورت اور پُررونق بن جاتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کے ماحصل کواس طرح بیان کیا ہے۔

؎ اے لقائے تُو جواب ہر سوال　　　مشکل از تُو حل شود بے قیل و قال

''مرشد کامل کا دیدار ہی ہر سوال کا جواب ہے۔ اس کی ذات سے ہر مشکل معمّہ بغیر کسی بحث وتکرار کے حل ہو جاتا ہے۔'' عام طور پر عمر ڈھلتے ہی چہرے پر چھائیاں آجاتی ہیں مگر آپ کے چہرے پر اس قدر ضعیف العمر ہونے کے باوجود چھائیوں کا نام ونشاں تک نہیں ہے۔ دیکھنے والا آپ کے وجود کی طرف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر چہرۂ انور کی طرف دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ آپ تو جوان ہیں۔ وہ بھی اس عمر میں اور یہ آپ کی ''انفرادی شان'' ہے۔ آپ کا چہرہ مبارک گول، احوال کے مطابق بعض اوقات سفید یا گندمی رنگ، سرخی مائل یا زردی مائل ہو جاتا ہے۔ مگر جلال کے وقت باقی رنگوں پر سرخی غالب آجاتی ہے۔ ناک مبارک کے درمیان سے دونوں طرف باچھوں تک بڑے دوبل ہیں جو چہرے کی رعنائی کودوبالا کرتے ہیں۔ جس سے چہرہ چاند کی طرح بالکل گول نظر آتا ہے۔

؎ عید گاہِ ما غریباں کُوئے تُو　　　انبساطِ عید دیدن رُوئے تُو

(آپ کی گلی ہم غریبوں کی عیدگاہ! اور آپ کا چہرہ ہماری عید کی خوشیوں کا سامان ہے۔) آپ کا چہرۂ انور اجنبی لوگ بھی دیکھ کر بلاساختہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ انسان خدا کا کوئی پیارا ہے یا ذکرالٰہی شروع کردیتے ہیں بمطابق حدیث پاک کے کہ ''اِذَا رُأوَ ذُکِرَاللّٰہ''

دَہن ودندان مبارک:۔ منہ مبارک گول، نازک لب نہ اس قدر پتلے نہ اس قدر موٹے۔ مُنہہ مبارک کا انداز بوقت گفتگو قابلِ دید ہوتا ہے۔ اس قدر ضعیف العمری میں آپ کے دندان مبارک نہایت مضبوط اور چمکدار ہیں۔ دانتوں کی مضبوطی کی وجہ سے سخت گوشت آپ بڑے شوق سے تناول فرماتے ہیں۔ صرف نیچے والی لڑی سے سامنے بائیں طرف کا ایک دانت کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے نکل گیا ہے۔ آپ مسواک کا خاص التزام فرماتے ہیں۔ منہ کی صفائی پر خاص زور دیکر فرماتے رہتے ہیں کہ اس سے ہر قولی عبادت صادر ہوتی ہے۔ جس قدر منہ صاف ہواُسی قدر عبادت قبول اور بات پُر تاثیر ہوتی ہے۔

ریش مبارک:۔ داڑھی مبارک نہایت نورانی، اب مکمّل سفید ہے۔ صرف درمیان میں ٹھوڑی کے برابر چند بال سیاہ ہیں۔ حالانکہ آپ کی اتنی عمر نہیں ہے کہ داڑھی مکمّل سفید ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے سنت ابراہیمی کے مطابق

سفید داڑھی سے نہایت محبّت تھی۔ میں نے اس کیلئے ایک دن دعا مانگی تھی۔ بہت جلد داڑھی سفید ہونے لگی۔ آپ کی داڑھی مبارک تقریباً ایک بالشت برابر لمبی ہے۔ بفرمان آپ کے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ایسی داڑھی مبارک تھی گو کہ ہمارے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی داڑھی مبارک تقریباً چار انگل برابر لمبی اور گول تھی۔ آپ کی داڑھی مبارک نہایت ملائم اور گھنی ہے نوجوانی میں آپ کی مونچھیں داڑھی مبارک سے نمایاں ملی ہوئی تھیں۔مگر اب چھوٹی قینچی سے داڑھی مبارک تک مونچھیں کاٹتے ہیں۔ چہرے کے بالوں کیلئے آپ اُسترا بالکل استعمال نہیں فرماتے بلکہ بالکش سے کھینچتے رہتے ہیں۔ باچھوں کے برابر مونچھوں کی حد سے نیچے اور داڑھی سے اوپر بھی ایک ایک سرِ انگشت رکھنے جتنی برابر جگہ سے بھی بال نکالتے ہیں۔

<u>دستِ مبارک:۔</u> اَزروئے قرآن ''ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَ قُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ''یعنی مومنین کی ایک اور نشانی کہ ذکرِ الٰہی کی وجہ سے ان کے دل اور ظاہری جلد نہایت نرم ہوتے ہیں۔اس لئے آپ کے دست مبارک نہایت نرم و نازک ہیں۔ آپ کے ہاتھوں سے اکثر قدرتی خوشبو پھوٹتی رہتی ہے۔ چھونے والے کو ہاتھوں سے ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ۔ بقول رومیؒ:

؎ دستِ ظاہر ہست در داد و سَتد   دستِ باطن بر در فردِ صمد

(اولیاء کرام کے ظاہری ہاتھ مخلوق کے ساتھ لین دین میں اور باطنی ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں انعامات و رحمت کے لین دین میں مصروف ہوتے ہیں) آپ کے ہاتھوں کی لمبائی قد کی مطابقت سے نہایت موزوں ہے۔ پنجہ مبارک اور انگلیاں کُملائے ہوئے نہیں بلکہ پُر گوشت ہیں۔

<u>قد مبارک:۔</u> آپ کا قد مبارک پانچ فٹ دس انچ ("5.10) ہے مگر محفل یا کسی مجمع میں ہر قسم کے لوگوں میں آپ کا سر مبارک اونچا ہی دکھائی دیتا ہے۔ (آپ اپنے مرشد کا بھی یہی وصف بیان فرماتے ہیں) آپ نہ اس قدر موٹے اور نہ دبلے ہیں بلکہ درمیانہ جسامت کے مالک ہیں۔ آپ کو پسینہ نسبتاً زیادہ آتا ہے یہاں تک کہ سردیوں میں بھی آپ کو بعض اوقات پسینہ سے شرابور دیکھا ہے۔اس لئے ہر موسم میں آپ کھلی فضا کو زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دَورے کرنا آپ زیادہ تر معتدل موسم یا سردیوں میں پسند کرتے ہیں۔

<u>پاؤں اور نعلین مبارک:۔</u> آپ کے پاؤں نرم اور قد کی مناسبت سے ہیں۔ جوانی میں زیادہ تر پشاوری سرخ چمڑے والے جوتے استعمال فرماتے۔مگر اب ہر وقت چمڑے والا کھُسّہ استعمال فرماتے ہیں۔اس پر اِکتفا کرتا ہوں۔

بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں   بمیرد تِشنہ مُستقی و دریا ہمچناں باقی

''نہ ان کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدی کی باتیں ختم ہونے کو آتی ہیں۔جس طرح کہ مریضِ استسقاء دریا پر کھڑے پیاس سے مرجاتا ہے۔مگر دریا اسی طرح اپنی طغیانی میں ہوتا ہے۔''

(2) ظاہری حسن

؎ در دل ہر امتے کز حق مزہ است　　　روئے آوازِ پیمبرؐ معجزہ است (رومیؒ)

(جس امت کے دل میں ذرا سی بھی حق شناسی کا مادہ ہو تو پیغمبر کا چہرہ اور آواز ہی اس کے لئے معجزہ ہے) حکمت رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حق وصداقت کا علمبردار ایک ولی کامل کا چہرہ اور آواز بھی حق شناس انسان کیلئے کرامت سے کم نہیں۔ اسی طرح ہمارے مرشد کامل مدظلہٗ العالی کو بھی ذاتِ ربُّ العٰلمین نے باطنی اخلاق حسنہ کی بدولت بے انتہا ظاہری حسن سے نوازا ہے۔ اہل نظر اور اہل عقیدہ انسان آپ کے ظاہری پُرکشش حسن کو دیکھ کر ہی آپ کی باطنی روحانی دولت کا اندازہ لگا لیتا ہے۔ جس کو ایک لمحہ آپ کی صحبت نصیب ہوئی وہ بار بار آپ کی صحبت میں آنے کا متلاشی ہوتا ہے۔ آپ کے چہرہ پُر انوار کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اور یہی ایک ولی اللہ کی بنیادی علامت ہے۔ آپ متواتر گرمیاں ہوں یا سردیاں مختلف دَوروں پر رہتے ہیں۔ ہم نوجوان بھی تھکاٹ کی وجہ سے بیخود ہو جاتے ہیں مگر آپ کے چہرۂ انور پر ذرا سی بھی تھکاوٹ کے آثار نمودار نہیں ہوتے۔ استقبالیہ ہجوم کو اس قدر مسکراہٹ سے ملتے ہیں جیسے کہ سفر کیا ہی نہیں۔ آپ کے چہرے پر کبھی بھی ناراضگی کے آثار نہیں دیکھے گئے۔ ہم نے اتنا وقت آپ کے ساتھ گزارا مگر کسی وقت بھی چیں بہ جبیں نہیں دیکھا۔ ملنے والا جس قدر پریشان اور تھکا ہوا ہو۔ آپ کو دیکھ کر اس کی سب پریشانی خوشی میں، تھکاوٹ سکون میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ آپ کے حسن بے نہایت کو دیکھ کر حسنِ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور حسنِ یوسف علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

(3) اخلاقِ کریمانہ

؎ سیّد کسے بود کہ ظاہر شود ازو　　　خلق پیمبریؐ و سخاوت مرتضٰی علیؓ

(سیّد وہ ہوتا ہے جس میں اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سخاوت مرتضوی رضی اللہ عنہ موجود ہو)

اسلام سراپا اخلاق و آداب ہے۔ جو اسلام میں جس قدر مضبوط ہوتا ہے اسی قدر اخلاقی عروج پر فائز ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ خداوند کریم نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عُلُوِّ شان کی طرف دیکھ کر ان کی بلندیٔ اخلاق ہی کی تعریف فرمائی کہ "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم" (بے شک ہم نے تمہیں بے انتہا بلند اخلاق پر فائز کر دیا ہے۔) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ "میں اخلاقِ کریمانہ ہی کی تکمیل کے لئے آیا ہوں" ماحاصل! سب اوصافِ انسانیت کو اخلاقِ کریمانہ ہی کا نام دیتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مخلوق خدا کے دلوں کو جیتنے کیلئے سب سے بڑی دو چیزیں تھیں۔ ایک ظاہری اخلاق جس کا تعلّق ہمہ وقت مخلوقِ خدا کے ساتھ ہے۔ دوسرا ظاہری حُسن! جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا اخلاق سے گھائل ہو کر حُسن کا گرویدہ ہو جاتا۔ ظاہری حُسن دراصل باطنی اخلاق کا ثمرہ ہوتا ہے۔ اخلاق میں ہر وہی چیز شامل ہے جو ایک سیرت کی تکمیل کیلئے لازمی ہے۔ وہ توکّل ہو یا غیرت، استقامت ہو یا کرامت، صداقت ہو یا شرافت، سخاوت ہو یا شجاعت، شفقت و رحمت ہو یا صبر و تحمّل، ایثار و قربانی ہو یا زُہد و تقویٰ، ادب و احترام ہو یا شریعت و طریقت سب اخلاقِ

حسنہ کے منبع سے پھوٹنے والی شیریں نہریں ہیں، جن سے اخلاقِ کریمانہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

سلف صالحین کی طرح ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کا بھی جس قدر سیرت و کردار بلند ہے۔اسی قدر بلندیٔ اخلاق پر بھی فائز ہیں۔ جو بھی ایک مرتبہ آپ سے ہم کلام ہوا۔ساری زندگی کیلئے مدّاح اور خدمت گار بن کر رہ گیا۔ کیونکہ تلوار کے وار سے اخلاق کا وار زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔تلوار کا وار عارضی اور اخلاق کا وار مستقل۔ طاقت کی ظاہری و عارضی حکومت اور اخلاق کی باطنی و مستقل حکومت ہوا کرتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ہم نے ساری زندگی نہ کسی سے ناپسندیدہ سلوک کیا ہے اور نہ کسی سے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ آپ کی دریا دلی کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص نے علاقہ ڈیرہ غازیخان میں محفل کے اندر بالمشافہ آپ سے نہایت نازیبا الفاظ استعمال کئے۔ آپ نے اسے بڑے صبر و تحمّل اور نرم لہجے سے بار بار سمجھایا مگر وہ نہ سمجھ سکا۔ آخر میں فرمایا اچھا آپ کو پتہ چلے گا کہ کسی سیّدزادے کو میں نے چھیڑا ہے۔ وہ تو یہ سمجھا کہ مجھے کوئی جانی و مالی نقصان ہوگا مگر چند دنوں کے بعد اس نے ایک ایسا خواب دیکھا کہ جس کے ذریعے وہ توبہ تائب ہوکر معافی مانگ کر آپ کا مرید بن گیا۔ ایک دو ماہ کے اندر اندر آپ نے اسے خلافت عطا کی اور اپنے خاص مریدوں میں شامل فرمایا۔ اس وقت وہ صاحبِ شرع اور ایک خاص مقام پر فائز ہے۔ اس سے زیادہ بلند اخلاق کا کیا ثبوت ہو۔

آپ فرماتے ہیں کہ سفر و حضر میں دوسرے کا بوجھ اٹھانے کی حتی الوسع کوشش کریں مگر خود کسی پر بوجھ نہ بنیں۔ اسی وجہ سے شکر الحمدللہ جہاں گئے اخلاق دیا اور اخلاق پایا۔ فرماتے ہیں کہ آداب و اخلاق ہی رحمتِ الٰہی کے تاج ہیں۔

؎ ادب تا جیست از لُطفِ الٰہی   بِنِہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

(ادب بارگاہ الٰہی کا ایک ایسا تاج ہے جسے اپنے سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلا جا۔ عزت ہی عزت پائیگا۔)

(4) مزاجِ خاکی

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے جو بھی ولی اللہ اپنی خاکی مزاجی میں زیادہ تھا، مقامات و مراتب میں بھی سب سے آگے رہا۔ ہمارے پیغمبر ﷺ خاکی مزاجی میں سب انبیاء کرام علیہم السلام میں سے زیادہ تھے۔ اس لئے سب کے امام، سردار اور خاتم ٹھہرے۔ اولیاء اللہ کا بھی یہی راستہ ہے۔ مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ فقیر جب تک مٹی کے ساتھ مٹی نہیں بنتا اس وقت تک خدا کی طرف اُسے راستہ نہیں مل سکتا۔ آپ اس بارے میں اپنے مرشد کریم صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ملفوظ بیان فرماتے رہتے ہیں کہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ فٹ بال کو جتنے زور سے نیچے مارا جاتا ہے اسی قدر تیزی سے اوپر بلند ہو جاتا ہے۔

اس طرح فقیر جس قدر خاکساری اختیار کرے اس قدر خدا کی بارگاہ میں اس کے درجات بلند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آپ کو غصہ کبھی نہیں آتا۔ اپنی ذات کیلئے تو خاص کر کسی سے خشمناک ہوتے نہیں دیکھا۔ اور نہ آپ کا مریدوں کو بیجا جھڑکنے کا شیوہ ہے۔ آپ یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں اپنے مرید کو کاندھے پر اٹھانے کیلئے تیار ہوں۔ اپنی جان کے

کپڑے اور خون تک دینے کو تیار ہوں۔ میرا کام رات دن اپنے مریدوں کے دین و ایمان کیلئے دعا کرنا اور میری ساری زندگی مریدوں کی خدمت کیلئے وقف ہے۔ اس لئے آپ فرماتے رہتے ہیں کہ پیر جب تک مرید کی خدمت نہ کرے اس وقت تک اپنے مرید کو فیض نہیں دے سکتا۔

فرماتے ہیں کہ ہم اپنے کسی مرید کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ جو دوست بیمار ہو جائے۔ جس قدر دور کیوں نہ ہو اس کی بیمار پُرسی کیلئے خود چل کر جاتے ہیں، جس طرح کہ سب دوستوں کو علم ہے۔ دوستوں کا بوجھ اٹھاتا ہوں کسی پر بوجھ نہیں بنتا۔ مریدوں پر بوجھ ڈالنا میری شروع ہی سے عادت نہیں۔ صوفی عبدالکریم صاحب بچپن سے ہمارے خدمت میں آئے ہیں۔ آج اس کے بچے بھی جوان ہو چکے ہیں۔ اس دوران ہمارے اوپر ہر قسم کی تنگدستی رہی ہے مگر ان سے بھی آج تک ہم نے چار آنہ تک قرضہ نہیں لیا۔

آپ کے پاس کئی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کوئی اعتراض کرتا ہے۔ کوئی محفل میں کوتاہیاں کرتا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ آج خیر نہیں! مگر آپ محسوس تک نہیں فرماتے بلکہ ان کے ساتھ ایسا ٹھنڈا رویہ اختیار فرماتے ہیں کہ وہ نہ صرف مؤدب اور قائل بن جاتے ہیں بلکہ مکمّل غلامی میں آ کر توبہ تائب ہو جاتے ہیں یہ صرف آپ کی مزاجِ خاکی کی کرامت ہے یہی چیز دراصل محمدی المشرب اور آل رسول ﷺ ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ واقعی

؎ اولیاءاللہ ان آنکھوں نے تو دیکھے ہیں بہت پیشوا بابا بخاری سا کوئی دیکھا نہیں

(5) زُہد و تقویٰ

از روئے قرآن ولی اللہ کی تعریف ایمان لانے کے بعد زُہد و تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ آئینۂ قلب کی دُور بینی اور نگاہ کی بُرّانی کا زیادہ تر تعلّق پرہیزگاری سے ہے۔ شریعت پر پابندی سے زُہد و تقویٰ کو جلا ملتی ہے۔ راہِ معرفت کا زادِ راہ یہی پرہیزگاری ہے اور پرہیزگاری ہی انسانِ خاکی کو کثافتِ بشری سے پاک و صاف کر کے اوصافِ الٰہی کا نمونہ بنا دیتی ہے۔

؎ خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی، اُس کا دلِ بے نیاز

زُہد و تقویٰ اختیار کرنا ہر کسی کا کام نہیں مگر جس پر خدا راضی ہو جائے۔

؎ یوں ہاتھ نہیں آتا یہ گوہرِ یکدانہ یک رنگی و آزادی ائے ہمتِ مردانہ (اقبالؒ)

اولیاءِ کرام زُہد و تقویٰ کا عملی نمونہ بن کر مخلوقِ خدا کو درسِ معرفت دیتے ہیں۔ اسی راستے کے ایک شہسوار اور گوہرِ یکدانہ پیر کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی ہیں۔ آپ زُہد و تقویٰ کا عملی پیکر ہیں۔ قدم قدم پر نہایت احتیاط برتتے ہیں۔ ذرا بھر مشکوک چیز کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ جہاں کھانا ذرا بھر مشکوک ہو آپ میزبان کو بجائے شرمندہ کرنے کے یہ کہہ دیتے

ہیں کہ ''مجھے طلب نہیں ہے۔'' دنیاداری سے نفرت اور غربت سے محبّت آپ کی انتہائی پرہیزگاری کا ثبوت ہے۔

آپ ہر چھوٹی بڑی بات کا باقاعدہ احتساب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں خدا کس چھوٹی بات پر راضی ہوجائے اور کونسی چھوٹی بات پر ناراض ہوجائے۔ لہٰذا زُہد و تقویٰ اختیار کرو۔ زُہد و تقویٰ ہی سے انسان اپنا مکمّل محاسبہ کرسکتا ہے۔ ایک دن آپ سفر کی وجہ سے بہت تھکے ہوئے تھے۔ مسند پر بیٹھے رُخ مبارک قبلہ کی جانب تھا۔ بندۂ ناقص (راقم الحروف) آپ کے پاؤں دبانے لگا۔ چونکہ آپ بہت تھکے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضور! پاؤں ذرا لمبے کریں تاکہ اچھی طرح دبالوں۔ جواب دیا نہیں بچہ سامنے قبلہ ہے بے ادبی نہ ہوجائے۔ آپ دنیاوی باتیں کرنے سے بہت پرہیز کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن فضول باتوں کا بھی حساب دینا پڑتا ہے۔ اس لئے زبان اگر ہلے تو اس میں آخرت کی سودمندی کارفرما ہو وگرنہ مسلمان کیلئے یہ نقصان دہ چیز ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر باطنی ارادہ اور تمام تر ظاہری اعضاء کے نقل و حرکت کا قیامت کے دن احتساب ہوگا۔ اس لئے فقیر کو ہر معاملے میں پرہیزگاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ زُہد و تقویٰ ہی کرامت کُلّی ہے۔ آپ اکثر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھتے رہتے ہیں:

؎ عین دریا تختہ بندم کردۂ   باز گفتی دامن تر مکن ہشیار باش

(خدایا تُو نے دریا کے عین بھنور میں ہمیں ڈال کر پھر یہ بھی کہہ دیا کہ خبردار! دامن تک گیلا نہ ہو)

(6) پابندیٔ شریعت

جس طرح یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اولیاء کرام کی ولایت کی بنیاد پابندیٔ شریعت ہے۔ فقر و تصوف اور طریقت و معرفت کا مآخذ و مصدر شریعت محمدیؐ ہے۔ ایک ولی اللہ کی عُلُوّ شان کا پتہ، شریعت کی پابندی سے چلتا ہے۔ اس لئے ہمارے مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اکثر و بیشتر طالبانِ کرامت کو حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمودہ پیش کرتے رہتے ہیں کہ ہم فقیروں کی سب سے بڑی کرامت شریعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمّل پابندی ہے۔ جسے یہ چیز پسند ہو اور اس پر یقین ہو وہ ہمارے پاس آجائے اور جسے یہ چیز پسند نہ ہو تو وہ کسی دھوکہ باز جادوگر کی تلاش کرے۔ سب طالبانِ حق کو بارگاہِ الٰہی سے یہ جواب ملتا رہا ہے کہ جسے میرا وصال مطلوب ہو وہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اختیار کرے۔

؎ مپندار سعدیؒ کہ راہِ صفا   تواں رفت جز بر پئے مصطفٰیؐ

(اے سعدی رحمۃ اللہ علیہ یہ خیال اپنے دل سے نکال دے کہ تو پیرویٔ شریعت کے بغیر راہِ معرفت میں کامیاب ہوجائے۔)

ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے شب و روز کے معمولات اور نشست و برخاست میں ہمہ وقت شریعت کی جھلک نظر آتی ہے۔ کعبہ کی طرف تھوکتے یا محفل میں پاؤں پھیلاتے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ پابندیٔ شرع کے مطابق وضو کا ہر وقت التزام فرمانا، نماز اوّل وقت میں ادا فرمانا اور ذکر و فکر کا خاص اہتمام فرمانا آپ کی فطرت بن چکی ہے۔ کپڑوں پر اگر کسی قسم

کے میل کا ایک نکتہ بھی پہنچے اسے دھوئے بغیر نماز ادا نہیں فرماتے۔ ہر قول و فعل میں خصوصاً مسند پر بیٹھے آپ معاملاتِ شریعت میں بہت احتیاط برتتے ہیں۔ بعض باتوں پر فرماتے ہیں کہ یہ فقر کا معاملہ ہے۔ ذرہ بھر شریعت میں تجاوز کرنا ہمارے لئے سخت نقصان کا باعث ہے۔ آپ اکثر و بیشتر احکام شریعت کا درس دیتے ہوئے اپنے مریدوں کو تعلیم فقہ حاصل کرنے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ بعض اوقات خود فقہ کے دقیق مسائل پر اس قدر پُر مغز، مدلّل اور معنی خیز بحث فرماتے ہیں کہ اہل علم حضرات بھی اُنگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ واقعی شریعت آل رسول ﷺ کے گھر کی چیز ہے۔ آپ انتہائے فقر کو بھی شریعت پر محمول کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اولیاءِ کرام کو اگر شریعت کا پاس نہ ہوتا تو وہ سب پوشیدہ حقائق عوام الناس کے سامنے ظاہر فرما کر کیا سے کیا کچھ کر جاتے۔ مگر ان پر ہر وقت ضبطِ شریعت کی بیڑیاں پڑی رہتی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقرِ محمدیؐ ابتداء سے لیکر انتہا تک شریعتِ محمدیؐ ہی سے وابستہ ہے۔

(7) آپ مجدّدِ وقت اور نبّاضِ زمانہ ہیں

حدیث نبوی ﷺ کے مطابق ہر ہزار سال بعد دینِ اسلام کی تجدید کی خاطر ایک مجدّد کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ مگر دنیائے تصوف اور شریعت وطریقت میں بھی یہ بات محقّق ہے کہ ہر دور میں مسلسل ایک نصف مجدّد بھی لازمی موجود رہتا ہے جو کہ دین محمدی ﷺ کو عملی اور قولی، ظاہری اور باطنی صورت میں خدا کے حکم سے بحفاظت دوسرے مجدّد تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے یہاں تک کہ ہزار سالہ مجدّد کی نوبت آئے۔ نصف مجدّد کا مقام ہر دور کے غوثِ زماں کو نصیب ہوا کرتا ہے۔ جو کہ مخلوق خدا میں فردِ واحد، حق کا علم بردار ہو کر اُمتِ محمدیؐ کے سفینے کا ملاح ہوتا ہے، اور یہی انسانِ کامل، نباضِ زمانہ ہو کر مخلوق کی ظاہری و باطنی اصلاح و تربیت فرماتا ہے اور یہ مقامِ خاص دورِ حاضر میں ہمارے مرشد کریم سلطان الفقراء، قلندرِ وقت، مجدِدِ وقت حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کو حاصل ہے۔ اس بات کا ثبوت قارئین و ناظرین کو ان کی محفل اور صحبت میں بیٹھنے سے ہی مل جاتا ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ نگاہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُر سوز   یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کیلئے

آپ انہی مجدّدانہ خیالات کے علم بردار اور جامع اوصافِ حقیقت شناسی کے حامل ہیں۔ ہر علاقہ اور ہر محفل میں آپ کا اندازِ وعظ و نصیحت اور اندازِ گفتگو ایک علیحدہ رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ آپ اہل علم حضرات کی محفل میں حقائق و دقائق، اسرار و رموزِ معرفت، ماڈرن قسم کے لوگوں کی محفل میں سائنسی اور جدید قسم کی پُرکشش گفتگو، عام محفل میں آسان فہم اور حسب حالات دلنشیں طرزِ تکلّم اختیار فرما کر ہر ایک کی فطری صلاحیت اور دلی جذبہ کے مطابق حقیقت کو بے نقاب کر کے پیش فرماتے ہیں۔ پُر مغز اور عارفانہ قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔ محفل میں ہر ایک بیٹھنے والے شخص کی ذوقی تسکین کرنا مجدّدِ وقت ہی کا کام ہوتا ہے۔ مثلاً بعض لوگ اس قسم کے خیالات کہ آپ ذکر بالجہر کیوں فرماتے ہیں؟ بیعت کرنے کا کیا مقصد ہے؟ عرس منانے کا کیا فائدہ ہوتا ہے اور محفلِ سماع کے انعقاد میں کیا حکمت ہوتی ہے؟ لیکر دل ہی دل میں آپ کو لاجواب

کرنے کی خاطر آتے ہیں۔مگر محفل میں آتے ہی آپ کا چہرہ مبارک دیکھ کر اس قدر رُعب تلے دب جاتے ہیں کہ اپنا مافی الضمیر کا اظہار کرنا ہی بھول جاتے ہیں۔ہاں اگر کچھ لوگ جرأت کر کے پوچھ بھی لیں تو اس قدر مدلّل اور تحقیقی قسم کا جواب دیتے ہیں کہ اگر اس شخص میں ذراسی بھی سچائی قبول کرنے کا مادہ ہو تو تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔کیونکہ آپ بحث برائے بحث نہیں بلکہ بحث برائے اصلاح فرماتے ہیں جو کہ درویش اور صوفیاء کا اصل مقصد ہوتا ہے۔اگر کسی میں حق قبول کرنے کا مادہ ہی نہ ہو تو دوبارہ کبھی بھی وہ آپ کی محفل کا رخ نہیں کرتا۔کئی لوگ دنیا و دین،شریعت وطریقت اور نور و بشر جیسے پیچیدہ مسائل لیکر آتے ہیں مگر آپکا بردبار، دلنشیں،مشفق اور قدر عقل وعلم کے مطابق جواب پا کر انتہائی متأثر ہو کر چلے جاتے ہیں۔بعض لوگ تسلیم کر کے مرید بننے تک تیار ہو جاتے ہیں مگر آپ ایسے موقعوں پر بہت کم بیعت فرماتے ہیں بلکہ اور ڈھیل دے دیتے ہیں۔

آپ کا اندازِ سخن اور اندازِ محفل اس قدر پُر کشش اور پُر سُرور ہوتا ہے کہ حاضرین کئی گھنٹوں تک بیٹھے ذرا بھر تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔حسبِ حالات عجیب وغریب واقعات،حقائق ومعارف اور اسرار ورموز کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا ہے۔سامعین کی آنکھوں سے آنسو جاری اور بیخود ہو کر محوِ دیدار! باتیں سن رہے ہوتے ہیں۔آلِ رسولؐ کے جمالی چہرے پر آنکھیں جمائے دولتِ دارین لوٹ رہے ہوتے ہیں۔مولانا رومیؒ نے سچ فرمایا:

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا   او نشیند در حضور اولیاء

(جو خدا کے ساتھ بیٹھنا چاہے وہ اولیاء اللہ کی محفل میں بیٹھے۔)

دین ودنیا اور دنیا وآخرت میں مطابقت پیدا کرنا صرف ایسے ہی لوگوں کا کام ہوتا ہے۔اس پُر غرور اور پُر فتن دور میں کسی کی تشفّی کرنا جوئے شِیر لانے سے بھی مشکل کام ہے۔مگر خداوند کریم نے یہ امتیازِ محرمانہ اور ضربِ کلیمانہ کا شرف صرف ان جیسے بلند حوصلہ لوگوں کو نصیب کیا ہوا ہے جو طوفانوں سے بے خوف اپنی طغیانی میں ''بادۂ اَلَست'' سے مست ہیں۔ایسے لوگوں کے سامنے بقول اقبالؒ ازل سے ابد تک کوئی دیوار بنی ہی نہیں۔

قدم بے باک تر نہ در رہِ زیست   بہ پہنائے جہاں غیر از تُو کس نیست

(اے مردِ مومن راہ زیست میں اگر قدم رکھنا ہے تو بیباک ہو کر کود جا کیونکہ اس دنیا کی وسعت میں تیرے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں)

مرشدِ کامل،مردِ مومن بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کو دیکھ کر سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ واقعی آپ نے اس آخری دور میں محی الدین بن کر فقر محمدیؐ کو زندہ کر کے دوبارہ عملی صورت میں تجدید کر کے پیش فرمایا۔فقر محمدیؐ کا اس قدر صاف وشفاف آب زلال (پاک وصاف پانی) لیکر مخلوق کو پیش کر رہے ہیں کہ جس میں ذرا بھر ملاوٹ کا شائبہ تک نہیں۔حق وباطل کو اس قدر بے نقاب کر کے خلق خدا کے سامنے پیش کیا جس طرح کہ صحیح معنوں میں ایک مجدّدِ وقت کا

فریضہ اور منفرد طریقہ ہوتا ہے۔

اگر کوئی مکتوباتِ امامِ ربّانی شیخ احمد سرہندی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پڑھ کر آپ کی محفل میں باریاب ہو تو اس کا عملی نمونہ وہ بھی سلسلۂ نقشبند کے مطابق مشاہدہ کرے گا۔ پھر اندازِ نظر، اندازِ محفل اور اندازِ حاضرین بھی اسی رنگ میں رنگا ہوا پائے گا۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہوگا کہ یہ واقعی کسی مجدّدِ وقت، نباضِ زمانہ، مَحرمِ حقیقت اور دانائے راز کی محفل ہے۔

(8) فیضِ عام اور شُہرتِ دوام

تاریخ اسلام میں بہت سے اولیاءِ کرام ہو گزرے ہیں مگر فیضِ عام کا اطلاق صرف چند اولیاء اللہ پر صادق آتا ہے۔ اس پائے کے چند صوفیاءِ کرام جیسے کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فریدالدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ نُور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ مہر علی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ نامی اسماءِ گرامی سرِفہرست ہیں کہ جن کا فیض چار دانگ عالم میں پہنچا۔ مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی بھی اِسی زمرے اور اس پائے کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کے پاس جو بھی دامنِ طلب لایا بھر کے لے گیا، جو بھی تیر نگاہ کے سامنے آیا رنگ دیا گیا، اپنے اور غیر کے تصور کا یہاں گزر ہی نہیں ہوا، جو جس قوم یا جس علاقے سے تھا بلا لحاظ رنگ و نسل ایک دوسرے سے بڑھ کے لے گیا، جو بھی شرعی حاجت محفل میں لیکر آیا مطلوب بن چلا۔ آپ کا فرمان ہے کہ جو بھی طالبِ صادق بن کر ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے۔ بلاواسطہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا کھڑا کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ کے بہت سے مریدوں کو قلیل مدت میں بارہا محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور بہت سے مرید مختلف مدارجِ سلوک طے کر رہے ہیں۔

آپ کا دعویٰ ہے کہ ہم اپنے مرید کو پہلے ہی دن وہ فیض دے ڈالتے ہیں جو دوسرے سلاسل کے اولیاء چالیس چالیس سال کی خدمات کے بعد اپنے مریدوں کو دیتے تھے بشرطیکہ کوئی سچے ارادے سے آئے۔ کیونکہ یہ انتہائی مصروف اور قحط الرِّجالی کا دور ہے۔ جو صرف پانچ پیسے جتنی محنت کرے، ہم اسے پچانوے پیسے دینے کو تیار ہیں اس لئے کہ ہم آلِ رسول ہیں اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں عموماً طلب سے کئی گنا زیادہ ملا کرتا ہے۔ آپ کے فیضِ عام کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اتنی قلیل مدت میں ہر جگہ، ہر شہر اور کئی ممالک میں آپ کے مرید اور صاحبِ معرفت خلفاء ملیں گے جو کہ فریضۂ تبلیغ سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کی توجہ باطنی اور فیضِ عام کا یہ عالم ہے کہ آپ ہر جگہ اکثر مریدوں کو خواب میں زیارت کرا کر ہدایات جاری فرماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ متعدد مقامات پر کئی مریدوں کو بیک وقت فی

الوجود نظر آئے اور با قاعدہ امداد فرما کر وعظ و نصیحت فرمائی ہے۔ آپ یہاں تک فرما دیتے ہیں کہ وہ میرا مرید ہی نہیں جو مجھے اپنے ساتھ نہ سمجھے اور وہ پیر بھی نہیں جو ہر وقت اپنے مرید کے ساتھ نہ ہو۔ آپ کی محفل میں آتے ہوئے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا کہ جن کا چہرہ دیکھنے کے قابل نہیں تھا۔ چند لمحے صحبت میں بیٹھنے کے بعد جاتے وقت اُن کے ایسے پُرکشش، نورانی چہرے تھے۔ یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں۔ واقعی جو سوسالہ بے ریا طاعت ایک لمحہ میں پائے تو اس کا چہرہ کیوں نورانی نہ بنے؟

؎ جان ہو میری تصدّق کیسا پیارا نام ہے　　ہر طرف دنیا میں جاری جن کا فیضِ عام ہے

آپ کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ آپ جس اجنبی علاقے میں جاتے ہیں لوگوں کی آپ کی طرف اتنی کشش ہوتی ہے کہ بے ساختہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ ضرور بنوں والا پیر ہوگا کہ جس کے بارے ہم نے ایسے ہی سنا ہے۔ چنانچہ دریافت پر لوگ جوق در جوق حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ایک دن مَیں علاقہ لیّہ سے بس پر بیٹھا۔ صوفی منظور میرے ساتھ تھا۔ لیّہ سے کوٹ ادو تک بس میں ''بابا بنوں والی سرکار زندہ باد'' کے نعرے لگتے رہے۔ حالانکہ مَیں کسی کو جانتا نہ تھا۔ اس بات پر آپ نے حاضرین کو نصیحت کی کہ غور سے سنو! یہ دراصل بنوں والا پیر نہیں تھا بلکہ مرشد کامل کی خدمت کا صلہ تھا جو بھی بنوں والے پیر کی طرح اپنی جان بنائے اس کے نام کے نعرے لگیں گے۔ پاکستان کے جس کونے میں کوئی داڑھی زلفوں والا صوفی دیکھے وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ بنوں والے پیر کا مرید ہوگا۔ یہ دراصل از روئے حدیث اعلانِ خداوندی ہے جو کسی بندے کے بس کی بات نہیں:

ع　نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی

(9) آپ کی زندگی نمونۂ فقر

؎ مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے　　یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی　(اقبالؒ)

ایک کامل ولی اللہ کی زندگی مکمّل نمونہ فقر ہوا کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے اولیاءِ اُمت پر فقر کی وجہ سے فخر فرمایا تھا۔ فقر کیا ہے؟ سیرت النبی ﷺ کا دوسرا نام ہے۔ اولیاء کرام اپنے نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا عملی پیکر بن کر عام مخلوق سے اپنا انفرادی اور دائمی مقام حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ:

؎ اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغِ مُقبلاں ہرگز نَمیرد

(اگر دنیا سراپا طوفان ہو جائے مگر پھر بھی مقبولانِ الٰہی کے چراغ بجھنے کو نہیں آتے۔)

خاص الخاص اولیاء سابقین کی طرح ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی زندگی بھی سیرت النبی ﷺ کا عملی پیکر اور نمونۂ فقر ہے۔ آپ کی پیدائش ایک نہایت غریب صاحبِ فقر خاندان میں ہوئی۔ پھر بچپن ہی سے والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ علومِ ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد طویل عرصے کیلئے پہاڑوں میں جا کر ریاضات و مجاہدات کر کے

تزکیۂ نفس کیا۔ اپنے مرشد کی غلامی میں آ گئے تو اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا یہاں تک کہ اگر صبح کا کھانا تھا تو شام کا نہیں تھا۔ اگر شام کا تھا تو صبح کا نہیں تھا۔ کئی دنوں تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تین سال کیلئے سب خاندان نے معاشی بائیکاٹ کر دیا۔ یہاں تک کہ قریبی ہمسائے سے بھی پانی ملنے کی توقع نہیں تھی۔ آپ نے بیعت کا سلسلہ سرحدی پہاڑی علاقہ پشاور سے شروع فرمایا۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے پنجاب، بلوچستان اور سندھ کے دور دراز علاقوں تک فیض پھیلانے کے بعد بارہ مہینے گھر سے باہر رہتے۔ چند سال سے جب عزیز و اقارب نے ساری دنیا میں آپ کی مقبولیّت دیکھی تو سب نے آپ کے اخلاق کاملہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بقول حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ:

ع تیغِ حلم از تیغِ آہن تیز تر

(صبر کی تلوار لوہے کی تلوار سے کہیں زیادہ تیز ہے۔)

اب آپ کے لنگر کو اکثر و بیشتر آپ کے رشتہ دار یا قریبی ہمسایہ ہی چلاتے ہیں۔ اپنی بستی میں ماہِ کامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو بھی مسئلہ ہو آپ کے بغیر طے نہیں کیا جاتا۔ دوست تو دوست دشمن بھی اس وقت آپ کے حلقہ بگوش ہیں اور آپ کی عظمت کو بہ بانگِ دُہل تسلیم کرتے ہیں۔ آخری عمر میں آپ کی تعلیماتِ فقر پر ایک ایسی کامل جامع کتاب بھی تیار کی گئی جو طالبانِ حق کیلئے تا قیامت خضرِ راہ کا کام دے گی۔ (اور انشاء اللہ مکتوباتِ امام ربّانی کی طرح آپ کی کتاب بھی حضرت امام مہدی آخر الزماں رحمۃ اللہ علیہ کے زیرِ نظر گزرے گی۔)

ایسی ہی زندگی کو ہم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عملی نمونہ ہی کہہ سکتے ہیں جسے دنیائے تصوف میں نمونۂ فقر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور اس انمول نعمت کو خداوند کریم نے اس پُرفتن دور میں ہمارے مرشد کامل، رہبر مکمّل، عارفِ اکمل، سلطان الفقراء، قلندر وقت، مجدّدِ وقت حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کو نصیب کیا ہے۔ اس پر کروڑوں شُکر۔ خدا آپ کی عمر دراز کرے۔ آمین۔

(10) آپ کا مشن: اصلاحِ نفوس

؎ انبیاء را کارِ عقبٰی اختیار — جاہلاں را کارِ دنیا اختیار (رومیؒ)

(انبیاءِ کرام علیہم السلام آخرت کی بھلائی کا کام پکڑے ہوئے ہیں اور جاہل دنیاداری میں پھنسے ہوئے ہیں)

انبیاءِ کرام علیہم السلام کا اس دنیا میں کوئی استاد نہیں تھا۔ کیونکہ انکا تذکیۂ نفس براہِ راست خدا کی طرف سے ہو چکا تھا۔ وہ اس لئے کہ اس دنیا میں سرفہرست کام انہیں تذکیۂ نفوس کرنا تھا مگر اولیاء کرام بالواسطہ مرشد پہلے اپنا تذکیہ نفس کرتے ہیں۔ پھر مخلوق خدا کے اصلاحِ نفوس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان کا کام بھی اصلاحِ نفوس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کا بھی صرف یہی مشن ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ فقیر اصلاحِ خلق کے پیچھے خانہ بدوش شکاری کی طرح ہوتا ہے۔ اس کا کہیں بھی مستقل ٹھکانہ نہیں ہوا کرتا۔ مگر جہاں اسے اپنے اصل مقصد!

اصلاحِ خلق کا موقع ملے اور جہاں خدا کی طرف سے اسے حکم ہو کام شروع کر دیتا ہے۔ ہمارے پر دادے بلخ و بخارا کے رہنے والے تھے۔ باپ دادا علاقہ بنوں میں رہے۔ اب معلوم نہیں کہ ہمارا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ علاقہ پنجاب ہم نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا لیکن اب یہی مقصد ہمیں یہاں لیکر آیا۔ اس لئے ہماری کوشش سے ایک شخص بھی اگر راہ راست پر آجائے تو تختِ سلیماں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے اور ہمارے لئے اس دنیا میں اس سے زیادہ اور کوئی کامیابی اور مقامِ عزت نہیں ہے۔

آپ فرماتے ہیں اگر بروزِ حشر ہمارے نانا کریم ﷺ ہم سے اپنے مشن کے بارے پوچھیں تو ہماری یہ کوشش ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اصلاح شدہ اُمتی ان کے سامنے پیش کر سکیں۔ خداوند کریم ہمارا یہ جذبہ پورا فرماوے اور نانا کریم ﷺ کے سامنے شرمندگی سے بچائے۔ آمین۔ لہٰذا ہمیں اس کام کیلئے جتنی بھی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں تو ہم خندہ پیشانی کے ساتھ تیار ہیں اور اس ضعیف العمری میں ہمارا یہ ہر وقت کا سفر اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ گو کہ یہ ہمارا آرام کا وقت ہے۔ مگر حرصِ اصلاح بیٹھنے نہیں دیتی۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم محمد اظہر بٹ صاحب پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے وہ دورانِ تبلیغ ہمارے ساتھ ایسی جگہوں پر آئے کہ جہاں ہر عام آدمی میرے ساتھ نہ آسکتا تھا۔ اس لئے ہمیں اپنے خلفاء میں سے وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں جو صرف اس مشن کے علم بردار ہوں۔ ہماری اس جہان فانی میں بغیر اس مقصد کے اور کسی دنیاوی کام کی طرف توجہ نہیں ہے۔ اور نہ اس کی طرف رغبت رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مرشد کریم صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا بھی آخری دم تک یہی شیوہ رہا ہے۔ خدا ہمیں بھی تادمِ زیست اس مقصد پر استقامت بخشے۔ آمین۔

(11) حق گوئی و بیبا کی

اس دنیا میں حق گوئی و بے باکی کی علم بردار ولی اللہ ہی کی ذات بابرکات رہتی ہے۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ صرف خدا کی ذات سے ڈرتے ہیں۔ باقی سب مخلوق ان سے ڈرتی ہے۔ دوسری وجہ کہ یہ لوگ صفت ''صابری'' کے پیکر ہوتے ہیں۔ صبر کرنے والے کے ساتھ خدا کی ذات ہوتی ہے۔ (اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ) تو جس کے ساتھ خدا کی ذات ہو اس کے ساتھ کون مقابلہ کرسکتا ہے یا کون روگردانی کرسکتا ہے؟ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے انہی وجوہات کی بناء پر کہا تھا۔

؎ آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی میں یہ صفت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ایک مرتبہ سالانہ عرس مبارک علاقہ بہل (بھکر) کے موقع پر رات کو قوالی کے دوران شیعوں نے گڑ بڑ مچانا شروع کر دی۔ ایک دو بار ہم نے صبر کیا۔ تب حضرت صاحب اٹھے اور فرمایا آرام سے بیٹھ کر قوالی سنو۔ اس میں خدا و رسول ﷺ اور اولیاء کرام کی تعریف ہو رہی ہے۔ یہ مقامِ ادب ہے۔ اگر آپ لوگ آلِ رسول ﷺ کے حُب دار ہیں تو مَیں آلِ رسول ﷺ ہوں۔ وگرنہ میدان میں آجاؤ

میں اکیلا آپ سب کو کافی ہوں۔ چنانچہ ہمارے سامنے چند لمحات کے اندر اندر سب شیعہ حضرات رفو چکر ہو گئے۔ بعد میں رات کے ایک بجے تک پُرسکون قوالی رہی۔

ایک مرتبہ بستی ولو والانز دکوٹ ادو بہت بڑا مجمع تھا۔ کسی کی بات پر آپ کو جلال آ گیا۔ فرمایا ''اس پُرفتن دور میں کھلم کھلا خالص طریقت چلانا اور کامیاب سے کامیاب تر پروگرام بنانا ہر کسی کا کام نہیں۔ ہمارے ہاتھ میں خداوند کریم نے ایک بہت بڑی طاقت رکھی ہوئی ہے کہ ہم پردیس میں اس قدر عظیم مشن لیکر پھر رہے ہیں۔ کیونکہ ہماری رگوں میں خونِ شبیّری موجود ہے۔ ہم اس دنیا میں کسی سے ڈرنے والے نہیں۔ میں اپنے خون کے آخری قطرے تک اپنے مریدوں کے ساتھ ہوں اور مرید میرے ساتھ ہیں۔''

اسی طرح ایک موقع پر بمقام سخی سرور ضلع ڈیرہ غازیخان کسی نے آپ کے سامنے ایک دنیاوی مسئلہ پیش کیا۔ آپ نے بھری محفل میں فرمایا محترم سنو! ''میں کوئی وزیر تھانیدار یا کوئی دنیادار نہیں ہوں۔ دنیا کی ضرورت ہو تو کسی دنیادار کے پاس جاؤ۔ جسمانی علاج کی ضرورت ہو تو کسی ڈاکٹر کی طرف رجوع کرو۔ کوئی جھگڑا وغیرہ ہو تو تھانیدار یا کسی وزیر کے پاس جاؤ۔ ہم فقیروں کے پاس تو صرف روحانی علاج موجود ہے۔ جسے اس کی ضرورت ہو تو وہ بے شک ہمارے پاس آ جائے۔ اس پُرفتن دور میں اگر ہم دنیاوی مسائل کی طرف توجہ دیں تو ہم سے فقر چھوٹ جانے کا خطرہ ہے۔ یہ وہ دَور نہیں جب اولیاء کرام دنیاوی مسائل بھی حل کرتے تھے اور دین بھی چلاتے تھے۔ آجکل چونکہ دنیا، دین سے مکمّل کٹ چکی ہے اس لئے ہم لوگ فقر میں رہتے ہوئے دعا کر کے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ دوسروں کو بھی اس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ہمارے پاس دو چیزیں ہیں۔ ایک مرید بنا کر راہِ راست پہ لانا۔ اُن کے قلوب کو ذکرِ الٰہی میں لا کر اخلاقی اصلاح کرنا ہے جو کہ اصل کرامت ہے۔ اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی کرامت نہیں ہے۔ دوسری چیز دعا کرنا۔ سب کچھ فنا ہو گا مگر دعا خزانۂ الٰہی میں جا کر محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس لئے خدا کو جس قدر دُعا محبوب ہے اس جہاں میں اور کوئی چیز محبوب نہیں۔ جس قدر وہ اپنے بندے کی دُعا پہ خوش ہوتا ہے اور کسی چیز پہ اتنا خوش نہیں ہوتا۔ عوام الناس کو قیامت کے دن اولیاء کرام کی دعاؤں کی برکت کا پتہ چلے گا۔ بےلوث دعا بہت بڑی چیز ہے۔ ہاں! دعا کے ساتھ ساتھ بعض اوقات ہم اپنی صواب دید کے مطابق جائز اور فائدہ مند کام کیلئے تعویز بھی دیا کرتے ہیں۔ مگر شاذ و نادر۔ میرے پاس زیادہ تر مخلوق اس لئے نہیں آتی اور لالچی مرید زیادہ دیر تک اس لئے نہیں ٹھہرتے کہ ہم حق پرستی پر کاربند اور بالکل خالص فقر رکھتے ہیں۔ فراڈ سے بہت دور اور حق سے بہت قریب ہیں۔ جسے یہ بات پسند ہو ہم اس کے خادم ہیں وگرنہ ہر کسی کا اپنا راستہ۔

تبلیغی جماعت والوں کا بعض اوقات آپ سے آمنا سامنا ہو جاتا ہے تو ان سے کہتے ہیں جاؤ اپنے سب سے بڑے مولوی کو لاؤ۔ ہم اس کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ پھر پتہ چلے گا کون حق پر ہے اور کون باطل۔ وگرنہ تم اپنا کام کرو اور ہمیں اپنا کام کرنے دو۔

(12) شانِ بے نیازی

؎ ہمہ ساز بے سازی ہمہ ناز بے نیازی دلِ شاہ لرزہ گیرد زگدائے بے نیازی (اقبالؒ)

(یہ سب دھوم دھام اپنے آپ کومٹانے میں ہےاور یہ سب ناز وانداز مخلوق کے خیر وشر سے بے نیاز ہونے میں ہے کہ ایک بے نیاز فقیر سے بادشاہ وقت کا دل بھی کانپ جاتا ہے)

اولیاء اللہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے نیاز مند بن کر ساری مخلوق سے بے نیاز ہوجاتے ہیں اور بالکل یہی جھلک ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی میں بدرجہ اُولیٰ دکھائی دیتی ہے۔بعض اوقات جب کسی متکبّر یا دنیا دار سے آپ کی طبیعت پر بوجھ آجائے تو فرمادیتے ہیں کہ ''ہمیں کسی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔سارا زمانہ ہمارا مخالف ہوجائے تو ہمیں ذرا بھرتردد نہیں۔اگر سب ہمیں چھوڑ دیں تو اپنی رفاقت کیلئے صرف خدا کی ذات کافی ہے۔اگر ساری مخلوق ہماری خدمت کرنے پہ آجائے تو یہ بھی خالقِ کائنات کی طرف سے ہے۔مخلوق سے بے نیاز، پھر بھی ہماری توجہ خدا کی طرف ہوتی ہے۔ صرف وہ رحمان رحیم ذات ناراض نہ ہوجائے۔''

جوانی کی نسبت اب جبکہ آپ ہر وقت جمالی کیفیت میں ہوتے ہیں اور مکمّل مزاجِ خاکی میں آئے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی شخص آپ سے بے باکانہ گفتگو نہیں کرسکتا۔مخاطب کی نظریں خود بخود ادب واحترام سے جھک جاتی ہیں۔جو بھی جس قدر گستاخ اور متکبّر آپ کے سامنے آیا دم بخود رہ گیا۔بجائے گستاخی کرنے کے رُعب تلے اس قدر دب گیا کہ اپنی جان کا ہوش تک نہ رہا۔اس قسم کے کئی واقعات ہمارے سامنے گزرے ہیں۔آپ کا اندازِ بے باکانہ اور شانِ بے نیازی دیکھ کر تصدیق ہوتی ہے کہ واقعی آپ کی رگوں میں شہدائے کرب وبلا کا متبرک خون دوڑ رہا ہے کہ جس کے آگے ہر باطل کافور ہوتا جارہا ہے۔آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اولیاء کرام میں سے زیادہ تر صرف آلِ رسول ﷺ ہی شانِ بے نیازی کے مالک ہوتے ہیں۔وہ باطل کی طرف ذرا بھر توجہ دینا گوارا نہیں کرتے۔یہ خدا کی خاص تقسیم ہے اور ہم اس پر لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں۔

(13) دنیاداری سے نفرت

؎ میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیچ! غریبی میں نام پیدا کر (اقبالؒ)

سلف صالحین کی طرح آپ کو بھی دنیاداری سے بے انتہا نفرت ہے۔آپ کا یہ مقولہ ہے کہ ''دنیا دار مکمّل دیندار نہیں بن سکتا اور نہ ہی دیندار دنیادار بن سکتا ہے'' بقول بوعلی شاہ قلندرؒ:

؎ دین و دنیا ہر دو کئے آید بدست ایں فضولیہا مکُن ائے خود پرست

(ائے نفس پرست انسان! دین ودنیا دونوں بیک وقت کب ہاتھ آسکتے ہیں لہٰذا ایسے فضول کام کرنا چھوڑ دے۔)

فقرِ کامل کے علم بردار، سرکارِ دو جہاں ﷺ کا بھی یہی خاصہ رہا ہے۔(اس پر متعدد احادیث شاہد ہیں) آپ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فقیری سے محبّت، فقر پر فخر، دنیا سے بے نیازی اور دنیاداری سے نفرت رہی ہے۔ اس لئے ہمارے مرشد کامل امراء کے ساتھ اس قدر شانِ بے نیازی سے پیش آتے ہیں کہ اُن پر دنیا کی حقارت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے رہتے ہیں کہ ہمارا آبائی گھر ابھی تک کچا ہے جس میں ہمارا گزر اوقات ہے۔ جس قدر ہم اس میں خوش ہیں اس قدر ایک عالی شان پکے محل میں خوش نہیں ہیں۔ کیونکہ کچی مٹی خدا کے ذکر میں مصروف رہتی ہے۔ ہمیں مریدوں نے ایک کار خرید دی ہے لیکن ہم اسے اپنے لئے بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ ہم دوروں میں عام سواری پر چلے جاتے ہیں کہ کہیں ہم پر دنیاداری غالب نہ آجائے۔ جو چیز مریدوں نے دی ہے وہ مریدوں کے استعمال کرنے سے ہی ہم خوش ہو جاتے ہیں۔ مشینری گھر پر کھڑی ہے، جو مریدوں اور مہمانوں کے لئے زیادہ تر استعمال ہوتی ہے۔ کار پر جب بھی ہم قدم رکھتے ہیں تو ہمیں دنیاداری کا خیال آتا ہے۔ انسان آخر انسان ہے۔ تو ہم دنیاداروں سے خدا کی پناہ مانگ کر اس پر سوار ہو جاتے ہیں۔ نیز وہ زمانہ چلا گیا کہ خاک نشین فقیروں کے لاکھوں مرید اور عقیدت مند ہوا کرتے تھے۔ اب ہمیں ایسے دور کا سامنا ہے کہ پیر کے پاس جب تک کار اور بلڈنگ نہ ہو پیر تسلیم ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہی چیز خلافِ فقر ہے۔ جس کی عوام الناس اور آج کل کے پیروں کو خبر ہی نہیں۔ قول صوفیاء ہے ''مَوتُ الْفُقَرَاءِ رَاحَةٌ'' عیش وعشرت فقراء کیلئے پیام موت ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا:

؎ ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ۔۔۔ ایں خیال است و محال است و جنوں

(اے مسلمان! تُو خدا بھی چاہتا ہے اور دنیا بھی یہ تو ایک فضول اور ناممکن خیال ہے۔)

(14) خطراتِ نفس سے قبل از وقت خبرداری

انبیاء کرام کی ذات معصوم اور اولیاء کرام کی ذات محفوظ ہوتی ہے۔ خداوند کریم اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے اولیاء کو گناہِ کبیرہ وصغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح کہ ایک ملک کو بیرونی خطرات سے آگاہ کرنے کیلئے راڈار سے کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح ولی اللہ کے دَارُالمُلک (دل) کو نفس کے حملوں سے بچانے کے دو ذرائع ہیں، جو قبل از وقت اسے چوکنّا کر دیتے ہیں۔ (1) نورِ فراست (2) الہام۔ پہلے وہ نفس کے خطرات کو اپنی خداداد نورِ فراست کے ذریعے قبل از نقصانِ ایمان بھانپ لیتا ہے۔ اگر نفس کا حملہ اس سے بھی زیادہ سخت اور پوشیدہ ہو تو خداوند کریم خود الہام یا کسی ہاتف غیبی کے ذریعے اپنے دوست کو قبل از وقت خبردار کر دیتا ہے تاکہ وہ نفس وشیطان کے دھوکہ سے محفوظ ہو کر خلافِ شرع یا خلافِ فقر کوئی کام نہ کرنے پائے۔

انہی وارداتِ نفسانی وشیطانی کو اصطلاح صوفیاء میں خطراتِ نفس کہتے ہیں۔ انہی خطرات سے صوفیاء کو قبل از وقت خبردار کیا جاتا ہے۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی روزمرہ زندگی میں ایسی کئی باتیں مشاہدے میں آئی ہیں کہ وہ خطراتِ نفس کو اپنے قریب تک نہیں بھٹکنے دیتے۔ بطور نمونہ ایک دو باتیں ملاحظہ ہوں۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ

مرشد کی موجودگی میں کئی لوگ ہم سے دعا کیلئے کہتے مگر ہم صاف انکار کر دیتے۔ اگر ہم ایسا کرتے تو ہمیں بہت نقصان ہوتا۔فرماتے ہیں کہ حج کے موقع پر روضۂ رسول ﷺ کے بالکل سامنے ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرماویں کہ جنت البقیع نصیب ہو جائے۔ میں نے فوراً بھانپ لیا کہ یہ میرے لئے ایک امتحان ہے۔تب میں نے صاف صاف انکار کر دیا کہ سرکارؐ خود سامنے موجود ہیں۔انہیں کی ذات کو یہ درخواست پیش کریں۔ یہاں پر میری کیا حیثیت ہے۔ اس نے جس قدر اصرار کیا میں نے بار بار انکار کیا۔اس طرح دورانِ طواف بھی ایک شخص نے دعا کیلئے کہا۔میں نے سلام کر کے اس سے معذرت کی اور خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر دیا۔اگر میں ان موقعوں پر دعا کرتا تو میرا بہت نقصان ہو جاتا۔ مگر خدا کی رحمت نے قبل از وقت ہمیں خبر دار کیا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد نمازِ عشاء حاجی اسماعیل صاحب حاضر خدمت ہوئے اور قرعہ اندازی میں حصہ لینے کی اجازت چاہی۔ ایک مرتبہ تو آپ نے خاموشی اختیار کی مگر حاجی صاحب کے دوبارہ عرض کرنے پر آپ نے طوعاً کرھاً کہہ دیا چلو ٹھیک ہے حصہ لے لو۔ حاجی صاحب تو چلے گئے۔ آپ نے آرام فرمایا۔ بندۂ ناقص (راقم الحروف) اس رات اکیلا آپ کی خدمت میں موجود تھا۔صبح کی نماز پڑھتے ہی چونکہ اس دن آپ کی گھر جانے کو تیاری تھی۔ پوچھا! معلوم نہیں حاجی صاحب آئیں گے یا نہیں۔ میں نے عرض کی حضور وہ تو لازمی آپ کو رخصت کرنے کیلئے آئیں گے۔ چنانچہ چند لمحات بعد حاجی صاحب حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا حاجی صاحب! قرعہ اندازی میں حصہ نہیں لینا۔

رات کو جب میں چارپائی پر لیٹا تو چارپائی پر آ کر ایک شخص بیٹھ گیا۔میں نے اٹھ کر پوچھا صاحب کون! جواب دیا شاہ صاحب میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں۔ آپ کو بتانے آیا ہوں کہ آپ ایسا حکم کیوں دیتے ہیں جو شریعت میں منع ہے۔میں نے ان سے مصافحہ کر کے سرِ نیاز خم کیا۔تب وہ تشریف لے گئے۔ مجھے فوراً آپ کی قرعہ اندازی کی بات یاد آ گئی۔ کیونکہ کل اس کے علاوہ اور کوئی ایسا معاملہ پیش نہ آیا جس میں مَیں نے تردّد محسوس کیا ہو۔لہٰذا آپ اس بات کو چھوڑ دیں۔ حاجی صاحب نے قدم بوس ہو کر اس ارادے سے توبہ کر لی۔اس کے علاوہ اور کئی ایسی باتیں ہمارے مشاہدے میں آئی ہیں۔ہم حیران رہ جاتے کہ آپ کو ان باتوں کی قباحت کا کیسے پتہ چلا جبکہ ظاہری طور پر ان کے نفع ونقصان کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔جب آپ سمجھاتے یا عملی طور پر کام وقوع پذیر ہوتا تب ہم یقین کر لیتے۔

خطراتِ نفس کا کھوج لگانا ایک نہایت مشکل کام ہے۔اس بارے میں آپ ایک نہایت معنی خیز لطیف واقعہ بیان فرماتے رہتے ہیں کہ ایک بزرگ ایک ولی اللہ کی زیارت کیلئے آئے۔ جب رخصت ہوئے تو ان کے مریدوں نے پوچھا حضور! یہ کون تھے جو آپ کے مشابہ اور آپ کے مقام پر فائز دکھائی دیتے تھے۔ جواب دیا کہ یہ فلاں جزیرے میں مصروف عبادت رہتے ہیں۔ واقعی بڑے مرتبے پر فائز ہیں، مگر اب عنقریب اپنے مقام سے گرنے والے ہیں۔ایک مرید

نے عرض کیا حضور! وہ کیسے؟ بتایا کہ انہوں نے ایک دن پانی پر بارش ہوتے ہوئے دیکھی، جب کہ ساتھ والی زمین پر بالکل قحط و خشکی کا سماں تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ بھلا ایسا اُلٹا کام کیوں ہو رہا ہے؟ اس خیال سے ہی چونکہ انہوں نے قدرتِ خداوندی میں اپنی سوچ کا دخل دیا۔ خدا اُن پر ناراض ہو گیا، اس لئے وہ عنقریب زوال میں آنے والے ہیں۔ مرید نے عرض کیا پھر حضور آپ اُنہیں یہ بات بتا دیتے۔ شاید وہ پشیمان ہو کر اس خیال سے توبہ تائب ہو جاتے۔ مرشد نے بتایا میں بھی ڈرتا تھا کہ ان کے اس راز سے خدا نے صرف مجھے مطلع فرمایا تھا۔ اگر میں راز کی بات اُن کے سامنے ظاہر کر دیتا شاید وہ قہّار ذات مجھ پر بھی ناراض ہو جاتی۔ ہاں اگر تُو نے انہیں بتانا ہے تو جا کر انہیں بتا دو۔ مرید نے عرض کیا اب تو معلوم نہیں کہ کہاں چلے گئے۔ مرشد نے فرمایا ان کے پاس تجھے پہنچا دینا میرا کام ہے۔ آنکھیں بند کرو۔ مرید نے جب آنکھیں کھولیں تو جزیرے میں ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ بزرگ سے ان کے خطرۂ نفس خیال کے بارے جب بتایا تو وہ سمجھ کر فوراً سجدے میں گر کر بارگاہِ الٰہی میں اپنے نفسانی خیال سے توبہ تائب ہو گئے اور زوالِ مقام سے محفوظ رہے۔

اس واقعہ کے بعد آپ فرماتے رہتے ہیں کہ ایسی باریک دُور رَس غلطیاں خطراتِ نفس کے زمرے میں آتی ہیں۔ ان کی حیثیت ابتداء میں ظاہری طور پر فقر میں ایک ماچس کی چھوٹی سی تیلی کی طرح ہوتی ہے۔ جس سے ایک بڑا شہر بھی نذرِ آتش ہو سکتا ہے۔ خداوند کریم اپنے خاص رحم و کرم سے ایسی غلطیوں سے بھی اپنے دوستوں کو باخبر کر کے محفوظ فرماتا رہتا ہے۔

(15) جو بات زبان سے نکلی، پوری ہوئی

اولیاءاللہ کو ظاہری طور پر ہم جانتے ہیں مگر ان کی حقیقت خدا کی ذات کے بغیر اور کسی کو معلوم نہیں۔ ان لوگوں کا جسم تو ایک ہی جگہ ہوتا ہے مگر تصرّفات ساری کائنات پہ کرتے ہیں۔ لب یہاں ہلتے ہیں، تبدیلی عرشِ بریں پر واقع ہوتی ہے۔ بات زمین پر منہ سے نکلتی ہے۔ مگر ہلچل حریمِ کبریا میں مچ جاتی ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ میری نوائے شوق سے شور حریمِ ذات میں — غلغلہ ہائے الاماں بُت کدۂ صفات میں

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ گفتۂ او گفتۂ اللّٰہ بود — گرچہ از حلقومِ عبداللّٰہ بود

(ولی اللہ کی بات خدا کی بات ہوتی ہے اگرچہ ظاہری طور پر ولی اللہ کی زبان سے نکل رہی ہے۔)

مرشد کریم سلطان الفقراء حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری مدظلہُ العالی کی زبان مبارک سے بھی جو بات نکلی پوری ہو کے رہی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک کامل ولی اللہ کسی بات کا دعویٰ بھی نہیں کرتا جب تک اسے اس پر مکمّل دسترس حاصل نہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں ''اسے مرید رکھنا حرام ہے جو لوحِ محفوظ پر تصرّف نہ کر سکے۔''

آپ کی محفل میں متعدد ایسے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے گزرے کہ ایک طرف آپ کا فرمانا تھا اور

دوسری طرف کام ہو کے رہ گیا۔ بموقع دورہ بارتھی 1990ء لوگوں نے عرض کیا حضور بارش کی سخت ضرورت ہے دُعا فرماویں بارش ہو جائے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن بارش اس وقت آئے گی جب ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن روانہ ہو کر ہم آگے نکلے اور پیچھے بارش شروع ہوگئی۔ ایک مرتبہ آپ کے خلیفہ صوفی منظور صاحب جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شکایت کی کہ میری بیوی آپ کی بہت گستاخ ہو چکی ہے۔ میں اس سے تنگ آ گیا ہوں۔ حضور! مہربانی فرما کر اس کے حق میں دُعا فرمائیں خدا اسے ہدایت نصیب فرمائے۔ آپ کی دعا کرنے کی دیر تھی کہ دوسرے دن آ کر بیعت ہوگئی۔ آج کل وہ اپنے مرشد سے بے انتہا عقیدت رکھتی ہے۔ عرس کے موقع پر خود بنوں شریف خاوند کے ساتھ جا کر لنگر میں رات دن کام کرتی ہے۔ اس طرح خداوند کریم نے آپ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔

آپ کی جوانی کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دورے پر آپ علاقہ ''ہنگو'' تشریف لے گئے۔ پہاڑی علاقوں میں بہت سادہ لوح لوگ رہتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کا اُن پر کافی اثر تھا۔ جس مرید کے ہاں آپ تشریف لے گئے وہاں کافی لوگ زیارت کیلئے آ کر اکٹھے ہو گئے۔ اُن میں تبلیغی جماعت والے بھی موجود تھے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ عرصہ سے یہاں بارش نہیں ہوئی۔ مخلوقِ خدا تنگ آ چکی ہے۔ آپ نے تبلیغیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ رات دن اللہ اللہ کرنے کے غرور میں رہتے ہو ہر ایک اپنے آپ کو خدا کا دوست خیال کرتا ہے ان لوگوں کیلئے خدا سے بارش نہیں مانگ سکتے؟ جو ہر وقت تمہاری خدمت کرتے ہیں۔ سب تبلیغی طنز و تنقید کے ساتھ بولے ہم نے سنا ہے کہ اولیاء اللہ کی دعا قبول ہوتی ہے آپ ہی دُعا کر لیجئے! چنانچہ آپ نے جلال میں آ کر ہاتھ اٹھائے۔ بعد از دعا لوگوں کو حکم فرمایا کہ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ بارش آنے والی ہے بدعقیدگی کی بناء پر کچھ لوگ یقین کرنے کو تیار نہ تھے مگر باہر ہلکی ہلکی بارش آن شروع ہوگئی۔ یہ چیز دیکھ کر سب گھروں کی طرف دوڑے یہاں تک کہ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ آپ ﷺ نے بالکل سچ فرمایا ''اَنَا عِندَ مُنکَسِرَۃِ قُلُوبِھِمْ'' (میں (اللہ) شکستہ دِل لوگوں کے پاس ہوتا ہوں۔)

آپ نے بارش کے دوران ہی تیاری کر لی اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ بارش کے فوراً بعد لوگ زیارت کیلئے آئے مگر آپ کو وہاں نہ پا کر اپنی بدعقیدگی اور کمزوریٔ ایمان پر بہت شرمندہ ہوئے۔ کفِ افسوس ملتے ہوئے واپس لوٹے۔

(16) آپ کی توجّہ اور نگاہِ جلالی

اولیاء کرام چونکہ خداوند کریم کے اسماءِ جلالی و جمالی کے مظہر ہُوا کرتے ہیں، اُن پر ہر وقت کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور طاری رہتی ہے۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن — گُفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان
قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی پر اس قسم کی کیفیات خاص کر محفل سماع کے وقت طاری ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ علاقہ بہل (بھکر) سالانہ عرس کے موقع پر بعد از سماع ایک شخص بیعت ہونے کو حاضر ہوا۔ بعد از بیعت آپ نے اس کے قلب پر انگشتِ شہادت رکھ کر زور سے فرمایا ''اللہ'' حاضرین پر رقت طاری ہوگئی۔ وہ شخص توجہ باطنی برداشت نہ کرتے ہوئے بے ہوش ہوگیا۔ چند لمحہ بعد جب ہوش میں آیا تو اس کا قلب جاری تھا۔ سب اہل مجلس نے اس کا مشاہدہ کیا۔ اس طرح ایک شخص نے علاقہ کروڑ لعل عیسن میں آپ کو تنگ کیا کہ حضور! مجھے حال نہیں آتا آپ نے اسے سمجھایا کہ صاحبِ حال بننا آپ جیسوں کا کام نہیں۔ آپ تو ایک نگاہ کے بھی متحمل نہیں ہیں۔ آخر کار اس کے بار بار اصرار پر آپ نے فرمایا کہ محفلِ ذکر میں میرے سامنے آ کر بیٹھ جانا۔ اُس نے اِس طرح کیا۔ بوقت ذکر جب آپ نے اُس پر نگاہ ڈالی تو وجد میں آ کر تڑپنے لگا۔ کافی دیر بعد جب کچھ سنبھل گیا تو جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔ کسی کے قابو میں نہ آتا تھا۔ کئی دن بعد بڑی مشکل سے لوگ اُسے پکڑ کر حضرت صاحب کے سامنے لائے۔ تو آپ نے اُس پر ٹھنڈا پانی ڈلوایا۔ تب وہ ہوش میں آ گیا۔

ایک مرتبہ سالانہ عرس مبارک بنوں میں ایک شخص بضد ہوگیا کہ حضور! آپ سے جس قدر میرا فیض لکھا ہوا ہے آج ہی بیک وقت عنایت فرمادیں۔ آپ نے اُسے سمجھایا کہ بچہ! آپ کو ابھی تک وضو کرنے کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ یہ تو ایک بہت وزن دار چیز ہے۔ جب اس قابل بنو گے تو ضرور مل جائے گا۔ مگر وہ نہ مانا۔ بالآخر آپ نے اس کی پُشت تھپتھپائی اور وصیت کی کہ واپسی پر فلاں مزار پر جانا۔ جب اُس مزار پر حاضر ہوا تو صاحبِ مزار سے ایک ایسا جلوہ نکلا کہ وہ تاب جلوہ نہ لاتے ہوئے دیوانہ ہوگیا۔ کپڑے پھاڑ کر گریبان چاک کر کے جنگل کی طرف نکل گیا۔ کچھ دن بعد اس کے رشتہ دار اسے پکڑ کر بنوں لائے۔ آپ نے حوض کا پانی دم کر کے اس پر ڈالا تب وہ ہوش میں آ گیا حضرت صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا حال سناؤ! اور فیض چاہیے؟ وہ قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔

آپ فرمایا کرتے ہیں کہ شروع شروع میں مَیں بہت جلال میں رہا کرتا تھا جو بھی میرے سامنے آ کر بیعت ہو جاتا اس پر نگاہ پڑنے کی دیر تھی کہ وہ ذکر ''اللہ ھو'' سے مست ہو کر مجذوب بن جاتا۔ تب میں نے انتہائی ضبط سے کام لینا شروع کر دیا۔ اب شکر الحمد للہ حسبِ استطاعت مرید پر نگاہ ڈالتا ہوں۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ گرچہ ہے میری جستجو دَیر و حَرم کی نقشبند میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سُومنات میں

(17) جلالی کیفیت

؎ شوکت سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود فقر جنید و بایزید، تیرا جمالِ بے نقاب (اقبالؒ)

اولیاء اللہ چونکہ اخلاقِ الٰہی اور اوصافِ الٰہی کا مظہر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں سے خدا کے قہر و جلال اور ستاری و غفاری کی نمود بھی ناگزیر ہے۔ ہر ولی اللہ پر جلالی کیفیت طاری ہوا کرتی ہے، جس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ وہ اس عالم سکر و بے خودی میں اپنی خودی سے بھی باہر دیدارِ یار میں مستغرق ایک اَن ہونی بات کو لبِ یار سے ہونے کے قابل بنا

دیتے ہیں۔ البتہ یہ حالت دائمی نہیں بلکہ لحاتی ہوا کرتی ہے۔ اولیاءِ کاملین دو حالتوں سے باہر نہیں۔ یا جلالی حالت یا اکثر و بیشتر جمالی حالت میں ہوا کرتے ہیں۔ جلالی کیفیت کی یہ امتیازی شان ہوتی ہے۔ کہ اس حال میں جو بھی اشارہ فرمادیں یا زبان سے بولیں، اسی طرح وقت کے مطابق ضرور بالضرور ہو ہی جاتا ہے۔ کیونکہ:

ع گفتہ او گفتہ اللہ بود

ہمارے مرشدِ کامل، بابا بنوں والی سرکار عالم جوانی میں اکثر جلالی حالت میں رہتے تھے۔ آج کل وہ تقریباً مکمّل جمالی حالت میں ہوتے ہیں۔ مگر حالت جلالی میں جو بھی بات ان کی زبان سے نکلتی ہے پوری ہو کے رہتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں علاقہ ''ٹل''، ضلع کوہاٹ گیا وہاں ایک نہایت غریب شخص صواب گل نامی پٹھان تھا جو آب کشی کا کام کرتا تھا میں قریبی پہاڑ میں کبھی کبھار صرف ذکر وفکر یا مریدوں کے پاس دورے کیلئے جاتا تو صواب گل کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔ چنانچہ ایک دن ہم اس پہاڑ میں سفر کر رہے تھے ذرا ستانے کیلئے ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئے۔ دیدارِ الٰہی کا شوق اس قدر بڑھ گیا کہ مجھ پہ حالت طاری ہوئی اتنا رویا کہ اس پتھر پر آنسو پانی کی طرح بہنے لگے۔ صواب گل ساتھ حیران بیٹھا تھا۔ معلوم نہیں کہ بابا جی کو کیا ہوا؟ میری نگاہ جب صواب گل پر پڑی تو کہا ''تو ہم سے کیا مانگتا ہے''؟ صواب گل نے عرض کی کہ بابا جی غربت سے تنگ ہوں خدا صرف یہ تنگدستی دور فرمادے۔ میں نے اسی وقت دعا کر دی ہم دورے کے بعد واپس گھر آ گئے خداوند کریم نے دُعا مستجاب فرمائی دوسرے دورے پر جب میں گیا تو وہی صواب گل دولت سے مالا مال اپنا مکان بنوا رہا تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے میری دعوت کی میں اس کے گھر گیا نہایت امیرانہ گھر بنایا ہوا تھا اور کافی دولت کا مالک بن چکا تھا چونکہ دولت سے میری لگتی نہیں ہے پھر میں نے مدت ہوئی کہ اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بارتھی میں مختلف اولیاء کرام کی بیعت وطریقت اور توجہ کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں آپ جلال میں آئے اور فرمایا کہ ''اس فقیر کی بیعت سب اولیاء کی بیعت ہے میں ساری دنیا کا ولی ہوں میرے مشورے کے بغیر اس دنیا میں کوئی تصرّف نہیں کیا جاتا۔ میری دعا ہے کہ میرا ہر صادق مرید وہ جس بزرگ کا خیال کرے خواب میں ضرور زیارت کرے گا۔ (اسی کا نام فیضِ باطنی ہے) کیونکہ چاروں سلاسل میرے ہاتھ میں ہیں۔ مزید برآں میں آلِ رسول ﷺ ہوں اور طریقت ومعرفت شکر الحمدللہ ہمارے ہی گھر کی چیز ہے۔ تشنۂ معرفت کی پیاس یہاں سے ہی بجھ سکتی ہے''۔

اسی طرح ایک دن بہشتی دروازے کے بارے میں باتیں ہوئیں۔ آپ نے جلال میں آ کر فرمایا ''اس فقیر کا چہرہ دیکھنے کے علاوہ جس نے پس مُردن بشرطیکہ صاحب ایمان ہو میرا مزار بھی دیکھا تو انشاءاللہ بہشتی ہے''۔

ایک موقع پر فرمایا ''کہ ہم کوئی عام آدمی نہیں ہیں، مگر ہم میں خداوند کریم نے انتہائی ضبط رکھا ہوا ہے۔ انشاءاللہ

میرے انتقال کے بعد ہر اہلِ ایمان میری قبر سے نور کے شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے گا۔ اور میں اپنے مریدوں کو اسی طرح ملوں گا جس طرح کہ زندگی میں ملتا ہوں''۔

آپ اپنے مریدوں کو وصیت کرتے ہیں کہ کسی ولی اللہ کے جلال کے وقت اس سے اپنے دین وایمان جیسے خاص مقصد کیلئے دعا کی التجا کیا کریں ضرور قبول ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت وہ عشقِ الٰہی کی آگ میں بریاں حریمِ کبریا میں حاضر ہوتا ہے اور خدا کے سامنے تو کوئی مشکل ہے ہی نہیں۔

؎ خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے (اقبالؒ)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں حلقۂ مریدان میں تشریف فرما تھے کہ ایک دوست نے حضرت شیخ فرید الدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کے بارے میں بتایا کہ ملتان میں ایک بزرگ نے بحکمِ الٰہی اعلان کرایا کہ جو شخص کل مجھے دیکھ لے وہ بہشتی ہوگا۔ دوسرے دن بزرگ نے اس فیضِ الٰہی کی ارزانی کیلئے بازار کا گشت لگایا خلق خدا کا ہجوم تھا۔ تو شیخ فریدالدّین رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کو جب پتہ چلا تو چھپ گیا اور انہیں نہ دیکھا۔ کچھ عرصہ بعد جب اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا تو مرشد کے استفسار پر مرید نے عرض کیا حضور! آپ کے دیکھنے سے بھی اگر بہشت نہ ملی تو ہمیں کسی اور سے بہشت لینے کی ضرورت ہی نہیں اس پر حضرت شیخ فریدالدّین شکر رحمۃ اللہ علیہ جلال میں آئے اور فرمایا کہ اس بزرگ کے لئے صرف وہی ایک ہی دن تھا مگر میرے اس دروازے میں سے قیامت تک جو گزرے گا بہشتی ہوگا۔ (جو کہ آج تک بہشتی دروازے کے نام سے مشہور اور موجود ہے) یہ بات سن کر مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی جلال میں آئے اور ارشاد فرمایا کہ مجھ فقیر کی صرف قبر کی مٹی کو قیامت تک جو شخص بحالت ایمان دیکھ لے بہشتی ہوگا (انشاءاللہ)۔ اس کے بعد محفل پر خاموشی چھا گئی اور آپ خلوت گزیں ہوئے۔

(18) وارداتِ قلبی سے استغراقی کیفیت

؎ کُشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است (احمد جامؒ)

(جو تسلیم ورضا کے خنجر کے گھائل ہوئے انہیں ہر لحہ خدا کی بارگاہ سے ایک اور جانِ تازہ عطا ہوتی ہے)

قلوبِ اولیاء خدا کی رحمت کیلئے زمین پر بارشی پانی کے تالابوں کی مانند ہیں۔ آسمان سے دو قسم کی بارش کا نزول ہوتا رہتا ہے ایک ظاہری بارش جو وقتاً فوقتاً بادلوں کے ذریعے نازل ہوتی ہے جس کی جائے قرار تالاب ہوتے ہیں۔ دوسری باطنی اور رحمت کی بارش جو رات دن مسلسل خدا کے ذکر کے ذریعے نازل ہوتی رہتی ہے اور اس کی جائے قرار قلوب اولیاء ہیں جو کہ اہل ذکر ہیں۔ گویا قلوبِ اولیاء رحمت الٰہی کے تالاب ٹھہرے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ حق فشاند نور را بر جانہا مُقبلاں برداشتہ دامانہا

(خدا کی طرف سے رات دن روحِ انسانی پر انوار کی بوچھاڑ ہوتی رہتی ہے۔ ساری مخلوق خواب غفلت میں سوئی

پڑی رہتی ہے مگر صرف بیدار بخت مقبولانِ بارگاہ اپنے دلوں کی جھولیاں پسارے بیٹھے ہوتے ہیں۔)

اولیاء کرام کے لئے جلالی حالت سے آگے حالتِ سکر ہے۔ حالتِ سکر اور حالتِ جلال کے بین بین حالت استغراق ہوتی ہے، جو گویا کہ حالت سکر کی دہلیز ہے۔ مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی پر اکثر و بیشتر بوقت ہجوم، بوقت ذکر یا بوقت سماع، حالتِ استغراق طاری ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت آپ پر مکمّل سکوت چھا جاتا ہے۔ عارف جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسی حال کی مناسبت سے فرمایا تھا۔

ع یکبار میرد ہر کسے بیچارہ جامیؒ بارہا

(ایک بار تو ہر کوئی جان دیتا ہے مگر جامی نے یہ کام بارہا کیا ہے۔) ظاہری طور پر لوگ آپ کے ہاتھ مبارک بھی چومتے رہتے ہیں کیونکہ آپ میں قوتِ ضبط انتہا کی ہے۔ آپ بھی بادل ناخواستہ ان سے باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ (خدا سے اور مخلوق سے بیک وقت رابطہ رکھنا اس دنیا میں صرف اولیاء کرام کی انفرادیت ہے) یا بعض اوقات آپ صرف سر مبارک ہلانے تک بات محدود رکھتے ہیں۔ جب حالتِ استغراق سے واپس لوٹتے ہیں تو قریب ہی بیٹھے ہوئے آدمی کی دوبارہ بڑی توجہ سے مزاج پرسی کرنے لگ جاتے ہیں گو کہ پہلے اس کی مزاج پُرسی کر چکے ہوتے ہیں۔ پھر یہاں تک کہ محفل میں دُور دُور تک نگاہ ڈال کر دوستوں کو بُلا کر ان سے حسب ضرورت باتیں پوچھتے ہیں۔ وجہ ایسے موقعوں پر واردات قلبی (رحمت حق کا انوار و تجلّیات کی صورت میں زیادہ اور تیزی سے نازل ہونا) مخلوق کو سیراب کرنے کی خاطر معمول سے تیز ہونے لگتے ہیں جس طرح کہ اولیاء کرام کے عرسوں پر مخلوق کے ہجوم کی وجہ سے نزولِ رحمت عام حالات سے زیادہ ہو جاتی ہے تاکہ ساری آئی ہوئی مخلوق ولی اللہ کے فیض سے محروم نہ رہ جائے۔ خداوند کریم آلِ رسول بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی جیسے مردِ کامل کی عمر دراز فرمائے تاکہ امت محمدی کی ظاہری و باطنی سیرابی فرماتے رہیں اور اپنی نورِ نگاہ سے ان کی ظاہری و باطنی اصلاح فرماتے رہیں۔ آمین۔

(19) مشاہدات و مکاشفاتِ غیبی

اولیاء کرام کمال تقویٰ سے اپنے آئینہ دل کو پاک و شفاف کر لیتے ہیں پھر بقول رومیؒ:

؎ آئینہ دل را چوں داری صاف و پاک نقشہا بینی بروں از آب و خاک

(جب تُو آئینہ قلب کو پاک کرے تو زمین و آسمان کے علاوہ اور کئی چیزیں اس میں سے دیکھ لے گا۔)

مکاشفات غیبی کا مطلب ایسی پوشیدہ حقیقت کا دیکھنا جو عوام الناس کی دسترس سے باہر ہو۔ جس طرح کہ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں ''یہ آسمان جو تمہیں نظر آ رہا ہے اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس میں خدا نے ہزاروں مخفی راز رکھے ہوئے ہیں۔ ولی کامل کی روح اس سے بھی اوپر پرواز کر کے چلی جاتی ہے۔ تمام آسمانوں کو عبور کرنے کے بعد ایک وسیع و عریض تختی آ جاتی ہے جسے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ اسے خداوند کریم بغیر اپنے

دوستوں کے اور کسی کو نہیں دِکھاتا۔ اس میں ازل سے ابد تک کے تمام تر حالات لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا فخر سے بچائے۔ وہ لوح ہمیں بھی کئی بار دِکھائی گئی ہے اور یہاں تک کہ اس میں تصرّف کرنے کا اختیار بھی دے دیا ہے۔''

ایسی آسمانی مشاہدات کی باتیں آپ بہت کم بتاتے رہتے ہیں۔ مگر زمینی مشاہدات بعض اوقات کسی خاص حال میں اظہار فرماتے رہتے ہیں۔ مثلاً دورہ بارتھی کے ایک موقع پر بعد از نماز مغرب بوقت ذکر آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ فرماتے ہیں کہ اس قدر حسین و جمیل تھے مجھے پہلے شک گزرا کہ کہیں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں۔ مگر فوراً ہاتف غیبی نے رہنمائی فرمائی کہ شاہ صاحب! یہ حسن و جمال کے پیکر حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ ہم کافی دیر تک خدا کا شکرادا کر کے انہیں دیکھتے رہے اور فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔

بموقع سالانہ عرس مبارک 1990ء سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ذکر کے ساتھ حاضری دی بعد از زیارت کسی نامعلوم شخص نے آپ پر ہمارے سامنے آ کر اسی ہجوم میں ایک سبز چادر ڈالی۔ جب باہر تشریف لائے تو فرمایا اس مرتبہ سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب اپنی شان ہمارے سامنے ظاہر کی۔ انہوں نے مسکرا کر فرمایا'' شاہ صاحب! لوگ تو ڈھول بجاتے ہوئے ہمارے پاس آتے ہیں مگر آپ ذکر کے ساتھ آئے حیرانی کی بات ہے!''۔

ہم نے جواب دیا صاحب! ہمارے پاس چیز جو یہی تھی۔ اس پر اُنہوں نے خوش ہو کر بے انتہا فیض سے نوازا یہاں تک کہ ظاہری طور پر سبز قلندری جُبّہ بھی عنایت کر دیا۔ یہ ان کی مہمان نوازی کی انتہا ہے۔

انہی سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دورہ 1991ء کے موقع مزار پر حاضری دی۔ بعد از زیارت آپ نے فرمایا کہ اس مرتبہ بھی ہم سلطان سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہم کلام ہوئے اور اُن کا فی الوجود مشاہدہ کیا۔ اُن پر انوار و تجلّیات کی اس قدر بارش تھی کہ نگاہ بار بار چُندھیا کر رک جاتی۔ مگر خصوصی درخواست کے بعد انہوں نے مہربانی کر کے بالمشافہ اپنی زیارت سے نوازا۔ انتہائی حسن و جمال کے مالک تھے۔ جتنی مخلوق اُن کے مزار پر جاتی ہے ان کے باطنی فیض و کمالات کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ خدا سب کو چشم بینا عطا کرے۔

دورۂ لاہور کے موقع پر آپ محمد اظہر بٹ صاحب کے ہاں رات کو ماڈل ٹاؤن رہے۔ سامنے گراسی پلاٹ میں آپ نے اپنی چارپائی رکھنے کا حکم فرمایا۔ علی الصّبح بعد نماز فجر بٹ صاحب کو بتایا کہ رات جونہی میں سر سرہانے پر لے گیا دیکھا کہ سامنے سے بہت سے آدمی آرہے ہیں۔ مَیں اُٹھ بیٹھا دیکھا کہ سب سے پہلے شخص حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں، دوسرے نمبر پر حضرت مکی رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک کہ لاہور کے بارہ اولیاء کا وفد میرے ملنے کو آیا۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کا تعارف کرایا۔ سب نے میری خیر و عافیت پوچھی ہم نے کافی دیر تک اُن سے باطنی معاملات پر باتیں کیں اور اُن سے فیض یاب ہوتے رہے۔ آخر میں مَیں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ تب وہ ہم سے رخصت ہوئے اور مَیں سو گیا۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ عالم جوانی میں ایک مرتبہ میں لاہور سے واپس آرہا تھا رمضان شریف کا مہینہ تھا

میرے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا۔ سحری کے وقت جھنگ میں آ کر بس رک گئی۔ وہ ساتھی سحری کھانے لگا۔ میں سیدھا دربارِ باہو رحمۃ اللہ علیہ چلا جب مزار پر حاضر ہوا تو دورانِ مراقبہ تین باران کی زیارت کیلئے ان کے وجودِ اقدس کی طرف توجہ دی۔ مگر اُن پر ہزار ہا قسم تجلّیات کی اس قدر بھر مار تھی جس طرح کہ کوئی طوفانی بارش برس رہی ہو۔ یہاں تک کہ ان سے میری بالمشافہ ملاقات نہ ہوسکی کہ صبح ہوگئی اور میں بنوں چلا آیا۔

بموقع دورہ بارتھی 1990ء علاقہ کلراچی سے گھوڑوں پر نالدف تک انتظام کر دیا گیا تھا۔ فرزند اَرجمند غریب نواز سیّد محمد نواز شاہ صاحب بھی آپ کے ہم رکاب تھے۔ راستے میں ایک قبرستان آتا ہے۔ فرمایا کہ بارتھی کے پہلے دورے پر جب ہم اس قبرستان کے قریب سے گزرے تو تین ''نور'' نے آ کر ہمیں مبارک باد دی اور استقبال کیا۔ اتنے میں علاقہ کے لوگ بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اس قبرستان میں تین بزرگوں کے مزار ہیں۔ دو سیّد ہیں اور ایک اُمتی ہے۔ آپ نے فرمایا بالکل سچ ہے نیز ارشاد فرمایا کہ یہ مجھ پر خدا کی خاص مہربانی ہے۔ مَیں جس علاقے میں جاتا ہوں وہاں کے مدفن اولیاء کرام ضرور آ کر ہمیں اپنا دیدار کراتے ہیں اور خیر و عافیت پوچھتے ہیں زندہ کارکن اولیاء (ابدل، اوتاد، قطب وغیرہ) کی ڈیوٹیاں بھی ہماری طرف سے لگتی ہیں۔ ہر علاقے کا ابدال ہماری سلامی کیلئے ہمارے آگے آجاتا ہے۔ پچھلے دنوں فورٹ منرو جاتے ہوئے گردو کے موڑوں پر اس علاقے میں مقرر ابدال نے آ کر ہماری سلامی کی۔ جب ہم ''کھر'' پہنچے وہاں پر بھی ہم سے پہلے جا کر کھڑے ہو کر انہوں نے ہمارا استقبال کیا حالانکہ ہم تو کار پر تھے اور وہ پیدل تھے۔ سب حالات وہاں بتا کر تب ہم سے رخصت ہوئے مگر ان کا ابھی تک کسی اور کو پتہ نہ چل سکا۔

علاقہ بارتھی کے موسم سرما 1991ء کے دورے پر ایک دن سوا لاکھ درود پاک کا صوفی عبدالغفور صاحب کے ہاں پروگرام تھا۔ ہم لوگ پہلے جا کر محفل درود پاک میں بیٹھے تھے۔ آپ ذرا بعد گھوڑے پر تشریف لائے۔ محفل میں بیٹھتے ہی مبارک باد دی اور فرمایا کہ ہم گھوڑے پر سے محفل میں ہر ایک دوست پر انوار و تجلّیات کا مشاہدہ کر رہے تھے جو درود پاک کے توسط سے نازل ہو رہے تھے۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں خدا نے ہمیں ایسی سعادت نصیب کی ہوئی ہے۔ سب اہل محفل کو مبارک ہو! میری وصیت ہے کہ درود پاک زیادہ پڑھا کریں درود پاک کی اتنی فضیلت ہے اگر فرض احکامات نہ ہوتے تو ہم درود پاک کے بغیر اور کوئی چیز نہ پڑھتے۔ خدا سب دوستوں کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عطا فرما دے۔ آمین۔

(20) کثیرُ الکرامات

کرامت خدا کی بارگاہ میں اولیاء کرام کیلئے ایک خاص انعام ہے۔ کرامت کا تعلّق شریعتِ محمدی میں پابندی اور یادِ الٰہی سے ہے جو جس قدر کثرت سے ذکر کرے گا اسی قدر کثرتِ کرامات کا مالک بنے گا۔ شریعت محمدی میں کامل ولی اللہ کراماتِ کُلّی کا مظہر بن جاتا ہے۔ انہی اوصاف کی بناء پر ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی بھی کثیر الکرامات

اولیاءکرام کے زمرے میں آتے ہیں۔مزید برآں سیّدالنّسب ہونے کی وجہ سے آپ کرامات کلّی کا منبع ہیں۔گوکہ آپ کے نظریے کے مطابق زیادہ کرامات دکھانا اچھی بات نہیں ہے۔مگر انعاماتِ الٰہی کی آمد کی اوسط سے اگر اخراج نہ ہوتو ضبط بھی ناممکن ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مرشد کریم مدظلہٗ العالی سے اکثر و بیشتر بغیر محتاجی جلال وسُکر کے غیر ارادی طور پر کرامات کا اظہار ہوجاتا ہے۔حالانکہ اکثر اولیاءکرام سے صرف بوقت جلال اور حالت سُکر میں کرامات سرزد ہوتے رہے ہیں۔

کتاب ہٰذا کے حصہ کشف وکرامات میں نموتاً طوالت کے خوف سے بہت کم کرامات تحریر میں لائے ہیں ورنہ آپ کے ہم رکاب لوگوں کومعلوم ہے کہ قدم قدم پرکس کثرت سے آپ سے کرامات ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔اگر آپ کی سب کشف وکرامات،ملفوظات اور آداب واخلاق کوتحریر میں لائیں تو شاید کئی ضخیم دفاتر درکار ہوں ایک ولی اللہ غوثِ زماں،قلندرِ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری سیّد بھی ہوں تو خود اندازہ لگا لیجئے کہ ان کی کون کون سی چیز احاطہ تحریر میں لائی جاسکتی ہے۔یہ چند اوراق صرف عقیدت مند حضرات کی تسکینِ قلب کیلئے ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں۔وگرنہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تبحّر علمی کے باوجود اپنے مرشد کی (حالانکہ تھے بھی امتی) کماحقہٗ تعریف کا اظہار نہ کرسکے اور یوں معذرت کی:

؎ فتنہ و آشوب، خونریزی مجو　　　　بیش زیں از شمس تبریزی مجو

(شمس تبریزی نُورِ مطلق اور اَنوارِ الٰہی سے ہیں اگر اس سے زیادہ بیان کروں تو فتنہ قیامت برپا ہو)

ہمارے مرشد کامل تو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم ناقص لوگ ان کی کون سی تعریف بیان کرسکتے ہیں۔صرف اَزراہِ عقیدت چند حروف میں ''نشانِ منزل'' کی طرف نشاندھی کی گئی ہے۔

(21) پیکرِتسلیم ورضا

اولیاءِ کرام کیلئے مقامِ تسلیم ورضا تقریباً ولایت ومعرفت کا آخری مقام سمجھا جاتا ہے۔اس مقام سے آگے مقامِ نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔مرشد کریم نے ایک مرتبہ زبانِ حال سے ارشاد فرمایا کہ ایک بندہ جب خدا کو یاد کرتے کرتے تسلیم و رضا کے مقامِ ارفع تک پہنچ جاتا ہے تو وہ خوف وخطر اور حرص وہوا سے یکسر بے نیاز ہو جاتا ہے۔ایسے ہی لوگوں کیلئے ''لَاخَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ'' فرمایا گیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ عالم جوانی میں مَیں علاقہ ''تیرا'' گیا جو کہ لق و دق پہاڑوں پرمشتمل ہے۔اس گاؤں کی حالت بہت خراب تھی۔قسم قسم کے فسادات شروع تھے۔قبائلی تعصّب عروج پر تھا۔وہاں رات کوسفر کرنا نہایت دشوار ہوتا تھا۔مَیں حالات کو بھانپ کرتقریباً عصر کے وقت واپس گھر کی طرف لوٹا۔چند فرلانگ آگے بہت بڑا جنگل آتا تھا۔جب میں جنگل کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ آگے راستے کے دونوں طرف قطاروں میں بہت مخلوق کھڑی ہوئی ہے۔مَیں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ مخلوق یہاں کیسے آئی ہے۔کوئی فوج ہے یا کوئی غیبی مخلوق یا کہیں ڈاکوؤں کی کوئی ناکہ بندی تو نہیں۔بہرحال مَیں نے اپنے آپ کوتسلّی دی کہ خدا کی طرف سے خیر ہو ہمیں کوئی خوف

نہیں ہے۔ جب مَیں اُن کے قریب پہنچا تو وہ لوگ میرے دائیں بائیں راستہ چھوڑتے ہوئے بہت ہُشیار کھڑے تھے۔ سارے جنگل کے راستے پر تاحدِ نظر محیط تھے۔ جب مَیں نے انہیں غور سے دیکھا تو اُن کی آنکھیں اوپر نیچے الٹی لگی ہوئی تھیں یعنی وہ جنات تھے اور جن کا دوسرے کو ڈرانے کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں کو اس کے سامنے زور زور اور تیزی سے جھپکاتا ہے تاکہ دیکھنے والا اس کے رُعب تلے آکر حواس باختہ ہوجائے۔ میری طرف بھی جب وہ دیکھتے تو آنکھیں جھپکاتے لیکن مجھ پر ان کا ذرا بھر اثر نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ میں سمجھ گیا کہ یہ خدا کی طرف سے میری حفاظت کیلئے جنگلی فوج مقرر کی گئی ہے یا میرا کوئی امتحان ہے۔ یہاں تک کہ مَیں پُرسکون چلتے چلتے مغرب کی نماز پڑھنے کے بہت دیر بعد، جبکہ رات بہت اندھیری تھی جنگل سے نکل کر تقریباً عشاء کے وقت ایک دوست کے گھر پہنچا۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شاہ صاحب! اس وقت اس جنگل سے آج تک کوئی سلامت نہیں بچ نکلا۔ اگر کوئی ڈاکوؤں سے بچا تو جنگلی جانوروں یا جنات کا شکار ہوگیا۔ معلوم نہیں آپ کیسے بچ آئے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ جس نے اس جنگل اور اس مخلوق کو پیدا کیا مجھے بھی وہی سلامت اس جگہ تک لایا۔

انہوں نے اسی وقت ایک بکری ذبح کر کے میری بڑی خاطر تواضع کی۔ رات وہاں رہ کر صبح واپس گھر آن پہنچا۔

آپ فرمایا کرتے ہیں کہ مَیں بہت خطرناک مقامات پر جاتا رہتا ہوں۔ تنہائی میں بہت سے چلّے وغیرہ کئے۔ رات دن جنگلوں میں رہا۔ خدا کی زمین پر بہت صحرا نوردی کی۔ بہت بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مباحثے ہوئے مگر شکر الحمدللہ میں کسی بھی مقام پر ڈرا نہیں اور نہ کوئی خوف محسوس کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو بھی خدا کی طرف سے پہنچے مجھے دل وجان سے قبول ہے۔ تو خدا بھی اپنے وعدے کے مطابق ہمارا لازمی بھرم رکھتا ہے اور ہر میدان میں سرخرو کرتا ہے۔ اس دنیا میں نہ خوشی سے اتنی محبّت ہے اور نہ غم سے نفرت ہے۔ اگلے جہان نہ بہشت کی خوشی ہے اور نہ دوزخ کا ڈر ہے۔ بلکہ وہ ذات جس حال میں رکھے ہم اس حال پہ خوش اور اس کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کئے برضا و رغبت شکر ہی ادا کرتے ہیں۔ اسی پر ہمیں اطمینان اور فخر ہے اور یہی کچھ ہمارے پاس سامانِ دو جہاں ہے اور بس۔ بقولِ اقبال:

؎ یہی کچھ ہے ساقی! متاعِ فقیر، اِسی سے غریبی میں، ہوں مَیں امیر

(22) آپ کی غذا! ذکرِ الٰہی

؎ گر خوری یک لقمہٗ از نانِ نور خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور (سعدی شیرازیؒ)

(تو اگر نور کی روٹی کا ایک ٹکڑا چکھ لے تو تنور کی روٹی ساری زندگی کیلئے بھول جائے)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سب اولیاءاللہ نے ذکرِ الٰہی ہی میں مراتب عالیہ حاصل کئے تھے اور قلب وروح کی اعلیٰ ترین غذا ''اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' سے بڑھ کر اور کوئی غذا نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے ہادیٔ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی ذکرِ الٰہی سے جنون کی حد تک شغف رکھتے ہیں۔ ملفوظات میں جا بجا آپ کو اس چیز کی جھلک نظر آئے

گی۔ آپ با قاعدہ ذکر بالجہر کا التزام فرمایا کرتے ہیں۔ حالانکہ سلسلۂ نقشبند میں ذکر بالجہر نہیں ہے مگر اس کی حکمت یوں بیان فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر نقشبندی سلسلہ میں سب سے پہلے خواجہ نور محمد اور خواجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے شروع فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے اپنے نور فراست سے یہ بھانپ لیا کہ لوگوں کے دل اس آخر دور میں اس قدر سخت ہو گئے ہیں کہ ذکر جہر کے زوردار جھٹکے جب تک ان کے قلوب کو نہ لگیں اس وقت تک ان پتھروں کا موم ہو کر پگھلنا بہت مشکل ہے۔ اولیاء اللہ کا کام چونکہ (نسخہ تسخیر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ) (کے ذریعے) قلوب پر توجہ دیکر ان کو پھیرنا اور پھر زندہ کر کے ذکر الٰہی میں لگانا ہے۔ اس لئے یہ نسخہ پہلے خفی کی صورت میں استعمال ہوتا رہا اور اب بھی وہی نسخہ وقت کے ساتھ ساتھ جلی صورت میں استعمال ہونے لگا۔ آپ کا اپنا قلب اطہر صاف صاف ذکر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ یا اَللّٰہ ھُوؔ سے جاری رہتا ہے۔ بعض اوقات حاضرین کو آپ کے سینہ کے برابر آپ کا قلب اطہر صاف صاف حرکت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور کئی جلیسوں کو آپ کے قلب اطہر کی آواز بھی سنائی دی۔ آپ کبھی دن کو اور کبھی رات کی تنہائیوں میں اٹھ کر ذکر شروع فرماتے ہیں اور کبھی آپ کے خلوت خانہ سے صلوٰۃ وسلام کی آوازیں گونجتی ہیں۔ جہاں جاتے ہیں ذکر کے ساتھ جاتے ہیں اور جہاں قیام فرماتے ہیں وہاں ہر گھنٹہ یا دو گھنٹہ بعد محفل میں ذکر کراتے ہیں اور فرماتے ہیں ہمارا کام اس علاقے میں ذکر الٰہی پہنچانا تھا۔ آگے قسمت والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور بدقسمت محروم رہ جاتا ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمارے حلقۂ احباب میں جہاں ذکر کا زیادہ اہتمام ہو ہم وہاں زیادہ تر جانا پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں خدا کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے آپ مریدوں کو اکثر فرمایا کرتے ہیں ذکر کیا کرو یہی ذکرِ خدا دونوں جہانوں میں ساتھ دینے والی چیز ہے باقی ہر شئے کو فنا ہے۔

آپ غذا بہت ہی کم تناول فرماتے ہیں لوگ ابھی کھا رہے ہوتے ہیں، آپ دست کش ہو جاتے ہیں۔ یا صرف نمک کے ساتھ روٹی کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ یا بعض اوقات متواتر کھانا کھاتے ہی نہیں۔ بسا اوقات خاص خاص مریدوں کو ازراہِ تربیت زیادہ کھانے سے منع فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ نُورِ معرفت بھرے پیٹ میں نہیں آیا کرتا۔ ہم تو صرف مخلوق کے فائدے کی خاطر کچھ نہ کچھ کھانا کھا لیا کرتے ہیں وگرنہ ہمارا کھانا پینا سب ذِکرِ الٰہی ہے اور ذکر الٰہی وہ لذیر ترین غذا ہے جو کہ باقی ساری دنیاوی غذاؤں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

بعض دوست جب پہلی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں وہ آپ کی قابلِ رشک صحت کو دیکھ کر خیال کرتے ہیں کہ حضرت صاحب اچھا بھلا کھانا کھاتے ہونگے۔ مگر جب انہیں ایک یا دو دن کی صحبت کی باریابی ہوتی ہے تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنا کم کھانے کے باوجود اس جسم کی صحت اور طاقت کیسے بحال ہے۔ وہ آپ کی باطنیّت کا آخر کار زبانِ حال سے اقرار کر ہی لیتے ہیں۔ اب عام حالات میں آپ پر ضُعف البدنی چھائی ہوئی ہے مگر ذکر کے وقت آپ میں کوئی ایسی غیبی قوت آ جاتی ہے جیسے کہ جوان ہیں۔ ایک بزرگ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ انتہائی کمزور ہر وقت سہارے کے محتاج رہتے

مگر جونہی روحانی غذا ''سماع'' شروع ہوتا اس قدر وجد میں آتے کہ دس آدمیوں سے بھی قابو میں نہیں آسکتے تھے۔ یہی حال ہمارے مرشد کریم کا ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ہم نے جتنے مراتب حاصل کئے اسی ذکر کے طفیل سے کئے اور ہمارے جسم میں کئی سخت جسمانی عارضے موجود ہیں مگر ذکرِ خدا کی برکت سے وہ دبے ہوئے ہیں زیادہ زور نہیں پکڑتے۔

ایک مرتبہ حلقۂ احباب میں بیٹھے ارشاد فرمایا کہ ہمیں اس دنیا میں صرف دو کام اچھے لگتے ہیں ایک ہمہ وقت ذکر کرنا اور دوسرا بعض اوقات چائے پینا۔ اس لئے ہماری خداوند کریم سے ہر وقت یہی التجا ہے کہ اس دنیا میں ذکر کے ساتھ رہیں اور اس دنیا سے جاتے وقت بھی ذکر کے ساتھ ساتھ جائیں ہم اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں سمجھتے۔

(23) زُود اثر وعظ و نصیحت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک انقلابی رہنما کی انفرادی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ چوں پیغمبر از بروں بانگے زند　　　جانِ اُمت در دروں سجدہ کند

''ہر قاصد حق و صداقت جب اندرونی سوز و گداز اور دل کی گہرائیوں سے آواز نکالتا ہے تو قوم کے اتھاہ ضمیر سے انقلابی روح پیدا ہو کر دل و جان سے لبیک کی آواز بلند کرتی ہے۔'' علاّمہ اقبالؒ کے الفاظ میں:

''دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے'' دل سے صرف اس کی بات نکلتی ہے جو صاحب دل ہو۔ اور صاحب دل وہی ہوتا ہے جو اپنے دل کو خس و خاشاکِ غیر اللہ سے پاک وصاف کر کے صرف مالک و خالق کو اس میں بسائے۔ پھر اسی دل سے نکلا ہوا کلام ''کلام رب'' ہوتا ہے۔ اور کلام رب ہی میں تاثیر خارا شگاف (سخت سے سخت چیز کو چیرنے والی تاثیر) موجود ہوتی ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بندۂ خدا کی گفتگو کو گفتِ حق اور اس کی صحبت کو صحبتِ حق اسی حکمت کی بناء پر کہا تھا۔

بے عمل اور خراب دل انسان ہزار دھاڑیں مارتا پھرے کوئی توجہ تک نہیں دیتا۔ مگر ایک باعمل، باکردار اور صاف دل انسان آواز نکالتے ہی دوسرے کے دل پر قبضہ کر لیتا ہے۔ یہی تاثیر کیمیا ساز اولیاء کرام کے پاس ہے۔ ہمارے مرشد کامل ہادئ مکمّل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کی محفل وعظ و نصیحت میں یہی چیز کارفرما ہے جو شخص صرف ایک مرتبہ آپ کی محفل میں آئے اتنا متاثر ہو جاتا ہے کہ بار بار آنے کا خواہشمند رہتا ہے۔ اقرار کر لیتا ہے کہ واقعی آپ ولی اللہ اور مرشدِ کامل ہیں جو مرید ہو جاتا ہے وہ تو پا ہی جاتا ہے۔ مگر بغیر مرید ہوئے بھی ہم نے کئی آدمی صرف ایک مرتبہ آپ کی محفل میں آنے سے داڑھی رکھے ہوئے اور توبہ تائب ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔ جو باتیں آپ محفل میں بیان فرماتے ہیں حاضرین کے دل و دماغ میں اس طرح بیٹھ جاتی ہیں کہ تا زیست بھولنے کو نہیں آتیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ایک تو اولیاء کرام پر لوگوں کے قلوب کو نرم کرنے کیلئے خدا کی رحمتِ خاص نازل ہو رہی ہوتی ہے دوسرا اُن کی پُر تاثیر زبان! ضرب کلیمانہ کا کام کرتی ہے۔ تیسرا ان کی باطنی توجہ بھی در پردہ کام کر رہی ہوتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے ہی عوامل کو دیکھ کر اولیاء اللہ کے بارے اظہار خیال تھا:۔

؎ کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا؟ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں!

اسی وجہ سے ہمارے مرشد کریم فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری محفل میں جو آئے خالی ہاتھ واپس ہرگز نہیں جاتا۔ بقول اقبالؒ:

؎ اگر پندے ز درویشے پذیری ہمہ عالم بمیرد تو نمیری

(بارگاہِ ولی سے اگر کوئی ایک ہی کارگر نصیحت لے کے جائے تو اس کی دونوں جہانوں کی سعادت مندی کا وسیلہ بن جاتی ہے۔)

یہ بات بار بار ہمارے مشاہدے میں آئی ہے کہ جو بھی سنگدل آپ کی صحبت میں آیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آپ کے اس قدر عقیدت منداور جانثار مرید یہی آپ کی وعظ ونصیحت کی زوداثری کا ثبوت تو ہیں۔ خدا سب کو آپ کی صحبت نصیب فرما کر اپنی رحمت کا مستحق بنادے۔ آمین۔

(24) شعری اور استحسانی ذوق

صاحبِ ذوق اور زندہ دل انسان کیلئے شعروشاعری سے دلچسپی ایک لازمی جزو ہے۔ دراصل حقیقت پر مبنی سب شاعری خواہ عربی ہو یا فارسی، اردو ہو یا سرائیکی، پشتو ہو یا بلوچی صوفیاء کرام کے باطنی ذوق کا ورثہ ہے۔ سب صوفیاء کرام کو شعری استحسان سے ہر دور میں زیادہ سے زیادہ شغف رہا ہے۔ اس لئے ہمارے مرشد کامل کو بھی صوفی المشرب ہونے کی بناء پر شعروشاعری سے کافی دلچسپی ہے۔ فارسی زبان کے تمام صوفی شعراء کے کلام سے آپ کو متعدد چیدہ چیدہ اشعار یاد ہیں۔ اور بروقت حسبِ موضوع بڑے ترنم کے ساتھ پڑھ کر اپنے کلام میں حُسن بھرتے ہیں۔ خاص کر مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو دلی لگاؤ ہے اور فارسی دان دوستوں کو باقاعدہ اس کے پڑھنے کی بھی ہدایت فرماتے رہتے ہیں کہ عارفانہ کلام کا پڑھنے والا خدا کی رحمت سے ضرور بہرہ ور ہوجاتا ہے۔ اُردو شعراء میں سے آپ اکثر و بیشتر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار پڑھتے رہتے ہیں۔ پشتو زبان میں بھی کافی صوفی شعراء ہوگزرے ہیں مگر پشتو ادب میں جس قدر پشتو زبان کے صوفی شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو مقبولیت حاصل ہے اور کسی کو نہیں۔ آپ نے بھی دراصل مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق کے نعم البدل آسان مادری زبان شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو اختیار کیا ہوا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ بابا عبدالرحمٰن نے بھی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح لطیف ترین اسرار ورموزِ تصوف بیان کر کے زندگی کے کسی بھی شعبہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ معلوم ایسے ہوتا ہے کہ آپ کو بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا سارا دیوان ازبر ہے۔ کیونکہ ہر موقع پر جس قسم کا بھی موضوعِ سخن ہو بڑے ترنم اور اطمینان کے ساتھ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی نہ کوئی شعر ضرور پڑھ کر سامعین کو کمال مہارت سے اس کا مطلب سمجھا دیتے ہیں۔

(25) عجز وانکساری

؎ در بہاراں کئے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گُل بروید رنگ و رنگ (رومیؒ)

(موسم بہار کیوں نہ ہو مگر پتھر پر کسی نے سبزہ نہیں دیکھا۔ اے انسان مٹی بن جا! تا کہ اس پر رنگ رنگ خوشبودار پھول اگ آئیں)

عجز وانکساری جو کہ اللہ کے پیاروں اوراس کے خاص بندوں کا خاصہ ہوتا ہے ہمارے مرشد کریم میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔اپنے مریدوں کو اکثر اس بات کی تلقین فرما کر عجز وانکساری کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔آپ کا یہ فلسفہ ہے کہ اتفاق واتحاد جو کہ مسلمانوں کا خاصہ رہا ہے، اسی عجز ونیاز کی بدولت رہا ہے۔جب سے عجز ونیاز کی جگہ فخر وغرور نے لے لی مسلمانوں میں بے اتفاقی، منافقت اور افراتفری پھیل گئی۔علماء میں اختلافات اس لئے زیادہ ہوگئے ہیں کہ ان میں فخر و غرور ہے۔فخر وغرور کا نتیجہ ضد اور حسد ہے پھر ضد وحسد کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔فقراء صرف عجز وانکساری کی بدولت خدا کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں جب خدا کی معرفت حاصل ہوگئی تو پھر مخلوق خدا خود بخود اُن کی خدمت گزار اور عقیدت مند بن جاتی ہے۔بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرماتے ہیں:

جیت جیت کے عمر گزارئی ہنڑ تے ہار فقیرا　　　جیتے دا مُل اِک کسیرا ہارے دا مُل ہیرا

آپ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر بسا اوقات پڑھتے رہتے ہیں:

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کُند　　　مَیلِ مَا مر جانب زاری کُند

(جب خدا ہم سے دوستی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو ہمیں عجز وانکساری کی طرف توجہ دلاتا ہے)

یہی وجہ ہے کہ آپ اپنے چھوٹے بڑے سب مریدوں اور خاص کر غُرباء کے ساتھ اتنی عاجزی سے پیش آتے ہیں کہ وہ شرمندگی محسوس کر کے آپ کے اخلاق کے گرویدہ بن جاتے ہیں۔

آپ میں عجز ونیاز اس حد تک ہے کہ سفر وحضر میں رات کو اگر کوئی کار جیپ وغیرہ دور دراز علاقوں سے دوست لاتے ہیں تو اُن کی نگرانی کیلئے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں۔کسی دوست کو اگر ذرا بھر تکلیف ہو تو اپنا لوٹا تک خود بھرتے ہیں۔اسے تکلیف دینا ہرگز گوارا نہیں کرتے۔ہر مرید کی جانی و مالی خدمت کے لئے آپ ہر وقت تیار رہتے ہیں۔آج کل کے عام پیروں کی طرح آپ اپنے آپ کو کوئی اعلیٰ مقام نہیں دیتے اور نہ کسی کے ساتھ کوئی امتیازی رویہ رکھنا جائز سمجھتے ہیں۔آپ ہر آنے والے کو اس قدر خندہ پیشانی اور عاجزی سے ملتے ہیں کہ وہ حیران ہو کر کہتا ہے کہ اتنا اخلاق ہم نے کسی میں بھی نہیں دیکھا۔فیضِ باطنی کے علاوہ ظاہری محفل میں ہر ایک پر آپ کی یکساں توجہ ہوتی ہے۔بہ نسبت کسی اونچی جگہ بیٹھنے کے زمین پر بیٹھنا بہت پسند فرماتے ہیں کسی کو اگر پتہ نہ ہو تو فرمائشی طور پر زمین پر مسند بنوا لیتے ہیں۔آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ ہم بے تکلّف سادہ اور غریبوں کی محفل میں اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔شکر الحمد للہ ہم خاک نشیں فقیر ہیں دنیا داری کو ہماری طرف راہ ہی نہیں۔

(26) صبر وتحمل اور عفو ودرگزر

اولیاء کرام صبر وتحمل کا پیکر ہوا کرتے ہیں اس لئے خدا کا فرمان ہے کہ میں ہر وقت صابرین کے ساتھ ہوتا ہوں۔ تحمل مزاجی اور عفو ودرگزر سنت انبیاء ہے۔ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی بھی صبر وتحمل کا مثالی نمونہ ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ علاقہ کوہاٹ کے دورے پر تھے کہ ایک گلی میں گزرتے ہوئے ایک مجذوب حال فقیر ہمارے سامنے آ گیا۔ کہنے لگا کہ کیا یہ شہر کوئی لاوارث ہے؟ آپ یہاں کیوں آئے؟ فقیر کے جذباتی الفاظ سن کر میں نے کہا بابا معاف کرنا میں تو تھوڑی دیر کیلئے بطور مہمان یہاں آیا ہوں۔ اگر آپ اتنا ناراض ہو رہے ہیں تو میں ابھی واپس چلا جاتا ہوں یہاں تک کہ میں نے ذرا بھی اس کی بات محسوس نہیں کی۔ اگر میں چاہتا تو اس کی لاپرواہی کی پاداش میں اسی وقت اس کی ولایت سلب کر لیتا مگر ہم نے سیّدالنّسب ہونے کی وجہ سے وسیع القلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔ اتنے میں وہ اپنی غلطی پر نادم ہوتے ہوئے کہنے لگا کہ اچھا حضور! مہربانی فرما کر میری طرف سے چائے تو قبول فرماویں۔ چنانچہ میں مریدوں کے ہمراہ اس فقیر کے ساتھ ہوٹل پر گیا اور اس سے چائے پی لی۔ لوگ ہماری آپس کی آؤ بھگت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ یہ مجذوب تو پاگل ہر وقت الٹی سیدھی باتیں کرتا اور کسی کے ساتھ صلح نہ کرتا تھا آج یہ کیسے اس بزرگ سے سیدھے منہ صاحب عقل بن کر بات کر رہا ہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مَیں عالمِ جوانی میں ''کروڑلعل عیسن'' کے قریب کسی چک میں جا رہا تھا کہ راستے میں دو تین چرسی بیٹھ کر چرس پی رہے تھے ایک مجھے دیکھ کر کہنے لگا بابا ادھر آؤ ہمارے ساتھ آ کر بیٹھو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ چرس پینے میں کتنا مزہ آتا ہے۔ میرے ساتھ کچھ مرید بھی تھے وہ مشتعل ہو گئے میں نے انہیں منع کر کے ان سے یہ کہا کہ بچہ ہم غریب آدمی ہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایسی لذیذ چیز خرید کر استعمال کر سکیں۔ ہمیں معاف کرو۔ ہم نے اس طرح درگزر سے کام لیا۔ حالانکہ اس وقت ہم نہایت صحت منداور جذباتِ جوانی کے حامل تھے۔ پھر بھی ہم نے صبر کا مظاہرہ کیا اور ان کی اس ناشائستہ حرکت کو معاف کر دیا۔ (بعد میں وہ اس برے فعل سے توبہ تائب ہو گئے تھے)

اس طرح ایک اور آپ بیتی بیان فرمائی کہ مَیں نوجوانی میں صحرانوردی کے دوران ایک شام ایک درویش کے ہاں مہمان ہوا۔ شام ہو گئی مگر کھانا نہ آیا۔ عشاء کے بعد تک کھانے پینے کیلئے کوئی چیز نہیں آئی۔ بھوک کی شدت سے جب نیند نہ آئی تو صبر وتحمل سے کام لیکر اٹھا۔ نوافل وذکر میں مشغول ہو گیا۔ ساری رات عبادتِ الٰہی میں گزار دی۔ صبح کے وقت مجھ پر عجیب کیف وسرور طاری تھا۔ اتنے میں وہ درویش آیا اور پوچھا کہ رات کیسے گزری میں نے سارا حال خوش خوش اور متحمل مزاجی سے سنا دیا۔ اس پر وہ بول اٹھا کہ صاحب مبارک ہو! خدا کی طرف سے میں نے رات آپ کا امتحان لیا تھا۔ اور آپ بالکل کامیاب ہوئے۔ خداوند کریم آپ کو اپنی معرفت نصیب کرے۔ واقعی آپ اس چیز کے اہل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے ہماری بڑی خدمت کر کے ہمیں رخصت کیا۔ اس پر مَیں نے خدا کا بہت بہت شکر ادا کیا کہ میں ساری رات نفس کے فراڈ سے محفوظ رہا اور اسے صبر وتحمل کی تلوار سے مغلوب کئے رکھا۔

؎ شیر آں نیست آنکہ صفہا بشکند شیر آنست آنکہ خود را بشکند (رومیؒ)

(شیر وہ نہیں جو صفوں کو توڑے بلکہ شیر وہ ہے جو اپنے آپ کو توڑ دے۔)

(27) توکّل

اولیاءِ کرام متوکلین ہوا کرتے ہیں، کیونکہ خدا کا فیصلہ ہے جس نے مجھ پر توکّل کیا اسے مَیں ہی ہر معاملے میں کافی ہوا۔ ہمارے مرشد کریم جنون کی حدتک متوکّل ہیں اس میں وہ عقل سُود وزیاں کو حائل ہونے دیتے ہی نہیں کیونکہ:

؎ عقل والوں کے نصیبوں میں کہاں ذوقِ جنوں　　عشق والے ہیں جو سب کچھ لٹا دیتے ہیں

توکّل کے دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ بغیر کسی ظاہری سبب کے توکّل کرنا دوسرا درجہ ظاہری سبب مہیا ہونے کے بعد توکّل کرنا۔ ظاہر ہے کہ پہلے درجے میں جو قوّت ایمان کارفرما ہے اسی قدر دوسرے میں نہیں ہے کہ بغیر کسی سبب کے صرف خدا کے بھروسے پر قدم اٹھانا ہے۔ جس طرح کہ ایک کشتی میں بیٹھ کر پھر توکّل کر کے سمندر کی طغیانیوں سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور ایک بغیر کشتی کے صرف اور صرف توکّل پر دامن بھی تر کئے بغیر سمندر پار کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ کرامت اسی میں ہے۔ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اس مادیّت کے دور میں اسی درجہ اوّل مقامِ توکّل پر فائز ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے تقسیم خاص ہے جو اس دَور میں صرف اور صرف آپ کے حصہ میں ہے۔ جب سے آپ نے ہوش سنبھالا ہے کوئی ملازمت یا کاروبار اختیار نہیں کیا۔ ہاں اگر کوئی کام اختیار کیا تو حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح عبادتِ الٰہی کا کاروبار ہی اختیار کیا اور ابھی تک اسی پر قائم ودائم ہیں۔ جس حال میں خدا نے رکھا ہے اسی پر راضی رہے۔ آپ کے فرزندان بھی راضی برضا فقیر ہیں۔ گھر پر صرف اللہ اللہ کرتے ہیں۔ جس نے رزق کا وعدہ کیا وہی خود غیبی صورت میں پہنچا دیتا ہے۔ ایسا کرنا خاص کر اس دور میں ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ فقر میں براہِ راست مقام ''حق الیقین'' ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں جب انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ جو چیز مجھے ملنے والی ہے اُسے کوئی طاقت چھین نہیں سکتی۔ اور جو چیز قسمت میں نہیں ہے کوئی طاقت اُسے مجھے دِلا نہیں سکتی تو بہتر ہے کہ انسان اپنا اصل مقصد ہی اختیار کیوں نہ کرے۔ پس یہ ایک مسلمان کیلئے مقام توکّل ہے شکر الحمدللہ ہمارا سارا گھرانہ آج تک اسی پر کاربند ہے۔

ایک مرتبہ آپ گھر (ڈھیری کلہ سیدان بخاری) سے شہر (بنوں) آئے۔ کچھ سامان خرید کر واپس جانے کا سوچ رہے تھے کہ ایک سائل نے آ کر امداد کیلئے دست سوال دراز کیا۔ اس وقت آپ کی جیب میں صرف گھر تک جانے کا کرایہ تھا۔ ساری رقم اس کے حوالے کر دی اور خود پیدل گھر کی طرف چل پڑے۔ چند ہی قدم چلے کہ کچھ مرید ملے آپ کی زیارت کر کے بے انتہا خوش ہوئے۔ ان میں سے ایک نے پچاس اور دوسروں نے بھی اپنی حیثیت کے مطابق نذرانے پیش کئے جو سو (100) سے کچھ اوپر بنے چنانچہ شکر ادا کر کے آپ آرام کے ساتھ بس پر بیٹھ کر گھر آن پہنچے۔ بزرگوں نے سچ فرمایا:

ع خدا خود میرِ سامان است اربابِ توکّل را

(متوکلین کیلئے خدا خود کارسازی کرتا ہے)

آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ علاقہ بہاولپور میں اپنے مرشد کریم کی خدمت میں متواتر سولہ دن رہا۔ آخر کار جب اجازت دیدی تو میری جیب میں اس وقت صرف پانچ روپے تھے۔ جبکہ جانا بنوں تھا۔ جب اڈے پر پہنچا تو منیجر نے بڑی عزت سے چائے پلا کر (بغیر کہے) مفت بنوں تک بس پر بٹھا دیا۔ جب بنوں اڈے پر اترا تو حضرت صاحب کا ایک مُرید کوچوان تھا اس نے بغیر کرایہ لئے ٹانگے پر بٹھا کر گھر تک پہنچا دیا۔ وہ پانچ روپے ویسے ہی جیب میں تھے اور مَیں حیران! مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ توکّل اور مرشد کی توجہ کا نتیجہ تھا کہ بغیر مجبور ہوئے کام بنتا گیا۔ صرف ہم نے ہمت کی خدا نے بھرم رکھا۔ توکّل صرف صاحبِ عقیدہ کو خدا کی طرف سے خاص انعام کے طور پر نصیب ہوتا ہے۔ اس دنیا میں توکّل کا سہرا صرف اولیاءِ کرام کے سر ہے کہ وہ صرف تسبیح و مصلّٰی لیکر بے یار و مددگار گھر سے نکلتے ہیں۔ توکّل پر استقامت اختیار کر کے وہی فقیر بے نوا کی شان و شوکت کو ایک دن بادشاہ بھی دیکھ کر رشک کرتے ہیں۔

(28) ہمت وغیرت

ہمت وغیرت کا تعلّق ایمان سے ہے۔ جس میں ایمان جس قدر زیادہ ہے ہمت وغیرت میں بھی اسی قدر زیادہ ہے۔ ویسے بھی پٹھان لوگوں کو غیرتِ ایمانی ورثے میں ملی ہوئی ہے۔ پھر ہمارے مرشد کریم تو ساتھ ساتھ غیرت حسینی کے بھی وارث ہیں۔ آپ خود اپنی ایک آپ بیتی سناتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ معصوم صاحب کا ضلع کوہاٹ علاقہ ''ٹرے'' دورے کا پروگرام بنا۔ حضرت صاحب صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بحیات تھے۔ انہوں نے سواری کا انتظام میرے ذمہ لگا دیا۔ مجھ سے علاقہ ''ٹرے'' کے ایک خان صاحب نے اپنی کار دینے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ جب مَیں عین موقع پر اس کے پاس جا پہنچا کہنے لگا کہ کار کا پٹرول بالکل ختم ہے۔ معذرت خواہ ہوں میں فوراً ''ٹرے'' کے اڈہ پر پہنچا۔ ایک ویگن کوئی بارات لے جانے کو بالکل تیار تھی۔ میں نے ڈرائیور سے جا کر کہا کہ بارات چھوڑ و اس کے لئے کسی اور ویگن کا انتظام ہو جائے گا مہربانی کر کے میرے مرشد کو کوہاٹ سے ''ٹرے'' تک پہنچا دو۔ جتنا پیسہ لیں گے دینے کو تیار ہوں۔ ڈرائیور لالچ میں آ گیا بارات چھوڑ کر میرے ساتھ روانہ ہو گیا۔ جب ہم مقررہ جگہ پر پہنچے تو اتفاقاً حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تشریف لا چکے تھے۔ شُکر ادا کیا۔ ڈرائیور کہنے لگا خلیفہ صاحب آپ نے اتنے بڑے بزرگ کی زیارت کرا کر مجھ پر آج بڑا احسان کیا ہے چنانچہ اس نے جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ''ٹرے'' پہنچا دیا تو میں نے ہاتھ جیب میں ڈالا اور کہا آپ نے میرا بھرم رکھا حسب وعدہ جتنا پیسہ کہو میں دیتا ہوں ڈرائیور نے ایک نہ سنی کہنے لگا کہ شاہ صاحب مجھ پر ایک ٹکّہ لینا بھی حرام ہے۔ صرف میرے حق میں دُعا کر دیں اور ویگن اسٹارٹ کر کے چلا گیا۔

مَیں حیران ہو گیا خدایا! تُو واقعی ہمت کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تب آپ نے حاضرین کو سمجھایا کہ اگر اس دن میں ہمت سے کام نہ لیتا تو یقیناً مرشد کی طبیعت پر بوجھ آ جاتا جو شاید میرا امتحان تھا۔ ہم نے جب غیرت کی تو ایسے بے ہنگام وقت پر خداوند کریم نے ہمارا کام مفت میں کر دیا جو اس وقت سینکڑوں روپے سے بھی نہ ہو سکتا تھا خدا کا شکر ہے

ایسے موقعوں پر ہم نے کبھی اپنی جیب کی طرف نہیں دیکھا۔ خدا پر توکل کر کے صرف غیرت ایمانی کو مدنظر رکھا ہے۔ تب مٹی کو ہاتھ لگاتے وہ بھی سونا بن جاتی۔ ہمت کی بناء پر ہم اپنا بستر مہمان کو پیش کرتے ہیں۔ اپنا کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ سب بستی والے اگر ہماری شرافت کی گواہی دیتے ہیں تو غیرت سے بھی ڈرتے ہیں یہ سب لباسِ مرشد کی برکت اور غیرتِ ایمانی کا ثمرہ ہے۔ شکر الحمدللہ ہم نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی اگرچہ جان کی بازی تک نوبت پہنچی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری اولاد بھی غیرت منداور باہمت ہے۔ علاوہ ازیں عاشقِ صادق ہمت اور دیوانگی میں آکر عزت و ذِلّت تک نہیں دیکھتا اس کی نگاہ صرف معشوق پر ہوتی ہے پھر معشوق بھی صرف اسی کیلئے ہے۔ جس میں غیرتِ عشق موجود ہو اور عشق کبھی ناکام ہوتا ہی نہیں۔

(29) سخاوت

سخاوت سب انبیاء و اولیاء کا خاصہ رہا ہے۔ ہمارے مرشد کریم تو اولادِ بتول ہونے کی وجہ سے سخاوت میں یکتا ہیں۔ آپ کے دَر سے ہم نے کسی سائل کو محروم جاتے نہیں دیکھا۔ خود جس حال میں ہوں مگر سائل کی حاجت روائی ضرور فرماتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ علاقہ سرگودھا کے دورے پر تھے وہاں آپ کے کافی عقیدت مند مرید ہیں واپسی پر انہوں نے مرشد کریم کو سونے کی انگوٹھی پہنا دی۔ راستے میں ایک جگہ کچھ وقت کیلئے آپ نے آرام فرمایا کہ وہاں ایک ملنگ آن پہنچا۔ کہنے لگا میں نے سنا ہے کہ ولی اللہ بہت سخی ہوا کرتے ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا اس میں تو کچھ شک نہیں! تب ملنگ کہنے لگا کہ میری ایک جائز ضرورت ہے یہ سونے کی انگوٹھی جو آپ نے پہنی ہوئی ہے مجھے دیدو۔ آپ نے بلا سوچے انگوٹھی اتار کر ملنگ کے حوالے کر دی۔ کُتبِ تصوّف میں ہے کہ ولی اللہ کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ بظاہر دکھائی نہیں دیتا مگر خرچہ رات دن بلا حساب ہوتا ہے۔ آپ کی بھی یہی حالت ہے گھر پر تو بارہ مہینے لنگر چلتا ہے۔ باہر بھی جہاں کہیں آپ جاتے ہیں رات دن لنگر چل رہا ہوتا ہے۔ اس پر مریدین بھی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ بقول اُن کے جب لنگر کا وقت آتا ہے تو پیسے کی آمد کا کوئی غیبی ذریعہ بن جاتا ہے۔ آپ فرماتے رہتے ہیں کہ خدا کی دوستی اس انسان کو نصیب ہوتی ہی نہیں جو سخی نہ ہو۔ اس لئے انسان کا کام سخاوت کرنا ہے اور خدا کا کام اپنے وسیع الظرف بندے کو بلا حساب دینا ہے۔

(30) مہمان نوازی

آپ فرماتے رہتے ہیں کہ مہمان حقیقت میں ''رحمان'' ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا خود فرماتا ہے کہ میں تیرے پاس چل کر آیا تُو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا اور کپڑا نہیں پہنایا۔ اس لئے آپ کے آستانہ عالیہ بنوں شریف پر جو بھی چلا جائے آپ اور آپ کے فرزند مہمان کی اتنی خدمت کرتے ہیں کہ مہمان حیران ہو کر شرمندہ ہو جاتا ہے۔ آپ اس ضعیف العمری کے باوجود اکثر اوقات خود مہمانوں کیلئے چارپائی، بستر، کھانا اور چائے وغیرہ اٹھا کر لاتے ہیں۔ وہاں جا کر کوئی

کسی قسم کی بھی التجا کرے حتی الوسع رد نہیں فرماتے خود عام جگہ پر بیٹھتے ہیں اور مہمان کو خاص جگہ پر سکون سے بیٹھنے کا حکم فرماتے ہیں۔ جس سے نبی پاک ﷺ کی سیرت پاک کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ آپ پر مہمان نوازی کا جذبہ اس قدر غالب ہے کہ گھر سے باہر جب کسی جگہ مہمان ہوں تو خود کھانا تناول نہیں فرماتے جب تک مہمانوں کو لنگر تقسیم نہ ہو جائے۔ دورے پر اگر دُور دُور سے لوگ وہاں ملنے آئیں تو میزبان کو ان کی خاص خدمت کرنے کا حکم فرماتے ہیں اگر اس میں کوئی کوتاہی پائیں تو میزبان پر بسا اوقات خفا بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر تاکید کر دیتے ہیں کہ میری خیر صرف مہمانوں کا خاص خیال رکھیں۔

(31) جذبۂ ایثار

اہل بیت نبی ﷺ ہونے کے ناطے آپ جذبۂ ایثار میں بھی بے مثل ہیں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر کے قریب مسجد میں رمضان المبارک میں اعتکاف میں بیٹھا تھا۔ افطاری کے وقت جب گھر سے کھانا آتا تو ایک فقیر آ کر حاضر ہوتا اور کہتا کہ خدا کیلئے مجھے کھانا کھلا دو۔ میں اسے اپنی روٹی، جو کہ ایک ہوا کرتی تھی، دے دیتا۔ یہاں تک کہ چار دن متواتر ایسے ہوا۔ میں روزہ بھی بغیر کھائے رکھتا رہا اور اس بات کا گھر والوں کو بھی علم نہ تھا۔ یہ شاید میرا کوئی امتحان تھا اور یہ بات آج مَیں تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ جذبۂ ایثار کی بناء پر خداوند کریم نے جو بھی امتحان تھا کامیاب فرمایا آپ کے اس واقعہ سے اُس صحابی رسول ﷺ کا واقعہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے جنہوں نے چراغ بجھا کر مہمان کو کھانا کھلایا تھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ فقیر کو اپنے پیٹ کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ خالی پیٹ ہی سے "اللہ اللہ" ہوتا ہے۔ پیٹ جب بھر گیا تو غفلت کی نیند آ گئی۔ اور یہ فقر میں ایک بہت بڑا جرم ہے۔ ویسے جوانمرد انسان غیرت وایثار کو مدنظر رکھتا ہے ایک دو ٹائم اگر کم ملا، یا نہیں ملا تو کیا ہوا۔

ایک مرتبہ سالانہ عرس مبارک بنوں آپ ٹوپیاں بانٹ رہے تھے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا لنگر چل رہا تھا۔ جب سامنے والی ٹوپیاں ختم ہو گئیں تو اپنی ٹوپی مبارک سر سے اُتار کر ایک مرید کو پہنانے لگے۔ بندہ ناقص نے عرض کیا حضور! میری ٹوپی لیجئے اپنی ٹوپی سر پر رہنے دیجئے۔ فرمانے لگے یار چھوڑو ہمارا جذبہ کیوں خراب کرتے ہو؟ چنانچہ اپنی ٹوپی تک مریدوں کو عنایت فرما کر کوئی رومال سر پر رکھ کر حرم سرا تشریف لے گئے۔

مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں آستانہ (گھر) میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سفید پوش آدمی آیا۔ آتے ہی اس نے دو سو روپے اور ایک جوڑا کپڑوں کا مانگا۔ اس وقت قدرتی طور پر بہت تنگ دستی تھی۔ بڑے شاہ صاحب کو بُلا کر کہا کہ جا کر کہیں سے اس کا حکم پورا کر دو۔ چنانچہ شاہ صاحب نے جا کر کہیں سے رقم اور کپڑے لیکر حاضر کر دیئے جب اس کے ہاتھ میں رکھے تو اس نے بڑے تعجّب سے رقم کپڑوں سمیت واپس کر دیئے۔ بار بار معافی مانگنے کے بعد بتایا کہ مَیں فلاں علاقے کا رہنے والا ایک امیر ترین فرد ہوں۔ آپ کی شہرت سن کر آپ کے امتحان کے لئے آیا

تھا کیونکہ میں نے سنا ہے جو خدا کے دوست ہیں وہ کسی سوالی کو خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹاتے۔اب مجھے اس بات کی تصدیق ہوگئی۔(حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے فرمایا کہ سادات کے دَر پر آ کر پھر بھی تُو اصل چیز سے چُوک گیا) اس کے بعد اس نے اپنی طرف سے امداد کرنے کی بڑی پیش کش کی مگر ہم نے لینے سے معذرت کی کہ اس وقت آپ ہمارے مہمان ہیں۔آپ کی خدمت کرنا ہمارا حق بنتا ہے۔تب وہ رخصت ہوا تو بعد میں کچھ عرصے تک وہ ہمارے پاس آتا رہا۔آپ فرمایا کرتے ہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے جذبہ ایثار کی بدولت مقاماتِ قُرب حاصل کئے۔خداوند کریم ہمیں بھی اِن پاکباز ہستیوں کا نقش قدم نصیب فرماوے۔آمین۔

(32) بے تکلّفی

جیسا کہ گفتِ اولیاء ہے کہ ''ترکِ تکلّف فقراء کا اخلاق ہے'' ہمارے مرشد کامل کو بھی تکلّفات سے نفرت ہے۔ اس لئے آپ اکثر اوقات مریدوں کے پاس اطلاع دیئے بغیر وقت پر پہنچ جاتے ہیں۔نام و نمود کو بالکل پسند نہیں کرتے۔ سادگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ مرید جو بھی روکھی سوکھی لائیں اُسی پر اکتفا فرماتے ہیں۔پُر تکلّف طعام اور شکم سیری سے آپ کو انتہائی نفرت ہے۔فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری نگاہ کھانے کے دستر خواں پر نہیں ہوتی بلکہ میزبان کے دلی خلوص کے دستر خواں پر ہوتی ہے۔لنگر بالکل سادہ ہو مگر ہو پُر خلوص تو یہ لاکھ تکلّفات سے بھی کہیں بڑھ کر ہے۔اس پر آپ اکثر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت شیراز کی مثال دیتے رہتے ہیں۔

آپ محفل میں کسی سے سرگوشی کرنا پسند نہیں فرماتے اور نہ محفل میں کسی سے انفرادی سلوک کرنا روا رکھتے ہیں کہ جس سے دوسرے کے دل پر بوجھ آ جائے یا کوئی شک گزرے جو بات ہو بلا تکلّف سامنے کہہ ڈالتے ہیں۔آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ہماری محفل سادہ لوگوں کی محفل ہے۔یہاں چالاک اور گرگٹ کی طرح کئی رنگ بدلنے والوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔آپ چونکہ اکثر سفر میں رہتے ہیں۔فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہم کسی سے ڈرتے ہیں ہم اپنے ساتھ ایسے آدمی کو لے جاتے ہیں جو شیر بن کر خدمت کرے اور کارکُن بن کر ہر وقت کام کرے وگرنہ ایک بیگ ہم اکیلے بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہر و باطن ایک تھا۔معاملاتِ زندگی میں ان کی کوئی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے چھُپی ہوئی نہیں تھی۔اور ان کی ساری زندگی سادگی کا ایک نمونہ تھی۔ہم فقیروں کا بھی وہی طریق کار ہے۔خداوند کریم استقامت بخشے۔آمین۔

(33) طہارت وصفائی کا خاص اہتمام

''سیر الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ صاحبِ طریقت پاک نفوس میں باطنی لطافت کے مطابق ظاہری لطافت بھی آ جاتی ہے۔کیونکہ اُن پر خدا کے اَنوار و تجلّیات کی بھرمار ہوتی رہتی ہے۔پھر اِن تجلّیات کے لئے وہ میلے یا موٹے کپڑوں تک کا حجاب اپنے جسم پر گوارا نہیں کرتے۔نہایت صاف اور لطیف لباس پہننا پسند فرماتے ہیں۔مرشد کریم بابا بنوں والی

سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت صاحب (صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ) زیادہ موٹے یا ذرا بھر میلے کپڑے تک زیب تن نہیں فرماتے اور کسی بڑے آدمی کو ملنے سے پہلے وہ خاص صاف لباس پہن لیتے۔ کیونکہ دنیاداروں کی آنکھیں ظاہری کپڑوں پر ہوتی ہیں۔ اِنہی حکمتوں کے پیش نظر مرشد کریم مدظلہٗ العالی بھی ظاہری طہارت وصفائی کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔ نہایت لطیف چمکیلا صاف وشفاف سفید لباس زیبِ تن فرماتے ہیں۔ ذرا بھر میلے کپڑے ان کے جسم پر نہیں دیکھے۔ گرمیوں میں نسبتاً آپ کو زیادہ پسینہ آتا ہے اس لئے ہر دوسرے دن اکثر و بیشتر کپڑے بدلتے رہتے ہیں۔ سوا لاکھ درود پاک یا سماع کی محفل میں لباس کا خاص خیال فرماتے ہیں۔ آپ کا جسم مبارک ہمیشہ خوشبودار رہتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ فرماتے ہیں مجھے ساری زندگی احتلام تک نہیں ہوا۔ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طہارت پر قرآن خود گواہ ہے۔ ''وَیُطَہِّـرَکُمْ تَطْہِیْرًا'' (آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے اپنی قدرت کاملہ سے ظاہری و باطنی طہارت کے عروج پر فائز کر دیا ہے)

آپ کے مرید آپ پر اس قدر جاں نثار ہیں کہ سفر وحضر میں آپ کے جسم پر ذرا بھر میلی چیز دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ دورانِ سفر بڑے بڑے صاحبِ مرتبہ لوگ آپ کے کپڑے دھونا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ ظاہری طہارت بھی اس قدر رہوتی ہے کہ لاکھوں کے مجمعے میں آپ کی نرالی شان ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بقول رومیؒ:

؎ چوں سخن در روئے شمس الدین رسید　　　شمس چارم آسماں سر دَر کشید

(بات جب شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرے تک پہنچی تو سورج بھی چوتھے آسمان سے اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوجود خجالت محسوس کر کے پیچھے ہٹنے لگا۔)

(34) غریبوں سے خاص محبّت

غریبوں سے محبّت کرنا سنتِ انبیاء ہے وجہ بقول مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کہ ''امیر لوگ تعلیماتِ انبیاء کو ٹھکراتے رہے غریب ہی اُن کا ساتھ دیتے رہے'' ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصی طور پر غریبوں سے محبّت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غریب پروری زبان زدِ خاص و عام ہے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب پیروکار بھی غریب نواز ٹھہرے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ غریب کو عام طور پر امیر لوگ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ معاشرہ اُسے دھکے دیتا ہے۔ اگر اولیاء کرام کی بارگاہ میں بھی ان کی عزت وتکریم نہ ہو اور ان کے ساتھ دلی لگاؤ نہ رکھا جائے تو عرصۂ حیات اُن پر تنگ آئے۔ لہٰذا غریب کا ہر قدم قابلِ قدر واحترام ہے۔ امیر اگر ہزاروں روپے کا نذرانہ دے تو رقم کی اس کے سامنے کوئی اہمیت نہیں کیونکہ اُس کے پاس تو اِس کی ریل پیل ہے۔ غریب سارا دن مزدوری کر کے اگر ایک روپیہ بھی اپنے بال بچوں اور پیٹ کو نظر انداز کر کے ہمارے ہاتھ میں رکھتا ہے تو وہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس میں

خلوصِ دل کی خوشبو آتی ہے لہٰذا غریبوں سے محبّت کرنا فطرت کے مطابق اللہ والوں کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ اس لئے ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے پاس جب غریب لوگ آتے تو آپ باقی سب سے توجہ ہٹا کر اُن کے حالات دریافت فرماتے ہیں۔ خاندان، علاقہ، بال بچوں اور سفر کی خیریت تک پوچھتے ہیں حسبِ توفیق خاطر تواضع کے بعد آنے کا مقصد پوچھ کر اُن کی حاجت بر آری فرماتے ہیں۔ آپ زیادہ تر غریبوں کے پاس ٹھہرنا پسند فرماتے ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے تقریباً سب خلفاء غریب طبقہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے ہیں غریب میں بہ نسبت امیر کے زیادہ خلوص ہوتا ہے عام طور پر ان کی برائیاں اور گناہ بھی امیروں سے کم واقع ہوئے ہیں۔ یا خدا سے ڈرتے ہیں یا پھر انہیں غربت کی وجہ سے برائی کا موقع ہی کم ملتا ہے۔ المختصر اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی ہے اور انتہا بھی غریبوں پر ہوگی اس لئے ہمیں بھی اسی فطری تقاضے کے مطابق غریبوں ہی سے زیادہ محبّت ہے خدا قبول فرماوے۔

؎ اُمرائشہٗ دولت میں ہیں غافل ہم سے　　　زندہ ہے ملّتِ بیضا غرباء کے دَم سے　　(اقبالؒ)

(35) مریدوں سے مشفقانہ رویہ اور اُن کی پردہ پوشی

"رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ" کے پیش نظر اور اولادِ نبی ﷺ ہونے کی وجہ سے آپ پیامبر عشق و محبّت ہیں۔ مخلوق خدا سے محبّت اور ان کے ساتھ خلوص دل سے پیش آنا ہی ایک ایسا مقناطیس ہے جو بلا کسی ظاہری تعلّق کے "ایک" کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنے مریدوں سے اس قدر محبّت ہے کہ ہر مرید یہ سمجھتا ہے آپ سب سے زیادہ اِسی سے محبّت کرتے ہیں۔ یہ ایک ولی اللہ کی اکملیّتِ ولایت کی نشانی ہوتی ہے۔

اپنی اولاد سے بڑھ کر مریدوں کا خیال فرماتے ہیں۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کی اولاد کتنی ہے جواب دیا کہ حقیقی اولاد تو ہزاروں ہیں مگر مجازی اولاد چند! سائل نے عرض کیا حضور وہ کیسے؟ وضاحت کرتے ہوئے فرمایا حقیقی اولاد سے مراد میرے مرید ہیں جو ہر وقت میری خدمت کیلئے کمر بستہ رہتے ہیں اور مجازی اولاد سے مراد میری اپنی نسبی اولاد ہے کہ جس کی خدمت مجھے خود کرنی پڑتی ہے۔

ہمیں خود جا بجا مریدوں سے آپ کی محبّت کا ثبوت ملتا ہے۔ جب بھی آپ کی زیارت سے کوئی دوست واپس لوٹتا ہے جب تک اس کی خیریت کے ساتھ گھر تک پہنچنے کی خبر نہ ملے اس وقت تک آپ بے چین رہتے ہیں۔ آپ کی شفقت و رحمت کا ایک خاص واقعہ خود بندۂ ناقص کے ساتھ پیش آیا کہ ایک مرتبہ میں پنجاب سے ایک نہایت خوبصورت چارپائی بس پر بنوں لے جا رہا تھا۔ راستے میں تیز آندھی اور بارش کی وجہ سے چارپائی گر کر بالکل چکنا چور ہوگئی۔ بہت گھبرا گیا کہ آج حضرت صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ جب آستانہ عالیہ پہنچا دیکھ کر فرمایا بچہ دنیا میں جو چیز بھی بنتی ہے ٹوٹنے کیلئے بنتی ہے۔ اس کا استعمال کرنا ہماری قسمت میں نہیں تھا۔ بہتر ہوا کہ ٹوٹ گئی۔ ذرا بھر محسوس نہ فرمایا نہ آج تک کسی دوست کے سامنے وہ بات دُہرائی اور نہ مجھے یاد دِلائی۔

آپ کا فلسفہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ محبّت ہی کی بدولت ہر شخص اس دنیائے فانی کو ہمیشہ کی جنت میں بدل سکتا ہے۔ بشرطیکہ محبّت بے لوث اور خدا کے لئے ہو۔ علاوہ ازیں پیری مریدی میں دوسرے کی پردہ پوشی کا آپ خاص خیال رکھتے ہیں۔ محفل میں کسی کو شرمندہ نہیں کرتے۔ اگر کوئی انتہائی لازمی بات ہو تو علیحدگی میں بُلا کر پیار سے سمجھا دیتے ہیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ پیری مریدی میں پردہ پوشی ایک نہایت لازمی چیز ہے۔ وگرنہ فیضِ باطنی دوسرے تک منتقل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ شہنشاہ فقر، رحمت اللّعٰلمین ہمارے پیغمبر ﷺ نے بھی کسی کا پردہ فاش کر کے شرمندہ نہیں فرمایا۔ البتہ محفل میں اشارتاً کنایتاً ضرور سمجھا دیتے ہیں کہ بلا کسی تخصیص کے سمجھنے والا خود سمجھ جاتا ہے۔ یہی سنتِ پیغمبر ﷺ اور طریقۂ فقر ہے۔ خدا جو کہ "سَمِیْعٌ بَصِیْر" اور "عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر" ہے۔ سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر اس کے باوجود اپنی ستّاری کا پردہ ہر ایک پر ڈال دیتا ہے۔ تو پھر ایک فقیر کی کیا مجال کہ اس پردہ کو ہٹا دے اس لئے فقیر اور کامل پیر و مرشد بجائے ظاہری باتوں کے باطنی طور پر اس قدر توجہ دیتا ہے کہ مرید مکمّل توبہ تائب ہو کر نہ غیر شرعی کام کرے اور نہ ہی اس کے پردہ فاش کرنے کی نوبت آئے۔ یہی تربیتِ باطنی، فیضِ نگاہ اور طریق سنتِ مصطفٰی ﷺ ہے۔

فقیر اوصافِ الٰہی کا مظہر ہوتا ہے۔ جس طرح خدا وصف ستّاری رکھتا ہے فقیر میں بھی اس وصف الٰہی کا ہونا لازمی ہے وگرنہ فقیری دعوٰی بے جا ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ ہماری محفل میں کچھ ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو اپنے دل میں کئی قسم کی باتیں لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ بابا جی کو پتہ نہیں ہے۔ مگر ہم پردہ پوشی سے کام لیتے ہوئے اُن کا عیب ان کے سامنے پیش کر کے اُنہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے کہ فقر میں یہ مستحسن بات نہیں ہے۔ دوسرے کی چھپی ہوئی بات ہر وقت اُسے بتا دینا آپس میں نفرت پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ کوئی کمال کی بات بھی نہیں ہے ایسا تو مداری بھی کرتے ہیں۔ مگر فقیر کو ایسی باتیں چھپانے کا حکم ہے۔

فقر میں کشف ایک ابتدائی مقام ہے۔ جو اس کے اظہار ہی میں اُلجھ جاتا ہے۔ آگے نہیں چل سکتا اور فیضِ باطنی دینا بھی اس سے بہت آگے کا مقام ہے جو اس مقامِ کشف پہ لطف اندوز ہو کر رُک گیا وہ اصلاحِ مخلوق اور فیض پہنچانے کے اصل مقصد سے بھی کٹ کر رہ گیا۔ دوسرے کی پردہ پوشی سے محبّت بڑھتی ہے حالانکہ صاحبِ عقیدہ لوگوں کو پتہ ہوتا ہے کہ ولی اللہ کو ہمارے متعلّق سب کچھ معلوم ہے مگر وہ اظہار نہیں فرماتے۔ تو اُن کی یہ شفقت و مہربانی ہے۔ اس لئے ایسی باتوں سے گریز کرتے ہوئے دوسروں کے دِلوں کو جیت کر اُن کے قلوب کو پیار و محبّت سے موڑ کر ذکر الٰہی پہ لانا پیشۂ پیغمبری ہے۔

(36) مریدوں کی تعلیم و تربیت کا خاص انداز

؎ تانبود از و طلب! طالبِ اُو کسے نشد　　　ایں ہمہ جستجوئے ما ہست! زِ جستجوئے اُو

(جب تک اس کی ذات سے انسان کو بلاوا نہ ہو اس وقت تک کوئی بھی اس کا طالب نہیں بن سکتا۔ یہ ہماری تمام تر کوششیں اس کی چاہت سے ہیں۔)

دراصل ایک پیرِ کامل کی تربیتِ مریدان کا طریقہ بعینہٖ طریقۂ نبوی ﷺ ہوتا ہے۔ جو اپنے اصحاب کو عقلی و نفسیاتی صورت میں سمجھایا کرتے تھے۔ جس سے بغیر بوجھ محسوس کئے وہ ایک کام کرنے کیلئے دل و جان سے تیار ہو جاتے تھے۔ یہی ایک پیر کامل کا اندازِ تربیت ہوا کرتا ہے۔ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اپنے مریدوں کے سامنے پہلے خود نمونۂ عمل پیش کرتے ہیں۔ پھر مریدوں کو اسی کے مطابق عمل کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس مرید نے میرے طور طریقے اپنائے انشاء اللہ ساری زندگی نفس و شیطان کے دھوکہ سے محفوظ ہو گیا۔ کیونکہ ہم فقیروں کے شب و روز سنتِ نبوی ﷺ کا عملی نمونہ ہوا کرتے ہیں۔ لوگ ایسی باتیں پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں مگر ایک فقیر کا مرید اسی چیز کو عملی طور پر مشاہدہ کرتا ہے۔

علاوہ ازیں آپ کسی مرید کو ٹوکتے یا شرمندہ نہیں کرتے۔ ایک چھوٹی سی مثال حاضر خدمت ہے۔ ایک مرتبہ محفل میں ایک شخص زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ اس کے دل میں یہ وسوسہ تھا کہ معلوم نہیں بنوں والا پیر بزرگ ہے یا نہیں۔ آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ بار بار اس کے دل پر یہ حملہ ہوتا تھا۔ آخر کار مَیں نے خود مسکرا کر کہہ دیا ''کہہ دو! بزرگ ہیں'' اس پر وہ فوراً چونک کر معذرت خواہ ہوا اور شرمندگی محسوس کرنے لگا۔ مگر مَیں نے کہا کہ بچہ! یہ آپ کا قصور نہیں تھا۔ بلکہ نفس و شیطان کا قصور تھا۔ مَیں نے اُن کے منہ پر طمانچہ مار کر اُنہیں رسوا کر دیا کہ کم از کم ہمارے سامنے والے لوگوں کی جان تو چھوڑ دو۔ آپ تو اچھے ہیں اور صاحبِ ایمان ہیں کہ نفس و شیطان کی مخالفت کر کے ہم فقیروں کی محفل میں آ گئے ہیں۔ اگر آپ کا ایمان متشکّی ہوتا تو ہماری محفل میں آ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس پر وہ شخص خوش ہو کر بڑے ادب سے مُرید بن گیا۔ آپ ہر مُرید کی استطاعت کے مطابق اسے وظیفہ پڑھنے، مجاہدہ کرنے اور جانی و مالی خدمت کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مریدین کے درمیان رنجش کی نوبت تک نہیں آتی۔ اگر محفل میں کوئی کسی کی شکایت کرے تو آپ فرماتے ہیں کہ اس کا کیا قصور ہے کہ اس کی سمجھ اسی تک تھی۔ اگر اسے پتہ ہوتا تو یہ کام نہ کرتا۔ لہٰذا اس کیلئے دُعائے خیر کرو تا کہ آئندہ کیلئے وہ اس لغزش سے مکمّل نجات پائے۔

(37) مریدوں کو نصیحت

آپ اکثر اپنے مریدوں کو یہ نصیحت فرماتے رہتے ہیں کہ مراتبِ عالیہ کا حصول جو کہ قُرونِ اُولیٰ کے صوفیاء کرام کی اَوّلین منزل اور اصل مقصد تھا اس آخر اور پُرفتن دَور میں بہت مشکل ہے۔ اس دور میں فانی دنیا سے جو صرف اپنا ایمان سیاسی و مذہبی فتنوں سے بچا کر سلامت لے جائے وہ اس دور کا جنید بغدادیؒ ہے۔ آپ اپنی بات سناتے ہیں کہ ہمیں متعدد بار اپنے مرشد کریم کی طرف سے خواب میں اشارہ ہوا کہ شاہ صاحب! صرف اپنا ایمان بچاؤ کیونکہ مسلمانوں پر یہ بہت سخت دور آیا ہوا ہے۔ ہر طرف فتنہ و فساد کے ایمان لیوا طوفان زوروں پر ہیں۔ اس لئے ہماری بھی مریدوں سے ہر وقت یہ نصیحت ہے کہ وہ اس پُرفتن دور میں غوث، قطب، ابدال وغیرہ کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کی طرف نگاہ نہ

کریں بلکہ وہ اپنا گریبان جھانک کر اپنے اعمال کا محاسبہ کر کے ایمان بچانے کی کوشش کریں۔

(38) دورِحاضر میں آپ کا منفرد مقام ومرتبہ

اس مادہ پرست دَور میں جبکہ ہر طرف نفس ونفسی کا عالم ہے ہر شخص کی نگاہ صرف اپنی عیش پرستی تک محدود ہے۔ دین ومذہب پہ تفرقہ بازی نے ایسا کاری حملہ کر دیا ہے کہ عام شخص کیلئے سیدھی راہ تلاش کرنا ہی ناممکن ہو گیا ہے۔ ظاہر پرست اور فراڈی لوگوں نے اہلُ اللہ اور اہلِ باطن صوفیاء کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے۔ علماء اپنی حشمت پرستی میں غرق ہیں اور عوام الناس کا تنقید کرنے کے بغیر کوئی کام نہیں رہا۔ ایسے دور میں کلمۂ حق کہنا اور خالص فقرِ محمدی چلانا جُوئے شیر لانے سے بھی کہیں زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ دین ومذہب سے بیگانگی کا نام جدت پسندی، خواہشاتِ نفس کی پیروی کو اسلام کی وسعت پسندی اور آپس میں ضد بازی وتعصّب بازی کا نام حمیّتِ دین رکھا گیا ہے۔

لہٰذا ایسے دور میں نہایت کامیابی کے ساتھ سلسلۂ فقر چلانا ہمارے مرشد کامل ہادیٔ اکمل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کا انفرادی مقام ہے۔ کئی گستاخ اور بے ادب لوگ اُن کے سامنے بعض اوقات جب زبان درازی کرتے ہیں آپ قوّتِ برداشت سے کام لیتے ہوئے نہایت سنجیدہ طریقے سے اُنہیں سمجھاتے ہیں۔ مگر جو نہ سمجھے آپ خندہ پیشانی کے ساتھ اُسے یہ کہہ دیتے ہیں کہ محترم! تمہارے لئے تمہارا راستہ اور ہمارے لئے ہمارا راستہ۔ غصّہ کرنا آپ کا شیوہ نہیں۔ ابھی تک کسی کو بددعا تک نہیں دی۔ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ موڑا۔ کسی دنیادار کے سامنے جھکے نہیں۔ ظاہر داری اور دنیاداری کی ہوا تک نہ لگی۔

اس ضعیف العمری میں ہمہ وقت سفر میں رہنا آپ کا مقصد صرف للّٰہ فی اللّٰہ اصلاح وتبلیغ ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ ایسا مادہ پرست دور آیا ہوا ہے کہ رحمتِ خداوندی بھی گھر گھر جا کر جھولی میں ڈالنی پڑتی ہے۔ جبکہ پرانے اور اچھے دور میں مرید پیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے درپئے ہوتے تھے۔ مگر اب ایسا بے خبر دور آ گیا کہ پیر کو اُلٹا مُرید کی خوشنودی حاصل کرنی پڑتی ہے کہ کہیں مُرید ایمان وعقیدہ کی کمزوری کی وجہ سے بھٹک نہ جائے۔ ایسے دور میں آپ کے جذبۂ فقر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علاقہ بارتھی (تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازیخان) میں ایک دشوار گذار پہاڑی راستے میں مریدوں نے آپ کو ڈولی میں اٹھانے کی پیش کش کی۔ تو آپ نے انکار کر کے فرمایا کہ ''مَیں اپنے جیسے انسان پر کیسے اپنا بوجھ ڈال سکتا ہوں؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا گو کہ یہ میرے مرید ہیں مگر مجھے ترس آتا ہے۔ ہاں اگر مجھ میں اتنی طاقت ہوتی تو مَیں اپنے مریدوں کو کاندھے پر اٹھانے کیلئے تیار تھا۔''

آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اس دور میں دنیا کو چھوڑ کر صرف اللہ اللہ کرنے سے بھی کام نہیں بنتا دنیا کو بھی ساتھ ساتھ چلانا پڑتا ہے۔ مگر اس کا چلانا ایک صاحبِ فقر کیلئے اتنا مشکل کام ہے جس طرح کہ ایک ہی برتن میں آگ اور پانی اُٹھانا ہو۔ ایسے دور میں ہمیں اس پر ناز ہے کہ ہمارے پاس خالص فقر ہے۔ جسے پسند ہو وہ آ جائے جسے پسند نہ ہو وہ اپنا کام

کرے۔اس لئے آپ اپنی اس انفرادی حیثیت کی وجہ سے کسی کی دامِ تزویر میں نہیں آسکتے۔جب تک ایک آدمی باطنی صورت میں ٹھیک نہ ہواس کی ظاہرداری کو وہ ہرگز پسند نہیں کرتے اور نہ اُسے زیادہ دیر تک اپنے پاس رہنے دیتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمارے پاس خالص شہد ہے جسے شہد ہی زہر معلوم ہو! وہ اس کی اپنی ہی قوت ذائقہ کی خرابی ہے۔

المختصر! رات دن شریعت وطریقت کی نگہبانی کرنا اور معرفتِ الٰہی کا راستہ بتانا دورِ حاضر میں آپ ہی کا انفرادی مقام ہے جو ہر طرح سے کامل ہے۔بقول اقبالؒ:

؎ میرے شرر میں بجلی کے جوہر لیکن نیستاں تیرا ہے نمناک

(ج)

اَفکارونظریات

؎ مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہے
(میر تقی میرؔ)

؎ جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے، اہلِ دل کے سینوں میں

؎ نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں، اپنی آستینوں میں
(اقبالؒ)

1:۔نظریۂ خانقاہی ❁

قرونِ اُولیٰ میں تو خانقاہوں کے بارے یہ تصور تھا:

؎ خوشا آں مسجد و مدرسہ و خانقاہے　　　　کہ دَر وے بود قیل و قالِ محمّد ﷺ

(وہ مسجد، مدرسہ اور خطۂ خانقاہ قابلِ رشک ہیں کہ جن میں رات دن قیل وقال (گفت وگوئے) محمّد ﷺ ہو۔)

مگر دورِ حاضر میں نام نہاد غیر شرعی پیروں کی وجہ سے لفظ ''خانقاہ'' اپنی اصلیّت کھو کر بدنام ہو چکا ہے۔اس لئے مفکّرِ اسلام علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لفظ ''خانقاہ'' کو ہدفِ تنقید بنا کر اس کی جگہ لفظ '' آستانہ'' استعمال کرنا شروع کیا تھا۔وہ دربارِ الٰہی، درِ کعبہ، دربارِ رسول ﷺ اور دربارِ محبوب اِلٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بھی لفظ '' آستاں'' استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ وہ شمع بارگہِ خاندان مرتضوی　　　　رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجکو

اپنے فرزندارجمند جاوید اقبال کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

؎ دربارِ شہنشہی سے خوش تر　　　　مردانِ خُدا کا آستانہ !

؎ کیمیا پیدا کُن از مُشتِ گِلے　　　　بوسہ زن بر آستانِ کاملے

اسی حکمت کے پیشِ نظر مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی بھی لفظ ''خانقاہ'' کی بجائے '' آستانہ'' استعمال فرماتے رہتے ہیں۔آپ کو آئندہ صفحات میں جابجا یہی لفظ دیکھنے کو ملے گا۔

ایک موقعہ پر '' آستانہ'' کا پس منظر بیان کرتے ہوئے آپ نے قرآن کریم کی روشنی میں ارشاد فرمایا کہ: اللہ

❁ ''خانقاہ'' عربی زبان کا لفظ ہے جو دراصل فارسی زبان کا لفظ ''خانگاہ'' کا مُعَرّب ہے جبکہ عربی زبان میں قبل اس کے اس مفہوم کیلئے لفظ ''صومعہ'' استعمال ہوتا تھا جس کے معنی عبادت گاہ کے تھے۔ہمسایہ ملک ایران کے ایک شاعر نے کہا تھا:

؎ یارِ من در نیم شب گر بے نقاب آید بروں　　　　زاہدِ صد سالہ از صومعہ خراب آید بروں

؎ صوفی از صومعہ ! گو خیمہ بزن در گلزار　　　　وقت آں نیست کہ درخانہ نشینی بے کار (سعدیؒ)

اسلامی ہمسایہ ممالک سے گہرے روابط کے تحت زندہ زبان ہونے کے ناطے لفظ خانقاہ کثرتِ استعمال سے عربی میں مکمّل طور پر استعمال ہونے لگا جو کہ اصطلاح عام میں اہل روحانیت، مشائخ، صوفیا اور درویشوں کا مسکن وعبادت گاہ، خلاف نفس مجاہدہ کرنے والے لوگوں اور تربیت گاہِ مبتدیاں ومریدان تصوّر ہونے لگا۔اس میں رہنے والے اہل تصوف لوگ ''خانقاہ نشین'' مشہور ہوئے۔لفظ صومعہ چونکہ عرب ممالک کیلئے خاص تھا۔اب دوسری صدی ہجری کے آخر میں اسلام بلادِ عرب وعجم تک پھیل چکا تھا۔مشہور صوفیاء اسلام کے پاک ناموں کے ساتھ ساتھ لفظ خانقاہ نے مکمّل طور پر ''صومعہ'' کی جگہ لے لی۔

۱:۔فیروز اللغات فارسی از مولوی فیروز الدین، ناشر فیروز سنز لاہور۔

۲:۔فرہنگ تلفّظ از شان الحق حقّی، ناشر مقتدرہ قومی زبان پاکستان۔

۳:۔فیروز اللغات فارسی اردو۔از مقبول بیگ بدخشانی، ڈاکٹر وحید قریشی، ناشر فیروز سنز لاہور۔

۴:۔فرہنگِ اقبال فارسی از حضرت نسیم امروہوی، ناشر اظہار سنز لاہور۔

کریم قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں ''فِی بُیُوتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ لا یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (۳۶) رِجَالٌ لا لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِاللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ (۳۷) لِیَجْزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ط وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ (۳۸)'' (النور: 38-36)

((اللہ کا یہ نور) ایسے گھروں (مساجد اور مراکز) میں (میسر آتا ہے) جن (کی قدر و منزلت) کے بلند کئے جانے اور جن میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے (یہ وہ گھر ہیں کہ اللہ والے) ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے ہیں۔ (اللہ کے اس نور کے حامل) وہی مردانِ (خدا) ہیں جنہیں تجارت اور خرید وفروخت نہ اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے سے اور نہ زکوٰۃ ادا کرنے سے (بلکہ دنیوی فرائض کی ادائیگی کے دوران بھی) وہ (ہمہ وقت) اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (خوف کے باعث) دل اور آنکھیں (سب) اُلٹ پلٹ جائیں گی۔ تا کہ اللہ انہیں ان (نیک) اعمال کا بہتر بدلہ دے جو انھوں نے کئے ہیں اور اپنے فضل سے انہیں اور (بھی) زیادہ (عطا) فرمادے، اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق (وعطا) سے نوازتا ہے۔)

فرمایا کہ صاحبِ تفسیر حُسینی، دُرِّمنثور اور رُوح المعانی نے ''بیوت'' سے آنحضور ﷺ کا حُجرہ مبارک، مساجد، مدینہ منورہ کے مکانات (جہاں رات دن اللہ کا ذکر بلند ہوتا تھا)، بیت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما مراد لیا ہے۔

نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق وہ مخصوص چار دیواری جہاں ذاکرین جمع ہو کر صبح وشام اللہ کریم کا ذکر بلند کیا کرتے ہیں۔ صوفیانہ تفسیر کے مطابق یہ مخصوص جگہ آستانہ (خانقاہ) ہی ہے۔

ایک اور موقعہ پر مُرشد کامل مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ''لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ ط فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ط وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّہِّرِیْنَ۔'' (التوبہ: ۱۰۸)

(بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں قیام فرمائیں۔ اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہوا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں۔)

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد ان اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے جو مسجد قُبا میں رہتے تھے پوچھا گیا کہ آپ کیا عمل کرتے ہیں کہ اللہ کریم نے آپ سے اتنی محبّت کا اظہار فرمایا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ تمام تر (ظاہری و باطنی) آدابِ طہارت کا اہتمام کرتے ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ''عوارف المعارف'' میں فرماتے ہیں کہ اس دَور میں تمام تر ظاہری و باطنی آدابِ طہارت صرف صوفیہ کا روزمرہ معمول ہیں جو اپنے آستانوں (خانقاہوں) میں رہتے ہوئے سرانجام دیتے ہیں۔

فرمایا کہ آستانہ (خانقاہ) کے باقاعدہ شرائط وضوابط اور فضیلت واہمیت کے بارے تاریخ اسلام میں حضرت شیخ

شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شُہرہِ آفاق تصنیف ''عوارف المعارف'' میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آستانہ کا نعم البدل لفظ ''رباط'' استعمال ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سنو! میں تم کو اس بات کی خبر دوں جس سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف اور تمہارے درجات بلند فرما دے گا۔'' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ارشاد فرمائیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''مکروہات میں وضو کا پورا کرنا، مسجدوں کی طرف کثرت سے قدم بڑھانا، اور ایک نماز (ادا کرنے) کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا! رباط ہے، رباط ہے، یہ رباط ہے۔ یعنی اس میں جہاد کا ثواب ہے''۔

''رباط'' لُغت میں اس مقام اور جگہ کو کہتے ہیں جہاں گھوڑے باندھے جاتے ہیں یعنی اصطبل۔ پھر اس لفظ کو ان سرحدوں کے لئے استعمال کیا جانے لگا جو مملکتِ اسلامیہ اور مملکتِ کفار کی حدِّ فاصل ہوتیں۔ قوم یا دوسرے لوگ (سپاہی) جن کی حفاظت کرتے ہیں۔ پس جس طرح سرحد کے محافظ مجاہد! اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح وہ شخص جو خانقاہ نشین ہے، رباط میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں مشغول ہے وہ بھی دُعاؤں اور اطاعت گزاری سے بندوں اور شہروں سے بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

پس اگر خانقاہ والے صحیح طور پر اپنے مقاصد (روحانی) پر عمل پیرا ہوں، حُسنِ معاملت اور رعایتِ اوقات کو ملحوظ رکھیں اور ان چیزوں سے گریز کریں جو اعمال کو ضائع کرنے والی ہیں اور اعمال کو درست کرنے والی باتوں پر سختی سے قائم رہیں تو وہ ملک وملت کیلئے خیر وبرکت کا باعث ہو سکتے ہیں۔

حضرت داؤد بن صالح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابنِ عم! کیا تمہیں خبر ہے کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی تھی؟۔ ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (آل عمران: 200)

''اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو۔'' میں نے کہا جی نہیں، انہوں نے فرمایا اے برادر زادے! یہاں ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا مُراد ہے۔ اور ''رَابِطُوْا'' سے مُراد جہادِ نفس ہے اور جو خانقاہ (آستانہ) میں رہتا ہے وہ مجاہدِ نفس ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ'' (اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کا حق ہے۔)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں جہاد سے مراد ''مجاہدۂ نفس'' اور ''مجاہدۂ خواہشات'' ہے کہ اس کے ذریعہ جہاد کا حق ادا ہوتا ہے۔ یہی جہادِ اکبر ہے جیسا کہ خبر میں آیا ہے کہ جب رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم بعض غزوات سے واپس تشریف لاتے تو ارشاد فرماتے ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰی جِهَادِ الْاَکْبَرِ'' (ہم جہادِ اصغر سے لوٹ کر جہادِ اکبر کیلئے آ گئے ہیں۔)

بقول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ رباط یا خانقاہ! صوفیہ کے گھروں (آستانہ) کی طرح ہیں جو اہل صُفّہ کے بھی مشابہ ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو شخص باہر سے آتا اور اس کا مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی شناسا نہ ہوتا تو وہ اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کے پاس جا کر قیام کرتا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس کی ملاقات ہو جاتی۔

اصحاب صُفّہ رضی اللہ عنہم کی آپس میں کوئی قرابت داری یا دنیاوی لین دین نہ ہوتا تھا نہ ان کا کوئی دنیاوی کاروبار ہوتا تھا جس سے روحانی امراض جنم لیتے اس لئے ان کے احوال میں یک رنگی تھی اور یہ اہل جنت کی نشانی ہے۔ خداوندِ کریم اہل جنت کے بارے فرماتے ہیں ''اور ان کے سینوں سے جو کینہ اور رنجش تھی اس کو نکال دیا اور وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔'' یہی حال بعینہٖ آستانہ نشینوں (اہلِ خانقاہ) کا ہے جو مختلف اقوام سے تعلّق رکھتے ہیں۔ مل جُل کر یکساں سادہ کھانا کھاتے ہیں اور للہ فی اللہ آپس میں محبّت کرتے ہیں۔ بےلوث ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں یہاں اصحاب صُفّہ کی طرح نوجوانوں کے حفظِ اوقات، ضبطِ انفاس اور تربیتِ حواس کا انتظام و انصرام ہوتا ہے بقول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ایسے لوگوں کی خداوند کریم نے پیروی کا حکم دیا ہے۔ ''اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰاھُمُ اقْتَدِہْ'' (یہی وہ لوگ ہیں جو من جانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں اس لئے تم انہی کی ہدایت کی پیروی کرو!)

مُرشد کریم مدظلہٗ العالی نے وضاحت کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ علاّمہ محمد بن اسحاق الکلا باذی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۸۰ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''التّعرّف لمذھبِ اہل التصوّف'' کہ جس میں انہوں نے صرف ایک ہی موضوع یعنی ''صوفی'' پر بحث کی، کے دیباچہ میں (ص 18) پر رقمطراز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ کو کتنے اَن گنت انعامات سے نوازا لکھتے ہیں کہ ''ان میں اُس نے صاف دل والے، اچھے کاموں والے، پاک طبیعتوں والے اور نیک کام کرنے والے ایسے لوگ بنائے جنہیں اللہ نے پہلے ہی سے اچھا فرما رکھا ہے، اپنے سے ڈرنا ان کی طبیعتوں میں پیدا کر رکھا ہے اور انہیں دنیا سے دُور کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ پڑھنے پڑھانے کے گُر جانتے ہیں جن کی بنیاد پر دُوسروں سے اُن کے برتاؤ اچھے ہوتے ہیں تو گویا انہیں (اللہ کی طرف سے) اُترتے رہنے والے علم ملتے ہیں، اُن کے دلوں میں کھوٹ نہیں ہوتا تو اُن کے دِلوں میں آنے والی بات سچی ہوتی ہے، وہ صحیح راہوں پر ڈٹے ہوتے ہیں، سوجھ بوجھ درست ہوتی ہے، ہر ایک اُنہیں پہچانتا ہے، وہ اللہ سے سمجھتے اور اُس کی طرف توجّہ رکھتے ہیں۔ اُس کے سوا کسی سے غرض نہیں رکھتے۔ ان کے علم وعمل کی روشنی رکاوٹوں کے باوجود دور تک پہنچتی ہے۔ نگاہیں عرش کے چوفیرے گھومتی ہیں لہٰذا وہ روحانی جسم ہیں۔ زمین میں رہ کر آسمانی ہیں۔ مخلوق میں رہ کر اللہ والے ہیں۔ ہر چیز کو چُپ چاپ دیکھتے ہیں۔ دکھائی نہ دیتے ہوئے بھی ہر جگہ ہوتے ہیں۔ پھٹے پرانے کپڑوں میں چھپے بادشاہ ہیں۔ قبیلوں میں رہ کر بھی پردیسی ہیں۔ مرتبوں والے ہیں۔ راہ دکھانے والے نُور ہیں۔ اُن کے کان غور سے سنتے اور دِل کے صاف ہیں۔ ہر ایک اُن کی خوبیوں سے واقف

نہیں۔ وہ ستھری اور کھری ہیں، چمکتی دمکتی ہیں، اللہ کی مخلوق میں امانت اور چُنے ہوئے ہیں، اُس کے نبی ﷺ کے ہاں اللہ کی ہدایت پر چلنے والے اور اُس کے چنے ہوئے (نبی ﷺ) کے پاس گُم سُم رہنے والے ہیں، (یہ لوگ) اُن کی زندگی کے دوران صُفّہ والے تھے اور اُن کے وصال کے بعد اُمت کے بہترین لوگ (صوفی) بنے۔ اُن میں سے پہلا دوسرے اور اگلا پچھلوں کو زبانی کی بجائے اپنے عمل سے سمجھاتا رہا ہے''

ایک موقعہ پر آپ سرکار مدظلہٗ العالی نے تاریخ اسلام کی روشنی میں اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ قرونِ اُولیٰ کے مشہور صوفیاءِ اسلام خاص کر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہی نظام نے مولویّت کے ردِعمل میں جنم لیا۔ دوسری صدی ہجری تک تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زیر اثر مسجد و مکتب بین المسلمین اتفاق و اتحاد اور اُنس و محبّت کے مراکز رہے۔ جونہی روحانیت پر ظاہر دار علماء کا مسجد و مکتب کے توسط سے غلبہ ہونا شروع ہوا اور مسلمانوں میں نفاق و نفرت کے آثار پیدا ہونے لگے تو اہلِ باطن، خالص روحانیت کے علَم بردار لوگوں نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ مسجد و مکتب کی مکدّر فضا سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ''نفحات الانس'' میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس طرف قدم بڑھانے والے دنیائے اسلام میں سب سے پہلے صوفی ابوالہاشم رحمۃ اللہ علیہ (وفات: 150ھ، 767ء) کا نام نامی اسم گرامی آتا ہے جو دوسری صدی ہجری سے تعلّق رکھتے تھے۔ فلسطین ''رملا'' کی پہاڑی پر جا کر خالص مرکزِ روحانیت آستانہ (خانقاہ) کے نام سے سنگِ بنیاد رکھا۔ ظاہر بیں علماء سے متنفرّ مسلمان کھچا کھچ یہاں آنا شروع ہو گئے جن میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: 778ء) جیسے لوگ پیدا ہوئے جن کا یہ قول لائقِ توجہ ہے کہ ''ابو ہاشم صوفی کو دیکھنے سے قبل میں نہیں جانتا تھا کہ صوفی کیا ہے؟''

نیز ''تاریخ تصوف'' میں علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اس خانقاہ کی تعلیمات مَردوں تک محدود نہ تھیں بلکہ کئی عورتوں کے نام بھی نمایاں نظر آتے ہیں جو اپنے زُہد و اتقاء میں زبان زد خاص و عام تھیں مثلاً حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ (185ھ، 801ء)، (جن سے حضرت ابوسفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دُعا کے خواستگار ہوا کرتے تھے۔ ان کا یہ قول مشہور ہے کہ ''خدایا اگر میں صرف جنت کی امید میں عبادت کرتی ہوں تو مجھے ہمیشہ کے لئے اس سے محروم کر دے۔)

مریم بصریہ رحمۃ اللہ علیہا، اُمّ حسان رحمۃ اللہ علیہا اور فاطمہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہا (223ھ) جن کے بارے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''فاطمہ میری پیر ہے۔''

ہوتے ہوتے وقت نے ثابت کیا کہ خانقاہ سے تاثیراتِ نبوی ﷺ اور دمِ عیسوی علیہ السلام کے علَم بردار ایسے لوگ پیدا ہوئے جو ''قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ'' کے اشارے سے مُردے زندہ کرتے تھے۔

فیلسوف اسلام، حکیم الامّت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایسی عظمت رفتہ پر نُوحہ کناں تھے۔

؎ ''قُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰہ'' کہہ سکتے تھے جو! رخصت ہوئے　　خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گور کن

؎ وہ سجدہ، روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی　　اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی اس بات کا اقبال ہے کہ دراصل زندگی، محبّت، معرفت اور نگاہ سب خانقاہ کی وراثت تھیں مگر اب شومئی قسمت خانقاہ بھی مولویّت، بے عملی اور غیر شرعی رسم و رواج کی زد میں آ چکی ہے۔ فرماتے ہیں۔

؎ اُٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک　　نہ زندگی، نہ محبّت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

مُرشد کامل مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ ہم بھی موجودہ خانقاہی ''نظام'' کے خلاف ہیں جس طرح کہ دورِ جدید کے مفکّر اور حکیم الامّت حضرت علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ کے خلاف نہیں تھے بلکہ بدلے ہوئے خانقاہی ''نظام'' اور ذوقِ عمل سے محروم خانقاہ نشینوں کے خلاف تھے خود فرماتے ہیں:

؎ تھا جہاں مدرسہ شیری و شاہنشاہی　　آج اُن خانقہوں میں ہے فقط روباہی!

اسی بنا پر آخر کار ہماری طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ:

؎ یہ معاملے ہیں نازک، جو تیری رضا ہو، تُو کر　　کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی!

علاّمہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے مُلاّ کی شاطرانہ چالوں کی یوں قلعی کھولتے ہیں:

؎ بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں　　لرز جاتا ہے آوازِ اذاں سے!

مُرشد کامل مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ ہم بھی اس دور میں ظاہر بیں اور سیاسی علماً سے اس طرح نالاں ہیں جس طرح کہ قُرونِ اُولیٰ میں مرشدِ اقبال، پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ (604ھ۔672ھ) جو کہ ایک آستانہ نشیں مردِ درویش ساتویں صدی ہجری سے متعلّق تھے ظاہر بیں علماء سے جب اُن کا پالا پڑا تو مجبوراً مشہور عالم دین فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کو ''بہروپیا'' تک کہہ گئے۔

؎ گر باستدلال کارِ دیں بُدے　　فخر رازی راز دارِ دیں بُدے

؎ پائے استدلالیاں چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

i۔ دینداری کا تعلّق اگر عقلی دلائل سے ہوتا تو فخر الدین رازی بھی راز دارِ دیں ہوتے۔

ii۔ عقلی دلائل پر انحصار کرنے والوں کے پاؤں بہروپیوں کی طرح بے اعتبار ہوتے ہیں۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفہ بھی آستانہ نشیں (اہل خانقاہ) کا فلسفۂ عشق ہی تھا کہ جس سے شاطر، جاہ پسند اور دنیا دار علماً ناواقف تھے:

؎ می شناسد ہر کہ از سرّ مَحرم است　　زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

(یہ بات صرف وہ انسان قبول کر سکتا ہے جو محرمِ راز ہو کہ عقل عیار ابلیس سے اور عشق آدم سے ہے۔)

آپ سرکار مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ درباروں اور آستانوں میں عورتوں کا جو ہجوم تمہیں نظر آتا ہے اُن میں صرف 5% عورتیں جن و آسیب یا کسی اور پریشانی میں مبتلا ہوتی ہیں۔ باقی 95% عورتیں غیر اخلاقی اور توہّم پرستی جیسے امراض کا شکار ہوتی ہیں۔ ہم اپنے آستانے میں کسی اکیلی عورت کا آنا پسند نہیں کرتے اور نہ کسی عورت سے اکیلے میں ملتے ہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی مَحرم نہ ہو۔ اس لئے آپ فرمایا کرتے ہیں کہ دورِ حاضر میں سیاسی وڈیرے، پیر اور علماء اگر صحیح ہوں تو ہمارا معاشرہ خود بخود صحیح ہو جائے۔

مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے حالاتِ زندگی اور ملفوظات میں یہ چیز قاری کو جا بجا نظر آئے گی کہ آپ آستانوں سے وابستہ غیر شرعی پیروں اور مدارس کے تنگ نظر مُلّاؤں سے کس قدر گُریزاں ہیں۔ مُریدین اور متوسّلینِ اولیاءاللہ سے بھی اسی چیز کی توقع رکھتے ہیں۔

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو صدیوں پہلے فرمایا تھا:

؎ واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند　　چوں بہ خلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

آپ سرکار مدظلہٗ العالی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخشندگیوں، نجومِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مہتابیوں کے بعد دنیائے اسلام آستانوں (خانقاہوں) کی ضوفشانیوں سے منوّر رہا، منوّر ہے اور منوّر رہے گا، کیونکہ دروازۂ ولایت قیامت تک کھلا ہوا ہے۔

خانقاہی نظام گو عرب ہی سے شروع ہوا مگر اس کی ضیاء پاشیوں نے عجم کو بھی اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا۔

بقولِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ: ''اہلِ تصوف خصوصاً ہندوستان کے صوفیاءِ عظام نے اسلام کو وہ رونق بخشی اور بجائے تیر و تلوار کے محض حُسنِ عمل اور حُسنِ اخلاقِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اس کی وہ اشاعت کی کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ یقیناً انہی بزرگوں کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں۔'' (کیونکہ علاّمہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بھی حضرت قاضی سلطان محمود قادری گجراتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔) (حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں)

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ خانقاہ کی فضیلت و اہمیت کو ازمنہ سابقہ سے لیکر آج تک کسی بھی دور میں رَد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اکثر مفسّرین، محدّثین، شارحین، مُورّخین، فُقہا، عُرفا، شُعرا، صُوفیاءِ کاملین اور ان کی تصانیف گراں مایہ کا تعلّق اولیائے کرام کے آستانوں (خانقاہ) ہی سے ہے لہٰذا موجودہ خانقاہی ''نظام'' کی تو مُخالفت کی جا سکتی ہے مگر ''خانقاہ'' کی نہیں۔

جس طرح کہ آج کل فرقہ پرستی نے اسلام کو بدنام کر دیا ہے فرقہ پرستی کی مخالفت تو کی جا سکتی ہے مگر اسلام کی ہرگز نہیں۔ خاص کر عالمِ اسلام میں جو بھی روحانیت کی بات چلے وہ کسی آستانہ (خانقاہ) تک جا پہنچتی ہے۔

؎ بوریا ممنون خواب راحتش　　تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش

؎ شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود　　فقر جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

آپ سرکار مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ خصوصاً برصغیر میں تاریخِ ہند کی اگر ورق گردانی کی جائے تو ہندوستان کا ہر بادشاہ کسی آستانہ نشیں فقیر کا غلام نظر آتا ہے مثلاً

1: ۔التمش! قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

2: ۔بلبن! حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

3: ۔فیروز تغلق! حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

4: ۔اکبر! حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

5: ۔جہانگیر! حضرت شیخ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد غلام تھے۔

6: ۔شاہ جہاں! حضرت شیخ میاں میر رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ فضل اللہ برہان پوری رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مند تھے۔

7: ۔سلطان احمد خان بہمنی! حضرت بندہ نواز سیّد محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

8: ۔سلطان محمود! فاتح جونا گڑھ، حضرت سید شاہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

9: ۔سلطان احمد خان اول! بانی سلطنت گجرات، حضرت شیخ احمد کھٹوی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے۔

دورِ حاضر میں ہمارا معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اولیاء اللہ کے آستانوں تک رسائی حاصل کرنا جُوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ دنیاداری، نفس وشیطان، جعلی پیروں اور تنگ نظر مولویوں سے صرف وہی بچ کر کسی ولی اللہ کے آستانے پر آکر حاضر ہوتا ہے جس پر خدا راضی ہو۔ یہ ہر کسی کا کام نہیں۔ اللہ کریم مخلوق کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

نوٹ: کتاب کے دیگر متعدد مقامات پر خانقاہ کے بارے اظہار خیال کیا گیا ہے وہاں بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

2: ۔نظریہ مرشد

؎ رہبر راہ طریقت آں بود　　کو بأحکام شریعت می رَود　(رومیؒ)

(راہ طریقت کا رہنما وہ ہوتا ہے جو خود احکام شرعی کا پابند ہو۔)

مرشد شرع کی پابندی میں جس قدر کامل ہو اسی قدر بزرگی میں کامل و مکمّل ہوتا ہے تمام تر شرعی مسائل سے واقف یعنی عالم ہو۔ اسے مکمّل مدارج کشف حاصل ہوں۔ وگرنہ از روئے تصوّف اسے مرید رکھنا جائز نہیں ہے۔ وہ خود مریدی کی کسوٹی پر چڑھ کر تربیت حاصل کر چکا ہو۔ جو خود مرید نہ بنا اور نہ اپنی جان کو خدمت مرشد کی کٹھیالی میں پکایا تو اسے مرید کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔

؎ علم باطن ہمچوں مَسکہ علم ظاہر ہمچوں شیر　　کئے شود بے شیر مَسکہ کئے بود بے پیر! پیر

(علم باطن مکھّن اور علم ظاہر دودھ کی طرح ہے جس طرح قانون قدرت کے مطابق دودھ کے بغیر مکھّن پیدا نہیں

ہوسکتا۔اسی طرح خدمتِ پیر کے بغیر کوئی پیر بھی نہیں بن سکتا۔)

لہٰذا پیر اپنے مریدوں کی ظاہری و باطنی تربیت کرنا جانتا ہو۔ مرید کے احوال سے،خواہ وہ جہاں بھی ہو،کُلی طور پر واقف ہو۔ ہر مشکل میں مرید کے عقیدے کے مطابق اس کی امداد کرسکتا ہو۔اس لئے مرشد کامل اس دنیا کے علاوہ موت کے وقت بھی اپنے مرید کے سر پر حاضر ہوکر اسے کلمہ طیّبہ پڑھا کر ایمان کے ساتھ روانہ کرتا ہے۔کیونکہ مرید پر یہ شیطان کے حملے کا آخری وقت ہوتا ہے۔اس کے بعد قبر میں بھی کامل مرشد اپنے مرید کی رہنمائی کیلئے حاضر ہو جاتا ہے۔ پھر میدانِ محشر میں بھی جبکہ تمام مخلوق یہاں تک کہ انبیاء عظام علیہم السلام بھی سوائے محمد عربی ﷺ واولیاءامت محمدی باقی سب نفس و نفسی کے عالم میں ہونگے۔اولیاء کرام اور مرشدین کامل اس وقت بھی ان لوگوں کو تلاش کرتے ہوں گے جنہوں نے دنیا میں ان کا دامن پکڑا ہوا تھا۔انہیں لیکر سردارِ دو جہاں ﷺ کی محفل خدا پناہ میں لے جائیں گے۔المختصر!ایک مرشد کامل ہر موڑ پر اپنے مرید کا خیر خواہ ورہبر ورہنما ہوتا ہے۔اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اہمیت پیر کے بارے میں فرمایا:

؎ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر — ہست پر از آفت و خوف و خطر

؎ ہر کہ اُو بے مرشدِ در راہ شُد — اُو زغولاں گمرہ و در چاہ شُد

1۔اے مسلمان!اگر تُو نے خدا تک پہنچنا ہے تو کسی پیر کامل کا دامن پکڑ لے بغیر رہبری پیر کے یہ(آفات و بلیات نفسانی وشیطانی)خوف وخطرے سے بھرا راستہ ہرگز طے نہیں ہوسکتا۔

2۔جو شخص بغیر پیر کے زندگی کی راہ میں چلا وہ شیطانوں (فتنوں) کی وجہ سے گمراہ اور ہلاک ہوا۔

پیری مریدی کے حقوق ہیں۔مرید پر پیر کا یہ حق ہے کہ وہ دل وجان سے بغیر کسی لالچ کے کماحقہٗ مالی وجانی لحاظ سے مرشد کی خدمت کرے۔ پھر پیر پر مرید کا یہ حق ہے کہ وہ اسے اَسرار ورموزِ دین سمجھا کر معرفتِ الٰہی کی طرف لے جائے۔مرید کے سمجھانے میں بلاکسی گرم وسرد کی تخصیص کے (تاکہ بروقت اس کی پرکھ ہو) ذرا بھر کسر نہ اٹھا رکھے۔آگے مرید کی اپنی قسمت! اگر استقامت اختیار کی تو معرفتِ دوامی حاصل کر لیتا ہے۔ وگرنہ جس قدر خدمت کی اس قدر صلہ لیکر رہے گا۔اگر پیر مرید کے یہ حقوق ادا نہ کرے تو پیر اس دنیا اور اگلی دنیا میں بھی خدا کی بارگاہ میں قابلِ گرفت وقابلِ مواخذہ ہوگا۔نیز مرشد کو مرید کے مال وجان سے اسی قدر استفادہ کرنا چاہیے جس قدر مرید مرشد کے فیض سے استفادہ کر رہا ہو۔ آپ نے بعض مقامات پر اسی نظریئے کے تحت مرید کے جانی ومالی استفادے سے گریز کیا ہے۔

مرشد اپنے مرید کیلئے نہایت رحیم وکریم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مرید پر دلی طور پر ناراض ہوتا ہی نہیں اور نہ اسے بے جا جھڑکتا ہے۔ ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی دوسروں کی عبرت کیلئے اپنا ایک چشم دید واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ڈیرہ اسماعیل خان کے ایک پیر کو،جو کہ میرا پہلے سے واقف تھا ملنے کے لیے گیا۔اس وقت اس کا ایک مرید آکر حاضر خدمت ہوا جس کے ہاتھ میں دَم کرنے کیلئے نمک تھا۔اس نے وہ نمک اپنے پیر کے سامنے دَم کرنے کیلئے جونہی آگے کیا

پیر نے اس کے ہاتھ سے لیکر دُور اُچھال پھینکا اور کہا کہ دفع ہو جاؤ یہ کوئی نمک دَم کرنے کا وقت ہے۔ وہ بے چارہ نیم مُردگی کی حالت میں خاموش واپس چلا گیا۔ یہ دیکھ کر میرے دل پر اتنا بوجھ آ گیا کہ برداشت نہ کر سکا۔ بغیر کسی بات چیت اور خاطر تواضع کے اُٹھ کر روانہ ہو گیا گو کہ وہ بار بار بیٹھنے کا اصرار کرتا رہا مگر میں نے کہا کہ مجھے ایسے ناحق شناس انسان کے پاس بیٹھنا گوارا نہیں۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ مرید کے ساتھ ایسا سلوک کرنا نہایت ظلم کی بات ہے۔ وہ للّٰہ فی اللّٰہ مرشد سمجھ کر اس کے پاس محبّت کے ساتھ آ جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ خدا کے حکم سے آتا ہے۔ پھر آگے اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا فقر و تصوّف کے خلاف اور پیری و مریدی کے اصولوں سے باہر کی بات ہے۔ خدا سمجھ عطا فرماوے۔ مزید بر آں پیر کو چاہیے کہ وہ زیادہ دنیاوی دبدبہ اور شان و شوکت کو پسند نہ کرے۔ بلکہ ہر وقت آخرت کی عزت و احتشام کو مدنظر رکھے۔ یہ قانونِ تصوّف ہے کہ جو ولی اللہ خوب ٹھاٹھ سے وقت گزارے اسی دنیا میں اپنی تمام تر ظاہری و باطنی قوتوں کا مظاہرہ کرے اس کی اولاد شریعت میں پابند نہیں رہ سکتی۔

3: ۔نظریۂ بیعت

آپ سلسلۂ بیعت کو سنتِ مؤکدہ سمجھتے ہیں اور اس کی اہمیت اس طرح واضح فرماتے ہیں کہ اگر یہی سلسلہ بیعت جاری نہ ہوتا تو طریقت و معرفت ہم تک نہ پہنچ سکتی اور بیعت سے خاص فائدہ صرف وہی شخص اٹھا سکتا ہے۔ جو مرید بننے کے بعد بیعت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ کو مکمّل پیرویِ مرشد میں ڈھال لے کیونکہ پیروی مرشد بالواسطہ پیروی نبی ﷺ ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ گر نیفتد بر تو مردے را نظر   از وجودِ خود کئے یابی خبر

؎ چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شُو   ہمچوں موسیٰ زیرِ حکم خضر رُو

1۔ جب تک تجھ پر کسی کامل کی نظر نہ پڑے تُو اپنے وجود (خود) سے کیسے باخبر ہو سکتا ہے۔

2۔ جب پیر کی بیعت کر لی تو اسے اس طرح تسلیم کر لے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احکام خضر علیہ السلام کی تعمیل کی تھی۔

اپنے آپ کو اس طرح مرشد کے حوالے کر دے جس طرح کہ مردہ غسّال کے حوالے ہوتا ہے۔ جسے غسّال پاک وصاف کر کے دیدارِ الٰہی کیلئے تیار کرتا ہے۔ آپ اکثر و بیشتر ہر کسی کو بیعت فرماتے ہیں اس نیت پر کہ شاید کوئی نہ کوئی جوہرِ قابل نکل آئے۔ نظریۂ اصلاح کی وجہ سے اس معاملے میں آپ اس قدر حریص ہیں یہاں تک کہ دوسروں کے مرید بھی بیعت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ بھی حریصِ فیض ہوں۔ کیونکہ اولیاء کرام سب مخلوق کو ایک ہی چشمۂ فیض سے سیراب کرتے ہیں۔ آپ مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں میں کوئی ظالم نہیں ہوں کہ کسی کا عقیدہ خراب کروں میں

دوسرے پیروں کے مریدوں میں سے صرف اس کو بیعت کرتا ہوں جسے میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے ان کی نسبت زیادہ فیض یاب ہوسکتا ہے۔ اگرچہ ان کا پیر کامل ہے مگر اس مرید کا فیض ان کے پاس نہیں لکھا ہوا (جس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے) تو مَیں باطنی طور پر ان سے اجازت لیکر اس کے مرید کو بیعت کرتا ہوں۔ اگر اس کا سابقہ پیر ناقص ہے تو ویسے ہی اس کے مرید پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں مَیں مریدوں کا بھوکا نہیں ہوں بلکہ بیعت کے وسیلے سے اصلاح کا بھوکا ہوں۔ وگرنہ شکر الحمد للّٰہ میرے خلفاء بے انتہا اور لاکھوں کی تعداد میں مرید ہیں مَیں تو اس معاملے میں بہت کھلے دل کا مالک ہوں۔ مجھے بھی اگر کوئی ایسا شخص مل جائے جو مجھے اس سے آگے لے جاسکے تو مَیں بذاتِ خود ان کی بیعت ہونے کو تیار ہوں۔ کیونکہ راہِ فقر میں غرور وحسد اور نفس وشیطان کا ذرا بھر دخل نہیں ہے بشرطیکہ کوئی اپنے مقصد میں صادق ہو۔

دوسرے سلاسل اِس دَور میں اس لئے دم توڑ رہے ہیں کہ وہ برائے فیض دوسری جگہ تجدیدِ بیعت کرنے سے گریز کرتے ہیں اس معاملے میں سلسلۂ نقشبند سب سے پیش پیش ہے۔ اس میں اس قدر فیض ہے کہ ہر کسی کو سیراب کرنے کی مکمّل طاقت رکھتا ہے۔ عروج پر ہے اور انشاء اللّٰہ عروج پر رہے گا۔ یہاں تک کہ آخری مجدّدِ نقشبند اں حضرت مہدی آخرالزماں رحمۃ اللہ علیہ آکر اس کا زَمامِ فیض اپنے ہاتھ میں لیکر ساری دنیا میں پھیلا کر درجۂ کمال کو پہنچائیں گے۔

4:۔ نظریۂ مرید

مرشد کی اِن تمام باطنی خدمات کے صلّے میں اُن کی ذات مرید کیلئے اتنی عظیم اور قابلِ احترام ہوتی ہے کہ زبان و قلم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔ مرید اگر مرشد کے پاؤں کی مٹی کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالے یا یہاں تک کہ اگر اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر اُن کی خدمت میں پیش کرے تو یہ اس کی ایک معمولی سی عقیدت ہے۔ کیونکہ مرشدِ کامل اس کے جسم کو عذابِ اِلٰہی سے بچا کر اس کی دوستی میں لا کر دیدارِ سرمدی سے نوازتا ہے۔ معرفتِ الٰہی جیسی عظیم نعمت دِلا کر اصل مقامِ انسانیت پر لاکھڑا کرتا ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ مریدوں کی تین قسمیں ہیں ایک مرید طالبِ دنیا بن کر آتا ہے۔ جو خدا کی بارگاہ میں مرْدُود شمار ہوتا ہے دوسرا طالبِ عُقبیٰ بن کر آتا ہے۔ جو خدا کی بارگاہ میں مردِ نامکمّل (مخنّث) شمار ہوتا ہے۔ اور تیسرا طالبِ مولا بن کر آتا ہے جو خدا کی بارگاہ میں اصل اور مکمّل مرد ''رَجُلٌ مِّنْ رِجَالُ اللّٰہ'' شمار ہوتا ہے۔ یہی مرید مرشد کامل کی بارگاہ میں مکمّل اور حقیقی مرید سمجھا جاتا ہے۔ ایک مرشدِ کامل کو ایسے ہی مرید کی تلاش ہوتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مرید بننا ایک رسم نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔ مرید بننا خدا کی درسگاہِ معرفت میں داخلہ لینا ہے۔ پھر اس کی رضا کی طرف اور اس کے دیدار کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ یعنی حقیقت کی مریدی مرید بن کر طالب مولا بننا ہے نہ کہ اسے ایک رسم ورواج سمجھ کر پھر اسی خوابِ غفلت میں سونا ہے۔ جس طرح کہ ایک خزانہ لُوٹنے والا ہمیشہ مسلح، بیدار اور چاک وچوبند رہتا ہے اسی طرح ایک مرید بھی خدا کے خزانہ معرفت کا لُوٹنے والا ہوتا ہے اسے بھی ہمہ وقت غفلت

سے دور اور نفس وشیطان کی راہزنی سے چاک وچوبند رہنا پڑتا ہے۔ تب وہ اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

اس بارے میں آپ ایک واقعہ بیان فرماتے رہتے ہیں کہ ایک علاقے میں نہایت کامل اور فیض دینے والا ولی اللہ رہتا تھا۔ اُن کے مرید بڑے بڑے بلند مقامات پر فائز تھے۔ مگر اپنا بیٹا اُن کے فیض سے محروم تھا۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے اپنے مریدوں کو کتنا فیض یاب کیا ہے۔ مگر اپنے بیٹے کی طرف اب تک ذرا بھر توجہ نہیں دی۔ اس پر اُن برگزیدہ بزرگ نے اپنی بیوی کو بتایا میں کیا کروں کہ وہ خود نا اہل اور غافل ہے۔ مگر بیوی کے اصرار پر ولی اللہ نے حکم دیا اچھا! رات کو تہجّد کے وقت اُسے میرے سامنے لانا میں اس پر ضرور توجہ دوں گا۔ چنانچہ آدھی رات کے بعد بوقت تہجّد گراں خوابی کے دوران ماں جا کر بیٹے کو جگانے لگی کہ اٹھو آج تمہاری قسمت جاگنے والی ہے۔ آپ کے والد آج آپ کو فیض یاب کرنے والے ہیں مگر کہاں۔ ہاں، ہوں کر کے بیٹا پہلو بدلتا رہا پچھلی رات کی غفلت کی نیند کو چھوڑ کر رحمتِ الٰہی کے سامنے جا کر دامن طلب پھیلانا اس کیلئے نہایت بارگراں تھا۔

دوسری طرف ان کے بیٹے کا ہم نام ایک مرید بھی اُن دِنوں مرشد کی خدمت میں موجود تھا۔ وہ مرید عین اسی وقت نمازِ تہجّد کے وضو کرانے کیلئے پانی گرم کر کے اپنے مرشد کی خدمت میں دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ مرشد جاگے ہوئے اپنی مسند پر جلوہ افروز تھے۔ آہٹ سن کر آواز دی کون؟ جواب میں مرید نے اپنا نام بتایا چونکہ دونوں ہم نام تھے۔ بزرگ سمجھے کہ حسب وعدہ بیٹا آیا ہوا ہے۔ حکم دیا اندر آؤ گلے لگ جاؤ۔ چنانچہ بجائے بیٹے کے مرید کو جو بیدار اور چاک وچوبند تھا گلے لگا کر مالا مال کر دیا۔ شاعر نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ:

؎ تہی دستانِ قسمت را چہ سُود از رہبرِ کامل　　　　که خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

(جو قسمت کا مارا ہو وہ کسی مرشدِ کامل سے بھی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ جس طرح کہ خضر علیہ السلام جیسے رہبر کی رہبری کے باوجود سکندر جیسا بادشاہ آبِ حیات سے محروم واپس لوٹا۔)

اس لئے آپ فرمایا کرتے ہیں کہ مرید کو اپنے صاحب شرع پیر پر کامل العقیدہ ہونا چاہیے۔ یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات اگر پیر کامل نہ ہو مگر مرید اپنی کامل العقیدگی کی بناء پر راہ سلوک میں مطلوبہ درجات حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر پیر کامل ہو مگر مرید کا عقیدہ ناقص اور خلل انگیز ہو تو وہ کبھی بھی منازل سلوک طے نہیں کر سکتا اور نہ وہ روحانی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا پیر اگرچہ غوث اعظم پیر دستگیر کیوں نہ ہو۔ بہر حال مرید کو غفلت چھوڑ کر ہمہ وقت، صحبت سے اگر دور ہو تو عبادت وریاضت میں مصروف رہنا چاہیے۔ اگر صحبتِ شیخ میں موجود ہو تو خدمت شیخ کی کوشش کرے۔ آگے وہ رحیم کریم ذات مزدوری ضائع کرنے والی نہیں ہے۔ ضرور بالضرور ایک دن قسمت جاگ جائے گی۔

؎ چوں ز چاہے میکنی ہر روز خاک　　　　عاقبت تُو میرسی با آب پاک (رومیؒ)

(جب کنوئیں سے تُو روزانہ تھوڑی مٹی نکالتا رہے آخر کار ایک دن پاک وشفاف پانی تک پہنچ جائے گا۔)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ خوابِ غفلت میں سونے والے سے کچھ نہ کچھ کرنے والے کو خدا بہت دوست رکھتا ہے۔

؎ دوست دارد دوست ایں آشفتگی   کوششِ بیہودہ بہ از خُفتگی

؎ مالی دا کم پانڑی ڈیونڑ بھر بھر مشکاں پاوے   مالک دا کم پھَل پھُل لانونڑ لاوے یا نہ لاوے

مالی باغ دی راکھی کردا پھَل پکے ہونڑ یا کچے   پیر مریداں دے سر تے رہندا جھوٹے ہونڑ یا سچے

5: ۔نظریہ اکتسابِ فیضِ مرشد

1991ء میں دورہ بھکر کے موقع پر آپ نے مریدین کی رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مرید اگر اپنے صاحب شرع مرشد میں اضافی یقین کیلئے صرف ایک ہی کرامت دیکھ لے یا چند مریدوں کی اصلاح ہوتے ہوئے دیکھ لے تو اپنا عقیدہ پختہ کر کے خوب جما لے کہ مرشد کے پاس تو سب کچھ ہے مگر نقص مجھ میں ہے کہ مجھے حاصل کرنے کی اہلیّت نہیں ہے۔فرمایا پہلے تقاضائے مریدی پورا کر کے اپنے آپ کو اس اہل بنا دو پھر فیض مرشد کی شکایت کرنا۔بعض مریدوں کو ابھی تک آداب مریدی کا بھی پتہ نہیں ہوتا تقاضائے فیض پہلے کر بیٹھتے ہیں انصاف سے کام لینا چاہیے۔

؎ پہلے خود دار تُو مانند سکندر ہو لے   پھر جہاں میں ہَوسِ شوکتِ دارائی کر (اقبالؒ)

لہٰذا اپنے عقیدے کی درستگی کر کے خلوص دل کے ساتھ اسے خدمت مرشد میں استقامت اختیار کرنی چاہیے۔ اپنی جان مریدوں کی طرح بنانی چاہیے پھر ضرور کسی نہ کسی دن وہ فیض یاب ہونے میں کامیاب ہو جائے گا۔آپ مزید ارشاد فرماتے رہتے ہیں کہ لفظ فیض پر غور کرنے ہی سے مرید کیلئے فیض یابی کا اصول واضح ہے۔لفظ ''فیض'' اولیاء کرام نے قرآن کریم کے لفظ تفویض ''وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۤ اِلَی اللّٰہ'' سے لیا ہوا ہے۔یعنی مرید کی تفویض کُلی (اپنا سب کچھ مرشد کے حوالے کر کے اس پر قربان کر دینا)ہی میں مرشد کا فیض کامل مضمر ہوتا ہے۔جب مرید نے اصولِ تفویض سے کام لیا تو مرشد چونکہ صاحبِ نگاہ، منصف اور رحیم کریم ہوتا ہے وہ بھی پھر اپنی طرف سے مرید کیلئے فیض کے دہانے کھولنے لگتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے تفویض ہی کی بنا پر اپنے آپ کو یکسر بحر فنا میں دھکیل دیا،فرماتے ہیں:

؎ ما بہائے خونبہا را یافتیم   جانب جاں باختن بشتافتیم

(جب ہم نے سب کچھ مرشد کے حوالے کر کے اس کا صلہ دیکھ لیا تو اپنی جان قربان کرنے تک دوڑ پڑے۔)

؎ بہائے وصل جاناں بس گران است   گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے (سعدیؒ)

(دیدار دوست بہت مہنگا ہے۔یہ اگر جان قربان کر دینے سے مل جاتا!تو پھر بھی بہت سستا تھا۔)

اس تفویض سے پھر مرید میں نورِ عشق پیدا ہونے لگتا ہے جو زمین و آسمان میں تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ اب عشق کی رفاقت میں تفویض اپنے مدارج کمال کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تفویض کُلی ہی کی بناء پر آتش عشق میں مفاد ہی مفاد دیکھ کر کود پڑے۔

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　　عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

المختصر! جب مرید اس مقام پر آ گیا تو وہ اپنے مرشد سے اکتساب فیض میں کامیاب ہو گیا۔

6: نظریۂ خلافت

آپ فرماتے ہیں کہ مرشد کامل جب اپنی دستار مرید کے سر پر رکھ کر اسے خرقۂ خلافت عنایت کرتا ہے تو گویا کہ انہوں نے اسے اپنا ظاہری و باطنی نائب مقرر کر دیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اس حال تک اپنے مرشد کریم کے ہاتھ مبارک سے رکھی ہوئی دستار نے پہنچایا ہے۔ گو میں اس قابل نہیں تھا مگر خدا نے اپنے اس پیارے بندے کے ہاتھوں کی لاج رکھتے ہوئے مجھے بھی رحمت کا مستحق بنا دیا۔ چنانچہ اُن کے ہاتھ سے دی ہوئی اس ایک دستار کی برکت سے میں نے کتنے دستار اور جُبّے اپنے مریدوں کو پہنائے ہیں۔ اس لئے اسے ایک معمولی سی چیز نہ سمجھا جائے۔ اس کے پس منظر کو اگر دیکھا جائے تو سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام بھی مقامِ خلافت پر فائز تھے۔ اس دور میں بھی اگر کوئی خلافت کی قدر پہچانے تو اسے وہی علومِ انبیاء وراثتاً حاصل ہو سکتے ہیں اور ظاہری و باطنی بقا کی حکومت ہاتھ آ سکتی ہے۔ ولایت کے تمام مدارج اسی خرقۂ خلافت میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔

ایک اور مقام پر آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ دستارِ خلافت ملنے پر مرید کے ہاتھ میں ایک ایسی تلوار آ جاتی ہے جو جس طرف بھی توجہ دے اس کیلئے راستے خود بخود کھُلتے جاتے ہیں۔ وہ ایک شیر کی طرح بن جاتا ہے کہ جس سے ہر شخص خائف ہو کر ہر معاملے میں ترجیح دینے لگتا ہے بشرطیکہ اس نے اپنے مرشد کے اوصاف و اخلاق کو مدنظر رکھا ہوا ہو۔ بقول رومیؒ:

؎ تیغ در زرّاد خانہ اولیاء است　　　دیدنِ شاں کیمیا بہر شما است

(خدا کی تلوار اولیاء کرام کے اسلحہ خانے میں موجود ہے۔ اس لئے ان کا دیکھنا بھی تمہارے لئے نسخہ کیمیا سے کم نہیں۔)

7: نظریۂ شریعت

شریعت لفظ ''شرع'' سے ماخوذ ہے جس کے لُغوی معانی سیدھا راستہ کے ہیں۔ شریعت کے اصطلاحی معانی اس سیدھے راستے پر چلنے کے اصول و ضوابط کے ہیں۔ جنہیں شارع علیہ السلام (بنانے والے) نے عملی و نظریاتی طور پر تجویز فرمایا ہے۔ تعلیماتِ فقر میں حقیقت و معرفت تک پہنچنے کے راستے کو شریعت کہتے ہیں۔ بقول سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ''اے سعدی! حقیقت و معرفت تک رسائی حاصل کرنا بغیر نقش پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (شریعت محمدی) کے ناممکن ہے۔''

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے نزدیک شریعت، حقیقت و معرفت کیلئے نکتۂ آغاز اور قدمِ اوّل ہے جس کی مثال ایک بلند و بالا فلک بوس محل کیلئے خشت کی سی ہے اور خشتِ اوّل کی اہمیت اس قدر ہے کہ:

؎ خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا می رود دیوار کج

(پہلی اینٹ جب مستری صحیح نہ رکھے تو دیوار آسمان تک نقص دار اور ٹیڑھی جائے گی۔) یا ایک تناور بار آور درخت کی پنیری یا ایک لہلہاتی ہوئی سرسبز وشاداب لالہ زار کھیت میں بیج کی مانند ہے جس کے ایک دانے کے عوض ہر بالی میں سینکڑوں دانے ہوں یا خالص دودھ کی مانند جس سے مکھّن (طریقت) اور گھی (حقیقت ومعرفت) نکلتے ہیں۔

خِشتِ اوّل جس قدر مضبوط! دیوار اس قدر پختہ، بیج جس قدر صحت مند! پھل اسی قدر رسیلا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شریعت میں جس قدر مکمّل اور پختہ ہو فقر وولایت میں اسی قدر کامل اور پختہ ہوگا۔ جو شریعت میں ناقص ہو فقر وولایت میں بھی ناقص ہوگا۔ فقر کامل کی نشانی شریعت کی کامل پابندی ہے۔ پھر اس پر عامل پیرِ کامل کی نشانی اپنے مرید کو دائرہ شریعت میں پابند بنانا ہے۔ یہی چیز پھر مرید کیلئے آگے اس کے فقر وولایت کیلئے بحیثیت پختہ بنیاد کے کام دے گی۔ حُبِّ شیخ، عشقِ رسول ﷺ، عشق الٰہی شریعت ہی کے مختلف شعبے ہیں۔ مقام فنافی الشیخ اس کے ثمرات کی ابتدائیہ، مقام دیدار رسول ﷺ اس کی وسط اور مقام دیدار الٰہی اس کی انتہا ہے۔ خدا ہر صاحب ایمان کو نصیب فرمائے۔

8:۔نظریۂ طریقت

آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ طریقت میں تین قسم کے لوگ موجود ہیں۔

1۔ پیٹ پرست: جو مریدوں سے اچھے کھانے پینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ سراسر ناجائز اور طریقت سے محض دھوکہ دہی ہے۔

2۔ دنیا پرست: جو مریدوں سے جائز وناجائز پیسہ بٹورنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صرف اسی مقصد کیلئے وہ جابجا پھرتے ہیں اِن دونوں کا اصلاحِ خَلق سے کوئی تعلّق نہیں۔ محض فریب کاری سے کام لیتے ہوئے طریقت کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ اکثر ظاہری طور پر بھی غیر شرع قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایسوں ہی کے بارے میں اقبالؒ نے کہا ہے:

؎ مریدِ سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب　　خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق!

3۔ خدا پرست: یہ اصل طریقت کے علم بردار صرف اور صرف اصلاح خلق کیلئے دوڑتے پھرتے ہیں۔ خود ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں۔ مخلوق خدا کو بھی اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ خود صاحب شرع ہوتے ہیں اور اپنے مریدین واحباب کو بھی اس دائرہ حقیقت میں کھینچ کھینچ کر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ خود چونکہ طریقت چلا رہے ہوتے ہیں اس لیے اپنے مریدوں میں بھی طریقت چلانے والے لوگ پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ مگر اس دور میں ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں جبکہ پہلے ادوار میں طریقت میں موجود اکثر لوگ صاحبِ شرع، صاحبِ کرامت اور صاحبِ مقام ہوا کرتے تھے۔ طریقت میں عملی شریعت کے ثمرات ملتے ہیں۔ جس کی مثال دودھ میں مکھّن کی طرح ہے۔ اس میں الہامِ خواب سے لیکر کرامات تک سب کچھ موجود ہے۔ طریقت کا شریعت سے تضاد ہرگز نہیں ہے بشرطیکہ فرق مراتب (عام، خاص، خاص الخاص) کے لحاظ سے اُسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ صاحبِ نسبت ہونے کے ساتھ ساتھ عقل سلیم کے بغیر

نیم مُلاّ کی طرح اس میں قدم رکھنا باعث گمراہی ہے۔طریقت قرآن وحدیث سے تلخیص اور اس کے عین مطابق ہے۔ جو قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا وہ طریقت کبھی نہیں چلا سکتا۔

طریقت چلانے کا حق بھی صرف اُسی کو حاصل ہے جو کسی کامل ولی اللہ سے خلافت واجازتِ بیعت حاصل کر چکا ہو۔خدمت مرشد میں رہ کر تہذیب نفس کی کٹھن راہیں طے کر چکا ہو۔ ظاہری علم اور شرعی مسائل سے خوب واقف ہو۔ آداب طریقت اور شرائط پیری ومریدی جانتا ہو۔وگرنہ طریقت چلانا ہر کہ ومِہ کا کام نہیں۔اس لئے اس دور میں زیادہ تر مدعیانِ طریقت پیٹ پرستی اور دنیا پرستی میں آئے ہوئے ہیں۔خدا مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

9۔ نظریۂ حقیقت ومعرفت

آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ویسے تو ہر صاحبِ ولایت انسان اپنی حیثیت کے لحاظ سے حقیقت ومعرفت میں موجود ہی ہوتا ہے۔مگر اس میں پھر دنیاوی مدارج اور اختیارات کے مطابق درجہ بندی ہوتی ہے۔مثلاً ابرار، اخیار، اسرار، اوتاد، ابدال، قطب، مجدّد، قلندر، قیّومِ زماں، غوثِ زماں، ولایت صغریٰ اور ولایتِ کُبریٰ جیسے مختلف درجے ہیں۔

ہر دور میں حقیقت ومعرفت (خدا کے ساتھ مکمّل جان پہچان اور دوستی) میں کامل! معرفت تامہ کا علم بردار، سب سے آگے صرف ایک انسان ہوا کرتا ہے۔باقی سب اس کے نقش قدم پہ ہوتے ہیں۔جسے غوثِ زماں کہتے ہیں۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی ایک انسانِ کامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

؎ بہ زیرِ کِنگرۂ کبریاش مردانند　　　فرشتہ صید، پیمبر شکار، یزداں گیر

(اس کی ردائے کبریائی کے نیچے ایسے مردانِ کامل بھی موجود ہیں ذات خدا جن کے ہاتھوں میں اور پیمبر وفرشتہ ان کی دامِ معرفت کے شکار ہیں) شریعت وطریقت کے آخری ثمرات اور منتہائے مقصد حقیقت ومعرفت ہیں۔جس طرح دودھ اور مکّھن کی خالص ترین شکل گھی ہے۔اس طرح شریعت وطریقت کا ماحاصل، نچوڑ اور آخری خالص ترین شکل حقیقت ومعرفت ہیں۔ دوا اور اس کے استعمال کا ماحاصل صحت جانفزا ہے۔اس طرح شریعت (دوا) وطریقت (استعمال) کا ماحاصل مسرتِ دوام (مکمّل صحت یابی)! دیدار الٰہی اور معرفت الٰہی ہے۔آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں اگر خدا راضی ہو جائے تو معرفت حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔اور اگر خدا کی رحمت ورضا نہ ہو تو بہت مشکل کام ہے۔پھر بھی بار بار کوشش سے طالبِ معرفت آخر کار معرفت حاصل کر ہی لیتا ہے۔وہ رحیم وکریم ذات کسی نہ کسی طریقے سے ضرور اپنے بندے پر راضی ہو ہی جاتی ہے۔مگر استقامت با الصّداقت شرط اوّل ہے۔

10: ۔نظریۂ فقر

باطنی طور پر فقر شہنشاہی دو جہاں ہے۔بقول اقبالؒ:

؎ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ　　　فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ

آپ مدظلہٗ العالی نے ایک مرتبہ بمقام سخی سرور (ضلع ڈیرہ غازیخان) ارشاد فرمایا کہ ظاہری طور پر عاملِ سنت کو فقیر کہتے ہیں اور صاحب فقر انسان کی دولت ان تین چیزوں سے زیادہ نہیں،عصاء، مصلّٰی، تسبیح ۔انہی چیزوں میں وہ روحانی قوّت مضمر ہے۔جبکہ تمام تر مادی قوّتیں ان کے سامنے دست بستہ ہیچ ہیں۔(اولیاء کرام میں سے خصوصاً فقیرا ے پی کی زندگی اس نزدیکی دور میں اس حقیقت کی ایک بیّن دلیل ہے) بقول اقبالؒ:

؎ بوریا ممنون خوابِ راحتش تاج کِسریٰ زیر پائے اُمتش

(ظاہری طور پر چٹائی پر سونا بھی چٹائی پر احسان ہے مگر باطنی طور پر قیصر و کسریٰ جیسے جابروں کے تاج بھی اُن کے اُمتیوں کے پاؤں کے نیچے روندے جارہے ہیں۔)

صاحب فقر انسان کو باطنی دولت وحکومت چونکہ مل چکی ہوتی ہے اس لئے اسے ظاہری ساز وسامان سے حتی الوسع احتراز کرنا چاہیے اور ہمہ وقت دولتِ باطن کے چوروں (نفس وشیطان اور شریر لوگوں) سے ہوشیار رہنا چاہیے۔بقول شاعر:

؎ یہ نکتہ ہے بتایا بو علیؒ نے کہ سونے سے مسافر کو خطر ہے

یعنی مسافر راہ فقر ومعرفت کو سونا چاندی اور خواب غفلت کی طرف سے ہمیشہ پُر خطر رہنا چاہیے کہ نفس وشیطان کی واردات کی راہیں سرفہرست یہی دو ہیں اور ان سے صرف فقر محمدی ﷺ کے سایہ تلے رہنے سے نجات مل سکتی ہے اور بس۔

وہ زمانہ بیت گیا کہ شہنشاہی فقر عام تھا۔اب اس ایمان لیوا آخری دور میں انفرادی فقر بچانا کمال فقر ہے۔زمانہ حال تا امام مہدی علیہ السلام اگر کوئی دنیا پہ فقر عام کرنے کے خواب دیکھے تو وہ عروقِ وقت سے جاہل اور نفسانی دھوکے میں مبتلا ہے۔ہاں البتہ انفرادی صورت میں خدا کی طرف سے فتوحات غیبی کی یورش ہو جائے تو بعض نزدیکی اولیاء کرام کے طریق کار کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے شریعت کے مطابق استفادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

11:۔نظریہ بزرگی وولایت

؎ گرت ہَواست کہ باخضر ہم نشیں باشی نہاں زچشم ''سکندر'' چوں ''آب حیواں'' باش

(اے مسلمان! اگر تُو خضر کے ساتھ ہم نشینی چاہتا ہے تو سکندر (امراء) کی آنکھوں سے آب حیات کی طرح چھپ جا) قانونِ قدرت کے مطابق اس دور میں اولیاء اللہ پہلے دور کی نسبت بہت زیادہ ہیں۔کیونکہ آبادی کے تناسب سے اولیاء کرام کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔بقول آپ کے آج کل اولیاء کرام آسمان کے تاروں کی طرح کثیر تعداد میں موجود ہیں۔مگر بات یہ ہے کہ پہلا وقت سادہ اور صادقین لوگوں کا تھا۔اولیاء اللہ مخلوق کو فیض یاب کرنے کیلئے کھُل کر سامنے آتے اور ہمہ قسم کرامات دکھاتے تھے۔جس سے ان کی قدر ہوتی اور مخلوق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ان سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتی۔مگر آج کے اس فتنہ باز، مشکوک اور خام عقیدگی کے دور میں وہ اپنے آپ کو شریر

مخلوق سے چھپائے خاموشی سے تصرفات کر رہے ہیں۔ تاہم! ہم (بابا بنوں والی سرکار) یہ کہتے ہیں کہ اس قحط الرّجال دور میں جو صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت کا پابند بھی ہو وہ اس دور کا ولی اللہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں ''ہم تو صرف نماز پڑھنا اور اللہ اللہ کرنا جانتے ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مصلّیٰ پر بیٹھے ہمارے ہاتھ میں ہر وقت تسبیح ہے اور زبان لغویات سے محفوظ ہے اس سے بڑھ کر اس دور میں خدا کی بارگاہ سے اور کون سی بزرگی اور کون سا انعام ہو سکتا ہے۔ جبکہ جس طرف دیکھیں مخلوق گمراہی کے مقام پر ہے اس دور میں جو اپنا ایمان سلامت لے گیا وہ اس دور کا بہت بڑا بزرگ ہے'' مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا:

ع کیست ابدال؟ آنکہ اُو مُبدِل شود

(تمہیں کیا معلوم کہ ابدال کون ہے؟ وہ ہے! جو اپنے آپ کو برائی سے بدل کر اچھائی کی طرف لے آئے۔)

12:۔ نظریہ کرامت

کرامت کے بارے ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کا ٹھوس نظریہ یہ ہے کہ ولی اللہ کرامت دکھانے والا نہیں ہوتا بلکہ متقی اور پرہیز گار ہوتا ہے۔ سب سے بڑی کرامت اور بزرگی از روئے قرآن و حدیث ایمان لانے کے بعد استقامت کے ساتھ تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے ''اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَـــــاءَ اللّٰہِ لَا خَــوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ'' دونوں جہانوں میں بلاخوف اور بلاغم صاحب کرامت خدا کے دوست کون ہیں؟۔ آگے بتایا ''اَلَّـذِیۡنَ آمَـنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡن'' صرف وہی ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے بعد پرہیز گاری اختیار کی۔ معاشرے میں ان کی نشانی خود ہمہ وقت پُرسکون رہنا ہے اور جو اُن کے ساتھ لگیں، وہ بھی پُرسکون رہتے ہیں۔ طمانیتِ قلب صرف صاحب ایمان کو ہوتی ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

؎ بیرونِ قبر لافِ کرامت چہ میزنی ایمان اگر بگور بَری صد کرامت است

(قبر سے باہر تُو کون سی کرامت کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اگر تُو سلامتی ایمان و دین کے ساتھ قبر میں چلا جائے تو یہ تیرے لئے سینکڑوں کرامات سے بھی بڑھ کر ہے۔''

علاوہ ازیں اصطلاح عام میں مشہور کرامت! اولیاء کرام سے بوقت جلال اسی تقویٰ (لطافتِ لطائف) کی بنیاد پر واردات قلبی کی بوچھاڑ سے خدا کی غیبی امداد کے ذریعے سرزد ہوتی ہے۔ جو عموماً عقل عام (عقل جزوی) کے خلاف اور عقل خاص (عقل کُلی) کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اکثریت چونکہ عقل عام کی ہے اس لئے کرامت کو خلافِ عقل (خرق عادت) قرار دیدی گئی ہے۔

کرامت کا دکھانا اولیاء کرام کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے مگر اس کا چھپانا دکھانے سے بہتر ہے۔ بلکہ تاکیداً اسے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے۔ البتہ غیر مسلم کے ساتھ مقابلہ کرنے یا بے قابو (جلال طاری) ہونے کی صورت میں اس کے اظہار

پر شریعت میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ المختصر اصل کرامت شریعت کی پیروی، خشیّت الٰہی اور زہد و تقویٰ اختیار کرنا ہے اور بس۔ (حقیقت کرامت پر ملفوظات اور دیباچہ میں کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ تشنگان علم وہاں اپنی توجہ مبذول فرماویں شکریہ)

13:۔نظریہ صوفیت

آپ مدظلہُ العالی لفظ ''صوفی'' کے استعمال میں بڑی سنجیدگی سے کام لیتے ہوئے بہت کم لوگوں پر استعمال فرماتے ہیں۔ اپنے مریدوں میں سے بھی چند گنے ہوئے افراد کے ناموں کے ساتھ لفظ صوفی کا اضافہ فرماتے ہیں اور جسے آپ اپنی زبان مبارک سے ''صوفی'' پکاریں وہ اس سے زیادہ اور کوئی سعادت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ لفظ آپ باطنی احوال کے مطابق اپنی نظر باطن سے جسے اہل سمجھیں صرف اسی کو اس لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آپ کا لفظ ''صوفی'' کے بارے یہ نظریہ ہے کہ وہ کم از کم ظاہری و باطنی برائیوں سے پاک ہو۔ ظاہری طور پر لباس صوفیانہ اندرونی طور پر اخلاق صوفیانہ کا حامل ہو۔ دوسروں کیلئے قابل تقلید اور اصلاح خلق سے روشناس ہو۔

علاوہ ازیں صوفیائے اسلام کی عظمت اور تاریخ اسلام میں ان کے کارہائے نمایاں سے کسی صاحب چشم کو انکار نہیں۔ جس طرح کہ اسلام کو ہم ایک اِزم (صرف ایک شعبہ زندگی) نہیں کہہ سکتے۔ اس طرح صوفیت بھی ایک اِزم (شعبہ اسلام) ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ صوفی عالمگیر، اسلامِ کُلی کا حامل، ایک خالص مسلمان اور مردِ مومن ہوتا ہے۔

؎ عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری (اقبالؒ)

آج کل لفظ ''صوفیت'' کا اطلاق ان پر اس لئے کیا جا رہا ہے۔ کہ یہ لوگ (حقیقی مسلمان) بہت کم رہ گئے ہیں حالانکہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام آخرالزماں بھی انہی صوفیاء کرام کے سلسلے سے ہونگے جو ایک کامل مسلمان ہونے کی حیثیت سے مذہب اسلام کو ساری دنیا پر رائج کریں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام تر روحانی اور مادی قوتوں کا مظاہرہ فرمائیں گے۔ لہٰذا ''صوفی'' روح اسلام اور ایک اعلیٰ لقب ہے جو خدا کے خاص برگزیدہ بندوں کو نصیب ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ دفترِ صوفی سواد و حرف نیست جز دلِ اسپید ہم چو برف نیست

(صوفی کی کتاب کا الفاظ اور سیاہی سے کوئی تعلّق نہیں ہے اس کے پاس برف کی طرح ایک سفید چمکدار دل کے بغیر اور کچھ نہیں ہے۔) (مزید معلومات کیلئے دیباچہ کتاب کی طرف رجوع کریں)۔

14:۔نظریہ چِلّہ واوراد و وظائف

جو کچھ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے لفظ ''کُن'' سے تخلیق فرمایا۔ وہ ہر ایک چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان درجہ بدرجہ قرآن کریم کی مختلف آیات کے زیر تصرف ہے۔ پھر جو شخص جتنی آیات کا عامل بنے انہی آیات کے ماتحت چیزیں اس کے زیر فرمان آجاتی ہیں۔ اس طرح کرنے والوں کو ''عامل'' کہتے ہیں۔ اگر ایک شخص تمام قرآن کا عامل بنے تو

وہ عامل نہیں رہتا بلکہ کامل بن جاتا ہے جسے ہم ولی کامل، شیخ کامل یا پیر کامل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مشہور ہے کہ خدا کی ساری مخلوق اولیاء کاملین کے تابع ہوا کرتی ہے۔ وہ تابعداری قرآن کریم (احکام الٰہی) کی تابعداری کی وجہ سے ان لوگوں کو حاصل ہو جاتی ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو یوں واضح فرمایا:

؎ تو ہم روئے از حکم داور مپیچ　　　که گردن نہ پیچد زِ حکم تُو ہیچ

(تُو احکام الٰہی کی تعمیل کر خدا کی ساری مخلوق ترے حکم کی تعمیل کرے گی۔)

اولیاء کرام ابتداء میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اپنے نفس کو احکام الٰہی کی تعمیل کرانے کیلئے کسی تنہا مقام پر یکسو ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح (جو اسی مقصد کیلئے غارِ حرا میں خلوت گزیں رہے) اُسے سُدھانا شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ جن کی نگاہ! کاملیّت اور انتہا پر ہو چند روزہ مکمّل قید و بند (چلّہ) کے بعد نفس کو سدھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر وہی ماحول انہیں میسر نہ بھی ہو تو جلوت میں خلوت کا سماں پیدا کرنا ان کیلئے کوئی مشکل کام نہیں۔ گویا یہ خلاف نفس کا! صحبت مرشد کی عدم موجودگی میں ایک طریق کار ہے اور یہ ہوتا بھی مرشد کامل کے حکم کے مطابق ہے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ مختصر وقت کیلئے چلّہ کرنا سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس کے بغیر ولایت مکمّل نہیں ہو سکتی۔ جس طرح آٹا بغیر پکانے کے کھایا نہیں جاتا۔ اس طرح ولایت بھی بغیر چلّہ کے پختہ نہیں ہو سکتی۔ گویا چلّہ کرنا نفس کے لئے بمنزلہ آگ پر جلانے کے ہے اور نفس کو مغلوب کرنے کا یہ طریق کار ہمیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی غارِ حرا کی زندگی کے دوران دیا ہے۔ جب ایک نبی نے بھی خدا کے ساتھ لو لگانے اور اس کے دیدار کیلئے چلّہ لازمی سمجھا تو ایک ولی اللہ کے لئے تو بدرجہ اولیٰ یہ چیز لازمی ہے جس میں صبر و استقامت، بے باکی اور خدا کے خاص دائرہ پناہ میں رہنے کا درس ملتا ہے۔

تاہم انبیاء کرام کی طرح اولیاء کرام کیلئے بھی چلّہ کرنا ان کا منزل مقصود نہیں بلکہ یہ اس راہ فقر کی تربیت کا ایک مختصر حصہ ہے۔ پھر اسی ہی میں پھنسے رہنا اور اس کی تاثیرات کی طرف متوجہ رہنا بھی ایک نقصان دہ بات ہے۔ ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی اس بارے میں اپنی ایک آپ بیتی بیان فرماتے ہیں کہ میں ابتداء میں گھر کے قریب ایک کماد کے کھیت میں جا کر قرآن کریم کی مختلف سورتوں کا چلّہ کرتا تھا۔ چنانچہ میں ایک دن حسب معمول پڑھنے میں مصروف تھا کہ کماد سے اچانک ایک شیر برآمد ہوا جب سامنے آیا تو خدا کی قدرت سے وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ اور کہا کہ شاہ صاحب آپ جو وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ میں اس کا مؤکل ہوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ آ کر مجھ پر سواری کریں یا جو حکم دیں میں اس کی تعمیل کرونگا۔ مَیں نے یہ سن کر صرف ایک بات میں اس کا جواب دیا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔ مجھے آپ سے کسی قسم کا کام نہیں ہے مگر وہ بضد ٹھہرا رہا پھر اُس نے وہی بات کی۔ میں نے دوبارہ اسے جانے کو کہا جب تیسری بار اس نے اپنی بات دہرائی مَیں نے پنجسورہ بند کر کے بڑے زور سے معذرت کر لی کہ مجھے نہ سواری کی ضرورت ہے اور نہ آپ سے کوئی کام لینا ہے۔ خدا کیلئے میری جان چھوڑ دو اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔ تب وہ

واپس اسی کماد میں داخل ہو کر غائب ہو گیا اور دوبارہ نہ آیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ مؤکل خدا کی صفات سے ہے اور سالک کیلئے ایک مجاز چیز ہے۔ یہ سفید روشنی کی طرح ایک نور رہتا ہے اور نوری مخلوق یعنی فرشتوں سے متعلّق ہوتا ہے۔ اصل مؤکل کوئی جن یا کوئی جانور وغیرہ نہیں ہوا کرتا۔ اگر دوران چلّہ کوئی ایسی چیز آ بھی جائے تو یہ نفس وشیطان کی طرف سے دھوکہ دینے کیلئے آ جاتی ہے تا کہ صاحبِ چلّہ کو اپنے اصل مقصد سے ہٹا کر گمراہ کر دے۔ لہٰذا فقیر اگر ایسی چیزوں کی طرف متوجہ ہوا تو اس کا اصل مقصد عبادت! جو کہ معرفت و رضائے الٰہی ہے ضائع ہو جاتا ہے۔ ہم نے بذات خود کئی بار دورانِ چلّہ اور دوران وظائف کارکنان غیب کے مختلف شعبوں سے متعلّق نوری فرشتوں (مؤکّلوں) کو دیکھا ہے۔ مگر ان سے ذرا بھر سروکار نہیں رکھا۔ کیونکہ ہمارا مقصد وہ نہیں تھے بلکہ خدا کی ذات تھی۔ فقیر کا کام خدا کی ذات کے بغیر اور سب کچھ کو نظر انداز کر کے صرف اس ذاتِ واحد کی طرف متوجہ رہنا ہے۔ فقیر نے ایسی مجاز چیزوں کی طرف اگر ذرا بھر توجہ دی تو فوراً اپنے اصل مقصد سے ہٹ کر زوال میں آ جاتا ہے۔ القصّہ، دورانِ چلّہ وہ کسی چیز کی امید و بیم (لالچ اور خوف) نہ کرے تب اسے مقصد چلّہ حاصل ہو جاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ ایک مرید کیلئے سب سے بڑا چلّہ اپنے مرشد کی خدمت میں مستعد رہنا ہے۔ حضرت صابر کلیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے جو مشہور ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک کنوئیں میں دھاگے کے ساتھ لٹک کر چلّہ کیا ہے۔ یہ بات واقعتاً ایسے نہیں تھی بلکہ یہ ایک تمثیل ہے کہ چالیس سال تک کمال احتیاط سے رات دن اپنے مرشد کی خدمت میں چاک و چوبند کھڑے رہے۔ جس طرح کہ ذرا سی بے جا حرکت سے دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے اس طرح خدمتِ مرشد میں اگر ذرا سی بے احتیاطی ہو جائے تو رشتۂ عقیدت میں فرق آ جاتا ہے۔ لہٰذا رشتۂ پیری و مریدی میں یہ ایک مثال ہے تا کہ طریقت میں آداب مریدی کا پتہ چل جائے۔ اس لئے چلّوں میں بیٹھنا کوئی کمال نہیں ہے۔ کمال تو مرشد کامل کی خدمت کرنے میں ہے کہ ہر دم سوچ سمجھ کر کمال احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس میں نفس وشیطان کو مسلسل ذلالت کا سامنا ہوتا ہے۔ اسی لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے چلّہ کے بارے نہیں بلکہ صحبت مرد کامل کے بارے فرمایا۔

؎ صحبت مرداں اگر یک ساعت است   بہتر از صد خلوت و صد طاعت است

(پیر کامل کی صحبت اگر ایک لمحہ کیلئے کیوں نہ ہو وہ سینکڑوں چلّوں اور عبادت و ریاضت سے بہتر ہے۔)

ہاں اگر مرشد خود چلّہ کشی کا حکم دے تو وہ اور بات ہے اور مرشد کامل اپنے مرید صادق کو ضرور وقت کے مطابق چلّہ کرنے کا حکم دے دیتا ہے۔ اس میں پھر وہ چیزیں نظر آئیں گی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہیں اور نہ وہ مرید کو بغیر حکم مرشد کے سینکڑوں عبادات اور چلّوں میں میسر ہو سکتی ہیں۔ یہ واضح رہے کہ کسی پیر کامل کی تربیت میں ہوتے ہوئے چلّہ کرنا ایک جزوِ فقر ہے اور مرید کیلئے باقاعدہ ایک جزوِ تربیت بھی ہے۔

(نوٹ۔ اوراد و وظائف کے بارے میں مزید معلومات کیلئے دیباچہ اور حالات زندگی کی طرف رجوع کیجئے۔)

15:۔ نظریہ تبلیغ واصلاح

آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ خلق خدا کی تبلیغ واصلاح کیلئے ظاہری طور پر سنت نبوی ﷺ کا عملی کردار اور باطنی طور پر نگاہ خارا گداز چاہیے۔ ظاہری کشش کا دارومدار اخلاق اور بے داغ کردار پر باطنی کشش کا دارومدار زُہد وتقویٰ پر ہے۔ مشہور بات ہے کہ ''سلاح خلق صلاح خویش است'' (اپنی ہی اصلاح دنیا کو فتح کرنے والی تلوار ہے)۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ ترستی ہے نگاہِ نارسا جس کے نظارے کو وہ رونق انجمن کی ہے انھیں خلوت گزینوں میں

علاوہ ازیں تبلیغ کیلئے ہنر، عقل کامل، خاکساری اور نرم مزاجی چاہیے۔ قولِ صوفیاء ہے۔

؎ نرم شَو کز سخت گیراں کارِ صورت گیر نیست خامۂ فولاد ہرگز لائقِ تصویر نیست

(نرم ہو کہ دوسرے کے دل پر آپ سختی سے تصویر محبت نہیں بنا سکتے۔ فولاد (سخت لوہے) کے قلم سے بھی آپ نے کبھی کسی کو تصویر بناتے ہوئے دیکھا ہے؟):

اس ضمن میں آپ مدظلہٗ العالی سیرت النبی ﷺ سے ایک مشہور ومعروف واقعہ بیان فرماتے رہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے انجیل میں پڑھا کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ جب تشریف لائیں گے تو ان کا دین قبول کر لیجئے۔ اُن کی ظاہری علامت یہ ہوگی کہ وہ نہایت نرم مزاج اور صابر ہونگے۔ چنانچہ اس یہودی نے جب آپ ﷺ کے اعلان نبوت کی خبر سنی تو اسی حالت میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا۔ جب کہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جھرمٹ میں مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ یہودی نے دل میں چاہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشینگوئی کے مطابق ان کا امتحان بھی لینا چاہیے چنانچہ اس نے آ کر مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تلوار میان سے نکال کر اُٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ جان بوجھ کر مسلمانوں کی عبادت گاہ کی بے حرمتی کر رہا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ اجازت دیجئے۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اے عمر! نرم ہو جاؤ! صبر اختیار کرو۔ یہودی نے جب یہ سنا تو مزید آپ ﷺ کے سامنے آ کر نہایت گستاخانہ الفاظ کہنا شروع کر دیئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے مگر آپ ﷺ نے صبر کی تلقین کر کے بیٹھنے کا حکم دیا۔ دونوں مرتبہ یہودی نے جب آپ ﷺ کی نہایت نرمی اور صبر وتحمل کا مظاہرہ دیکھا تو پاؤں پر گر پڑا کہ واقعی آپ سچے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰی ﷺ ہیں۔ معافی مانگ کر دل و جان سے اسلام قبول کر لیا اور زُمرۂ اصحاب رضی اللہ عنہم میں شامل ہو گیا۔ آپ ﷺ کے اس رویے سے سب اہل محفل حیران اور انگشت بدنداں تھے۔

جو تبلیغ صبر وتحمل اور نرم مزاجی سے ہوتی ہے وہ سختی سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ (لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ) اور یہی طریقہ پیغمبری ﷺ ہے۔ تبلیغ کیلئے ہمت اور کوشش پیہم چاہیے۔ مبلّغین اسلام کی صدائے بازگشت ہے:۔

؎ حُدیٰ را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی نوارا تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی (اقبالؒ)

(ساربان کو چاہیے۔ کہ محمل کو اگر گراں دیکھے تو ''حُدیٰ'' اور تیز کہتا رہے گویئے کو چاہیے کہ سامعین کے دِلوں کو

گرمانے کیلئے اگر ذوق نغمہ کم دیکھے تو سُریلی سازوں کو تیز سے تیز تر کردے تاکہ ذوق نغمہ بار آور ہو کر سرد دِلوں کو گرما سکے بالفاظ دیگر میر کارواں اگر قافلے والوں کو پست ہمت اور غافل دیکھے تو شعلہ بیانی پر زور دے۔ جذب دُروں پیدا کرے بغیر ہمت ہارے! ظاہری و باطنی عُلوم سے قافلے والوں کے نظریات و خیالات درست کر کے اُن میں جوش مسلمانی، جوش جہاد اور جوش شہادت تیز کرتا جائے کسی نہ کسی دن تو منزل مقصود پر پہنچ کر کامیاب ہو جائیں گے)

یہی کار اولیاءاللہ ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ ہَیں! کہ اسرافیلِ وقت اند اولیاء　　　　مُردہ را زِیشاں حیات است و بقا

''خبردار! اولیاء کرام اسرافیل وقت ہیں کہ ان سے مُردہ دلوں کو حیات ابدی ملتی ہے۔''

ایک مبلغ کیلئے شکایت دوراں اور شکوہ خلق بھی بیجا ہے۔ اسے راضی بہ قضا رہ کر ہر معاملے میں مصروف عمل رہنا چاہیے۔:

؎ جو فقر ہوا تلخی دوراں کا گِلہ مند　　　　اس فقر میں باقی ہے ابھی بوئے گدائی (اقبالؒ)

تبلیغ وہی کامیاب ہے جو بلاتفریق رنگ ونسل اور بلاتعصّب دین و مذہب ہو۔ بقول اقبالؒ:

؎ تعصّب چھوڑ ناداں! دہر کے آئینہ خانے میں　　　　یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تُو نے

فرقہ بازی کے تاریک اور جان لیوا اندھے کنوئیں میں رہ کر نہ اپنی زندگی تباہ کر دینی چاہیے اور نہ خلق خدا کو عالم گیر مذہب اسلام کی وسعتوں سے محروم کر دینا چاہیے۔ ایک مبلغ صحیح معنوں میں خلق خدا کی اصلاح اس وقت کر سکتا ہے جبکہ وہ انہیں ذکر الٰہی کی طرف بلائے۔ صرف فکر ہی فکر پر اکتفا کر کے عمل سے جان چھڑانا راہ حقیقت میں بھینگا پنی، خشک صوفیت اور مادہ پرستی ہے۔

؎ مقامِ فکر ہے پیمائش زمان و مکاں　　　　مقامِ ذکر ہے سبحان رَبی الاعلیٰ

اسی ذکر الٰہی کے طفیل ایک بلند نگاہ اور آفاق گیر فطرت انسان کی باطنی آنکھیں کھُل جاتی ہیں اور اس میں خدا کی طرف سے نُورِ نظر پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے سامنے تقدیرِ امم ازل تا ابد روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں یہ کٹھن کام جو کہ خاص پیشہ پیمبری ہے صرف صوفیاء کرام ہی کر سکتے ہیں یہ ہر ''نیم ملا'' اور ''نیم حکیم'' کا کام نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اولیاء کرام کی طرف مسلمانوں کی شومئی قسمت سے بے توجہی ہے۔ خداوند کریم مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ فرماوے۔ آمین۔

16:۔ نظریہ علم ظاہر

آپ مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ طریقت میں آدابِ دین و آداب پیری و مریدی کیلئے علم ظاہر کا ہونا لازمی ہے۔ گو کہ ایک مسلمان میں ذکر و فکر اور صفائی باطن کی بناء پر خود بخود عقل سلیم آجاتی ہے۔ وہ ظاہری آداب و اخلاق کو فقرِ باطن کی

بناء پر اپنے عقل وفہم کے ذریعے اپنا لیتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ گرچہ نحو و فقہ را بگزاشتند لیک محو و فقر را برداشتند

(ان لوگوں نے اگرچہ ظاہری علم کو نظر انداز کر دیا ہے مگر اس کے بدلے اس کا سرچشمہ! علم فقر محویت (دیدار الٰہی کو اختیار کیا ہے۔) علامہ محمد اقبال بھی بتاتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

مگر پھر بھی صاحب طریقت اولیاء کرام نے اپنے مریدین کیلئے علم ظاہر (کتابی علم) کو بہت اہم سمجھا ہے اور ہمارا بھی اس سلسلے میں یہی مسلک ہے۔ بلکہ اس دور میں پہلے کی نسبت علم ظاہر زیادہ اہم ہے۔ جسے ہم اسلام میں بطور مسلمان علم دین، علمِ معاشرت اور علمِ زمانہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ نہ کہ غیر شرعی علوم منسوخ (علوم مذموم) جو کہ غیر مسلم ذہن کی پیداوار ہیں۔ اس لئے یہ واضح رہے کہ اسلام میں علم ظاہر، علوم اسلامیہ (علوم نافع ومحمود) کو کہتے ہیں۔ ہاں اگر ترسیل دین کے نظریئے سے غیر مُضر علوم مروجہ سے روشناس ہونا پڑے تو یہ مُباح (مجبوراً جائز) ہے لازمی نہیں۔

آپ مدظلہُ العالی فرماتے ہیں ایک مسلمان کیلئے علم ظاہر (علم شریعت) علم باطن کا پیش خیمہ ہے۔ خصوصاً جو سلسلۂ فقر میں قدم رکھے۔ بعض اولیاء کرام اپنے مریدوں کیلئے علم ظاہر لازمی گردانتے تھے اور حکماً علم ظاہر حاصل کراتے تھے۔ جاہل عابد سے عالم باعمل کو اس لئے ترجیح دی گئی ہے کہ ظاہری سمجھ بوجھ کی وجہ سے وہ نفس وشیطان کے دھوکہ سے بچ سکتا ہے۔ ایک سالک قرآن وحدیث اور تحریرات اولیاء وصوفیاء پڑھ کر تجربہ وعبرت حاصل کر کے اپنے لئے راہ راست متعیّن کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ ایک مرید آداب مرشد سے روشناس ہو کر فیض مرشد سے کماحقہٗ بہرہ ور ہوسکتا ہے اور ایک مرشد آداب مریدین سے واقف ہو کر صحیح معنوں میں ان کا حق تربیت ادا کر سکتا ہے۔

17:۔ نظریہ علم باطن

علمِ کتابی کو علمِ ظاہر کہتے ہیں۔ کسی کتاب میں ایک بات پڑھ کر اس پر یقین کر لینا کہ یہ واقعی ایسے ہی ہوگی اسے قرآنی فلسفے میں ''علم الیقین'' کہتے ہیں۔ جو علم صرف پڑھنے اور سننے تک محدود ہے۔ دوسرے نمبر پر ایک چیز پڑھ کر پھر اس کے اثرات اور وقوع پذیر ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا'' قرآن وحدیث میں ''عین الیقین'' کہا جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ نقش و قشرِ عِلم را بگذاشتند رائیتِ عین الیقین افراشتند

(لوگوں نے تو ظاہری علم اپنایا ہے مگر اولیاء کرام نے ظاہری علم اور اس کے چھلکوں کو چھوڑ کر مشاہداتی علم کا جھنڈا اٹھالیا ہے۔)

ظاہری وباطنی علم میں زمین وآسمان کا فرق ہے مثال مشہور ہے ''شُنیدہ کےبُود مانندِ دِیدہ'' یعنی سنی سنائی بات دیکھی ہوئی بات کے برابر کب ہوسکتی ہے؟ پھر یہ دیکھنا بھی چشم ظاہر سے نہیں بلکہ چشم دل سے دیکھنا ہے۔ ظاہری آنکھ تو اپنی

قوت بینائی تک دیکھ سکتی ہے۔مگر چشم باطن کی قوت بینائی اوپر نیچے، دائیں بائیں اور آگے پیچھے لامحدود ہے۔ یہاں تک کہ بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ ''چشم گردد مو بموئے عارفاں'' عارفوں کا بال بال آنکھ بن جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس علم کو''علم لدُنی'' کہا جاتا ہے جو کسی مرشد کامل کی توجہ اور ذکر وفکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پھر درجہ بدرجہ علم''لدنی'' سے علم حال اور علم کشف نصیب ہو جاتے ہیں۔علم باطن کا مطلب علم حقیقی اور علم پوشیدہ کے ہیں جو صرف خدا کے خاص بندوں کو اُن کی محبّت اور ریاضات ومجاہدات کے بل بوتے پر عنایت ہوتا ہے۔قرآن کریم میں اس کی طرف یوں نشاندھی کی گئی ہے۔ ''قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ '' (یوسف108)'' تم فرماؤ یہ میری راہ ہے۔میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔''

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ انسان کی ظاہری آنکھوں کی طرح دل کی بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔جنہیں چشمِ باطن کہتے ہیں اور چشمِ باطن اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تک پوشیدہ (ظاہر کی آنکھوں سے پوشیدہ) مشاہدات،معلومات حاصل کر سکے اس معلوم شدہ علم کو علمِ باطن کہتے ہیں جو علم کتابی کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے۔علمِ باطن حقیقت کی طرف قدمِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔خدا ہر طالب حق کو نصیب فرمائے۔آمین۔

18:۔نظریہ علمِ حال

باطن کی آنکھیں جب کھُل جاتی ہیں تو یہ آنکھیں دراصل دنیا و مافیھا اور مظاہرِ قدرت دیکھنے تک نہیں ہوتیں بلکہ خالق و مالک حقیقی کی ذات کو دیکھنے کیلئے ہوتی ہیں۔مولانا رومیؒ نے فرمایا۔

؎ آدمی دید است باقی پوست است — دید آنست آنکہ دیدِ دوست است

(آدمی صرف ایک آنکھ کا نام ہے۔ باقی سب چمڑا ہی چمڑا ہے۔ پھر آنکھ بھی وہی آنکھ جو نظارۂ دوست کر سکے۔) ان آنکھوں کیلئے اپنی اصل منزل کی طرف جاتی ہوئی راستے کی چیزیں خس وخاشاک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ چشم باطن جب ذات الٰہی کی طرف متوجہ ہوتی ہیں تو پہلے صفات الٰہی سے جا ٹکراتی ہیں۔ذاتِ الٰہی تو نُور ہی نُور ہے جس کی خاص دو قسمیں ہوتی ہیں۔ایک تجلّیات صفاتی، دوسری تجلّیاتِ ذاتی۔سالک کی آنکھیں جب پہلے پہل صفات تک جا پہنچتی ہیں تو اس پر صفاتی تجلّیات کا وارد ہونا شروع ہو جاتا ہے۔چونکہ اس نے صفاتی تجلّیات سے گزر کر ذاتی تجلّیات تک پہنچنا ہوتا ہے اس لئے اسے ایک مرتبہ تو صفاتی تجلّیات میں غرق ہونا ہے۔تب ذات تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ تجلّیات صفات کے دوران واردات قلبی کی بھرمار سے عالم بےخودی طاری ہو جاتی ہے۔اس حالت وکیفیت کو علم حال اور مکمّل طور پر ان تجلّیات رحمت کے لپیٹ میں آنے کو حال طاری ہونا کہتے ہیں۔اس سے آگے درجۂ ذات ہے جو سالک کا منزل مقصود اور منتہائے مقصد ہوتا ہے۔

اولیاء کرام پر انہی مدارج ذات وصفات میں عالم سکر وصحو وقوع پذیر ہوتے ہیں۔کسی نے ''اَنَا الْحَقّ'' کسی نے

''مَـا اَعظَمَ شَانِی ''اور کسی نے ''نیست اندر جُبّہ اَم اِلاَّ خُدا'' کا نعرہ لگایا تھا۔ یہ علم حال علوم انبیاء سے ہے، جو انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی بدولت ایک طالبِ حقیقت کو نصیب ہو جاتا ہے۔ یہی حال ہمارے پیغمبر ﷺ پر اپنی شانِ نبوت کے مطابق طاری ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے اسی حال کو ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مشاہدہ کیا تھا۔ بعد میں استفسار پر سیّد المرسلین سرکار دو جہاں ﷺ نے بتایا کہ ''مجھ پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہوتی رہتی ہے جس میں نہ مقرب فرشتوں اور نہ نبی و مرسل کی گنجائش ہوتی ہے۔ (کیونکہ میں اس وقت غرق دیدارِ الٰہی ہوتا ہوں)'' اس علم حال کا تعلّق اس زمانے میں اولیاء کرام کی نگاہِ باطن سے ہے۔ مولانا رومیؒ اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ بتاتے ہیں۔

؎ ''قال'' رابگزار مرد ''حال'' شو　　　زیر پائے کاملے پامال شو

(علم ظاہر سے آگے گزر کر علم باطن میں قدم رکھ اور علم حال کا مالک بن جا۔ علم حال کا مالک تُو اس وقت بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ تُو کسی کامل ولی اللہ کی خدمت میں رہے۔)

دنیا عالم اسباب ہے۔ جو جس چیز کا مالک ہو اسی سے وہ چیز مل سکتی ہے۔ لہٰذا علم حال! صاحب حال لوگوں کی دکان میں موجود ہے۔ مولانا جامیؒ فرماتے ہیں۔

؎ خواہی کہ شوی داخل ارباب نظر　　　از قال بحال بایدت کرد گزر

(تُو اگر صاحب حال لوگوں میں شامل ہونا چاہے تو تجھے قال سے گزر کر حال میں آنا چاہیے۔) یہ انمول نعمت صرف عقیدہ و خدمت کی بناء پر مفت مل سکتی ہے۔ اگر کوئی صاف نیت سے طلب گار بن جائے۔

؎ سکندر را نمی بخشند آبے　　　بزورِ زر میسّر نیست ایں کار

''سکندر ذوالقرنین کو تخت سکندری کے باوجود آبِ حیات کا ایک قطرہ نصیب نہ ہو سکا۔ کیونکہ اس چیز کا تعلّق زور بازو اور زور زَر سے نہیں بلکہ رضائے الٰہی اور عجز و انکساری سے ہے۔''

؎ زور را بگزار زاری را بگیر　　　رحم سوئے زاری آید ائے فقیر　　(رومیؒ)

؎ اقلیم دل بزور مسخر نمی شود　　　ایں فتح بے شکست میسر نمی شود

(زور کو چھوڑ اور زاری (عاجزی) اختیار کر لے اَے فقیر! اللہ کی رحمت صرف زاری کی طرف آتی ہے)

(دل کی دنیا طاقت کے ساتھ تسخیر (تابع فرمان) نہیں کی جا سکتی۔ دنیائے باطن کی فتح بغیر شکست دل (شکست خودی عجز و انکساری) کے ناممکن ہے)۔

؎ تُو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئنہ　　　کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے، نگاہِ آئینہ ساز میں　　(اقبالؒ)

19: ۔نظریہ علم الکشف وعلم الغیب

؎ تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست　　　چوں ہوا! جُز قُفل آں دروازہ نیست　　(رومیؒ)

(جب تک خواہشات نفسانی تازہ ہیں اس وقت تک ایمان تازہ نہیں ہوسکتا۔ ایمانی لذائذ و مشاہدات کے دروازے کا تالا انسان میں صرف خواہشاتِ نفسانی ہیں۔)

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق کے مطابق فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کے دل پر خواہشات نفسانی کی کثافت (میل) باقی ہے۔ اس وقت تک اس کا ایمان نامکمّل اور باطنی قوتِ بینائی ناپید ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق دروازۂ کشف (باطنی حقائق) کا تالا صرف ''خواہشاتِ نفسانی'' ہیں۔ جب انسان خواہشات نفسانی اپنے دل سے ختم کر کے انہیں رضائے الٰہی میں بدل ڈالے تو رضائے الٰہی ہی اس بند تالے کی کلید ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا:

؎ زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا — ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی

مدارجِ علم میں علم الکشف درجہ ''حق الیقین'' پہ ہے۔ کیونکہ اس کشف باطن کے ذریعے آخر کار کشف مشاہدہ حق حاصل ہوجاتا ہے۔ علمِ کشف ہی کا دوسرا نام علمِ غیب ہے۔ لفظ ''غیب'' غیبت (غ پر فتحہ) سے ہے جس کے معانی ظاہری آنکھ سے اوجھل ''پوشیدہ نظارے'' کے ہیں۔ انہی غیب یعنی پوشیدہ حقائق کے دیکھنے کا ذریعہ ''علمِ کشف'' ہے۔ بالفاظ دیگر علم کشف کا ماحاصل علمِ غیب ہے۔ اس کی مثال ایک کمرے کی ہے جو ہیرے و جواہرات سے بھرا ہوا ہے مگر اس کا دروازہ بند ہے۔ جب اس کا دروازہ کھُل گیا تب اس کے اندر موجود انمول اشیاء کو دیکھ کر اُن کا علم حاصل ہوگیا۔ اسی علم کو ''علمِ غیب'' کہتے ہیں۔ جس کا دروازہ کشف سے پہلے بند تھا۔ علم الکشف آئینہ قلب کی صفائی پر منحصر ہے۔ ؏

ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید (رومیؒ)

(جس نے ذکرِ الٰہی کی ریتی جس قدر زیادہ رگڑی اسی قدر شیشۂ قلب کی چمک زیادہ ہوگئی اور اس نے زیادہ دور تک دیکھا۔) یہ چیز کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ دروازہ ہر باہمت انسان کیلئے کھُلا ہوا ہے۔

؎ دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست — دستِ اُو جُز قبضۂ اللہ نیست (رومیؒ)

(مرشد کامل کی نگاہ سے کوئی چیز اُوجھل نہیں ہے کیونکہ اس کا ہاتھ خدا کے قبضۂ قدرت میں رہتے ہوئے اس کے خزانہ ہائے غیب کا مالک ہے۔)

؎ آئینہ دل را چوں داری صاف و پاک — نقشہا بینی بروں از آب و خاک
بینی اندر دل علومِ انبیاء — بے کتاب و بے مُعید و اوستا
لوح محفوظ ہست پیش اولیاء — آنچہ محفوظ است محفوظ از خطا رومیؒ

(اخلاقِ رذیلہ کو اخلاقِ حسنہ میں تبدیل کر کے اپنے دل کو جب شیشے کی طرح پاک وصاف کر دے تو اس دنیا سے بھی آگے عجیب وغریب مشاہدات ہوں گے اور اپنے دل میں بغیر کسی کتاب وتکرار اور اُستاد کے علوم انبیاء دیکھے گا۔ پھر

خدا کی اس دوستی کی وجہ سے کہ تُو نے اپنی ہستی کو اس کی یاد میں قربان کر دیا خداوند کریم اپنے ذاتی عُلوم پر مشتمل غیب کی کتاب (لوحِ محفوظ) تیرے سامنے رکھ دے گا۔ کہ جس میں سب حقائق ''رطب ویابس'' محفوظ ہیں۔''

یہ علم کشف وغیب کس دُکان سے ملتا ہے؟ شیخ سعدیؒ بتاتے ہیں:

؎ آنانکہ کورانِ چشمِ دل اند ہمانا ازیں توتیا غافل اند

(جن کے دل کی آنکھیں اندھی ہیں وہ دراصل اولیاء کرام کی خاک پا کے سُرمے (خدمت وعقیدت) سے محروم ہیں۔) آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو فرمایا ''دنیا نیک کاموں کی طرف بھاگتی ہے مگر اے علی رضی اللہ عنہ تُو کسی مردِ صالح اور مردِ کامل کی تلاش میں رہ'' وجہ!

؎ زانکہ او ہر خار را گلشن کند دیدۂ ہر کور را روشن کند (رومیؒ)

(کیونکہ ہر ویرانے کو آباد کرنا اسی کا کام ہوتا ہے اور ہر اندھے دل کی آنکھوں کو وہی کھول کر اسے ''روشن بصر'' کر دیتا ہے۔ کسی اور جگہ اس چیز کا ملنا محال ہے۔)

؎ در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدارا درصفحۂ دل بیں کہ کتاب بہ ازیں نیست (جامیؒ)

(کنز وہدایہ (مشہور ومعروف شرعی کتب) میں تجھے خدا نہیں مل سکتا۔ کتابِ دل میں دیکھ کہ اِسی میں سب کچھ ہے۔)

20: نظریۂ نُور

آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی آنکھ میں خداوند کریم نے قوّتِ بینائی کا نُور رکھا ہوا ہے۔ مگر جب انسان ایک تاریک کمرے میں جاتا ہے خواہ دن کیوں نہ ہو جب تک وہاں پر دوسرے نور (چراغ) کا انتظام نہ کیا جائے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے سے الٹا نقصان تو ہوسکتا ہے مگر فائدہ کچھ نہیں۔ اس طرح خداوند کریم نے ہر ذی شعور کیلئے ظاہری علم راست (علم محمود) میں نُور رکھا ہوا ہے۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے۔ ''اَلْعِلْمُ نُوْرٌ'' فائدہ مند علم نور (روشنی) ہے جو صراطِ مستقیم دیکھنے کے کام آتا ہے۔ اس دنیا کے ظلمت کدہ میں انسان کے اندر (دل پر) خواہشات نفسانی اور خطاؤں کی تاریکی ہوتی ہے۔ جب تک اندھیرے کمرے کی طرح اپنے دل کے اندر علم باطن کا نُور نہ جلائے (آئینۂ قلب صاف نہ کرے) اس وقت تک صرف ظاہری نُور سے باطنی نُور (حقیقت نُورِ محمدی ﷺ) کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہیں۔

؎ رَو تُو زنگار از رُخِ اُو پاک کُن بعد زاں آں نُور را اِدراک کُن

(جا پہلے رُخِ دل سے زنگ ہٹالے پھر اس نُور کے سمجھنے کی کوشش کر۔)

پیر کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی عوام الناس کے استفسار پر بتایا کرتے ہیں کہ یہ بات آپ کی سمجھ سے باہر ہے کیونکہ یہ باطنی معاملہ ہے۔ اسے نُورِ باطن کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر اس کے دیکھنے کا شوق ہے تو علمِ باطن

حاصل کرنے کیلئے فقرِ محمدی ﷺ کے درس گاہ میں آجاؤ۔ چند دنوں کے اندر اندر جب نُورِ باطن سینے میں جگمگایا مسئلہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔ اگر اس طرح نہ کر سکیں تو صرف الفاظ میں اس مسئلے کا سمجھنا اور سمجھانا بہت مشکل ہے۔ سوال پر سوال الٹا نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ ہاں تمہارے لئے صرف یہی عقیدہ کافی ہے کہ قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے اقوال کے مطابق ہمارے پیغمبر ﷺ خدا کے نُور ہیں۔ جبکہ سب مظاہرِ قدرت سورج، چاند، ستارے خدا کے نُور سے ہیں۔ تو ہر انسان کو (نبی تو ایک بلند ذات ہے) خدا نے اِن چیزوں سے اعلیٰ و ارفع قرار دے دیا ہے۔ اس میں اپنا ذاتی روح پھونک کر "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ" (بے شک ہم نے انسان کو ہر چیز سے خوبصورت کر کے بنایا) فرما کر "لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ" (بے شک اولاد آدم کو ہم نے بڑا مقام دیا ہے) کا تاج سر پر رکھ کر "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" (میں نے اسے زمین پر اپنی ذات کا نائب مقرر کر دیا) کا شرف بخشا۔ کائنات بنا کر سب مظاہرِ قدرت (سورج، چاند، ستاروں) کو اس کے تابع فرمان بنا دیا۔ یہ تو بدرجہ اُولیٰ اس کی خاص توجہ انوار و تجلّیات اور نوازشات کی زد میں ہے۔ سمجھدار آدمی کیلئے یہی کافی ہے۔ پھر سید المرسلین خاتم النبییّن ﷺ، محبوب خدا ﷺ باعثِ تخلیق خلقت کی کوئی کیا تعریف بیان کرے۔ جب اُن (ﷺ) پر دستِ قدرت نے اپنی خاص کاریگری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اُن میں پھر کون سی کمی رہ چکی ہوگی۔ یہ صرف ہماری کج فہمی، کم علمی اور بغض و حسد کی وجہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ خدا عقل سلیم (نور ظاہر) اور قلب سلیم (نورِ باطن) عطا کرے۔

؎ طلوعِ فکر پہ غفلت کی رات ہے　　　اس سے عجیب تر بھی کوئی اور بات ہے

ہمارے پیغمبر ﷺ تو خدا کے محبوبِ خاص ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کے بارے فرماتے ہیں۔

؎ گر نبودے نُورِ حق اندر وجود　　　آب و گِل را کئے مَلک کر دے سجود

(اگر وجود آدم علیہ السلام میں خدا کا نُور موجود نہ ہوتا تو صرف پانی اور مٹی سے گوندھے ہوئے گارے کو نُوری مخلوق! خدا کے خاص فرشتے کیسے سجدہ کرتے۔)

ان میں آخر فرشتوں سے بھی کوئی اعلیٰ نُور تھا کہ نُوری مخلوق کو بھی اُن کی عظمت کا اقرار کرنا پڑا۔ خدا سمجھ عطا فرماوے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سرکار دو جہاں ﷺ کے ماننے والے اولیاء امت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

؎ نُورِ حق ظاہر بود اندر ولی　　　نیک بیں باشی اگر اہلِ دِلی

(اگر تُو انسانی دل اور نُورِ بصیرت رکھتا ہے تو سمجھ لے کہ خدا کے دوست میں بھی اس کا نُور آشکارا ہے۔)

21:۔ نظریۂ بشر

ہمارے مرشد کریم فرماتے ہیں کہ سرکار دو جہاں ﷺ اگر ظاہری طور پر بشر تھے تو وہ ہمارے ساتھ صرف جنسی نسبت کی خاطر تک تھے تا کہ انسان آپ ﷺ کی طرف مائل ہو کر آپ ﷺ کی بات سن سکیں۔

؎ وہ خدا نہیں، با خدا نہیں، وہ مگر خدا سے جدا نہیں   وہ ہے کیا مگر وہ ہے کیا نہیں، یہ محبّ حبیب کی بات ہے

چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح رات دن روزہ رکھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر کہاں عام بشر اور کہاں نبوتِ بشریٰ۔ ایک دو دن کے اندر اندر زار و نحیف اعضائے بدن کام کرنا چھوڑ گئے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ مَیں تو اپنے رب کے پاس سے (نُورِحق) کھاتا پیتا ہوں آپ میری طرح نہیں بن سکتے۔

؎ کاں گروہیکہ رہیدند از وجود   چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود   (رومیؒ)

(وہ گروہ جو بشری کثافتوں سے پاک ہو کر قیدِ وجود سے آزاد ہو گئے چاند، سورج اور آسمان تک اُن کی عظمت کے سامنے جھک جاتے ہیں۔)

؎ در بشر روپوش گشت است آفتاب   فہم کن واللہ اعلم بالصواب   (رومیؒ)

(بشر ہی میں سورج تک پوشیدہ ہیں مگر یہ سمجھنے کی بات ہے) سوچنا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر وقت نگاہِ نبوت کے سامنے خدمت میں موجود رہے۔ وہ بھی آپ کی بشریّت سمجھنے سے قاصر رہے۔ تو ہم اس پندرہویں صدی کے نام نہاد مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریّت پر کیا کچھ کہہ سکتے ہیں۔ نُوری مخلوق کے سردار سید الملائکہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بھی چوتھے آسمان سے آگے سیّد البشر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت! تمازتِ نورِ الٰہی کیوجہ سے نہ کر سکے۔ تو ہم اس مسئلے میں کیا دَم مار سکتے ہیں جبکہ آپ کی ظاہری بشریّت کا یہ عالم ہے تو خدا جانے باطنی نُور کا کیا عالم ہوگا۔

مرشد کامل مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ انہوں نے تو خدا تک پہنچنے کا ہمیں ایک راستہ دکھا دیا۔ اب ہمارا کام صرف ان کی پاک سیرت کی پیروی کرنا ہے اور اُن کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ اگر ہم تفرقہ بازی اور کینہ و حسد سے ہٹ کر اس راستہ پر چلنا شروع کر دیں تو یہ راز خود بخود ہم پر کُھل کر واضح ہو جائے گا کہ نُور کیا ہے؟ اور بشر کیا چیز ہے؟ مگر شومیِ قسمت غیر مسلم نظریات اور ہمارے علماء نے تفرقہ بازی کی بنیاد پر اس حقیقت کو عوام الناس سے مکمّل اوجھل کر دیا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے مسائل کا تعلق باطنی علوم اور مذہب عشق و محبّت سے ہے۔

؎ علم بودش بل نبودش عشق دیں   اُو ندید از آدم اِلّا نقشِ طیں

(شیطان لعین کو علم تو تھا مگر مذہب عشق سے ناواقف تھا۔ اس لئے اسے حضرت آدم علیہ السلام سے مٹی کی صورت کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آیا۔)

22:۔ نظریۂ فنا و بقا

فنا و بقا کے اپنی حیثیت کے لحاظ سے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ ذاتِ مرشد میں فنا ہو کر بقا حاصل کرنا ہے دوسرا درجہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں فنا ہو کر بقا حاصل کرنا ہے تیسرا درجہ ذاتِ الٰہی میں فنا ہو کر بقا حاصل کرنا ہے، فنا کا اصل مطلب اپنی ذات کو احکامِ شرعی میں اس قدر فنا کر دینا ہے کہ اپنی ذات کے سُود و زیاں تک کی خبر نہ ہو۔ کیونکہ حقیقتِ فنا تو سُود ہی

سُود ہے۔مگر بطورِ امتحان اگر آزمائش آ بھی جائے تو اس کے زیاں کا احساس نہ ہو بالفاظ دیگر فنا کا مطلب راضی برضائے حق ہونا ہے۔

شرعی احکام کی آگ کے ڈھانچے میں جب بدن خا کی آ جاتا ہے تو اس تربیت کے ذریعے لطائف، مذمومیّت (برائی) سے بدل کر صداقت (سچائی) میں آ جاتے ہیں۔اپنے وجود سے برائی کا خاتمہ کرنا ''فنا'' اور اس کے بالمقابل سچائی کا پیدا ہونا ''بقا'' کہلاتا ہے۔اس مرحلے سے گزرنا بغیر استاد اور نمونۂ عمل کے ناممکن ہے۔یہ استاد اور نمونۂ عمل ایک مرشدِ کامل کی ذات ہے جو ایک سیڑھی کی طرح ہے کہ طالب کو اپنے مولا تک پہنچا دیتا ہے۔ہر مشکل کام مرشد کے سامنے بہت آسان ہے۔اگر وہ چاہے تو۔

ع یک نظر کر دی و آداب فنا آموختی

(اے مرشد کامل ایک ہی نظر سے تُو نے آداب فنا سکھا دیئے ہیں) ایک انسان جب ایک ولی اللہ کی پیروی میں اپنے آپ کو فنا نہیں کر سکتا تو رسول اللہ ﷺ کی ذات میں فنا ہونے کی اہلیت کب رکھ سکتا ہے؟ جب رسول اللہ ﷺ کی ذات میں فنا ہونے کے آداب سے ناواقف ہو تو ذاتِ خدا میں فنا ہونے کی اہلیت بھی نہیں رکھ سکتا۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس رمز کو یوں بیان فرمایا۔

ع خام بودم ، پختہ شُدم ، سوختم

(کچا تھا پک گیا پھر مکمّل جل گیا۔) ان تینوں مقامات میں یہی باطنی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو صاحبِ طریقت کے لیے بمنزلہ آدابِ طریقت کے ہیں۔مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ لطائف کو ''مقامِ اعتدال'' پہ لانا ''وجودِ شیشہ'' کی طرح ہے۔پھر اسی شیشہ پر صیقل (تقویٰ و تربیت کی ریتی رگڑنا) کے مراحل شروع ہو جاتے ہیں۔صیقل جس قدر زیادہ کی جائے اسی قدر شیشے کی چمک دمک بڑھتی جاتی ہے۔صفائی جس قدر زیادہ ہو گی خدا کی ذات اسی قدر قریب ہوتی جائے گی۔اِن مراحل میں پہلے مرشد کی ذات، پھر رسول اللہ ﷺ کی ذات تب خدا کی ذات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔اس میں ہمت کی دوڑ ہے۔کوئی فنا فی الشیخ تک، کوئی فنا فی الرسول ﷺ تک اور کوئی دانہ دانہ جا کر فنا فی اللہ تک پہنچ جاتا ہے۔

؎ توحید گُلے نیست کہ بہ بازار فروشند توحید متاعیست کہ بر ''دار'' فروشند

(توحید بازار میں ملنے والے پھول کی طرح نہیں ہے کہ ہر دکان پہ ملے بلکہ توحید کا سودا تختۂ دار پر (اپنے نفس کو فنا کرنے کے بعد) ملتا ہے۔) (مزید معلومات کیلئے مقالہ ''حقیقت فنا و بقا'' کی طرف رجوع کیجئے۔)

23:۔نظریہ وحدت الوجود والشّہود

باقی سلاسل میں وحدت الوجود ہی تقریباً ابتدائی و انتہائی مقام سمجھا جاتا ہے مگر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں پہلے مقام وحدت الوجود پھر مقام وحدت الشہود آتا ہے۔یعنی وحدت الوجود ابتدائی اور وحدت الشہود انتہائی مقام ہے اور یہ مسئلہ

نظری و وجدانی علوم سے وابستہ الفاظ و معانی کی گرفت سے بالا صاحب جنوں لوگوں سے متعلّق ہے۔ مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں جس طرح کہ ''اَن پڑھ'' کتاب نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح علمِ باطن سے ناواقف انسان بھی مسئلہ وحدت الوجود والشہود نہیں سمجھ سکتا۔ ہاں الفاظ کی تصویر کشی اس حد تک ایک صاحب عقیدہ کیلئے کافی ہے کہ خدا کی ذات بے مثال ہے۔ جب خدا کی ذات ایک سالک کو ''حقیقی صورت میں واحد'' وحدہ لاشریک نظر آئے تو اسے وحدت الوجود کہتے ہیں۔ جب خدا کی ذات ''حقیقی صورت میں ہر چیز پر قادر ہو ہر چیز میں اس کی جھلک! عَـلٰـی کُـلِّ شَـیۡءٍ قَـدِیۡـرٍ'' نظر آئے تو اسے وحدت الشہود کہتے ہیں۔ اس لئے تصوف میں وحدت الوجود کو ''مقامِ وحدت'' اور ''وَحدت الشہوؔد'' کو ''مقام کثرت'' بھی کہتے ہیں۔ جس طرح ذات ایک، قادر ہر جگہ۔ ذات ایک، صفات زیادہ۔ ذات ایک، مظاہر اور عکوس ہر طرف۔ نُور ایک، شعاعیں ہر جگہ پھیلی ہوئی موجود۔ اسی طرح ذات الٰہی صرف ایک (وحدت الوجود) ہے مگر اس کی پَرتَو ہر بے جان شئے میں اور اس کی روح! ہر ذی روح میں (وحدت الشہود) قوت حرکت و بالیدگی لئے ہوئے ہے۔ پس عوام الناس کیلئے حقیقت کا اعتراف صرف اسی حد تک کافی ہے۔ ہاں اگر اس بات کی تصدیق کرنی ہے تو مکتب اولیاء وصوفیاء میں داخلہ لیجئے۔ نشانِ منزل کیلئے عاقل کو اشارہ ہی کافی ہے۔

24:۔ نظریۂ عشق وخرد

بموقع مبارک بادی عیدالاضحیٰ 1990ء آستانہ عالیہ بنوں میں مریدوں کے ایک جمِ غفیر سے آپ نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ پہلے پہل انسان میں عقل عام یا عقل جزوی ہوتا ہے جس کے بارے میں اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نُور چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

پھر کسی مرد کامل کی صحبت اور ریاضات و مجاہدات کی بناء پر وہ عقل کُلی تک پہنچ جاتا ہے۔ جسے قرآن وحدیث میں عقل سلیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اقبالؒ نے اس عقل کے حق میں کہا تھا۔

؎ ہر خاکی و نوری پہ حکومت ہے خرد کی باہر نہیں کچھ عقل خدا داد کی زد سے

عقل کے اس مقام سے آگے مقام عشق ومستی کی ابتداء ہوتی ہے۔ انسان تب تک عقل کا محتاج بنا رہتا ہے جب تک کہ اس میں عشق نہ آئے۔ جب عشقِ جہاں سوز آ گیا تو یہی عقل اس کی خادم بن کر اس کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیتی ہے۔ اس مقام پہ ایک انسان خاکی اپنے آپ کو ہر نقص وعیب سے پاک کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ ہر کِرا جامہ ز عشقے چاک شُد اُو ز حرص و عیب کُلی پاک شُد

(جس کے اندر عشق سما گیا، وہ حرص ولالچ اور عیب ونقص سے مکمّل پاک ہو گیا۔)

گو کہ نفس وشیطان کے حملوں کے وقت اگر عقل پھر آ کر کار عشق میں دخل بھی دے تو عشق دوبارہ سنبھل کر اسے پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ کیونکہ عقل اربعہ عناصر (مادیت) سے مرکب سُود وزیاں کی مالک ہے جبکہ عشق نُور الٰہی سے مرکب

(جوہر) ہرزیاں سے پاک سود ہی سود کا علم بردار ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

؎ صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے　　　جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

پھر یہی عشق ہے جو کہ صاحبِ عشق کو منبع عشق ''ذاتِ الٰہی'' تک پہنچا کے چھوڑتا ہے جبکہ عقل اس کے گردِ راہ میں گم ہو کے رہ جاتا ہے۔

آخرکار جب عشقِ جزوی بھی عشق کُلی بن کر ''کامل'' ہو جاتا ہے تو عاشق یہاں تک کہہ دیتا ہے۔:

؎ کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے　　　ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

25: ۔نظریۂ روح

رُوح قرآن وحدیث کے مطابق کثافت وآلائش سے پاک امرِ ربی، ہر ذی روح میں موجود ہے۔

؎ تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست　　　لیک کس را دید جاں دستور نیست　　　(رومیؒ)

(جسم روح سے اور روح جسم سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن کسی کو روح کے دیکھنے کا طریقہ نہیں آتا)

ہاں یہ طریقہ اہلِ باطن کو اپنی باطنی آنکھوں کے ذریعے آتا ہے۔ وہ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مگر باطنی آنکھ کا تعلق ''علم باطن'' سے ہے۔ اور علمِ باطن خدا کے دوستوں کے پاس ہے۔ پیر کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی نے ایک مرتبہ ضلع ڈیرہ غازیخان کے قریب علاقہ فورٹ منرو بمقام ''ترمو'' بیٹھے روحانیت کے بارے سامعین کو بتایا کہ یہ سرخ زرد رنگ کا گیند نما ایک نُور ہے جسے ہم جسم لطیف بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک زندہ ولی اللہ کی روح مبارک بغیر اپنے وجودِ ظاہری کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتی ہے۔ اس طرح ایک ولی اللہ بعد از انتقال بھی اپنے روحانی لحاظ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہے جس کی روحانیت گیند نما نُور کی شکل میں پرواز کرتی ہوئی چلی جاتی ہے اور پھر اسی ہی پرواز میں واپس اپنے مزار میں آ جاتی ہے۔ میں خود (سیّد محمد گل حواص شاہ بخاری) ایک مرتبہ ایک ولی اللہ کی قبر پر زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ مگر وہ اپنے مزار میں موجود نہیں تھے۔ کافی دیر انتظار کیا۔ اچانک دیکھا کہ فضا میں سرخ زرد گیند نما ایک روشنی اڑتی ہوئی آ رہی ہے مزار کے عین اوپر آ کر غائب ہوگئی۔ تب میں نے مراقبہ کر کے جب مزار کی طرف توجہ دی تو صاحب مزار اپنی جگہ تشریف فرما تھے۔ پھر شرفِ زیارت حاصل کر لیا۔

ایک اور مقام پر ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک زندہ ولی اللہ کی روح مبارک قبر والے بزرگ کی روح مبارک سے ملاقات کر سکتی ہے جسے ظاہری جسم سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ کیونکہ جسم کسی نہ کسی کثافت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ مگر روح چونکہ لطیف اور پاک وصاف ہوا کرتی ہے اس لئے رُوح کی رُوح سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے بطور مثال ارشاد فرمایا کہ ایسے بھی ہو سکتا ہے مَیں جسمانی طور پر یہاں بیٹھا ہوا ہوں اور میری روح جا کر لاہور سے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کر کے واپس آ جائے۔ تب آپ نے حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور و معروف واقعہ بیان فرمایا کہ بوقت ذکر ان پر حالتِ وجد طاری ہوتی تھی۔ تب وہ ''مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' (واہ واہ میری کتنی بڑی شان

ہے) کے الفاظ استعمال فرماتے ۔ دراصل اُن کی روح مبارک عرش معلٰی پر جا کر مشاہدۂ رب سے ہمکنار ہو جاتی تھی ۔ (جسم سے بے نیاز، خدا کی پناہ میں موجود، بے خود ہو کر نعرہ زن ہوتا ۔ یہ روحانی لحاظ سے ہوتا تھا نہ کہ جسمانی لحاظ سے ۔ جسم کثیف زمین پر موجود اور روح پاک عرشِ معلٰی پر محو دیدار تھا ۔ مرید شیخ بایزید پر اس حال میں (ظاہری طور پر غیر شرع فعل پر) تلواریں چلاتے تو خود ضربوں کا شکار ہو جاتے ۔ بعد از وجد جب مریدوں نے استفسار کیا تو بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں خود ہوتا تو تلوار اثر دکھاتی ۔ وہ مَیں نہیں تھا بلکہ خدا کی ذات بول رہی تھی ۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ یہ مقامِ فخر نہیں بلکہ مقام شکر ہے ۔ اس فقیر کا جہاں دورے کا پروگرام ہوتا ہے ۔ تو روحانی لحاظ سے پہلے اس جگہ کی مجھے سیر کرائی جاتی ہے ۔ رات کو مَیں نے مراقبہ میں ایک ندی میں بارش کا تیز پانی اور اس کے اردگرد سرسبز و شاداب درختوں کا مشاہدہ کیا ۔ جو شاید کوئٹہ کا علاقہ دکھائی دیتا تھا ۔ انشاء اللہ اِن علاقوں میں ضرور ہمارا دورہ ہوگا ۔ (چنانچہ اس کے بعد سے ابھی تک کوئٹہ کے دو دورے کر لئے)

صوبہ بلوچستان علاقہ بارکھان میں جب آپ کے پہلے دورے کا پروگرام تھا ۔ تو ایک مرید کو جا کر روحانی طور پر آپ نے اپنی محفل گاہ کی جگہ متعیّن کرادی ۔ چنانچہ جب آپ کا بارکھاں میں دورہ ہوا تو اُسی جگہ قیام فرمایا اور اُسی جگہ محفل سماع منعقد کی گئی ۔ اس طرح تونسہ شریف کے قریب علاقہ بارتھی بمقام نالدف آپ کے دورے سے پہلے لوگ خواب میں سامنے والی پہاڑی درے سے متعدد نُور کے شعلے آتے ہوئے دیکھتے ۔ آپ کے ظاہری دورے کے بعد دوبارہ وہ نُور کے شعلے نظر نہ آئے ۔

1990ء میں جب کوئٹہ کے دورے کا پروگرام بنا تو ''کلی شیخان'' میں جہاں آپ کے نشست و قیام کا انتظام کیا جا رہا تھا ۔ وہاں مسند کے عین اوپر فضا میں صوفی حامد خان حوالدار نے اپنی آنکھوں سے کھڑی ہوئی گول رنگین روشنی بار بار دیکھی تو جا کر وہاں کے متعیّن خلیفہ صوفی حامد اللہ صاحب سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے بتایا کہ مبارک ہو ۔ مرشد کریم کی روحانیت آئی ہوئی ہے ۔ وہ انشاء اللہ کل اپنے مقررہ وقت پر فی الوجود تشریف لائیں گے ۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا ۔

جنوری 1992ء میں جب علاقہ سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب بمقام بُھرگڑ کا دورہ فرمایا تو بتایا کہ بندہ کو دس سال قبل اس علاقے کی روحانی طور پر سیر کرائی گئی تھی ۔ آج جب اس علاقے کو دیکھا تو وہی بات یاد آ گئی ۔ شکر الحمد للہ کہ پوری ہو گئی ۔ (آپ کے بارے ایسے اور متعدد واقعات بھی ہمارے مشاہدے میں آئے ہیں جو خوفِ طوالت سے چھوڑ دیئے گئے ہیں)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ اولیاء کرام کی روحیں بعد از انتقال ایک دوسرے کی ملاقات کیلئے جاتی رہتی ہیں اور باقاعدہ تصرّفات بھی کر سکتی ہیں ۔ اس بارے میں آپ نے اپنا ایک مشاہدہ بیان فرمایا کہ ہمارے علاقہ ممش خیل میں گھر کے قریب ایک قبرستان ہے ۔ مَیں شروع شروع میں رات کو اس قبرستان میں جایا کرتا تھا تو وہاں

مجھے تین قبروں کی روحانیت کا نظارہ ہوا کرتا تھا۔ قبریں ایک دوسرے کے قریب قریب تھیں۔ ایک قبر سے تیز نور کی روشنی نکل کر دوسری قبر کے پاس آتی۔ دوسری قبر سے بھی اس جیسی نُور کی روشنی نکل آتی۔ یہ دونوں مل کر تیسری قبر کے اندر جا کر داخل ہو جاتیں۔ یہ نظارہ میں نے وہاں پر کئی بار دیکھا ہے۔ میرے مرشد کریم صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کئی سال ہوئے کہ انتقال فرما گئے۔ مگر جب بھی ان کی محبّت دل میں موجزن ہوتی ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ سامنے آ کر اپنی کمال روحانیت کے ساتھ زیارت کرا جاتے ہیں۔ چنانچہ علاقہ بھُرگڑ جب میں ان کی زیارت کیلئے نہایت بے چین تھا۔ سامنے آ کر دیدار کرایا اور تسلّی دی شاہ صاحب پریشان کیوں ہیں؟ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں تب بے چینی ختم ہوگئی۔ الختصر پاک وصاف مومنین یا اولیاء کرام کی روحیں حیات یا بعد از حیات اپنی روحانیت کے ذریعے جس طرف چاہیں جاسکتی ہیں۔ مگر یہ پاک باطن لوگوں کی روحوں کا پاک باطن لوگ ہی مشاہدہ کر سکتے ہیں یہ عام اور بے عمل انسان کی دسترس سے بالا بات ہے۔

؎ عصر حاضر ملک الموت ہے ترا، جس نے قبض کی روح تری، دے کے تجھے فکر معاش (اقبالؒ)

26:۔نظریۂ نفس

انسان کے جسم خاکی میں روز ازل سے نفس وروح (خیر وشر) برسر پیکار ہیں۔ سلطنتِ روح اگر نفس پر حاوی ہو تو وہ حقدار خلافت ہے۔ اگر روح نفس کی آمریت کا شکار ہو جائے تو وہ انسان خنّاس (انسانی شکل میں چلتا پھرتا شیطان) یا ایک پلید جانور کے مقام پہ ہے۔

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں جس قدر پلید چیز نفس ہے اور کوئی چیز نہیں۔ انسان کو اس بات کی حقیقت کا اُس وقت پتہ چل جائے گا جب بروز حشر اسے چشم حقیقت مل جائے گی مگر اولیاء کرام کو چونکہ اس دنیا میں حقیقت کی آنکھ نصیب ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ اپنی تمام تر قوّتیں اس جہاد اکبر کیلئے بروئے کار لاتے ہیں۔ کیونکہ انسانیت کی تعمیر پہلے ایک انسان کی ذات سے شروع ہوتی ہے۔ تب یہ ساری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس تعمیرِ نو کے بارے فرماتے ہیں۔

؎ ہر بنائے کُہنہ کہ آباد آں کُنند اوّل آں بنیاد را ویراں کُنند

(پرانی بنیادوں پر محل تعمیر کرنا ہو تو پہلے والی بنیادوں کا مکمّل طور پر خاتمہ کرنا پڑتا ہے۔ تب وہاں فلک بوس عمارت متوقع ہے۔)

اسی طرح تعمیر خودی کے لئے پہلے نفس امارہ کو شریعت کی بیڑیاں پہنا کر اسے مکمّل طور پر پابند احکام الٰہی بنایا جاتا ہے۔ تب ذکر الٰہی سے پاکیزگی پیدا کر کے اسے اَوج کمال پر پہنچا دیا جاتا ہے۔

؎ پس چوں آہن گرچہ تیرہ ہیکلی صیقلے کُن ، صیقلے کُن ، صیقلی

(تُو اگر لوہے کی طرح سخت اور تیرا نفس اگرچہ بداعمالیوں کی وجہ سے تاریکی وظلمت کا نمونہ بن چکا ہے مگر ذکر

الٰہی سے شریعت محمدی ﷺ کے اندر رہتے ہوئے اسے صیقل (صاف کرنا) شروع کردے۔ آخر کار وہ ایک دن مقام تزکیہ پہ پہنچ کر آئینہ حق نما بن جاتا ہے۔) یہ سہرا سلاسل تربیت کے سر ہے۔

؎ آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر (اقبالؒ)

مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ تربیت مرشد کے دوران ایک رات مَیں سویا ہوا تھا۔ آہٹ سی محسوس ہوئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے ایک بہت بڑا کالا، ڈراؤنا، دیوہیکل مجسّمہ کھڑا ہے۔ مَیں نے فوراً عصا اٹھا کر آواز دی! ظالم کون ہے؟ مجسمے سے آواز آئی شاہ صاحب ڈرتے کیوں ہو؟ مَیں تو آپ ہی کا نفس ہوں۔ حکم خداوندی سے آپ سے جدا ہو کر اپنی حقیقت دکھا رہا ہوں۔ آپ نے مجھے اس قدر تنگ کیا ہے کہ آپ کے جسم سے نکلنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب مَیں نے اپنے وجود کی طرف توجہ دی تو میرا سارا جسم کثافت نفس سے پاک سراپا آئینہ بنا ہوا تھا جس میں بغیر انوارِ الٰہی کے اور کچھ نہ تھا۔ مَیں نے سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے نوافل پڑھنا شروع کر دیئے۔

؎ رازِ ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو کھُل گیا جس دَم، تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں (اقبالؒ)

حدیث نبوی ﷺ کے مطابق آپ فرماتے ہیں کے خدا کا پہچاننا (معرفت الٰہی) نفس کے پہچاننے (معرفت نفس) میں مضمر ہے۔ دنیا اور اہل دنیا کی پہچان بھی اپنی ذات کے پہچاننے میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ ایسے کہیے کہ تدبیر نفس تدبیر جہاں سے بھی کہیں مشکل کام ہے۔

؎ جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا (اقبالؒ)

جو اس میں کامیاب ہوا وہ دونوں جہانوں میں مثل آفتابِ درخشندہ بن گیا۔ اس لئے انسان میں اس وقت تک مادۂ خیر موجود ہے جب تک کہ اس کی دنیائے بدن میں نفس کے مقابلے میں رُوح کو بالا دستی حاصل ہے۔

اگر دنیائے بدن پر رُوح کے مدمقابل نفس کی حکمرانی مسلّط ہو جائے تو مادۂ خیر کی خیر بادی ہوتی ہے۔ نفس کسی بھی اچھے کام کو واقع ہونے نہیں دیتا جس سے انسان سراپا ''شر'' بن جاتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ نفس ماہم کمتراز فرعون نیست لیک اُو را ''عون'' مارا ''عون'' نیست

(نفس بھی فرعون سے کم نہیں ہے لیکن فرعون کے پاس دولت دنیا کی ریل پیل تھی مگر ہمارے پاس وہ چیز نہیں ہے۔)

؎ ساکوں نفس پلید، پلید چا کیتا اساں اصلوں پلید نا ہاسے

<u>القصہ</u> سب تعلیمات اسلام کا مقصد، بعثت انبیاء و اولیاء اسی فلسفۂ نفس و روح کے معاملات کو سلجھانا ہے اور بس۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحبت نبوی ﷺ میں صرف معلومات نفس کے بارے زیادہ تر پوچھا کرتے تھے۔ کیونکہ سب سمجھ اس کے سمجھنے میں تھی۔ عارف باللہ عارفِ نفس ہی ہوا کرتا ہے۔ اولیاء کرام کے پاس خدا کی طرف سے نفس کو مغلوب رکھنے کے چار بیرونی ذرائع ہیں۔ 1:۔ بیماری 2:۔ غربت 3:۔ مسافری 4:۔ اقرباء کی دشمنی۔

27: ۔نظریہ سماع

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کا نظریہ سماع پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ کے عین مطابق ہے جس طرح کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ بشنو از نئے چوں حکایت می کند　　وز جُدائیہا شکایت می کند

(روز ازل بُستان اَرواح (عالم اَرواح) سے ہر روح کو جُدا کر کے تاریک دنیا کی تنہائیوں میں ڈالا گیا ہے۔ اب ہمارے سامنے بانسری اور چنگ ورُباب اس قصّہ پارینہ کو یاد کر کے شکایتِ جدائی میں اپنا رونا رو رہے ہیں۔) جب یہ ذی روح انسان کے سامنے لب کُشائی کرتے ہیں۔(بجتے ہیں) تو کہتے ہیں۔

؎ کز نیستاں تا مرا بُبریدہ اَند　　از نفیرم مرد و زن نالیدہ اَند

(اے انسان تیری طرح مجھے بھی جب سے عالم اَرواح کے سَروں کے جنگل سے (اپنے ہم رازوں کی محفل سے) کاٹ کر اس عالم کی پہنائی میں پھینکا گیا ہے۔اب دردِ فُرقت میں جب میں روتا ہوں تو ہر باشعور، ذی روح مخلوق (مرد اور عورتیں) بھی میرے ساتھ ساتھ رونے لگتی ہیں۔اِسی حکمت کی بناء پر کہ انہیں بھی اپنا اصلی وطن یاد آجاتا ہے جس کے لئے وہ بھی تڑپ تڑپ کر آتش جدائی میں جلنا شروع کر دیتے ہیں۔)

بالکل اس بات کا حقیقی مظاہرہ ہمارے مرشد کامل مدظلہٗ العالی کی محفل سماع میں ہوتا ہے۔علاقہ بارتھی بمقام نالدف تحصیل تونسہ شریف کے قریب دورانِ سماع ایک طرف تو اہل محفل پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔کئی صوفیاء عالم وجد میں تڑپ رہے تھے۔دوسری طرف چاندنی رات میں کئی لوگوں نے زمین پر پڑے ہوئے خس وخاشاک تک کو ناچتے ہوئے دیکھا ہے۔جب سماع ختم ہو گیا ہر طرف سکون ہو گیا۔سماع کا اثر بھی ہر شخص پر نہیں ہوتا مگر صرف اہل دل حضرات پر۔

پیر رومیؒ اس حقیقت کو یوں آشکارا فرماتے ہیں۔

؎ برسماع راست ہر کس چیر نیست　　طُعمہٗ ہر مرغکے انجیر نیست

(سماع سن کر حقیقت کی طرف جانا ہر کسی کا کام نہیں جس طرح کہ انجیر جیسا میٹھا میوہ ہر پرندے کی غذا نہیں۔)

مولانا رومیؒ حقیقتِ سماع پر یوں حرف آخر کھینچتے ہیں۔

؎ آتش است ایں بانگ نائی و نیست باد　　ہر کہ ایں آتش ندارد نیست باد

(بانسری کی آواز میں موجود ''ہَوا'' دراصل ہَوا نہیں ہے بلکہ آگ ہی آگ ہے۔جس کے دل میں یہ آگ (آتشِ عشق) نہ ہوا ُسے اس دنیا میں رہنے کا حق بھی نہیں ہے۔)

صاحبِ روحانیت بزرگ محفل سماع کا اہتمام اس حکمتِ باطنی کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ اس میں حقیقتِ روح کی طرف سراغ رسانی ہوتی ہے اور اس کا انتظام بھی کسی صاحبِ روحانیت ولی اللہ کی موجودگی میں ہوا کرتا ہے۔وگرنہ سماع! سماعِ بے جان کی حیثیت رکھتا ہے۔کیونکہ یہی لوگ حقیقتِ روحانیت کے علم بردار ہوتے ہیں۔جن میں عاشق و

معشوق کے درمیان اسرار ورموز کا لین دین ہوتا ہے۔ مولانا رومیؒ نے اس بہانۂ وصال عرفاں کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

(معشوقِ حقیقی کا وجود دوسروں کے ساز و آواز کا لبادہ پہنے بہت اچھا لگتا ہے۔)

علاوہ ازیں اولیاء کرام سماع کو اس باطنی حکمت کے علاوہ ظاہری طور پر بھی بطور ہنر استعمال کرتے آئے ہیں۔ مُرشد کریم مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں جس طرح سلسلۂ چشتیہ میں پہلے قوالی موجود نہیں تھی۔ خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہنر سے اسے اپنے سلسلے میں وقت کے مطابق رائج فرمایا تھا۔ اس طرح سلسلۂ نقشبند میں بھی پہلے قوالی کا وجود نہیں تھا مگر ہم نے اب بطور ہنر تقاضائے وقت کے مطابق اَز سرِ نَو اُسے اپنے سلسلے میں داخل کیا ہے۔ جس طرح خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ کا علاقہ دَورِ اِنحطاط کا شکار چنگ ورباب کا رسیلا تھا۔ انہوں نے ہمسازئ زمانہ سے کام لیتے ہوئے اپنا اصل مقصد تبلیغ حاصل کیا تھا۔ اس طرح ہم نے بھی یہی طریق کار اپنایا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ دور بھی اس دور انحطاط سے مشابہ ہے جہاں ڈھول اور سُرود کا انتظام ہو لوگ وہاں آنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جب مجمع اکٹھا ہوتا ہے تو ہم دست بہ دعا ہوتے ہیں کہ خدایا! اتنی مخلوق سے کوئی دانہ تو ہماری جھولی میں ڈال کر اپنی آغوش رحمت میں لے لے تو خداوند کریم لازمی ہمارے ہاتھوں کی لاج رکھتا ہے۔

مزید برآں قوالی برگزیدہ اولیاء کرام کی سنت بھی ہے۔ جن کی برکت سے اس محفل پر خاص نزولِ رحمت ہوتی ہے المختصر! سماع سے ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کا مقصد ڈھول باجے سننا نہیں ہے بلکہ روحانی وجدان حاصل کرنا اور کارِ تبلیغ لینا ہے۔ (مزید معلومات کیلئے دیباچہ کتاب میں موضوع ''سماع'' کی طرف رجوع کیجئے۔)

28: ۔نظریۂ وجد

؎ محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے دیکھا ہے جو کچھ مَیں نے اَوروں کو بھی دِکھلا دے (اقبالؒ)

وَجد کا مطلب عملی طور پر کسی غیر موجود (غائب) چیز کو حاصل کرنے کے ہیں۔ ذِکر اِلٰہی اور سوز وساز کے وقت نفس اور روح کے درمیان کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ نفس اپنے آپ کو اپنی اصلی سرشت ''مٹی'' کی طرف نیچے کھینچتا ہے۔ روح اپنے اصل مقام ''عالم عُلوی'' کی طرف مائل بہ پرواز ہوتی ہے۔ جبکہ صاحب وَجد پر روحانی کیفیت طاری ہو کر اس پر چشمِ باطن کے ذریعے رابطۂ حق کا جذبہ چھا جاتا ہے۔ تب نفس اور روح کی اس جنگاہِ وجود میں کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔ صاحبِ وجد میں اگر قوّت ضبط کامل ہے تو وہ اس کیفیت پر قابو پا سکتا ہے۔ وگرنہ کئی اولیاء کرام کی روح اس حالت میں عالم علوی کو پرواز بھی کر گئی ہے۔

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی مزید فرماتے ہیں کہ وَجد کا تعلّق براہِ راست روح کے ساتھ ہے۔ صاحبِ نفس انسان کو اس کا کچھ بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ اگر روحانی قوت مکمّل ہے تو عالم وجد میں انسان حریم کبریا میں اور خدا کی ذات انسان کی اسی کالبُد خاکی میں آ کر جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس

پر برائے زیارت حاضر ہوا تھا جبکہ سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی روح مبارک اس وقت خدا کی ذات کے ساتھ محوِ دیدار اور عالم وجد میں تھی۔ مجھے دیکھتے ہی ان کی یہ کیفیت اور بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ آپ کی روح مبارک کے ساتھ ساتھ آپ کا مزار اور روضہ مبارک بھی بالکل ظاہری طور پر وجد میں آ گئے۔ مزار اور روضہ پنگھوڑے کی طرح جھول رہے تھے۔ یہ حالت کافی دیر تک جاری رہی۔ اسی طرح حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر جب ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس وقت عالم وَجد میں تھے۔ اس لئے وجد ایک ظاہری چیز نہیں ہے بلکہ یہ ایک باطنی معاملہ ہے۔ اکثر اولیاءِ کاملین وجد میں ہوتے ہوئے بھی قابو میں ہوتے ہیں۔ پہاڑوں کی طرح بیرونی صورت میں آثار تک کا پتہ نہیں چل سکتا۔ مگر باطنی صورت میں کئی ''لاوے'' اُبل رہے ہوتے ہیں۔

ہاں بعض اولیاء کرام قُربت دیدار کی خوشی میں بے قابو بھی ہو جاتے ہیں۔ تب ظاہری طور پر اُن کی یہ حالت دیکھی جا سکتی ہے۔ وجد خال خال خُدا کی خاص مخلوق کو نصیب ہوا کرتا ہے۔ ہر کسی کے نصیبوں میں نہیں۔

؎ شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست　　　ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اَند　(اقبالؒ)

(گِدھ اور کوؤں کے بال و پر باندھ کر ابھی تک کسی شکاری نے پابندِ قفس نہیں کیا۔ یہ قدر و قیمت اور سعادت روز ازل سے صرف شہباز اور شاہین کی قسمت میں لکھ دی گئی ہے۔)

29: ۔نظریہ ظاہر داری

آپ مدظلہُ العالی صرف ظاہر داری کے مخالف ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کا ظاہر بھی اسی طرح ہونا چاہیے جس طرح کہ اس کا باطن ہے۔ ظاہری نمود و نمائش ایک فضول اور عارضی چیز ہے۔ انسان کو صرف ظاہر داری سے خود بھی پرہیز کرنی چاہیے اور دوسروں کو بھی اس سے پرہیز کرنے کی تلقین کرے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روزمرہ زندگی میں سے کوئی بات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی حقیقت سے کام لیتے ہوئے ہر شخص کے ساتھ ایک ایسا متوازن اور پُر خلوص برتاؤ رکھتے کہ وہ ہمیشہ کیلئے برقرار رہتا۔ اپنے بارے حقیقت کا اظہار فرماتے اور دوسرے سے بھی یہی کچھ چاہتے تھے۔ اس لئے صرف ظاہر داری پر اکتفا کرنا ایک دھوکہ دہی اور وقت کو ضائع کر دینے والی چیز ہے۔

؎ رفتم کہ خار از پا کشم، محمل نہاں شُد از نظر　　　یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دُور شُد

(پاؤں سے کانٹا نکالنے تھوڑی دیر کیلئے جو ٹھہرا تو کجاوہ (محمل) نظروں سے غائب ہو گیا۔ افسوس کہ ایک لمحہ کی غفلت سے سو سال پیچھے جا پڑا۔)

ظاہر داری دنیا داری کا معاملہ ہے جو عارضی صورت میں نظروں کو (جادو کی طرح) دھوکہ دینے والی ہے۔ رات کے پیٹ میں جو کچھ ہے۔ وہ چند لمحہ بعد دن کو ظاہر ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ بناوٹ سے حقیقت کہاں تک چھپ سکتی ہے۔ لہٰذا طالبِ حقیقت اور فقراء کیلئے اسی پر ٹھہرے رہنا نہایت نقصان دہ بات ہے۔ بلکہ چاہیے کہ مجاز و ظاہر داری کو فوراً حقیقت

میں بدلنے کی کوشش کرے۔

ع نظارے کی ہَوس ہو تو لیلیٰ بھی چھوڑ دے (اقبالؒ)

30:۔نظریہ مسجد ومکتب

آپ مدظلہٗ العالی نظریاتی تعصّب سے پاک مسجد، اور علوم منسوخ سے پاک مکتب (مدرسہ وسکول) کے قائل ہیں۔ آپ علم شریعت اور علومِ اسلامیہ جو کہ وحدت اسلامی کے پیامبر، سراپا درس محمدی ﷺ اور علوم انقلاب آفریں ہیں کی تدریس کے قائل ہیں۔

آپ کے خیال میں اِن مساجد و مدارس میں وہ انقلاب آفریں علوم پڑھائے جائیں، جن کے شارع علیہ السلام (حضرت محمد ﷺ) نے چند سالوں میں ساری دنیا کو زیرنگیں کیا تھا۔علاوہ ان علوم کے! باقی سب علوم بے روح، غیر نافع اوردوری حقیقت کا سبب ہیں۔

آپ سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اس دورِزوال میں ان کے مسجد ومکتب اس پاک ماحول سے عاری ہیں۔ان میں محض یورپی نظریات اور مغربی تہذیب کی نشوونما ہو رہی ہے۔ اِس وبائے روحانی نے سارے اسلامی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔آجکل اسلامی ملکوں میں جس قدر پیسہ خرچ کیا جار ہا ہے وہ اکثر غیر نافع علوم اور اداروں پر خرچ ہو رہا ہے۔صبح سویرے ان اداروں میں پڑھنے والے طلباء کیلئے کتنی بسیں بیک وقت سڑکوں پر حرکت میں آجاتی ہیں مگر کسی دینی مدرسہ کے طلباء کیلئے کوئی ایک بس بھی نظر نہیں آتی۔ دعویٔ اسلامی کے باوجود مسلمانوں کے تمام تر انقلابی وموروثی علوم کو پس پشت ڈالتے ہوئے اسلامی ممالک کی تمامتر توجہ غیر اسلامی و مادی علوم کی طرف ہے پھر انکی ذلالت سے شکایت کیسی؟

؎ باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو! (اقبالؒ)

ہاں اگر اس عظمت رفتہ کی بازیابی کا خیال ہو تو پہلے علومِ نافع اختیار کرلے۔بقول اقبالؒ:

؎ آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر آور شمشیر پدر خواہی بازوئے پدر آور

(پہلے باپ جیسے نظرِ بلند اور سوزِجگر والے بازو پیدا کر، تب اس موروثی تلوار کا مالک بن جا۔)

اس لئے اس عدم توازن کی بناء پر ہمارے مرشدِ کامل آج کل کے مساجد ومکاتب سے مطمئن نہیں ہیں۔حکومت کی طرح عوام الناس کی بھی چونکہ اس طرف زیادہ توجہ ہے اس لئے خطرہ فساد کی وجہ سے آپ اس طریقہ کار پر زیادہ تنقید نہیں کرتے۔ یہ آخری دَور ہے اور ایسے ہونا ہے۔تعلیم نسواں کے بارے تو آپ کا خیال کچھ اس طرح ہے جیسا کہ بیہقی شریف میں ہے ''عورتوں کو بالا خانوں میں نہ ٹھہراؤ، انہیں لکھنا نہ سکھاؤ، انہیں چرخہ کاتنا سکھاؤ، اُنہیں سورۂ نُور کی تعلیم دو''

رَوض الاخیار میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِخلافت میں یہ عام حکم نامہ جاری فرمایا تھا کہ

''عورتوں کولکھنا نہ سکھاؤ اور بالا خانوں میں نہ ٹھہراؤ'' اس لئے آپ اس معاملے میں اکثر خاموشی سے کام لیتے ہیں۔ سمجھ دار لوگ خود سمجھ جاتے ہیں۔

31:۔ نظریۂ مولویّت

علماء کا اصل کام عوام الناس میں اتفاق و اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنا تھا۔ مگر علمائے عصرِ حاضر میں یہ صفت بالکل مفقود ہے۔ اس لئے آپ آج کل کے مناظر باز اور فتنہ پرداز علماء اور واعظین سے سخت نالاں ہیں یہاں تک کہ اپنے مریدوں اور دوست احباب کو ایسی مجالس میں جانے سے منع فرماتے ہیں۔ علاّمہ اقبال سچ فرماتے ہیں:

؎ کسے کو ''لَا اِلٰہ'' را در گرہ بست   ز بندِ مکتب و مُلّا بروں جست

(لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه (اسم اعظم) کا علم بردار صرف وہ بن گیا جو کالج و مُلّا کے پھندوں سے مکمّل آزاد ہوگیا۔)

حالانکہ حقیقت علماء تو واضح ہے۔ حدیث رسول ﷺ ہے کہ ''اَلْعُلَمَآءُ اُمَنَا الرُّسُلِ'' (حق) ''مَالَمْ يَدْخُلُوْا فِي الدُّنْيَا'' (علماء! رسولوں کے نائب ہیں بشرطیکہ دنیاداری میں داخل نہ ہوں۔) اسی حدیث پاک کا دوسرا حصہ ہے۔ ''فَاِذَا دَخَلُوْا فِي الدُّنْيَا فَاحْذَرُوْهُمْ عَلٰى دِيْنِكُمْ'' (جب علماء دنیاداری میں آ جائیں پھر اپنے دین و ایمان کو اُن سے بچاؤ۔) اور آج کل کے علماء تو دنیاداری کے علاوہ ضد و حسد اور ریاکاری تک کی خطرناک روحانی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ وہ سادات کی تعریف تو ضرور کرتے ہیں۔ مگر سامنے آتے وقت تعظیم کیلئے اٹھنے اور سلام کرنا تک گوارا نہیں کرتے۔ وہ ولی اللہ کی تعریف تو ضرور کرتے ہیں مگر ولی اللہ کی خدمت و تشہیرِ فیض کیلئے غرور و تکبّر اور نفس کے دھوکہ میں آ کر ہرگز تیار نہیں ہیں۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر علماء و واعظین خود یا لوگوں کو عملی طور پر ولی اللہ کی طرف توجہ دلائیں تو انہیں اپنی چاہت اور دنیاوی آمدنی کم ہونے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ مخلوقِ خدا کو فرقہ واریت میں مبتلا کر کے صرف اپنی طرف کھینچنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جبکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے اور وہ خود بھی برسرِ منبر پیٹتے رہتے ہیں کہ نورِ ایمان اور نورِ اتحاد کا تعلّق ولی اللہ کی نگاہ سے ہے۔ مگر باوجود اس کے پھر بھی وہ مخلوق کو فرقہ واریت میں دھکیل کر اس (فیض نگاہ) سے محروم کر رہے ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ مدظلہُ العالی نے ''اَلْعُلَمَآءُ وَارِثُ الْاَنْبِيَاء'' (علماء! انبیاء کے وارث ہیں) کی حدیث پاک بیان فرمانے کے بعد ایک نہایت سبق آموز واقعہ بیان فرمایا کہ بغداد میں ایک عالم رہتے تھے اُن کی وعظ و نصیحت بہت پُر تاثیر ہوا کرتی تھی۔ لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے تھے۔ ایک یہودی زرگر مسلمان عالم کی یہ حالت دیکھ کر بہت جلتا تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے اس کی تبلیغ رک جائے۔ چنانچہ اس نے ایک بوڑھی عورت کو پیسے کا لالچ دے کر تیار کیا کہ مولانا کی ایک بیٹی اپنے نبی ﷺ کے عشق و محبّت میں مشہور ہے۔ سنا ہے کہ اس کے گلے میں رنگ برنگے قیمتی موتیوں سے جڑا ہوا ایک نہایت خوبصورت ہار ہے وہ تُو نے لے آنا ہے مگر وہ ہار کسی قیمت پر نہیں دیتی۔ ہاں اگر اسے اپنے نبی ﷺ کے نام کا

واسطہ دیا جائے تو پھر بخوشی دے دے گی۔

چنانچہ یہی ٹھان کر بوڑھی عورت مولانا کی بیٹی کے پاس جا پہنچی۔ سرکارِ دو جہاں ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کا واسطہ دیکر جب ہار مانگا تو لڑکی بیہوش ہوگئی۔ جب ہوش میں آئی تو ہار اُتار کر بوڑھی عورت کے حوالے کر دیا۔ بوڑھی عورت نے خوشی خوشی ہار لیجا کر زرگر کے سامنے رکھ کر بھاری انعام حاصل کیا۔ دوسرے دن مولانا مسجد میں لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنے میں مصروف تھے۔ بھری محفل میں یہودی نے مولانا کی بے عزتی کیلئے وہ ہار اچھال مارا کہ یہ دیکھو تمہارے اپنے گھر میں اپنی بیٹی کی یہ حالت ہے کہ اپنے یاروں کو گلے کا ہار دیتی پھر رہی ہے اور تم باہر لوگوں کیلئے بڑے مُصلح بنے بیٹھے ہو۔ مولانا یہ سنتے ہی فوراً تلوار تان کر روانہ ہوئے کہ جا کر بیٹی کا سر قلم کر دیں۔ اتنے میں ہاتف غیبی نے آواز دی کہ مولانا! حوصلے سے کام لو۔ ذرا بیٹی سے اس کے یار کے بارے میں پوچھ لو۔ اُس کے یار تو خدا کے محبوب حضرت محمد ﷺ ہیں۔ تیری بیٹی نے آپ ﷺ کے نام پر یہ ہار قربان کر دیا تھا نہ کہ کسی مجازی یار پر۔ یہودی نے اسے غلط رنگ دیا ہوا ہے۔ خدا کی قدرت سے ہاتف غیبی کی آواز اس قدر بلند تھی کہ یہودی نے بھی یہ آواز بخوبی سن لی۔ ہاتف غیبی کی پُر تاثیر بات اس پر وار کر گئی۔ شرمندہ ہو کر حقیقت کا اعتراف کر لیا۔ دوبارہ مسجد میں جا کر لوگوں کے سامنے اپنی غلط بیانی کا اقرار کر کے اعلان کر دیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ مولانا کے زیرِ اثر خواہ جس قدر متعصّب تھا آخر کار نُورِ ایمان سے مالا مال ہوگیا۔

اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مرشد کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ پہلے دَور کے علماء صاحبِ فقر اور صاحب عمل ہوا کرتے تھے جس کی وجہ سے اُن کی بات تلوار کی طرح پُر تاثیر تھی۔ وارث انبیاء وہی لوگ تھے جبکہ آج کل کے علماء میں عمل کے مفقود ہونے کی وجہ سے زبان و بیان اور وعظ ونصیحت میں کوئی اثر نہیں رہا ہے۔ لہٰذا اس دور میں صرف فقیر لوگ خدا سے ملا دیتے ہیں۔ جبکہ علماء خدا سے مخلوق کو دُور کرتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک مرتبہ بارش بند ہونے کی وجہ سے لوگ تنگ آئے ہوئے تھے۔ آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ خدا کی رحمت کیسے نازل ہو جبکہ شیطانی فرقے ہر جگہ اپنی منافقت کا جال بچھائے مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگر حکومتِ وقت ان کی نقل وحرکت پر پابندی لگا دے تو خدا کی رحمت (بارش) نازل نہ ہوئی تو مَیں ہر قسم کا جرمانہ دینے کیلئے تیار ہوں۔ آج کل کی دیوبندیت نے فسادِ عقیدہ پھیلا کر تباہی مچا دی۔ حالانکہ پرانے زمانے کے دیوبند بُرے نہیں تھے۔ ہمارے قریب (بنوں) ایک مدرسے میں دیوبند کے ایک فارغ التحصیل مولانا المعروف ''لالہ صاحب'' تھے جو لگ بھگ چار سو طلباء بیک وقت پڑھاتے۔ پاکیزہ عقائد کے مالک ایک پاکیزہ انسان تھے۔ رات کو بوقت تہجّد چار ٹکڑے ہو کر خدا کا ذکر کرتے۔ ایک رات اتفاقاً ایک طالب علم کو دَست (Motion) کی تکلیف ہوگئی۔ وہ بار بار باہر آتا جاتا۔ اسی دوران اُس کی نگاہ لالہ صاحب پر پڑی کہ وہ چار ٹکڑے ہو چکے تھے۔ طالب علم یہ حالت دیکھ کر ڈر کر گھر بھاگ گیا۔ اپنے بڑے بھائی کو لالہ صاحب کا حال سنایا وہ سمجھدار تھا۔ اُس نے سمجھا کر صبح بچے کو واپس مدرسہ بھیج دیا۔ جب وہ مدرسہ آئے تو لالہ صاحب کو صحیح

حالت میں پا کر حیران ہوئے۔ پوچھا حضور رات آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔ اس پر لالہ صاحب نے اُسے سختی سے منع کر دیا کہ تہجّد کے وقت میری عبادت گاہ کے نزدیک ہرگز نہ آئیں اور اگر کوئی حیران کن بات دیکھیں تو کسی کو نہ بتائیں۔ اس پر طالب علم خاموش ہو گیا۔

مطلب بتانے کا یہ ہے کہ آج کل کے دیوبند حضرات فسادِ عقیدہ کو ہوا دیکر لوگوں کو بدعقیدگی اور فرقہ بازی میں دھکیلنے میں مصروف ہیں۔ یہ وباء عروج پر ہے۔ حالانکہ پہلے کے دیوبند علماء ایسے نہیں تھے۔ اسلام کو سمجھنے کیلئے علماء کو عقل و فراست کا مالک ہونا چاہیے کہ وہ دَور کے مطابق کام لیں۔ مثلاً قرآن کا واضح تاکیدی حکم ہے۔ ''جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سنو'' مگر آجکل ایسے کوئی نہیں کرتا جبکہ حُفّاظِ کرام رات بھر لاؤڈ سپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ لوگ بجائے فائدہ اٹھانے کے الٹا نقصان اٹھاتے ہیں۔ وہ اور وقت تھا جب ایک مقام پر رات بھر قرآن پڑھا جاتا تو سارے لوگ کام کاج اور نیند چھوڑ کر قرآن کریم سن کر ثواب کماتے جو نُورٌ علیٰ نُور بات تھی۔ مگر آج کل لوگ غفلت میں آ کر اس حقیقت سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ جب کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا تو حُفّاظ کرام انہیں الٹا نقصان تو نہ پہنچائیں۔ لہٰذا آج کل کے علماء کو چاہیے کہ عقل سلیم سے کام لیتے ہوئے ہر نیکی کا کام وقت کے لحاظ سے کریں تاکہ عوام بغیر اعتراض کئے اسے قبول کر لیں۔

یقینی بات ہے کہ آج کل ولی اللہ بھی پہلے ولیوں کی طرح کرامت کا اظہار نہیں کرتے۔ وجہ یہ کہ بہت کم لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بہت زیادہ لوگ اعتراض بازی میں آ کر اُلٹا اپنا کچھ بچا ہوا نُور ایمان تک ضائع کر دیتے ہیں۔ کئی لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ صاحب کرامت ولی اللہ رہے نہیں۔ ولی اللہ تو قانون قدرت کے مطابق ہر جگہ موجود ہیں مگر ان سے کوئی استفادہ کرنے والا رہا نہیں۔ اظہار کرامت پر الٹا نقصان ہوتا ہے۔ دَور اور وقت کا لحاظ رکھتے ہوئے ولی اللہ بھی آج کل صبر سے کام لیتے ہوئے خاموش ہیں۔ تنگ نظری، کم ظرفی اور غفلت کا دَور ہے۔ علماء تک حق شناسی کی کسوٹی ختم ہو چکی ہے۔ حدیث رسول ﷺ ہے ''میری اُمّت کے سب سے بہترین لوگ علماء بن سکتے ہیں اور سب سے بدترین لوگ بھی علماء بن سکتے ہیں۔'' تو پھر عوام کا کیا قصور۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں۔ ایک علماء، دوسرے سردار صاحبان اگر صحیح ہو جائیں تو سارا معاشرہ صحیح ہو جائے۔ خدا علماء کو اپنی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

32:۔ نظریۂ فرقہ بندی

آپ مدظلہٗ العالی ہر فرقہ بندی خصوصاً مذہبی فرقہ بندی کے زبردست مخالف ہیں۔ فرمایا کرتے ہیں کہ فرقہ بندی مذہب سے بغاوت کا نام ہے۔ فرقہ بندی میں تعصّب، ضد، نام و نمود اور تکبّر کے بغیر اور کچھ بھی نہیں ہوتا اور ان سب چیزوں کی مذہب اسلام میں ذرا بھر گنجائش نہیں ہے۔ یہ اتحادِ اسلامی کو پارہ پارہ کرنے کا واحد میٹھا ذریعہ ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ فرقہ بازوں کو شاید لفظ ''اسلام اور مسلمان'' سے کوئی مخالفت ہے کہ اپنی طرف سے نئے نئے نام رکھ کر اپنی دکانداری

چمکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں خود تو نفس ظالم سمجھنے نہیں دیتا اور نہ ان کے پیچھے دوڑنے والے ذرا سوچ سے کام لیتے ہیں کہ اس صدی سے پہلے یہ فرقے کیوں نہیں تھے۔ اگر یہ چیز اچھی ہوتی تو اسلام کے دورِ اوّل سے موجود ہوتی یہی دراصل بدعت سَیّئہ (بری اختراع) ہے جس کی قرآن وحدیث میں بار بار مذمت آئی ہے اور اس کے مضر اثرات کی نشاندھی کی گئی ہے۔

اسلام کے سب سے بڑے مبلغ اولیاء کرام رہے ہیں جو ایک ہی اسلام، ایک ہی فقر، ایک ہی شریعت، ایک ہی طریقت اور ایک ہی عقائد میں رہے ہیں۔ کسی بھی ولی اللہ نے کسی فرقے کی بنیاد نہیں ڈالی۔ اولیاء اللہ کے پاس صرف یہی اسلام تھا۔ یہی اسلام ہے اور یہی اسلام رہے گا جسے خداوند کریم نے خود پسند فرما کر ہمارے لئے تجویز فرمایا۔ اب ہماری کیا طاقت کہ اس کے بالمقابل کسی اور فرقے کا جھنڈا اٹھا کر اصل چیز کو پس پشت ڈال لیں۔ خدا مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمادے۔ آپ مدظلہٗ العالی اکثر اوقات مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ فرقے اگر حق پر ہوتے تو مَیں بذاتِ خود کسی فرقے میں ہوتا۔ مگر ہمیں خدا نے سمجھ عطا کی ہوئی ہے۔ ہم عقائد اسلام کے مطابق خدا اور رسول کو مانتے ہوئے اسلام کے اصل داعی سلف صالحین (اولیاء کرام) کے راستے پر گامزن ہیں۔ یہ لوگ عین اس اسلام میں (بغیر کسی تفرقے کے) موجود رہے ہیں جو صدیوں سے چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلے گا۔ جب سے فرقہ بندی کا فتنہ اُبھرا۔ آپ اپنے مریدوں اور دوستوں کو تنبیہہ کرتے رہتے ہیں کہ جو لوگ کسی فرقے کا نام لیں اُن سے دُور رہیں۔ سلاسلِ اولیاء چل رہے ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت چلتے رہیں گے۔ ان کے دائرۂ حقیقت پناہ میں آجائیں جن کا ایک ہی صراط مستقیم (اسلام کا سیدھا راستہ) ہے۔ اولیاء کرام کا مذہب ایک ہی مذہب اسلام، نفرتوں اور تفرقہ بازیوں سے پاک، منزل مقصود ایک ہی ذات خدا ہے جس تک پہنچنے کا ذریعہ صرف مذہب امن وسلامتی، مذہب اُنس ومحبّت، مذہب جذبہ وجلال، مذہب مجموعہ کُل مذاہب یعنی مذہب اسلام ہے اور بس۔ خدا اسی میں استقامت بخشے اور اسی میں موت دے۔ آمین۔

33: نظریۂ سیاست

؎ راہزن خضرِ راہ کی قُبا چھین کر رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے (اقبالؒ)

دوسرے کو اس کی نفسیات کے مطابق مطمئن کر کے اپنی فہم وفراست کے ذریعے راہ راست پر لا کر قابو میں لے لینا ''سیاست'' کہلاتا ہے۔ یہ مادۂ سیاست ہر باشعور انسان میں اپنی حیثیت کے مطابق موجود ہوتا ہے۔ قوّت سیاست (عقل وفہم کی دُور بینی) سے کام لینا ہر ایک کا حق ہے جو ذاتی وانفرادی سیاست سے لیکر اجتماعی سیاست تک کارفرما ہے۔ سیاست حقیقت میں کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ اس سے انبیاء واولیاء بھی ہر دَور میں خلقِ خدا سے انفرادی واجتماعی کارِ جہاں لیتے رہے۔

؎ مٹایا قیصر وکسریٰ کے استبداد کو جس نے وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ (اقبالؒ)

یہی چیز (اسلامی سیاست) آہستہ آہستہ جس قدر زمانہ نبوی ﷺ سے بعید ہوتی گئی پہلے ملوکیّت، پھر آمریّت اور دورِ حاضر میں یہ جمہوری لباس پہنے جمہوریت کی شکل میں ہمارے سامنے آ گئی۔

پہلے پہلے اسلامی دنیا میں بادشاہِ وقت سب ظاہری و باطنی اوصافِ مسلمانی کا حامل ایک مردِ مومن ہوا کرتا تھا جبکہ عصرِ حاضر میں سیاست دانوں کی حالت اس قدر ابتر ہو گئی ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ بترس از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو   کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

(جمہوری دور کے سیاست دانوں سے جان بچا کر کسی پختہ کار مومن کا غلام بن جا کہ ان سیاست دانوں کے دوسو گدھوں والے مغز اگر یکجا کئے جائیں تو بھی ان میں سے کوئی ایک درست انسانی خیال پیدا نہیں ہو سکتا) پھر ستم بالائے ستم کہ یہ لوگ خود بھی دین و مذہب سے کٹ گئے اور اپنے اہل کاروں کو بھی طوعاً و کرھاً (خوشی و ناخوشی کسی نہ کسی صورت میں) مکمّل طور پر دین و مذہب سے بیگانہ کر دیا۔ جن باشعور اور باہوش افراد نے اس غیر اسلامی! انتقامی سیاست کی راہ میں ذرا بھر جو مزاحمت کی تو اُن کا حشر ابھی تک تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔

؎ اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں   سو بار ہوئی حضرتِ انسان کی قبا چاک   (اقبالؒ)

اس کے علاوہ مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی ملفوظات میں بھی سیاست موجودہ کے بارے کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اس دور میں صرف اس آدمی کا ایمان سلامت رہ سکتا ہے جو دو قسم کے لوگوں سے اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے ایک موجودہ دور کے سیاست دان۔ جن میں ہر قسم کی برائی موجود ہے انہیں ووٹ دیکر دونوں جہانوں میں گناہ بےلذت میں مبتلا ہونا ہے۔ دوسرا عصرِ حاضر کے علماء جو کہ جاہ پسندی اور نفس پرستی کا نمونہ بن چکے ہیں۔ کسی بھی سادہ لوح مسلمان کی صحیح رہنمائی نہیں کرتے لہٰذا جو اِن دونوں فتنوں سے بچا وہ اس دنیا سے ایمان سلامت لے گیا۔

؎ فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں   خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے!   (اقبالؒ)

34: ۔نظریہ دنیا

آپ مدظلہٗ العالی فقر محمدی ﷺ میں رہتے ہوئے خود غریب ہیں اور غریبوں ہی کو زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ دولت دنیا پر غربت کو ترجیح دیتے ہوئے آپ دولت دین کو کس قدر زیادہ پسند فرماتے ہیں۔

اپنی مجالس میں اکثر بابا عبدالرحمٰن کا ایک پشتو شعر پڑھ کر ترجمہ فرماتے رہتے ہیں کہ ''روٹی کا ایک ٹکڑا کھا کر اللہ اللہ کر کے دولتِ بقا حاصل کرو۔ ملک شام کی طلب نہ کرو کہ اس کی بادشاہی نے کسی کے ساتھ وفا نہیں کی۔''

مزید فرماتے ہیں کہ دنیا مقام فنا ہے۔ مگر اس میں رہتے ہوئے چند سال کی مختصر عمر میں ''اللہ اللہ'' کرنے سے ایک شخص ملک بقا حاصل کر سکتا ہے۔ اس بات کی لاکھوں مثالیں ہمارے سامنے ہیں جو دنیا کے پیچھے دوڑے اُن کا کیا حشر

ہوا اور جو دین کے پیچھے دوڑے انہیں کیا حاصل ہوا۔ علاوہ ازیں دولت دنیا کے بارے میں آپ ایک دلچسپ واقعہ بیان فرماتے رہتے ہیں جو پیش خدمت ہے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا نامِ نامی اسم گرامی محتاج تعارف نہیں جب انہوں نے علومِ ظاہر کی تکمیل کی تو ان کے دل میں علوم باطن حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ اپنے اس مقصد کی تکمیل کیلئے کسی مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اس دور میں حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کو بہت بڑی شہرت حاصل تھی۔ مولانا بھی ان کی طرف راہ نَوَرد ہوئے جب ان کے علاقے میں قدم رکھا تو ایک بہت بڑا خوبصورت باغ دکھائی دیا قریب جا کر ایک مالی سے پوچھا یہ باغ کس کا ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ اس علاقے کے مشہور و معروف بزرگ خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ مولانا یہ سن کر متذبذب ہوئے کہ ایک صاحب فقر ولی اللہ کے پاس یہ دولت دنیا کیسی؟ اسی سوچ میں جب ذرا آگے بڑھے تو ایک لمبا چوڑا اصطبل نظر آیا جس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر اعلیٰ نسل کے خوبصورت گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ایک سائیس سے جا کر گھوڑوں کے مالک کے بارے پوچھا اس نے بھی مالی والا جواب دیا۔ اب مولانا مکمّل بدظن ہو کر غصّے میں آ گئے کہ خواجہ عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے ظاہری ولایت کا دعویٰ رچائے ہوئے ہیں۔ یہ تو دراصل ایک دنیادار شخص ہیں۔ ایک مرتبہ وہیں سے واپس ہونا چاہا مگر پھر دل میں سوچا کہ اتنا طویل سفر کیا اس شخص کو ایک بار تو دیکھا جائے۔ آخرکار کشاں کشاں ان کے دربار جا پہنچے۔ مریدین نے استفسار پر بتایا کہ خواجہ صاحب باہر کسی دورے پر گئے ہوئے ہیں۔ مولانا ایک کاغذ پر یہ مصرعہ لکھ کر:

ع نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

(وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے) ان کے مریدوں کو کہا کہ یہ اپنے مرشد کو اُن کی آمد پر پیش کر دینا۔ خود واپس لوٹے۔ راستے کی تھکاوٹ کی وجہ سے کافی تھکے ہوئے تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک درخت کے نیچے لیٹے۔ سر رکھتے ہی نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک قرض خواہ آ کر اپنے قرض کا طلبگار رہا۔ مولانا نے جس قدر ٹالنے کی کوشش کی مگر ناکام بے بس، مجبور، پسینے سے شرابور اتنے میں دیکھتے ہیں کہ ایک نورانی چہرے والے بزرگ اپنے کچھ مریدوں کیساتھ گزر رہے ہیں۔ میری حالت پریشانی دیکھ کر بڑی ہمدری سے آ کر صورت حال معلوم کرنے کے بعد قرض خواہ کو اُتنی رقم کی پیش کش کر دی قرض خواہ اپنی رقم اٹھانے پر رضا مند ہو گیا اور مولانا کا گریبان چھوڑ دیا۔ مولانا نے عالم مسرت میں پوچھا کہ آپ جو فرشتۂ رحمت بن کر میری مدد کو پہنچے۔ ہیں کون؟۔ جواب دیا میں عبیداللہ احرار ہوں۔ بعد از بیداری مولانا پشیمان و حیران، بے چین واپس آستانہ احرار پہنچے۔ خواجہ صاحب اپنی مسند پر جلوہ افروز تھے۔ مولانا کو دیکھ کر پوچھا جامی صاحب کیسے واپس آنا ہوا۔ مولانا نے حیران ہو کر عرض کیا حضور! آپ کو میرے بارے کیسے علم ہوا؟ جواب دیا مولانا آپ کو تو مَیں اس وقت سے جانتا ہوں جب قرض خواہ کو قرض دیکر آپ کا گریبان چھڑوالیا تھا۔ یہ دولت جس کی وجہ سے آپ مجھ سے اس قدر بدظن ہو گئے تھے۔ آپ جیسے مجبور ضرورت مندوں کیلئے رکھی ہوئی ہے۔ ورنہ خدا شاہد

ہے کہ میری ذات اس سے بے نیاز ہے۔ چنانچہ مولانا اسی وقت پیر کامل حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے اور ہمیشہ کیلئے ان کے ہو رہے۔

جب واپس ہونے لگے تو خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے جامی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائش کی کہ اپنے مصرعے کا دوسرا حصہ تو مکمّل کرتے جاؤ۔ مولانا زبان حال سے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے بول اٹھے۔

ع اگر دارد برائے دوست دارد

(ہاں اگر کوئی دولت رکھے بھی تو صرف خدا کیلئے رکھے) نیز

؎ نمی گویم کہ از عالم جُدا باش بہر حالیکہ باشی با خُدا باش

(ہتھ کار وَل، دل یار وَل)

یہ واقعہ پیش کر کے ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اس سے دو مطلب اخذ کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرشد کامل بروز حشر اپنے مرید کا گریبان ضرور چھڑا سکتا ہے۔ بشرطیکہ مُرید مُریدی میں صادق ہو۔

دوسرا یہ کہ دولت صرف رضائے الٰہی کیلئے رکھنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ ذریعہ بہشت اور توشہ آخرت ہے۔

؎ مال را کز بہر دیں باشی حمول ''نِعۡمَ مَالٌ صَالِحٌ'' خواندش رسول صلی اللہ علیہ وسلم (رومیؒ)

(مال و دولت کو تو اگر دین کے لئے رکھے تو پیغمبر علیہ السلام نے اسے بہتر فرمایا ہے) مگر ایسا کرنا خاص کر اِس دور میں صرف اولیاء کرام کا کام ہے۔ عام آدمی کا اس طرح کرنا محال ہے۔ بصورت دیگر۔ غیر شرع، فضول کاموں اور عیش و عشرت پر اُڑانا ناجائز! سامانِ دوزخ اور عذاب قبر ہے۔ خداوند کریم انسان سے کہتا ہے۔

؎ وفا آموختی از ما! بکار دیگراں کردی ربودی گوہرے از ما! نثارِ دیگراں کردی (اقبالؒ)

(وفا ہم سے سیکھی! دی کسی اور کو۔ دولت ہم سے لی! قربان کسی اور پر کر دی۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔)

خدا ہر صاحب ثروت کو سمجھ عطا فرماوے اور ہر غریب کو دولت قناعت سے نوازے۔ آمین۔

35: نظریۂ حیات

؎ زمانے کی یہ گردشِ جاودانہ حقیقت ایک تو باقی فسانہ (اقبالؒ)

مرشد کامل بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ظاہری عام زندگی تو جانور بھی گزارتے ہیں مگر جوانمرد وہ ہے جو حقیقی اور بقا کی زندگی حاصل کرے۔

؎ زندگی جہد است استحقاق نیست جز بعلم انفس و آفاق نیست (اقبالؒ)

(زندگی اس دنیا میں صرف وقت گزارنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کوشش پیہم کا نام ہے کہ جس سے عالم صغیر و کبیر پر قبضہ ہو جائے۔) آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے تو خدا کے خاص بندوں کی نشانیاں اور اولیاء کرام کے مزارات ہی حقیقی

زندگی کی نشاندہی کیلئے کافی ہیں۔ جو دنیا و سیاست دنیا کے پیچھے دوڑتے رہے آج ان کے نام و نشان تک کا پتہ نہیں ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ:

؎ زانکہ بُوش بادشاہاں از ہواست　　بار نامہ انبیاء با کبریاست

(بادشاہوں کا دبدبہ خواہشات نفسانی سے ہونے کی وجہ سے فانی ہے۔ اور انبیاء کرام کو خدائے حیّی و قیوم نے اپنی طرف سے ان کی رضا جوئی کی بدولت دبدبۂ دائمی بخشا ہے) خدا کی عام کروڑوں مخلوق میں سے صرف انہی کا نام ابھی تک باقی اور زندہ جاوید ہے کہ جنہوں نے اصل مقصد زندگی کو سمجھ کر اس پر عملی قدم اٹھایا ہے۔ آپ اکثر قرآن کریم کی ایک آیت کا مطلب جو کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر میں بیان فرمایا سناتے رہتے ہیں:

؎ زندگی مقصود بہر بندگی است　　زندگی بے بندگی شرمندگی است

(زندگی کا مقصد خدا کی بندگی کرنا ہے۔ جس نے اوّل مقصد زندگی کو نظر انداز کر دیا اسے دونوں جہانوں میں شرمندگی ہی شرمندگی اٹھانی پڑی) فرماتے ہیں کہ حقیقی خوشی اور مسرت دوام بھی اسی زندگی میں مضمر ہے۔

؎ گر تُو خواہی خُرمی و زندگی　　بندگی کُن بندگی کُن بندگی

(اے انسان اگر تُو خوشی کی زندگی کا خواہاں ہے تو اپنے خالقِ حقیقی کی بندگی میں مستقل مزاجی اختیار کر)

اگر تُو عام زندگی میں صرف ایک شہر یا ایک ملک میں مشہور تھا تو اس خاص زندگی میں ساری دنیا میں ڈنکا بجنے کے علاوہ آخرت کی زندگی میں بھی تیرا نمایاں مقام ہوگا اس حقیقت کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎ گر ہمی خواہی کہ بفروزی چوں روز　　ہستی ہمچوں شمعِ شب خود را بسوز

(اگر تُو چاہے کہ تیری زندگی اسی دنیا میں سورج کی طرح چمکے تو چراغ شب کی طرح اپنے آپ کو خدا کی یاد میں جلا دے)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا فلسفہ ہے کہ:

ع زندگی یاد است نزد عارفاں

(سمجھدار لوگوں کیلئے زندگی کا دوسرا نام یادِ الٰہی ہے اور بس)

پھر اسی یاد کرنے کا کوئی اور ذاتی فائدہ بھی ہے؟ مفکّر حقیقت پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ نغمہ سرا ہوتے ہیں:

؎ یاد اُو گر مونس جانت بود　　ہر دو عالم زیر فرمانت بود

(اگر اُس کی یاد کو تُو نے دل و جان سے قبول کر لیا تو دونوں جہاں تیرے تابعِ فرمان ہو گئے)

؎ کی محمد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح و قلم تیرے ہیں　(اقبالؒ)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آدم خاکی کو کیمیا بننے کا سبق اس طرح دیتے ہیں۔

؎ کیمیا پیدا کُن از مُشتے گِلے　　بوسہ زن بر آستانے کاملے　(اقبالؒ)

(مُشت خاک کو کیمیا بنانے کا یہ طریقہ ہے کہ کسی کامل ولی اللہ کی غلامی حاصل کرلے تب تُو دونوں جہانوں میں مثل کیمیا مقام خاص پہ ہوگا۔)

؎ شمعِ خود را ہمچوں رومیؒ برفروز   رومؒ را در آتشِ تبریزؒ سوز (اقبالؒ)

(اے مسلمان! اپنی شمع زندگی کو پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تابندہ و پائیندہ بنادے جس طرح کہ انہوں نے مردِ کامل شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے آتش عشق میں اپنے آپ کو جلا کر ہمیشہ کی زندگی حاصل کرلی۔)

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ موجودہ نظامِ تعلیم نے چند سال ہوئے ہماری نئی نسل کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ سولہ سال وہ ظاہری طور پر تحصیل علم کے لبادے میں رہ کر اپنے مذہب تک کے باغی یہاں تک کہ ظاہراً بھی مغربی وضع قطع اور مغربی تہذیب وتمدن کا شہکار بن جاتے ہیں۔ حالانکہ اسلامی حکومت میں اسلامی نظام تعلیم کا نتیجہ علم محمود اور مذہب اسلام میں پختگی تھی جو سراسر درس آفاقیّت ہے۔ اگر یہ لوگ سولہ سال تک اللہ اللہ کر کے خدا کی عبادت کرتے تو حقیقی زندگی کے علم بردار بن کر ساری دنیا پہ چھا جاتے مگر انگریز نے مسلمانوں کو ایم اے، بی اے کا نشہ پلا کر اپنے اصل مقصدِ آفاقیّت سے ہٹا دیا۔ فکرِ ملازمت میں مبتلا کر کے رازق حقیقی سے چشم پوشی کرادی۔ خداوند کریم مسلمانوں کو سمجھ عطا فرما کر اپنے اسلاف کا پیروکار بنائے کہ وہ لوگ ساری دنیا پہ کس طرح چھا گئے تھے۔ جبکہ نہ انگریزی تعلیم تھی اور نہ ہی علوم منسوخ ذریعہ معاش تھے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی دور جدید کے نعرے کو خطرے کا الارم قرار دیکر مسلمانوں کو واشگاف الفاظ میں کہہ دیا۔

؎ لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید   مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

36: نظریہ اسبابِ زوالِ اُمت

آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ بغیر سبب کے اس دنیا میں کوئی فعل سرزد نہیں ہوتا۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ہر اچھے فعل کا نتیجہ عروج! اور ہر برے فعل کا نتیجہ زوال ہوا کرتا ہے۔ فعل کا محرک انسان کی نیت اور اس کا ارادہ بالفاظ دیگر اس کا عقیدۂ ونظریہ ہوتا ہے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ ''نِیَّتُ الْمُؤمِنِ خَیْرٌ مِنْ اَعْمَالِہ'' (نیت وعقیدہ مومن اس کے اعمال سے بہتر ہے) کیونکہ نیت کی حیثیت جڑیں اور اعمال کی حیثیت شاخوں یا اس کے پھلوں کی ہے۔ جب (جڑیں) تنا کمزور ہو جائے۔ تو شاخیں خود بخود کمزور ہونے لگتی ہیں۔ اس طرح جب عقیدہ ہی صحیح نہ ہو تو اعمال کیسے صحیح ہو سکتے ہیں جب اعمال صحیح نہیں تو ترقی بھی ناممکن ہے جب ترقی رک جائے تو زوال کی ابتداء ہونے لگتی ہے۔ فلسفۂ پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ (ماخذ فلسفۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ) عین فلسفۂ اسلام ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اپنے دور میں اس مسئلے سے واسطہ پڑا تھا۔ جبکہ لوگوں کے عقیدہ ونظریات کے بدلنے سے ان کے سابقہ حالاتِ عروج بھی بدل کر زوال کا شکار ہونے لگے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ کو انہوں نے مسلمانوں کے سامنے اس طرح کھول کر بیان فرمایا کہ:

؎ ہر ہلاکِ اُمتِ پیشیں کہ بود   زانکہ بر جَندل گُماں بُردند عُود

(سابقہ امتیں اس لئے ہلاکت کی گھاٹ اتری تھیں کہ وہ دھتورے (ایک بیکار جنگلی خودرو گھاس) کو عُود (ایک خاص نہایت میٹھا خوشبودار گھاس) سمجھنے لگے تھے۔) مطلب وہ مجاز کو حقیقت پر، بناوٹ کو اصل پر اور بد کو نیک پر ترجیح دینے لگے تھے۔فرماتے ہیں۔

؎ اَشقیاء را دیدۂ بینا نہ بود　　نیک و بد در دیدۂ شاں یکساں نمود

(ان بدبختوں کی حقیقت شناس آنکھ نہیں تھی۔ وہ اچھے اور بُرے کو بغیر تمیز کئے ایک دوسرے کے برابر دیکھتے تھے۔)

یہاں تک نہیں بلکہ:

؎ ہمسری با انبیاء برداشتند　　اولیاء را ہمچوں خود پنداشتند

(وہ اُولوالعزم انبیاء سے برابری کا دعویٰ کر بیٹھتے اور اولیاء کرام کو تو وہ اپنی طرح عام انسان سمجھتے تھے۔) اس گستاخی کا نتیجہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔

؎ چُوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَدْ　　مَیلش اندر طَعنہٴ پاکاں زَند

(جب خداوند کریم کسی کا پردہ فاش کرنا چاہے تو اس کے اندر پاک نفوس پر طعنہ بازی اور بے ادبی کی عادت ڈال دیتا ہے۔) آخر میں فرماتے ہیں۔:

؎ تا دِلے صاحب دِلے نامد بدرد　　ہیچ قومے را خُدا رُسوا نہ کرد

(جب تک کسی خدا کے دوست کا دل نہ دکھے اس وقت تک خدا کسی قوم کو رسوائے زمانہ نہیں کرتا اور نہ اس پر اپنے قہر کے دروازے کھولتا ہے) تاریخ شاہد ہے کہ سابقہ امتوں کی بربادی صرف بدکاری سے نہیں بلکہ کسی نبی یا ولی کے ساتھ مقابلہ بازی اور گستاخی کی وجہ سے ہوتی تھی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت کرتے ہوئے اس زوال وتباہی کا علاج بتاتے ہیں۔:

؎ ہان و ہاں ترکِ حسد کن باشہاں　　ورنہ ابلیسِ شوی اندر جہاں

(خبردار! خدا رسیدہ بزرگان دین کے ساتھ حسد کرنا (برابری کرنا) چھوڑ دے۔ ورنہ تُو بھی شیطان لعین کی طرح خسارے میں آ کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔) کسی کو ''شان'' دینا یہ تقسیم خدا ہے تُو کیوں رضائے الٰہی کا مقابلہ کرتا ہے۔ بلکہ تیرے لئے تو یہ ہے کہ:

؎ دامنِ اُو گیر و رَو تُو بے گماں　　تا رَہی اَز آفتِ آخر زماں

(غنیمت سمجھ کر مضبوطی سے اُن کا دامن پکڑ لے تا کہ آخری دور کے فتنہ وفساد، آفات و بلیّات اور گمراہی سے محفوظ رہ سکے۔) وہ خود چونکہ گمراہی سے محفوظ ہوتے ہیں تجھے بھی گمراہ ہونے سے بچالیں گے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر تُو اس طرح نہ کرے تو تیرا اور کوئی علاج نہیں پھر تیری قسمت میں زوال ہی زوال ہے۔ اس کیلئے تیار رہ۔

؎ ہر کہ اُو بے مُرشدے دَر رَاہ شُد　　او زِ غولاں گمرہ و در چاہ شُد

(جو بغیر کسی کی رہبری کے خودسر ہو کر اس دشت دنیا میں چل پڑے وہ فوراً گمراہ ہو کر راہزنوں اور شیطان فطرتوں کے نرغے میں آ کر موت کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔)

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی فرماتے ہیں جو حقیقت کے راستے پر نہ چلے تو مجاز اور فراڈ کا راستہ چھت پر چلنے کی طرح ہے۔ چند قدم بعد نیچے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ خدا مسلمانوں کو گمراہی اور زوال سے بچا کر حقیقت پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ سوئم

ارشادات وملفوظات٭

پیرِ کامل سلطانُ الفقرا

حضرت خواجہ سید محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری

المعروف

﴿بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی﴾

؎ ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

(اقبالؒ)

٭ تشریح وتوضیح مقالات تصوف میں سے نمبر 9 صفحہ نمبر 126 کے تحت دیکھیں۔

1:۔فضیلتِ اقوالِ اولیاء اللہ

ایک مرتبہ بنوں شریف جاتے ہوئے راستے میں آپ نے ایک بات پر ارشاد فرمایا کہ بزرگان دین کے کلام میں جو نثر میں ہوں یا نظم میں بڑی تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ ایک خاص حال میں باتیں بیان کرتے ہیں جو انہوں نے خود یا اُن کے عقیدت مندوں نے قلم بند فرمائے کیونکہ وہ کوئی بات بغیر مشاہدہ کے نہیں فرمایا کرتے۔ اس لئے جب مشاہدہ ہوتا ہے تو ایک غیر یقینی بات یا اَن دیکھی بات حقیقت بن کر سامنے آتی ہے۔ حقیقت کو کسی بھی حالت یا زمانہ میں نہیں جھٹلایا جاسکتا۔ ہر زمانہ میں حقیقت ''حقیقت'' ہی ہوتی ہے۔ فطرتِ سلیم اس کو ماننے کیلئے تیار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی تصانیف ہر دور میں سدا بہار رہتی ہیں اور اُن کا پڑھنے والا بھی اگر صاحبِ قلبِ سلیم ہو تو حقیقت کو فوراً پالیتا ہے۔ خداوند کریم ان بزرگوں سے لگاؤ کے طفیل اُنہیں صراط مستقیم سے نوازتا ہے۔ اور یہی ولایت الٰہی کی ابتداء وانتہا ہے۔

جس طرح قرآن کریم کے الفاظ میں خدا کی تاثیر، رسول اللہ ﷺ کے کلام میں رسول ﷺ کی تاثیر اس طرح ایک ولی اللہ کے کلام میں ولی کی تاثیر موجود ہوتی ہے اور صاحب ایمان پر درجہ کے مطابق اُن کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اِن میں سے ہر ایک کے کلام پر اپنی اپنی شکل میں ایک خاص رحمت کی بارش کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ عقیدت اور محبّت رکھنے والا ہر شخص اس باران رحمت سے ضرور مستفید ہوتا ہے۔ آپ مدظلہٗ العالی نے خاص طور پر فارسی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے اسماء گرامی سنائے۔ پشتو میں بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی لیا۔ نیز فرمایا کہ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی بہترین ہے۔ ان بزرگوں کے کلام کا پڑھنے والا ضرور حقیقت تک رسائی حاصل کر کے رحمت سے بہرہ ور ہوگا۔ از روئے حدیث نبوی ﷺ ''بے شک بعض اشعار حکمت ہیں اور حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے'' (بخاری ومسلم) اللہ تعالیٰ اہل علم حضرات کو ایسی کتابوں کے پڑھنے کی اور اُن پر عمل کرنیکی توفیق دے۔ آمین۔

2:۔شانِ رسول ﷺ

1991ء میں ایک مرتبہ آستانۂ عالیہ بارتھی دورہ کے موقع پر آپ مدظلہٗ العالی نے کسی بات پر ارشاد فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کی شان دو طرح کی ہے۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی۔ جسمانی لحاظ سے ظاہری طور پر تو آپ ﷺ اس جہان سے تشریف لے گئے مگر باطنی شان کے لحاظ سے اب تک موجود ہیں اور موجود رہیں گے۔ اس بات کا ظاہری ثبوت یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کی باطنی شان موجود نہ ہوتی تو مشرک کلمہ پڑھنے سے کیسے مسلمان ہوسکتے تھے۔ باطنی صورت میں آپ ﷺ موجود ہیں کہ سلسلۂ اسلام چل رہا ہے وگرنہ یہ سب کچھ ختم ہو جاتا۔ لہٰذا جس طرح کہ خدا اپنی شان کے مطابق ہر جگہ پر موجود ہے۔ اسی طرح خدا کے محبوب ہمارے پیغمبر ﷺ بھی اپنی شان اور حیثیت کے مطابق اس دنیا میں موجود ہیں۔ خدا اس دور کے مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک دن حلقہ احباب میں شانِ محبوبِ خدا ﷺ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے مراتب

عالیہ کو کوئی نہیں جان سکتا۔ جب آپ ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ کریم نے آپ ﷺ کو نوے ہزار کلمات مرحمت فرمائے اور حکم فرمایا کہ ان میں سے تیس ہزار کلمات عام لوگوں پر ظاہر کرو۔ تیس ہزار کلمات خاص لوگوں پر اور باقی ماندہ تیس ہزار کلمات صرف تیرے اور میرے درمیان ہیں۔ اُن کو اور کسی پر ظاہر نہ فرمانا۔ جب راز و نیاز کا یہ عالم ہے تو آپ ﷺ کی شان اور صفات کی پہچان کون کرسکتا ہے۔ آخر کار اظہار عجز کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہوگا۔ بقول غالبؒ:

؎ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذات پاک خود مرتبہ دانِ محمد است

(نبی کریم ﷺ کی تعریف ہم نے خدا کے سپرد کر دی ہے کہ وہی ذات شان محمد ﷺ کا جاننے والی ہے۔ کماحقہٗ ان کی تعریف بیان کرنا ہماری طاقت سے باہر ہے۔)

آستانہ عالیہ ''لیہ'' میں بہت سے دوستوں کی موجودگی میں آپ نے حضور پُر نور ﷺ کی شانِ رحمت اللعٰلمینی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وصال کے وقت آپ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ مجھے غسل حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ دیں گے۔ کفن کا انتظام حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوگا اور لحد میں مجھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اُتاریں گے لیکن ایک بات کے بارے میں حیران نہ ہونا کہ میرے غسل کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے گا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چاروں بڑے فرشتے چار بوتلوں کے ساتھ حاضر ہو کر میرے غسل کا پانی اُن بوتلوں میں اٹھا لیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام ہر امتی کے نزع کے وقت اس پانی کا ایک قطرہ اس کے منہ میں ڈالیں گے جس سے اس سے سختی نزع اٹھالی جائے گی۔ اسرافیل علیہ السلام میرے اُمتیوں کے قبر میں سوال و جواب کے وقت اس پانی کا ایک قطرہ اُن کے منہ میں ڈالیں گے۔ جس سے اُن کی زبان میں قوّت گویائی آجائے گی اور وہ آسانی سے توحید و رسالت کا اقرار کریں گے۔ اس طرح باقی دو فرشتے بھی وہ پانی میدان محشر میں میری اُمت پر صَرف کریں گے۔ جس وقت میری اُمت پر مشکل وقت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کسی اصحابی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کے غسل کے پانی کا کوئی قطرہ بھی زمین پر گرتے ہوئے نہ دیکھا۔ اس لئے آپ ﷺ کی یہ انتہائی شان رحمت ہے کہ اپنی زندگی و مابعد کے ہر مقام پر اپنی اُمت کو یاد فرمایا۔ اب اگر ہم انہیں بھولیں تو یہ سراسر ہماری ناانصافی، ظلم اور شرط وفاداری کے خلاف بات ہوگی۔ خدا سب کو سمجھ عطا فرمائے تاکہ وہ اپنے پیغمبر ﷺ کی پیروی کا خیال رکھے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ ''لیہ'' میں تشریف فرما تھے کہ نبی پاک ﷺ کی رحمت عام کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ آپ نے اپنی زبانِ اقدس کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ ہماری بستی کے ساتھ ایک جگہ ہے ہم اسے ''شھندی'' کہتے ہیں۔ وہاں ایک جامع مسجد ہے۔ اس مسجد کا خطیب ہمارا ہم مسلک اور ایک سکول میں بھی پڑھاتا ہے۔ ایک مرتبہ اُن سے سوال کیا گیا کہ حضور ﷺ کی ذات اگر رحمت اللعٰلمین ہے تو جبرائیل امین نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ جو رمضان شریف پائے اور عبادت نہ کرے وہ ہلاک ہو۔ آپ ﷺ نے آمین کہا۔ دوسری مرتبہ فرمایا جو آپ ﷺ کا نام مبارک سُنے اور درود شریف نہ پڑھے وہ ہلاک ہو جائے۔ آپ ﷺ نے آمین فرمایا۔ تیسری بار فرمایا کہ جو شخص والدین کو پائے اور اُن کی خدمت نہ کرے وہ

بھی ہلاک ہو۔ آپ ﷺ نے آمین فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے یہ بددعا اپنی امت کیلئے کیوں مانگی تھی؟ مولانا صاحب لاجواب ہو گئے اور شام کو ہمارے پاس بستی ڈھیری کلہ سیدان بخاری میں تشریف لائے اور مجھ سے اس کے جواب کے بارے میں پوچھا ہم نے مولانا صاحب کو بتایا کہ سرکار دوعالم ﷺ کی ذات گرامی تو بے شک دونوں جہانوں کیلئے سراپا رحمت ہے مگر حضور ﷺ نے خدا کی رضا کو تسلیم کیا تھا کیونکہ خدا کی رضا یہی تھی یہ آپ ﷺ کی کمال اتباع ہے نہ کہ بددعا۔

اس لئے آپ ﷺ کے یہ الفاظ بددعا کے شمار میں نہیں ہیں بلکہ عجز و نیاز اور تسلیم و رضا کا اعلیٰ ثبوت ہیں۔ ان سے مقام عبدہٗ کی تصدیق ہوتی ہے۔ خدا سمجھ عطا فرمائے۔ چنانچہ مولانا مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

3:۔ شانِ آل رسول ﷺ

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے کہ آلِ رسول کے متعلق بات چل نکلی۔ آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ آل رسول ﷺ کی عزت نہیں کرتے۔ جو آلِ رسول بالفاظ دیگر اولاد رسول رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم نہیں کرتا وہ آقائے دوجہاں حضرت محمد ﷺ کی محبّت کا دعویٰ کس طرح کر سکتا ہے۔ درود شریف میں ہر شخص ''وَعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ '' پڑھتا ہے۔ مگر جب آل رسول رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آئے اور وہ عزت نہ کرے تو اس کیلئے ان الفاظ کا پڑھنا بے فائدہ اور فضول ہے۔ آل رسول رضی اللہ عنہ اگر باعمل ہو تو ''نُوْرٌ عَلٰی نُوْر '' ہے۔ اگر بے عمل ہی کیوں نہ ہو تو اس مسئلے کے بارے میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا گیا کہ بے عمل سیّد سے کیا سلوک کرنا چاہیے؟ اور اُس کا کیا مقام ہے؟ تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ آگ بجھانے کیلئے صاف وشفاف پانی کے علاوہ گندا پانی بھی کافی ہوتا ہے۔ یعنی پھر بھی اس کی عزت و تکریم ایک کلمہ گو پر واجب اور لازم ہے۔ آگے وہ جانے اور اس کے اعمال۔ موضوع گفتگو کی مناسبت سے آپ نے ایک عجیب وغریب روح پرور واقعہ سنا کر سامعین کے اذہان جھنجھوڑ دیے۔

فرمایا کہ جس وقت حضرت غوثِ اعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ ادا فرمائے کہ ''قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہ '' تو باقاعدہ ایک محفل منعقد کی گئی۔ جس میں ان اولیاء کرام کے مسانید بھی سجا دیئے گئے جو اِس دنیا سے روپوش ہو چکے تھے اور موجودہ اولیاءِ عُظام کے بھی اپنے اپنے مقامات مزیّن کئے گئے سب گذشتہ اور موجودہ اولیائے کرام نے حاضر ہو کر آپ کے حکم پر عملی مظاہرہ فرمایا۔ مگر صرف جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو اس دنیا سے روپوش ہو چکے تھے۔ اپنی مسند پر تشریف نہیں لائے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو تشویش ہوئی۔ بعد از برخاستِ محفل آپ بذاتِ خود حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر حاضری کی بابت پوچھنے کیلئے اُن کے مزار اقدس کی طرف گامزن ہوئے جب اُن کا مزار نظر آنے لگا تو اُن کے مزار پر اُن کی کرامت کی وجہ سے ہر طرف یہ الفاظ کندہ نظر آنے لگے۔ ''کُلُّ حَسَبٍ وَ نَسَبٍ فَھُوَ آلِیَ ''یعنی ہر عامل سنت میری آل میں داخل ہے۔

اس حدیث پاک کی رو سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (آلِ رسول نہیں تھے۔ بلکہ امتی تھے) نے اپنے آپ کو

آل رسول میں شمار فرمایا یعنی از روئے حدیث میں بھی سیّد ہوں اور آپ بھی سیّد تو پھر آپ کا قدم اپنے کاندھے پر رکھنا میرے لئے لازم نہیں ہے۔ حالتِ کشف میں سوال و جواب کے بعد حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ کے جواب سے میں متشفی نہیں ہوں۔ لہٰذا اس مسئلے کا جواب ہم دونوں جا کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ سے وصول کریں گے۔ چنانچہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری حالت میں اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ باطنی اور روحانی حالت میں اکٹھّے روانہ ہوئے۔ دونوں کی روحانی پرواز بالکل برابر تھی۔ جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محفل میں تشریف فرما تھے۔ جب آمنا سامنا ہوا تو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ جا کر آپ کے پہلو میں بیٹھ گئے اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ باندھ کر باادب آپ کے سامنے کھڑے رہے۔ اتنے میں حضرت غوث اعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے وہ مسئلہ پیش کر دیا۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرا فرمان بالکل بجا ہے۔ (کُلُّ حَسَبٍ وَ نَسَبٍ فَهُوَ آلِیَ) مگر پھر بھی دو باتوں میں امتیاز ہے۔ پہلی یہ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مقامِ عشق پر فائز ہیں جس سے تمام بُعد و حجاب کے فاصلے مٹ جاتے ہیں جب کہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ مقام بندگی پر فائز ہیں۔ اس لئے وہ ذرا فاصلہ رکھ کر باادب کھڑے ہیں۔ لہٰذا مقامِ عشق اور مقام بندگی میں اتنا فرق ضرور ہوتا ہے دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میں میرا اپنا خون موجود ہے۔ جبکہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ امتی ہونے کے ناطے سے اس سعادت سے محروم ہیں۔ گو! شان و درجات کے لحاظ سے دونوں ہم پلّہ ہیں مگر یہ دو امتیازی باتیں پھر بھی ضرور ہیں۔ جس پر حضرت شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ قدموں میں جھک کر معافی کے خواستگار ہوئے اور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کا قدم مبارک اپنے کاندھے پر رکھ کر حکم بجا لائے اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت حاصل کر کے دونوں اپنے اپنے مقامات پر تشریف لائے۔

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ امتی جتنی بھی عبادت و مجاہدہ کر کے قرب الٰہی حاصل کر لے مگر پھر بھی وہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام پر نہیں پہنچ سکتا کیونکہ امتی جتنی بھی شان کا مالک ہے اس در سے ہی حاصل کرتا ہے تو صاحب خانہ اور مہمان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ مقام بزور بازو کسی کو میسر نہیں آتا مگر جسے خدا چاہے عنایت کرے)

مفصّل بیان کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے حاضرین و غائبین دوستوں کیلئے دعا فرمائی اور گفتگو کو ختم فرمایا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں آپ مدظلہٗ العالی نے حلقۂ احباب میں ارشاد فرمایا کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خدا کی خاص رحمت ہوا کرتی ہے۔ جو بھی اس کی عزت و تکریم کرے وہ بھی اس رحمت خاص کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس پر آپ نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور و معروف تاریخی واقعہ پیش فرمایا کہ شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ ایک بادشاہ کے پاس رہ کر پہلوانی کرتے تھے اور اپنے فن پہلوانی میں یکتائے روزگار تھے۔ جس میدان میں اترتے جیت جاتے۔ بے انتہا

انعاماتِ شاہی سے نوازے جاتے۔

چنانچہ ایک دن ایک نہایت لاغر و نحیف آدمی ان کے پاس آیا جو کہ چیتھڑوں میں ملبوس تھا۔ شیخ جنیدؒ سے عرض کیا کہ میں سادات خاندان سے تعلّق رکھتا ہوں اور نہایت غریب آدمی ہوں۔ جائز ذرائع سے روزی نہ ملنے کے سبب کہیں مجھ سے کوئی ناجائز فعل سرزد نہ ہو جائے تو آل رسول ﷺ ہونے کے ناطے یہ نہایت قبیح کام ہوگا۔ لہٰذا کُشتی کے میدان میں مَیں آپ کے مقابل آؤں گا اور آپ کو جان بوجھ کر ہار جانا ہے تاکہ جو انعامات بادشاہ اور لوگوں کی طرف سے آپ کو ملتے ہیں مجھے ملیں اور میرے بال بچوں کا گزر اوقات اچھے طریقے سے ہو سکے۔ اس کا صلّہ خداوند کریم تمہیں ضرور دے گا۔ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس غریب آل رسول ﷺ کی بات پر ترس کھا کر رضامند ہو گئے اور بادشاہ سے عرض کیا کہ اس فقیر سے میری کُشتی کرائی جائے کیونکہ یہ خود چیلنج دے رہا ہے۔ بادشاہ لاغر اور نحیف البدن آدمی کو دیکھ کر حیران ہو گیا مزید تسلّی کرنے کے بعد کُشتی کیلئے ایک دن مقرر کیا گیا۔ چنانچہ عمائدینِ سلطنت اور اراکینِ دولت و اُمراء، مقررہ میدان میں مقررہ دن براجمان ہوئے۔ بادشاہ نے بھی محفل کو رونق بخشی۔ وہ ناتواں اور کمزور آدمی کہیں سے آنکلا اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ بھی میدان کُشتی میں آموجود ہوئے۔ لوگ حیران کہ اتنے زور آور پہلوان سے یہ کمزور آدمی کیا کُشتی لڑے گا۔ آخرکار بادشاہ کے حکم سے کُشتی شروع ہو گئی۔ ایک دو چکر کے بعد جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ چت زمین پر آئے اور وہ فقیر سینے پر چڑھ گیا لوگوں میں کُہرام مچ گیا۔ چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ یہ کوئی جادو ہوا ہے ہمیں یقین نہیں لہٰذا دوبارہ کُشتی کرائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ کُشتی کرانے پر بھی یہی نتیجہ نکلا۔ بادشاہ غضبناک ہوا کہ جنید! تُو نے آج میری ناک کٹوا دی ہے۔ لہٰذا تجھے شاہی دربار سے نکال کر معتوب کیا جاتا ہے۔

فقیر، بادشاہ اور اُمراء کے انعامات سے لد کر اپنے جھونپڑے کو چلا اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے آبادی سے دُور جا کر ایک جھونپڑے میں مصلّٰی ڈال کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دیا کہ اب خدا کی رضا پہ راضی رہنا ہے۔ جیسے ہو آئندہ زندگی کے ایام گزار لیں گے۔ رات کو چند گھڑیوں کیلئے جب سوئے فوراً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خواب میں تشریف لائے اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ کو گلے لگا کر یہ خوشخبری سنا دی کہ تیرے اس کام پر جو تُو نے آج دن کو کیا اللہ کریم اس قدر خوش ہوا کہ آلِ رسول رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم کی بدولت آپ کو ربِّ کریم نے وقت کی غوثیّت عطا فرما دی۔ لہٰذا آپ غوثِ زماں ہوں گے اور میری امت کی کشتی کے ملاّح ہونگے۔

اس طرح شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے معرفت الٰہی ایک سیّد کی عزت کرنے پر حاصل کی۔ جس سے وہ دونوں جہانوں میں مالا مال ہو گئے۔ اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ تاریخ اسلام میں جتنے بزرگ ہو گزرے سب سیّد کے نام تک کی اتنی عزت کرتے تھے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا اور آج اس چیز کا بالکل فقدان ہے۔ آل رسول رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور اس کی عزت نہ کی جائے تو دُرود شریف میں لفظ ''وَآلِہٖ وَسَلَّمَ'' پڑھنے کا اسے کچھ فائدہ نہیں ملے گا۔ جو آل

رسول ﷺ کی عزت نہیں کرتا خدا کی بارگاہ میں بھی اُس کی کوئی عزت وتکریم نہ ہوگی۔ کیونکہ:

؎ از مکافات عمل غافل مشو　　گندم ز گندم روید جَو زِ جَو

(گندم کے دانہ سے گندم اور جَو کے دانہ سے جَو ہی اُگ سکتا ہے اس لئے اے غافل انسان اپنے اعمال کی پاداش سے غافل نہ ہو)

ایک موقع پر آپ مدظلہٗ العالی محمود کوٹ اسٹیشن کے قریب ایک بستی کَنڈے والا میں ایک مرید کے گھر دعوت پر تشریف لے گئے بعد از ختم خواجگان وذکر وفکر زبانِ گوہرافشان سے آل رسول ﷺ کی خصوصیات (خصائص) پر یوں گویا ہوئے کہ ایاز نے جب ہوش سنبھالا تو خداوند کریم کی بارگاہ میں سب سے مقبول عبادت یعنی سخاوت اپنا کر ایک لنگر سرائے تعمیر کی اور اس کے چار دروازے رکھے۔ جس دروازہ سے بھی کوئی حاجت لے کر داخل ہوتا وہ فوراً اس کی حاجت پوری کرتا اور ہمہ وقت مسند پر براجمان رہتا۔ یہاں تک کہ اُس کی سخاوت کی شُہرت دور دور تک پھیل گئی۔ چنانچہ دور کسی علاقے میں ایک نہایت غریب آدمی کو کسی کا قرضہ دینا تھا۔ گھر پر کوئی پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی۔ سمرقند اور بخارا کے مضافات سے کسی امیر آدمی سے کچھ دن کیلئے رقم مانگی اُس نے اُسے بتایا کہ مَیں اگر تجھے رقم دوں تو چند دن بعد دوبارہ طلب کروں گا کیوں نہ ایسی جگہ تجھے بتا دوں جہاں سے تجھے مفت فی سبیل اللہ رقم ملے اور پھر دینے ہی نہ پڑیں۔ اس غریب آدمی نے کہا کہ اس سے بہتر اور کوئی بات ہوسکتی ہے۔

چنانچہ امیر آدمی نے بتایا کہ اِن دِنوں ایّاز نامی ایک شخص فلاں شہر میں رہتا ہے۔ للّٰہ فی اللہ مسند سخاوت پر بیٹھا ہوا ہے۔ جو بھی سوالی اُس کے پاس جاتا ہے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا۔ یہ بات سنتے ہی غریب آدمی ایّاز کے لنگر خانہ کی طرف روانہ ہوا۔ سفر طے کرتے کرتے آخر ایاز سے شرف ملاقات حاصل کی دراں حالیکہ وہ اپنی مسند پر بیٹھا لنگر چلا رہا تھا۔ اپنی عرضداشت پیش کی۔ ایاز نے فوراً اپنی جیبوں کو ٹٹولا۔ مگر خدا کا کرنا کہ جیب خالی تھی۔ کہا کہ ذرا انتظار کریں۔ گھر جا کر مزید پتہ کروں گا۔ مگر گھر میں بھی رقم نہیں تھی۔ واپسی پر معذرت کے ساتھ عرض کی کہ بھائی جان معاف کرنا۔ آج میرے پاس ایک ٹکّہ بھی نہیں ہے اگر تکلیف گوارا ہو تو پھر کبھی تشریف لائیں۔ ضرور خدمت کروں گا۔ مگر کہاں وہ آدمی اتنے دن کی مسافت کے بعد اس سہارے پر کہ مُشکل کُشائی ہوگی۔ پیمانہ صبر لبریز ہوگیا۔ آگ بگولہ ہوگیا اور بُرا بھلا کہنا شروع کیا کہ خواہ مخواہ اس آدمی نے مجھے تمھارے پاس بھیج دیا۔ ایّاز نے جب اس کے اس انداز کو دیکھا تو اُسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا دیا اور تسلّی دی کہ رقم ہے ناراض نہ ہو۔ اب اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ ہمارے مُلک کا بادشاہ محمود غزنوی آج کل اپنے دربار کیلئے غلام خرید رہا ہے۔ تم آقا بن جاؤ اور مَیں تمہارا غلام بن جاؤں گا۔ مجھے جا کر محمود غزنوی کے ہاتھ صرف اتنی رقم کے بدلے فروخت کرنا جتنی تجھے ضرورت ہے زیادہ بالکل نہیں لینا۔ تمہارا کام بن جائے گا۔ آگے مَیں جانوں اور میرا کام تاکہ آئندہ کیلئے میرے آستانے نہ کوئی آئے اور نہ خالی ہاتھ جائے لہٰذا میرا یہاں پر رہنے سے بہتر ہے

کہ غلام بن جاؤں اور بقیہ زندگی کے دن وہیں گذاروں۔ وہ مسافر اس بات پر راضی ہوگیا۔ چنانچہ دونوں دربارِ شاہی کی طرف چل دیے۔ جب شاہی دربار پہنچے تو پہلے دروازے پر دربان سے واسطہ پڑا۔ دربان نے جب دیکھا کہ ایک عام آدمی ایک خاص آدمی کو ہاتھ سے پکڑے ہوئے ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرا غلام ہے اور اسے صرف چند درہم میں بیچنا چاہتا ہوں۔ دربان نے اس غلام کی تعریف شروع کر دی کہ اتنا وجیہ شکل، نورانی چہرے والا، خوبصورت قد و قامت جس کی پیشانی سے ستارۂ بلندی اور حیاوشرم کا نُور جھلک رہا ہے۔ اندر محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے جب یہ الفاظ سنے تو بیتاب ہوکر خود دروازے پر آیا اور اس غلام کے آقا کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ تو ایسے آدمی کو چند درہم کے عوض بیچنا چاہتا ہے کہ جس کی قیمت ساری دنیا نہیں بن سکتی۔ جتنی قیمت تُو مانگتا ہے وہی ادا کردوں گا بےفکر رہیں۔ لیکن سچ بتائیں کہ یہ تمھارا کیا لگتا ہے اس پر اس آدمی نے اوّل سے آخر تک کا سارا قصہ سناڈالا۔ محمود سنتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آیا بولا خدایا! تیری زمین پر ایسی مخلوق بھی موجود ہے جو اپنی جانوں تک تیری رضا کیلئے بیچ ڈالتے ہیں اور دربان کو حکم دیا کہ جا کر خزانے کا دروازہ کھول دے۔ یہ آدمی جتنا چاہے اُٹھالے اور اسے عزت و تکریم کے ساتھ رخصت کردے۔ ایاز کو لے کر تخت پر بٹھا دیا اور کہا کہ آج کے بعد تُو بادشاہ مَیں تیرا غلام۔ لیکن ایاز نے اس بات سے صاف انکار کر دیا۔ کہ یہ اچھی بات نہیں اور اس میں آپ کی بدنامی ہوگی۔ مَیں اس کام کیلئے ہرگز تیار نہیں۔ ہاں! البتہ بادشاہ سلامت جو مشورہ طلب کرے اپنی صوابدید کے مطابق رائے دینے کو تیار ہوں۔ بادشاہ طوعاً وکرہاً اس پر راضی ہوگیا۔

ایک دن محمود، ایاز سے پوچھتا ہے کہ میں خضر علیہ السلام سے ملنا چاہتا ہوں۔ اُن کی ملاقات کا بھی کوئی ذریعہ ہے۔ ایاز نے کہا بادشاہ سلامت کیوں نہیں مَیں آپ کو ایک اسم اعظم بتادوں گا۔ چالیس دن تک تنہائی میں بیٹھنا پڑے گا اِس کے بعد انشاءاللہ خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوگی۔ بادشاہ نے پوچھا وہ اسم اعظم کیا ہے؟ ایاز نے بتایا وہ ہے۔ ”لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ“۔ چنانچہ بادشاہ نے سب درباری عملے کو 40 دن کیلئے رخصت کیا اور نائب ایاز کو مقرر کرکے خلوت نشین ہوگیا۔ متواتر 40 دن گزرنے کے بعد بادشاہ محمود بڑے کرّ وفرّ کے ساتھ وزرا، قضاۃ اور درباری عملہ کے علاوہ مُلک کے دوسرے عمائدین کے جلَو میں پُر جوش استقبال کے ساتھ آ کر جلوہ گر ہوا۔ مختصر حال احوال سننے کے بعد دربار میں ایک قتل کا کیس پیش کیا گیا کہ بادشاہ فلاں قاتل کی سزا تجویز کریں۔ بادشاہ نے ایک وزیر کی طرف اشارہ کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ حضور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں اور پھر برسرعام اُنہیں پھینکا جائے تاکہ کُتے اور پرندے اس کے گوشت کو نوچیں اور دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ سامنے بادشاہ کی سیدھ میں بیٹھا ایک سفید ریش آدمی اُٹھ کھڑا ہوا اور بلا تأمل کہہ دیا کہ بادشاہ سلامت! اِس نے بالکل ٹھیک کہا ہے کیونکہ یہ قصائی خاندان سے تعلّق رکھتا ہے۔

بادشاہ نے دوسرے وزیر کی طرف اشارہ کیا کہ تم رائے دو اس نے کہا بادشاہ سلامت اس کا چمڑا اتار کر موچیوں کو دیا جائے وہ اس کے جوتے بنائیں اور لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ وہی سفید ریش آدمی دوبارہ کھڑا ہو کر بولا کہ

بادشاہ سلامت! اِس نے بھی بالکل صحیح کہا ہے کیونکہ اِس کے باپ دادا موچی تھے اور اِس نے بھی موچیوں والی بات کی۔ آخر میں محمود نے ایاؔز سے دریافت کیا کہ تم اس معاملے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟۔ ایاز نے بڑے ادب سے عرض کیا کہ سب سے بہتر اور خدا کے نزدیک اچھی بات یہ ہے کہ آپ اِسے اپنے لطف وکرم سے معاف کردیں۔ اِس احسانِ عظیم کے بدلے شاید وہ آئندہ زندگی میں مردِ صالح بنے اور مخلوقِ خدا کو راحت پہنچائے جو آپ کیلئے ثواب جاریہ ہوجائے اس کی عاقبت سنور جائے اور مقتول کے ورثا کو خزانے سے خون بہا ادا کیا جائے اور اُنہیں راضی کردیا جائے۔ اتنے میں وہی سامنے والا سفید ریش آدمی بول اٹھا کہ بادشاہ سلامت اس نے بھی بالکل سچ کہا ہے۔ کیونکہ یہ آلِ رسول ہے اور سادات کے سر پر عفو ورحمت کا تاج ہوتا ہے اور یہ ان کی خاندانی علامت ہے چونکہ یہ آل رسول ہے اور آل رسول ہی کی بات کی ہے۔ اس پر ایاؔز کو حیرت ہوئی کیونکہ اس سے پہلے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ایاؔز سیّد ہیں۔ ایاؔز نے کہا آپ نے میرا راز فاش کیا اور مَیں آپ کا راز فاش کرتا ہوں بادشاہ سلامت یہ ہیں خضر علیہ السلام جس کی ملاقات کیلئے آپ ترس رہے تھے۔ خوب دیدار کرلیں۔

چنانچہ بادشاہ آگے بڑھا مصافحہ کیا ایک دو باتوں کے بعد خضر علیہ السلام نے اجازت طلب کی اور غائب ہوگئے۔ اس طویل گفتگو کے بعد آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ سیّد ہر حالت میں تمام مخلوق سے اس طرح ممتاز ہے جیسے ستاروں میں چاند ہو اور ہر جگہ اپنی شان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ آخر میں دعائے خیر فرما کر قیلولہ کیا۔

4:۔ میں سیّد ہوں اور میرا سلسلہ قلندریہ بھی ہے

میں نے آستانہ عالیہ بنوں شریف میں جنوری 1989ء کو حاضر خدمت ہوکر شرف زیارت حاصل کی۔ حکم ہوا کہ شام کو ہمارے پاس رہ کر صبح چلے جانا۔ تعمیلِ حکم کے بعد بندہ نے حضرت معصوم صاحب کے دورہ ڈیرہ غازیخان کے متعلق بتایا اس پر آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم حضرت معصوم صاحب کے درجات بلند فرمائے اور فقر میں استقامت نصیب فرمائے۔ ہمیں ان کے والد محترم شہنشاہ وقت حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے چودہ سال متواتر خدمت کے بعد خلافت اور پھر تین سال بعد بیعت کی اجازت کے وقت دو چیزیں عنایت ہوئیں۔ ایک شریعت اور دوسری طریقت جو کہ بنیادِ فقر ہیں۔ ہم اپنے مریدوں میں اِن دونوں چیزوں کی ترویج کررہے ہیں۔ لیکن ایک اور چیز بھی ہمیں وراثت میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی سیداں شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نصیب ہوئی۔ جو دورِ حاضر میں اور کسی کو نصیب نہیں وہ قلندری سلسلہ ہے۔ دنیا میں سب سے پہلے قلندر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری علامات کے علاوہ اُن کی لمبی لمبی زلفیں تھیں۔ اُن کے بعد یہ امانت درجہ بدرجہ حضرت بوعلی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی۔ وہ تمام خصوصیاتِ قلندری کے مالک اور اپنے وقت کے قلندر تھے۔ عورتوں میں سے نصف قلندری حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کو ملی اُس کے بعد قلندری آ کر حضرت لعل شہباز قلندر (سیہون شریف) پر عروج کو پہنچی۔ مدت ہوئی کہ یہ سلسلۂ قلندری طریقت سے اوجھل

رہا۔ چنانچہ ہمارے والد شاہ ولی سیدان شاہ صاحب اپنے علاقے سے ہجرت کر کے سیہون شریف سندھ میں حضرت لعل شہباز قلندر کے مزار پُر انوار پر مصروف عبادت ہو گئے۔ متواتر تین سال چلّے کی حالت میں رہے آخر حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں سلسلۂ قلندری کی اجازت بخشی اور سلسلۂ قلندری کی اشاعت وترویج کا کام اُن کے ذمہ لگایا۔ چنانچہ ہمارے والد اپنے وقت کے ولی ہونے کے ساتھ ساتھ قلندرِ وقت بھی تھے اس لئے ہمیں اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے وراثت میں قلندری بھی عنایت ہوئی۔ ہمارے اور ہمارے مریدان کی جو زلفیں ہیں وہ اِسی سلسلۂ قلندریہ کی علامت ہیں۔ یہ بوجھ بہت بڑا ہے مگر خدا کی رحمت پہ ہمیں بے انتہا بھروسہ ہے کہ اللہ کریم ہمیں اس کارِ عظیم میں کامیابی عطا کریں گے۔ اس لئے ہمارے مریدان کو جو نعمتیں اور رحمت الٰہی ہم سے نصیب ہوگی شاید اور کہیں سے میسّر ہو۔ کرم بالائے کرم یہ کہ خداوند کریم نے ہمیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل یعنی خاندانِ سادات سے پیدا فرمایا جو دنیا میں کسی کو نہ بزور بازو مل سکتا ہے اور نہ بزور عبادت وریاضت۔ کئی بلند مرتبہ اولیاء کرام اِس نعمت عظمیٰ کیلئے ترستے رہے مگر کہاں؟ یہ تو خدا کی خاص تقسیم ہے۔ اس لئے خداوند کریم ہمیں ہمت واستقامت اور ہمارے مریدوں کو مقامِ شکر نصیب فرماوے۔ آمین۔

5:۔ نقل: مشابہت اصل

ایک مرتبہ بستی آدم (ضلع مظفرگڑھ) ایک قل خوانی کے سلسلے میں تشریف لے گئے۔ آپ مدظلہٗ العالی کے ساتھ چند دوست بھی تھے۔ محفل میں جلوہ افروز ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہمیں کیسے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا فقر حقیقت ہے یا فراڈ ہے۔ پہلے ہمیں اس کا اصل تلاش کرنا چاہیے چنانچہ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ''۔ (دنیا میں صرف فقر پر مجھے فخر ہے اور یہ مجھ سے ہے۔) شیطان اس کونا کام کرنے کیلئے اتنی کوشش کرتا ہے جتنی اور کسی کام پر نہیں کرتا۔ فرمانِ الٰہی کے مطابق ''اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ'' (البقرہ 268) (خبردار) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے۔ (تفسیر مظہری) کیونکہ فقر ہی مکمّل طور پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر ہوتا ہے۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقر وتصوف کے اصل پیکر تھے اور ہم اس اصل کی نقل کر رہے ہیں۔ اصل کی نشانی یہ تھی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس اور وضع قطع پر کفار اور منافق ہر طرف سے تالیاں بجاتے اور یہاں تک کہ صرف اسی لباس کی وجہ سے کہتے کہ ''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنوں ہو گئے۔ تو جب سردارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طعنہ بازی اور تالیوں سے نہ بچ سکے تو ہم جو کہ اُن کی نقل کر رہے ہیں کیسے بچ سکتے ہیں۔ اگر ہمارا فقر حقیقت ہے تو ہم پر بھی تالیاں بجیں گی اور طعنے بازی ہوگی۔ اگر فراڈ ہے تو کوئی شخص نہ ہماری طرف متوجہ ہوگا اور نہ کوئی اس کا اثر قبول کرے گا۔ دنیا دراصل ہماری ذات پر اعتراض نہیں کرتی اور نہ تالیاں بجاتی ہے بلکہ ہمارے لباسِ فقر پر تالیاں بجاتی ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے کہ حقیقت پر ضرور اعتراض ہوتا ہے۔ اگر حقیقت کی زیادہ سے زیادہ مخالفت، اس پر اعتراض اور طعنہ بازی نہ ہو تو وہ حقیقت ''حقیقت'' بھی نہیں رہتی۔ اس لئے لوگ ہمارے کھُلے کپڑے، داڑھی اور لمبی لمبی زُلفوں پر تالیاں بجاتے ہیں نہ کہ ہماری ذات پر۔ اس لیے بقول اقبالؒ:

؎ دَرماں زِ درد ساز اگر خستہ تن شوی — خُوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

(کسالت وخستگی کا علاج درد (ذوق وشوقِ دُروں) سے کراور کانٹوں سے بھی مانوس ہوتا کہ تُو سراپا گلستان بن جائے۔)

اللہ کریم نے رسولِ پاک ﷺ کی وضع قطع اور زُلفوں کی قسمیں قرآن کریم میں اٹھائی ہیں۔فرمایا ''وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی۔ مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی''۔ (تیرے چاند جیسے چہرے اور کالی زلفوں کی قسم جب وہ اپنی جھلک دکھاتی ہیں۔(لوگ بے شک باتیں بناتے رہیں مگر) تجھے خدا نے کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑا۔)اس لیے صاحبِ فقر کو ہر وقت خدا کی غیبی امداد میسّر ہوتی ہے۔ایک اور موقع پر مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ مجنوں مجاز کا عاشق تھا اور اس کا اصل نام قیس تھا۔لیکن آج دنیا اس کے اصلی نام سے کم واقف ہے۔ ہر شخص اسے مجنوں کہتا ہے۔یعنی مجاز پر عاشق ہونے کی وجہ سے قیامت تک اس کا نام زندہ رہے گا۔اسی طرح جو حقیقی خدائے لم یزل پر عاشق ہوگا معلوم نہیں اس کی کتنی بڑی شان ہوگی۔اس کے کیا القاب ہوں گے کوئی اندازہ نہیں کرسکتا۔اس لئے ایک فقیر کو اِن باتوں سے قطع نظر رضائے الٰہی کو دیکھنا ہوتا ہے تب وہ کامیاب ہوجاتا ہے۔

اگر فقیر دو باتوں کی طرف ذرا متوجہ ہوتو اس کا زوال معاً شروع ہوجاتا ہے۔ایک دنیا، دوسری عورت۔کہ یہ فقیر کیلئے سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں۔اللہ کریم ہم سب کو نفس وشیطان اور دنیا کے فراڈ سے محفوظ رکھے اور خداوند کریم سب دوستوں کو سلامتی ایمان کے ساتھ اپنی منزل مقصود تک پہنچائے۔مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ می شناسد ہر کہ از سِرّ مَحرم اَست — زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

(اس بات کا صرف اُسی کو پتہ ہے جو مَحرم راز ہو کہ عقلِ عیّار شیطان کی میراث ہے اور عشق وشوق آدم علیہ السلام کی میراث ہے)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ موجودہ دور کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح ایک بُرا کام کرنے سے برے اور بدکار وفاسق لوگوں کے طور طریقوں پر عمل (پیروی) کیا جاتا ہے اور تمام انبیاء، اولیاء کی اس فعل سے دلآ زاری ہوتی ہے۔اس طرح ایک اچھے عمل وقول سے تمام انبیاء واولیاء کی سنت زندہ ہوجاتی ہے۔اور اس اچھے عمل کی بناء پر تمام نیک ارواح خوش ہوجاتی ہیں جو رضائے الٰہی کا موجب ہے۔مثال دیتے ہوئے آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ شکر الحمدللہ اس گئے گزرے اور پُرفتن دور میں ہمارے پاس یہ جو ظاہری نقشہ موجود ہے یہ تمام انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا نقشہ ہے۔یعنی داڑھی، زلفیں رکھنے سے یا سفید لباس پہننے سے سب انبیاء واولیاء کی سنت ادا ہونے کے علاوہ ان کی روحانی خوشی کا بھی موجب ہے اور ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہمارے پاس تمام انبیاء اور اولیاء کا نقشہ موجود ہے جتنے سابقہ انبیاء کرام گزرے ہیں گنتی کے افراد تھے اور اسی طرح اولیاء کرام بھی دانہ دانہ موجود رہے ہیں۔ یہ لوگ ہر دور میں عوام الناس سے انفرادیت رکھتے آرہے ہیں۔ان کا علیحدہ تشخّص اور نرالی شان رہی ہے۔اُن کا قول وفعل اور کردار عوام الناس سے ہر دور میں بالاتر رہا ہے اور رہے گا۔مگر عوام الناس مخلوق اتنی ہوگزری ہے کہ جن کا کوئی شمار واندازہ

نہیں کر سکتا۔ فقیر عوام الناس سے اپنا تقابلہ (برابری) نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اُن میں ظاہری عوامل کے علاوہ باطنی طور پر بھی کافی فرق ہے۔ عوام الناس ظاہری آنکھ رکھتے ہیں لیکن فقرائے عظّام باطنی آنکھ رکھتے ہیں۔ عوام الناس صرف دکھائی دینے والی کائنات کو سرسری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ مگر اولیاء کرام (خدا کی خاص مخلوق) اس عالم رنگ و بو اور کائنات کی حقیقت تک نگاہ رکھتے ہیں اور یہ خدا کا خاص انعام ہے جو ازل سے منقسم ہے۔

اس لئے ہم فقیر لوگ عوام الناس پر نہ ناراض ہیں اور نہ خوش۔ ناراض اس لئے نہیں کہ اُن کو حقیقت حال کا پتہ نہیں ہے اور خوش اس لئے نہیں ہیں کہ وہ اس حقیقت کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتے۔ خداوند کریم سب دوستوں اور تمام مسلمانوں کو مجاز سے حقیقت کی طرف رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ اسلام میں ظاہری شکل و شباہت کی بے انتہا اہمیت ہے بلکہ اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ از روئے حدیث رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جو شخص جس طرح کی شکل اختیار کرے گا قیامت کے دن اس جیسی شکل والوں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا۔ جیسی صحبت اس دنیا میں پسند کرے گا آخرت میں انہی صحبت والوں کے ساتھ اس کا حساب و کتاب ہوگا۔ کیونکہ ''اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ'' (ہر آدمی اپنے دوست کے دین سے پہچانا جاتا ہے) کسی نبی کی کوئی ایک سنت عمداً یا غیر شعوری طور پر اپنانا بہت بڑی بات ہے اور بارگاہ الٰہی میں اس کی قبولیت میں کوئی شک نہیں۔ اس پر آپ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور فرعون ملعون کے بارے میں فرمایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ خدایا! فرعون پر عذاب نازل فرما اور اس کو ختم کر دے، کیونکہ یہ میری تبلیغ میں حائل ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے کلیم اللہ علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کو اس وقت تک غرق نہیں کروں گا جب تک کہ اس میں تین باتیں موجود ہیں اور وہ میرے انبیاء کی سنتیں ہیں جو مجھے بہت پسند ہیں۔ جب اس سے وہ اوصاف اور سنتیں مفقود ہو جائیں گی تب اس کے غرق کرنے میں کوئی دیر نہیں لگے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا باری تعالیٰ! وہ کونسی باتیں ہیں کہ جن کے طفیل تُو نے اُسے معاف کیا ہوا ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا پہلی صفت تو اس میں یہ ہے کہ اس کے چہرے پر خوبصورت داڑھی ہے اور یہ میرے پیارے لوگوں کی نشانی ہے۔ دوسری یہ کہ قضائے حاجت کیلئے بہت دور جاتا ہے اور یہ میرے مقبول بندوں کی صفت ہے۔

تیسری یہ کہ جب یہ کھانا کھاتا ہے تو بچوں کے ساتھ مل کر عاجزی و انکساری اور بڑے پیار و محبّت سے کھاتا ہے اور یہ میرے انبیاء کرام کا پیارا طریقہ ہے۔

اس لئے اس میں جب تک یہ تین اوصاف موجود ہیں مَیں اپنے قانون قدرت کے خلاف اس پر قہر نازل نہیں کر سکتا۔ ہاں جب اس میں سے یہ باتیں ختم ہو جائیں گی تو اس کو غرق کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خاموشی اور صبر اختیار کر کے رب سے معافی مانگی اور اس ''وقت'' کا انتظار کرنے لگے۔

فرعون کا ایک نہایت مکّار اور شقی القلب وزیر، جس کا نام "ہامان" تھا، ایک دن فرعون کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ "ربِّ اعلیٰ" دیکھ تمہاری بھی داڑھی ہے اور موسیٰ علیہ السلام پیغمبر کی بھی داڑھی ہے۔ وہ بندہ ہے اور تُو خدا۔ کم از کم بندہ اور خدا میں کچھ تفریق تو لازم ہے کیونکہ دونوں کی ایک جیسی داڑھی ہے۔ اس پر فرعون نے حکم دیا کہ میری داڑھی کے ہر بال میں موتی اور جواہر کو پرو دیا جائے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ خُدا (فرعون) کی داڑھی ہے۔ چنانچہ اس کی داڑھی کے ہر بال کو یاقوت و جواہر سے پرو دیا گیا۔ یہاں تک کہ داڑھی کی اصلیت وافادیت بھی مفقود ہو گئی۔

پھر ایک دن ہامان آیا اور اس نے کہا کہ آپ قضائے حاجت کیلئے اتنا دور نکل جاتے ہیں موسیٰ علیہ السلام جو کہ آپ کا دشمن ہے اکیلا پا کر کہیں آپ کو قتل نہ کرا دے۔ فرعون نے اُس کی تجویز کو قبول کرتے ہوئے اپنے گھر ہی میں لیٹرین کا انتظام کر دیا تا کہ باہر نہ جانا پڑے اور کوئی گزند نہ پہنچائے۔ اس سے اس کی دوسری صفت بھی مفقود ہو گئی۔

ایک دن ہامان پھر فرعون سے کہنے لگا کہ آپ سب بچوں اور وزیروزراء سے مل کر اکٹھے کھانا کھاتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام تیرے کسی خاص آدمی کو لالچ دیکر تیرے کھانے میں زہر ڈلوا دے۔ چنانچہ فرعون نے اِس تجویز کو بھی قبول کرتے ہوئے اپنے کھانے پینے کا علیحدہ انتظام کر دیا۔ جب تیسری صفت بھی اُس سے مفقود ہوئی تو کچھ دن بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا اور فرعون کی تباہی کی خوشخبری دی گئی۔ چنانچہ ایسے ہی وقوع پذیر ہوا۔

آخر میں مرشد کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ظاہری شکل و صورت کی اتنی اہمیت ہے کہ فرعون جیسے لعین کو بھی خداوند کریم نے اس بناء پر اتنی چھُوٹ دے رکھی تھی۔ یقیناً اگر وہ ان خوبیوں کو ختم نہ کرتا شاید اس پر عذاب نازل ہی نہ ہوتا۔ اس نقل کی آج بھی وہی اہمیت ہے جو کہ ہزاروں سال پہلے تھی۔ خدا اس دور میں اگر صالحین کی نقل نصیب فرمائے تو بھی مقامِ شکر ہے۔

ایک مرتبہ علاقہ سخی سرور (ضلع ڈیرہ غازیخان) ایک مرید کے ہاں دعوت پر تشریف لائے۔ لوگوں کا جم غفیر موجود تھا کسی کے حسب حال اپنی زبان حقیقت بیان کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی ظاہری شکل و شباہت کا خاص خیال رکھیں۔ یہ بات سچ ہے کوئی محسوس نہ کرے جو داڑھی منڈواتا ہے قیامت کے دن وہ خسرے کی شکل میں اٹھایا جائے گا۔

6:۔ ولی کا مطلب کیا ہے اور اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بنوں شریف میں چند دوستوں کے روبرو فقراء کی خصوصیات پر بحث کرتے ہوئے اپنی زبان مبارک سے ایک شعر پڑھ کر سمجھایا کہ:

؎ دریں دنیا کسے بے غم نباشد　　اگر باشد مگر انساں نباشد

(اس دنیا میں کوئی شخص رنج اور غم سے بے نیاز نہیں ہے ہر شخص کسی نہ کسی غم و رنج میں ہمہ وقت مبتلا رہتا ہے۔ غیر انسان ہو تو اور بات ہے مگر انسان غم و آلام سے آزاد نہیں ہو سکتا۔) آپ نے اپنی زبانِ اطہر کے ساتھ یہ نکتہ بیان فرمایا کہ بے شک عام انسان ہر وقت کسی نہ کسی غم و رنج میں مبتلا رہتا ہے مگر خداوند کریم خاص انسان کیلئے تو برملا قرآن کریم میں یہ اعلان فرماتا ہے کہ ''اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ '(خبردار بے شک انسانوں میں سے جو میرے دوست ہیں انہیں نہ اس دنیا میں کوئی غم ہے اور نہ اس دنیا میں کوئی خوف ہے۔) اب خداوند کریم نے اپنے لطف و کرم سے عام انسان سے جُدا کر کے اپنے دوستوں کو غم و اندوہ سے آزاد قرار دے دیا حالانکہ اولیاء کرام بھی ہیں تو انسان۔ مگر اللہ اللہ کرنے والے انسان۔

؎ فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا　　مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

اس لیے جو ولی اللہ ہیں اور اللہ اللہ کرنے والے لوگ ہیں وہ اللہ کی خاص مخلوق میں شمار ہیں۔ عام مخلوق میں نہیں اور انہیں عام انسان تصور کرنا غلط ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ:

؎ گفت اِینک ما بشر ایشاں بشر　　ماوٴ ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ　　ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

(کفار نے کہا دیکھو! ہم انسان اور یہ بھی انسان ہیں۔ ہم بھی کھاتے پیتے اور سوتے ہیں یہ بھی۔ لیکن حقیقت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یہ نہ جان سکے کہ ہم میں اور اُن میں بے انتہا فرق ہے۔)

دورۂ بارتھی کے دوران بمقام آستانہ عالیہ نالدف بعد از لنگر دوپہر لوگوں کا جمِ غفیر موجود تھا۔ عاشقوں کی آنکھیں اشکبار، چہرۂ اقدس پر جمی ہوئی تھیں کہ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا مخلوق خدا دو طرح کی ہے مسلمان اور کافر۔ پھر مسلمانوں کی تین قسمیں ہیں۔ 1۔عام 2۔خاص 3۔خاص الخاص۔

عام مخلوق تو آنکھوں سے اندھی کانوں سے بہری ہوتی ہے اور اُن کی حیثیت ایک ''بُت'' کی طرح ہے۔ جس کو اپنی جان تک کی خبر نہیں۔ صرف تقلیدی کلمہ پڑھ کر اِسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ رسمی عبادت ادا کرنے، کھانے، کمانے اور سونے کے علاوہ اُن کی زندگی کا کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ علامہ اقبالؒ نے اس گروہ کی یوں نشاندھی کی ہے۔

؎ بُو علیؒ دانندۂ آب و گِل است　　بے خبر از خستگیہائے دل است

(بُوعلی سینا (عام انسان) کی نگاہ صرف پانی اور مٹی والی دنیا تک محدود ہے۔ اسے اسرار و رموز باطنی و احوال قلبی سے کوئی واقفیت نہیں۔)

خاص مخلوق کے زمرے میں اولیاء کرام آتے ہیں کہ جن کے کانوں میں ہمہ وقت روزِ الست کے وعدہ کی صدائے ''قَالُوْا بَلٰی'' (سب نے کہا بے شک تُو ہمارا رب ہے) آرہی ہوتی ہے۔ پہلے وہ اپنے نفس کی حقیقت تک پہنچتے

ہیں۔ پھر عام مخلوق کو یاددہانی کراتے ہیں کہ تخلیقِ انسان کا مقصد کیا ہے؟ وہ کس لئے اس دنیا میں بھیجا گیا ہے؟ خدا اس سے کیا کام لینے کا خواہاں ہے؟ وہ یہ بتاتا ہے کہ زندگی کا مقصد اس عالمِ رنگ وبو کی رعنائیوں میں الجھ کر رہنا نہیں ہے بلکہ اس کا کام تو اس کی گتھیوں کا سُلجھانا ہے۔ اس کی تخلیق کا مقصد اس زمین و آسمان کی تسخیر کے بعد ان کے کاریگر کو براہ راست دیکھنا ہے۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ جسم و جان خدا کی امانت ہیں۔ ان کا صحیح استعمال ان کی امانت داری ہے اور ان کا غلط استعمال ان کی خیانت ہے اور خدا کو خیانت کار اس دنیا میں سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ جس مقصد کیلئے خدا نے تمہیں پیدا کیا ہے اس کو حاصل کرو۔ پھر خداوند کریم انہیں اپنی طرف سے مقام ولایت و محبّت نصیب فرماتا ہے اور اپنے دیدارِ بے مثال سے مشرف فرما کر زُمرہ ''لَا یَحزَنُونَ ''میں داخل فرماتا ہے اور لذت آشنائی کی چاشنی سے بہرہ ور فرماتا ہے۔ بارگاہ خداوندی سے یوں اعلان ہوتا ہے۔ ''خبردار ہر خاص وعام کو معلوم ہونا چاہیے کہ مَیں نے اپنے دوستوں کو دونوں جہاں میں بلا خوف اور بلا غم کر دیا ہے۔ خوف اور غم تو میرے دشمنوں کیلئے ہوتا ہے بے چینی اور اضطراب! بے راہ رَو لوگوں کیلئے ہے۔ میرے دوستوں کیلئے دشمن اور نفس و شیطان کی طرف سے کوئی خوف اور غم نہیں میرے دوست مقام مطمئنہ پر ہوتے ہیں جو کہ میری خاص عنایت ہے۔ صرف اس دنیا میں نہیں بلکہ میدان محشر میں بھی پُرسکون اور بے غم ہوں گے اور میرے محبوب ﷺ کے حضور بحیثیت فوج کے ہیں۔'' فرمان نبوی ﷺ کے مطابق یہ لوگ چاند، سورج اور روشن ستاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خدا سب کو یہ مقامِ ولایت وقربت اور مقام خاص نصیب فرماوے۔ آمین۔

اس کے بعد خاص الخاص مقام، مقامِ نبوت ہے یہ خدا کی خاص الخاص عنایت ہے جس کو چاہا عطا کر دیا۔ خدا سب دوستوں کو مقام خاص عطا فرما کر پیغمبر ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبان حق ترجمان سے لفظ ''ولی'' کی یوں تشریح فرمائی کہ ولی کے معنی دوست کے ہیں۔ کسی عام انسان کا دوست نہیں بلکہ خداوند کریم کا دوست جو ساری کائنات کا خالق اور ''عَلٰی کُلِّ شَیۡئٍ قَدِیۡرٌ'' ہے۔ ایک انسان جب کسی امیر، وزیر یا کسی بادشاہ کا دوست ہوتا ہے تو وہ اس پر فخر کرتا ہے کہ اس کی اتنے بڑے لوگوں تک رسائی ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ میرا مشکل ترین کام بھی ہو تو میں اُن کے توسّط سے کرا سکتا ہوں تو اندازہ فرمائیں کہ جو اللہ کریم کا دوست ہو جو کہ امیر، وزیر اور بادشاہ سبھی کا خالق ہے۔ بلکہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں موجود ہے ان کا پیدا کرنے والا ہے تو کیا اللہ کا دوست یعنی ''ولی'' اپنے دوست (خدا) سے کوئی کام نہیں کرا سکتا۔ کیا اللہ کے اختیارات کی وسعت میں کوئی کمی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یقیناً ایک ولی اللہ ولایت کے منصب پر فائز ہو کر ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ اور اس کی اتنی طاقت ہے یہاں تک کہ اس زمین پر وہ (ولی اللہ) نائب خدا کی حیثیت رکھتا ہے اور جسے ''خَلِیۡفَۃُ اللّٰہِ عَلَی الۡاَرۡض'' کا خطاب ملا ہے۔ یا ''وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا'' کا تاج پہنایا گیا ہے۔

؎ گفتہ ''ناگفتہ'' کُند از فتحِ باب — تا ازاں نئے ''سیخ'' سوزد نئے ''کباب''

(اللہ کی رحمت سے وہ ''کہی'' کو ''اَن کہی'' کر دیتا ہے وہ بھی اس قدر احتیاط سے کہ نہ تیلی جلے اور نہ کباب)

آپ مدظلہُ العالی نے دوستی کے بارے میں ایک عام مثال ارشاد فرمائی کہ ہمارے علاقہ یعنی بنوں میں یہ مثال مشہور ہے کہ ایک ہندو کی کسی مسلمان سے دوستی تھی۔ جب ایک دن وہ ہندو اپنے مسلمان دوست کے گھر آیا تو مسلمان کے گھر گائے کا گوشت پکا ہوا تھا جبکہ ہندو گائے کو ماتا مان کر اس کا گوشت کھانا حرام سمجھتے ہیں۔لیکن اُسی ہندو نے دوستی کی خاطر گائے کا گوشت بھی کھالیا۔اس لئے مثال مشہور ہوئی کہ ہندو نے دوستی کی خاطر گائے کا گوشت بھی کھالیا۔مطلب یہ ہے کہ جب ایک عام انسان دوستی میں آ کر اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے تو خالق دو جہاں کی دوستی کے پاس کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔از روئے حدیث پاک کہ ''جب انسان میرا بن جاتا ہے تو مَیں اُس کا بن جاتا ہوں'' اس کا مطلب ہے کہ جس قدر بھی اس کا مشکل کام ہو خالق کائنات خود اس کی مشکل کُشائی فرماتا ہے۔اس کے بعد قرآن حکیم کی یہ آیات تلاوت فرما کر اس بات کی توثیق فرمائی۔''اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۔ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ۔ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ''۔(یونس 64-62)

آپ نے فرمایا ''یقین کیجئے کہ اس دنیا میں ماسوائے انبیاء کرام، دوسری خدا کی ساری مخلوق اولیاء اللہ کے تابع اور فرمانبردار ہے۔لیکن یہ مقام کسی مقدّر والے کو حاصل ہوتا ہے۔''

اس تذکرہ کی مناسبت سے آپ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ تخت و تاج کو چھوڑ کر وہ اللہ اللہ کرنے جنگل کو چلے۔کئی دِنوں کے بعد ان کے متعلّقین ان کو تلاش کرتے کرتے دریا کے کنارے پہنچے۔وہاں اُن کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنی گدڑی کو سوئی سے سی رہے تھے۔انہوں نے جا کر اُنہیں سمجھایا کہ آپ تو بادشاہ تھے تخت و تاج کے مالک تھے۔یہ کیسی فقیری اختیار کی ہے نہ جسم اپنی حالت پر ہے اور نہ لباس۔اتنے میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سوئی دریا میں ڈال دی اور کچھ دیر بعد حکم فرمایا کہ اَے دریا کی مخلوق! میری سوئی لے آؤ۔یہاں تک کہ دریا کی ساری مچھلیاں اپنے مُنہ میں سوئی لے کر پانی کے کنارے آن پہنچیں تو حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جس وقت میں تخت پر بیٹھتا تھا تو لوگ ڈر سے یا طوعاً و کرہاً میری عزت کرتے تھے اور حکم مانتے تھے مگر اب خداوند کریم نے اتنی طاقت عطا فرمائی ہے کہ انسانوں کے علاوہ دریا کی مخلوق بھی میرے تابع کر دی گئی ہے جس کا مظاہرہ تمہارے سامنے ہوا ہے۔تو ایسی حالت میں مجھے تخت و تاج کی کیا ضرورت ہے۔متعلّقین معافی مانگ کر واپس لوٹ گئے اور اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنا سب کچھ خدا کے حوالے کر دیتا ہے۔بمصداق اس آیت کے ''وَاُفَوِّضُ اَمۡرِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ'' تو اللہ بھی اپنی ساری مخلوق پر اسے تصرّف عنایت کر دیتا ہے۔یہاں تک کہ اللہ کریم فرماتا ہے کہ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔مَیں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، مَیں اُس کے کان

بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ مَیں اُس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔مَیں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔حالانکہ خداوند کریم وجود اور اعضاء سے پاک بے مثل و بے مثال ہے۔مطلب یہ ہے کہ اُس میں خدا کی عطا کی ہوئی طاقت آجاتی ہے۔کیونکہ وہ خدا کو راضی کر کے مقامِ تسلیم و رضا پر فائز ہو چکا ہوتا ہے۔آخر میں آپ نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ترنّم کے ساتھ ارشاد فرما کر دعائے خیر فرمائی۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللّٰہ بود گرچہ از حلقوم عبداللّٰہ بود

(ولی اللہ کی بات خدا کی بات ہوتی ہے۔اگرچہ ظاہری طور پر وہ ایک انسان کے مُنہ سے نکل رہی ہے۔)

آپ کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں مریدوں کے حلقہ میں جلوہ افروز تھے۔زبانِ حال سے ارشاد فرمایا کہ اولیا اللہ کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہیں یا جنّات وغیرہ میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ہم ہی میں سے ہیں۔وہ ہماری ہی طرح کی شکل و شباہت کے مالک ہیں مگر یہ فرق ضرور ہے کہ انہوں نے اصل فرض کو سنبھال لیا جو خدا نے اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اُن کے ذمہ لگایا ہوا ہے۔وہ فرض یہ ہے کہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" اللہ کریم فرماتا ہے کہ مَیں نے جن اور انسان محض اپنی عبادت کیلئے پیدا کئے ہیں۔جس نے اس طرح کیا وہ حقیقتِ خِلقت پا گیا۔جس نے ایسا نہیں کیا وہ ثمرات و خصوصیات خلقت سے محروم رہا یعنی ولی جو شان حاصل کرتا ہے وہ اللہ اللہ کرنے سے ہی حاصل کرتا ہے۔اسی وجہ سے وہ دوسری مخلوق سے ممتاز ہوتا ہے۔اس بات کو آپ نے ایک نہایت عام فہم مثال سے واضح فرمایا کہ لوہے کو جب اتنا گرم کیا جاتا ہے کہ دُور یا قریب سے دیکھنے والے کو آگ یا انگارہ دکھائی دیتا ہے اور اگر کوئی ہاتھ لگائے تو آگ کی طرح جلا ڈالتا ہے۔قریب بیٹھے ہوئے کو آگ کی طرح حرارت دیتا ہے حالانکہ وہ لوہا ہوتا ہے۔جس کی خاصیت جلانے کی نہیں ہے۔مگر آگ میں رکھ رکھ کر اسے سراپا آگ بنا دیا گیا اور سب تاثیرات و خصوصیات آگ کی اُس میں آگئیں۔اسی طرح ایک عام انسان جب اللہ اللہ کر کے اس کی عبادت و محبّت میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے اور آتشِ عشق کی کُٹھیالی میں جل کر کُندن بن جاتا ہے تو تب جا کر اسے مقام ولایت و محبوبیّت حاصل ہو جاتا ہے گو کہ وہ ظاہری طور پر ہمارے جیسا ہے مگر باطن میں وہ خدا کو راضی کر کے اس کا دوست بن چکا ہوتا ہے۔خود مقام قُربت پر ہوتا ہے۔جو بھی اس کی قُربت میں آئے وہ بھی قُربتِ الٰہی حاصل کر کے آتشِ عشق کی حرارت سے ضرور بہرہ ور ہو جاتا ہے۔جس طرح کہ ہر عام انسان آگ کی تپش سے ضرور فائدہ حاصل کرتا ہے۔

موضوع گفتگو کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے تاریخِ اسلام سے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو بطور نمونہ پیش کر کے ان کا یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ ابتداء میں حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ ایک عام انسان تھے۔مگر اللہ کریم جسے چاہے ہدایت دے۔اپنا گھر چھوڑ کر دُور کسی ویرانے میں جا کر یادِ الٰہی و ذکر و فکر میں مشغول ہو گئے۔دو تین دن گزرنے کے بعد اُن کی بیوی نے اُن سے پوچھا کہ آپ روزانہ کہاں جاتے ہیں۔حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ مَیں ایک صاحبِ

حیثیت کے پاس جا کر مزدوری کرتا ہوں اور وہ مجھے معاوضہ اکٹھا دے گا۔ چند دن گزرنے کے بعد بیوی نے حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی کہ گھر پر کھانے پینے کا سامان ختم ہو چکا ہے آج اس شخص سے کچھ رقم لے کر سامان گزران لے آئیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر شام کو خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ بیوی کے پوچھنے پر فرمایا کہ آج اس شخص کو رقم دینے کا وقت نہیں ملا۔ کل ضرور دے دے گا۔ دوسرے دن بیوی نے ایک بوری لا کر دیدی کہ جب وہ شخص رقم دے دے تو اس میں سامان ڈال کر لے آنا۔ آپ بوری اُٹھا کر اِسی ویرانے میں پہنچ کر مصروفِ عبادت ہو گئے۔ شام ہوئی تو دل میں سوچا کہ گھر والوں کو خوش کرنے کیلئے بوری میں درختوں کے پتے ڈال لوں گا۔ جب وہ بھری ہوئی بوری دیکھیں گے ایک لمحہ کیلئے تو خوش ہو جائیں گے۔ آگے اللہ کارساز ہے یہاں تک کہ شام کے وقت بوری پتوں سے بھر کر کاندھے پر رکھی اور گھر چل دیے۔ جب گھر کے دروازے پر آئے تو اَندر سے دُھواں اور قسم قسم کے کھانوں کی خوشبو آ رہی تھی۔ حیران ہوئے کہ مَیں بھُول کر شاید کسی اور کے دروازے پر آیا ہوا ہوں۔ کیونکہ ہمارے گھر میں تو کچھ نہ تھا۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے بیوی آئی پوچھا یہ ہمارا گھر ہے؟ بیوی نے جواب دیا ہاں! اندر آئیے۔ آپ جب تشریف لے گئے بوری ایک جانب رکھ دی اور دیکھا کہ دو تین قسم کے کھانے بچوں کیلئے تیار ہو رہے ہیں۔ بیوی سے پوچھا کہ یہ سامان کون دے کر گیا ہے۔ بولی کہ آپ جس شخص کے پاس کام کرتے ہیں وہی اونٹوں پر مختلف قسم کے سامان سے بھری ہوئی بوریاں پہنچا کے گیا ہے۔ اور اس نے یہ پیغام بھی دیا ہے کہ حبیب صاحب کو سلام دینا اور کہنا کہ مزدوری میں کوتاہی نہ کریں۔ ہم تجھے توقع سے بھی زیادہ مزدوری دیں گے۔ یہ صرف ایک دو دن کی مزدوری ہے۔ پھر اُس سے بھی کہیں زیادہ بھیج دیا جائے گا۔ حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک غیبی اعانت تھی۔ مگر خاموش رہے اور بیوی کو حکم دیا کہ بوری میں جو چیز ہے اِسے جا کر گھر کے صحن میں جو گڑھا ہے اُس میں ڈال دو۔ بیوی نے جا کر جب بوری کا سامان گڑھے میں ڈالنا شروع کیا تو کیا دیکھتی ہے کہ یہ تو سب سرخ و سبز لعل و یاقوت ہیں اور اس قدر قیمتی کہ کسی بادشاہ کے خزانے میں بھی دستیاب نہیں۔ بیوی نے جب آپ کو بتایا تو آپ سجدے میں گرے خدا کا شکر ادا کر کے دوبارہ یادِ الٰہی میں مستغرق ہوئے۔ بیشک "مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" (جس نے خدا پر بھروسہ کیا اُسے خدا ہی کافی ہوا) مگر اس کیلئے ایمان و ہمت چاہیے۔ یہاں پر قصہ ختم کر کے آپ نے فرمایا کہ خدا کے سب انعامات و خزانہ ہائے غیبی اسی مخلوق کیلئے ہیں۔ مگر کوئی اس قابل ہو تو۔ بقول مولانا رومیؒ:

؎ بانگ می آید کہ اے طالب بیا　　　جود محتاجِ گدایاں چوں گدا

(بارگاہِ الٰہی سے ہر وقت یہ آواز آتی ہے کہ اے طالب! میری سخاوت اس طرح آپ کی محتاج ہے جس طرح ایک بھکاری اور فقیر بادشاہ کا محتاج ہوتا ہے۔ تو میرے در پر تو آ پھر دیکھ میں کیا دیتا ہوں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں اولیاءِ کرام کے ہر ایک عضو کا علیحدہ علیحدہ ذکر کرنے کے بارے گفتگو کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ کے ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ ذکرِ خدا کرنا اور یہاں تک کہ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے نعرہ ''انا الحق'' کا لگانا ہر ایک ولی اللہ کو عارضی طور پر حاصل ہوتا ہے اور یہ ولایت کے ابتدائی مقامات ہیں۔ شیخ احمد سرہندی حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ اے برادر بے نہایت در گہیست ہرچہ بروئے می رسی بروئے مائیست

یعنی سالک جس مقامِ قُرب پر پہنچے اِسی پر اکتفا نہ کرے کیونکہ خدا کی بارگاہ میں کوئی مقام آخری نہیں ہے۔ بلکہ جس قدر خدا لامحدود ذات ہے۔ اس کی قربت کے مقامات بھی اسی قدر لامحدود ہیں۔ اس لئے جو شخص جتنا زیادہ کوشش کرے اسی قدر وہ حریم کبریا میں بلند سے بلند تر مقامات پر فائز ہوتا جاتا ہے۔ سالک کو صرف ذکر اَعضائی پر رکنا اور ذکر بالجوارح پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ راہِ فقر میں یہ ابتدائی اور عارضی مقامات ہوتے ہیں۔ خدا سب دوستوں کو عالی ہمت اور نگاہِ بلند عطا فرما کر بلند سے بلند تر درجات سے نوازے۔ آمین۔

1990ء میں آستانہ عالیہ بنوں شریف میں بموقع عید الفطر الہام کی حقیقت بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلا الہام جو اولیاء کرام کو ہوتا ہے وہ الہامِ خواب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی خواب رات کو دیکھا جائے۔ دن کو وہ فی الحقیقت ظاہری صورت میں پیش آئے یعنی خدا اپنے بندے کو ایک واقعہ کا قبل از وقوع مشاہدہ کراتا ہے اسے الہام خواب کہتے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے اوّل ایمان لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض گزار ہوئے کہ یا نبی اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ کے سچے نبی بن گئے ہیں مگر اطمینانِ قلب کے لئے کچھ تو مشاہدہ کرا دیجئے (جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینانِ قلب کیلئے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا تھا)

اس پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اے ابوبکر! گذشتہ رات ملک شام میں جو خواب دیکھا تھا کیا وہ کافی نہیں؟ (اُس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملک شام سے مالِ تجارت لے کر واپس مکہ آ رہے تھے) فوراً صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ قدم بوس ہوئے مطمئن ہو کر خُدا کا شکر بجالائے۔ (انہوں نے خواب یہ دیکھا کہ آسمان پر چاند چار ٹکڑے ہو گیا اور وہ چاروں ٹکڑے زمین پر آ گئے سب سے بڑا ٹکڑا میری جھولی میں آ گیا باقی تین ٹکڑے تین اور آدمیوں کی جھولیوں میں جا گرے جن کو مَیں نہ پہچان سکا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اِسی خواب کی طرف تھا کہ آپ کو میری طرف سے خلافتِ عظمٰی عطا ہو گی۔ باقی تین اشخاص حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

مرشد کریم نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ خواب ''الہامِ خواب'' کے زمرے میں آتا ہے کہ رات کو جو خواب دیکھا دن کو اس کا عملی مشاہدہ ہوا۔ تصوف کی ابتداء بھی الہامِ خواب کی صورت میں ہوتی ہے۔ محفل میں موجود ایک مرید کے خواب کو الہام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ عام خواب نہیں بلکہ خواب الہام ہے۔ دوسرے نمبر پر الہامِ قلب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عالم بیداری میں دل میں جو بھی خیال آئے وہ فوراً وقوع پذیر ہو جائے۔ مثلاً

ایک شخص کی آمد کا دل میں خیال گزرا آنکھ اٹھائی تو سامنے موجود پایا۔ جسے اولیاء کرام ''خواطر قلب'' سے بھی تعبیر فرماتے ہیں۔اسے الہام قلب کہا جاتا ہے۔تیسرے نمبر پر الہام ہاتف ہوتا ہے۔ولی اللہ جو بھی عمل کرنا یا بات کرنا چاہے فوراً خدا کی طرف سے ایک فرشتہ، جسے ''ہاتف غیبی'' کہتے ہیں، راہنمائی فرماتا ہے اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی اطلاع بھی پہنچاتا ہے اور یہ الہام کا سب سے آخری درجہ ہے۔اسی مقام پر ولی اللہ خدا کی خاص رحمت سے ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہ سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔اس سے آگے مقامات مشاہدہ شروع ہو جاتے ہیں جو کشف کے ذیل میں آتے ہیں یعنی جہاں الہام کی انتہا وہاں کشف کی ابتداء ہوتی ہے۔سب سے پہلے کشف مُلک ہے اس سے آگے کشف قبور ہے پھر کشف قلوب اور پھر اس سے آگے کشف لوح محفوظ ہے۔لوح محفوظ وہ چیز ہے کہ جسے خداوند کریم نے قریبی فرشتوں سے بھی پوشیدہ رکھا ہوا ہے اور صرف اسی انسان کیلئے خاص فرمائی اور اس کے سامنے رکھ دی کہ جس پر وہ خود راضی ہو گیا۔ اس کے بعد کشف کی آخری حد کشف مشاہدہ ذات حق ہے۔اور یہ خدا کا بالمشافہ دیدار ہے۔خدا اس قدر حسین و جمیل ہے کہ اگر ایک لمحہ کیلئے اسے کوئی دیکھے تو سو سال تک اس کا نشہ نہیں اتر سکتا۔مگر:

؎ عُنقا شکار کس نشود دام خود باز چیں　　　که ایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

''عُنقا کسی کا شکار نہیں ہو سکتا (یہ مقدر کا کھیل ہے) اس لئے اپنی جال سمیٹ لے کہ اس جال میں اکثر ہَوا ہی شکار ہوتی ہے کوئی طالع آزما جا کر خدا کے پھنسانے میں کامیاب ہو جاتا ہے''۔

اس کے بعد حالت جلال میں آپ مدظلہٗ العالی نے پشتو کے مشہور صوفی شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پڑھا اور اس کا مطلب سمجھایا کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عرش بہت دُور اور ایک بہت بلند مقام پر ہے مگر جب خدا راضی ہو جائے تو پھر ایک قدم بھی نہیں ہے۔فرمایا یہ بتانے کی بات بھی نہیں ہے مگر دوستوں کی حوصلہ افزائی بھی کرنی پڑتی ہے اور سمجھانا بھی پڑتا ہے۔یہ مقام شُکر ہے کہ مجھے عرش کا مشاہدہ ہوا۔اس قدر خوبصورت تھا کہ بیان کرنے سے باہر ہے اور یہ حسین کیوں نہ ہو کہ جسے خدا نے اپنی قیام گاہ بنایا ہے۔تب میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ شبِ معراج سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک عرش کے کس مقام پر لگے ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں ٹھہر کر دیدار خدا کیا ہو گا تو فوراً اشارہ کیا گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی وہ جگہ ہے۔مَیں نے دیکھا کہ قبا (ڈھال) کی طرح کا نشان ہے جس کی زیارت سے خداوند کریم نے ہمیں اپنی رحمت سے نوازا پھر انکشاف فرمایا کہ شب معراج سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عرش معلّیٰ پر جلوہ افروز ہوئے تو عرش کانپنے لگا۔اس کے تین سبب بتائے جاتے ہیں۔ایک یہ کہ عرش پر خداوند کریم کی ہیبت طاری ہو گئی کہ خداوند کریم کا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج میرے اوپر جلوہ افروز ہے۔کہیں کوئی کوتاہی نہ ہو اور مجھ پر خدا کا جلال و قہر نازل نہ ہو۔دوسری یہ کہ عرش خوشی سے ناچنے لگا کہ آج خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے قدم میرے اوپر ہیں اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو سکتی ہے۔تیسری یہ کہ عرش پر اکثر لرزہ طاری رہتا ہے اس لئے کہ وہ خدا سے سب سے زیادہ قریب ہے کہ کہیں کوئی بے ادبی نہ ہو

جائے۔اسی طرح قُرب الٰہی پہ فائز بندے بھی ہمیشہ لرزہ براندام رہتے ہیں اور اولیاء کاملین رات دن بارگاہ ایزدی میں کھڑے گریاں رہتے ہیں کہ خدانخواستہ کوئی کوتاہی سرزد نہ ہو جائے اس لئے کہا گیا (نزدیکاں رابیش بود حیرانی) کہ قربت سے خوف بڑھتا ہے۔(یعنی انتہائی محتاط رہنا پڑتا ہے) خدا سب دوستوں کو مقامِ خوف ورِجا نصیب فرماوے۔

اپریل 1986ء بمقام بہل صوفی عبدالکریم صاحب کے سالانہ عرس پر حاضری دینے کے بعد دوسرے دن محمد اظہر بٹ صاحب بھی آپ مدظلہُ العالی کے ساتھ تھے۔(اور بندہ بھی)۔آپ لیہ کے آستانہ عالیہ صوفی منظور صاحب کے پاس تشریف لائے۔دوسرے روز صبح کے وقت بندہ عرض گزار ہوا کہ باباجی مراقبہ کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ مدظلہُ العالی نے اپنی نگاہِ شفقت سے نوازتے ہوئے درج ذیل دُرِّ بے بہا بکھیرے اور فرمایا کہ مراقبہ کے معنی اپنے گریبان میں جھانکنا اور اپنا احتساب کرنے کے ہیں۔

چنانچہ راہِ فقر میں جب سالک قدم رکھتا ہے۔پہلے اُسے ''مراقبہ محاسبہ'' کرنا ہوتا ہے جو عموماً مغرب یا عشاء کے وقت ہوتا ہے جس میں وہ دن میں کئے ہوئے گناہوں کو دل میں یاد کرتا ہے اور آئندہ کیلئے اُن کے نہ کرنے کا عہد کر کے توبہ کرتا ہے۔حتیٰ کہ اس پر مداومت کی برکت سے اس کا لوحِ دل گناہوں کے زنگ سے بالکل پاک وصاف ہو کر روشن ہو جاتا ہے۔اس میں کامیاب ہونے کے بعد ''مراقبہ کشف مُلک'' شروع کرتا ہے یعنی وہ جس علاقے یا جگہ کی طرف آنکھیں بند کر کے توجہ کرتا ہے چونکہ اس کا دل آئینہ کی طرح گناہوں سے بالکل صاف ہوتا ہے۔اس کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا لئے جاتے ہیں اور پوری دنیا کا عکس اس کی نگاہوں کے سامنے آموجود ہوتا ہے۔چنانچہ وہ کہیں بھی بیٹھا ہو ہر شئے اس کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے۔اس میں کامیابی کے بعد پھر وہ ''مراقبہ کشف قبور'' کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔چنانچہ جس قبر کی طرف وہ توجہ کرتا ہے اس کا سارا حال اس کے سامنے مِن وعَن پیش ہو جاتا ہے۔کہ اس پر خوشی ہے یا عذاب۔یہ صاحبِ قبر عام ہے یا خاص۔سب وہ اپنی دل کی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے۔یہاں تک کہ اگر چاہے تو اس میں تصرّف بھی کر سکتا ہے۔اس مراقبہ میں کامیابی کے بعد وہ ''مراقبہ کشف قلوب'' کی طرف گامزن ہوتا ہے۔یعنی جو شخص اس کے پاس آتا ہے وہ اس کے دل کی طرف توجہ کر کے اس کے دل کا سارا حال معلوم کر لیتا ہے۔اگر بوقت ضرورت چاہے تو اس کا ارادہ اس پر منکشف بھی کر سکتا ہے۔اس کے بعد وہ اوپر کی طرف نگاہ دوڑاتا ہے یہاں تک کہ اسے ''مراقبہ کشف لوحِ محفوظ'' نصیب ہو جاتا ہے۔وہ ازل سے ابد تک لوح محفوظ پر لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے۔یہاں تک کہ جو بھی اس کے پاس آتا ہے یا بیعت کرتا ہے اس کے احوال کی درستی، لوحِ محفوظ میں کر لیتا ہے۔یعنی بد بخت یا شقی کی بجائے تصرّف کر کے سعید لکھواتا ہے۔بقول اقبالؒ:

؎ خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خُدا بندے سے خُود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اِس مقام پر آپ مدظلہُ العالی نے یہ تصریح بھی فرمادی کہ جس انسان کو کشف لوح محفوظ حاصل نہیں اسے مرید رکھنا

جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ ان کی بھلائی کیلئے لوح محفوظ میں ردوبدل ہی نہ کر سکے تو مرید بنانے کا فائدہ کیا۔ اس لئے مرید بنانا تو آسان کام ہے مگر اس کی ذمہ داری لینا بہت مشکل کام ہے۔ آج کل کے پیر اس لئے باعث ننگ ہیں کہ وہ اس قسم کے تصرّفات سے محروم ہیں اور یہ حاصل ہوتا ہے محنت سے! جبکہ آج کل صاحبزادگان نے پیری مریدی کو وراثت سمجھا ہوا ہے۔

کشف لوح محفوظ کے بعد آپ نے ایک اور مقام کی طرف نشاندھی فرمائی ہے۔ جسے ''کشف مشاہدہ حق'' کہتے ہیں۔ یعنی اس سے آگے صرف ذاتِ الٰہی کی معرفت اور مشاہدہ رہ جاتا ہے۔ سالک اس مقام پر پہنچ کر ذاتِ الٰہی کی طرف متوجّہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ذاتِ الٰہی سراپا انوار وتجلّیات ہے۔ اس لئے سالک پر جب تجلّیات وانوار کا وُرود شروع ہوتا ہے تو وہ ذات حق میں فنا ہو کر سراپا انوار وتجلّیاتِ حق بن جاتا ہے۔ اُس وقت جو بھی لفظ اس کے منہ سے نکلے وہ اس کا نہیں بلکہ خدا کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی مقام پر پہنچ کر حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے ''اَنَا الْحَقّ'' بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''سبحانی مااعظم شانی'' اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''نیست اندر جُبّہ ام اِلا خدا'' پھر اس کا یہ قول وفعل خدا ہی کا بن جاتا ہے۔ اس پر اعتراض کرنا ناجائز اور کم فہمی ہے۔ بقول مولائے رومؒ:

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر و شِیر

(پاک لوگوں کے کام اپنے جیسے خیال نہ کر جس طرح لکھنے میں شیر (جانور) اور شیر (دودھ) ایک جیسے ہیں مگر حقیقت جُدا جُدا۔)

فرمایا کہ اس مقام سے ہر ایک ولی اللہ گزرتا ہے۔ مگر جس میں ضبط اور قوّتِ جذب ہے تو وہ آگے گزر جاتا ہے اس مقام کو ''بقاباللہ'' کہتے ہیں۔ یہاں سے وہ اصلاح عوام پر اتر آتا ہے۔ آپ نے مزید اشارہ فرمایا کہ جو اِن تجلّیات کا متحمل نہ ہو سکا وہ یا تو مجذوبیت اختیار کر گیا یا منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سُولی چڑھ گیا اس لیے مجذوب یا ابدال بننا کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر ولی بن کر پیری مریدی کرنا بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ اسے بیک وقت خدا اور مخلوق دونوں سے تعلّق رکھنا پڑتا ہے۔ آخر میں آپ مدظلہُ العالی نے سب گفتگو پر یہ مُہر تصدیق ثبت کر دی کہ یہ سب مدارج مقام فنافی الشیخ سے شروع ہوتے ہیں۔ یعنی اِن مدارج کا دروازہ یا کنجی مقامِ فنافی الشیخ ہے۔ کیونکہ شیخ کامل ہی کی پشت پناہی اور دِلی دعا سے یہ مقامات طے ہو سکتے ہیں۔ وگرنہ نفس وشیطان کی واردات سے انسان ہرگز نہیں بچ سکتا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے مریدوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ فقر وولایت کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی بارگاہ میں ولایت، حقیقی اور بقا کا شعبہ ہے اور باقی سب فنا ہونے والے ہیں۔ پھر اس محکمہ ولایت میں دنیاوی حکومت کے منصبوں کی طرح جس طرح ایک سپاہی ہوتا ہے۔ پھر تھانیدار، ایس۔ ایچ۔ او! عدالتیں دیوانی اور فوجی وغیرہ اسی طرح ولایت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولایت صغریٰ اور دوسری ولایت کبریٰ۔ ولایتِ صغریٰ میں درج ذیل مدارج ہیں۔

1۔ابرار 2۔اخیار 3۔اسرار 4۔ولایت صغریٰ کی آخری ڈگری قیومِ زماں ہے جسے مجدّدبھی کہتے ہیں اس کے بعد ولایت کبریٰ کا مقام شروع ہوتا ہے۔اس کے ذیل میں درج ذیل مدارج ہیں۔

1۔ابدال 2۔اوتاد 3۔قطب 4۔غوث 5۔غوثِ زماں۔ولایت کبریٰ کی آخری ڈگری غوثِ زماں ہے جنہیں علوم انبیاء سے وافر حصہ ملنے کے ساتھ ساتھ مقامِ محمود سے بھی حضور نبی کریم ﷺ کے طفیل مستفید ہونے کی سعادت میسّر ہوجاتی ہے۔ان میں سے ہر درجے والے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے ماتحت ہوتے ہیں۔لیکن غوث زماں سب سے بلند مقام پر ہوتا ہے۔غوث زماں پر چالیس ہزار قسم کے انوار وَارد ہوتے ہیں اوران کے ماتحت چار غوث ہوتے ہیں۔ہرایک غوث پر سولہ ہزار قسم کے اَنوار آتے ہیں۔اور ہرغوث کے ماتحت چار قطب ہوتے ہیں ہرقطب پر چار ہزار قسم کے انوار آتے ہیں اور ہر قطب کے ماتحت متعدداوتاد ہوتے ہیں پھر درجہ بدرجہ اَبدال، قیوم زماں، اَسرار، اَخیار، اَبرار اور سب سے آخر میں ولی ہوتے ہیں جن پر بھی اپنی حیثیت کے مطابق اَنوار آتے ہیں ایک مرتبہ غوث کی تعریف پر آپ نے یوں روشنی ڈالی کہ ایک مرتبہ ہمارے حضرت صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ غوث کی کیا تعریف ہے توانہوں نے فرمایا کہ غوث کی تعریف ہے ''چشمہ'' جس طرح چشمہ بہہ رہا ہوتا ہے۔جس قدر مخلوق اسے پیے اس پر کچھ اثر نہیں پڑتا اس طرح غوث بھی لوگوں کو فیض یاب کرتا ہے۔مگراس کی حالت برقرار رہتی ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد نماز عشاء وذکروفکر سب دوستوں کے چلے جانے کے بعد آرام کیلئے لیٹے ہوئے تھے کہ فرمایا اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاص مخلوق کئی قسم کے روپ میں باطنی تصرّفات سرانجام دیتی ہے۔مگران میں سے جوسب کا منتظم اعلیٰ اور کنٹرولر ہے وہ غوث زماں ہے۔غوث زماں میں زمانے کے باطنی تصرفات، ظاہری بے داغ کردار، پُرسکون محفل، چہرے کی کشش اور شرعی نشست وبرخاست کے علاوہ تین اور بنیادی نشانیاں بھی ہوتی ہیں۔سب سے پہلے وہ عقائد کے لحاظ سے اہل سنت والجماعت سے متعلّق ہوں گے۔دوسرے نمبر پراُن کی داڑھی مبارک عموماً ایک بالشت سے لمبی ہوتی ہے۔تیسرے نمبر پراُن کی داڑھی مبارک درمیان میں تقسیم ہوگی یعنی دوحصوں میں تقسیم ہوگی اور یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نقشہ ہے۔کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات ''فارق حق وباطل'' تھی اورغوث زماں بھی دنیا میں بے باکی، زور بیان اورزورِتصرفات سے لوگوں کے سامنے حق وباطل کوحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح علیحدہ کرکے پیش کرتا ہے۔وہ باطل کیلئے نشتر،حق وصداقت کا پیکر اور صراط مستقیم کا علم بردار ہوتا ہے۔(یہ تمام نشانیاں الحمدللہ آپ مدظلہٗ العالی میں موجود ہیں)

اولیاءاللہ کی چار قسمیں

بستی آدم (ضلع مظفرگڑھ) سے واپسی پر آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبان مبارک سے گُل اَفشانی فرماتے ہوئے اولیاءاللہ کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں جوکہ اربعہ عناصر کی تاثیرات کے مطابق ہیں۔

1:۔جلالی فقیر: جلالی فقیر ہروقت جلال میں ہوتا ہے۔تھوڑی سی غلطی جوکسی مرید یا عام صحبت والے آدمی سے

سرزد ہو درگزر نہیں کرتا اور فوراً جلال میں آجاتا ہے جس سے مرید کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اس کی محفل میں انتہائی محتاط رہنا پڑتا ہے۔ یہ برقدم موسیٰ علیہ السلام ہے۔

2:۔ بادی فقیر: یہ ہر وقت اپنے حال میں مست ہوتا ہے۔ مقامِ فخر پر فائز ہوتا ہے اور ہوا میں اڑتا رہتا ہے۔ اس کو ''انسان'' صرف ''صحیح آدمی'' نظر آتا ہے۔ یہ برقدم حضرت ابراہیم علیہ السلام ہے۔

3:۔ جمالی فقیر: یہ ٹھنڈے مزاج کا مالک ہوتا ہے۔ یہ چھوٹی بڑی اکثر کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ انتہائی چشم پوشی اور درگزر سے کام لیتا ہے۔ لہٰذا مریدوں کیلئے نہایت مفید ہوتا ہے۔ یہ برقدم سلیمان علیہ السلام ہے۔

4:۔ خاکی فقیر: یہ اپنے آپ کو ہر وقت مٹی کے برابر سمجھتا ہے۔ خاکساری، تواضع اور عجز وانکساری کا پیکر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے مرید کو کاندھے پر اٹھانے سے بھی عار محسوس نہیں کرتا۔ مزید یہ کہ حضرت محمد ﷺ کی طبیعت بھی خاکی تھی اور یہ سب سے افضل مقامِ ولایت ہے۔ یہ برقدم حضرت محمد ﷺ ہے۔ بقول بہادر شاہ ظفرؒ:

؎ نہ تھی حال کو جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہاں میں کوئی بُرا نہ رہا

؎ کمتر از کم شو اگر داری خبر ایں طریق کاملا نست ائے پسر (شیخ عطارؒ)

(ہر ادنیٰ انسان کے سامنے تُو خاک بن جا کیونکہ قربتِ الٰہی کے لحاظ سے کامل ترین لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔)

آخر میں آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ آج کل جو صاحبزادگان ہیں وہ باپ دادا کی کمائیوں پر بغیر علم ومحنت کے قابض ہو گئے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ فقر کے حروف ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اس لئے اُن لوگوں نے فقر کے صاف وشفاف پانی کو انتہائی گدلا کر کے رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے کر صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ کیونکہ فقر میں غلامی اور خدمت کے بغیر محرومی ہے ہی نہیں۔ اور صاحبزادگان کو ان چیزوں کے نام تک کا پتہ نہیں ہے۔ صاحبِ حال بننے کیلئے شرط ہے کہ:

ع زیر پائے کاملے پامال شو (رومیؒ)

(صاحب حال بننے کیلئے کسی مردِ کامل کی جان توڑ خدمت کر)

بطور مثال ارشاد فرمایا کہ رئیس التابعین، ولی کامل، حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک دن اپنے مریدوں کے ساتھ راستے میں جا رہے تھے کہ ایک خاکروب عورت جھاڑو دیتی ہوئی آپ کے سامنے آکر اپنے جھاڑو کی طرف اشارہ کرتی ہوئی کہنے لگی کہ خواجہ صاحب آپ کی داڑھی بہتر ہے یا میرا یہ جھاڑو؟ مرید ذرا مشتعل ہونے لگے مگر خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے تحمل سے عورت کو قریب بلا کر سمجھایا بی بی! مرتے وقت اگر مجھے کلمہ طیبہ نصیب ہوا تو میری داڑھی اچھی ہوگی کہ یہ بہشت کو جائے گی اور آپ کے جھاڑو کو یہ چیز نصیب نہیں۔ اگر مرتے وقت مجھے کلمہ طیبہ نصیب نہ ہوا تو پھر آپ کا

جھاڑو بہتر ہوگا کہ اس کیلئے تنکے تنکے ہونے کے بعد نہ دوزخ ہے اور نہ کوئی باز پرس ہے۔ اس مُدلّل جواب پر مریدان حیران رہ گئے۔ اس عورت نے اپنی گستاخی کی معافی مانگ کر قدم بوسی کی اور خاص عقیدت مندوں میں شامل ہوگئی۔ مرشد کریم نے ارشاد فرمایا کہ صاحب طریقت فقیر کو ایسے ہونا چاہیے۔ اسے غصہ آتا ہی نہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مخلوق کو حقیقت کی خبر بہت کم ہے۔ دیگر یہ کہ وہ پیار و محبّت اور خلوص دل سے عوام الناس کا دل موہ لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے کہ علاقہ فورٹ منرو (ضلع ڈیرہ غازیخان) سے بہت سے دوست آپ کی قدم بوسی کیلئے حاضر ہوئے۔ بعد از احوال پُرسی خوش ہو کر ارشاد فرمایا کہ جو شخص محض خدا کیلئے اور کسی نیکی کے ارادے سے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو اس کو خدا کی بارگاہ میں تین انعامات دیئے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ اللہ کریم کی طرف سے اس پر انوارِ رحمت کا نزول ہونا شروع ہو جاتا ہے تا وقتیکہ وہ واپس اپنے گھر پہنچ جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ خدا کی طرف سے خاص فرشتے اس کی حفاظت کیلئے مقرر کر دیئے جاتے ہیں، جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے رکھتے ہیں اور ہر تکلیف سے اسے بچاتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ وہی ملائکہ بارگاہ خداوندی سے اس کی معرفت کیلئے دعا کئے رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس ارادے کی تکمیل کر کے واپس لوٹ جاتا ہے۔

صرف ایک نیک ارادے کے طفیل خدا کی بارگاہ میں اس قدر پذیرائی اور صلہ مل جاتا ہے۔ تو پھر جب ایک انسان نیک اعمال کا نمونہ بن کر عملی کردار کا مظاہرہ کرتا ہے تو معلوم نہیں کہ خداوند کریم اسے کیا کیا انعامات سے نوازتا ہے۔ کوئی آنکھ والوں ہی سے پوچھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سارے دوستوں کو اچھا ارادہ، اچھی نیت اور اچھے، سچے اعمال کی توفیق عطا فرما کر چشمِ حقیقت عطا فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں تشریف فرما تھے۔ ذکر کرنے کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبان پُر انوار سے فرمایا کہ ولی اللہ آسمان سے نہیں آتا اور نہ کسی اور مخلوق سے تعلّق رکھتا ہے۔ بلکہ وہ ہم ہی میں سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر خدا کے راستے اور اس کی رضا کیلئے جو محنت کرتا ہے اسے یہ درجہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اس بات کو آپ مدظلہٗ العالی نے ایک مثال سے واضح فرمایا کہ ''جس طرح ایک پہاڑ ہے۔ اس میں ہر پتھر موتی نہیں ہوتا۔ بلکہ شاذ و نادر کوئی ایک پتھر موتی ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح ساری مخلوق بھی اس دور میں مقامِ ولایت تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ کوئی ایک جا کر اس میدان کا شہسوار بنتا ہے۔ مزید آپ نے ولی اللہ کی صحبت اور اس کے قریب بیٹھنے کے اثر کو یوں بیان فرمایا کہ پتھروں میں کوئی ایک پتھر ایسا ہوتا ہے کہ جسے جا کر لوہے کے ڈھیر سے کوئی مس کرے یا رگڑے تو وہ سارا لوہا! سونا بن جاتا ہے۔ جسے ''سنگِ پارس'' کہتے ہیں۔ ولی اللہ بھی ''سنگِ فراز'' کی طرح ہے۔ جو بھی اس کے قریب آیا اور صحبت اختیار کی، وہ بھی ولایت کے رنگ میں رنگ گیا۔ آخر میں آپ مدظلہٗ العالی نے مولانا رومیؒ کا یہ شعر پڑھ کر دعائے خیر فرمائی۔

؎ یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

(اللہ کے ولی کی صحبت میں اگر ایک لمحہ گذرے تو وہ سو سالہ بے ریا (یعنی خالص) عبادت سے افضل ہے۔)

کیونکہ ولی اللہ کی محفل نفس وشیطان کے وساوس ودخل اندازی سے محفوظ و مامون ہے۔اس لئے جو بھی یہاں آتا ہے وہ بھی نفس وشیطان اور دنیاوی خیالات و پریشانیوں سے مکمّل چھٹکارا حاصل کرتا ہے۔اس کے دل میں صرف اور صرف خدا اوراس کے رسول ﷺ کی یاد آتی ہے۔اس لئے یہ لمحہ دوسرے اوقات سے جبکہ نفس وشیطان ہر وقت اسے اپنے پنجے میں جکڑے رہتے ہیں، صد درجہ بہتر ونفع بخش ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بارتھی میں تشریف فرما تھے۔اولیاء اللہ سے نسبت اور قُربت کے بارے میں باتیں ہورہی تھیں۔فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے سامنے دو دُنبے لڑ رہے تھے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوش طبعی میں آکر عرض کی حضور! کونسا دُنبہ جیتے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو ہماری طرف ہے۔چنانچہ ایسے ہی ہوا۔

اِس پر مرشد کریم مدظلہُ العالی نے مزید ارشاد فرمایا کہ اِس پُرفتن دور میں جو اولیاء کرام کے قریب ہے جیت اُسی کی ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بنوں شریف میں زیارتیوں کا ایک قافلہ گیا تو آپ مدظلہُ العالی ان کے جذبہ اور جوش کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ارشاد فرمایا کہ خدا کی رحمت تو بے انتہا ہے۔وہ ساری دنیا کو اپنی رحمت میں لے سکتا ہے۔آپ کو مبارک ہو کہ ولی اللہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک ذاتی، دوسرا صفاتی۔

ذاتی ولی اللہ وہ ہوتا ہے جو اپنی ریاضات وعبادات اور محنت ومشقّت سے گزرتے ہوئے فضل خداوندی سے ہم کنار ہوتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ اسے مقامِ استقامت عطا فرما کر اپنی دائمی آغوش رحمت میں لے لیتا ہے۔

صفاتی ولی اللہ وہ ہوتے ہیں جو مذکورہ بالا ذاتی ولی اللہ کے محبّین اور عاشق ہوں اور حلقہ غلامی میں موجود ہوں۔تو وہ بھی اُن کے طفیل قیامت کے دن اولیاء اللہ کے گروہ میں اٹھائے جائیں گے۔یعنی وہ طفیلی ہوئے۔کیونکہ وہ زندگی میں اُن سے محبّت اور ان کی محفل کو دل وجان سے پسند کرتے تھے۔یہ اُن کی صُحبت کا پھل ہوتا ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ وہ صادقین کی صحبت کے صلہ کو ضائع نہیں کرے گا۔قیامت میں بھی اُن کی صحبت انہیں عنایت فرماتا ہے۔جو کہ ایک نعمت عظمیٰ ہے۔کیونکہ رسول خدا ﷺ جب کسی اصحابی رضی اللہ عنہ پر خوش ہوتے تو فرماتے کہ مانگ! تو وہ عرض کرتے یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان! جس طرح اس دنیا میں آپ ﷺ کی صحبت حاصل ہے قیامت کے دن بھی صرف آپ ﷺ کی صحبت ہی مانگتے ہیں۔اس لئے ایک ولی اللہ کی صحبت دونوں جہانوں میں ایک انمول نعمت ہے جو صاحبِ بصیرت لوگوں کو معلوم ہے۔اسی بناء پر مولانا رومیؒ نے فرمایا:

؎ ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا اُو نشیند در حضورِ اولیاء

(جو خدا کے ساتھ بیٹھنا چاہے وہ اولیاء اللہ کے پاس جا کر بیٹھ جائے)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ لیہ میں تشریف فرما تھے کہ بے شمار زائرین حاضرِ خدمت تھے۔ ارشاد فرمایا کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ پشتو کے ایک شعر میں فرماتے ہیں اگر ایک شخص دریا میں کشتی پر سوار ہے اور وہ اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا تو قصور اُس شخص کا ہے نہ کہ دریا کا۔ اِسی طرح اِس دنیا میں خدا کی رحمت سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مار رہی ہے۔ مگر بدقسمت اِس سمندرِ رحمت میں ہوتے ہوئے بھی اِس نعمت لازوال سے محروم رہ جاتا ہے تو قصور بندے کا ہے۔

اِس لئے اِس دنیا میں خدا کی رحمت عام ہے۔ مگر اسے حاصل کرنے والا اور مانگنے والا کوئی نہیں اور جن لوگوں نے اس بحرِ رحمت سے اپنی پیاس بجھائی اور عرفان حاصل کر کے دلی سکون حاصل کرلیا۔ اس قلیل سی مدت کی قدر کی۔ اس امانتِ زندگی میں خیانت نہیں کی تو ان باخبر لوگوں کو ہم درویش کہتے ہیں اور انہی لوگوں کا راستہ ہی حقیقت و معرفت کا راستہ ہے۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ مگر اس راہ پُر سُرور پر گامزن ہونے کیلئے مخلص بننا بھی لازم ہے۔ یہ مقام مقامِ اخلاص ہے۔ خدا کی رحمت قیمت سے نہیں بلکہ اخلاص سے مانگی اور خریدی جا سکتی ہے۔ مقامِ درویشی، وہ ارفع واعلیٰ مقام ہے کہ خدا خُود اِن خرقہ پوشوں سے محبّت فرماتا ہے۔ خدا سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک دن آپ مدظلہٗ العالی تونسہ موڑ نزد کوٹ ادو ایک مرید کے ہاں دعوت پر تشریف لے گئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ جامع مسجد تونسہ موڑ نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں سے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ولی (دوست) کے ساتھ دوستی رکھنا خدا کے ساتھ دوستی رکھنا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ فقیروں اور درویشوں کی محبّت بہشت کی چابی ہے۔ بقول شیخ عطارؒ:

؎ حُبِّ درویشاں کلیدِ جنت است　　دُشمن ایشاں سزائے لعنت است

(درویشوں کی محبّت بہشت کی چابی ہے اور ان کے دشمن پر خدا کی لعنت برستی ہے۔)

نیز ولی اللہ جب زمین پر چلتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ ابھی تو مَیں زمین کے اوپر قدم رکھ رہا ہوں مگر معلوم نہیں کہ کس وقت مجھے اس کے نیچے سونا ہے اور اس مٹی کے ساتھ مٹی ہونا ہے۔ یعنی ہر وقت موت سے ڈرنے کی وجہ سے اس میں انتہائی درجے کا عجز ہوتا ہے۔ اس لئے:

؎ کم تر از کم شَو اگر داری خبر　　کایں طریقِ کاملانست اے پسر

(یعنی ہر ادنیٰ انسان سے اپنے آپ کو کم سمجھ کیونکہ کامل لوگوں کا یہی طریقہ ہے۔) مزید فرمایا:

؎ چوں شوی تُو دُور از حضورِ اولیاء　　در حقیقت دُور گشتی از خدا

(یعنی جب تو اولیاء کرام سے دور ہوا تو حقیقت میں خدا کی بارگاہ سے دور ہو گیا۔)

اس لئے اولیاء کرام کی غلامی میں آجاؤ اور اُن سے فیض حاصل کرو کیونکہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت پر ایسا وقت آئے گا کہ رات کو جب سوئیں گے تو صاحب ایمان ہوں گے اور صبح اٹھیں گے تو ایمان سے خالی ہوں گے۔ آخری وقت آ گیا ہے۔ جتنا ہو سکے خدا کو یاد کرو اور پیروئ سنت اختیار کرو۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ ہر مقصد کو حاصل کرنے کا ایک طریقہ ضرور ہوتا ہے۔ اسی طرح ولایتِ الٰہی حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے جو نفس کو ختم (مغلوب) کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر دنیا کے تمام اولیاء اللہ کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہی چیز سامنے آئے گی کہ انہوں نے ریاضات و مجاہدات سے اپنے نفوس کو مغلوب کیا۔ تب جا کر ولایتِ الٰہی کے مقام پر پہنچے۔ کیونکہ معرفتِ الٰہی دولت، طاقت اور خوبصورتی سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ دولت لازوال صرف اپنے نفس کو پامال کر کے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ بقول حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ:

؎ تا نزِ جاروبِ ''لا'' نہ روبی راہ　　نہ رسی در سرائے ''الا اللّٰہ''

(جب تک تُو اپنے نفس پر نفی کی تلوار نہ چلائے اس وقت تک اثبات (خدا) کو نہ پہنچ سکے گا۔)

از روئے حدیث بھی یہی چیز سامنے آتی ہے۔ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' (جس نے اپنے نفس کو جانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔) خداوند کریم عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک مرتبہ ڈیرہ غازیخان شہر میں آپ مدظلہُ العالی کی دعوت کا پروگرام تھا۔ بہت زیادہ مخلوق زیارت کیلئے اکٹھی تھی۔ بعد از زیارت آپ نے لوگوں کو از راہِ نصیحت ارشاد فرمایا کہ جہاد میں مسلمان بھی تلوار چلاتا ہے اور دشمن بھی اپنی حیثیت کے مطابق تلوار چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ جب تک مجاہد تلوار چلا کر مقابلہ نہ کرے اس وقت تک نہ جنگ ہے اور نہ فتح ہے۔ یعنی مقابلہ کرنے ہی سے فتح وشکست، جوانمردی و نامردی کا پتہ چلتا ہے۔ آخر کار ایک کو ناکامی اور دوسرے کو کامیابی نصیب ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر انسان کے خلاف ہر وقت نفس اور مخلوق کی لڑائی اور مقابلہ ہے۔ یعنی کارزارِ حق و باطل جاری ہے اور جب تک یہ مقابلہ نہ ہو اس وقت تک معرفتِ الٰہی کے میدان میں کامیابی و کامرانی بھی ناممکن ہے۔ معرفت و حقیقت صرف اسی کیلئے ہے جو سینہ سپر ہو کر باطل سے مقابلہ کر کے اُسے سرنگوں کر دے۔ اسی بات پر زور دیتے ہوئے پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہم اب جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹتے ہیں۔ یعنی جہاد بالنفس اصل جہاد ہے اور افضل جہاد ہے۔

نبوت کا تو دروازہ بند ہو چکا ہے۔ مگر ولایت کیلئے جو بھی ہمت کر کے جہاد بالنفس اور مخلوق کے شر کے خلاف مقابلہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لے وہی مقامِ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے۔ جب تک ایک طالب ان چیزوں کا مقابلہ نہ کرے اس وقت تک وہ بارگاہِ الٰہی میں مقامات و مدارج بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ مقامات صرف اس انسان کیلئے ہیں جو امتحانات اور نفس و شیطان کے مقابلے میں پورا پورا اُترے۔

؎ نامی کوئی بغیر مشقّت نہیں ہوا　　سو بار عقیق کٹا تب نگیں ہوا

علاّمہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ بدریا غلط و با موجش در آویز　　حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

(دریا میں کود کر اُس کی موجوں سے الجھ جا۔ کیونکہ ہمیشہ کی زندگی باطل کے ساتھ برسرِ پیکار رہنے میں ہے)

خدا سب دوستوں کو یہ جذبہ یہ صبر اور راہ فقر میں یہ استقامت نصیب فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں قبول فرمائے۔ آمین۔

بستی آدم میں آپ چند مریدوں کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب خداوند کریم نے ''نفس'' کو پیدا فرمایا تو اس سے پوچھا تُو کون ہے؟ اور مَیں کون ہوں؟ نفس نے جواب دیا کہ خدایا! تُو تُو ہے اور مَیں مَیں ہوں۔ اللہ کریم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اِسے دوزخ کے اس طبقے میں ڈال دیں جس میں سب سے زیادہ دہکتی ہوئی آگ ہو۔ ہزار سال بعد اللہ کریم نے اُسے بلایا اور اپنے سامنے کر کے پوچھا۔ تُو کون ہے؟ جواب دیا کہ خدایا تُو تُو ہے اور مَیں مَیں ہوں۔ پھر اللہ کریم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے جہنّم کے اس طبقے میں ڈال دیں جو سب سے زیادہ سرد ہو۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ہزار سال بعد پھر خداوند کریم نے اُسے بلا کر پوچھا کہ بتا تُو کون ہے؟ جواب دیا خدایا تُو تُو ہے اور مَیں مَیں ہوں۔ پھر اللہ کریم نے حکم دیا کہ اسے جہنّم کے اس طبقے میں لے جا کر ڈال دیں جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو۔ فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔ تھوڑی سی مدت ہی گزری کہ نفس پریشان ہو گیا اور معافی مانگ کر اللہ اللہ کرنے لگا۔ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے پھر میرے پاس لاؤ۔ جب سامنے آیا تو اللہ نے پھر وہی سوال کیا۔ کہ تُو کون ہے؟ نفس نے فوراً جواب دیا خدایا میں عاجز، ناقص اور تیری مخلوق ہوں۔ تُو آقا ہے اور مَیں تیرا تابع فرمان بندہ ہوں۔ تُو ہی سب کچھ ہے مَیں کچھ بھی نہیں۔ اس پر اللہ نے فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا یہ نفس جو کہ ہر انسان میں مَیں نے اپنی قدرت سے ڈال دیا ہے۔ یہ اس وقت تک میری تابعداری اور اپنی ہار نہیں مانے گا جب تک کہ اسے بھوکا اور پیاسا نہ رکھا جائے۔ اسے ہر قسم کی سزا دی گئی اسے پرواہ تک نہیں ہوئی۔ جب بھوکا اور پیاسا رکھا گیا فوراً اپنی ہار مان کر مجھے اپنا خالق اور خود کو مخلوق تسلیم کیا۔ اس طرح انسان بھی جب تک اسے یہی سزا نہ دے وہ اس وقت تک میری قربت اور دوستی کا دم تک نہیں بھر سکتا۔ میری دوستی اور میری قربت صرف وہی انسان حاصل کر سکتا ہے جو خلافِ نفس اور تہذیبِ نفس کرے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ خدایا تیری ملاقات اور دیدار حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ جواب آیا ''دَعْ نَفْسَکَ وَ تَعَال''۔ یعنی اپنے نفس کی رفاقت چھوڑ دے پھر (بلا حجاب) میری طرف آجا۔ تب صرف ایک تُو اور ایک مَیں ہوں گا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ پس قیامت شو قیامت را ببیں ۔۔۔ دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں

(مرنے سے پہلے اپنے نفس کو مار دے۔ تب تُو ہر چیز کو بلا حجاب دیکھ سکے گا)

پھر آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اگر نفسِ انسان خدا کو تسلیم کرے۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ تصدیق بالقلب (دل وجان سے تسلیم) کرے تو ولایت کا حقدار بن جاتا ہے۔ وگرنہ ''کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ'' جانوروں کی

طرح بلکہ اُن سے بھی ذلیل تر، کمتر اور خوار ہے۔ نفس کی پیروی کر کے انسان اس کیڑے کی مانند ہو جاتا ہے جو گندی نالیوں میں رہتا ہے یا مکھی کے مقام پر آ جاتا ہے جو ہر وقت گندگی کے ڈھیر پر رہتی ہے اور ذلیل وخوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نفس کی تابعداری سے بچا کر خدا اور رسول ﷺ کی تابعداری نصیب فرمائے۔ مرشد اور رہنما کا کام سمجھانا ہوتا ہے۔ آگے قسمت والے فائدہ اٹھاتے ہیں اور باقی رہ جاتے ہیں۔ خدا سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ طریقت دیتے ہوئے حاضرین کو سمجھایا کہ ولایت کے حصول کیلئے انسان کو سخت مجاہدے اور ریاضات سے گزرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ کی معرفت سے بڑا اور کوئی خزانہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے حصول کیلئے بھی اتنی ہی محنت ومشقّت درکار ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا اور چارپائی پر لیٹنا پھر معرفتِ الٰہی کی تمنا رکھنا سراسر بیوقوفی ہے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ جب ہمارے نبی پاک ﷺ کو بھی اس سلسلے میں محنت کرنی پڑی تو پھر کسی عام آدمی کا تو ذکر ہی کیا۔ آپ ﷺ کا غارحرا میں کئی کئی روز متواتر عبادت کرنا۔ مبارک پاؤں کا قیام کی حالت میں سوج جانا۔ پتھر کھانا، دانت مبارک شہید کرانا، پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا۔ یہ سب مشکل کام جب آپ ﷺ کو پیش آئے تو دوسروں کو بھی یہ دولتِ لازوال یونہی آرام وآسائش میں تو ہرگز نہیں مل سکتی۔ بلکہ اپنے مقصد کے شایانِ شان محنت بھی لازم ہے۔

مر تُرا ہر زخمے کہ آید زِ آسماں — منتظر می باش! خِلعت بعد ازاں (رومیؒ)

(جو تکلیف بھی تمہیں آسمان کی طرف سے پہنچے اُس کے بعد وہاں (اللہ) سے کسی انعام کا منتظر رہ۔)

اسی بنا پر آپ مدظلہُ العالی دنیاوی تکالیف ومصائب اور مشکلات کے بارے میں فرمایا کرتے ہیں کہ مومن پر مصائب دو طرح کے آتے ہیں۔ ایک تو رحم کی خاطر دوسرا قہر کی خاطر۔ اگر کوئی مصیبت رحم کی وجہ سے ہے تو اس تکلیف کی وجہ سے اس کے گناہ جھڑ جائیں گے۔ دوسرا اُس تکلیف سے اس کے مراتب بلند ہوں گے۔ (شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اس کی زندہ مثال ہے)

دوسرا اگر مصیبت قہر کی وجہ سے ہے تو بھی درست ہے کیونکہ جب کسی گنہگار اور فاسق وفاجر کو اس دنیا ہی میں اپنے اعمالِ بد کی سزا مل گئی تو آخرت کی سزا جو اس دنیا کی سزا سے کئی گنا زیادہ شدید ہے چھٹکارا مل جائے گا۔ آپ مدظلہُ العالی نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں تو دونوں تکلیفوں کی کوئی بھی پرواہ نہیں۔ اگر اللہ کریم ہمارا ایک پاؤں زمین پر اور دوسرا آسمان پر رکھ دے۔ مطلب یہ کہ بہت ہی تکلیف کیوں نہ دے مگر اس کے بدلے میں وہ ہم پہ راضی ہو جائے تو یہ سودا ہمارے لئے بہت سستا ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ بعد از ذکر ارشاد فرمایا کہ مردانِ خدا کا بارگاہ ایزدی میں رسائی اور قربت کا انحصار ان کی تحمل وبرداشت، صبر واستقامت اور وُسعت قلبی پر ہے۔ ایک سالک میں جس قدر برداشت اور استقامت ہوتی ہے، اسی قدر اسے بارگاہِ الٰہی میں قربت حاصل ہوتی جاتی ہے۔ اس بات پر آپ مدظلہُ العالی نے ایک

واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت غوث اعظم بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جب چھوٹے بچے تھے تو مدرسہ سے پڑھ کر واپس گھر آ رہے تھے۔ سخت سردیوں کا موسم تھا راستے میں ایک نہر تھی۔ جب نہر کے پُل کے قریب آئے تو دوسری طرف سے ایک فقیر مع اپنے مریدوں کے آ گئے۔ جب بچے کی پیشانی پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ بچے کی پیشانی پر ستارۂ بلندی چمک رہا ہے لوحِ محفوظ کی طرف توجہ فرمانے پر انہوں نے دیکھا کہ اُن کا نام نامی اسمِ گرامی غوث الثقلین کے مقامِ رفیع پر درج ہے۔ بچے کو جب دوبارہ دیکھا کہ کتابیں بغل میں دبائے بڑی شائستگی سے جا رہے ہیں۔ دل میں چاہا کہ اِس کی قلبی استطاعت کا امتحان لیا جائے کہ واقعی یہ اس مقامِ ارفع کے قابل ہیں یا نہیں؟ چنانچہ بچے کے قریب جا کر نہر میں دھکا دے دیا۔ شدید سردی تھی۔ غوطے کھاتے کھاتے دوسرے کنارے جا نکلے۔ جونہی پانی سے نکلے فوراً فقیر کے قدموں میں گر پڑے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور اگر اس کے علاوہ بھی کوئی قصور ہو تو بندہ بھگتنے کو تیار ہے۔ آپ ناراض تو نہیں ہیں؟

فقیر نے جب بچے کی اس بلند حوصلگی کو دیکھا تو انہیں کہا بس اب کچھ بات نہیں آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں۔ آپ کو اللہ کریم اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔ جب بچہ دُور چلا گیا۔ مریدوں نے ایسی بے دردی سے بچے کے نہر میں پھینکنے کی وجہ دریافت کی تو فقیر نے سب حکمت انہیں بتا دی۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے سب حاضرین کیلئے عجز و نیاز اپنانے کی دعا فرمائی۔ اور محفل اختتام کو پہنچی۔

؎ حسِّ حیواں اگر بدیدے آں صوَر　　　بایزیدے وقت بودے گاؤ خَر　(رومیؒ)

(اگر ہر حیوان، حسِّ انسان (عام آدمی) خدا کی معرفت حاصل کر سکتا تو گائے اور گدھے بھی وقت کے بایزید ہوتے)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ بعد از ذکر و فکر دوستوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ جب آندھی چلتی ہے تو لوگوں کی آنکھوں میں گرد و غبار آ جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ کوئی چیز دیکھ نہیں سکتے۔ اس طرح انسان کے دل و دماغ پر جب گناہ، معصیّت اور بدگمانی کی آندھی چلے تو وہ پھر نیکی اور صراطِ مستقیم کو نہیں دیکھ سکتا۔ اچھے اور برے میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا کہ کس شخص سے مجھے فائدہ پہنچ سکتا ہے اور کس شخص سے نقصان پہنچنے کا امکان ہے؟ ورنہ دنیا میں تو ایسی ہستیاں موجود ہیں کہ جن کو خدا نے زمین و آسمان کی حکومت عطا کی ہوئی ہے۔ وہ اس کائنات میں جیسا بھی تصرّف چاہیں کر سکتے ہیں۔ خدا کی بارگاہ میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کے ولی اللہ کو اتنا شرف ضرور حاصل ہے کہ وہ جو کچھ خدا سے طلب کرتا ہے اسے فوراً عطا ہو جاتا ہے۔ مگر ایسے لوگوں کو دیکھنے کیلئے حقیقت کی آنکھ کی ضرورت ہے جو گناہوں کی گرد و غبار سے پاک ہو۔ بقول اقبالؒ:

؎ مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا　　　ظن و تخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

(خدا سب دوستوں کو حقیقت شناس آنکھوں کی نعمت سے نوازے۔ آمین)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ سخی سرور میں دعوت کا پروگرام تھا۔ بعد از تقسیم لنگر دوپہر بہت سے عقیدت مند آلِ نبیؐ کے

دربار میں زانوئے ادب تہہ کئے جمالی چہرے سے فیض یاب ہورہے تھے۔ بعداز دعائے خیر مرشد کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ کا اصل کام کرامت دکھانا نہیں بلکہ مخلوق کے دلوں کو اپنی نگاہ سے صاف کر کے اُن کی تقدیریں بدلنا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک شہر میں ایک فقیر رہتا تھا۔ اُس کا پیشہ لوہار تھا۔ اُس کے محلے میں ایک نہایت حسین ہندو عورت رہتی تھی۔ لوگوں میں اُس کا اِس قدر چرچا تھا کہ اُس کے دروازے پر کئی لوگ صرف اس ارادے سے کھڑے رہتے کہ شاید اس کے حسن کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اُس کی بھینس کی نتھ ٹوٹ گئی۔ تین چار دن تو لوگوں کے تنگ کرنے کے خدشہ سے گھر میں بیٹھی رہی۔ آخر کار ایک دن اس نے پتہ کرایا کہ کوئی اچھا شریف لوہار ہو جس کے پاس جا کر نتھ تیار کرائی جائے۔ معلوم کرنے کے بعد اس فقیر لوہار کے پاس جانے کا پروگرام بنالیا۔ لوگوں سے جان بچانے کیلئے ایک نامعلوم راستہ پر نکلی مسلمان لوہار کی دکان پر پہنچ کر نتھ بنانے کی درخواست کی مسلمان لوہار ایک طرف تو لوہا گرم کر رہا تھا اور دوسری طرف عورت کے چہرے پر نظریں جمانا شروع کر دیں۔ آخر کار عورت بول پڑی کہ صاحب! جس بات سے لوگوں سے ڈر کر میں آپ کے پاس آ گئی۔ آپ نے بھی وہی عام لوگوں والی حرکتیں شروع کر دیں افسوس ہے۔ لوہار نے کہا مجھے خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں نے تیرے حُسن کی وجہ سے ترے اوپر نظریں نہیں جمائیں بلکہ میں ترے سر پر منڈلاتا ہوا خدا کا عذاب دیکھ رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں خدایا! اسے اگر اس قدر حسین بنایا کم از کم بہشتی تو بناتا۔ اگر آپ کو میری اس بات پر یقین نہ آئے تو اِدھر دیکھو کہ اگر میری آنکھوں میں کوئی فرق ہے اور کوئی نفسانی خواہش کا دخل ہے تو یہ گرم سرخ لوہا میری آنکھوں کو جلا ڈالے۔

مسلمان لوہار نے اُس نتھ کا سرخ گرم لوہا اٹھا کر آرام سے اپنی دونوں آنکھوں میں سلائی کی طرح پھیر لیا مگر آنکھوں پر اس لوہے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عورت مسلمان کے اس فعل سے حیران ہو کر یقین کر گئی کہ یہ مسلمان فقیر واقعی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ کیوں نہ اپنی جان کو خدا کے قہر سے بچالوں۔ پوچھا بابا! پھر اس قہر الٰہی سے جان بچانے کا کیا طریقہ ہے؟ فقیر بولا اس کا علاج یہ ہے کہ پڑھو" لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه "فقیر کی کرامت سے ہندو عورت صاحبِ ایمان ہو کر گھر لوٹ گئی۔ مرشد کریم مدظلہُ العالی کے ہونٹوں پر فوراً یہ شعر آیا:

؎ نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی — بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے یہ تصریح فرمائی کہ ولی اللہ اپنی ولایت کو اس قدر چھپاتا ہے، جس قدر کہ نوجوان لڑکی اپنی حالتِ بلوغت کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہاں ولی اللہ کو صرف دو مقامات پر کرامت کے اظہار سے باز پرس نہیں ہوگی۔ ایک یہ کہ جب کسی غیر مذہب سے اس کا واسطہ پڑے۔ جس طرح کہ مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ پڑا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ اُنہوں نے قلم سے لکھوایا تھا۔

دوسرا ولی اللہ جب جلال اور سکر میں ہو کہ خدا نے خود فرمایا "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "یعنی خدا کسی

پراُس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔مگر ولی اللہ چونکہ ان حالتوں میں آتشِ عشق سے لبریز ہوکر قابو سے باہر ہو جاتا ہےاس لئے جلال وسکر میں بھی اس سے کرامت کے اظہار کی باز پرس نہ ہوگی۔ان دونوں مقامات کےعلاوہ ولی اللہ کو اظہارِ کرامت کی اجازت نہیں۔خداوند کریم فقراء کوفہم طریقت اورعوام الناس کوفہم شریعت عطا فرماوے۔آمین۔

ایک مرتبہ فورٹ منرو سالانہ عرس مبارک کا پروگرام تھا زیادہ تر بلوچ لوگ اکٹھے تھے کہ آپ مدظلہُ العالی نے موجودہ حالات کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے ارشادفرمایا کہ ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ لوگ ولی اللہ کی کرامت کو بہت کم مانتے ہیں حالانکہ یہ برحق اوراس کاتعلّق براہِ راست مسلمان کے ایمان کے ساتھ ہےاور یہ یقین کرنا چاہیے کہ ولی اللہ جو چاہیں خدا کے حکم سے کرسکتے ہیں۔اُن کے سامنے خدا کی رضا حاصل کرنے کے بغیراور کوئی مشکل کام ہے ہی نہیں۔اس لئے کرامت کوتسلیم کرنا انتہائی ضروری ہے مگراس کی سمجھ عام انسان کوکم ہے۔کیونکہ اس کی سمجھ کا دارومدار مدارجِ ایمان اور عقل وفہم کے ساتھ ہے۔

ہمارے ضلع بنوں علاقہ ممش خیل ''خدی کلہٗ'' (یعنی خدی بستی) میں ایک بزرگ ''ابا نِکؒ بابا'' کے نام سے مشہور ہیں۔(نک پشتو میں ''نانا'' کو کہتے ہیں) قبرستان کے وسط میں اُن کا مزار ہے۔اُن کے مزار کے قریب دو کچے کمرے بنے ہوئے ہیں اور بالکل صحیح حالت میں ہیں۔حالانکہ ان کو بنے کم ازکم دوصدیاں گزرچکی ہیں۔مشہور ہے کہ ابا نک باباؒ نے انہیں اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔چھت میں انہوں نے کوئی لکڑی یا لوہا بالکل استعمال نہیں کیا ایسے مٹی رکھتے گئے اور ہاتھوں کے ساتھ دونوں طرف گارا (گوندھی ہوئی مٹی) دبا دبا کر برابر بڑھاتے رہے۔صرف گارے کے ساتھ دونوں چھتوں کو مکمّل فرمایا جبکہ گارے پرابھی تک اُن کی انگلیوں کے لگے ہوئے نشانات باقی ہیں۔عقیدت مند حضرات ابھی تک اُن کی یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھ جاتے ہیں جو کہ ان کی ایک زندہ کرامت ہے۔تبلیغ والے ابا نِک بابا کی یہ زندہ کرامت دیکھ کر جلتے تھے۔پچھلے سال انہوں نے اُن کمروں کوگرانے کا پروگرام بنایا۔مگر جب بستی والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے سختی سے انہیں روک کر یہ کہا کہ پہلے ہمیں مار ڈالو تب تم یہ کمرے گراسکتے ہو۔اس لئے وہ اس گستاخی کی کوشش میں ناکام ہوگئے اورابھی تک وہ کمرے موجود ہیں۔

ایک اورموقع پرابا نک باباؒ کے بارے میں آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ انگریزوں کے دورِحکومت میں بنوں کے کمشنر نے اپنی بیوی کیساتھ علاقہ ممش خیل میں سیروتفریح کا پروگرام بنایا۔''خدی کلہٗ'' کے قریب جب ابا نِک بابا کے مزار پر کمشنر کی نگاہ پڑی تو انگریز نے بیوی سے کہا کہ آؤ آج مسلمانوں کے اس بزرگ کی قبر کوبھی دیکھ لیں۔جب قبرستان میں داخل ہونے لگے تو کمشنر سر سے ننگا اورگھوڑے پرسوار تھا۔بیگم صاحبہ نے آواز دی کہ رک جاؤ۔یہ مسلمانوں کی ایک متبرک اورقابلِ ادب جگہ ہے۔سر پرکوئی چیز رکھواورگھوڑے سے بھی اتر کر پیدل ہوآتے ہیں۔مگر کمشنر نے بیگم کی ایک نہ سنی اور گھوڑے کوایڑ لگائی گھوڑے نے جونہی قبرستان میں پاؤں رکھازمین میں دھنسنے لگا۔انگریز جس قدرکوشش کرکے گھوڑے کو

مہمیز (گھوڑے کو مارنے والی لاٹھی) لگاتا گھوڑا اس قدر زمین میں دھنستا جاتا یہاں تک کہ گھوڑے کا پیٹ زمین کے ساتھ لگ گیا۔ انگریز اُترا، طیش میں آ کر پستول کاندھے سے اتارا اور گھوڑے کے سر پر گولی مار کر اُسے وہیں ڈھیر کر دیا اور واپس لوٹا۔

میم نے کہا کہ مَیں نہ کہتی تھی کہ یہ مسلمانوں کے ایک بزرگ کی قبر ہے۔ ادب سے کام لو۔ اب تم کمشنر ہو کر کتنے بے عزت ہو کر پیدل واپس جا رہے ہو۔ ابا نِک بابا کی یہ کرامت اس علاقے میں بہت مشہور ہے۔

اس طرح ایک اور کرامت بھی اُن کی مشہور ہے۔ آپؒ کے مزار کے قریب ایک بہت بڑا تنے دار درخت تھا۔ درخت کمزور ہو کر ختم ہو گیا۔ مگر اس کا موٹا خولدار تنا ابھی تک موجود ہے۔ (مشہور ہے کہ ابا نِک باباؒ اس درخت کے تنے پر کسی کے دست برد اور تصرّف کو نہیں چھوڑتے۔) ایک موقع پر ایک لاعلم اور اجنبی آدمی بعد از زیارت اس تنے کی طرف گیا۔ دیکھا کہ اس کے لمبے چوڑے خول میں طوطے کے بچے ہیں۔ اس نے چاہا کہ یہ بچے نکال کر پالنے کیلئے گھر لے جائے۔ اس ارادے سے جونہی اس نے اپنا ہاتھ تنے کے خول میں کیا خول فوراً بند ہو گیا اور اس کے ہاتھ کو اس قدر مضبوطی سے پکڑا گویا کہ اس تنے کا ایک حصہ تھا۔ اس نے شور مچایا قریبی بستی کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور جب یہ ماجرا دیکھا تو کہنے لگے یہ تو ابا نِک بابا کا درخت تھا۔ یہ اُن کی کرامت ہے۔ اگر تنے کو چھیڑو گے مزید نقصان پاؤ گے کسی فقیر کو لے آؤ یا مولوی ''لالہ صاحب'' کو۔ وہی اس بات کا کوئی حل بتا سکتے ہیں۔ مولوی لالہ صاحب، صاحبِ کرامت ایک فقیر تھے جو ہمارے دادا شاہ حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے میں پڑھایا کرتے تھے۔ وہ مدرسہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے مگر ان کے عقائد موجودہ وہابیت کے فساد سے بالکل پاک تھے۔ عبادت گزار اور صاحب حال انسان تھے۔ آخر کار لوگوں نے مولوی لالہ صاحب کو بلایا۔ جب وہ آئے تو انہوں نے مراقبہ کر کے چند لمحات توقف کے بعد بتایا کہ ابا نِک بابا کے دربار میں ایک دنبہ بطور صدقہ ذبح کر دیں۔ تب یہ ہاتھ چھوٹ جائے گا۔ چنانچہ دنبہ جونہی ذبح کیا گیا۔ فوراً خول کھل گیا اور ہاتھ چھوٹ گیا۔

ابا نِک بابا کی اور بھی کئی کرامات اس علاقے میں مشہور ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ زندہ ولی کی تو زندہ ہی کرامت ہے۔ مگر بعد از انتقال بھی اُن کی کرامات کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اور اُن کی کرامات کو تسلیم کرنا اہلِ ایمان کیلئے لازم ہے۔ کیونکہ اسے کرامت اسی خدا نے دی ہے جس کو تو اپنا خدا تسلیم کرتا ہے۔ کسی غیر کی یاد میں اس نے یہ مرتبہ حاصل نہیں کیا۔ اگر تو خود ان کی طرح عمل کرے تو تیرے لئے بھی اپنے خدا کی بارگاہ میں وہی عزت اور کرامت موجود ہے۔ اس لئے جو خدا کی قدرت و اختیار تسلیم کرتا ہے تو ضروری ہے کہ مخلوق کو اس کی دی ہوئی نعمتوں اور انعامات و کرامات کو بھی تسلیم کرے۔ جب ایک ظاہری بادشاہ اختیارات دے کر اپنی رعایا پر انعامات کرتا ہے تو حقیقی بادشاہ کی دَین کا کیا کہنا۔ وہ تو لازمی کرتا ہے۔ خداوند کریم عقل سلیم عطا فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے مریدوں کی جھرمٹ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے باتیں

شروع کیں کہ فلاں بزرگ کے پاس جب کوئی مرید یا غیر مرید جاتا تو وہ اسے محفل میں لوگوں کے سامنے بتاتا کہ تو فلاں فلاں کام کر کے آیا ہے اور تیرے دل میں یہ بات ہے۔

آپ مدظلہُ العالی نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کشف ولی اللہ کا ایک ابتدائی مقام ہے جسے وہ ذکر الٰہی اور مرشد کی توجہ سے حاصل کر لیتا ہے۔ پھر اسی کشف کی بناء پر ولی اللہ کی نگاہ سے نہ کوئی آسمان کی چیز چھپی ہوئی ہوتی ہے اور نہ زمین کی اور نہ زمین والوں کی۔ مخلوق کے ہر قسم کے ظاہری و باطنی احوال سے وہ واقف ہوتا ہے۔ مگر اس کا یہ کام ہرگز نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے ایک شخص کا عیب بتا کر اسے شرمندہ کر دے۔ ولایت میں ایسی باتوں کا چھپانا فرض ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ کسی کو شرمندہ کرے۔ مرشد اس پر اتنی توجہ ڈالے کہ وہ برے اور ناجائز کام کی طرف جا ہی نہ سکے۔ نہ مخلوق کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے اور نہ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں اور ولی اللہ کا اصل کام ہی یہی ہوتا ہے نہ یہ کہ لوگوں کے عیب مخلوق کے سامنے بیان کرتا پھرے۔ یہ فقر کیلئے نقصان دہ بات ہے:

؎ در پئے آزار مباش ہر چہ خواہی کن   کہ در شریعت ما غیر زیں گناہ نیست   (حافظ شیرازیؒ)

(کسی کی دل آزاری نہ کر کہ شریعت محمدیؐ میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے)

مخلوق کی دل آزاری سے بچنا ولی اللہ کا ابتدائی مقام ہوتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کا ایک عیب چھپاتا ہے تو خدا اس کے سو عیب چھپاتا ہے اور جو کسی کا ایک عیب بتا کر اسے شرمندہ کر دے اور اس کے دل کو دُکھا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے سو عیب لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتا ہے۔ اس لئے اولیاء عظام دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالتے ہیں۔ جب خدا خود پردہ پوشی (ستاری) فرماتا ہے تو بندہ کی کیا مجال کہ کسی کا پردہ فاش کر دے۔

علاوہ ازیں صاحبِ فقر کو تو فقیری اسی پردہ پوشی ہی کی بناء پر دی گئی ہے۔ روایت ہے کہ شہنشاہ فقر و ولایت حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کو جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقۂ فقر عنایت فرمانے کا ارادہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ پھر آپ اس کی کیا لاج رکھیں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس خرقۂ فقر کی لاج رکھتے ہوئے مخلوق خدا کے عیوب کی پردہ پوشی کروں گا۔ اس جواب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے خوش ہوئے کہ وہی خرقہ جو کہ شب معراج خداوند کریم نے عرش معلیٰ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کیا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کو پہنا کر مبارکباد دی کہ آپ ہی اس کے اہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقیری کی ابتداء بھی پردہ پوشی سے ہے اور انتہا بھی پردہ پوشی پر اور صاحب فقر بھی صرف وہی ہو سکتا ہے جو اس بات پر کاربند رہے ورنہ فقر جاتا رہے گا۔

اس پُرفتن دور میں پہلے بھی سب لوگوں کے خام عقیدے ہیں۔ اگر ان کو شرمندہ بھی کیا جائے تو مشکل ہے کہ دوبارہ کسی فقیر کی صحبت میں آئیں۔ اگر ہم بھی ایسا کرنا شروع کر دیں تو لوگ ہمارے پاس بھی آنا چھوڑ دیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اپنے ہر مرید کے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم ضبط سے کام

لیتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ فقیر کا کام دوسرے کو شرمندہ کرنا نہیں بلکہ اپنی توجہ سے اس کی قلبی حالت کو پھیرنا ہے۔ خدا سب کو یہ سمجھ عطا فرما کر اپنی معرفت کا مستحق بنا دے۔ آمین۔

ایک مرتبہ محفل میں بیٹھے آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ولی کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا ولی کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک انسان جس سے محبّت کرتا ہے یا دوستی رکھتا ہے۔ وہ ہر وقت اس کی تعریف یا اس کا تذکرہ کرتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنے دل کو اس کی یاد سے پُرسکون بنائے۔ خدا کی دوستی تو حقیقی دوستی ہے۔ ایک انسان جب خدا سے دوستی لگاتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ ہر وقت وہ اسے یاد کرتا ہے اور اس کا ذکر کرتا ہے۔ نیز از روئے حدیث ''جو جس سے محبّت کرتا ہے وہ ہر وقت اس کے ذکر میں مشغول رہتا ہے'' اس لیے ولی اللہ کی شان یہ ہے کہ ہر وقت ذکرِ خدا میں مشغول ہو اور جہاں بھی جائے ذکرِ خدا اس کے ساتھ ساتھ ہو اور یہ ذکر الٰہی ہر کسی کا کام نہیں نفس اس سے حد درجہ بوجھ محسوس کرتا ہے، جیسے اس پر ایک بہت بڑا پہاڑ ڈال دیا گیا ہو۔ نفس کو مغلوب کرنے کیلئے جتنی کارگر چیز ذکر ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسے سمجھئے کہ ذکر نفس و شیطان کیلئے تیغِ قاتل اور تیغِ برہنہ ہے۔ اس لئے شیطان ذکرِ الٰہی کی محفل کے وقت اتنی مشکلات پیدا کرتا اور آپس میں لڑانے اور پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جو کسی اور نیکی کیلئے نہیں کرتا۔ شیطان اولیاءاللہ کی صحبت کی طرف جانے والے کیلئے بے انتہا مشکلات پیدا کرتا ہے کیونکہ جو ولی اللہ کی محفل میں شامل ہو گیا وہ شیطان کے مکر و فریب سے چھٹکارا پا گیا۔ اس لئے جن بندوں پر خدا کی خاص رحمت ہوتی ہے وہی لوگ اس محفل میں آ کر شریک ہوتے ہیں۔ بقول مولانا جلال الدین رومیؒ:

؎ بر سماع راست ہر کس چیر نیست　　　　طُعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

(صحیح سماع سننا ہر کسی کا کام نہیں ہے جس طرح انجیر کا دانہ ہر پرندہ ہضم نہیں کرسکتا) اسی طرح راہ راست بھی خدا کی خاص مخلوق کیلئے ہے۔ یہ کوئی شارع عام نہیں۔ گفتگو کی مناسبت سے آپ نے تاریخِ اسلام سے ایک مثال پیش کی کہ ''حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ ہر وقت ذکر بالجہر فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کا ایک مرید جو کہ عالم دین تھا پر جان کنی کا وقت آن پہنچا۔ شیطان اس کو کلمہ شہادت سے روکنے کیلئے انسان کی صورت میں اس کے سرہانے آن بیٹھا اور یہ سوال کیا کہ مجھے وجود باری تعالیٰ کا ثبوت دیجئے۔ مَیں اس کا قائل نہیں ہوں۔ وہ عالم ایک جواب دیتا تو وہ اُسے رد کر کے کسی دوسرے جواب کا مطالبہ کرتا۔ اتنے میں بذریعہ کشف حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو مع اپنے مریدوں کے ذکر بالجہر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ عالمِ دین مرید کے دروازے پر قدم رکھا ہی تھا کہ ان کے سرہانے پر بیٹھا انسان جو کہ شیطان تھا فی الفور غائب ہو گیا۔ مرید نے پوچھا حضور! میرے سرہانے پر موجود شخص اچانک کہاں گم ہو گیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ شیطان تھا جو کہ آپ کے ایمان کے درپے تھا۔ ذکرِ الٰہی سنتے ہی بھاگ گیا۔'' تب مرید نے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے فرمایا۔ معلوم ہوا کہ واقعی

شیطان ذکرِ جہر سے کوسوں دور بھاگتا ہے اور یہ اس پر بہت گراں گزرتا ہے۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ دوسری نشانی یہ ہے اسے دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے اور سب کچھ بھول جاتا ہے۔ حدیث رسول ﷺ ہے "اَلَّذِیْنَ اِذَا رُأُوا ذُکِرَاللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ" (وہ لوگ جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔) (سنن ابن ماجہ)

تیسری نشانی یہ ہے کہ وہ جس قسم کے ویرانے میں چلا جائے اسے آباد کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ یعنی جنگل کو منگل بنانا ولی اللہ کا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک معاشرے میں ولی اللہ کی پہچان یہ بھی ہے کہ اس میں ان چار باتوں میں سے ایک ضرور موجود ہوتی ہے۔

1:۔ وہ ہر وقت کسی خاص بیماری میں مبتلا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمہ وقت راغب اِلیٰ اللہ رہتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ در زمانِ درد و غم یادش کُنی چوں شُدی خوش باز بر غفلت تنی

(تکلیف کے وقت تو اس کو یاد کرتا رہے گا۔ جب تکلیف جاتی رہی تو تجھ پر غفلت طاری ہونے کا خدشہ ہے۔)

2:۔ وہ ہر وقت سفر میں ہوتا ہے جس سے اسے تہذیبِ نفس کا زیادہ تر موقع ملتا ہے۔ سلسلۂ نقشبند میں جس قدر فیض رسانی سفر میں ہوتی ہے حضر میں نہیں۔

3:۔ اس کے ہمسائیوں یا رشتہ داروں میں ایک ایسا آدمی ہوتا ہے جو ہمہ وقت اس کا جانی و مالی دشمن ہو۔

؎ در حقیقت ہر عدو داروی تُست کیمیائے نافع و دلجوی تُست (رومیؒ)

(حقیقت میں تیرا ہر دشمن تیری دوا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے تو اللہ کی طرف راغب رہتا ہے اور یہ چیز تیرے لئے کیمیاً سے کم نہیں)

4:۔ وہ انتہائی تنگ دست اور غریب ہوتا ہے کیونکہ اس نے دنیا کی بجائے فقر اختیار کیا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنی خودداری کو برقرار رکھتے ہوئے کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا دار اہل اللہ کے محتاج رہے مگر کوئی ولی اللہ کسی دنیادار کا محتاج نہیں رہا۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ کامل ولی اللہ میں یہ چاروں باتیں ہوتی ہیں۔ خداوند کریم ہمیں بھی ان عالی ہمت لوگوں میں شمار فرما کر اپنی رحمتِ خاص کا مستحق بنادے۔ آمین۔

ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص ولی اللہ کی خدمت میں آتا ہے۔ کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا۔ کیونکہ اس کا آنا جانا للہ فی اللہ ہوتا ہے اور خدا کو بھی یہی پسند ہے۔ ولی خدا کا دوست ہوتا ہے اور لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔ خدا نے لوگوں کو اپنے ذکر کیلئے پیدا کیا ہے۔ ولی اللہ لوگوں کو یہی پیغام دیتا ہے کہ انہیں صرف دنیا کمانے کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ اپنی عبادت اور ذکر کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے ذکرِ خدا زبان سے نہیں بلکہ دل سے کرنا چاہیے۔ اگر انسان دل سے ذکر کرے تو اس کو ماسوائے اس کے کائنات کی اور کوئی شئے اچھی نہ لگے۔ فرمایا کہ اس ذکر کی برکت سے بعض اوقات

ہم پر یہ حالت طاری ہوجاتی ہے کہ ہم اپنے وجود کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔خدا ہر دوست کو نصیب فرمائے۔آمین۔

ایک مرتبہ بستی ولووالا (تحصیل کوٹ ادو) میں سالانہ عرس کے موقع پر مریدوں کا ایک جمِ غفیر حاضر خدمت تھا۔ مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے تعلیمِ فقر دیتے ہوئے فرمایا کہ مٹی کو سونا بنانا کوئی کمال نہیں بلکہ سونا کو مٹی بنانا کمال ہے۔مٹی کو سونا بنانا مقامِ حرص وفخر ہے۔مگر سونا کو مٹی بنانا مقامِ غِنا اور سخا ہے۔یعنی ایک بے راہ رَو دولت مند متکبّر انسان کو فیضِ نگاہ سے خاک نشیں اور بوریا نشیں فقیر بنا دینا یا مٹی اور سونا دونوں کو ایک نگاہ سے دیکھنا کمالِ انسانیت ہے۔یہ مقامِ غنا وسخا حاصل کرنا صرف ولی اللہ کا کام ہے۔اس طرح ایک انسان کا مدینہ چل کر جانا کوئی کمال نہیں بلکہ کمال اِس میں ہے کہ مدینے والا ﷺ (آپ کی صفائے باطن پر عاشق ہوکر) خود آپ کے پاس آئے اور یہ اُس وقت ممکن ہے جب آپ کے اندر سونا کو مٹی بنانے کی خاصیّت آجائے۔دعا ہے کہ خداوند کریم سب کو یہ ہمت عطا فرماوے۔آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ اپنی زبانِ حق ترجمان کے ساتھ ارشاد فرمایا اگر کوئی ولی ہے تو ولی گر بھی لازمی ہے۔یعنی ولی، ولی گر ہوتا ہے۔وہ جہاں جاتا ہے مخلوق کو اپنے رنگ میں رنگتا جاتا ہے۔اسے اپنی عزت، خوشامد اور کسی دنیاوی مقصد کا لالچ نہیں ہوتا۔بلکہ رضائے الٰہی کا حصول اس کا اصل مقصد ہوتا ہے اور مخلوق کو بھی رضائے الٰہی کی طرف دعوت دیتا ہے۔اس کی کوشش و ہمت کو خداوند کریم ضائع نہیں کرتا۔ہمارے پیغمبر ﷺ کو خداوند کریم نے مومنوں کیلئے حریص بنایا۔اس طرح فقیر بھی مومن اور مسلمانوں کیلئے حریص ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ خدا کی یاد میں آجائیں اور اس کی معرفت حاصل کرلیں۔تو وہ ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوجاتا ہے۔وہ ایک تجربہ کار زرگر کی طرح خلقِ خدا کو معرفتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔کیونکہ وہ زرگر ہی نہیں کہ جس کے پاس سونا یا چاندی آجائے اور وہ اسے تراش خراش کر ایک دیدہ زیب زیور میں تبدیل نہ کردے۔

ایک مرتبہ مریدین کو درسِ تصوّف دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کرام گناہوں اور ہر قسم کی لغزشوں سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء کرام گناہ صغیرہ وکبیرہ سے خداوند کریم کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں۔یعنی بذریعہ الہام خداوند کریم ہمہ وقت انہیں ہدایات جاری فرماتا رہتا ہے۔اُن کا ہر قدم اٹھانا حکمِ خداوندی پر ہوتا ہے اور ہر کام سے رکنا بھی خداوند کریم کے حکم سے ہے۔

خدا تو ہر طرح سے ہر چیز پر قادر ہے۔مخلوق کا ہر ذرہ، ہر حرکت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔جب خداوند کریم خود اپنے دوست کی ہر قسم کے غیر شرع کام سے حفاظت فرمائے تو اس سے کیسے کوئی لغزش سرزد ہوسکتی ہے؟۔

ایک مرتبہ مرشد کریم بارتھی (تحصیل تونسہ شریف) کے دورے پر تھے کہ بعد از نماز عصر محفل لگی۔ہر طرف صوفیاء کی پُرکشش اور باشرع شکلیں جھلک رہی تھیں۔مرشد کامل دیکھ کر خوش کیوں نہ ہوتے کہ میدانِ معرفت میں لگائی ہوئی پنیری پھل پھول کر خوب جوبن پر تھی۔عاشقین کی اشکبار آنکھیں آلِ رسول ﷺ کے رخساروں کی تلاوت میں مصروف

تھیں کہ آپ مدظلہٗ العالی کو اپنے مرشد کامل زرّیں زر بخت صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آ گئی۔ فرمایا کہ ہمارے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا حضور! لینے والا بہتر ہے یا دینے والا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ لینے والا بہتر ہے پھر فرمایا کہ لینے والے دو ہیں۔ ایک فقیر، مسکین، یتیم، بیوہ اور محتاج وغیرہ۔ دوسرا خدا کا دوست کہ جس سے اس کا وعدہ ''مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ'' تجھے ایسے طریقے سے روزی پہنچاؤنگا کہ کسی کے وہم وگمان تک نہیں ہے۔ مخلوق کے ذریعۓ نامعلوم (غیب کے) راستوں سے پہنچاؤں گا۔ یہ مخلوق کی خوبی نہیں بلکہ میرے دوست کا اپنا ذاتی کمال ہے۔ جس نے اپنا سب کچھ مجھ رازق کے حوالے کر دیا ہے۔ پھر مَیں (رازق) نے چاروں طرف سے اس کے رزق کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ مرشد کریم نے مزید تشریح فرمائی کہ دوستانِ خدا کی تین قسمیں ہیں۔

1:۔ اس سے محبّت کرنے والے

2:۔ اس پر مکمّل توکّل کرنے والے۔

3:۔ اس کی ذات سے خائف (ڈرتے) رہنے والے۔

جو بھی ان خوبیوں کا مالک ہو وہ بہتر لینے والوں میں شمار ہو گیا۔ خداوند کریم سب دوستوں کو ایسے باکمال اوصاف کا مالک بنا دے اور ہمارے افعال واقوال اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے دوستوں کے سامنے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا سے ڈر کر اسی پر توکّل کرے تو اُسے وہی ''کافی'' ہے۔ یعنی خداوند کریم اس کی اس طرح ضروریات پوری فرماتا ہے کہ اُسے خود خبر تک نہیں ہوتی۔ قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ''وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰـهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا۔ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ط وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ''۔ (طلاق۲۔۳) (جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کیلئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔) اس آیہ کریمہ کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ ''يَتَّقِ اللّٰه'' کے معنی اسی سے ڈر کر اس پر توکّل کرنے کے ہیں جو شخص اس سے ڈرتا ہے۔ وہ یقیناً اس پر توکّل بھی کرتا ہے۔ وہ جو اس سے ڈرتا نہیں وہ اس پر توکّل بھی نہیں کر سکتا۔

موضوعِ سخن کے مطابق آپ مدظلہٗ العالی نے ایک بزرگ کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ بچپن ہی سے خوف خدا کی وجہ سے یادِ الٰہی میں مصروف رہتے اور اپنا بیشتر وقت یادِ الٰہی میں گزار دیتے۔ ایک دن اُن کے دل میں خیال آیا کہ باہر دریا کے کنارے جا کر خدا کی عبادت بھی کر لوں اور سیر بھی کر کے آ جاؤں۔ جب دریا کے کنارے پہنچے کچھ وقت عبادت کی۔ جس وقت عبادت سے فارغ ہو کر دریا کی طغیانیوں کی طرف دیکھا تو سامنے کنارے کے ساتھ ایک بہترین سیب بہتا ہوا جا رہا تھا۔ بھوک کی شدت تھی۔ قدم بڑھا کر سیب اٹھا کر کھا لیا۔ کھاتے ہی دل میں یہ خوف موجزن ہوا کہ معلوم نہیں یہ سیب کہاں سے آیا اور کس کا تھا۔ اس بات کے معلوم کرنے کے لیے دریا کے کنارے چلتے چلتے آخر کار ایک سیب کا باغ دیکھ

لیا۔ یقین ہوگیا کہ سیب اِسی باغ سے آیا۔ باغ کے مالک سے مل کر پورا واقعہ بیان کیا اور سیب کی بخشش مانگی۔ مگر مالک نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ شرط رکھی کہ میرے گھر میں ایک بیٹی ہے۔ وہ زبان سے گونگی، کانوں سے بہری، آنکھوں سے اندھی، ہاتھوں سے معذور اور پاؤں سے لنگڑی ہے۔ اگر اس سے شادی کر کے میرے ساتھ رہیں گے تو معاف کروں گا۔ مُتّقی نے بڑے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ اس دنیا کی تکلیف برداشت کرنا آخرت کی تکلیف سے بہت آسان ہے۔ قیامت کے دن بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یہ داغ تو چہرے پر نہ ہوگا۔ لہٰذا شادی کا دن مقرر ہو گیا۔ رسومِ شادی کے بعد ایک بہترین مکان میں دُلہن بٹھا کر اُن کے حوالے کر دی گئی۔ مُتّقی نوجوان نے مکان میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ اتنی خوبصورت لڑکی بیٹھی ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں۔ فوراً اُلٹے پاؤں واپس لوٹے۔ جا کر مالک کو کہا کہ تم نے تو مجھ پر ظلم کیا۔ غیر عورت کو اندر بٹھا رکھا ہے۔ لڑکی کے باپ نے مبارک باد دی اور عرض کیا کہ یہی فی الواقع میری لڑکی اور آپ کی دُلہن ہے۔ میں بھی سچا ہوں اور آپ بھی۔ میں نے بتایا تھا کہ زبان سے گونگی ہے تو ساری زندگی یہ اپنی زبان پر غیر شرعی گفتگو نہ لائی۔ اس لئے گونگی ہے۔ دوسرا غیر محرم اور غیر شرع کام کی طرف نہ دیکھا اس لئے اندھی ہے۔ تیسری بات کہ کانوں سے بہری ہے تو ساری زندگی اس کے کانوں میں کوئی غیر شرعی اور فحش بات نہیں پہنچی۔ چوتھی بات کہ ہاتھوں سے معذور ہے تو ساری زندگی اس نے کسی غیر شرعی کام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس لئے اس کے ہاتھ غیر شرعی افعال سے معذور ہیں۔ پانچویں بات کہ وہ پاؤں سے لنگڑی ہے تو ساری زندگی اپنے دروازے سے باہر میری اجازت کے بغیر نہیں گئی۔ یہ میری باتوں کی حقیقی اور باطنی وجوہات تھیں (جو آپ کیلئے ظاہراً ایک سخت امتحان تھا) میں نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ خدایا میری اکلوتی بیٹی ہے جو شرافت کا پیکر ہے اور میری اتنی بڑی جائیداد ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ کسی متقی انسان سے ملاقات کرا دے کہ مَیں اپنی بچی اُن کے حوالے کر کے سب جائیداد کا مالک اسی کو بنا دوں تا کہ میرے بعد میری لڑکی اور اس کا خاوند عزت کے ساتھ حلال روزی کھا کر اللہ اللہ کرتے رہیں۔ لہٰذا! آج سے میری ساری جائیداد اور سیاہ و سفید کے مالک آپ ہیں۔ کاروبار سنبھال لیں اور مجھے بھی زندگی کے جتنے دن باقی ہیں اپنے ساتھ رکھیں۔

یہ واقعہ پیش کرنے کے بعد مرشد کریم نے ارشاد فرمایا کہ ایسے بیسیوں واقعات ہیں کہ جنہوں نے خدا کا خوف اختیار کیا تو خداوند کریم نے ان کیلئے اپنے خزانہ ہائے غیب کے دروازے کھول دیئے۔ آج بھی اگر کوئی اس پر توکّل کرے تو خداوند کریم اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا:

؎ آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا   آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا   (اقبالؒ)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ اولیاءِ کرام کے لنگر کے بارے میں بات چلی۔ آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اولیاءِ کرام کے لنگر خدا کی امداد سے چلتے ہیں۔ وسیلہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر لنگر چلانا کسی عام انسان کا کام نہیں۔ یہ خدا کا خاص انعام ہے کہ جس پر وہ راضی ہو جائے اسے یہ غیبی انعام نصیب فرماتا ہے۔

اس ضمن میں آپ مدظلہُ العالی نے علاقہ سوات کے دو اولیاء کرام کے لنگر کے بارے میں بتایا کہ سوات میں ایک بزرگ ''پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ'' اور دوسرے ''دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ'' رہتے تھے۔ پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ آلِ رسول (سیّد) اور دیوان بابا امتی تھے۔ پیر بابا بہت ہی کامل ہستی تھے اور ان کے لنگر کا کوئی خاص انتظام نہ ہوتا تھا۔ روکھی سوکھی روٹی ہوا کرتی تھی۔ کبھی آٹھ کبھی دس آدمی لنگر میں ہوتے۔ لیکن چند میل کے فاصلے پر دیوان بابا کا آستانہ تھا جہاں مخلوق خدا کا ہجوم خوب لنگر کھاتا۔ ایک دن پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ مَیں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہوں لیکن لنگر کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے۔ جا کر دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ کو عرض کروں گا کہ وہ اتنا مکلّف لنگر نہ چلائے کہ ساری مخلوق اُن کے گرد جمع ہو۔ جب پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہی عرض پیش کی۔ دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شاہ صاحب! ذرا اوپر آسمان کی طرف تو دیکھیں مَیں کیا کر سکتا ہوں۔ شاہ صاحب نے جب آسمان کی طرف دیکھا تو آسمان سے لنگر کے لئے مال و زر کا نزول ہو رہا تھا۔ اس مشاہدے کے بعد دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ یہ تحفہ جو آسمان سے آ رہا ہے نہ چلاؤں؟ تو اور کیا کروں۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہ خداوند کریم کی ذاتی امداد ہے۔ اگر اسے روک لوں تو بارگاہ الٰہی میں خائن متصوّر رہوں گا۔

چنانچہ پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ پشیمان ہو کر معذرت کر کے واپس اپنے آستانہ تشریف لائے۔ کچھ تو افسردہ سے ضرور رہے کہ مَیں ہوں بھی آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تنگ دست بھی زیادہ ہوں۔ رات کو جب آرام فرمایا تو محبوبِ خدا سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔ پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کو فرمایا کہ بے شک آپ پر خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے انتہا راضی ہیں اور خصوصی شفقت رکھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک لنگر کا تعلّق ہے تو اس فانی جہاں میں آپ کا لنگر قدرے تنگ دستی سے چل رہا ہے اور دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر عروج پر ہے۔ لیکن دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد اُن کے لنگر کا کوئی انتظام نہیں ہوگا مگر آپ کے انتقال کے بعد آپ کا لنگر قیامت تک مخلوق خدا کی توجہ کا مرکز رہے گا۔ اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں تو ابھی سے دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ پر کئی گنا زیادہ آپ کا لنگر چلے گا۔ فوراً پیر بابا محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم بوس ہوئے اور معافی مانگ لی کہ بندہ کو بالکل یہی محدود لنگر پسند ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس تشریف لے گئے۔ پیر بابا کی زندگی تو جس طرح بھی گزری سو گزری لیکن اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے کہ دیوان بابا رحمۃ اللہ علیہ کا لنگر برائے نام چل رہا ہے۔ لیکن چند میل کے فاصلے پر پیر بابا رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مکلّف لنگر کے ساتھ ساتھ ہمہ وقت ذکرِ خدا اور مخلوقِ خدا کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ رات ہو یا دن ذکرِ خدا، تلاوت قرآن ہر وقت میلہ اور بہار ہی بہار کا سماں ہے۔ لہٰذا اولیاء کرام کے لنگر ہمارے وہم و گماں سے بالا اور خدا کی خاص عنایت سے چلتے ہیں۔ اس لئے عام کھانے اور لنگر میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں فقیروں کیلئے تو ایک در بند سو در کھلا ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت رضائے الٰہی کے متلاشی ہوتے ہیں اور خداوند کریم اُن کی رضا کا متلاشی ہوتا ہے۔ خدا ہم سب کو یہ سعادتِ دو جہاں نصیب فرمائے۔ آمین۔

کوٹ ادو آستانہ عالیہ پر ایک مرتبہ آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کر کے اللّٰہ

اللہ کرنا شروع کر دیتا ہے تو خداوند کریم بذات خود جو "عَـلٰـی کُلِّ شَئٍی قَدِیۡر" ہے۔اس کا حافظ و ناصر بن جاتا ہے۔ مگر یہ بہت کم لوگوں کی قسمت میں ہوتا ہے۔ فرمایا کہ علاقہ "تیرہ" میں اللہ کے ایک نہایت برگزیدہ انسان حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف "فقیرا ے پی" رہا کرتے تھے۔ وہ انگریزوں کے سخت خلاف تھے اس لئے جہاں بھی جاتے انگریزی فوج اُن کے پیچھے لگی ہوتی تھی۔ چنانچہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک دن ایک بستی میں اپنے ایک مرید کے گھر موجود تھے۔ پتہ چلا کہ ابھی ابھی انگریز چھاپہ مارنے والا ہے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مع دوستوں کے گرفتار کر کے سزا دینا چاہتا ہے اور جس گھر میں وہ موجود تھے اُن کو بھی سخت سزا کا ڈر تھا۔ یہ سنتے ہی حاجی صاحب نے مریدوں کو حکم دیا کہ مجھے چارپائی پر اٹھا کر جنگل کی طرف لے چلیں۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس قدر ضعیف تھے کہ چل نہیں سکتے تھے۔ اُن کے حکم پر دوسرے ساتھی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ مگر حاجی صاحب کا کسی کو پتہ نہ چلا کہ کدھر گئے۔ انگریز انہیں اِدھر اُدھر تلاش کرتے رہے مگر قدرتِ الٰہی سے انہیں کچھ نظر نہ آیا۔ ناکام ہو کر واپس چلے گئے۔ تو مریدان نے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو تلاش کرنا شروع کیا کہ حاجی صاحب کی چارپائی نظر نہ آتی تھی۔ اچانک محسوس ہوا ایک جگہ سے آواز آ رہی ہے اور جھاڑیاں ہل رہی ہیں۔ جب یہ وہاں پہنچے تو دیکھتے ہیں کہ جھاڑیاں ادھر ادھر سے آ کر اُن کے اوپر جھکی ہوئی ہیں اور حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو چھپائے ہوئے ہیں یعنی خداوند کریم نے اپنے دوست کی حفاظت جھاڑیوں سے کرائی۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے کہ:

"وَمَنۡ یَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ" جس نے خدا پر بھروسہ کیا اسے وہی کافی ہوا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ "لیہ" میں تشریف فرما تھے۔ علاقہ بارتھی کے بھی کچھ دوست حاضر خدمت تھے۔ قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ بعد از ذکر و فکر تاریخِ اسلام پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تاریخ اسلام میں بہلول دانا دو ہو گزرے ہیں۔ ایک ہارون الرشید کے بھائی جو کہ صاحبِ فقر انسان تھے اور دوسرے محمود غزنوی کے بھائی جو کہ مجذوب حال فقیر تھے۔ محمود غزنوی کے والد نے جان بوجھ کر اپنے اس بیٹے کا نام ہارون الرشید کے بھائی کے نام پر رکھا تا کہ ان کی یاد تازہ ہو جائے۔

بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ مجذوب، جو کہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے، ہر وقت روتے رہتے۔ کسی نے انہیں ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ انعام مقرر کر دیا کہ جو شخص میرے بھائی بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کو ہنستا ہوا دیکھے وہ مجھ سے انعام لے لے۔ کافی عرصہ بعد ایک دن بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کا گزر قصّاب بازار سے ہوا۔ جب دیکھا کہ ہر جانور کا گوشت اپنے پاؤں کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا ہے۔ فوراً قہقہے مارنے لگے اور وہ بھی لگاتار۔ لوگوں نے بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کو دربارِ شاہی میں حاضر کر دیا۔ محمود غزنوی نے دیکھتے ہی لانے والوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ حیران بھی رہ گئے کہ وہی بھائی جو ساری زندگی مسکراہٹ تک اپنے ہونٹوں پر نہ لائے مگر آج ہنسنے سے نہیں تھکتے۔ پوچھا بھائی کیا وجہ ہے کہ آپ اس قدر ہنس رہے ہیں۔ جواب دیا کہ ہم ملنگوں کو اپنے حال پہ رہنے دیں۔ آپ شہنشاہِ وقت ہیں اپنا کام کریں۔ مگر بادشاہ

کے بار بار اصرار پر بتایا کہ بادشاہ سلامت! مَیں اس سے پہلے اس خوف سے رات دن روتا رہا کہ میرا بھائی بادشاہ وقت ہے کئی زیادتیاں کرے گا۔ اس کے گناہوں کی وجہ سے قیامت میں مَیں نہ پکڑا جاؤں۔ مگر اگلے دن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے مجھے قصّاب بازار میں یہ عملی طور پر مشاہدہ کرایا کہ جس طرح دنیا میں ہر جانور ''اپنے'' پاؤں سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ قیامت کے دن بھی ہر شخص اپنے ہی اعمال اور کرتوتوں میں گرفتار ہوگا۔ کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ اس نظارے سے مجھے سکون ملا اور خدا کا شکر ادا کر کے ہنسنے لگا کہ قیامت کے دن مَیں تیرے اعمال سے بری الذمّہ ہوں گا۔ صرف اپنے اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اس لئے ہنستا ہی جارہا ہوں۔

شہنشاہِ وقت محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بھائی کے اس جواب سے نہایت متأثر ہوئے۔ اُن سے بغلگیر ہوکر معذرت کی اور اپنے لئے دعا کے خواستگار ہوئے۔ آئندہ زندگی میں مزید محتاط رہے۔ تاریخ اسلام میں یہ بہلول دانا ''مجذوب'' مشہور ہے۔

دوسرے مشہور بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ، جو کہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے، زیادہ تر جنگل میں رہا کرتے تھے۔ خاص کر نمازِ تہجّد کے بعد جنگل کی طرف نکل جاتے۔ یہ واقعہ اُن کے بارے زبانِ زدِ خاص و عام ہے کہ ایک دن ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ اپنی ملکہ زبیدہ اور وزراء کے ہم رکاب شکار کرنے جنگل گئے۔ دیکھا کہ دریا کے کنارے بہلول رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ریت کے گھروندے بنا رہے ہیں۔ جب بادشاہ اور ملکہ دونوں بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو زبیدہ نے پوچھا بھائی یہ گھروندے کیسے ہیں۔ جواب دیا یہ بہشت کے محلات ہیں اور برائے فروخت ہیں۔ زبیدہ نے پوچھا ایک کی کیا قیمت ہے؟ ملکہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمہارے گلے کے موتیوں کا ہار۔ زبیدہ نے فوراً ہار اُتار کر اُن کے قدموں میں رکھا۔ بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ٹھیک ہے یہ محل تمھارا ہوگیا۔ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ برہم ہوئے کہ اتنا قیمتی ہار کھیل کھیل میں مفت ملنگ کو دے بیٹھی اور مٹی کے گھروندوں کو بہشت کے محلات سمجھ بیٹھی۔ رات کو خواب میں ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کو بہشت کی سیر کرائی گئی۔ دیکھا کہ ہر طرف نوری مخلوق ہے اور سجے ہوئے محلات ہی محلات ہیں۔ چلتے چلتے دیکھا کہ ایک محل، جو کہ اپنی رعنائیوں میں یکتا ہے اس کے دروازے پر اُن کی بیوی ''زبیدہ'' کا نام کندہ ہے۔ چاہا کہ اس کے اندر جا کر اس کا مشاہدہ کرے۔ مگر دروازے پر مامور فرشتے نے ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کو روکا کہ یہ تو آپ کی بیگم کا محل ہے جو کہ آج اس نے تیرے بھائی بہلول دانا سے خریدا ہے۔ لہٰذا اس میں اور کوئی نہیں جاسکتا۔ جب ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کھلی بہت پشیمان ہوئے اور پچھتائے۔ صبح پھر بیوی کو لے کر جنگل میں اسی ریت کے ٹیلے پر جا پہنچے۔ جہاں بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کا ڈیرہ تھا۔ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے ادب سے سلام کے بعد عرض پیش کی۔ آج میں بھی ایک گھر خریدنا چاہتا ہوں۔ دو گے؟ ملنگ بولے ضرور دوں گا۔ زبیدہ حیران رہ گئی کہ کل بادشاہ سلامت تو مجھے جھڑک رہے تھے اور آج خود خریدار بنے ہیں۔ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کیا قیمت ہے؟ بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ بولے آج اس کی قیمت تمہاری ساری سلطنت ہے۔ بادشاہ گھبرا گیا اور پھر کہا کہ کل تو اس کی قیمت صرف ایک ہار تھی اور آج ساری سلطنت؟ یہ کیسے؟ جواب دیا حضور! زبیدہ نے بن دیکھے سودا کیا تھا اور آپ دیکھ کر سودا کر رہے ہیں۔ ہارون

الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کیلئے بھی تیار ہوں۔ آخر بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے اسے گھر بھی دے دیا اور ان کی سلطنت بھی چھوڑ دی۔

اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دوستوں کو اللہ کی بارگاہ سے بہت سے اختیارات دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ دوستی کا ثبوت بھی اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک دوست کو اپنے دوست کی ملکیت میں تصرف حاصل نہ ہو۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا۔

؎ کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

دیگر یہ کہ اولیاء کرام جو کچھ عطا فرماتے ہیں مشاہدے ہی میں عطا فرماتے ہیں۔ اُن کا ہر فعل شک وشبہ اور تخمین و ظن سے بالاتر ہوتا ہے۔ نیز خداوند کریم اپنے دوستوں کی ہر تردّد اور پریشانی میں (ایک مہربان دوست کی طرح) تشفّی بھی فرماتا ہے۔ باز ار قصاب سے عبرت دلانا اسی ضمن کی ایک بات ہے۔ خدا مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ باتوں باتوں میں اولیاء کرام کے تصرفات پر اظہار خیال فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ دنیا میں تو فی الوجود ایک جگہ موجود ہوتا ہے مگر تصرّ فات ساری کائنات پر کرتا ہے۔ اس کی تشریح میں بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پڑھ کر ترجمہ کیا کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مَیں نہر کے کنارے (اب اس وقت بھی ان کا مقبرہ اسی نہر کے کنارے پشاور کے نواح میں ہے) بیٹھ کر بادشاہوں کی طرح ساری دنیا کا انتظام کرتا ہوں۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں سلسلۂ قلندریہ کے غوث تھے۔ کیونکہ نظام عالم وقت کے غوث کے ہاتھ میں ہوا کرتا ہے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال کو ایک شعر میں یوں بیان کیا تھا کہ:

؎ مرد پنہاں در گلیم بادشاہ عالم است　　تیغ خفتہ در نیام پاسبان کشور است

(ایک مرد درویش اپنی گڈری میں چھپا ہوا اس طرح دنیا کی بادشاہی کرتا ہے جس طرح کہ ایک بادشاہ وقت کی نیام میں چھپی ہوئی تلوار اپنے ملک کی نگران ہوا کرتی ہے۔)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس طرح ایک ظاہری ملک کا بادشاہ اپنے ملک میں ایک جگہ بیٹھ کر احکامات جاری کرتا ہے اس طرح کائنات کی باطنی حکومت چلانے والا ایک فقیر بھی دنیا کے کسی ایک خطے میں بیٹھ کر نظامِ عالم چلانے کے لیے احکامات جاری کرتا رہتا ہے۔ یہی لوگ تختوں کے حقیقی مالک ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کے ساتھ قسمت والوں کی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب دوستوں کو اولیاء اللہ کی عقیدت اور خدمت نصیب فرمادے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ بعد نماز ظہر اور ذکر وفکر حاضرین میں سے ایک دو آدمیوں کے دلوں میں اولیاء اللہ کے بارے میں کچھ اعتراضات تھے جو آپ کے سامنے ان کا اظہار نہ کر سکے۔ لیکن بعد میں اس بات کا انکشاف ہوا کہ آپ نے اُن آدمیوں کے حسبِ حال ارشاد فرمایا کہ ہمارے سلسلے کے ایک بہت بڑے بزرگ جن کا

نام نامی اسم گرامی بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ تھا اپنے وقت کے صاحبِ کرامت اور مشہور فقیر تھے۔ ایک دن دیہات میں اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ جارہے تھے کہ ایک دیہاتی نے اُنہیں دیکھا اور کہنا شروع کیا کہ دیکھو دعویٰ تو بزرگی کا کرتے ہیں لیکن دوڑتے ہیں پیٹ کے پیچھے۔ خود کام کر کے کھا نہیں سکتے۔ بہر حال اس طرح کے گستاخی کے الفاظ جب بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ نے سن لئے تو فرمایا ''درد تو تیرے اپنے پیٹ میں ہے باتیں ہم پر بناتا ہے۔''

بس یہ الفاظ آپ کے منہ مبارک سے نکلے ہی تھے کہ دیہاتی کے پیٹ میں جان لیوا درد شروع ہو گیا۔ اس نے دھاڑنا شروع کر دیا۔ لوگ بھاگتے ہوئے بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور معافی طلب کی۔ مگر انہوں نے فرمایا تنگ نہ کریں بس خدا کی بارگاہ میں اس کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ مَیں نے تو اسے معاف کر دیا مگر خدا کی غیرت نے اس کی گستاخی کو گوارا نہ کیا۔ تقدیر میں یہ تلوار چل چکی ہے۔ اب یار کی مرضی پر ہم مداخلت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آدمی تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے نصیحت کی کہ اولیاء اللہ پر اعتراض اور تنقید کرنے سے بے بہا دینی و دنیاوی اور اخروی نقصانات ہوتے ہیں۔ اس قسم کے مختلف واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں تاکہ دوسرے عبرت حاصل کر کے اولیاء اللہ کو تنقید کا نشانہ نہ بنائیں۔ بقول مولانا رومیؒ:

؎ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس دَرَد — مَیلش اندر طعنہ پاکاں زند

(جب خداوند کریم کسی کو رسوائے دو جہاں کرنا چاہے تو اس پر پاک لوگوں کی طعنہ بازی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔)

لہٰذا خیال رکھیں آج بھی وہی خدا موجود ہے اور گدڑیوں میں مٹی پر بیٹھنے والے درویش بھی ضرور موجود ہیں۔ کہ ان کی دل آزاری کرنا خدا کی ناراضگی بلکہ اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہم گنہگار ضرور ہیں مگر اولیاء اللہ کا لباس اور ان کا نقش قدم ہمارے پاس موجود ہے۔ خداوند کریم سمجھ عطا فرماوے۔

ایک مرتبہ کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں دورانِ محفل آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اس کائنات میں ایک ظاہری نظام ہوتا ہے اور ایک باطنی نظام اور بنیادی چیز باطنی نظام ہے۔ ظاہری نظام بادشاہ اور وزیر وزراء کے ہاتھوں سے چلتا ہے مگر باطنی نظام فقراء اور اولیاء کرام کے ہاتھوں چلتا ہے۔ یہاں تک کہ سب ظاہری تصرّفات اور تبدیلیاں اولیاء کرام کے توسّط سے باطنی نظام کے تحت سرانجام پاتی ہیں۔

آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ ایوب خان کو اس وقت تخت سے ہٹایا گیا جب اس نے شریعت کی خلاف ورزی کی۔ یعنی خاندانی منصوبہ بندی شروع کی اور بھٹو کو اس وقت رُسوا ہونا پڑا جب اس نے شیعہ حضرات کو دوسروں کی نسبت زیادہ مراعات دینا شروع کر دیں۔ اِس کے ثبوت میں آپ مدظلہُ العالی نے صدر ایوب خان کے بارے اپنا ایک واقعہ پیش فرمایا کہ ظاہری حکومت اولیاء کرام کے اشاروں پر چلتی ہے۔ مَیں ایک مرتبہ پشاور کے قریب نو دس میل کے فاصلے پر ایک مزار

کی زیارت کرنے علی الصبح حاضر ہوا۔ مزار کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی دیوار تھی اور مزار کے گرد کچھ بوسیدہ چٹائیاں پڑی تھیں۔ جب میں چاردیواری میں داخل ہو گیا تو دیکھا کہ صاحبِ مزار رحمۃ اللہ علیہ کے سرہانے پر ایک جلالی فقیر سبز پگڑی باندھے لمبے کپڑے پہنے جھگڑ رہا ہے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ کسی بات کے منوانے کیلئے وہ صاحبِ مزار رحمۃ اللہ علیہ سے بار بار اصرار کر رہے ہیں۔ جب مجھے دیکھا فوراً اُس طرف سے توجہ ہٹا کر مجھے آملے اور ایک اچھی چٹائی بچھا کر کہا حضور! اس پر تشریف رکھیں۔ میں بیٹھ گیا۔ تب میں نے مسکرا کر پوچھا کہ بابا! مزار والے سے کیوں جھگڑ رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ شاہ صاحب صبح کی نماز مَیں نے فلاں بزرگ کے مزار پر پڑھی (جو یہاں سے کم از کم دو سو میل کا فاصلہ تھا) اور اُن سے صدر ایوب خان کو حکومت سے ہٹانے کی درخواست کی اور منظوری مل گئی۔ اب اِن سے منظوری لے رہا ہوں۔ مَیں نے کہا کہ چھوڑو آپ ملنگ آدمی ہیں۔ وہ جانیں اور اُن کا کام۔ جواب میں انہوں نے کہنا شروع کیا کہ صدر ایوب خان اچھا آدمی نہیں ہے۔ مَیں اسے مزید کرسی صدارت پر نہیں بیٹھنے دوں گا۔ مَیں خاموش ہو گیا اور اُن سے کہا کہ فارغ ہو کر باہر ہوٹل پر آجائیں۔ آپ کو ناشتہ کراؤں گا۔ چند منٹ بعد تشریف لائے۔ باتیں شروع ہوئیں۔ مَیں نے چائے اور مٹھائی اُن کے سامنے رکھ دی۔ کہنے لگے یہاں سے تو کام ہو گیا۔ مگر دو تین اور جگہوں سے بھی منظوری لینی ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ پھر کہیں ملاقات ہو گی؟ جواب میں فرمایا کہ ہاں بنوں کے قریب پیر بابا گُھستانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر۔ السّلام علیکم کہہ کر چل دیئے۔ (جبکہ چائے اور مٹھائی ویسے رکھی رہی ہاتھ تک نہ لگایا) ایک دو دن بعد مَیں بنوں آیا۔ دوسرے دن بازار گیا دیکھا کہ لوگ بسوں اور ویگنوں میں پیر بابا گُھستانی رحمۃ اللہ علیہ والے راستے کی طرف جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ آج پیر بابا گُھستانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک ہے۔ میں بھی ایک ویگن پر بیٹھ گیا کہ زیارت کر آؤں۔ مَیں دربار پر ویگن سے ابھی اُترا نہ تھا کہ وہی ملنگ میرے سامنے آیا اور سلام کیا۔ مَیں نے فوراً پوچھا۔ یہاں سے منظوری ہو گئی؟ جواب دیا جی ہاں۔ بالکل ابھی ابھی۔ مَیں نے پوچھا پھر بھی کبھی ملاقات ہو گی؟ جواب دیا مشکل ہے۔ مَیں دربار کی زیارت کر کے جونہی باہر آیا کہ ریڈیو پر اعلان ہو رہا تھا کہ صدر ایوب خان نے استعفیٰ پیش کر دیا ہے۔

اس انکشاف کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ بزرگانِ دین کی بارگاہ میں ہر دَور کے حاکم جھکے رہے وہ بڑے فخر سے ان کی غلامی کا دم بھرتے اور ان سے دعا کی بھیک مانگتے تھے۔ اس بات پر تاریخِ عالم شاہد ہے:-

ع اےٓ ہما پیشِ فقیری سلطنت کیا مال ہے — بادشاہ آتے ہیں پابوس گدا کے واسطے

ایک مرتبہ بستی آدم (ضلع مظفر گڑھ) میں تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا کہ آج کل ناجائز کاروبار، دغابازی اور فراڈ زیادہ ہو چکا ہے۔ لیکن کوئی گرفت نہیں ہے اور نہ ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی ہو رہی ہے۔ اس پر آپ مدظلہُ العالی نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرید اپنے مرشدِ کامل کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ حضور! آج کل نظامِ عالم خاموش اور پُرسکون ہے کیا وجہ ہے؟ مرشد نے جواب دیا کہ دنیا کا نظام چلانے والا فقیر آج کل ''جمالی'' ہے۔ اس لئے

خاموشی ہے۔ مرید نے عرض کیا حضور! وہ کہاں ہے؟ مرشد نے بتایا کہ فلاں شہر میں خربوزے بیچ رہا ہے۔ چنانچہ مرید اس کے پاس پہنچ گیا۔ کہنے لگا کہ مَیں نے خربوزے خریدنے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ پسند کرلو۔ اس نے ایک خربوزہ اٹھایا دیکھا اور کہنے لگا کہ یہ درست نہیں ہے دوسرا خربوزا توڑ کر پھینک دیا۔ پھر تیسرا اکثر خربوزے توڑ دیئے۔ آخر میں کہا کہ کوئی خربوزہ مجھے پسند نہیں آیا۔ فقیر نے بڑے تحمل سے کہا کہ ٹھیک ہے پسند نہیں ہیں تو چلے جاؤ۔ مرید واقعی سمجھ گیا کہ جتنا بھی فقیر کو تنگ کیا خاموش رہا۔ کوئی گرفت نہیں کی واقعی نظامِ عالم خاموش ہے۔

چند عرصہ گزر جانے کے بعد پکڑ دھکڑ حکومتوں کی تبدیلی اور رفتارِ زمانہ نے گرم جوشی اختیار کی۔ لمحوں میں کچھ سے کچھ ہونا شروع ہوا قید و بند اور سختی ہونے لگی۔ وہی مرید مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی جناب! نظامِ عالم نہایت تیز ہے اور ہل چل مچی ہوئی ہے۔ کیا بات ہے؟ مرشد نے جواب دیا کہ آجکل فقیر ''جلالی'' ہے۔ مرید نے عرض کی حضور ہے کہاں؟ فرمایا کہ فلاں شہر میں ''ماشکی'' بنا ہوا ہے۔ مرید روانہ ہوا جب ان کے قریب پہنچا دیکھا کہ فقیر چھڑکاؤ کر رہا ہے۔ کہا کہ ٹھہرو آپ سے کام ہے۔ فقیر نے جواب دیا قریب مت آؤ۔ کہیں ایسی جگہ پر پھینک دوں گا یاد کرو گے۔ خربوزوں والا فقیر نہیں ہوں۔ جاؤ اپنا کام کرو مرید سمجھ گیا کہ واقعی فقیر جلال میں ہے۔ اس لیے سارا عالم پاداشِ عمل میں ہے۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے زبان حال سے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم کے کارندے اس عالم کیلئے مقرر ہیں۔ وہ نظامِ عالم چلانے میں مصروف ہیں۔ وہ اسماء الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ کبھی جلال میں اور کبھی جمال میں ہوتے ہیں۔ بادشاہ اگر سختی پہ آجائے تو کسی کو امان نہیں ملے گی۔ اگر نرمی پہ آجائے تو سب ڈھیلے، آرام پرست، اور بے راہ رو بن جاتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی طرف سے بھی اس کی فوج دنیا پر اپنے تصرّفات کر رہی ہے۔ اللہ کریم چشم بینا دے۔ آمین۔

ایک مرتبہ کوٹ ادو کے نواحی علاقے میں ایک مرید کے ہاں آپ کی دعوت ہوئی۔ بعد از دعا (آپ کا معمول ہے کہ کسی جگہ آتے اور جاتے وقت دعائے خیر مانگتے ہیں) ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ چونکہ للہ فی اللہ کام کرتا ہے۔ حق پر ثابت قدم رہتا ہے۔ نصرتِ ایزدی ہمہ وقت اُس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس لیے کوئی ظالم و جابر حکمران ولی اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر مخالفت اور مقابلہ کرے تو ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسے ہزار ہا واقعات ہیں کہ اولیاء کرام کے مخالفین کو عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ضمن میں آپ مدظلہٗ العالی نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک علاقہ میں ایک ولی اللہ تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دے رہا تھا۔ اُس کے عقیدت مند اور مریدان ہر وقت اُن کی خدمت میں موجود رہتے۔ جہاں جاتے خوب تزک و احتشام سے جاتے۔ رات دن آستانے پر لنگر جاری رہتا۔ چنانچہ اس علاقہ کے حکمران کو خطرہ لاحق ہوا کہ یہ بوریا نشیں فقیر زور پکڑتا جا رہا ہے۔ کہیں میری سلطنت کیلئے خطرہ کا باعث نہ بنے۔ اس پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو اُکسایا کہ اس فقیر سے ہمہ قسم بائیکاٹ کر دیں۔ جو حکم عدولی کرتے ہوئے پکڑا گیا سخت سزا پائے گا۔ تاکہ فقیر تنگ ہو کر ہمارا علاقہ چھوڑ جائے۔ چنانچہ ولی اللہ نے ایک مرید کو حکم دیا کہ کسی اور شہر سے سامان خرید کر یہاں ایک

دکان لگا دے تا کہ سامانِ ضرورت اپنی دکان سے خریدا جائے۔ مرید نے اس طرح کیا۔ چند ماہ بعد حکمران حیران ہوا کہ فقیر کا لنگر جاری اور زائرین کی حسبِ معمول آمد و رفت بحال ہے۔ آخر بادشاہ نے حکم صادر کر دیا کہ فوراً ہمارا مُلک چھوڑ جاؤ۔ وگرنہ تشدّد سے کام لیا جائے گا۔ فقیر نے سن کر کہا کہ صرف ایک ہفتہ کی مہلت چاہیے۔ تا کہ ہم اپنا ساز و سامان سفر تیار کر سکیں۔ علاقہ والوں سے الوداع اور لین دین بے باق کر سکیں۔ دو تین دن ہی گزرے اچانک بادشاہ کے پیٹ میں سخت درد شروع ہو گیا۔ حکماء دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ کوئی جسمانی عارضہ نہیں ہے بلکہ قدرتی گرفت ہے۔ آخر کسی وزیر نے مشورہ دیا کہ اس فقیر کے پاس چلا جائے۔ شاید یہ بلائے ناگہانی رفع ہو جائے۔ بادشاہ چونکہ شدّت درد سے بے خود تھا۔ گستاخی کے باوجود تیار ہو گیا۔ فقیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔

علاج کے بارے عرض کیا مگر فقیر نے یہ شرط لگا دی کہ تُو اپنی ساری سلطنت میرے حوالے کر دے اور خود بھی دوسرے مُلک چلا جائے تب علاج کروں گا۔ بادشاہ چونکہ ہر طرف سے لاعلاج ہو چکا تھا۔ فقیر کی بات مان کر سب ورثاء اور وزراءِ مملکت کے سامنے لکھ دیا کہ مجھے اگر شفا ملی تو ساری سلطنت فقیر کے حوالے کروں گا اور مَیں بھی یہ مُلک چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ جب معاہدہ لکھا گیا تو فقیر نے اپنا عصا اٹھایا اور پیٹ پر پھیرا۔ فوراً تھوڑی سی ہوا خارج ہوئی۔ بادشاہ اُٹھ بیٹھا یکدم ساری تکلیف جاتی رہی۔ بادشاہ نے فقیر کا شکریہ ادا کیا اور حسبِ معاہدہ ہمیشہ کے لئے الوداع کر کے جانے لگا۔ فقیر نے بادشاہ کو واپس بلا کر کہا کہ دیکھو ہمارا مقصد آپ کی سلطنت کی حقیقت بتانا تھا کہ جس کی قیمت ذرا سی ''بدبودار ریح'' تھی۔ کہ جس کے بچانے کے لئے تُو نے مجھے کس قدر پریشان کر رکھا تھا۔ لہٰذا جاؤ ہم تم سے کچھ نہیں مانگتے۔ صرف آئندہ خواہ مخواہ کے لئے ہمیں پریشان نہ کریں۔ بادشاہ بہت پشیمان ہو گیا اور نادم ہو کر ہمیشہ کے لئے فقیر کا خادم بنا۔

؎ تخت سکندری پہ وہ تھوکتے نہیں　　بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے فرمایا کہ اولیاء اللہ اور فقراء کے سامنے دنیاوی شان و شوکت اور حکومت و سلطنت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ فقیر صرف طالبِ خدا ہوتا ہے (اور مخلوق کو اس کی طرف بلانے، رشتہ عبدیّت مضبوط کرنے اور وعدۂ روزِ الست کو یاد دلانا ہے اور بس۔) اگر کوئی شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ خدا سب دوستوں کو حقیقت شناس بنا کر اپنی رحمت و شفقت کا مستحق بنا دے۔ آمین۔

دورہ بارکھاں نومبر 1989ء کے موقع پر بعد از محفل سماع حضرت زین الدین آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ نے ان کے والد حضرت سیّد نقیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو کہ افغانستان کے باشندے تھے بتایا کہ ان کا اصل نام کوئی اور تھا۔ مگر خدا کی بارگاہ میں ''نقیب'' ایک درجۂ ولایت ہے۔ وہ اس درجے پر فائز ہونے کی وجہ سے نقیب ہی مشہور ہوئے۔ ان کے اور ان کے فرزندار جمند کے در کے کتے بھی قابل عزت ہیں کیونکہ وہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی اولاد پاک سے ہیں۔ اس حقیقت کی نقاب کُشائی کے بعد آپ نے سیّد نقیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے تصرّ فات کے بارے میں فرمایا کہ آپ امان اللہ خان شہنشاہ کے دور حکومت میں ہو گزرے ہیں۔ ایک دن امان اللہ خان نے اپنے ایک قاصد کو بھیج کر سیّد نقیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دربار میں پیش ہونے کا حکم صادر کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کیا اور کہلا بھیجا کہ بادشاہ سلامت خود تشریف لائیں۔ مجھے ہجومِ خلق سے فرصت نہیں ہے۔ جب قاصد نے یہ پیغام شہنشاہِ وقت کو پہنچایا تو شہنشاہ برہم ہوا اور کہا کہ نقیب شاہ کو کہہ دو۔ اگر ایک دو دن تک ہمارے پاس نہ آئے تو حکومت وقت کی طرف سے سزا پائیں گے۔ چنانچہ قاصد نے جونہی سیّد نقیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خلیفہ کو اشارہ کیا اچھا! وہ جھنڈا وہاں سے اتار کر دوسرے کونے پر لگا دو۔ ہم نے اپنے بادشاہ (امان اللہ) کو بدل دیا۔ وہی قاصد اور اس وقت کی تاریخ شاہد ہے کہ اسی رات شہنشاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت ہوئی۔ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ سیّد نقیب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی گستاخی پر اس سے مکمّل طور پر بادشاہت چھین لی۔ اللہ کریم اولیاء اللہ کی گستاخی سے بچائے۔ آمین۔

؎ مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دونوں جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

اس کے بعد مرشد کریم نے فرمایا کہ سیّد نقیب شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ شان اور صاحبِ تصرّف انسان تھے اور خدا کی خاص مخلوق میں شمار تھے۔ سیّد زین الدین آغا صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی نیک انسان ہیں۔ اللہ کریم انہیں طریقت میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ خدا کے دوست ہر کہیں مختلف بھیس میں موجود اور تصرّ فات رکھتے ہیں۔ اپنا ایک چشمِ دید واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری بستی ڈھیری کلہ سیدان بخاری (بنوں شریف) میں ایک عجیب قسم کا بچہ رہتا تھا۔ اس کی آنکھیں سورج کی طرح بالکل روشن اور چمکدار تھیں۔ اس سے کوئی آنکھ نہیں ملا سکتا تھا۔ وہ صبح سویرے گھر سے نکل جاتا۔ ایک ویرانے میں بیٹھ کر سورج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا تھا ''چلو چلو چلو'' جب سورج غروب ہوتا تو واپس گھر لوٹتا۔ دیگر یہ کہ انہیں خدا کی طرف سے کشف عطا تھا۔ ہمارے پاس اگر کسی مہمان نے آنا ہوتا تو پہلے آ کر بتا دیتا کہ باباجی! آج آپ کے ہاں مہمان آنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ کی خاص مخلوق کئی شکلوں میں موجود رہتی ہے۔ ان کے تصرّ فات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ ہر آدمی کی خدمت وعزت کی جائے۔ کیا معلوم کہ گدڑیوں میں لعل موجود ہوں۔ اللہ کریم سب کو باادب بنائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مسائلِ طریقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کا سینہ رحمت الٰہی کا خزینہ ہوتا ہے۔ آپ مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں گنہگار لوگوں کو تبلیغ کرنا اور فیض پہنچانا زیادہ پسند ہے۔ نیک تو ویسے نیک ہیں۔ جوانمردی یہ ہے کہ برے لوگوں کو سیدھے راستے پہ لایا جائے۔ اپنے پیر و مرشد کے متعلق فرمایا کہ وہ ایک جگہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک میلا کچیلا شخص دوڑ کر آیا جس کی ظاہری حالت قابل نفرت تھی۔ مگر مرشد کریم نے اس شخص

کو کافی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ گندہ اور میلا کچیلا آدمی جس کو شاید وضو تک کا پتہ نہیں ہے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اتنی توجہ کیوں دی۔ دوسرے سال جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوبارہ وہاں دورے پہ پہنچے تو وہی شخص صاف ستھرا ہاتھ میں تسبیح لیکر اللہ اللہ کر رہا تھا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی قدم بوس ہو کر رونے لگا۔ تب یاد آیا کہ اسی شخص کے بارے میں پچھلے سال لوگوں نے باتیں کی تھیں۔

لہٰذا ولی اللہ بروں اور گندوں کو ہی صاف کرنے والے ہوتے ہیں۔ نارِ دوزخ سے بچا کر مخلوق خدا کو اپنی فیضِ نگاہ سے جنت کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ خداوند کریم صحبت اولیاء کی نعمت سے ہر مسلمان کو نوازے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں حلقۂ مریدان میں تشریف فرما تھے۔ درسِ فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مراتب اولیاء اللہ کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر کوئی شخص ولی اللہ کے مرتبے اور مقام سے آگاہ ہو جائے تو وہ اپنے جسم کا گوشت کاٹ کاٹ کر اس کے حوالے کر دے تو بھی یہ سوچے گا کہ میں نے صحیح خدمت نہیں کی۔

ایک مرتبہ درسِ معرفت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا کے دوستوں کی شان خیر و برکت اور رحمت کا کسی کو پتہ نہیں چل سکتا۔ پوری کائنات ان کے قدموں میں ہوتی ہے۔ ایک ولی اللہ کی شان ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالتے وقت آگ گلزار بن گئی۔ اسی طرح ایک ولی اللہ کی آمد سے بھی وہ جگہ گلزار بن جاتی ہے۔ نیز اس جگہ کو دوسری جگہوں پہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ زمین دوسری زمین پر فخر کرتی ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ حج کا موقع تھا حُجّاج کی آمد آمد تھی باتوں باتوں میں مسائلِ طریقت پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ حج عوام کیلئے لازم ہے مگر خواص کیلئے نہیں۔ کیونکہ عوام تو خود چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں مگر خواص کے پاس خود خانہ کعبہ چل کر آتا ہے اور اپنی زیارت کراتا ہے۔ دوسری بات حج صرف اس پر فرض ہے جس کے پاس فالتو از اخراجات جمع شدہ رقم پڑی ہوئی ہو اور یہ رقم جمع کرنا عوام کا کام ہے۔ خواص بارگاہِ الٰہی سے تازہ فتوحات پر اپنا گزارہ کر کے لنگر چلاتے ہیں۔ رقم جمع کرنا اُن کا شیوہ نہیں۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ رات کو انگور کا ایک خوشہ تک اپنے پاس رکھنا پسند نہ فرمایا۔ ہاں جن کے پاس مال و دولت رہی انہوں نے حج بھی کیے اور جن کے پاس اپنی دولت نہیں تھی اور کسی مہربان کی طرف سے انتظام ہو گیا تو انہوں نے بھی حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ جس طرح مَیں نے خود حج اپنے ایک خلیفہ حاجی اسماعیل صاحب کے خرچ پر ادا کیا۔ کیونکہ میرے پاس اتنی گنجائش نہیں تھی کہ حج کے اخراجات بھی برداشت کروں اور پیچھے گھر کے لیے نان و نفقہ بھی چھوڑ سکوں۔ عام آدمی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ خانہ کعبہ خود چل کر اولیاء اللہ کے پاس آتا ہے۔ مگر خاص آدمی کو اس سے گریز اور انکار نہیں۔ کیونکہ اس چیز کا دارومدار اعمال اور خدا کی رحمت خاص سے ہے۔ جن پر خدا راضی ہو جائے یہ مرتبہ عطا ہو جاتا ہے۔
حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی تو حج کے موقع پر یہ منادی ہوا کرتی تھی کہ:

؎ اے حج رفتگاں کجائید کجائید   یار دریں جاست بیائید بیائید

(اے عازمین حج! کہاں جارہے ہو؟ یار تو میرے پاس ہے اِدھر آؤ اِدھر آؤ۔)

آپ مدظلہُ العالی دست بوسی یعنی اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ یہ حقیقت میں ہاتھ کا نہیں بلکہ نیک اعمال اور رضائے الٰہی کو چومنا ہے۔ کسی عام آدمی کا ہاتھ اس لئے نہیں چوما جاتا کہ وہ رضائے الٰہی کے مقام پہ نہیں ہے۔ جس کے ہاتھ چومے جائیں وہ عام آدمی نہیں ہوتا۔ بلکہ خدا کی طرف سے مخلوق کے دلوں میں یہ بات ڈالی جاتی ہے کہ اس کی عزت کرو اور اس سے محبّت کرو کیونکہ یہ میرا دوست ہے اور اس پر مَیں راضی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ فقراؔ اور اولیاء اللہ کے ہاتھ چومے جاتے ہیں نہ کہ کسی دولت مند اور بادشاہ کے۔

آپ مدظلہُ العالی بعض اوقات یہاں تک فرمایا کرتے ہیں کہ ولی اللہ کے ہاتھ کے چومنے سے سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور اس فعل سے ایک بد بخت انسان نیک بخت بن سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے محبّت کر رہا ہوتا ہے جس سے خدا خود محبّت رکھتا ہے۔ یعنی خدا کے دوست سے دوستی رکھنے کی وجہ سے۔

علاقہ فورٹ منرو (ضلع ڈیرہ غازیخان) میں ایک دورے کے موقع پر آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ متکبّر انسان اس فعل پر اعتراض کر کے اس سے انکار کرتا ہے۔ کیونکہ ہاتھ کا چومنا انکساری اور اللہ کے حضور عاجزی پیدا کرتا ہے کہ انسان اپنے نفس اور تکبّر کو پسِ پشت ڈال کر دوسرے کی عزت کرتا ہے اور اپنی عقیدت (جو کہ محض خدا کے لیے ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے یہ صاحبِ نفس اور متکبّر انسان کیلئے نہایت مشکل فعل ہے۔ مگر انہیں یہ نہیں معلوم۔ بقول اقبالؒ:

؎ ہمہ ناز بے نیازی ہمہ ساز بے سازی   دل شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازی

(ان لوگوں نے مخلوق سے بے نیاز ہو کر ناز (مقامِ مخدومی) اور اپنے آپ کو (ذات الٰہی میں) مٹا کر شہرت دوام حاصل کی ہے۔ اسی وجہ سے ایسے بے نیاز لوگوں سے شاہانِ وقت بھی لرزہ براندام رہتے ہیں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ مسئلہ حاضر و ناظر پر باتیں شروع ہوئیں۔ پہلے پہل تو یہ فرمایا کہ یہ کوئی عام بات نہیں۔ اس کا تعلّق حال سے ہے اس لیے صاحبِ حال لوگ ہی اس مسئلے کی حقیقت کو معلوم کر سکتے ہیں۔ ہاں صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ خداوند کریم اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنی شان کے مطابق عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی شان اور صفات کے مطابق حاضر و ناظر ہیں۔ کائنات کی کوئی بھی چیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پوشیدہ نہیں جبکہ خدا کی ذات بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہی، تو پھر باقی مخلوق اس کی صفات سے ہے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ خدا ہر کسی کو بے اصولی اور ناانصافی سے محفوظ فرماوے۔ پھر اسی طرح ایک مردِ کامل اور مرشد بھی اپنی حیثیت اور شان کے مطابق حاضر و ناظر ہونے پر تصرّف حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ جسے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے خصوصی توجہ اور رحمت نصیب ہو۔

ان مراتب (حاضر وناظر) میں کوئی ایک دوسرے کے برابر نہیں ہوسکتا۔ ہر ایک کی اپنی قدرت اور اپنی حیثیت ہے۔ یہ باتیں جو کہ علماء کیلئے موضوع بحث اور اختلافات کی بنیاد ہیں، علوم باطن سے متعلّق ہیں۔ جب مقامِ عشق حاصل ہوجائے تب یہ مسئلے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ جس طرح کہ اقبالؒ نے کہا ہے:

عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ ؎ عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
میرے مولا مجھے صاحب جنوں کر عقل کی گُتھیاں سلجھا چکا میں

آستانہ عالیہ لیہ تشریف فرما تھے۔ حضور علیہ السلام کی شان مبارک کے بارے میں فرمایا کہ خداوند کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو قسم کا علم عطا فرمایا۔ ایک ذاتی اور دوسرا صفاتی۔ صفاتی علوم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مقام پر ظاہر فرمایا اور اس کے ذریعے مخلوق خدا کی رہنمائی فرمائی۔ ''شریعت محمدیؐ'' صفاتی علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سزا و جزا اور بہشت و دوزخ کا مشاہدہ فرما کر اس کے متعلّق پیشین گوئیاں فرمائیں کہ بہشت میں فلاں قسم کی نعمتیں ہوں گی اور دوزخ میں فلاں فلاں قسم کے عذاب ہوں گے۔ ہر دور کے بارے میں بھی پیشین گوئیاں فرمائیں۔ تو یہ سب باتیں ''علمِ صفاتی'' سے تعلّق رکھتی ہیں۔ مگر علمِ ذاتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر نہ فرمایا۔ مثلاً قیامت کب قائم ہوگی؟ خروجِ دجال کب ہوگا؟ ذاتِ خدا کیسی ہے؟ مارنے اور زندہ کرنے کی کیا حقیقت ہے؟ ایسے مسائل کے اظہار سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہا درجے کی احتیاط فرمائی اور گریز کیا گو اولیاء کرام کو بھی یہ علم نصیب ہوا۔ مگر پھر سختی سے اس کے چھپانے کا بھی حکم فرمایا۔ بعض اولیاء کرام سے حالت سُکر و جلال میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو کہ خدا کے ذاتی علوم سے پردہ ہٹاتے تھے۔ (لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا کے پیش نظر۔)

چنانچہ ایک مشہور واقعہ حضرت خواجہ بَنّوُر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے جو کہ علاقہ کوہاٹ کے رہنے والے صاحب جذب وشوق ولی اللہ تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ بَنّوُر رحمۃ اللہ علیہ کا حج کا پروگرام بنا۔ اس دور میں حُجّاج کرام قافلے کی صورت میں سفر حجاز کیا کرتے تھے۔ کئی دنوں کی مسافت کے بعد ایک شام ایک مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ حرم سرا بیوی بھی ساتھ تھی جن سے آپ کا ایک شیر خوار بچہ تھا۔ خدا کی قدرت شام کو بچے کا اچانک انتقال ہوا۔ سفر کی وجہ سے نہایت پریشانی ہوئی۔ دوسرے یہ کہ آپ کا بیٹا بھی یہی ایک تھا جس کی وجہ سے بیوی نہایت غمگین ہوئی۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مریدوں کو بھیجا تا کہ بچے کی تجہیز و تکفین کریں مگر بیوی نے صاف صاف انکار کر دیا کہ بچے کو میں دفنانے نہیں دیتی۔ میرے خاوند (خواجہ بَنّوُر رحمۃ اللہ علیہ) اتنے بڑے بزرگ ہیں۔ بچے کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔ خواجہ بَنّوُر رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار مریدوں کو بھیجا مگر ناکام رہے یہاں تک کہ پورے تین دن گزر گئے۔ آخر کار خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خلیفہ حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا کہ جا کر ہر حال میں بچے کو دفنا کے آئیں۔ مگر پھر بھی وہ بضد رہی۔ آخر حاجی صاحب کو مرشد کی پریشانی گوارا نہ ہوئی۔ جلال میں آئے فرمایا بی بی بچے کو ہلائیں اور دودھ پلائیں۔ یہ فوت نہیں ہوا ہے بلکہ اس پر غشی طاری ہے۔ بی بی صاحبہ نے جب بچے کو تھپکی دی تو بچہ ہلنے لگا۔ اٹھایا اور دیکھا تو زندہ تھا۔ دودھ پینے لگا۔ کُہرام مچ گیا کہ تین دن کا مردہ بچہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔ خواجہ

بنگو ر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ تُو نے کیا کیا؟ خلیفہ صاحب روتے ہوئے فوراً قدموں میں گر پڑے کہ حضور! معاف فرمائیے۔ آپ کی پریشانی برداشت نہ کرتے ہوئے قابو سے باہر ہو گیا تھا۔ جان بوجھ کر ایسے نہیں کیا۔ خواجہ بنگو ر رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی اختیار کی اور تب قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے فرمایا کہ آج تک خاندانِ بنگو ر علاقہ کوہاٹ میں موجود ہے اور ان کی آنکھیں مُردوں کی طرح نیم غنودگی کی حالت میں ہیں۔ اس غیر شرع فعل پر ناراضگی کی پاداش میں ابھی تک ان کے خاندان میں یہ نشان باقی ہے۔ مرشد کریم نے مزید فرمایا کہ دیکھو اولیاء کرام سے بھی بوقت جلال ذاتی علم کا اظہار ہوا تھا۔ تو انبیاء کرام کی بات ہی اور ہے۔ ان کو ہر قدم پر ضبط کا حکم دیا گیا تھا وگرنہ معلوم نہیں کہ وہ کیا سے کیا کر دیتے۔ اس لئے علوم الٰہی کے بے بہا خزانے موجود ہیں مگر ان کا سراغ صرف اس انسان کو ملتا ہے جس کے پاس عقیدۂ خالص موجود ہو۔ بقول اقبالؒ:

؎ مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا　　　ظن وتخمین سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری

عقیدۂ خالص ایمانِ خالص سے ہے کہ جس کا اس دورِ پُرفتن میں فقدان ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو ایمانِ خالص اور عقیدۂ کامل نصیب فرمائے۔ آمین۔

جون 1989ء میں دورۂ فورٹ منرو کے موقع پر آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی محفل میں عام وخاص سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ آج کل کئی لوگوں کا خیال ہے کہ علم غیب کسی خدا کے بندے کو نہیں ہے۔ اگر اس سے انکار کیا جائے تو اس پر مشرک جیسے الفاظ چسپاں کر دیتے ہیں یہ اچھی بات نہیں ہے۔ سن لو علمِ غیب کی دو قسمیں ہیں۔ 1 علمِ غیب ذاتی۔ 2 علمِ غیب صفاتی۔

علمِ غیب ذاتی خداوند کریم کا ذاتی علم ہے۔ جو ہر ذرّے کو گھیرے ہوئے ہے۔ جو وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے۔ اپنے علم میں یکتا و بے مثال، مَالِکُ الْمُلْک اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے۔

علمِ غیب صفاتی کہ جس پر وہ راضی ہو عطا فرما کر سرفراز فرماتا ہے۔ علم ذاتی صرف خدا کے پاس ہے۔ (اگر اس پر بھی وہ کسی کو مطلع کرے تو اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتا وہ ہر طرح سے بااختیار جو ہے)

صاحبِ علم صفاتی پھر بھی خداوند قدوس کے قبضہ قدرت میں ہے جب تک وہ بندہ اس کی رضا میں ہے یہ علم اس کے پاس رہے گا مگر جب وہ اس کی مرضی سے نکل کر بھٹک جائے فوراً اس کا وہ علم بھی سلب فرماتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی کو خدا جب صفاتی علم عطا فرماتا ہے تو وہ اس کے مقابلے میں آجاتا ہے۔ کوئی دوسری طاقت بن کر خدا کا مقابلہ کرتا ہے وہ ذات بے نیاز تو جس پر ذرہ بھر ناراض ہو جائے فوراً ان صفات سے اس کو مبّرا کر کے چھوڑتا ہے۔ تاریخِ اسلام میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ بڑے بڑے مقامات پر فائز اولیاء کرام ذرا سی غلطی سے اپنے مدارج سے گر کر زوال میں آگئے۔ جو خدا کے مقابلے کا دم بھرتا ہے یا شریعتِ محمدی ﷺ کی پاس داری نہیں کرتا تو اس سے قبل وہ تمام تر اوصافِ حمیدہ سے فارغ کر دیا جاتا ہے۔ الختصر علم صفاتی اس کے ذاتی علم کا ایک مظہر ہے وہ جسے پسند کرے اسے دے دیتا ہے مگر بندہ پھر

بھی اپنے مقام پر عاجز، نیازمند اور تابع فرمان الٰہی ہوتا ہے۔

مزید آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ آجکل جو جھگڑے ہیں صرف بعض غلط فہمیوں کی بناء پر ہیں۔ وگرنہ حقیقت تو ایک ہی ہے۔ اگر یہ شکوک وشبہات رفع ہو جائیں تو سب ایک حقیقت کو ماننے کیلئے تیار ہو جائیں۔ اولیائے امتِ محمدیہ ﷺ کو خداوند کریم نے علم غیب صفاتی عنایت کیا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی ایک مثال پیش کی کہ ایک مرتبہ میں پشاور گیا۔ وہاں پر ایک ولی اللہ گارڈ بابا کے نام سے مشہور اپنے مریدوں میں تشریف فرما تھے۔ مجھے بھی وہاں بلا لیا گیا۔ جب حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ شاہ صاحب آپ کے مرشد کا کیا مقام ہے؟ ایک دو مرتبہ تو مَیں خاموش رہا لیکن آخر کار مَیں نے اُن کے بار بار اصرار پر عرض کیا جناب! ''میرے مرشد کریم کی تو اتنی بڑی شان ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اگر کوئی نبی آسکتے تو میرے مرشد ہی نبی ہوتے'' اس پر گارڈ بابا چونک اُٹھے۔ اپنے مسند پر سے اٹھ کر مریدوں سے مخاطب ہوئے دیکھو! ''اپنے مرشد کے بارے ایسا عقیدہ ہونا چاہیئے'' تب مجھے مخاطب ہو کر فرمایا شاہ صاحب! آپ کو اپنا عقیدہ مبارک! انشاء اللہ آپ کامیاب ہیں۔ کچھ عرصہ بعد جب اپنے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ دریافت کرنے لگے شاہ صاحب! گارڈ بابا نے پشاور میں جب آپ سے ایک بات پوچھی تھی تو آپ نے کیا جواب دیا؟ ایک دو بار تو میں خاموش رہا۔ تب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بار بار اصرار پر مَیں نے وہ بات عرض کر دی تو آپ انتہائی جلال میں آئے اور فیض ابدی سے نوازا۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ پشاور کہاں اور کھاریاں کہاں مگر اللہ کریم نے انہیں چونکہ علم غیب صفاتی عطا کیا ہوا تھا۔ معلوم کر لیا۔

ایک اور واقعہ حضرت دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ کا آپ نے پیش کیا کہ آپ کے ایک نوجوان خلیفہ جن کا نام حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ تھا، ہمہ وقت مصروف خدمت رہا کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے دورے سے واپس جارہے تھے حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ کو حکم فرمایا کہ اگلے دورے پر آپ کی شادی ہو چکی ہو۔ مرشد کے چلے جانے کے بعد حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ اگر شادی کرلوں تو بیوی بچوں کی پریشانی میں مبتلا ہو کر خدمتِ مرشد میں کہیں کوتاہی نہ ہو جائے۔ پروگرام نکاح مؤخر کر لیا۔ دوبارہ جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ دورے پر تشریف لائے تو حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی عذر پیش کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا چلو اگلے دورہ سے پہلے شادی کر لینا۔ جب تیسرے دورے پر آئے تو حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کچھ الجھے ہوئے تھے اور وہ اس بات پر مصر تھے کہ نہایت غریب آدمی ہوں۔ اس لیے یہ بوجھ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اس پر حضرت دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ نے تاکیداً حکم دیا کہ آپ کی اولاد میں سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو اُمت محمدی ﷺ کیلئے روشن چراغ ثابت ہوگا۔ اس لئے آپ فی الفور شادی کرلیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے کسی نہ کسی طریقے سے شادی کر لی۔ حضرت دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوش ہوئے اور مبارکباد دی۔

جب حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا بچہ پیدا ہو گیا تو مرشد کی خدمت میں لے گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ بچہ وہ نہیں

ہے۔ دوسرا بچہ جب پیدا ہوا پیرو مرشد کی خدمت میں لے گئے فرمایا یہ بھی وہ نہیں ہے۔ تیسرا پیدا ہوا پھر فرمایا یہ بچہ نہیں ہے۔ جب چوتھا پیدا ہوا تو حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ بچہ اٹھا کر اپنے مرشد کی خدمت میں لے گئے۔ جب سامنے کیا حضرت دوست محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مبارکباد دی اور دُعا کی کہ جس بچے کا انتظار تھا وہ یہی ہے۔ اس کا نام ''سراج الدّین'' رکھنا۔ اس کے ذریعے اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تاریک سینے روشن ہوں گے۔ اور اِن کی تبلیغ سے دینِ اسلام کو بہت تقویت ملے گی۔ چنانچہ وہی بچہ جب بڑا ہوا۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ اُس نے مخلوق خدا کے لیے معرفتِ الٰہی کے کتنے دریا بہا دیئے۔ اگر حضرت سراج الدّین رحمۃ اللہ علیہ کامل ہستی نہ ہوتے تو حضرت دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ اس قدر تاکید سے یہ پیشین گوئی نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اولیائے اُمت محمدیؐ کو خدا کی طرف سے علمِ غیب صفاتی عطا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت۔ اس سے انکار ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس بارے میں بیّن ثبوت اور مشاہداتِ عینی موجود ہیں۔ نیز اولیاء کرام کا ہر دور میں بھی موجود رہنا قانون قدرت، اصول فطرت اور ایک امر لازم ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا کہ خدا کے پیاروں کو اپنی موت کے بارے الہام ہوتا ہے۔ اس پر محلے کے ایک آدمی نے بتایا کہ یہاں ایک پیر آیا ہوا ہے کہتا ہے کہ مَیں بلا واسطہ غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید بناتا ہوں۔ اس پر آپ مدظلہٗ العالی جلال میں آئے اور فرمایا کہ اسے یہ بھی کہہ دو کہ ذرا آگے پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بیعت کرا دو۔ یہ محض فراڈ اور لوگوں کو دھوکہ دینے کا ایک طریقہ ہے۔ حالانکہ ہر ولی اللہ کی اپنی حیثیت ہوتی ہے اور وہ بیعت اپنی ذات تک محدود رکھتا ہے۔

مزید بتایا کہ جب مَیں کروڑ لعل عیسن (پنجاب) میں آیا تو وہاں پیر بارو رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مقام فنافی الشیخ پہ فائز ہے۔ وہ ہر وقت جان بوجھ کر اپنے ہاتھ اور سر ہلاتا تھا گویا کہ وہ میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کرتا تھا۔ کیونکہ حضرت بارو رحمۃ اللہ علیہ ایک مُعمّر اور نہایت ضعیف آدمی تھے۔ اس لئے ان کے ہاتھ اور سر مبارک ہلتے تھے۔ مگر یہ مرید جان بوجھ کر یہ فعل کرتا تھا۔ ہم نے اُسے منع کر دیا کیونکہ آپ کے مرشد کا یہ ''غیر ارادی'' فعل تھا اور آپ کا یہ ''ارادی'' فعل ہے لہٰذا اس طرح آپ کی نماز اور دیگر نوافل ناقص ہیں۔ کیونکہ آپ عبادت میں ہوتے ہوئے جان بوجھ کر ایک اور فعل میں مصروف رہتے ہیں۔ فقہ کی رُو سے حالتِ نماز میں کسی غیر فعل کی طرف متوجہ رہنا حرام ہے۔ اس لئے اپنی ہی حیثیت اور حالت برقرار رکھو۔ مرشد کا مقام دل میں ہوتا ہے۔ ان کی طرح خلافِ نفس اور مجاہدات کرو ایسے ہاتھوں کے ہلانے سے کچھ نہیں ملتا۔

میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد حضرت خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدات و ریاضات کے بعد اُن کے کشف و کرامات کے سلسلے میں بتایا کہ ایک شخص آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ جناب! اولیاء کرام کے بارے سنا ہے کہ انہیں اپنی موت کا علم ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ جواب میں فرمایا ہاں یہ ممکن ہے۔ پھر اپنے بارے فرمایا دس سال

بعد ڈیرہ اسماعیل خان کے فلاں محلّہ، فلاں مسجد، فلاں دن، فلاں تاریخ اور فلاں وقت میرا (خواجہ غلام حسن کا) انتقال ہوگا۔ ساتھ بیٹھے ایک خلیفہ نے یہ باتیں لکھ لیں اور سائل چلا گیا۔ چنانچہ اتنا ہی عرصہ گزر جانے کے بعد حضرت سواگ رحمۃ اللہ علیہ کا ڈیرہ اسماعیل خان کا دورہ مقرر ہوا۔ اُسی محلے اُسی مسجد میں نماز ادا کرتے ہوئے طبیعت سخت بگڑ گئی۔ خلیفہ سے پوچھا یہ وہ مقام و تاریخ تو نہیں ہے جو مَیں نے دس سال قبل بتائی تھی۔ خلیفہ نے جب دیکھا تو وہی وقت اور وہی مقام تھا۔ حضرت غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے اطمینان سے شکر الحمد للہ پڑھا۔ اپنے مقررہ وقت پر کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

اس واقعہ کے بعد آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اولیاء کرام کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے مگر خداوند کریم کی طرف سے عام مخلوق میں فتنہ وفساد کے پیشِ نظر اُن کے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر لگی ہوتی ہے۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ضبط و سکوت سے کام لیتے ہیں۔ بقول نظامی گنجوی ؒ:

؎ ستانی زباں از رقیبانِ راز   کہ رازت بَردم نگویند باز

(اے خدائے ذوالجلال! تُو اپنے مَحرم راز دوستوں سے زبان چھین لیتا ہے۔ تاکہ تیری چھپی ہوئی باتیں عوام الناس کو نہ بتا سکیں۔)

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی ولی اللہ کی قبر مبارک پر جس نیت سے جاتا ہے وہ اُسے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ ولی اللہ اپنی قبر میں بھی زندہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اولیاء اللہ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح ان کا ادب کرنا ضروری ہے۔ جس طرح کہ زندگی میں اُن کا ادب واحترام لازمی ہے۔ بقول نظامی گنجوی ؒ:

؎ مرا زندہ پندار چوں خویشتن   تو آئی بہ تن گر! مَن آیم بجاں

(میرے مزار پر آنے والا! مجھے اپنی طرح زندہ سمجھ لے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تُو جسم کے ساتھ حاضر ہوتا ہے مَیں روحانی صورت میں موجود ہوتا ہوں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ لیہ میں تشریف فرما تھے کہ بندۂ ناقص کو شرفِ قدم بوسی حاصل ہوا۔ بعد از احوال پُرسی انتقال شدہ اولیاء کرام کے فیضِ باطنی اور اُن کے روحانی تصرّفات کے بارے میں اپنی ایک آپ بیتی بیان فرمائی کہ مَیں عالم جوانی میں ایک دن مظفرّ گڑھ (پنجاب) کی عدالتوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ ایک نامعلوم شخص نہایت ادب سے مجھے آ کر ملا اور عرض کی کہ حضور! میرے گھر تشریف لے چلیں بالکل قریب ہے۔ مَیں نے معذرت کی لیکن بار بار اصرار پر مَیں اُس کے گھر گیا۔ تو اس نے اتنی محبّت کے اظہار کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ حضرت آج سے دو تین سال پہلے میری ملازمت بطور اے۔ ایس۔ آئی راولپنڈی میں تھی۔ جہاں میری رہائش تھی وہاں ایک آپ کی شکل کے بزرگ گزرا کرتے تھے جو پٹھان تھے۔ اُن سے میری دوستی ہوگئی۔ وہ بھی بہت پیار سے پیش آتے تھے۔ ایک دو دن چھوڑ کر میرے پاس اپنی

ڈیوٹی کے بعد ضرور آیا کرتے۔ کھانے پینے کی طرف اُن کا کوئی خیال نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن صبح کے وقت جب میرا ڈیوٹی پر جانے کا وقت ہوا تو وہ آئے اور کہا کہ آج کسی دوست کے پاس شام کو میری دعوت ہے۔ آپ بھی ساتھ چلیں۔ چنانچہ مَیں شام کو ایک گھنٹہ پہلے رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ دیکھا بابا صاحب انتظار میں کھڑے ہیں۔ دونوں روانہ ہو گئے۔ بابا صاحب سیدھا خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ مزار سے ملحق ایک خوبصورت مسجد ہے۔ ہم مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی مَیں نے دیکھا کہ روضہ مبارک کے اندر سے ایک نہایت خوبصورت آدمی کہ جن کے چہرے سے تجلّیات پھوٹ رہی ہیں ہاتھ میں ایک گلاس لئے ہمارے پاس آئے اور بابا صاحب کو گلاس پیش کیا۔ بابا صاحب نے گلاس لیکر تقریباً تین حصے خود پی لیا باقی مجھے دے دیا۔ اس قدر مزیدار تھا کہ مَیں نے ساری زندگی نہ پیا تھا کوئی پانی یا مشروب نہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ شخص واپس روضہ کے اندر داخل ہوئے۔ بابا صاحب نے اشارہ کیا آؤ چلیں۔ جب واپس رہائش گاہ پر آئے تو مَیں نے عرض کیا حضور! وہ دعوت تو رہ گئی۔ بابا صاحب نے بتایا بچہ دعوت تو وہی تھی جو پی آئے ہیں۔ وہ پانی جو اس شخص نے دیا تھا۔ وہی ہماری دعوت تھی۔ کیا آپ نے پہچانا کہ وہ شخص کون تھے۔ مَیں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بابا صاحب نے بتایا کہ وہ صاحب مزار خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے ہماری دعوت کی۔ وہ جو آپ نے اور مَیں نے پیا وہ پانی نہیں تھا یہ اُن کا فیض تھا۔ آپ نے خود پی کر محسوس کیا ہوگا۔ مبارک ہو کہ آپ نے ظاہری فیض کے ساتھ ساتھ صاحبِ مزار خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کی بھی فی الوجود زیارت کرنے کی سعادت حاصل کر لی اور یہ ان کی حقیقی دعوت تھی۔

اس واقعہ سے کچھ دنوں بعد وہ بابا صاحب کہیں گم ہو گئے۔ اتنا لمبا عرصہ گزر را ابھی تک دوبارہ اُن سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مَیں بھی یہاں ٹرانسفر ہو کر آیا۔ چونکہ اُن کی شکل وشباہت آپ کی طرح تھی۔ اس لئے مَیں نے آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا۔ میرے حق میں دعا فرماویں کہ خداوند کریم عاقبت بالخیر کرے۔ مَیں نے دعا مانگنے کے بعد اجازت چاہی۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک گاہے بگاہے جب مظفرگڑھ جاتا ان سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ مگر ابھی مظفرگڑھ ہماری آمدورفت بہت کم ہو گئی ہے۔

یہ واقعہ مَیں نے آپ کو اس لئے سنایا کہ اولیاء کرام کے انتقال کو اگرچہ سینکڑوں اور ہزاروں سال کیوں نہ گزرے ہوں پھر بھی وہ اس دنیا میں فی الوجود تصرّف کر سکتے ہیں۔ گویا کہ اولیاء کرام کے اجسام کو بھی خداوند کریم نے بقا بخشی ہے جبکہ تصرّفات اور کرامات کا تعلّق خالص روحانیت سے ہے ویسے برقرار رہتے ہیں۔ اولیاء کرام کی روحانیت بعد از انتقال مکمّل خالص ہو جاتی ہے کیونکہ زندگی میں وہ ہر وقت نفس وشیطان سے دوچار ہوتے ہیں اور دنیا میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو محلِ خطر میں محسوس کرتے ہیں۔ مگر بعد از انتقال اس فکر سے مکمّل آزاد ہو جاتے ہیں۔ تب اگر چاہیں ہمہ قسم تصرّف کر سکتے ہیں۔ خداوند کریم مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

فروری 1991ء میں بعد از دورہ بارتھی آستانہ عالیہ تونسہ شریف تشریف لائے۔ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ

کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ موضوع کی مناسبت سے حاضرینِ مجلس کو یوں اپنی نگاہِ قلندرانہ سے محظوظ فرمایا کہ ایک مرتبہ عالمِ جوانی میں مَیں نے خواب میں ایک بڑا سفید روضہ نما قُبہ دیکھا۔ اس کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ تلاش کرتے ایک طرف سے ایک چھوٹا سا دریچہ (کھڑکی) دیکھا۔ بہت خوش ہو کر اندر داخل ہوا۔ بڑا خوبصورت وسیع باغیچہ تھا۔ بالکل سامنے ایک مَسند نما جگہ پر ایک بزرگ تشریف فرما تھے۔ مَیں اُن کی طرف بڑھا۔ وہ مسند سے اُٹھے۔ چند قدم آگے آ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور یہ بھی فرمایا مدت سے آپ کی ملاقات کا شوق تھا۔ شکر ہے کہ آج پورا ہو گیا انتہائی خوش تھے مَیں نے بھی اُن کا شکریہ ادا کیا۔ اُس کے فوراً بعد خواب سے بیدار ہو گیا۔ سوچتا رہا کہ یہ کہاں کا نظارہ تھا۔ آخر کار کچھ دنوں بعد بہاولپور (پنجاب) کے دورے کا پروگرام بنا۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا جب دورہ سے واپس بنوں کا ارادہ کیا تو براستہ ملتان تونسہ شریف کی زیارت کا خیال دل میں موجزن ہوا۔ رات کو جب تونسہ شریف پہنچا تو تراویح پڑھی جا رہی تھی۔ تراویح سے فارغ ہو کر جب خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر گیا۔ رات کے تقریباً ایک بجے کا ٹائم تھا۔ ایک مجاور دروازے پر بیٹھا تھا مَیں نے دروازہ کھولنے کا کہا اُس نے انکار کر دیا کہ رات کو حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے دروازہ بند رہتا ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں بہت دور سے آیا ہوں۔ مہربانی کر کے دروازہ کھول دو۔ مگر اس نے میری ایک نہ مانی۔ اتنے میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور مجاور کو بہت سخت لہجے سے کہا کہ خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جلدی اِن صاحب کیلئے دروازہ کھول دو۔ چنانچہ مجاور نے کانپتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ میں اندر گیا اور مجاور سے کہا کہ اب آپ بیشک باہر سے تالا لگا دیں۔ مَیں مراقبے میں بیٹھ گیا۔ صبح کی اذانوں تک مزار پر رہا۔ تب مجاور نے تالا کھولا اور مَیں باہر آیا۔ بے انتہا ظاہری و باطنی فیوضات سے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بندۂ عاجز کو نوازا۔ وہ لاغر، خوبصورت اور اونچے دلکش قد کے مالک تھے۔ خداوند کریم ان کا فیض تا قیامت جاری رکھے۔ تب وہاں سے میں سیدھا بنوں آیا۔ پھر مجھے اس خواب کی تعبیر کا پتہ چلا وہ بعینہٖ خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کا باغیچہ تھا۔ جبکہ مسند پر جلوہ افروز بزرگ خود حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ دوبارہ تونسہ شریف آنے کا موقع ملا۔ یہ استقبال اور یہ پذیرائی سب خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہماری مہمانی ہے۔ جب وہ اجازت دیں تو پھر اُن کی زیارت سے فیض یاب ہوں گے خدا سب دوستوں کو مقامِ فقر عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں مریدوں کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ارشاد فرمایا آج کل لوگ اولیاء کرام کے مزارات پر جانے اور وہاں خیرات وصدقہ کرنے سے روکتے ہیں۔ کئی اعتراضات کرتے ہیں۔ یہ اُن کی کم فہمی اور جہالت ہے۔ دراصل اولیاء کرام کے مزارات، مساجد، خانہ کعبہ اور دیگر مقدس مقامات خدا کی خاص زمین میں شمار ہوتے ہیں۔ باقی عام زمین کہلاتی ہے۔ عام زمین خاص زمین کی شان تک نہیں پہنچ سکتی۔ حج کرنے کیلئے ہم کتنی جانی اور مالی تکلیفیں برداشت کر کے جاتے ہیں۔ زیارت اور طواف کرتے ہیں۔ تب حج کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔ یہاں اگر ایک کمرہ بنا کر اس کا طواف کریں تو حج کا ثواب ہرگز نہیں ملتا۔ کیونکہ وہ خدا کی خاص زمین ہے۔ اگر ہم

یہاں دو پہاڑوں کے درمیان دوڑ لگائیں تو ہرگز ''سعی'' کا ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ جگہ جو خاص ہے۔ اسی طرح قربانی کرنے کے لیے بھی حج کے موقع پر ایک خاص نشان زدہ جگہ ہے۔ اگر اس دائرے کے اندر اندر قربانی کریں تو ہو جاتی ہے۔ اگر کہیں دُور جا کر کریں تو قبول نہیں ہوگی۔ حالانکہ زمین تو ساری مکہ کی ہے۔ مطلب صرف اللہ کے دوست یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی اور اُن کی سنت کو زندہ کرنا ہے۔ خداوند کریم کو قربانی اور گوشت کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو ان چیزوں سے پاک ذات ہے۔ اسی طرح حرم شریف میں ایک مقام ''مُلتزِم'' ہے (حجرِ اَسود اور خانہ کعبہ کے دروازے کا درمیانی فاصلہ) جہاں جو دعا مانگی جائے خدا کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہے۔

اسی طرح ''گنبدِ خضریٰ'' تمام روئے زمین سے افضل ترین مقام ہے جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ استراحت میں ہیں۔ دنیا کی کوئی اور زمین کا ٹکڑا اِس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ یہ سب شعائر اللہ ہیں۔

اِس کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ اولیاءِ کرام کے مزارات اور مساجد بھی شعائر اللہ کے زمرے میں آتے ہیں جہاں اولیاءِ کرام مدفون ہیں۔ وہ نُزولِ رحمت کے مقامات ہیں۔ جلال میں آ کر فرمایا کہ بنوں سے جب براستہ تونسہ شریف پنجاب آتا ہوں تو آنکھوں سے کئی میل پہلے دیکھ رہا ہوتا ہوں کہ حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ اقدس پر رحمت برس رہی ہوتی ہے جو لوگ اس مزار پر حاضری دیتے ہیں۔ اُن پر بھی رحمت کی بارش کے قطرے ضرور گریں گے۔ وہاں جا کر اولیاءِ کرام کی ارواح کو وسیلہ بنا کر دعا مانگی جاتی ہے۔ اس خِطہ رحمت میمون پر صدقہ وخیرات بھی زیادہ قبول ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہاں اکثر نوافل اور قرآن خوانی ہوتی رہتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہر وقت قرآن خوانی ہوتی ہے اور جہاں ہر وقت ذکرِ خدا ہو وہاں بے شک رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اُن کے مزار کے ساتھ حضرت معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے چِلّہ کیا تھا۔ ہر خاص وعام کو وہاں نزولِ رحمت کے آثار دکھائی دیتے ہیں کیونکہ وہاں ایک ولی اللہ نے پورے چالیس دن عبادت کی تھی۔ اس لئے وہ جگہ دوسرے مقامات سے منفرد ہے۔

فرمایا کہ پاکپتن شریف میں جہاں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا خاص حجرہ اور جائے عبادت تھی اور بہشتی دروازہ بھی ہے وہ کوئی عام جگہ نہیں بلکہ ایک ولی اللہ کے قدموں کے لگنے اور کئی سالوں تک ذکرِ الٰہی ہونے کی وجہ سے وہ خدا کی خاص زمینوں میں شمار ہے۔ وہاں لوگ جا کر صرف برکت اور سعادت حاصل کرتے ہیں اور ان کا کوئی مطمع نظر نہیں ہوتا۔ مزید فرمایا کہ وہاں جو لوگ جا کر جانور ذبح کرتے ہیں وہ قبولیّت کے وسیلہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کریم خود فرماتا ہے۔ ''وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ'' (اس ذاتِ بے نیاز تک پہنچنے کیلئے کوئی وسیلہ تلاش کرو) ذبح کیے ہوئے جانور پر ذبح کے وقت بزرگ یا کسی اور شخص کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ ''اللہ اکبر'' پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے شریعتِ محمدیہ میں یہ سب حلال اور جائز کام ہیں صرف لوگوں کے سمجھنے میں ذرا فرق ہے۔

7:۔ عشق کیا ہے اور عاشقین کیسے ہیں؟

؎ تیشہ اگر بسنگ زد ایں چہ مقام گفتگو است عشق بدوش می کشد ایں ہمہ کوہسار را! (اقبالؒ)

(تیشہ (بسولا) سے پہاڑ کاٹنا کون سی جوانمردی ہے؟ عشق میں تو وہ قوّت ہے کہ پہاڑ ہی کو سر پر اُٹھا سکتا ہے)

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مریدوں کی ایک کثیر تعداد کے سامنے جلوہ افروز تھے۔ عشق و محبّت کے موضوع پر ارشاد فرمایا کہ ایک دن سرکارِ دو جہاں ﷺ اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی محفل میں تشریف فرما تھے۔ سب سے سوال کیا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ ''میں'' (ﷺ) پیارا ہوں یا خدا کی ذات؟ سب خاموش ہو گئے کہ اگر خدا کی بات کریں تو آپ ﷺ ناراض ہو جائیں گے اور اگر آپ ﷺ کی بات کریں تو شاید خداوند کریم ناراض ہو جائیں گے۔ سب اسی تذبذب میں پسینہ پسینہ ہو چکے تھے کہ آج بہت سخت امتحان آ گیا ہے۔ اتنے میں صاحبِ صدق وصفا، یارِ غارِ مصطفیٰ، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ عرض کی حضور! اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بالکل اجازت ہے۔ فرمائیے! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) ہمیں سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات پیاری ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کیسے؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! یا رسول اللہ ﷺ خدا تو اس وقت بھی موجود تھا جبکہ ہم کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ یہ آپ ﷺ کی ذات ہے کہ جس نے ہمیں خدا کی ذات سے آشنا کیا اور اُس کی معرفت عطا کی۔

؎ قوّتِ قلب و جگر گردد نبی وز خدا محبوب تر گردد نبی (اقبالؒ)

(مقامِ عشق میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح آپ ﷺ کی ذات گرامی اللہ کریم سے بھی زیادہ محبوب بن کر قوّت قلب وجگر بن جاتی ہے۔)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شورشِ عشق سے لبریز جواب پر آپ (ﷺ) جلال میں آئے اور فرمایا ''صَدَقْتَ یَا اَبَابَکَرؓ''، اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے بالکل سچ فرمایا۔ آپ ہی میرے بعد سچوں کے سردار ہیں۔ اس کے بعد مرشد کریم نے ارشاد فرمایا کہ یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقامِ عشق (فنا فی الرسول اللہ ﷺ) تھا کہ جس کی وجہ سے وہ صداقت کی معراج پر پہنچے۔ خدا ہمیں بھی اُن کی پیروی نصیب کرے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو جلوہ افروز تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ باہر دھوپ پر بیٹھے ایک دو دوست آپ کے پاؤں دبا رہے تھے کہ بندہ حاضر خدمت ہوا۔ بعد از زیارت عشق و محبّت اور عاشقانِ الٰہی کے بارے گہرافشانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کتب تصوف میں لکھا ہے نواب ترکستان کے دو بیٹے تھے۔ بڑا دنیاداری اور بادشاہی ذہن کا تھا جبکہ چھوٹا درویش مَنَش تھا۔ اپنی سادگی میں مست دنیا سے الگ تھلگ عبادتِ الٰہی میں مگن رہتا تھا۔ بڑا بھائی اس کی سادگی کو دیکھ کر ٹوکتا کہ شاہانہ لباس پہن کر امور دنیا میں میرا ساتھ دو مگر اُس کا ذہن ایسی باتیں کہاں قبول کرتا تھا۔ آخر کار چھوٹے

بھائی کی درویشانہ حالت سے تنگ آ کر بڑے بھائی نے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔حکومت اور جائیداد پر قبضہ کرنے کیلئے بڑے بھائی نے ایک ترکیب اختیار کی کہ حضور علیہ السلام کا ایک بال مبارک جو کہ وراثت میں موجود ہے ایک طرف رکھوں گا اور دوسری طرف تمام تر مال و دولت۔ پھر چھوٹے بھائی کو اختیار دونگا کہ کوئی ایک لے لے۔ظاہر ہے کہ وہ فقیرانہ ذہن کا مالک ہے۔صرف بال مبارک اٹھائے گا۔دولت ساری میرے ہاتھ لگے گی۔جب چھوٹے بھائی کے سامنے چالاکی کے ساتھ یہ معمّہ پیش کیا وہ بے چون و چرا بڑی خوشی سے صرف بال مبارک لینے پر رضا مند ہو گیا۔(چھوٹے بھائی نے دل ہی دل میں کہا کہ پھر بھی تو نے بال مبارک کی بہت تھوڑی قیمت لگائی ہے۔) بڑے بھائی نے دل میں سوچا اگر علیحدگی میں یہ تقسیم کروں تو شاید کل یہی بھائی پشیمان ہو کر کہیں دعویٰ کر بیٹھے یا لوگ اور دیگر لواحقین اعتراض کریں۔بہتر ہے کہ سب معززین علاقہ بلا کر اور انہیں گواہ بنا کر یہ کام کیا جائے تا کہ بعد میں کوئی بھی اعتراض کی گنجائش نہ رہے کہ تُو نے چھوٹے بھائی کو ورغلا کر ساری حکومت اور دولت ہتھیالی۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا۔چھوٹے بھائی نے بال مبارک اٹھایا اور ایک پرسکون ویرانے میں جا کر ڈیرہ ڈال دیا۔ان کا کام ذکر و فکر یا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس بال مبارک کو سامنے رکھ کر رونا تھا اور دُرود پاک پڑھنا تھا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کو پس پشت ڈالنے اور صرف بال مبارک کو اختیار کرنے کے طفیل اپنا ایک برگزیدہ انسان بنا دیا۔علاقہ ترکستان میں وہ ''سخی صاحب'' کے نام سے مشہور ہوئے۔دن رات ان کا لنگر چلتا تھا اور وہ خود مصروف عبادت رہتے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دکھا دیا کہ اصلی دولت چھوٹے بھائی کے پاس آ گئی۔اس لئے ''سخیؒ صاحب'' نام ہی خُدائی اعلان تھا۔مُلک ترکستان میں اب ان کا بہت بڑا دربار ہے جو کہ دربار سخی صاحب کے نام سے مشہور ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔(ہمارے والد شاہ ولی سیدان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس دربار کی بہت خدمت کی تھی) گویا کہ وہ آج تک زندہ ہیں۔مگر بڑے بھائی کا نام و نشان تک مٹ گیا۔وہ فنا چیز کے پیچھے لگا فنا ہو گیا اور یہ بقا چیز کے پیچھے لگا بقا ہو گیا۔مولانا رومیؒ نے سچ فرمایا:

؎ حِسِّ دنیا نُردبان ایں جہاں　　　حِسِّ عُقبیٰ نُردبان آسمان

(طالبِ دنیا صرف دنیا دار بن کر اس دنیا میں مٹ کے رہ گیا مگر طالبِ آخرت اَوجِ آسمان پر آفتاب درخشندہ بن کر تا ابد چمکا۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد از ذکر و فکر بہت سے دوستوں کی موجودگی میں دنیا کی کشش اور ظاہری حسن و جمال کی بے ثباتی پر گفتگو کرتے ہوئے نمونہ فقر حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ پیش فرمایا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے مالدار اور امیر گھرانے سے تعلّق رکھتے تھے۔ایک دن اپنی سواری پہ شہر کے کسی محلے میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے کسی عورت کو سیڑھیوں سے اترتے ہوئے دیکھ لیا۔اس کی آنکھیں اس قدر حسین تھیں کہ پہلی ہی نظر میں اس کے حُسن کا شکار ہو کر دیوانہ بن گئے۔عورت بھی چونکہ ایک امیر گھرانے کی نہایت پاک دامن خاتون تھی۔سارا دن غریبوں اور

یتیموں میں رقم للہ فی اللہ تقسیم کرتی رہی اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ اوٹ میں دیکھتے رہے۔عورت شام کو اپنے گھر چلی گئی اور بایزید رحمۃ اللہ علیہ دیوانہ وار گھر کی سیڑھیوں پر شوق دیدار لے کر بیٹھ گئے۔ دوسری صبح عورت دوبارہ نکلی۔ بازار جا کر حسب معمول صدقہ و خیرات بانٹ کر شام کو گھر لوٹ آئی۔مگر بایزید رحمۃ اللہ علیہ پیچھے پیچھے دوبارہ چوکھٹ پر بیٹھ گئے۔اس طرح ہوتے ہوتے چالیس دن گزر گئے۔ایک دن عورت نے حیران ہو کر پوچھ لیا۔اے انسان! تُو کون ہے کہ رات دن سیڑھیوں میں پڑا رہتا ہے۔ آخر تیرا یہاں پڑا رہنا کس مقصد کیلئے ہے؟ تجھے جس قسم کی کوئی پریشانی یا ضرورت ہو تو مَیں ہر طرح اُسے رفع کرنے کی کوشش کروں گی۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا خدا کا دیا سب کچھ ہے مگر صرف آپ کی آنکھوں کی ایک برق افشاں جھلک چاہیے۔صرف یہی مقصد ہے اگر پوری ہو جائے۔عورت نے بڑے تحمل سے ''بسم اللہ'' پڑھ کر نقاب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے ایک آنکھ نکال کر طالب دیدار بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کر دی۔بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا خدا کی بندی اب تو یہ میرے کام کی نہیں رہی۔عورت نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے بڑی نرمی کے ساتھ سمجھایا کہ اے نوجوان! اس دنیائے ناپائیدار کی ہر چیز فنا ہے۔اس کی ہر چیز ہر لحہ تغیّر پذیر اور نقصان کی طرف جا رہی ہے۔فنا چیز کے ساتھ محبّت کر کے خسارے کا سودا کرنا سراسر بے وقوفی ہے۔کیوں نہ ایسی ہستی کے ساتھ عشق کرو اور دیوانہ وار دل دیدو جو کہ ہمہ وقت ایک ہی حالت، سدا خوبصورت اور باقی رہنے والی ہو۔میرا حسن چند روزہ اور میری زندگی عارضی ہے۔مَیں نے تو آپ کا کام کر دیا آگے آپ کی مرضی۔

عورت کی بات سن کر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ پہ حال طاری ہوا اور جنگل کی طرف بھاگ گئے۔ پورے چالیس دن اپنے کئے پر شرمندہ اور خدا کی بارگاہ میں سر بسجود رہے یہاں تک کہ انہیں ایک روشنی نظر آئی اور اس میں سے یہ آواز آئی کہ اے بندہ اگر تُو اللہ کو چاہتا ہے تو اللہ بھی تجھے چاہتا ہے۔مگر شرط یہ ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر چل۔

اس خوشخبری کے بعد حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی بھی خلاف سنت نہ کیا۔فقر بایزید مشہور ہے جو فقط خلوص دل کے ساتھ پیروی سنت تھی۔دراصل اسی پیروی سنت میں خدا کی خدائی تک موجود ہے۔آخر میں مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ساتھ سچی محبّت کی وجہ سے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی محبوبیّت میں قبول کر لیا تھا۔دیگر یہ کہ جس کی قسمت جاگی ہوئی ہوتی ہے۔وہ مخلوق سے عبرت حاصل کر کے اپنے خالقِ حقیقی کا توصّل حاصل کر سکتا ہے اور فنا سے بقا میں آ سکتا ہے۔دنیا انسان کیلئے ایک عبرت گاہ اور تجربہ گاہ ہے۔مگر اس کیلئے جس کے پاس چشم عبرت ہو۔دعا ہے کہ خداوند کریم ہر ایک کو بقا کی زندگی نصیب فرما کر اپنی رحمت کا مستحق بنا دے۔آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں عاشقین کے بارے گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عاشق اور محبّ صادق کا یہ مقام ہوتا ہے کہ وہ اپنا سب مال و متاع یہاں تک کہ اپنی جان بھی معشوق پر قربان کر دے۔تب اس کے عشق کا ثبوت ملتا ہے۔ بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ بہائے وصلِ جاناں بس گرانست   گر ایں سودا بجاں بودے چہ بودے

(وصالِ معشوق کی قیمت بہت گراں ہے اگر یہ سودا جان کی بازی لگا دینے پر ہوتا تو یہ بہت سستا سودا تھا مگر کہاں۔)

اس ضمن میں ارشاد فرمایا کہ ایک دن دورِ ابراہیمی علیہ السلام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ باری تعالیٰ! آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل ٹھہرایا۔ اگر اجازت ہو تو مَیں اُن کی دوستی پرکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ کریم نے جبرائیل علیہ السلام کو اجازت مرحمت فرمائی۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ایک عام آدمی کا بھیس بدل کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے پاس حاضر ہوئے اور بڑی سریلی آواز میں ذکرِ الٰہی یعنی ''لَا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہ'' دہرانے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدر خوش الحان آواز سے ذکرِ الٰہی سن کر جھومنے لگے اور پھر سنانے کی فرمائش کی۔ مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دوبارہ سنانے سے انکار کر دیا۔ شرط پیش کی کہ جب تک اپنے مال و متاع کا نصف حصہ مجھے نہ دیں اس وقت تک دوست کا نام نہیں سناؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شرط قبول کرتے ہوئے دوبارہ اسمِ الٰہی سننے پر آمادہ ہو گئے۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے دوبارہ کلمہ پڑھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہو کر ہاتھ چومتے جاتے کہ مہربانی فرما کر پھر سنائیں۔ مگر جبرائیل علیہ السلام نے پھر سنانے سے توقّف کیا۔ شرط پیش کی کہ اپنے مال و دولت کا بقیہ نصف حصہ بھی میرے حوالے کر دیں تب سناؤں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرط قبول کر کے بے تابی سے پھر ذکرِ الٰہی کی فرمائش کی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھر سنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کیفیت طاری ہو گئی اور بار بار سنانے کی فرمائش کی۔ مگر حضرت جبرائیل علیہ السلام پھر خاموش ہو گئے۔ اب یہ شرط پیش کی کہ خود کو میری غلامی میں دیدیں پھر ذکرِ الٰہی سناؤں گا۔ اس پر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام رضامند ہو گئے کہ بقیہ زندگی تیری بکریاں چراتا رہوں گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اِس مرتبہ بھی خوب سریلی اور مسحور کُن آواز میں اسمِ الٰہی پڑھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جھومتے جاتے اور بے خود ہوتے جاتے۔ جب محبّتِ الٰہی خلیل اللہ کے دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگی۔ تب جبرائیل امین علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا کہ مبارک ہو آپ واقعی سچے خلیل (خدا کے دوست) ہیں اور عاشق صادق ہیں کیونکہ مجھے عملی طور پر مشاہدہ ہو گیا۔ مَیں کوئی عام آدمی نہیں بلکہ جبرائیل امین علیہ السلام ہوں۔ مَیں اللہ کریم کی طرف سے آپ کا امتحانِ دوستی لینے آیا تھا۔ مبارک ہو کہ آپ اپنے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ہر عاشقِ صادق کو اپنے محبوب کیلئے اپنی جان و مال تک قربان کر دینی چاہیے۔ تب خوشنودیٔ یار نصیب ہوتی ہے اور یہی مقامِ صدق و عشق ہے۔ خدا سب دوستوں کو نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد از ذکر و فکر نصیحت کرتے ہوئے مریدین سے مخاطب ہوئے کہ خداوند کریم اپنے نیک بندوں کی ہمہ وقت خبر رکھتا ہے۔ نیز مشکلات و مصائب میں انہیں مشاہداتِ غیبی سے نوازتا ہے۔ فرمایا کہ فرعون حضرت آسیہؓ کو ہر وقت آزار و تکالیف پہنچاتا تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی چھوڑ دے۔ مگر حضرت آسیہؓ اپنے عقیدے پر قائم رہتیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرعون نے حضرت آسیہؓ کو کھونٹی کے ساتھ باندھ دیا اور حکم دیا کہ ان کے ہاتھوں

میں کیل ٹھونکے جائیں اور زبان بھی کھینچ لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین علیہ السلام کو بھیجا کہ حضرت آسیہؑ کے چہرے پر اپنا پَر پھیر دے تا کہ انہیں کشف حاصل ہو اور خدا کی بارگاہ میں مشاہدہ کر سکیں۔ چنانچہ جب کیل ٹھونکے جانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بہشت کا وہ مقام، جو حضرت آسیہؑ کو عطا کیا جانے والا تھا، معاً سامنے کر دیا۔ حضرت آسیہؑ دیکھ کر سرشار ہو جاتیں اور انہیں کیل ٹھونکنے اور زبان کھینچنے کی تکالیف کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ اس لئے عالی ہمت لوگوں کو ایمان کی پختگی کی بدولت مشاہدات اور مقامات دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خدا بھی انہیں ہر مشکل میں ضرور یاد فرماتا ہے۔ خداوند کریم ہمیں بھی اس اہل بنائے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ معرفت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ اور فقراء اللہ کریم کے سچے عاشق ہوتے ہیں اور خداوند کریم کے لیے اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے بخوشی تیار ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ایک عورت ان کے پاس آئی اور عرض کی کہ اللہ سے دعا مانگیں کہ وہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا کی۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے کلیمؑ! لوح محفوظ کی طرف دیکھو۔ اس کی قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس عورت کو بتایا۔ عورت صبر کر کے واپس چلی گئی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن میاں بیوی دونوں کھانا کھا رہے تھے کہ ایک فقیر نے باہر سے صدا دی کہ اللہ کے نام پر کھانا کھلا دو۔ سنتے ہی دونوں نے کھانا اٹھا کر فقیر کو کھلا دیا۔ فقیر نے جب کھانا کھا لیا تو ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ ''اے اللہ! انہوں نے مجھے جتنی روٹیاں کھلائیں ان کو اتنی ہی اولاد عطا فرما۔'' یہ دعا کر کے فقیر چلا گیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان کے ہاں یکے بعد دیگرے تین بچے پیدا ہوئے۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔ ایک مرتبہ وہ عورت اپنے بچوں کے ہمراہ جا رہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتفاقاً اسی راستے میں ملے۔ آپ نے دیکھ کر افسوس کیا کہ اس عورت کو اولاد کی کتنی خواہش تھی۔ اب اپنی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے دوسروں کے بچوں سے جی بہلا رہی ہے۔ وہ عورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعجّب میں دیکھ کر بولی! اے اللہ کے نبیؑ! یہ میرے اپنے بچے ہیں۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران ہوئے۔ گھر تشریف لے گئے اور سجدے میں گر کر خداوند کریم سے عرض کی کہ اے اللہ یہ کیا راز ہے؟ بارگاہ الٰہی سے جواب ملا کہ اے میرے کلیم علیہ السلام اس بات کو چھوڑ دے۔ مزید ارشاد فرمایا کہ مجھے ایک پاؤ انسانی گوشت چاہیے جتنی جلدی ہو سکے لے آئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً تعمیل حکم کیلئے اٹھے اور انسانی گوشت کی تلاش میں نکلے۔ سارا دن تلاش کیا مگر کوئی بھی اپنے جسم کا گوشت دینے کو تیار نہ ہوا۔ آخر نا اُمید ہو کر واپس آ رہے تھے کہ راستے میں اسی فقیر کی جھونپڑی آئی جس کی دعا سے خداوند کریم نے اس عورت کو اولاد عطا کی تھی۔ فقیر نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو پریشان دیکھ کر پوچھا اے اللہ کے نبی! آپ کس وجہ سے پریشان ہیں؟۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فقیر کے سامنے اپنا سارا واقعہ کہہ سنایا۔ سنتے ہی فقیر نے کہا ''پریشان نہ ہوں ابھی گوشت کاٹ دیتا ہوں'' فقیر نے چھری اٹھائی فوراً اپنی ران سے پاؤ سے زیادہ گوشت کاٹ کر دے دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خوش ہو کر گوشت

اٹھا کر جانے لگے تو فقیر نے کہا کہ ٹھہریں! شاید اللہ نے دوسری ران کا گوشت منگوایا ہو فقیر نے بڑے اطمینان سے دوسری ران کا گوشت بھی کاٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کچھ سوچ کر پھر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید کسی اور حصے کا گوشت منگوایا ہو۔ چنانچہ اپنے جسم کے ہر حصے سے گوشت کاٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا اور کہا کہ ''اس میں سے جو اللہ کو پسند آئے وہ دیدو اور باقی پھینک دو'' حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں:

؎ حافظا در عشق بازی کم زہند و زن مباش　　　　کو برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

(اے حافظ شیرازی! عشق حقیقی میں ہندو عورت کے مجازی عشق سے تو کم نہ ہو کہ وہ اپنے مردہ خاوند کی خاطر (رسم ستّی میں) اپنے آپ کو زندہ آگ میں ڈال دیتی ہے۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام گوشت لیکر خدا کے حضور عرض گزار ہوئے کہ ''اے اللہ یہ گوشت حاضر ہے'' اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ''اے موسیٰ! جس شخص نے یہ گوشت دیا ہے اس کی دعا سے مَیں نے اس عورت کو اولاد عطا کر دی۔ اُس شخص کو مجھ سے اتنا عشق ہے کہ اُس نے اپنی زندہ جان سے سارا گوشت اتار کر قربان کر دیا۔ تو مَیں ایسے بندے کی دعا کس طرح رَد کرتا اور تم خود دوسروں سے گوشت مانگتے رہے کیا تمہارے اپنے جسم پہ گوشت نہیں تھا؟ کہ تم خود کاٹ کر پیش کرتے۔''

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں گڑگڑا کر معافی طلب کی۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ ہر نبی کی اُمت میں اولیاء اللہ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے انبیاء کی متابعت اور راہِ جذب وشوق میں ہر قسم کی قربانیاں پیش کی ہیں اور اس طرح اُمّتِ محمدیؐ میں بھی اولیاء اللہ رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے جو گزشتہ اُمتوں کے اولیاء سے زیادہ عشق و محبّت کے علم بردار ہیں۔ اللہ کریم مسلمانوں کو ان کی مطابعت نصیب کرے۔ آمین۔

ایک موقع پر آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے۔ مختلف الحال مرید حاضر خدمت تھے۔ سمندرِ معرفت کے دہانے آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان گوہر بار سے رواں تھے۔ جس موضوع پر بات کرتے علوم لدُنی کی بھرمار ہوتی ایسے کیوں نہ ہوتا کہ فقر و معرفت ان کے گھر کی چیز ہے۔ حاضرین کے حسب حال ارشاد فرمایا کہ معشوق لاپرواہ ہے۔ وہ عاشق کے پیچھے نہیں آتا۔ بلکہ عاشق معشوق کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔ اس کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کیلئے ہر قسم کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ملتا ہی نہیں جب تک اس پر مال و جان تک قربان نہ کر دے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی طرح جب تک سر ''چخّے'' میں ڈلوانے پر راضی نہ ہو اور سب سے پیاری چیز ''اولاد'' کو خدا کی رضا پر چھری تلے نہ دے اس وقت تک معشوق نہیں مل سکتا۔ بقول بو علی قلندرؒ:

؎ ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں　　　　ایں خیال است و محال است و جنوں

(خدا بھی چاہتا ہے اور دنیا بھی یہ تو محض ایک خیالی پلاؤ ہے۔ تُو پاگل ہے اور ایسا ہونا کارخانۂ قدرت میں محال ہے)

معشوق اگر ایک چیز قبول نہیں کرتا تو دوسری چیز قبول کرے گا۔ آج نہیں تو کل راضی ہو جائے گا۔ وہ ہر وقت تمہارے سامنے ہے مگر اسے منوانا آپ کی ہمت پر موقوف ہے۔ ہمارے اپنے ہزاروں پیر بھائی تھے۔ کوئی اِدھر گیا اور کوئی اُدھر گیا مگر ہم نے جب سے ہوش سنبھالا صرف ایک ارادہ دل میں رکھا ہے اور شکر الحمد للہ ابھی تک اس پر استقامت کے ساتھ قائم ہیں۔ جب تک خدا راضی رہے گا اس کی بارگاہ میں باریابی ہوتی رہے گی۔ اس لئے صوفی وقت کا طالب نہیں ہوتا بلکہ معشوق کا طالب ہوتا ہے۔ معشوق ایک دن ضرور پوچھے گا کہ کیا چاہتا ہے؟ اگر عاشق منتظر کھڑا ہو تو ضرور حاصل کر کے رہے گا۔ اگر سویا ہوا ہو تو محروم رہے گا۔ اس لئے وہ غفلت میں مبتلا بندہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کیلئے ہزاروں جتن کرنے پڑتے ہیں۔ دنیا پس پشت ڈالنا پڑتی ہے رشتہ داروں کی طعن و تشنیع برداشت کرنی پڑتی ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت میں آتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے محل میں خوابِ استراحت میں محو تھے کہ چھت پر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ باہر نکل کر پوچھا بھائی شاہی محل پر کون ہے؟ جواب ملا انسان ہوں۔ اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے غصّے میں آ کر کہا یار کچھ تو عقل کے ناخن لو! اُونٹ چھت پر بھی جا سکتا ہے؟ اُس نے جواب دیا اے ابراہیم علیہ السلام خدا اگر پلنگ پر سونے سے مل سکتا ہے تو اونٹ بھی چھت پر مل سکتا ہے۔ (وہ دراصل فرشتہ تھا جو خدا کے حکم سے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھانے آیا تھا) حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اس جواب پر حیران ہوئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سب تخت و تاج کو چھوڑ کر معشوقِ حقیقی کا متلاشی بن جائے۔ یہاں تک کہ ان کی کرامات اور بزرگی کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

کسی دنیاوی ''فنا'' چیز حاصل کرنے کیلئے بھی کئی قسم کی کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ محنت، بے آرامی وغیرہ لیکن یہ ''حقیقت'' بغیر محنت و مشقّت کے کیسے ہاتھ آ سکتی ہے۔ اس لئے جو خداوند کریم کی رضا کیلئے ہمہ وقت دوڑتا پھرتا ہے۔ رات دن صرف اسی کا متلاشی بن جاتا ہے۔ جان و مال تک کی قربانی حاضر کرتا ہے۔ وہی ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہو کر وصال دوست سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو صرف اسی کا متلاشی بنا کر اپنی معرفت و دیدار کا مستحق بنا دے۔ آمین۔ بعد از دعا محفل برخاست ہوئی۔

ایک مرتبہ درسِ فقر دیتے ہوئے آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں عاشقینِ الٰہی کے بارے میں بتایا کہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نابینا صحابی تھے جنہیں نماز باجماعت کا بہت شوق تھا مگر بینائی سے محرومی کی وجہ سے وہ جماعت سے اکثر محروم رہتے۔ انہوں نے اپنی مشکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ اُن کے گھر سے لیکر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کھونٹے لگا دو اور اس پر رسی باندھ دو تا کہ نابینا اس کے سہارے مسجد میں نماز باجماعت کیلئے پانچ وقت حاضر ہو سکے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یونہی کیا۔ وہ شخص باقاعدگی سے اس رسی کے سہارے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتا۔ منافقین کو اس کی یہ بات ناگوار گزری کہ یہ بات ان کے مذہب کی بے حد تشہیر کا ذریعہ بنے گی۔ چنانچہ انہوں نے رسی کے

ساتھ کانٹے باندھ دیئے۔ وہ نابینا حسبِ معمول ایک دن رسی کو تھام کر جب چلنے لگا تو اس کے ہاتھ کانٹوں سے چھلنی ہو گئے۔ انہی خون آلود ہاتھوں سے جب وہ مسجدِ نبوی میں داخل ہوا تو سید الانبیاء ﷺ کے سامنے اپنا حال پیش کیا۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور خدا سے دعا کی کہ اے خداوند اس کی بینائی واپس لوٹا دے۔ خداوند کریم کی طرف سے جواب آیا کہ اے میرے محبوب ﷺ! اس سے کہہ دو کہ اگر بینائی چاہتے ہو تو قیامت کے دن سب سے آخر میں میرے دیدار سے مشرف ہو سکو گے۔ اور اگر اسی حالت پہ راضی رہو تو سب سے پہلے قیامت کے دن تجھے دیدار کراؤں گا۔ آپ ﷺ نے جب یہ پیغام اس شخص کو دیا وہ فوراً رو کر بولا کہ آنکھیں تو کیا دیدارِ الٰہی کیلئے اگر میرے ہاتھ پاؤں تک بھی کاٹ دیئے جائیں تو بھی خدا کے دیدار کو پسند کروں گا۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے فرمایا کہ اہل اللہ کو ایسا ہی عاشق ہونا چاہیے تا کہ وہ اس فانی دنیا کی بجائے ہمیشہ رہنے والی دنیا میں زیادہ پُرسکون رہیں۔ اللہ کریم چشمِ حقیقت نصیب کرے۔ آمین۔

ایک بار آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ قلندری دیتے ہوئے عشق و محبّت کے بارے میں اپنی زبان گُہر افشاں سے ارشاد فرمایا کہ عشق ایک ایسی شئے ہے جس میں نفس اور شیطان دھوکہ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ عاشق پر عشق کا غلبہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ اسے دوسری طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ اس ضمن میں فرمایا کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک پاگل سا آدمی اُس کے سامنے سے گزرا۔ نمازی نے اپنی نماز توڑ کر اس آدمی کو کہا ''تمہیں شرم نہیں آتی۔ مَیں نماز پڑھ رہا تھا اور تم سامنے سے گزر گئے۔ وہ شخص کہنے لگا معاف کرنا مَیں ایک دنیاوی عشق میں اس قدر غرق تھا کہ مجھے یہ پتہ نہیں چلا کہ مَیں کس کے سامنے سے گزر گیا۔ لیکن تم پر مجھے حیرت ہے کہ خالقِ حقیقی کی بارگاہ میں کھڑے یہ دیکھتے رہے کہ میرے سامنے سے کون گزر رہا ہے۔'' بقول اقبالؒ:

؎ تیرا اِمام بے حضور تیری نماز بے سرور ایسے امام سے گُزر ایسی نماز سے گُزر

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں رموزِ معرفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نیک انسان کا اللہ تعالیٰ خود عاشق بن جاتا ہے۔ اس سے زیادہ سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ قادرِ مطلق ''عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر'' ذات کسی شخص کی عاشق ہو جائے اور درحقیقت عاشقِ حقیقی ہی نجات یافتہ مخلوق ہیں۔ مزید ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ دیوانہ وار دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ انہیں یہ خبر تک نہیں کہ ہم یہاں اس دنیائے فانی میں کیوں بھیجے گئے ہیں اور یہاں اصل میں کرنا کیا تھا مگر ہم کیا کر رہے ہیں۔ ایک ''فانی'' شئے کے لیے ''باقی'' شئے کو چھوڑ رہے ہیں۔ خداوند کریم ہر اہلِ ایمان کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ (آمین)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد از ذکر و فکر سب دوستوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ علاقہ شام سے ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ طیّبہ آیا۔ علاقہ شام کی سرسبزی و شادابی کی بہت تعریف کی اور آنحضور ﷺ کو دعوت بھی پیش کی۔ آپ ﷺ نے دعوت قبول کی۔ دوسرے دن روانہ ہوئے چلتے چلتے جب شام کی سرحد

پر پہنچے تو فوراً جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ خداوند کریم فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی اُمت کے بغیر بہشت میں داخل نہ ہوں گا۔ جبکہ شام کا یہ ٹکڑا جو آگے آرہا ہے بہشت سے اٹھا کر یہاں رکھا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس اطلاع پر فوراً رُک کے اور علاقہ شام میں قدم نہ رکھا۔ مگر سامنے کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت سفید گنبد تھا۔ آپ ﷺ نے شامی سے پوچھا یہ گنبد کیسا ہے؟ اُس نے بتایا کہ اس گنبد کے بارے میں مشہور ہے کہ اس میں ایک مرد اور ایک عورت دفن ہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ اس علاقے میں ایک امیر سردار تھا۔ اس کی ایک نوجوان لڑکی تھی۔ اس پر ایک نوجوان عاشق ہو گیا۔ ان دونوں کی محبّت سچائی اور حقیقت پر مبنی تھی۔ ایک رات دونوں کی آپس میں اس مقام پر جہاں گنبد ہے ملاقات ہوئی جبکہ صبح لڑکی کی شادی تھی اور بارات آنے کا پروگرام تھا۔ دونوں رات دیر تک بیٹھے رہے صبح ہونے والی تھی۔ لڑکی بار بار کہتی اور اُٹھتی کہ اب میں گھر جاؤں گی کہیں ورثاء دیکھ نہ لیں اور اس طرف بارات بھی آنے والی ہوگی۔ مگر لڑکا بار بار اس کو کہتا کہ تھوڑے وقت کیلئے اور بیٹھو ابھی تو آئی ہو۔ وہ بار بار بیٹھتی اور پھر اُٹھتی۔ اسی طرح صبح کی پو پھوٹی اور بارات بھی آ گئی۔ لڑکی کو تلاش کیا گیا۔ تلاش کرتے کرتے ورثاء نے ان دونوں کو اکٹھے دیکھ لیا۔ بدنامی کی وجہ سے سردار اور دیگر ورثاء نے بطور سزا اسی حالت میں ان دونوں کو وہیں ایک گنبد بنا کر اس میں بند کر کے دفن کر دیا۔

سرکارِ دو جہاں ﷺ چند قدم آگے۔ بڑھے گنبد سے کچھ دھیمی دھیمی سی آواز آ رہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے کان لگایا تو ان دونوں عاشق و معشوق کی ابھی تک وہی تکرار چل رہی تھی۔ لڑکی کہتی تھی میں جاتی ہوں لڑکا کہتا تھا ذرا بیٹھو۔ یہ باتیں سن کر حضور ﷺ بہت حیران ہوئے اور تب اپنی زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ دوستو! وہ لڑکا اور لڑکی دونوں ابھی تک اسی حالت میں ہیں۔ اُن پر کوئی موت طاری نہیں ہوئی اور وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ قیامت نازل ہوگی اور یہ محض ان کی سچی محبّت کا صلہ ہوگا۔ (کہ قیامت تک محوِ دیدار رہیں گے)

اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے اُن کے لیے اور اہلِ شام کیلئے دعائے خیر کی اور پھر واپس مدینہ لوٹے۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے مزید فرمایا کہ عشق مجازی اگر حقیقت پر مبنی ہو تو وہ ضرور ایک نہ ایک دن عشقِ حقیقی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اگر خداوند کریم اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ لیکن اس دور میں ہے، بہت مشکل۔ بقول مولانا جامیؒ:

؎ متاب از عشق رو گرچہ مجازیست   کہ آں بہر حقیقت کار سازیست

(عشق سے منہ مت موڑ اگرچہ مجازی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی عشقِ حقیقی کی طرف راہ ہموار کرتا ہے۔)

8:۔ مرشد کون ہوسکتا ہے؟

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ اپنی زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنی درسگاہ کے ایک کمرے میں مصروف مطالعہ تھے۔ سارا کمرہ کتب سے بھرا ہوا تھا۔ صرف ایک دو آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ تبریز سے سفر کر کے بال بکھرے ایک دیوانے کی صورت میں (حکم مرشد لے کر) آپ کے کمرے میں داخل ہوئے۔ (ان کا اصل نام کچھ اور تھا شمس یعنی آفتابِ معرفت کا لقب انہیں اپنے مرشد کی طرف سے ملا ہوا تھا۔ اسی سے ان کی شہرت ہوئی) پوچھنے لگے ایں چیست؟ یعنی یہ کیا ڈھیر لگا ہوا ہے؟ مولانا جو کہ اپنے علم وجاہ ظاہری پر بہت نازاں تھے کہنے لگے ''تو نمی دانی'' تم نہیں جانتے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوا۔ مولانا نماز پڑھانے کیلئے اُٹھ کر مسجد چلے گئے اور شمس تبریزی کو بے ضرر دیوانہ سمجھ کر وہیں چھوڑ دیا۔ مسجد کے سامنے صحن میں ایک بڑا تالاب تھا۔ مولانا نے نماز کے دوران تالاب میں کسی چیز کے ڈالنے کی آواز (Splash) سنی۔ دل ہی دل میں سمجھ گئے کہ کمرے میں چونکہ ایک دیوانہ چھوڑ آیا وہی کتب کو تالاب میں ڈال رہا ہوگا۔ نماز پڑھانے کے فوراً بعد جب حجرے میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دیوانے نے سب نایاب ذخیرہ کتب کو سپردِ آب کر دیا ہے اور خود خوش باش بیٹھے ہیں۔ مولانا انتہائی طیش میں آ گئے اور کہنے لگے او دیوانے! تُو نے اتنے عظیم علمی سرمائے کو ضائع کر دیا اور میری تمام زندگی کا سرمایہ تباہ کر دیا۔ (کیونکہ اس دور میں سب دستی تحریریں تھیں۔)

مولانا کو اس قدر مغموم دیکھ کر شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو تعجّب ہوا اور کہنے لگے مولانا! اس قدر غضبناک کیوں ہو رہے ہیں۔ مَیں نے جگہ خالی کرنے کیلئے کتابیں وہاں رکھ دیں تاکہ آپ کو اور آپ کے ملاقاتیوں کو تنگی محسوس نہ ہو۔ کتابیں جب بھی ضرورت پڑیں اٹھا کر پڑھو اور پڑھاؤ جب فارغ ہوں تو پھر وہاں پر (حوض میں) رکھ دیا کرو۔ مولانا کا غصّہ اور بڑھ گیا اور کہنے لگے کہ دیوانے! پانی میں کہیں کاغذ اور اس کی لکھائی بھی محفوظ رہ سکتی ہے؟ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی طبع نازک پر یہ باتیں ناگوار گزریں۔ فوراً ہاتھ بڑھایا اور ایک ایک کر کے سب کتابیں باہر نکال لائے۔ جبکہ ان میں ذرہ بھر فرق نہ تھا۔ مولانا انگشت بدنداں یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ اس خرقِ عادت فعل پر مولانا نادم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی متاثر بھی ہوئے کہ میں نے بڑی گستاخی کی۔ یہ کوئی دیوانہ نہیں بلکہ دیوانۂ حق ہے۔ بقول عارفے:

؎ از دروں آشنا شَو وز بروں بیگانہ وَش — ایں چنیں زیبا روش کم دیدہ ام اندر جہاں

(جو اندر (باطن) سے آشنائے ''لَآ اِلٰہَ'' ہو اور ظاہری صورت میں بیگانہ اور دیوانہ ہو ایسے حسین لوگ مَیں نے دنیا میں بہت کم دیکھے ہیں۔)

تب پوچھا ایں چیست؟ یعنی یہ کیا کرشمہ ہے؟ شمس تبریزی نے جواب دیا کہ ''حالا تو نمی دانی'' یعنی اب اس چیز کا تجھے علم نہیں ہے۔ مولانا نے سب طُرّہ و دستار اور خلعتِ فاخرہ اتار پھینکے۔ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہی نگاہِ لاہوت نشانہ

کے شکار ہو گئے۔ قیل وقال، علم و بحث، درس وتدریس اور عہدہ قضاۃ کو خیر باد کہہ کر یوں نعرہ زن ہوئے۔

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کُن　　　خویشتن را جانب دلدار کُن

(سینکڑوں کتابیں آگ میں ڈال کر اپنے آپ کو محبوبِ حقیقی کے وصال کا مستحق بنا اور شرف دیدار حاصل کر لے۔) مولانا آگے خود مزید فرماتے ہیں:

؎ جُبّہ و دستار علم و قیل و قال　　　جملہ در آب رواں انداختیم

(ہم نے سب جُبّہ و دستار اور علمی دنیا کو ایک ہی لمحہ میں دریا سپرد کر دیا ہے۔)

اب مولانا شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت اور فیض حاصل کرنے کی فکر میں مبتلا ہو گئے۔ عرضِ بیعت کی مگر شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا کہ آپ اتنے بڑے پائے کے عالم اور محقق ہیں میں ایک خاک نشین فقیر۔ ہماری تمہاری راہیں جدا ہیں۔ آپ کو یہ راستہ مشکل سے راس آئے گا۔ لہٰذا بیعت و رفاقت کا اصرار نہ کرو۔ لیکن مولانا مسلسل اصرار کرتے رہے۔ آخر کار شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر تم شہر جا کر شراب خانے سے پانچ بوتلیں اس طرح اٹھا کر لاؤ گے کہ ایک ایک بوتل بغل میں ایک ایک دونوں ہاتھوں میں اور ایک منہ میں تب بیعت کرنے کے بارے سوچوں گا۔ مولانا کیلئے یہ انتہائی کٹھن کام تھا اور مذہبی دنیا میں اُن کی بے پناہ شہرت وعزت کو پل بھر میں رسوائی و ذلت میں بدلنے کا سبب تھا۔ مگر عشقِ الٰہی کی چنگاری نے، جو کہ مولانا کیلئے ایک نئی لذت کا باعث تھی، یہ شرط قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ مولانا مشروط حالت میں شراب کی بوتلیں لیکر جب بازار سے گزرے تو لوگوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا اور جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ مولانا جس طرف سے گزرتے لوگوں کی نفرت انگیز نظروں کا سامنا کرتے۔ اتنی ذلتِ نفس نہ برداشت کرتے ہوئے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور شراب کی پانچوں بوتلیں ٹوٹ گئیں۔

مولانا شراب سے لت پت ہوش میں آنے کے بعد گرتے پڑتے شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گئے۔ جب شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کی شکستگی نفس کا یہ عالم دیکھا تو فوراً بیعت کیلئے ہاتھ آگے بڑھایا اور علم وعرفان کی لازوال دولت سے مالا مال کر دیا۔ پھر واپس اپنے علاقہ تبریز چلے گئے۔ اس کے بعد مولانا مسلسل اپنے مرشد سے فیض حاصل کرتے رہے۔ دنیائے تصوف میں شورش محشر جیسا انقلاب برپا کرنے والی ان کی لازوال عارفانہ تصنیف ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' مثنوی شریف''، جو کہ عشق وفراق کی لازوال داستان پر مشتمل، ابھی تک سالکین کیلئے رہبرِ کامل کی حیثیت رکھتی ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس روحانی انقلاب کا واقعہ بیان کرنے کے بعد مرشد کریم نے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم اپنے بندوں کی غائبانہ صورت میں اسی طرح امداد فرماتا ہے کہ کسی ولی اللہ سے ان کی ملاقات کراتا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اللہ کریم نے اسی طرح رحمت کر دی جب کہ وہ اپنے علم اور عہدے پر بے حد مغرور تھے۔ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے خداوند کریم نے انہیں اپنی رحمتِ خاص سے مختص کیا۔ مولانا نے فقر اختیار کرنے کے بعد خود اس حقیقت کو یوں واضح کیا۔

؎ مولوی ہر گز نشُد مولائے روم　　　تا غلام شمس تبریزیؒ نشُد

(میں مولوی سے مولائے روم اس وقت تک نہ بن سکا جب تک کہ شمس تبریزی کی غلامی اور خدمت وتربیت میں نہیں آیا۔)

اس لئے صاحبِ حال بننے کیلئے آپ کے فلسفے کا رہنما اصول ہے۔

؎ قال را بگزار مرد حال شو　　　زیرِ پائے کاملے پامال شو

(ظاہری علم کو خیر باد کہہ دے اور باطنی علوم کا مرکز بن جا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک تُو کسی کامل ہستی کے زیرِ تربیت، تربیتِ نفس حاصل نہ کرے گا۔) سلفِ صالحین کی طرح انسان جب تک مرشد کامل کی بیعت و خدمت حاصل نہ کرے اس وقت تک وہ مقامِ مردِ مومن اور مقامِ معرفت الٰہی تک ہر گز نہیں پہنچ سکتا۔ خدا سب کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ راستہ نصیب فرما کر اپنی رحمت کا مستحق بنادے۔

؎ پیر رومیؒ را رفیقِ راہ ساز　　　تا خُدا بخشد تُرا سوز و گداز　(اقبالؒ)

(رومیؒ (کسی پیر کامل) کو اپنا رفیق راہ بنالے تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھے سوزِ عشق نصیب ہوگی۔)

بستی آدم (ضلع مظفرؔگڑھ) میں ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ مرشد کو چاہیے کہ وہ ہر وقت مرید کے تزکیہ نفس کیلئے اس کی رہنمائی کرے اور ہر قدم پر اسے سمجھائے۔ آگے اس کی اپنی قسمت۔ مرید سونے والے انسان کی طرح ہے اور مرشد جگانے والے کی طرح کہ اسے خواب غفلت سے بیدار کر کے راہ خدا پر گامزن کرے۔ یا مرشد لوہار کی طرح ہے اور مرید لوہے کی طرح کہ لوہے کو جب تک لوہار گرم کر کے اسے کسی سانچے میں نہ ڈھالے کتنی بڑی قیمتی دھات ہی کیوں نہ ہو۔ ضائع اور بیکار پڑی رہے گی۔ اسی طرح مرشد مرید کو وعظ ونصیحت اور ذکر الٰہی سے گرما کر (جوش دلا کر) اسے ایک مردِ کامل کی شکل میں ڈھالتا ہے اور اسے ایک ایسی تلوار بناتا ہے جو ساری دنیا کے خربوزوں کیلئے کافی ہو۔ اسی لئے ایک عام گنہگار اور گمراہ انسان کو مرشد ہی اپنی توجہ اور فیضِ نگاہ سے خاص مخلوق الٰہی میں داخل کراتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا تو خدا کی طرف سے ہے مگر مرشد راہنما اور وسیلے کا کام دیتا ہے جو کہ اصولِ الٰہی اور اصولِ فطرت بھی ہے۔ ظاہری تعلیم بھی استاد کی راہنمائی اور سختی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر باطنی تعلیم کیلئے تو بدرجہ اولیٰ ایک رہنما کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر رہنما کے معرفت الٰہی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

(1)؎ گر نیُفتد بر تُو مردے را نظر　　　از وجودِ خود کے یابی خبر

(2)؎ ہر کہ اُو بے مرشدے در راہ شُد　　　اُو زغُولاں گمرہ و در چاہ شُد　(رومیؒ)

(1:۔ جب تک تجھ پر کسی مردِ کامل کی نظر نہ پڑے تُو "خود" سے کیسے باخبر ہوسکتا ہے؟)

(2:۔ جو شخص بغیر پیر کے راستہ پر چلا۔ وہ نفس وشیطان کے ہاتھوں گمراہ ہو کر ہلاک ہوگیا۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ میں عقیدت مندوں کے ایک جم غفیر میں تشریف فرما تھے۔ اپنی زبان حق ترجمان سے یوں گہر افشانی فرمائی کہ ایک حریصِ دنیا ہوتا ہے اور دوسرا حریص دین۔ جس طرح حریص دنیا سنگلاخ پہاڑوں میں جا کر صعوبت سفر برداشت کر کے سنگ پارس کی تلاش میں ہر ایک پتھر کو ٹٹولتا ہے کہ شاید کوئی ''سنگ پارس'' ہو۔ تا کہ دولت کثیر ہاتھ لگے۔ (سنگ پارس بھی ایک قسم کا پتھر ہے مگر اس کی خاصیّت یہ ہے کہ ٹنوں لوہے سے اگر اُسے مَس کیا جائے تو وہ سب سونا بن جائے)

اسی طرح ہم لوگ حریصِ دین ہیں۔ قریہ قریہ، شہر شہر یہاں تک کہ جنگل اور دشوار گزار پہاڑوں تک پھرتے ہیں۔ ہر ایک انسان سے ملتے ہیں۔ وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ مرید بناتے ہیں اور ٹٹولتے ہیں کہ شاید اُن میں سے کوئی شہباز، ہیرا، صاحب بصیرت اور دیدہ ور انسان (سنگ پارس) ہو تا کہ ہم اُسے حقیقت تک پہنچائیں اور وہ آگے جا کر مخلوق خدا کو خدا کے رنگ میں رنگ دے۔ راہ راست پر لائے اور سلسلۂ فقر چلائے اور یہ ہمارا حرص، عین حرصِ شہنشاہ فقر و ولایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ خداوند کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ الرَّحِيْم '' (وہ مومنوں اور اسلام کیلئے نہایت حریص ہیں تالیف قلوب کیلئے ان کے ساتھ الفت و رحمت سے پیش آتے ہیں تا کہ وہ میری طرف مائل ہو کر تقویتِ اسلام کا سبب بنیں) خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس نفس پرست، مادہ پرست اور فتنہ باز دور میں بے لوث حریصِ دین ہیں اس ضعیف العمری میں بارہ مہینے بلا تخصیص سردی و گرمی مسافری کی تکالیف صرف اس لئے برداشت کرتے ہیں کہ شاید کسی کی قسمت ہماری دُعا اور توجہ سے جاگ پڑے اور وہ اللہ اللہ کرنے پہ آجائے جو ہمارے لئے دونوں جہانوں میں تختِ سلیمان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو یہ وراثت اور یہ جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ستمبر 1991ء میں بموقعہ دورہ کوئٹہ ایک پولیس انسپکٹر (حسن صاحب) کے ہاں دعوت پر بعد از نماز عصر، حاضرین کو درسِ فقر دیتے ہوئے یوں گوہر افشانی فرمائی کہ خداوند کریم کے بہت سے اسماء حسنیٰ ہیں۔ اُن میں سے سر فہرست چار ہیں۔ نیز خدا کے ہر اسم کے ساتھ ایک ایک صفت اور رحمت خاص بھی ہوا کرتی ہے۔ جن میں خدا کی وہ صفت آجائے اس میں پھر وہی رحمتِ خاص بھی آکر موجود ہو جاتی ہے۔ تب ایک عاجز انسان جا کر مرکزِ رحمت بن جاتا ہے۔ یہ چار اوصافِ الٰہی درج ذیل ہیں۔

1۔ صبر، 2۔ عدل وانصاف، 3۔ سخاوت، 4۔ زہد وتقویٰ۔

1:۔ صبر: خداوند کریم خود فرماتا ہے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ''۔ بے شک میں خود صبر کرنے والا ہوں اور صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔ جو جتنا گناہ کرتا جائے اور سرکشی میں بڑھتا جائے۔ جلدی اسے نہیں پکڑتا مگر بڑی ڈھیل کے بعد ''دیر گیر د سخت گیرد''۔ اس ضمن میں آپ مدظلہٗ العالی نے یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اصول تھا کہ وہ

مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔ایک موقعہ پر تین دن کے بعد ایک مہمان آیا۔آپ علیہ السلام نے بہت خوش ہو کر اس کے ساتھ کھانا تناول فرمایا اور دل میں فخر محسوس کیا کہ تین دن تک مَیں نے خدا کی رضا کیلئے روٹی نہیں کھائی۔اتنے میں وحی نازل ہوئی کہ اے خلیل علیہ السلام! آپ سے زیادہ بھی میرے صابر بندے ہیں۔ذرا بستی سے باہر چند قدم چل کر دیکھو۔ جب آپ علیہ السلام بستی سے نکل کر اچھے بھلے فاصلے پر گئے تو دیکھا کہ سامنے ایک جھونپڑے سے ایک فقیر نکل کر سامنے آیا اور خوشی سے ناچنے لگا۔پوچھا کہ اس قدر کیوں خوش ہو رہے ہیں؟ جواب دیا مَیں خدا کی رضا کیلئے تین ماہ بعد ایک مرتبہ کھانا کھایا کرتا ہوں اور وہ بھی کسی مہمان کے ساتھ۔آج وہی دن ہے اور مہمان بھی آ گیا ہے۔اس خوشی میں ناچ رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اے فقیر! آپ سے زیادہ بھی کوئی صابر ہے؟ فقیر نے کہا جی ہاں۔ایک اور صابر فقیر بھی یہاں سے کچھ فاصلے پر رہتا ہے وہ چھ ماہ روزہ رکھ کر صرف ایک دن مہمان کے ساتھ روزہ افطار کرتا ہے۔ابراہیم علیہ السلام نے اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔فقیر نے جا کر آپ علیہ السلام کی اس فقیر سے ملاقات کرا دی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے دعا کی درخواست کی۔مگر اُس نے دعا کرنے سے انکار کر دیا۔آپ علیہ السلام نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ فقیر نے کہا کہ ایک دن میں جنگل میں جا رہا تھا۔ایک حسین وجمیل چرواہا نہایت موٹی تازی خوبصورت بکریاں چرا رہا تھا۔میں نے پوچھا اے نوجوان! آپ کون ہیں اور یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اُس نے جواب دیا مَیں خدا کے دوست حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نوکر ہوں اور یہ بکریاں اُن کی ہیں۔مَیں نے اسی وقت خدا سے دعا مانگی کہ یارب اپنے اس دوست ابراہیم علیہ السلام سے تو ملاقات کرا دے کہ وہ خود کتنے خوبصورت ہوں گے۔اس دن سے آج تک خدا نے میری وہ ایک دعا قبول نہیں کی۔مَیں اور دعا کیسے مانگ لوں۔اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فقیر کو خوشخبری دی کہ آپ کو مبارک ہو۔آج خدا نے آپ کی دعا قبول کی اور مَیں ہی ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔یہ سنتے ہی اس پر حال طاری ہوا۔عالم وجد میں اس کی روح پرواز کر گئی۔اس لیے جس میں صفتِ صبر آ گئی، اس میں خدا کی رحمت کا ایک جزِ خاص بھی آ کر موجود ہوا۔

؎ صد ہزاراں کیمیا حق آفرید   کیمیائے ہمچوں صبر آدم ندید   (رومیؒ)

(اللہ نے ہزاروں کیمیا دُنیا میں پیدا کئے مگر صبر جیسا کیمیا کسی نے نہیں دیکھا)

2:۔عدل: خداوند کریم خود عادل ہے اور عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔وہ ذرہ برابر نیکی کا بھی صلہ دیتا ہے اور ذرہ برابر برائی کا بھی۔اسلامی دنیا میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت بھی ضرب المثل ہے۔مشہور واقعہ ہے کہ ان کے دور میں ایک بوڑھی عورت ایک امیر گھرانے میں مزدوری کر کے اس کے بدلے آٹا لے آیا کرتی تھی۔ایک دن وہ حسبِ عادت آٹا سر پر رکھے گھر کو آ رہی تھی کہ راستے میں انتہائی تیز ہوا چلی اور بوڑھیا کا آٹا اٹھا کر لے گئی۔بوڑھیا وہیں بیٹھ کر رونے پیٹنے لگی۔اچانک وہاں سے حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔بوڑھیا کا حال پوچھنے کے بعد اس سے کہا کہ تم عادل داؤد علیہ السلام کے پاس چلی جاؤ۔وہ تیرے حق میں ایک بہتر فیصلہ کر دیں گے۔

چنانچہ بوڑھی بارگاہ داؤدی میں پہنچ کر فریادی ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ اسے لنگر خانے میں لے جاؤ۔ جتنا آٹا اٹھا سکے اٹھا دو۔ چنانچہ بوڑھی ایک بڑی گٹھڑی باندھ کر جب دروازے پر آئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بوڑھی سے کہا کہ تم تو پگلی ہو! جا کر ان سے عرض کرو مجھے اپنے والا حلال کمائی کا آٹا چاہیے۔ مفت کا نہیں۔ وہ تو عادل ہے۔ کر ہی لے گا۔

چنانچہ بوڑھیا دوبارہ جا کر ملتجی ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ بوڑھی کو کسی اور نے سبق دیا ہے۔ اس کی اپنی اتنی عقل نہیں تھی۔ تب بوڑھی نے باہر والے شخص کے بارے میں بتایا۔ داؤد علیہ السلام نے جب انہیں بلایا تو وہ سلیمان علیہ السلام تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ حضور! یہ تو سچ کہتی ہے اور آپ اس کا کام بھی تو کر سکتے ہیں۔ داؤد علیہ السلام نے بذریعہ جبرائیل امین، میکائیل علیہم السلام کو بلا کر دریافت کیا کہ ہوا نے اس بوڑھی کے ساتھ کیوں زیادتی کی۔ (کیونکہ ہوا ان کے کنٹرول میں ہے) میکائیل علیہ السلام نے عرض کی اے خدا کے نبی! مجھے خدا کی طرف سے یہی حکم تھا۔ تب داؤد علیہ السلام خدا کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے۔ خدا کی طرف سے جواب آیا۔ اے داؤد! سمندر میں ایک کشتی کے نیچے سوراخ ہو گیا تھا۔ وہ پانی سے بھر کر ڈوبنے کو تھی کہ کشتی سواروں نے مجھے بہت کچھ چاندی اور سونا کی منت مان کر امداد چاہی۔ تب میں نے میکائیل کو حکم دیا کہ بوڑھی کا آٹا اٹھا کر اس کشتی کے سوراخ کو بند کر دے۔ چنانچہ اس نے ایسے ہی کیا اور کشتی سلامت بچ نکلی۔ اب بوڑھی کے حق میں فیصلہ یہ ہے کہ اُس منّت کا سارا چاندی اور سونا اس کے ہاتھ میں دیا جائے۔ آخر کار حضرت داؤد علیہ السلام نے ایسا ہی کر کے بوڑھی کو راضی کرنے کے بعد مالا مال کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی ذات عادل ہے اور خدا کے خاص بندے بھی اس صفت سے متّصف ہوا کرتے ہیں، جس سے خدا کو ان سے خاص محبّت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جس میں صفتِ عدل موجود ہوئی، اس میں خدا کی دوسری رحمت خاص کا ایک جزو بھی آ کر موجود ہو گیا۔

؎ عدل چہ بود ؟ آب دِہ اشمار را ظلم چہ بود ؟ آب دادن خار را

(عدل کیا ہے! پھلوں اور پھولوں کو پانی دینا۔ ظلم کیا ہے! کانٹوں کی آب پاشی کرنا)

3:۔ سخاوت: خدا خود سخی ہے اور اہلِ سخا کو ہی پسند فرماتا ہے۔ وہ فاسق، فاجر اور کافروں تک جو اس کی ذات کو ماننے سے بھی انکار کر دیتے ہیں اپنا دست سخا واپس نہیں کھینچتا۔ لہٰذا جو شخص سخی ہو اس میں بھی خداوند کریم کی رحمت کا ایک جزو خاص آ کر موجود ہو جاتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو فرشتے صبح سے شام تک یہ دعا کرتے ہیں کہ:

؎ اے خدایا مُنفقاں را دِہ خلف اے خدایا مُمسکاں را دِہ تلف

(اے خدا! تُو خرچ کرنے والوں کو اچھا انعام دے اور کنجوسوں کو تباہ کر دے۔)

4:۔ زہد و تقویٰ: خداوند کریم کو بھی بُرے افعال اور حرکات ناشائستہ پسند نہیں آتے اور جو شخص ان چیزوں سے نفرت کر کے بچ جائے، خدا کی ایک صفت سے متّصف ہو جاتا ہے۔ جس سے خدا کی رحمت کا چوتھا جزو بھی جا کر اس بندے میں قرار پکڑتا ہے۔ خدا نے اپنے ولیوں (دوستوں) کی بھی یہی نمایاں صفت بیان کی ہے اور انہیں اسی صفت کی بناء پر دونوں

جہانوں میں کامیابی کی خوشخبری سنا دی۔

مرشدِ کریم نے ان چاروں اوصاف کو بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک فقیر میں بھی ان چاروں اوصاف کا ہونا لازم ہے۔ جس میں کسی ایک صفت کی کمی ہو۔ اس کا فقر مکمّل نہیں ہے۔

آستانہ عالیہ بارتھی میں دوستوں کو مسائلِ فقر سمجھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ مخلوق کو خدا کی طرف بلانے کیلئے ہر دور کے مطابق اپنا مخصوص طریقہ استعمال کر کے تبلیغ کا کام سرانجام دیتا ہے۔ مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جب خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان تشریف لائے تو یہاں مخلوق راگ و رنگ اور عیش و عشرت میں غرق تھی۔ لوگ موسیقی کے رسیا تھے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کے ماحول کی مناسبت سے قوّالی کی شکل میں خدا کی حمد و ثناء اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت خوانی شروع کر دی۔ لوگ آپ کی گانے نما قوّالی کو سننے کیلئے جوق در جوق آتے اور آپ ان کو اپنی نگاہ سے مسلمان بنا لیتے۔ لوگ دلچسپی سے پوچھتے کہ آپ کیا کہتے ہیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ بتاتے کہ مَیں بھی اپنے ایک معشوق کی تعریف کرتا ہوں جس کا نام ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے ان کے ایسے اچھے اخلاق ہیں۔ وہ ایسے حسین ہیں۔ اس طرح آپ لوگوں کو دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتاتے۔ ایک طرف زبان اور دوسری طرف نگاہ سے کام لیتے ہوئے مخلوق کو اس قدر متاثر کیا کرتے کہ لوگ جوق در جوق دینِ اسلام قبول کرنے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے مہاراجے اور اُمراء اسلام لائے یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نوے لاکھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا اور سلطانُ الہند کا لقب پایا۔ یہی طریق کار آہستہ آہستہ ایک مستقل فن بن کر قوّالی کی شکل میں ہمارے سامنے آیا جو کہ بزرگانِ دین کی تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ بنا رہا اور آج تک بنا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ماحول کی مناسبت سے اپنا طریقۂ تبلیغ قوّالی کی شکل میں شروع کیا۔

ہر دور کے ولی اللہ اپنے اپنے دور کے مطابق اپنے ہنر اور عقل سے کام لیتے ہیں۔ پھر خدا کی امداد بھی اُن کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ ہم بھی قوّالی کا پروگرام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے بناتے ہیں۔ لوگ چونکہ اس سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کیلئے اکٹھے ہوتے ہیں پھر ہمیں بھی کچھ سمجھانے اور تبلیغ کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور ہماری دعا سے کوئی نہ کوئی ہدایت پر آ جاتا ہے۔ اس لئے قوّالی سننا ایک تو خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس ہنر سے تبلیغ کرنے اور مخلوق کی خیر خواہی کا موقع مل جاتا ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما ایک خلیفہ سے کسی مرید کے نام مکتوب لکھوا رہے تھے۔ جس میں یہ فقرہ لکھوایا ''اے میرے فرزند! تم پر ہر وقت میری توجہ اور نگاہ ہے'' قریب بیٹھے ایک نئے مرید نے عرض کی کہ حضور! آپ کی توجہ اور نگاہ صرف اس کیلئے ہے یا ہر ایک کیلئے اس پر آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ بچہ دیکھو گاڑی میں جب تک ڈیزل ہے تو وہ چلتی رہتی ہے۔ جب اس کا ڈیزل ختم ہو جائے تو رُک جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب تک ایک مرید پر مرشد کی نگاہ ہے تو وہ باایمان اور راہ راست پر شیطانی حملوں سے محفوظ چل رہا ہوتا ہے۔ جب توجۂ مرشد ہٹ جائے تو وہ

گمراہ ہو جاتا ہے۔ خدا ہمارے ہر مرید کو اس قسم کے خسارے سے محفوظ فرماوے۔ بتانا آپ کو یہ مطلوب ہے کہ مرشد کی توجہ اور نگاہ ہر وقت ہر مرید پر ضرور رہتی ہے۔ اگر نگاہِ مرشد ایک لمحہ کیلئے ہٹ جائے تو مرید گمراہ ہو کر شیطان اور نفس ظالم کے دھوکے میں آجاتا ہے اس لئے:

؎ دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست　　　دست اُو جُز قبضۂ اللہ نیست　　(رومیؒ)

(پیرِ کامل کا ہاتھ خدا کے حکم سے ہر جگہ مرید کے لئے تصرّف کر سکتا ہے)

خدا سب دوستوں کے ایمان کو سلامت رکھے۔ اس کے بعد مرشد کریم پھر خط لکھوانے کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے مکمّل کرایا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بارتھی میں کسی شخص کے استفسار پر آپ نے مرشد کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر شخص کیلئے مرشد کا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ مرشد کا ہاتھ ہر وقت اپنے مرید کے سر پر ہوتا ہے۔ جس طرح کہ میدان جنگ میں لڑنے والے کا سر ڈھال کی وجہ سے محفوظ رہ جاتا ہے اس طرح شیطان لعین اور نفس پلید کا جس وقت مرید پر حملہ ہوتا ہے تو مرشد کا ہاتھ مرید کو اُن حملوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ گویا کہ دستِ مرشد نفس اور شیطان کے حملوں کیلئے ڈھال کا کام دیکر مرید کا دین وایمان محفوظ کر لیتا ہے۔ بقول سلطان باھوؒ:

؎ مالی باغ دی راکھی کردا پھل پکے ہونڑ یا کچے　　　پیر مریداں دے سر تے رہندا جھوٹے ہونڑ یا سچے

اسی حکمت کے پیشِ نظر مرشدِ کامل کا ہونا ضروری ہے، جو کہ خدا کی بارگاہ میں مرید کی خیر خواہی طلب کرتا رہتا ہے۔ خداوند کریم سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک موقع پر مسائلِ تصوف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہماری خدمت میں ایسے لوگ بھی آتے ہیں جن کے دلوں میں ہمارے متعلّق نفاق ہوتا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں ہمارے متعلّق عجیب عجیب نظریات لے کر آتے ہیں۔ اُن کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم ان کے دل کے راز کے بارے میں کچھ نہیں جانتے مگر شکر الحمدللہ! ہم اُن کے دِلوں کا حال خوب جانتے ہیں۔ مگر ان کی دل آزاری سے بچنے کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا طریقہ تبلیغ نہ انبیاء کرام کا تھا اور نہ اولیاء عظام کا۔ بعض فقیروں کے پاس جب کوئی شخص برا فعل کر کے جاتا وہ اس کے فعل کو ظاہر کر کے اُسے شرمندہ کر دیتے۔ گو اس کشف پر اصلاح ہو یا نہ ہو۔ خداوند کریم نے جب اُس کے برے فعل پر پردہ ڈال دیا ہے تو فقیر کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کا پردہ فاش کر دے۔ بلکہ خداوند کریم سے دُعا کرے اور اپنی نگاہ سے اس کی اصلاح کرے۔ وہ زیادہ مؤثر اور خدا و رسول ﷺ کی ہدایات کے مطابق ہے۔ گو کہ ہم بنوں سے بیٹھ کر اپنے ہر مرید کا ہر ہر فعل دیکھ رہے ہوتے ہیں مگر انہیں شرمندہ کرنا ہمارے اُصول کے خلاف ہے۔ البتہ خدا کی بارگاہ میں اُن کے لیے غائبانہ دُعا ضرور کرتے ہیں۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ پیر ہی نہیں جو ہر وقت مرید کے ساتھ نہ ہو اور وہ مرید ہی نہیں جو اپنے مرشد کو ہمہ وقت اپنے ساتھ نہ سمجھے۔

؎ شیخ فعّال است بے آلت چوں حق　　　　با مُریداں دادہ بے گفتے سبق　(رومیؒ)

(شیخِ کامل اللہ کریم کی طرح بغیر کسی ظاہری وسیلہ کے مُریدوں کے لئے تصرّف (رہنمائی وگفت وگو) کرسکتا ہے۔)

ایک مرتبہ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ ایک ڈرائیور جو بس چلاتا ہے اگر بس خراب ہو جائے تو اُسے مکینک کے پاس لے جائے گا۔ اسی طرح انسان اپنے جسم کا ڈرائیور ضرور ہے اور اسے اپنی مرضی پر چلاتا ہے۔ جب اُس میں کوئی جسمانی بیماری پیدا ہوتی ہے تو وہ کسی ماہر ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرتا ہے اور جب کوئی روحانی اور اخلاقی بیماری پیدا ہو جائے تو اُسے کوئی قابل روحانی ڈاکٹر یعنی ولی اللہ کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔ جب تک یہ دنیا قائم ہے خدا کی قدرت سے یہ دونوں چیزیں یعنی جسم وروح موجود بھی رہیں گی، انہیں بیماریاں بھی لگتی رہیں گی اور اُن کے معالج بھی ہر وقت اور ہر دور میں موجود رہیں گے۔ اگر اس بات سے کوئی انکار کرتا ہے تو گویا وہ قدرتِ خداوندی کو جھٹلاتا ہے۔ کیونکہ جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے خداوند کریم نے اس کے لیے ہر قسم کی ظاہری و باطنی سہولت فراہم کر رکھی ہے تا کہ مخلوق قیامت کے دن یہ نہ کہے کہ خدایا! فلاں بیماری کا کوئی علاج نہیں تھا۔

اس لئے اللہ کریم نے اس دنیا میں انسان کیلئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کے معالج فراہم کر رکھے ہیں۔ کوئی اُن سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور کوئی شومئی قسمت محروم رہ جاتا ہے۔

ایک مرتبہ بستی آدم نزد محمود کوٹ بعد از نماز عصر آپ نے مریدین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ ایک جگہ مجھ سے یہ پوچھا گیا کہ انسان میں حواس کتنے ہیں اور ایک ولی اللہ اپنے مریدوں کی کس طرح اصلاح کرسکتا ہے تو مَیں نے اس کے جواب میں عرض پیش کی کہ ہر انسان میں چار قسم کے لطائف ہوتے ہیں۔ اگر وہ راہ راست یا اعتدال پر آجائیں تو دراصل وہی انسان مقام ولایت کا حقدار ہوتا ہے۔ ''خَلِيفَةُ اللّٰهِ عَلَى الْاَرْض ''اور مومن کالقب اسی کے لیے جچتا ہے اور وہ لطائف درج ذیل ہیں۔

(1) لطیفۂ روحی۔ مٹی سے پیدا! حرص دنیا کا طالب۔

(2) لطیفۂ سِرّی۔ پانی سے پیدا! شہوت کا طالب۔

(3) لطیفۂ خفی۔ آگ سے پیدا! غصّہ کا طالب۔

(4) لطیفۂ اخفیٰ۔ ہَوا سے پیدا! فخر وغرور کا طالب۔

ان ''اربعہ عناصر'' سے متعلّق لطائف کی ظاہری خصوصیات کو رذائلِ اخلاق! اور اُن کی باطنی واعتدالی خصوصیات کو فضائلِ اخلاق کہتے ہیں۔ اِنہیں رذائل کو فضائل میں تبدیل کرنا ولی کا کام ہوتا ہے۔ دراصل دورِ نبوت میں یہ نگاہِ نبوت کا کام تھا۔ اب چونکہ دروازۂ نبوت بند ہو چکا ہے اور کارِ انبیاء، اولیاء کرام کے دوش پر آ گیا۔ چونکہ ہر ولی اللہ نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر ہوتا ہے۔ علومِ انبیاء کے حامل قیامت تک اولیاء کرام ہی ہوں گے۔ اس لئے ان لطائف کو صحیح سمت پر لانا اِس

دور میں صرف اولیاء کرام ہی کا کام ہے۔ یہاں تک کہ ایک پیرِ کامل اپنے مریدوں کے انہیں باطنی حواس یا لطائف کو موڑ کر ان کی اصلاح کر کے صراطِ مستقیم پر لاتا ہے، گو کہ وہ پہلے کتنے ہی معصیت زدہ کیوں نہ ہوں۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد نماز مغرب، ختم خواجگان و ذکر و فکر بہت سے مریدوں کی موجودگی میں فلسفہٴ اسلام سے یہ لطیف ترین نکتہ نہایت آسان اور فصاحت و بلاغت سے پیش فرمایا کہ جسم انسانی میں ''دل'' بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں موجودہ چار لطائف ''بادشاہ'' کے ''وزیروں'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو اربعہ عناصر سے بالترتیب مٹی، پانی، آگ اور ہَوا سے منسلک ہیں۔

<u>بلحاظ لطائف بالترتیب:</u> (1) لطیفہٴ روح (مٹی) کا تعلق ''حرصِ دنیا'' سے ہے کہ اگر ایک پلاٹ ہاتھ آ گیا تو دوسرا بھی آ جائے۔ ایک بلڈنگ کا مالک بن گیا تو ایک اور ہاتھ لگے اکٹھا کرنے کا حرص اور سَیر چشمی کا فقدان۔

(2) لطیفہٴ سِرّی (پانی) کا تعلق ''شہوت'' سے ہے۔ ایک عورت ہاتھ لگی تو دوسری کے پیچھے۔ اگر دو ہاتھ لگیں تو تیسری کے پیچھے مست۔ اس طرح یہ دوڑ جاری رہتی ہے۔

(3) لطیفہٴ خفی (آگ) کا تعلق ''غصّہ'' سے ہے کہ ذرا سی بات پر برہم ہونا۔ اپنے نفس کی مرضی اور خواہش کے بغیر ذرا بھر برداشت نہ کرنا۔ ہمہ وقت اپنی منوانا۔ مخلوقِ خدا کو روندنا اور اُن کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں مصروف رہنا اس کی خصوصیّت ہے۔

(4) لطیفہٴ اخفیٰ۔ (ہَوا) کا تعلق تکبّر اور فخر سے ہے۔ ہر وقت اپنے مال و دولت لباس اور خاندان پر فخر کرنا۔ تکبّر کی وجہ سے ہر شخص کو اپنے سامنے ذلیل اور حقیر سمجھ کر زمینِ خدا پر خودسر بن کر اور سینہ تان کر چلنا اس کی خصوصیّت ہے۔

اگر یہ چاروں لطائف درجہ بالا خصوصیّات کے حامل ہوں تو قرآن و حدیث کے فلسفے کے مطابق ان خصوصیات کے مجموعہ کو ''نفسِ امّارہ'' کہتے ہیں کہ جس کا ماحاصل سراسر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی اور نافرمانی کرنا ہے۔ مگر جب خدا کسی پر راضی ہو جائے اور انسان جا کر کسی مردِ کامل سے تعلق قائم کرتا ہے۔ تو لطیفہٴ روح کی خصوصیّت جو کہ حرصِ دنیا تھی، حرصِ دین و عقبٰی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر ایک نفل پڑھے تو ایک اور نفل پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اگر ایک اچھا کام کیا تو دوسرے اچھے کام کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اگر ایک آدمی راہ راست پر لایا تو دوسرے کیلئے شوق پیدا ہو جائے۔ (قرآن کریم نے اسی خصوصیّت کی بناء پر آپ ﷺ کے بارے میں "حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ الرَّحِيم" فرمایا۔)

لطیفہٴ سِرّی جس کی خصوصیّت ''شہوت'' تھی خواہشِ بہشت اُس کے محلّات اور باغیچوں کے حاصل کرنے کی کوشش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ایک سے دو اور دو سے تین حوریں حاصل کرنے کی خواہش۔ عبادت و زُہد کی خواہش موجزن ہو۔ دنیاوی گھر کے روشن کرنے کی بجائے قبر کے روشن کرنے اور اس میں آسائش و آرام پیدا کرنے کا ہر وقت خیال ہو۔

لطیفۂ خفی کہ جس کی خصوصیّت مخلوق خدا سے غصّہ کرنا، تنگ کرنا اور دشمنی تھی شیطان کی دشمنی میں تبدیل ہو جائے۔ ہر وقت اس کے ساتھ کینہ اور غصّہ رکھے کہ جس کے حکم پر چلنے سے ہمارا جسم عذاب الٰہی اور دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اس کے وساوس اور دھوکہ دہی سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگ کر نفس کی مخالفت کرے۔

لطیفۂ اخفیٰ کہ جس کی خصوصیّت زیادتی، تکبّر اور فخر کرنا تھا خدا اور اس کے رسول پر فخر کرنے اپنے عیوب پر آگاہی اور عجز وانکساری میں تبدیل ہو جائے کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور اس پر فخر ہے کہ جس نے ہمیں زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر عزت و اکرام کا تاج پہنایا اور سب سے زیادہ خوبصورت شکل پر بنا کر اپنے محبوب ﷺ کی اُمّت میں پیدا ہونے کا شرف بخشا وگرنہ بذاتِ خود ہم کچھ نہ تھے۔

قرآن وحدیث کے مطابق یہ مقام ''نفسِ مطمئنہ'' کہلاتا ہے۔ قرآن ناطق ہے۔ ''یَـٰٓأَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِیٓ إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ فَادْخُلِی فِی عِبَٰدِی۔ وَادْخُلِی جَنَّتِی (فجر:27-30)'' (کہ اب اپنے خالقِ حقیقی کی طرف رجوع فرما کر تُو نے ''نفس امّارہ'' کی مخالفت کی اور روح کو اس پر غالب کر کے مجھ کو راضی کر دیا اس کے بدلے میں اب میرے خاص بندوں میں شامل ہو کر میری سرمدی بہشت میں داخل ہو جا۔)

مرشد کریم نے مزید فرمایا کہ اسلام میں یہی مقام فنافی اللہ و بقاباللہ ہے کہ ایک بندہ خالقِ حقیقی کا وصال حاصل کر کے ابدی سکون حاصل کر لیتا ہے۔ میدانِ مشاہدات کو فتح کرتے ہوئے اصلاحِ نفوس پر اتر آتا ہے اور فیضانِ نگاہ سے مخلوق کو سیراب کرتا ہے۔ اللہ کریم ہم سب کو یہ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ مسائلِ سلوک پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مرشدِ کامل کی ذات میں خدا اور رسول اللہ ﷺ دونوں موجود ہوتے ہیں اور اسی دَر سے خدا اور رسول ﷺ ملتے ہیں۔ جو دوسری جگہوں سے تلاش کرے وہ کج فہم ہوتا ہے کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے دولت، دولت والوں کے پاس، اللہ، اللہ والوں کے پاس اور اسی طرح عشق خدا اور رسول ﷺ، عاشقِ حقیقی ہی کے پاس ملتا ہے اور بس۔ بقول پیر رومیؒ:

؎ چوں تو دست پیر را کردی قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول ﷺ

(جب تُو نے کسی پیرِ کامل کا ہاتھ پکڑ لیا (بیعت کر لی) تو سمجھ لے کہ اسی کی ذات میں خدا بھی آ گیا اور رسول بھی)

ایک موقعہ پر آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا تک پہنچنے کیلئے وسیلہ اختیار کرنا ایک لازمی چیز ہے، کیونکہ عالمِ اسباب میں ہر کام سبب اور وسیلے ہی سے سرانجام پاتا ہے۔ یہی سبب اور سیڑھی مرشد کریم کی ذات بابرکات ہے۔ اس لیے مرشد کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ مرید کو فنافی الشیخ سے فنافی الرسول ﷺ کے مقام پر پہنچا دے۔ وہ اپنے مرید کو فنافی اللہ کے مقام پر نہیں پہنچا سکتا، کیونکہ اس کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوتا ہے۔

ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ فقر وولایت دیتے ہوئے مریدین کے سامنے ارشاد فرمایا کہ اولیاء

اللہ کی دعا بارگاہ الٰہی میں مستجاب ہوتی ہے کیونکہ خدا اگر اپنے دوستوں کی دعا قبول نہ کرے تو اور کس کی کرے گا۔ بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ دوستاں را کُجا کُنی محروم تُو کہ با دشمناں نظر داری

(اے اللہ! تُو دوستوں کو کیسے محروم کرے گا جبکہ اپنے دشمنوں پر بھی مہربان ہے۔)

مثال پیش کرتے ہوئے اپنے ایک مشاہدے کی بات بتائی کہ ہمارے مرشد حضرت خواجہ صوفی نواب الدینؒ نے ایک شخص (صوفی عبداللہ جان) جس کو صحیح وضو کرنا بھی نہیں آتا تھا۔ خدمت کے صلّے میں جو اس نے حضرت صاحبؒ کی بیماری کی حالت میں کی تھی۔ اپنی ٹوپی اُن کے سر پر رکھ کر انہیں دل سے دُعا دی۔ ہمارے سامنے آج اس کے لاکھوں مرید ہیں۔ وہ صاحبِ حال اور بہت بڑی شان کا مالک ہے۔ یہ سب حضرت صاحبؒ کی دعا کی برکت اور اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

1990ء میں آستانہ عالیہ بنوں شریف میں عیدالفطر کی مبارکبادی کیلئے سارے پنجاب کے دوست حاضرِ خدمت تھے۔ ارشاد فرمایا چشمے کی یہ خاصیّت ہے کہ کوئی جس قدر اس میں سے پانی پیئے کم ہونے کو نہیں آتا۔ بالکل اسی طرح ایک مرشد کامل کی ذات ہے جس سے ہر وقت حقیقت و معرفت کے دھارے پھوٹتے رہتے ہیں اور اس سے خدا کی ہر قسم کی مخلوق فیض یاب ہوتی رہتی ہے۔ مرشد کی طرف سے کوئی تخصیص نہیں ہوتی مگر ہر کوئی اپنے ظرف کے مطابق اس سے فیض حاصل کرتا ہے۔ ایک شخص پیاسا ہے اگر وہ خود چل کر چشمے سے اپنی پیاس نہ بجھائے تو قصور اُس شخص کا ہے نہ کہ چشمے کا۔ اسی طرح قصور مرید یا مخلوق کا ہوتا ہے کہ وہ مرشد کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کیلئے نہیں آتے۔ ولی بننا اس شخص کیلئے بہت آسان ہے جسے خدا نے فیض حاصل کرنے کا ملکہ عطا کیا ہو اور جسے عقلِ سلیم ودیعت کی جا چکی ہو۔ تاریخِ اسلام میں کئی واقعات ملتے ہیں کہ راتوں رات کئی لوگ مقام ولایت پر فائز ہوئے۔ بقول اقبالؒ

؎ اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر شبانی سے کلیمیؑ دو قدم ہے

اگر نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مقام صحابیّت نہ ملتا۔ اسی طرح اِس دور میں اگر مرشد اور ولی اللہ نہ ہو تو کوئی شخص ہدایت اور معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ (اَلْحُکْمُ عَلَی الْکُلِّ) کیونکہ یہ عالم، عالمِ اسباب و عِلل ہے۔ خدا سب کو یہ سمجھ اور عقل نصیب فرمائے۔ آمین۔

آپ مدظلہُ العالی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ سمجھدار انسان سمندر کی طرح ہوتا ہے کہ سمندر ہر وقت اپنے مدّ و جزر کے باوجود ایک ہی حال پر رہتا ہے حالانکہ اس کے اندر طرح طرح کی چیزیں تیرتی پھرتی ہیں اور اس میں ہزاروں قیمتی اشیاء بھی موجود رہتی ہیں۔ اسی طرح ایک سمجھدار انسان کے سینے میں بھی ہزاروں اسرار و رموز الٰہی موجزن رہتے ہیں۔ مگر وہ ہر شئے سے بے نیاز سمندر کی طرح ایک ہی حال میں رہتا ہے۔ یہ اس کے صبر و استقلال کا ایک عملی مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ دنیا

سے بے نیاز ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتا ہے۔نشیب و فرازِ زمانہ اسے ہرگز متاثر نہیں کر سکتے۔خواہ جیسی ہی مخلوق سے اس کا واسطہ کیوں نہ پڑے۔وہ حکمِ الٰہی کے مطابق ان سے نمٹتا اور ہدایت و معرفت کی تعلیم دیتا ہے۔خدا سب کو یہ مقام انسانیت نصیب کرے۔آمین۔

ایک مرتبہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پڑھتے ہوئے مرشد کی ذمہ داریوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ پیری کوئی آسان کام نہیں۔مرشد کی مثال باپ کی طرح ہے اور مرید کی مثال اولاد کی طرح۔جس طرح اولاد کی دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے بالکل اِسی طرح ایک مرشد کو بھی دونوں جہانوں میں اپنے مریدوں کے اعمال کا خیال ہوتا ہے۔مرشد مرید کی دنیاوی بھلائی کے ساتھ ساتھ سلامتیِ ایمان کا بھی خیال رکھتا ہے۔اس لئے پیر و مرشد کو اپنے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کا بھی احساس ہونا چاہیے۔اصل مقصدِ حیات جو خدا نے اس کے سپرد کیا ہے۔اس کا ہر وقت پاس رکھے۔قولِ صوفیاء ہے کہ ''مرید شیخ کے پاس خدا کی امانت ہوتا ہے جسے اس نے بحفاظت واصل باللہ کرنا ہوتا ہے۔''

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مریدوں کے سامنے جلوہ افروز تھے کہ زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرمایا مرشد کو چاہیے کہ وہ مریدوں کے اعمالِ صالحہ،شریعت کی پابندی اور روحانیّت کی طرف دیکھے۔ہر قدم اور ہر وقت انہیں شریعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے۔تعلیم فقر دے۔اسی طریقے سے وہ دنیا پر چھا سکتا ہے۔اس کے مدارج بھی خدا کی بارگاہ میں بلند ہوتے جاتے ہیں۔فقر میں کامل ہو جاتا ہے اور اس کا فیض دنیا میں عام ہو جاتا ہے۔مخلوقِ خدا کے خلوص و محبّت اور رضائے الٰہی کا مرکز بن جاتا ہے۔اس کے برعکس جو مریدوں کے ظاہر اور مال کی طرف دیکھ کر اُن کی طرف مائل ہو جائے وہ فوراً ناکام ہو کر نفس کے دھوکے میں آجاتا ہے۔اس کا فیض رُک جاتا ہے۔مقامِ فقر سے بھی گر کر عام لوگوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ آپ مدظلہٗ العالی نے مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ مرشد کو اپنے مرید پر نہایت شفیق،مہربان اور ہمدرد ہونا چاہیے۔اپنی اولاد سے بڑھ کر اُس کے ساتھ محبّت کرنا چاہیے اور ہر تکلیف میں اس کا ساتھ دینا چاہیے۔اتنا عرصہ گزر چکا ہے اور ہماری عمر ستّر سال سے تجاوز کر گئی ہے۔ہزاروں مریدان ہیں مگر ہم نے ابھی تک کسی مرید پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالا۔جیسے بھی حالات ہم پہ گزرے کسی مرید سے چار آنے قرضہ تک نہیں مانگا۔کیونکہ ہمارا سارا معاملہ فقر پر قائم ہے۔اس میں ذرا سی دنیاوی لالچ آ گئی تو پھر فقیر!فقیر نہیں رہتا بلکہ فوری طور پر وہ نفس و شیطان کے دھوکے میں آ کر حرص و آز میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے مریدین کے تعلّقات میں فرق آ جاتا ہے۔اسی طرح ہم اپنے مریدان کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ کسی پر بوجھ نہ بنا کریں۔اپنا بوجھ بھی اُٹھائیں اگر ہو سکے تو کسی دوسرے مسلمان بھائی کا بوجھ بھی اٹھا لیا کریں وگرنہ کم از کم اپنا بوجھ تو خود برداشت کرنا چاہیے۔اِسی بنا پر میرے سب مریدان کو یہ بھی نصیحت ہے کہ کہیں بھی مہمان بن کر جائیں تو شام کو وقت پر پہنچ جائیں۔یعنی ایسے وقت پہ نہ جائیں جب مہمان میزبان کیلئے بجائے رحمت کے زحمت بن جائے۔

یہاں تک کہ آپ خود اِس بات کا عملی مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ اپنے مریدوں کے پاس شام کو ذرا دیر سے پہنچے تو اُنہیں کھانا پکانے سے منع کر دیا تا کہ تکلیف نہ ہو۔

؎ من ندیدم در جہانِ جستجو　　ہیچ اہلیّت بہ از خوئے نکو　(رومیؒ)

(اس دنیا کی تگ ودَو میں مَیں نے اچھی عادت کے سوا اور کوئی اچھی چیز نہیں دیکھی۔)

ارشاد فرمایا کہ ایک مرشد کو ہر حال میں کامل اور بالائے خطا ہونا چاہیے۔اگر مرشد ہی کسی خطا یا غلطی کا مرتکب ہو تو وہ مریدوں کی کیسے تربیت اور رہنمائی کر سکے گا۔اس لئے مرشد کو دنیا کے سامنے ایک کامل نمونہ اور قابلِ تقلید کردار کا حامل ہونا چاہیے۔وگرنہ اس کی وجہ سے نہ صرف تمام اولیاء کرام اور فقراء بدنام ہوں گے بلکہ عوام النّاس کے طعن و تشنیع کا نشانہ بھی بننا پڑے گا۔اس لئے شیطان ہر وقت خدا کے متقی اور پرہیزگار لوگوں یعنی اولیاء کرام کو بدنام کرنے اور اُنہیں اپنے مقام سے گرانے کیلئے کوشاں رہتا ہے۔اس بات پر آپ مدظلہُ العالی نے حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک آپ بیتی بیان فرمائی کہ ایک دن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے احباب اور مریدوں کے جمگھٹ میں تشریف فرما تھے کہ ایک بچہ سامنے سے تیز دوڑتا ہوا جا رہا تھا۔آپ نے آواز دی کہ بچے احتیاط سے دوڑنا کہیں گر نہ جائیں۔بچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہوا کہ حضور میرے گرنے کی کوئی بات نہیں۔اگر مَیں گر جاؤں تو اکیلا ہی گر جاؤں گا۔مگر آپ احتیاط کریں۔اگر آپ گر گئے تو ساری دنیا گر جائے گی۔یہ سن کر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہ حال طاری ہوا اور اپنے آپ کو مزید سنبھالا۔

ارشاد فرمایا کہ نفس و شیطان ہر وقت انسان کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔زندہ مرشد کا جب تک انسان کے اوپر ہاتھ ہے اس وقت تک وہ نفس و شیطان کی واردات سے محفوظ و مامون رہتا ہے مگر جب مرشد وصال فرمائے تو مرید کو مزید تربیت و اکتساب فیض کیلئے کسی دوسرے ولی اللہ کی بیعت کرنی چاہیے۔کیونکہ قلبِ مومن ایک جگہ قائم نہیں رہ سکتا۔یا وہ کسی کامل کی زیر تربیت ترقی کے منازل طے کرتا ہے۔یا پھر موجودہ مقام سے گر کر زوال کی طرف آ جاتا ہے۔اس لئے اگر مرشد صبح کو انتقال کرے تو لازم ہے کہ مرید شام تک کسی اور ولی اللہ کی بیعت ہو جائے۔وگرنہ وہ خسارے میں رہے گا۔ایسی سینکڑوں مثالیں صوفیائے اسلام میں موجود ہیں۔کئی صوفیا نے تو زندہ مرشد ہونے کے باوجود اکتساب فیض کیلئے دوسری جگہوں پر بیعت کی ہے۔مرشد کے انتقال کے بعد دوسری بیعت کرنا شریعت میں بھی لازم اور جائز ہے۔اس بات پر سب سے بڑا اور پہلا ثبوت جب حضرت نبی الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہری طور پر پردہ پوشی کی تو انہی اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی اور وہ بیعت ''بیعتِ خلافت و شریعت اور طریقت و معرفت'' سب پر حاوی تھی۔حالانکہ اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم نگاہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ اور فیض یافتہ ہیں۔اب ہمیں مزید بیعت کی ضرورت نہیں۔یہ بات صرف اُمّت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ایک مثال اور سبق تھی کہ ظاہری مُربی لازم ہے۔وگرنہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی بھی ہمہ

وقت حاضر وناظر اور شاہد ومشہود ہے۔

لہٰذا مرشد کے انتقال کے بعد دوسری جگہ بیعت کرنا سنتِ اولیاء کرام بھی ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ نے دوسری جگہ بیعت فرما کر مقام مجدّد حاصل کیا اور اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی بذات خود چودہ مختلف جگہوں پر بیعت کی اور حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے بھی متعدد مرشد تھے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ جیسے عارفین بھی اسی زُمرے میں آتے ہیں اور یہ بھی سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ ہی میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مزید اکتساب فیض کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیعت کرنا شروع کیا تھا۔ اس دور میں اس کی مثال اس طرح ہے کہ اگر ایک دکاندار کے پاس ضرورت کی چیز نہیں ملتی تو وہیں کھڑے نہیں رہنا چاہیے کسی دوسری دکان سے لینی چاہیے۔ اس طرح فیض روحانی بھی جہاں سے ملے حاصل کرے۔ اگر ایک مرید کا مرشد اس قدر کامل ہے کہ اسے راہِ سلوک کی تمام منزلیں طے کرا سکتا ہے تو ٹھیک ہے وگرنہ دوسرا مرشد تلاش کرے۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل بہت سے لوگ ابھی تک مکمّل طور پر شریعت میں بھی داخل نہیں ہوتے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے مرشد سے سب کچھ مل گیا ہے۔ اب ہمیں کسی اور مرشد کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ مرشد کے فیض کا سب سے پہلا ثبوت ظاہری شکل کو بنانا ہے اور یہ ظاہری شکل معرفت الٰہی کیلئے بمنزلہ ایک برتن کے ہے۔ جب معرفت الٰہی کیلئے کسی کے پاس برتن بھی نہ ہو تو سب کچھ ملنے اور معرفت حاصل کرنے کا دعویٰ ہی بے بنیاد ہے۔ ایسے حضرات کو چاہیے کہ نفس وشیطان کے دھوکے اور فراڈ سے بچتے ہوئے کسی دوسری جگہ سے فیض حاصل کر لیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اسے پہلے والے مرشد سے فیض نہیں ملا۔ اگر ملتا تو روحانی مدارج اور کشف ومقامات کا مشاہدہ ہوتا۔ یا کم ازکم ظاہری حالت تو مسلمانوں جیسی ہوتی۔ دراصل نفس وشیطان مرشد کامل کی بیعت وخدمت میں آنے ہی نہیں دیتے۔ اس لئے وہ اسی دھوکے میں رکھتے ہیں کہ ایک ہی بیعت انسان کیلئے کافی ہے۔ دوسری بیعت ناجائز ہے۔ چنانچہ وہ ساری زندگی معرفتِ الٰہی سے محروم اندھیرے میں رہتا ہے۔ آپ مدظلہٗ العالی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ آسمان پر چڑھنا آسان ہے مگر ولی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنا نہایت مشکل ہے۔ کیونکہ نفس ظالم دیکھ رہا ہے۔ اگر اسے میں ایسا کرنے کے لیے چھوڑ دوں تو یہ براہِ راست خدا کا عارف بن جائے گا۔ اس لئے بقول مولانا رومیؒ:

؎ ہیچ نکُشد نفس را جز ظِلِّ پیر　　　　دامن ایں نفس کُش محکم بگیر

(پیرِ کامل کی امداد کے بغیر نفس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا۔ اس لئے اس نفس کُش اور نفس دشمن (پیر کامل) کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔)

مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس بہت سے امتی ولی اللہ مثلاً خواجہ معین الدّین

صاحب تونسوی مدظلہُ العالی، میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ، صاحب موسیٰ زئی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دیگر بزرگوں کے مریدوں نے خوب فیض حاصل کیا۔ حالانکہ ہمارے پاس آنے سے قبل وہ اس چیز سے بالکل ناواقف تھے۔ اس طرح گزشتہ اولیاء کرام میں سے حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مریدوں نے ہماری بیعت کر کے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی فِقہ کا مسئلہ ہے اگر پانی نہ مل سکے تو تیمّم سے نماز ہوسکتی ہے اور اگر اسی فرض نماز کے وقت کے اندر پانی مل جائے تو پہلی فرض نماز (تیمّم والی) کی فرضیّت باطل ہو کر بجائے فرض نماز کے نمازِ نفل میں تبدیل ہو جاتی ہے دوبارہ وضو کر کے نماز ادا کرنی پڑے گی۔ اس طرح اگر ایک آدمی کو آلِ رسولؑ مرشد نہ مل سکے تو وہ اپنا وقت ضائع کیے بغیر کسی امتی ولی اللہ کی بیعت کرلے۔ مگر جب آل رسول مرشد مل جائے تو فوراً اُس کا دامن تھام لے۔ پہلی بیعت (بیعت امتی) نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔ دوسری بیعت (بیعتِ آل رسولؑ) سنت مؤکدہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ کیونکہ از روئے احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آل رسولؑ کو امتی پر بہت فوقیّت حاصل ہے۔ معرفت الٰہی آل رسولؑ ہی کے گھر کی چیز ہے۔ امتی ولی اللہ وقت کا غوث زماں کیوں نہ ہو آل رسول رضی اللہ عنہ ہی پر دورد پڑھتا ہے۔ اُمتی ولی اللہ اپنے مرید کو باطنی مقاماتِ سلوک طے کراتے ہوئے آل رسول رضی اللہ عنہ تک پہنچاتا ہے۔ پھر آل رسول رضی اللہ عنہ اپنی وساطت سے اس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دیتا ہے۔ مگر آل رسول ولی اللہ اپنے مرید کو براہِ راست بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے آل رسول رضی اللہ عنہ کی بیعت امتی کی بیعت سے افضل ہے۔

جتنا فیض آل رسول رضی اللہ عنہ دیتا ہے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح جتنا فیض زندہ ولی اللہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے اتنا وصال شدہ ولی اللہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ انتقال شدہ ولی اللہ کی روحانیت سے صرف وہی مرید فیض حاصل کرسکتا ہے جو نفس مطمئنہ کا مالک ہو۔ جس طرح حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے اکتسابِ فیض کیا تھا وگرنہ عام آدمی کیلئے یہ دعویٰ محض نفسانی دھوکہ ہے۔ اسی طرح اپنی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم ابھی تک اپنے مرشد سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ اگرچہ وہ ایک عرصہ سے وصال فرما چکے ہیں۔ جب بھی کوئی مشکل وقت آجاتا ہے وہ خود آ کر ہماری رہنمائی فرماتے ہیں۔ اللہ کریم سب مسلمانوں کو اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

9۔مرید کیسا ہونا چاہیے؟

آپ نومبر **1988**ء میں علاقہ فورٹ منرو تشریف لائے۔علی الصبح وضو فرمانے کے بعد ایک دوست نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی (جو مرید نہیں تھا) کہ حضور! سُنا ہے آپ صرف اپنے ہی مریدان پر خاص نظر فرماتے ہیں۔دوسروں پر اتنی توجہ نہیں دیتے۔آپ سے استدعا ہے کہ مجھ پر بھی خاص نگاہ فرما کر دِلی دعا سے نوازیں۔(بندہ راقم الحروف بھی حاضرِ خدمت تھا) اس پر آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ ایک ولی اللہ امتی ہوتا ہے اور دوسرا آلِ رسولؐ۔ امتّی ولی اللہ صفاتی ولی ہوتا ہے۔لیکن آل رسول رضی اللہ عنہ ذاتی ولی اللہ ہوتا ہے۔دونوں گو کہ ولی اللہ ہیں لیکن دونوں میں مراتب کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔اس طرح اگر ایک آدمی کو ہم سے عقیدت و محبّت ہے تو وہ صفاتی مُرید کی حیثیت رکھتا ہے۔اس کیلئے بھی ہم دُعا ضرور کر دیتے ہیں۔لیکن جو شخص ہماری بیعت ہوتا ہے وہ ذاتی مریدوں میں شمار ہو جاتا ہے۔مزید فرمایا کہ جس طرح سب چھوٹے بچے ہمارے لئے اولاد کی طرح ہوتے ہیں لیکن ہم اُن کی اتنی خیر خواہی نہیں کرتے جس قدر ہم اپنی حقیقی اولاد کیلئے کرتے ہیں۔اس طرح ذاتی مرید اور صفاتی مرید، ذاتی ولی اور صفاتی ولی میں فرق ہوتا ہے۔سائل نے عرض کی کہ حضور! ایک آدمی متعدّد جگہوں پر بیعت ہو سکتا ہے؟ فرمایا ضرور! اگر انسان کو امتی ولی اللہ مل جائے تو وقت ضائع کیے بغیر اس کی بیعت ہو جائے۔مگر جس وقت آل رسولؐ ولی اللہ مل جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ آل رسول رضی اللہ عنہ کی غلامی میں آجائے۔اس کی پہلی بیعت نفل میں تبدیل ہو جائے گی۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں چند مریدوں کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ وہ ہر کام مرشد کے حکم اور اس کی رضا کے مطابق کرے یعنی اپنا اختیار اس کے حوالے کر دے۔نفس و شیطان اور وساوس کی پیروی نہ کرے۔اس کے برعکس اگر مرید نفس کی تابعداری کرتا ہے تو واضح رہے کہ نفس راہ راست اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بغاوت چاہتا ہے اور اُن احکامات کی خلاف ورزی کراتا ہے جو اُس پر گراں گزریں۔اس لیے مرید کو رضائے مرشد پر چلنا چاہیے کیونکہ مرشد مغالطۂ نفس سے محفوظ مشاہداتی رہنمائی کرتا ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درس فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مرشد کی اجازت کے بغیر وظائف نہیں پڑھنے چاہئیں۔اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر کوئی وظیفہ مرشد کی اجازت سے شروع کیا جائے تو اس کے اثرات فوراً ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔اگر مرید مرشد کی اجازت کے بغیر لمبے لمبے وظائف پڑھنا شروع کر دے تو ان کے اثرات مدّتوں ظاہر نہیں ہوتے۔کیونکہ مرشد مرید کے حسبِ حال وظیفہ بتاتا ہے، جو نفس کے خلاف اور لطائف کے مطابق روحانی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔مگر نفس لعین دوسروں کی تابعداری پسند نہیں کرتا۔مرشد سے اجازت لیکر وظیفہ پڑھنے میں مرشد کی تابعداری ہوتی ہے جو کہ نفس کو پسند نہیں ہے۔اس لیے مرید کو بغیر مرشد کی اجازت کے اور کسی طرف دھیان نہیں دینا چاہیے۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی بات کی تاکید کرتے ہیں:

؎ سرد گوید تلخ گوید خوش بگیر   تا کند بر جملہ مِیرانت امیر

(مرشد سخت سست کہے یا تلخ کلامی کرے خوشی سے قبول کرلے تا کہ وہ تجھے امیروں کا بھی امیر بنادے۔)

ایک مرتبہ آستانیہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا کسی اور جگہ سے نہیں ملتا بلکہ وہ انسان کے اندر ہی موجود اور شہہ رگ سے زیادہ قریب ہے لیکن انسان پر اس کے اپنے برے اعمال وعقائد کی کثافتوں کی تہیں جمی ہوتی ہیں جن کی تاریکی اور ظلمت کی وجہ سے وہ اپنے خالق کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر ہاں! ریاضات ومجاہدات سے ان کثافتوں کو ختم کر کے ہر انسان اپنے ہی اندر خدا کا نظارہ کرسکتا ہے۔ اس لئے ایک مرید کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے برتن (دل) کی کثافت اور میل کچیل کو دُور کرے پھر مرشد کا یہ کام ہے کہ وہ اس پاک وصاف برتن (دل) کو اپنے فیض روحانی سے بھر دے۔ اگر مرید اپنے مَن (دل) کی میل کچیل دور کیئے بغیر اس میں فیض بھرنے کا آرزومند ہوگا تو یہ اس کی بیوقوفی کی علامت ہوگی۔

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ آج کل کے مرید چاہتے ہیں کہ آج بیعت ہوئے ہیں کل مرشد ہمیں ولایت کے مقام پر پہنچا دے۔ اگر نہ پہنچا سکا تو مرشد کامل نہیں ہے۔ حالانکہ اُن کی حالت یہ ہے کہ انہیں صحیح وضو کرنے کا طریقہ تک نہیں آتا اور نہ کبھی محاسبہ نفس کی طرف توجہ کی ہے۔ اگر ان پر ذرا سی توجہ ہو جائے تو وہ مجذوبِ حال بن جائیں۔ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم پنجاب سے واپس بنوں جا رہے تھے کہ ڈیرہ اسماعیل خان کے بس اسٹینڈ پر ہماری ایک جوتی ٹوٹ گئی۔ قریب ہی موچی بیٹھا تھا جس کا نام رحیم بخش تھا۔ اُسے جوتی مرمتی کیلئے دیدی اور ہوٹل میں چائے پینے بیٹھ گیا۔ ہم نے ابھی آدھی پیالی ہی پی تھی کہ موچی بہت اچھے طریقے سے جوتا مرمت کر کے ہمارے سامنے لایا۔ ہم نے جب معاوضہ کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ بابا صاحب ہم نے آپ کی جوتی ٹھیک کی آپ سے اگر ہو سکے تو ہمیں ٹھیک کردیں۔ ہم نے اسے کہا کہ ایسی باتیں نہ کرو تم اس قابل نہیں ہو مگر اس نے بالکل انکار کردیا۔ ہمیں جلال آیا۔ آدھی پیالی جو بچی ہوئی تھی اسے دیدی۔ بس پینے کی دیر تھی کہ گریبان پھاڑ کر مجذوبِ حال بن کر ''اللہ ہو'' کرتے ہوئے ہوٹل سے باہر نکلا۔ جلال میں مست پھرتا رہا۔ اس سے کئی کرامات بھی ظہور پذیر ہوئیں۔ ایک دن اُسے پکڑ کر ہمارے پاس بنوں لایا گیا۔ اُسے ہم ہوش میں لائے۔ بعد میں اس کے کافی مرید بھی بن گئے تھے مگر ایک مرتبہ علاقہ ''تیرہ'' کے دورے کے بعد اُس میں ذرا فخر آ گیا۔ ایک ہوٹل میں چائے پی رہے تھے کہ اس نے کہا بابا جی میری کتنی شان ہے؟ ہم نے خاموشی اختیار کی۔ پھر پوچھا تب بھی ہم خاموش رہے۔ مگر تیسری مرتبہ گستاخی کرنے پر ہم نے کہہ دیا کہ تُو تو وہی موچی ہے۔ جس سے اس کا سب فیض سلب ہو گیا۔ وجہ! کہ اس میں صفائی باطن اور تربیت نفس کی کمی تھی۔ ناسمجھی کی وجہ سے آخر کار دھوکہ کھا گیا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:

؎ ہر کہ اُو ارزاں خَرد اَرزاں دِہد   گوہرے طفلے بقُرصِ ناں دِہد

(جو کوئی سستا خریدتا ہے سستا دے ڈالتا ہے۔ ایک بچہ انمول موتی ایک روٹی کے ٹکڑے کے بدلے میں دے دیتا ہے۔)

آپ مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ شکر الحمد للہ! اللہ کریم نے ہمیں ایسی نگاہ دی ہے۔ جو ذرا بھی فیض کے قابل ہو اسے بغیر مانگے دے دیتے ہیں اور گنجائش سے بھی زیادہ۔ آپ مدظلہُ العالی حج ادا کرنے سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اپنی زندگی میں جو کچھ مطلوب تھا خدا نے سب کچھ عطا کر دیا۔ مگر دو چیزوں کی حسرت ابھی تک باقی ہے۔ ایک تو عُمرہ کے بعد حج کی سعادت حاصل ہو جائے۔ (جو 1988ء میں پوری ہوگئی) اور دوسری مریدوں میں کوئی ایسا مرید پیدا ہو جائے جس میں اتنی صلاحیت ہو کہ جو اُسے عطا کیا جائے اسے سنبھال سکے تا کہ ہمارے بعد وہ سلسلہ چلائے اور ہمارا نام زندہ رکھے جس سے ہمارا مشن (فقر محمدی ﷺ) تابندہ رہے جس طرح ہماری وجہ سے ہمارے مرشد کریم کا نام ابھی تک زندہ اور باقی ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مسائلِ تصوف پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مرید اپنے مرشد پر جو جسمانی خدمت اور مالی خرچ کرتا ہے اس میں مرید کا اپنا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ فرمایا کہ مَیں نے اپنے مرشد پر جو کچھ خرچ کیا اس سے کئی گنا زیادہ خدا نے مجھے عطا کیا ہے۔ اس لئے مَیں اپنے مریدان کو اپنی خدمت کرنے سے منع نہیں کرتا کہ خدا ان کو اس بے لوث خدمت کے بدلے میں معلوم نہیں کیا کیا انعامات دے گا۔ خدا سمجھ نصیب فرماوے۔ آمین۔

دورۂ بلوچستان بستی حکیمانی میں دعوت پر پیرو مرشد نے لوگوں کو بطور نصیحت ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ کے پاس بغیر کسی دنیاوی لالچ کے للہ فی اللہ آنا چاہیے۔ جس قدر فائدہ للہ فی اللہ آنے میں ملتا ہے اس قدر لالچ کے ساتھ آنے میں ہرگز نہیں ملتا۔ ولی اللہ مخلوق کو بغیر کسی دنیاوی لالچ کے فیض پہنچاتا ہے۔ پھر جو لوگ بغیر لالچ کے ولی اللہ کے پاس آتے ہیں وہ بھی قابل رحمت اور خدا اور رسول ﷺ کی بارگاہ سے نوازے جاتے ہیں۔ اس بات کی مُبیّن دلیل اصحاب کہف کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ اصحاب کہف کا کُتا بھی رحمت کا مستحق بن کر قیامت کے دن جنت میں جائے گا کیونکہ اس نے بغیر لالچ کے صرف خدا کے واسطے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی تھی۔ ہم تو اشرف المخلوقات ہیں "لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ" کا تاج پہنے ہوئے امتِ محمدیہؐ کے مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ یقیناً جب للہ فی اللہ ولی اللہ کے پاس آئیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہمیشہ کیلئے اپنی رحمتِ خاص میں جگہ عطا فرمائے گا اور ہماری ہر مراد پوری فرمائے گا۔ اس لئے گذارش ہے کہ ولی اللہ کی محفل میں جب بھی جانے کا ارادہ ہو للہ فی اللہ جائیں اور بے حساب برکات و رحمت کے مستحق بن کر واپس لوٹیں۔ خداوند کریم مقامِ اخلاص نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مریدین کو درسِ تصوف دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدمتِ مرشد سے ہی مرید کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ادب بھی لازم ہے کیونکہ بے ادب انسان کو کبھی بھی بلند مراتب کی سعادت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی خدمت و ادب کی بدولت جنت میں اس کیلئے محلاّت تیار ہوتے ہیں۔ اس بات کی بھی تصریح کر دی کہ خدمتِ مرشد سے مرشد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ یہ مِن جملہ فائدہ مرید ہی کو پہنچتا ہے۔ خدائے کریم عقیدت مندوں کو قربِ اولیاء کے فضائل و برکات سے نوازے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مریدین کو درسِ معرفت دیتے ہوئے حقیقتِ استقامت کے بارے میں فرمایا کہ تصوف میں ایک مرید کی کامیابی کا دارومدار عقیدت و خدمتِ مرشد میں استقامت پر ہوتا ہے۔ جب تک مرید صاحبِ استقامت رہے گا۔ اس وقت تک راہ حق اور راہ مستقیم پر گامزن رہے گا۔ جونہی استقامت چھوڑ دے گا۔ سب کچھ اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ خداوند کریم سب دوستوں کو نعمتِ استقامت سے نوازے۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مریدوں کو فرمایا کہ خدا تک پہنچنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کیلئے اخلاص بہت ضروری ہے۔ ہزاروں منازل مخلص انسان ایک ہی قدم میں طے کر لیتا ہے۔ نیز فرمایا کہ زمین سے آسمان تک جانے کا کوئی تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن کسی میں اگر اخلاص ہو تو اس کیلئے یہ کوئی دُور کا فاصلہ نہیں ہے۔

؎ عشق کی اک جَست نے طے کر دیا قصّہ تمام　　　اِس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں　　(اقبالؒ)

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں کئی مرید آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ باتوں باتوں میں ایک مرید نے عرض کی حضور! فلاں آدمی کا کہنا ہے کہ جب سے مَیں مرید ہوا ہوں کوئی ایسا دن نہیں گزرا کہ خواب میں آپ مدظلہُ العالی کی زیارت نہ ہوئی ہو۔ دعا فرمائیں کہ یہ شرف ہمیں بھی نصیب ہو۔ آپ مدظلہُ العالی نے کچھ توقّف کے بعد فرمایا بچہ! اپنے اندر مرشد کا عشق پیدا کرو۔ عشق ہی ایک ایسا مقناطیس ہے جو خود بخود معشوق (مرشد) کو اپنے پاس کھینچ لے آتا ہے۔ یہ سارا عشق کا معاملہ ہے۔ جسے عشق نصیب ہو گیا وہ ہر وقت وصالِ یار سے ہمکنار رہا اور اس آئینے کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ مرشد بھی جب تک مرید سے محبّت نہ کرے اس وقت تک مرید بھی مرشد سے محبّت نہیں کر سکتا۔ محبّت کا مرکز مرشد کی ذات ہوتی ہے اور وہ ہر کسی کو اس کی حیثیت کے مطابق خدا کے حکم سے تقسیم کرتا ہے۔ سچا مرید خود بخود اپنے مرشد کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔ وہ ایسے اچھے اچھے کام کرتا ہے کہ مرشد مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف توجہ دے اور اسے فیضیاب کرے۔

؎ ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو　　　کہ نہ معشوقش بود جویائے اُو　　(رومیؒ)

(کوئی عاشق خود بخود وصل (محبّت) کا طالب نہیں ہوتا جب تک اس کا معشوق اس کا طالب نہ ہو۔)

اس لئے آپ مدظلہُ العالی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ معشوق تمہاری دولت، تمہارے جسم یا کپڑوں پر عاشق نہیں ہوتا بلکہ تمہارے اعمال پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اعمال اگر اچھے ہوئے معشوق خود عاشق بن کر حاضر ہو جائے گا۔ اعمال اگر اچھے نہیں ہوئے تو زبانی دعویٰ اور ظاہری دکھاوے سے کچھ نہیں بن سکتا۔ مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے۔

؎ فیض حق ناگاہ می رسد　　　و لیکن بر دل آگاہ می رسد

(اللہ کی رحمت اچانک بغیر کسی قیمت کے ہر اُس شخص پر نازل ہو جاتی ہے جو کچھ نہ کچھ صاحبِ سمجھ اور قدر دان ہو۔)

ایک مرتبہ عقیدے کے متعلّق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ یقینِ کامل، پیرِ کامل سے بہتر ہے۔ اگر پیر کامل نہ ہو تو مرید! یقین کامل کی بدولت بلند مدارج تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر پیر کامل اور یقین ناقص ہو تو مرید ہرگز ترقی

نہیں کر سکتا۔ اگر چہ وقت کے غوث اعظم کا مرید کیوں نہ ہو۔

آستانہ عالیہ کروڑ لعل عیسن میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا حضور! آپ کس درجے پر فائز اور کتنی شان رکھتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ تیرے عقیدے کے مطابق جو میرا درجہ ہے مَیں اسی درجہ پر فائز ہوں یعنی تُو جو کچھ مجھے سمجھتا ہے مَیں وہی ہوں بمطابق تیرے عقیدے کے۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ مرید کا یقین ہر حال میں کامل ہی ہونا چاہیے۔ اُسے اپنے مرشد کو سب سے اعلیٰ درجے پر فائز سمجھنا چاہیے۔ وگرنہ وہ صحیح معنوں میں مرشد سے اکتساب فیض نہ کر سکے گا۔ خدا ہر دوست کو یقینِ کامل سے نوازے۔ آمین۔

ارشاد فرمایا کہ لوگ ہمارے خلفاء سے کہتے ہیں کہ ''ہم اس وقت آپ کے پیر کے مرید ہو جائیں گے جب آپ اُن کی کوئی کرامت ہمیں دکھا دیں۔'' فرمایا کہ بغیر آزمائے کسی انسان پر یقینِ کامل کرنا مقامِ صدیقیّت ہے کہ جب رسول پاک ﷺ نے فرمایا مجھے خداوند کریم نے نبی بنایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا'' (مَیں نے دل و جان سے قبول کیا آپ بے شک خدا کے سچے نبی ہیں) جب معراج کا واقعہ بیان کیا تو پھر بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ دلیل یا ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تو اس یقین اور عقیدے کے صلے میں بارگاہِ رسالت سے انہیں صدیقِ اکبر، خلیفہ اوّل، افضلُ البشر بعد الانبیاء اور اللہ کریم کی طرف سے ''ثَانِیَ اثْنَیْنِ رضی اللہ عنہ'' کا مقامِ خاص عنایت ہوا جو اور کسی خلیفہ یا صحابی کے نصیب میں نہیں آیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کوئی امیر آدمی نہیں تھے بلکہ ایک غریب اور تنگ دست آدمی تھے۔ مگر یقین و ایمان کی اس بلندی پر فائز تھے کہ اور کوئی اس کو چُھو نہ سکا۔ مطلب! مقام صداقت کا انحصار یقینِ کامل پر ہے۔

جنگِ تبوک میں چندہ کیلئے بارگاہ نبوی ﷺ سے اعلان ہوا۔ ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق مال لے آیا۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سوئی تک بلکہ تن کے کپڑوں تک پیش کر دیتے ہیں اور بالکل سمٹ کر دوزانو حضور انور ﷺ کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں اَے صدیق! آج کُھل کر کیوں نہیں بیٹھتے۔ عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ اگر کُھل کر بیٹھ جاؤں تو کپڑے اس قدر بوسیدہ اور تار تار ہیں کہ جسم ظاہر نہ ہو جائے۔ اور دربار رسالت ﷺ کی بے ادبی نہ ہو جائے۔ اُسی وقت خداوند کریم جبرائیل امین علیہ السلام کو بھیجتے ہیں کہ میرے صدیق سے پوچھو کوئی اور خواہش ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا صدیق! خداوند کریم پوچھتے ہیں کہ کوئی اور خواہش ہے تو بتائیں؟ عرض کی جی ہاں! ایک خواہش ابھی باقی ہے۔ یہ جان بھی جب آپ ﷺ کے سپرد ہو جائے تب مَیں راضی ہوں۔ جبرائیل دوبارہ خدا کی طرف سے پیغام لائے کہ خداوند کریم فرماتے ہیں اے میرے محبوب ﷺ میرے صدیق رضی اللہ عنہ کو بتا دو تُو نے مجھے راضی کیا مَیں تجھ پر راضی ہو گیا۔ تو یہ مقامِ عشق تھا جو کہ بعد از خاتم النبیّین ﷺ صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا اور آج بھی جو صادق الیقین بنے صدیق تو اور کوئی نہیں بن سکتا مگر اسے قیامت

کے دن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت ضرور مل جائے گی۔

مرشد کریم مدظلہُ العالی نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مَیں نے اپنے گھر کی ساری جائیداد بیچ کر جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا شاہ صاحب! صدیق اکبر تو اور کوئی نہیں بن سکتا مگر آپ سے بڑھ کر اور کسی مرید کو میں نے صادق الیقین نہیں پایا۔ اس لئے ولی اللہ کی بارگاہ میں کرامت کا طلب گار نہیں بننا چاہیے۔ بلکہ صداقت کے ساتھ اُسے مان کر اس سے ایمانِ کامل کی دعا کرانی چاہیے۔ اعمال صالحہ میں اس کی پیروی کرنی چاہیے تا کہ اس کے بخت سے تجھے بھی بخت لگے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درس معرفت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مرید مرشد کو اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ پیارا ہوتا ہے اور اس کے باپ سے بڑھ کر اس کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک باپ اولاد کی خیر خواہی صرف جسمانی حد تک کرتا ہے۔ جبکہ روحانی باپ یعنی مرشد اپنے مریدوں کا اس دنیا میں اور آخرت میں بھی خیر خواہ ہوتا ہے۔ مزید فرمایا کہ مرشد سے جو کچھ مرید حاصل کر سکتا ہے اس کی اولاد نہیں کر سکتی۔ کیونکہ مرید مرشد کا زیادہ ادب کرتا ہے۔ جبکہ فیض کا تعلّق ادب اور خدمت سے وابستہ ہے۔ اسی بناء پر عموماً مرید ہی مرشد سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر کے اس کا سلسلہ چلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی شخص نے آپ سے اپنی اولاد کے بارے پوچھا تو آپ نے بتایا کہ میری حقیقی اولاد تو ہزاروں ہیں۔ مگر مجازی اولاد چند ایک۔ وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حقیقی اولاد سے میرا مطلب میرے مرید ہیں کہ وہ ہر وقت میری خدمت کرتے ہیں اور مجازی اولاد سے مراد میری اپنی اولاد ہے کہ جس کی خدمت مجھے خود کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے مرید ہی زیادہ تر فیض کے حقدار بنتے ہیں اور روحانی و حقیقی اولاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہاں اگر پیر کی اولاد اپنے باپ کو پیر سمجھ کر خدمت کرے وہ نُورٌ عَلٰی نُور! سب سے زیادہ فیض حاصل کر لیتا ہے جس طرح کہ ہمارے شاہ صاحب (محمد نواز شاہ) ہیں۔

ایک مرتبہ مسائلِ سلوک بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مرید کو مرشد کے جلال کے وقت کا متلاشی رہنا چاہیے۔ کیونکہ جلال کی حالت میں جو کچھ اُن کے منہ مبارک سے نکلے وہ پورا ہو کے رہتا ہے۔ اس لئے مرشد جلال کی حالت میں ہو تو مرید یا تو ہٹ جائے یا فوراً کوئی دُعا منگوا لے۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں دورِ حاضر پر گفتگو کرتے ہوئے دوستوں کو سمجھایا کہ آج کے دور میں پیر مرید ہے اور مرید پیر ہے۔ جس طرح پہلے دور میں مرید پیر کی ذرہ بھر نافرمانی اور گستاخی سے ڈرتے تھے لیکن آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں خدا کی رحمت زبردستی لوگوں کی جھولی میں ڈالنی پڑتی ہے۔ خدا سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے تا کہ اس نعمتِ عظمٰی کی قدر و منزلت پہنچانیں۔ آمین۔

ایک مرتبہ مریدین کو درسِ طریقت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ راہِ معرفت اور عشق و محبّت میں صرف صادق

الیقین لوگ ہی چل سکتے ہیں اِس دور میں جب مریدوں کی روحانی ترقی ہونے لگتی ہے تو وہ اپنے آپ کو مرشد کی طرح سمجھ کر اسی عزت کے طلبگار بن جاتے ہیں جو ان کے مرشد کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لالچ میں آ کر وہ راہِ حقیقت سے ہٹ جاتے ہیں اور یہی لالچ اُن کے لیے معرفت الٰہی کے درمیان حجاب بن جاتی ہے۔ خدا سب دوستوں کو فخر و لالچ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

ایک مرتبہ بہل (ضلع بھکر) میں ارشاد فرمایا کہ محبّت خدا کا ایک مخفی خزانہ ہے، جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں۔ اگر کسی کو عنایت ہو بھی جائے تو ظاہر بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ ہاں مگر آنسوؤں کا نکلنا اس کی ایک بڑی ظاہری علامت ہے۔ یہ پانی کے آنسو نہیں ہوتے بلکہ خزانۂ محبّت کے موتی ہوتے ہیں جو اپنی دوری اور محبوبِ حقیقی کے دیدار کی خواہش کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک عاشق آنسوؤں سے اپنے قلب کو دھو کر معرفت الٰہی کا مستحق بناتا ہے۔ ان کے بغیر قلب کی صفائی ناممکن ہے۔ اِسی چیز کو تصوّف میں شکستگیٔ دل سے تعبیر کرتے ہیں جس کے صلے میں اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی زبانی اپنی امت کے لئے یہ خوشخبری سُنا دی کہ ''اَنَا عِنۡدَالۡمُنۡکَسِرَۃِ قُلُوۡبِھِمۡ'' (شرح تعرّف ج ۳) (مجھے اگر تلاش کرنا ہو تو میں شکستہ دِل لوگوں کے پاس ہوتا ہوں۔) مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث پاک کی تشریح میں فرمایا:

؎ دستِ اِشکستہ بر آوردِ دُعا   سوئے اِشکستہ پَرَد فضلِ خُدا

(شکستہ دل لوگوں کے ہاتھوں خُدا کی بارگاہ میں دُعا قبول ہو جاتی ہے اور انہی لوگوں کی طرف خُدا کی رحمت اُڑ کر آتی ہے۔)

فرمایا کسی وقت ہماری یہ حالت ہوتی تھی کہ مرشد کے فراق میں رات دن بغیر رونے کے اور کوئی کام نہ ہوتا تھا۔ آخر کار خداوند کریم نے ہمیں اپنے مرشد کی رضا و خوشنودی نصیب کر دی ہے۔ شاید یہ نعمت اُن آنسوؤں کے طفیل عنایت ہوئی۔ خدا سب مسلمانوں کو عشقِ مرشد سے نوازے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ صوفیائے اسلام میں سے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے بارے میں، جو انہوں نے اپنے مرشدِ کامل حضرت شیخ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کی تھی، اپنی زبان مبارک سے بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت شیخ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کہیں سفر پہ جا رہے تھے کہ آپ کے خادم خاص حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خدمت کیلئے ہم سفر تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ رات کسی جنگل میں پڑی۔ آرام کر کے جب بوقت تہجّد حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے تو بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کو آواز دی کہ پانی لاؤ۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ وہ گرم پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے انگاروں کو دیکھا بجھے پڑے تھے۔ آگ جلانے کے لئے چقماق کا سامان بھی ختم ہو چکا تھا۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ پریشان اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تو قریب ہی کچھ فاصلے پر آگ نظر آئی۔ بھاگے بھاگے آگ کے پاس گئے اور پانی گرم کرنے کی اجازت چاہی۔ ایک بوڑھی عورت نے آگ جلائی ہوئی تھی۔ چونکہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی بے انتہا خوبصورت سُرمیلی آنکھیں تھیں کہنے لگی حضرت پانی اس وقت گرم کرنے دوں گی جب اپنی ایک آنکھ نکال کر مجھے دو گے۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا چونکہ امتحان تھا۔ کہنے

لگے بوڑھی اماں! یہ تو بڑا سستا سودا ہے۔ مَیں نے سوچا کہ تُو کوئی اور شرط رکھے گی۔ یہ لو آنکھ اور مجھے پانی گرم کرنے دو۔ آنکھ پہ پٹی باندھ کر گرم پانی فوراً مرشد کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کر کے جب نماز ادا کی تو بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھا آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پوچھا آنکھ کو کیا ہو گیا۔ جواب دیا حضور! ذرا دُکھ رہی تھی (حضور! اَکھ آئی ہوئی اے) اس لیے پٹی باندھ رکھی ہے۔ حکم فرمایا پٹی کھولو۔ مرشد کامل کو چونکہ سارے ماجرے کا علم تھا۔ جونہی پٹی کھولی آنکھ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا دیکھو ٹھیک ہے؟ (اَکھ آئی نئیں بلکہ سوائی اے) بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا تو قدرت کے سارے اسرار ورموز منکشف ہو چکے تھے۔ آنکھ تحتُ الثریٰ سے عرشِ معلیٰ تک کام کر رہی تھی۔ یہ آنکھ دوسری آنکھ سے موٹی بھی ہو چکی تھی۔ یہ سب اُن کے مرشد کی کرامت اور دُعا کا نتیجہ تھا۔ ابھی تک آپ کی اولاد کی ایک آنکھ بڑی اور ایک چھوٹی ہے جو کہ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت اور نشانی چلی آ رہی ہے۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے حضرت بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پشتو شعر پڑھ کر حاضرین کو سمجھایا کہ اولیاءِ کاملین اور درویشوں نے جتنے مقامات بھی طے کئے وہ خدمتِ مرشد کے طفیل طے کئے اور جتنی بھی عارفین نے معرفتِ الٰہی حاصل کی وہ سب کچھ اپنے اپنے مرشدوں کی خدمت کے صلے میں حاصل کی کیونکہ حال آتا ہی نہیں جب تک نفس کی پامالی نہ ہو۔ بقولِ حضرت عارف رومیؒ:

؎ قال را بگزار مرد حال شو — زیرِ پائے کاملے پامال شو!

(علمِ قال چھوڑ کر علمِ حال تلاش کرو اور اس مقصد کیلئے کسی مردِ کامل کی خدمت میں آ جاؤ۔)

جس نے کسی مردِ کامل کی خدمت کی وہ فوراً اس کی دُعا اور توجہ کی برکت سے مقامِ مخدومی پر فائز ہو گیا۔ اس کی بھی لوگ اسی طرح خدمت کرنے لگے جس طرح کہ وہ خود اپنے مرشد کی خدمت کرتا تھا لیکن، جس نے تکبّر وغرور میں آ کر اپنے جان و مال کو کسی مردِ کامل کی خدمت سے باز رکھا وہ اس دولتِ معرفت اور علم وعرفان سے محروم اپنی مقصدِ تخلیق سے ناواقف رہا۔

اس لئے ہم بھی اپنے دوستوں کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ ایسا اخلاص اور صدق پیدا کرو۔ جس طرح کہ گذشتہ اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور ان کے مریدوں نے اپنے اندر پیدا کیا تھا۔ اپنے مشائخ میں فنا ہو کر اپنا سب کچھ اُن پر قربان کر ڈالا۔ جس کی وجہ سے آج تک اُن کا نام اور اُن کا کردار زندہ اور ہم لوگوں کیلئے مشعلِ راہ ہے۔ آج ''بابا فریدؒ بابا فریدؒ'' جو ہو رہا ہے انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت کی تھی۔ وگرنہ اور مخلوق بھی تو ہو گزری ہے۔ ان کا نام کوئی کیوں نہیں لیتا۔ ہمارا تجربہ ہے کہ ہم نے بھی جس طرح اپنے مرشد کی خدمت کی۔ آج اِس پُرفتن دور میں اس سے کہیں زیادہ ہمارے مریدان ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ قانونِ الٰہی ہے کہ وہ کسی کی محنت اور اخلاص ضائع نہیں کرتا۔ درویشوں کی خدمت کا صلہ خدا کے خزانہ غیبی اور خزانہ خاص میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ جو اس کے خادم کو اِس دنیا میں اور اُس دنیا میں بھی (دولت دارین کی صورت میں) مل جاتا ہے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ۔ خدا سب دوستوں کو مقامِ اخلاص اور مقامِ عشق نصیب فرما کر گذشتہ

اولیاء کرام کے کردار کو زندہ کرنے کی توفیق بخشے اور ہم سب دوستوں کو راہِ طریقت میں استقامت اور کامیابی عطا فرماوے۔ آمین۔

1989 ء بموقعہ سالانہ عرس مبارک سنانواں بعد از نماز فجر آپ مریدان میں تشریف فرما تھے۔ باتوں باتوں میں ارشاد فرمایا کہ فیض مرید کو اس وقت ملتا ہے جب وہ مقامِ عجز پہ سچے دل سے خدمت میں استقامت اختیار کرے۔ مرشد کا فیض اچانک ملتا ہے مگر ان کی خوشی اور رضا پر منحصر ہے۔ اس ضمن میں حضرت مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ان کے مرشد کریم کے صاحبزادے کی شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ ہر عام و خاص مرید اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تحفے تحائف اور نذرانے وغیرہ حاضر خدمت کرنے کا شرف حاصل کر رہا تھا مگر حضرت مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی غریب اور اپنے مرشد کے انتہائی عاشق تھے۔ گھر جا کر اپنی والدہ صاحبہ کو تمام حال سنایا۔ والدہ نے بتایا کہ گھر میں اور تو کچھ بھی نہیں۔ مگر کچھ دھاگہ ضرور پڑا ہے۔ آپ کے مرشد کے لنگر کیلئے ایک خوبصورت چھاج بنا کے دوں گی تا کہ لنگر کی روٹیوں کیلئے استعمال ہو۔ چنانچہ آپ نے والدہ صاحبہ کے مشورے کے مطابق شادی کے دن وہ چھاج پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور! یہ حقیر چیز اس قابل تو نہیں کہ آپ کے لنگر میں استعمال ہو۔ اگر قبول فرمائیں تو شاید آپ کے اصطبل کے گھوڑوں کی لید اٹھانے کے کام آجائے۔ آپ کے مرشد کریم کو آپ کی عجز و انکساری اور عقیدت کا اندازہ ہوگیا۔ حکم دیا کہ آجاؤ اور ہمارے سینے سے لگ جاؤ۔ جونہی مرشد کریم نے سینے سے لگایا فیضِ حق سے آپ کا سینہ منور کر دیا۔ پوچھا اور چاہیے یا بس۔ مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی کہ حضور بس۔ اسی طرح حضرت مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کے فیض سے مالا مال ہوئے اور آپ نے اپنے دور میں علم و عرفان کے وہ دریا بہائے کہ تاریخ شاہد ہے۔ مرزائیوں کے بڑھتے ہوئے فتنے کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ انہیں عالم اسلام میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ راولپنڈی کے قریب آپ کا مزار پُر انوار مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ اللہ کریم ہمیں بھی ان جیسی عقیدت نصیب فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بنوں شریف میں حاضر خدمت ہوا۔ بعد از شرف قدم بوسی حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔ مرید جو کہ معرفت الٰہی جیسا عظیم مقصد لیکر ایک ولی اللہ کے پاس آتا ہے تو چاہیے کہ ہر سرد و گرم، پسند و ناپسند اور زیبا و نازیبا حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرلے اور وساوسِ نفسانی سے بچتے ہوئے مرشد کی فرمانبرداری اور اطاعت کا ثبوت دے۔ بقول حافظ شیرازیؒ:

؎ بمئے سجّادہ رنگیں کن گرت پیر مُغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود زِ راہ و رسم و منزلہا

اس موضوع کی مناسبت سے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرید اپنے مرشد کے پاس ہر وقت اس لیے آتا تھا کہ جو کچھ فیض میری قسمت میں مرشد سے لکھا ہوا ہے مل جائے۔ مرشد کو تو اس کے دل کے حال کا علم تھا۔ مگر امتحان کے بغیر اس قدر انمول نعمت کو دوسرے کے سپرد کرنا بھی درست نہ تھا۔ آخر کار ایک دن اس مرید کا حکم دیا کہ آج رات عشاء کی نماز تم

نے نہیں پڑھنی۔ مرید خام عقیدگی کی وجہ سے اس سوچ میں پڑ گیا کہ ساری زندگی نماز قضا نہیں کی۔ آج کیسے قضا کروں۔ مرشد نے معلوم نہیں یہ حکم کیوں دیا۔ اب نماز بھی کوئی چھوڑنے کی چیز ہے؟ بہر حال اِسی کشمکش اور تذبذب میں حکمِ عدولی کرتے ہوئے فرض تو پڑھ لی مگر سنت چھوڑ دی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ مرشد اسے پکڑ کر سرکار دو جہاں ﷺ کی محفل میں لے گئے اور شکایت کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اس نے آپ کی سنت نہیں پڑھی۔ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا اچھا آج ایسا کیا ہے آئندہ ایسے نہ کرنا اس کے بعد ان کی آنکھ کھلی۔ صبح سویرے مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی۔ مرشد نے پوچھا کیا رات کو تجھے خدا کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ مرید نے عرض کی حضور نہیں۔ مرشد نے سمجھایا اگر تُو فرض بھی میرے حکم پر چھوڑتا تو جس طرح پیغمبر ﷺ کی محفل میں ہاتھ پکڑ کر لے گیا اسی طرح خُدا کے حضور بھی پیش کر دیتا۔ جس طرح پیغمبر ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی خدا کا دیدار بھی نصیب ہو جاتا۔ مگر کمزور عقیدہ کی بناء پر کامیاب نہ ہوا۔ مقصد عظیم رکھتے ہو عقیدہ چھوٹا۔ جس قدر مقصد عظیم لے کر ہمارے پاس آتے ہو عقیدہ بھی اتنا مضبوط ہونا چاہیے۔ جتنا عقیدہ اتنی مراد! یہ تقسیمِ قدرت ہے۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایسا حکم صرف اس مرشد کا قابل تعمیل ہے جو مرید کو اس مقام تک پہنچا بھی سکے۔ صاحبِ شرع، صاحبِ کردار، صاحبِ معرفت اور صاحبِ تصوّف ہو۔ غیر شرع اور دھوکہ باز پیر کا اس طرح کا حکم دینا سراسر گمراہی اور خسارۂ ایمان ہے۔ آج کل دھوکہ زیادہ ہے ایسے پیر بھی پھر رہے ہوتے ہیں جو نہ خود نماز پڑھتے ہیں اور نہ مریدوں کو اس کی تاکید کرتے ہیں۔ نہ خود صاحبِ شرع ہیں نہ مریدوں کو شریعت کی بات کرتے ہیں۔ شریعت کا پتہ نہیں دعویٰ معرفت کا کرتے ہیں۔ حالانکہ معرفتِ الٰہی کیلئے شریعتِ رسول اللہ ﷺ پہلا قدم اور دروازے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو ایک دروازے کے اندر داخل ہی نہیں ہوا تو اسے کیا پتہ کہ اندر کیا ہے۔ اس لئے پہلے مرشدِ کامل ڈھونڈنا چاہیے۔ پھر اس پر عقیدہ بھی کامل رکھنا چاہیے۔ اس کے ہر فعل کو فعلِ نبی اور اس کے ہر قول کو قولِ نبی ﷺ سمجھے۔ تب وہ ایک نہ ایک دن ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ مَیں اپنے مریدوں کو اکثر یہ سمجھاتا رہتا ہوں کہ اپنا یقین کامل رکھو۔ خدا کی بارگاہ میں اور اولیاء اللہ کے دربار میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ صرف عقیدہ کامل چاہیے۔ دُعا ہے کہ خدا سب دوستوں کو عقیدۂ کامل سے نوازے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اصل کامیابی ہے ہی فقیر کیلئے کیونکہ وہ حقیقت پر ہوتا ہے۔ مگر اس کے لیے صرف صبر و استقامت لازمی ہے۔ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک مرید نے کافی عرصہ تک اپنے مرشد کی خدمت کی۔ ایک دن مرشد نے چاہا کہ اُسے مالا مال کر دے۔ لوحِ محفوظ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اسے فیض میرے پوتے سے ملے گا۔ اسے بلا کر سمجھایا کہ محترم آپ کا فیض میرے پوتے سے ہے۔ خدا کے حکم سے تجھے آگاہ کرنا تھا لہٰذا اگر ہو سکے تو اس کو ضرور حاصل کرو۔ حقیقت طلب مرید نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ مرشد کا ایک

چھوٹا بچہ تھا۔اس کی خدمت اور پرورش کی طرف خاص توجہ دی۔ ہوتے ہوتے جونہی بچہ بلوغت کو پہنچا۔شادی کا انتظام کرا دیا۔شادی کے بعدرات دن دست بدعا رہے کہ خداوند! صاحب زادے کوجلدازجلد نرینہ اولا دعطا فرمادے۔

چنانچہ مقررہ مدت کے بعد پہلا بچہ لڑکا ہی پیدا ہوا۔اب اس کی پرورش میں لگ گئے۔ ہوتے ہوتے بچہ کچھ بڑا ہوا اور چلنے پھرنے لگا۔ایک موقع پر دوسرے بچوں کے ساتھ گیند کھیل رہا تھا۔بچہ گیند کوٹھوکر لگاتا گیند دور جا گرتی۔مرید ساتھ کھڑا ہوتا تھا فوراً بھاگتے ہوئے گیند اٹھا کر بچے کو دے دیتا۔مرید چونکہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا ایک دن حسب معمول گیند اٹھانے کیلئے بھاگا کہ گر گیا۔ بچے کو ترس آیا بھاگتا ہوا آیا اور مرید کو سہارا دیکر بٹھایا۔مٹی اس کے جسم سے جھاڑنے لگا۔جہاں جہاں بچے کا ہاتھ لگتا جسم نُورٌ عَلیٰ نُور بنتا جاتا۔تب مرید نے اوپر دیکھا تو عرش لامکاں نظر آرہا تھا اور نیچے توجہ دی تو تحت الثریٰ!۔مولانا رومیؒ نے سچ فرمایا:

؎ صبر تلخ آمد و لیکن عاقبت میوۂ شیریں دِہد پُر مُنفعت

(صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن بالآخر پھل بہت میٹھا اور نفع مند دیتا ہے۔)

ذرا غور فرمائیں۔مرید کس قدر صادق الیقین تھا۔یہ نہ سوچا کہ اس وقت تک میں مرجاؤں گا۔یا مرشد کے بیٹے کا بیٹا معلوم نہیں پیدا ہوگا یا نہیں اسے صرف اس بات پر یقین تھا کہ مرشد سچ فرماتے ہیں۔تو آخر کار گوہر مراد حاصل کر گیا۔ مرید کوایسا صادق الیقین اور کاملُ العقیدہ ہونا چاہیے۔آج کل نہ وہ ایمان ہے نہ وہ عقیدہ اور نہ وہ مرید مگر چند ایک جن پر خدا راضی ہوجائے۔ایک دن مرید ہوجاتے ہیں دوسرے دن قطب اور غوث زماں بننے کی خواہش لے کر آتے ہیں۔کوئی دولت،کوئی عورت،کوئی ملازمت اور کوئی معرفت کا دعویدار بن بیٹھتا ہے۔اگر کوئی خواہش یا مفاد پورا نہ ہوسکا تو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور ساتھ ساتھ کئی قسم کی باتیں بھی بنانا شروع کر دیتا ہے۔پیغمبر ﷺ نے اس دور کے بارے میں ارشاد فرمایا۔"یَذْهَبُ الصَّالِحُونَ اَسْلَافاً وَ یَبْقیٰ اَهْلُ الرَّیْب"(مشکوٰۃ المصابیح) یعنی پختہ یقین والے اور صالح مخلوق گزر گئی۔اب سب اَهْلُ الرَّیْب یعنی شکی لوگ رہ گئے۔بالکل ایسے ہی مشاہدے میں آرہا ہے۔اگرچہ اس دور میں ایمان پر قائم صابر اور صاحب استقامت لوگ موجود ہیں مگر شکی لوگ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔دعا ہے کہ خداوند کریم سب مسلمانوں کو خاص کر ہمارے دوستوں کو اس دور کے فتنوں اور آئے دن کی شورشوں سے محفوظ فرما کر مقامِ صبرورضا اور مقامِ استقامت نصیب فرمائے۔

ہمارے مریدان میں اس پُر فتن دور میں بھی کئی صادق الیقین،صاحبِ اخلاص اور صاحبِ استقامت دوست موجود ہیں۔ہمیں ان پر فخر اور خدا کی بارگاہ میں شکر ہے۔خداوند کریم ان کا یہ جذبہ وجلال،محنت ومشقّت اور زیادہ کرے اور اپنی خاص مخلوق میں شامل فرماوے۔آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تعلیمِ فقر دے رہے تھے۔اپنے مرشد کامل،سرخیلِ ہند،زرّیں زَر بخت

حضرت خواجہ صوفی نواب الدین ؒ کی حیات مبارکہ کی ایک جلالی کیفیت کو جانگداز انداز میں بیان فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لئے کسی کو رنگ دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ ان کے ایک اشارے کا کام ہے۔ مگر آگے طالب بھی راسخ العقیدہ، صاحبِ یقین اور صاحب سمجھ ہو، قسمت بیدار ہو، انسان ہو، شکی مزاج نہ ہو۔ تب ولی اللہ نورِ نظر کے نشتر چلا کر طالب کے سینے کو معرفتِ الٰہی کے لیے کشادہ اور قلب کو پاک وطاہر کر دیتا ہے۔ ہمارے حضرت قبلہ وکعبہ صوفی نواب الدین ؒ کی گورنر امیر محمد خان آف کالاباغ کے ہاں دعوت تھی۔ بڑا اجتماع تھا۔ تاحد نظر مخلوق خدا تھی۔ ایک مولوی صاحب بڑے پُر جوش انداز میں حضرت پیران پیر غوث اعظم دستگیر ؒ کی وہ کرامت بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے چور کو قطب بنا دیا تھا۔ جونہی تقریر ختم ہوئی حضرت صاحب جلالی کیفیت میں تھے اعلان فرمایا غوث اعظم ؒ نے ایک چور کو قطب بنایا تھا میں ان کا ایک ادنیٰ سا غلام ہوں۔ سامنے اس کنوئیں میں (ایک اندھا کنواں تھا) جو بھی چھلانگ لگا دے ابھی ابھی قطب بنا دوں گا۔ ساری مخلوق اور مریدین یہ اعلان سن کر خام عقیدگی کی بنا پر دم بخود رہ گئے اور ہر ایک اپنی جگہ پسینے میں غرق تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی بھی کنویں کی طرف نہ بڑھ سکا۔ محفل میں میانوالی کے نواحی علاقہ جو ہر آباد کا سجادہ نشیں جو کہ ایک صاحب سمجھ بزرگ تھے اُٹھ کر حاضرین کو ملامت کی کہ آپ ناقص الیقین لوگ ہیں۔ ولی اللہ پر آپ کا یقین کامل نہیں ہے۔ کیا ولی اللہ کسی کا نقصان بھی چاہتا ہے۔ کیا آپ کو یہ خطرہ ہے کہ کنویں میں گر کر آپ کا کوئی نقصان ہوگا۔ بے وقوفو! یہ آپ کا امتحان تھا۔ یقینِ کامل کی بناء پر فیض ملتا ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی چھلانگ لگانے کیلئے اٹھتا تو اٹھنے سے پہلے ہی قطب بن جاتا۔ صرف ہمت اور پختہ خیالی کی ضرورت تھی۔ اتنے میں کچھ آدمی چھلانگ لگانے کے لیے اٹھے مگر حضرت صاحب چونکہ اب حال میں آچکے تھے۔ انہیں فرمایا بیٹھو اب وہ وقت گزر گیا۔ آپ عقل کے دھوکے میں آگئے۔ آپ کی اپنی قسمت۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے زبانِ حال سے ارشاد فرمایا کہ انبیاءً واولیاء سب نے مخلوق کو فیض دیا اور بے انتہا دیا مگر امتحان لینے کے بعد۔ جس طرح سلفِ صالحین اور ہمارے مرشد کا شیوہ تھا۔ اس لیے مرید کیلئے کم از کم یہ تو لازم ہے کہ اسے اپنے مرشد پر یقین کامل ہو کہ وہ مجھے نقصان نہیں دیتا۔ اگر اس پر مضبوط ہے تو مرشد کے ہر حکم اور اشارے کو دل و جان سے قبول کرنے کیلئے تیار ہو اگرچہ ظاہری صورت میں اس میں نقصان کیوں نہ ہو۔ تو ضرور ایک نہ ایک دن کامیاب ہو جائے گا اور مرشد سے فیض حال کر کے رہے گا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ ایک دروازہ پکڑ اور مضبوطی سے پکڑ۔ دراصل کامیابی عقیدے کی پختگی پر ہے۔ عقیدہ نہ ہو تو سو سال تک ایک جگہ بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں بنتا۔ اس لیے دعا ہے کہ خداوند کریم سب دوستوں کو صحیح العقیدہ اور پھر راسخ العقیدہ بنا کر زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ محفل میں پنجاب اور بلوچستان کے بھی کافی دوست بیٹھے تھے۔ ارشاد فرمایا کہ پہلے دور کے اولیاء کرام اپنے مریدوں کے امتحان لیا کرتے تھے۔ مگر ہم نے یہ خیال تک نہیں کیا کہ کسی

مرید کوکسی آزمائش میں ڈال کراس کا امتحان لیں۔اس میں یہ خطرہ ہوتا ہے۔کہ اگر مرید امتحان میں ناکام ہو جائے تو تھوڑا بہت فیض جو اسے مل رہا ہے وہ بھی رک جاتا ہے۔اس لئے ہم نے اس پُرفتن دور کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی مرید کو ابھی تک کسی آزمائش میں نہیں ڈالا۔مگر یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے۔اگر کوئی ''عمل'' کرنا چاہے تو مرشد کا ہر حکم، حکمِ ایزدی ہوتا ہے اوراس کی ہر بات میں ایک عظیم حکمت پوشیدہ ہوتی ہے۔اگر چہ وہ بظاہر کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔

اس ضمن میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک ولی اللہ کے ایک مرید کا بہت قیمتی اسٹامپ گم ہو گیا۔مرید تلاش کر کے ہر طرف سے نا امید ہو گیا تو مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔حضور! ایک ضروری اسٹامپ گم ہو گیا ہے دعا فرماویں مل جائے۔مرشد نے جواب میں فرمایا کہ کسی دکان سے مٹھائی لیکر حاضرین میں تقسیم کر دیں۔وہ متوقّف ہو کر سوچنے لگا کہ مَیں کیا عرض کرتا ہوں اور مرشد کیا حکم دیتے ہیں۔دوسری مرتبہ عرض کیا تو پھر بھی مرشد نے یہی فرمایا کہ مٹھائی لاکر حاضرین میں تقسیم کر دیں۔کوئی ایک سمجھدار مرید بیٹھا تھا اسے پکڑ کر سمجھایا کہ اتنا عقیدہ ہے کہ ان کی دعا سے ایک نایاب چیز مل جائے گی تو یہ بھی عقیدہ رکھو کہ اُن کی کہی ہوئی بات بالکل ٹھیک ہے تعمیل کرو! سوچو مت۔چنانچہ وہ مرید حکمِ مرشد کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً بازار گیا۔ایک مٹھائی کی دکان پر جا کر مٹھائی خریدنا چاہی۔دکاندار نے مٹھائی لپیٹنے کے لیے جو کاغذ اٹھایا وہ وہی گم شدہ اسٹامپ تھا۔مرید نے دکاندار سے فوراً وہ اسٹامپ لے کر دوسرے کاغذ میں مٹھائی خرید لی اور خوشی خوشی مرشد کی محفل میں پہنچا۔مٹھائی حکم کے مطابق حاضرین کو بانٹ دی۔جب قدم بوس ہوا تو مرشد نے فرمایا بات سمجھ آ گئی؟ مرید نے کہا بالکل!۔

اس کے بعد مرشد کریم نے حاضرین کو سمجھایا کہ مرشد سے وہی فیض حاصل کر سکتا ہے جو مرشد کے ہر قول وفعل پر یقینِ کامل رکھے۔اس لئے کہ مرشد کی ہر بات میں ایک مقصد اور حکمت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ظاہر میں اگر چہ کچھ بھی ہو۔ لیکن حقیقت میں مرید کیلئے بھلائی کی بات ہوتی ہے کیونکہ مرشد حکمِ الٰہی اور ہاتفِ غیبی کے بغیر کوئی بھی حکم نہیں دیتا۔خدا سب کو یہ سمجھ عطا فرمائے۔کیونکہ نفس اور شیطان دلوں میں وسوسے ڈال کر گمراہ کرنے کیلئے ہمہ وقت موجود ہیں۔خدا محفوظ فرماوے۔آمین۔

فروری 1991ء میں آستانہ عالیہ تونسہ شریف میں بعد نماز مغرب کافی مریدان محوِ دیدار تھے کہ آپ نے خدمتِ مرشد عشق ومحبّت اور مرشد کی ہر حالت میں مرید کی خیر خواہی کے بارے گفتگو شروع کی۔فرمایا کہ ''سوکنو شریف'' ضلع کوہاٹ میں ایک بہت بڑے صاحبِ مقام بزرگ ''میاں عمر رحمۃ اللہ علیہ'' ہو گزرے ہیں۔وہ ضلع اٹک کے ایک کامل ولی اللہ ''حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ'' کے مرید تھے۔حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے گھر کے درمیان اٹھارہ میل کا فاصلہ تھا۔شام کو روزانہ مرشد کی خدمت سے بعد نماز عشاء فارغ ہو کر صرف ایک قدم راستے میں دوسرا سیدھا اپنے گھر میں جا رکھتے۔بال بچوں کی دیکھ بھال کر کے گھر سے نماز تہجّد پڑھ کر پھر ایک قدم راستے میں اور دوسرا مرشد کے آستانے میں ہوتا۔سارا دن وہاں

مصروف خدمت رہ کر شام کو پھر اسی طرح کرتے۔

(یہ بالکل ایک ماننے کی بات ہے۔اولیاء کرام کیلئے قرآن وحدیث کی روشنی میں طے ارض یعنی زمین کا سمٹنا بالکل ثابت ہے۔اوران کیلئے یہ ایک معمولی بات ہے۔دنیا میں انہی انسانوں میں سے کئی ابدال خدا کی طرف سے مقرر ہیں اور خدا نے انہیں یہ طاقت دی ہوئی ہے کہ ان کا ایک قدم مشرق اور دوسرا مغرب میں ہوتا ہے۔جبکہ ابدال سے آگے اور بلند مقامات بھی ہیں جنہیں کتبِ تصوف میں اوتاد، قطب، غوث اور غوث زماں کہتے ہیں۔معلوم نہیں کہ انہیں اس سے زیادہ کیا کیا طاقتیں، تصرّفات اور انعامات ملے ہوئے ہیں۔تو معلوم ہوتا ہے کہ میاں عمر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی درجہ کے ولی اللہ تھے۔کیونکہ ابرار واخیار سے لیکر غوث زماں تک انہی اولیاء کرام کی نگاہ سے بنتے آرہے ہیں۔اور پھر اپنے مختلف فرائض پر مختلف خطّوں میں مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔صاحب سمجھ انسان کیلئے اس مسئلے کا سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔)

پورے اٹھارہ سال تک اس طریقے سے انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت کی۔ایک دن راستے میں ایک ریت کے ٹیلے پر سلسلۂ قلندریہ کے ایک مجذوب حال فقیر کو ریت کا تکیہ بنائے بیٹھے پایا۔جن کا نام ''لنگوٹہ بابا'' تھا۔کیونکہ وہ اپنی مجذوبیّت کی وجہ سے صرف لنگوٹ استعمال کرتے تھے۔اس لئے لنگوٹہ بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی آواز دی کہ میاں صاحب! عرصہ ہو گیا آپ کو روزانہ ادھر آتے جاتے دیکھتا ہوں کہاں جاتے رہتے ہیں؟ میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی حضور! اپنے مرشد کی خدمت کیلئے جایا کرتا ہوں۔پوچھا کتنے سال ہو گئے؟ جواب دیا اٹھارہ سال۔پوچھا انہوں نے تجھے کچھ دیا بھی ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ ابھی تک تو نہیں دیا۔پوچھا کیا تُو کچھ لینا چاہتا ہے؟ عرض کی ضرور! لنگوٹہ بابا نے کہا آؤ مَیں تجھے دیتا ہوں جس قدر آپ کو ضرورت ہے۔میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بابا! جہاں اٹھارہ سال خدمت کی وہاں سے بھی اگر نہیں ملا تو آپ سے بھی نہیں لیتا۔اگر کچھ دے گا تو اپنا مرشد ہی دے گا۔آپ سے لینے کو تیار نہیں۔اس انکار پر لنگوٹہ بابا نے کہا کہ تیری مرضی اگر یہی ہے تو ٹھیک ہے۔

میاں عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے مرشد (حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔مرشد نے دیکھ کر پوچھا میاں صاحب راستے کا حال تو سناؤ۔میاں صاحب نے لنگوٹہ بابا کے ساتھ اپنی ساری آپ بیتی کہہ سنائی۔حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے مریدِ صادق کے عقیدہ کی پختگی دیکھی تو جلال میں آگئے اور فرمایا آؤ میری چھاتی سے لگ جاؤ (ولی اللہ اپنا فیض سینہ سے دوسرے سینہ میں اس طرح منتقل کرتا ہے جس طرح بچہ اپنی ماں کے سینہ سے دودھ اپنے اندر منتقل (جذب) کرتا ہے) مرشد نے میاں عمر رحمۃ اللہ علیہ کو مالا مال کر دیا۔لوحِ محفوظ تک کا علم ان کے سامنے تھا۔فرمایا جو کچھ تجھے مجھ سے اٹھارہ سال کی خدمت کے صلّے میں خدا کی بارگاہ سے ملنا تھا وہ مل گیا۔اب جاؤ اپنے علاقے میں مخلوق کو خدا کی معرفت کا راستہ دکھاؤ۔قدم بوس ہو کر میاں عمر رحمۃ اللہ علیہ خوشی خوشی کہ آج ساری محنت کا پھل مل گیا۔واپس روانہ ہوئے راستے میں جب پھر لنگوٹہ بابا کے سامنے سے گزرنے لگے تو بابا نے آواز دی کہ میاں صاحب! حال سناؤ آج کچھ ملا کہ نہیں؟۔میاں

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی خدشے میں کہ یہ قلندر ہے ملا ہوا فیض سلب نہ کر لے۔ جواب دیا ''نہیں'' بس نہیں کی دیر تھی کہ وہ سینہ میں آئی ہوئی روشنی یکسر ختم ہوگئی۔

روتے ہوئے واپس مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے سارا حال کہہ سنایا۔ مرشد نے سمجھایا کہ تجھے کس چیز کا خطرہ تھا۔ جس نے تجھے دیا تھا اسے اس کی نگرانی کی بھی طاقت تھی۔ مگر نفس کے دھوکے میں آ کر صرف ایک ''نہ'' سے اپنا سارا فیض سلب کرا لیا۔ اب جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا۔ مگر لنگوٹہ بابا سلسلۂ قلندریہ کے ایک نہایت کامل بزرگ ہیں مَیں اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ البتہ تجھے ایک طریقہ بتاتا ہوں کہ پشاور ''قصہ خوانی بازار'' چلے جاؤ۔ وہاں لنگوٹہ بابا کا ایک ڈھول بجانے والا مخنّث (خُسرہ) مرید ہے۔ فلاں دن وہ مرنے والا ہے۔ ڈنڈا اٹھا کر اس کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور کہو کہ یہ کتنا فاسق و فاجر تھا اس کا نماز جنازہ ہو ہی نہیں سکتا۔ مَیں اس کا نماز جنازہ نہیں پڑھنے دیتا۔ تو آخر کار اُن کے مرشد (لنگوٹہ بابا) وہاں اپنے مرید کے چھڑوانے کی خاطر آ کر حاضر ہو جائیں گے۔ اور انشاء اللہ پھر عین موقع پر مَیں بھی حاضر ہو جاؤں گا آگے مَیں جانوں اور میرا کام۔

میاں عمر رحمۃ اللہ علیہ حکم پا کر روانہ ہوئے۔ قصّہ خوانی بازار پشاور جا کر مخنّث کے پاس پہنچے اور خواہش ظاہر کی کہ مَیں نے چند دن لازمی تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ مخنّث نے کافی جتن کئے کہ بابا تُو ایک نیک انسان ہے ہم گندے ہمارا دھندہ گندا۔ آپ کیسے ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ مگر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں تسلّیاں دیکر اور سمجھا کر اس بات پر آخر کار راضی کر لیا کہ رفاقت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ چند دن بعد مخنّث مر گیا۔ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مرشد کے حکم کے مطابق پورے تین دن تک نماز جنازہ روک دیا۔ آخر چوتھے دن علی الصّبح دیکھا کہ لنگوٹہ بابا بڑے جلال کے ساتھ آن مرید کے سر پر حاضر ہوئے اور کہا ترس نہیں آتا خدا سے نہیں ڈرتے کہ چوتھا دن ہوگیا کہ تُو نماز جنازہ نہیں پڑھنے دیتا۔ ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اتنے میں میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد ''حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ'' بھی آ کر سامنے حاضر ہوئے عرض کی کہ آپ کو اپنے مرید کے صرف چار دن پر ترس آیا لیکن میرے مرید کے اٹھارہ سال کی محنت کے چھیننے پر ترس نہ آیا۔ صرف چار دن کی تکلیف ظلم ہے مگر اٹھارہ سال کی خون پسینہ کی کمائی منٹوں میں چھیننا ظلم نہیں ہے؟۔ یہ سُن کر لنگوٹہ بابا کو احساس ہوا میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلب کیا ہوا فیض واپس کر دیا اور کہا کہ اب تو مرید کو چھوڑ دو مَیں اس کا نماز جنازہ پڑھتا ہوں۔ میاں صاحب نے کہا ابھی نہیں۔ یہ جو آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور اتنا پریشان کیا ہے۔ اس کا بدلہ؟ لنگوٹہ بابا نے کہا اچھا! یہ اور لے لو۔ میاں صاحب نے کہا اب اس دوران استقامت اختیار کرنے کی داد بھی چاہتا ہوں۔ لنگوٹہ بابا نے کہا اچھا اور بھی لے لو تب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی طرف دیکھا تو اپنے آپ کو اس قدر بھرا ہوا پایا کہ اس سے زیادہ کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اپنے آپ کو اور مقام پر پا کر فرمایا بس! تب لنگوٹہ بابا نے مرید کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ نے واپس اپنے مرشد کریم حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جا کر حاضری دی۔ قدم بوس ہوئے۔ مرشد نے پوچھا میاں صاحب حال! جواب دیا حضور

آپ کی کرم نوازی! توقع سے بھی کہیں زیادہ دلوایا۔ پھر حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں دعائے خیر فرما کرانہیں رخصت کیا۔ اب ضلع کوہاٹ میں میاں عمر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور و معروف دربار ہے۔ مخلوق خدا ان سے ظاہری و باطنی فیض لے رہی ہے۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہ العالی نے عالمِ وجد میں پشتو زبان کے صوفی شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پڑھ کر یوں تشریح فرمائی کہ عشق اس دنیا میں ایک نایاب چیز ہے۔ ہاں البتہ اگر ملے تو یہ عاشق کے پاس تجھے ضرور مل جائے گی۔ مگر وہ بھی اس کی پرخلوص اور سچے دل سے خدمت کرنے کے بعد۔ اس دنیا میں معرفتِ الٰہی اور عشقِ الٰہی کی یہی ایک دکان ہے۔ جو بھی چاہے ہر کسی کے لیے راستہ کھلا ہے۔ اسے (خدمت کی) شرط پر حاصل کر سکتا ہے۔ آگے بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق آگ کی پگڑی ہے جس کے سر پر آگ کی پگڑی ہو اُسے آرام کہاں آتا ہے۔ اسی حکمت کی بناء پر اولیاء اللہ ساری ساری رات جاگ کر کاٹتے ہیں۔ جن کے پاس یہ آگ نہیں ہے۔ وہ غفلت کی نیند میں پڑے خراٹے لے رہے ہوتے ہیں۔ معشوقِ حقیقی بے نیاز ہے۔ عاشق اس کا محتاج اور نیاز مند ہے۔ وہ اس وقت تک اس کی طرف دھیان نہیں دیتا جب تک وہ اپنے اندر اس کے خوش کرنے کے انداز اور اعمال پیدا نہ کرے۔ اس کی خواہش کو اپنی خواہش پر مقدم نہ سمجھے۔ جب یہ طریقہ اختیار کیا تب معشوق خود بخود اس کی طرف نگاہِ کرم کر کے اس کی تسکینِ قلب کرے گا اور اس کی جو کچھ طلب ہے پوری کر دے گا۔ اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ مرشد ہر حالت میں اپنے مرید کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ ہر مشکل میں (بشرطیکہ اس کا عقیدہ پختہ ہو) اس کی ظاہری اور باطنی امداد فرماتا ہے۔ وہ مرید کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔ وہ اس چیز کا حریص ہوتا ہے کہ میرا ہر مرید ہر حال میں آرام اور سکون کے ساتھ ہو، جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں کافی مریدین حاضر خدمت تھے۔ ہر ایک اپنے حال کے مطابق محوِ دیدار تھا۔ آپ نے درسِ فقر دیتے ہوئے تاریخِ اسلام سے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سے ایک اقتباس بیان فرمایا کہ مرشد کے پاس سب کچھ ہے اور وہ دیتا ہے مگر لینے والا کوئی ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو چاروں سلاسل کے معدود (چند گنے ہوئے) بزرگ نہ ہوتے۔ حالانکہ ان کے مرید تو لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ مگر لینے والے دانہ دانہ تھے۔ ارشاد فرمایا کہ ایک شام حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند پر جلوہ افروز تھے۔ ایک نامعلوم شخص آ نکلا۔ اس نے زیارت کی۔ چند لمحات بیٹھا پھر اجازت چاہی مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رات اپنے پاس گزارنے کی فرمائش کی اور وہ وہیں رہے۔ علی الصبح مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سر سے اپنی دستار مبارک اتار کر اس کے سر پر رکھ دی۔ دعائے خیر فرما کر رخصت کیا۔ خلفاء اور مریدین حاضر تھے۔ دل ہی دل میں کہنے لگے۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ ہم اِس دستار مبارک کیلئے ہمہ وقت خدمت میں موجود ہیں۔ یہاں ہمارا اور کیا کام ہے۔ مگر وہ بھی آج ایک ایسے نامعلوم شخص کے حوالے کر دی جو اِس سے

پہلے آپ کی خدمت میں دیکھا ہی نہیں۔

مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے نورِ بصیرت سے اس معاملے کا پتہ چلا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ایک مرید کو بلا کر رقم دی کہ بازار جا کر صرف آدھ گھنٹے میں یہ سارے سودے لے آؤ۔ مرید جب بازار گیا تو دیکھا کہ کسی دکان پر گدھا ہے اور کسی پر کُتا۔ کسی پر ریچھ اور کسی پر بھیڑیا۔ جس طرف بھی دیکھا انسان کی ذات نہیں تھی کہ جس سے وہ بات کر کے سودے لے لیتا۔ آخر وقت پورا ہو گیا، واپس آستانے لوٹا۔ مرشد کے سامنے حاضر ہوا ہاتھ خالی تھے اور رقم جیب میں۔ مرشد نے پوچھا محترم! کیا بازار میں سودے نہیں تھے؟ مرید نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مرشد نے فرمایا کہ اچھا اب اپنے سارے دوسرے دوستوں کو بھی یہاں بلاؤ۔ سارے خلفاء اور مریدین حاضر ہوئے تو حکم فرمایا کہ ہر شخص خود کو غور سے دیکھے۔ تو کسی نے اپنے آپ کو سینہ سے نیچے کتے کی حالت میں پایا کسی نے گدھے اور کسی نے گھوڑے وغیرہ کی حالت میں اپنے آپ کو مشاہدہ کیا۔ (کیونکہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ سے اُن کو کشف مل چکا تھا۔ تا کہ وہ اپنی حقیقتِ حال دیکھ سکیں۔) تب فرمایا کہ میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔ رات کو جو مہمان میرے پاس ٹھہرا تھا۔ وہ مکمّل انسان تھا۔ اس لئے وہ اپنی ہی خوبی اور کمال کی وجہ سے انعامات لے گیا۔ مَیں نے اُسے دستار نہیں دی بلکہ اُس کے اپنے اعمال نے اُسے میری دستار دلوا دی۔ جبکہ آپ نے بھی اپنے آپ کو دیکھا۔ کوئی بھی مکمّل انسان یہاں تک کہ بازار میں بھی نہیں ہے۔ جب آپ بھی مکمّل انسان بن جائیں گے۔ تو یہی دستار اور جُبّہ نصیب ہوگا۔ لہٰذا عبرت حاصل کر کے عمل کرنے اور "مَن" کو پاک وصاف کرنے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ کو اہل بناؤ۔ انعامات خود بخود مل جائیں گے۔ خدا منصف اور رحیم ہے۔ ہم بزرگ لوگ اس بات کے حریص ہیں کہ ایسا کوئی جوہرِ قابل نکل آئے تا کہ انعاماتِ الٰہی سے ہم اُس کی جھولی بھر دیں۔ مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس گفتگو سے سب کی تسکین ہوئی اور سب نے اس وسوسے کی معافی مانگ لی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

؎ نیم تُو مُشک است نیمے پُشک ہَیں ہَیں میفزا پُشک افزاء مُشک چِیں

(خبردار! تیرا آدھا مُشک اور آدھا مینگنی ہے۔ مینگنی نہ بڑھا بلکہ مُشک بڑھا دے۔)

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے بڑی تاکید سے ارشاد فرمایا کہ ہماری بھی وہی حالت اور نگاہ ہے۔ ہمارے پاس فقر کا صاف راستہ ہے۔ جو عمل کرے سو پائے۔ ہمارے مریدوں میں بھی کئی اچھے مرید موجود ہیں۔ مگر ہماری مرضی کے مطابق شاید کوئی ہو۔ اس لئے محنت کر و اپنے آپ کو لینے کے قابل بناؤ۔ تب دیکھو کہ ہم دیتے ہیں یا نہیں۔ ہم رات دن مُصلّے پر ایسے ہی آدمی کیلئے دست بدعا ہیں۔ خداوند کریم کسی کو تو اس کے قابل ضرور بنائے گا ہم ناامید ہرگز نہیں ہیں۔ دعا فرمائیں خداوند کریم سب دوستوں کو یہ مقام یہ رتبہ اور یہ شان عطا فرمائے۔ اور ہماری دعا اپنی بارگاہ میں مستجاب فرمائے۔ آمین۔

ایک دفعہ کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں تشریف فرما یوں گویا ہوئے کہ اگر مرید اپنے مرشد کے حق میں صادق الیقین

ہوتو مرشد انعامات دینے میں بخل سے ہرگز کام نہیں لیتا کیونکہ مرشد مریدوں کیلئے نہایت رحیم اور سخی ہوتا ہے۔(خصوصاً آل رسول ﷺ کی تو بات ہی کیا ہے کہ سخاوت انہی کے گھر کی ہے)ان کی نگاہ ہر وقت مرید کی باطنی حالت پر ہوتی ہے۔ مرید استطاعت اور استقامت میں جس قدر وسعت پیدا کرتا ہے اسی قدر زیادہ فیض حاصل کرتا ہے۔مگر ایسا جوہرِ قابل زمانہ کئی کروٹیں بدل کر پیدا کرتا ہے۔

اس موضوع کی مطابقت سے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرشد جب اپنے آستانہ (خانقاہ) سے باہر مریدوں کی طرف مراجعت فرماتا ہے تو ہر اہل مرید کیلئے ایک خاص انعام تجویز کر کے روانہ ہوتا ہے اور وہاں پہنچنے پر انہیں مرحمت فرماتا ہے۔اسی طرح حضرت بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے جلیل القدر بزرگ ہوگزرے ہیں۔ایک موقعے پر جب دورہ کا ارادہ فرمایا تو مختلف مریدوں کیلئے کئی کئی انعامات دینے کا فیصلہ کرلیا۔مسافت طے کرنے کے بعد ایک شہر میں جا پہنچے جہاں پر بہت سے عقیدت مند چشم براہ تھے۔بہت بڑا مجمع تھا۔انہی میں ان کے مرید خاص حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔بعد از ملاقات منزل کی طرف روانہ ہوئے راستے میں ہندوؤں کا ایک بہت بڑا مندر تھا۔مندر کے دروازے پر آتے ہی حضرت بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ سیدھا مندر میں گھس گئے۔جب مندر کے عین درمیان بتوں کے قریب جا رُکے۔تو معاً پیچھے دیکھا کہ کوئی اور بھی ساتھ آیا ہے؟مگر وہاں حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔تعجّب سے پوچھا کہ آپ کیسے اس بت خانے میں میرے ساتھ آئے۔اس پر مرید صادق نے عرض کی کہ حضور! مجھے بتّوں سے کیا کام جو راستہ آپ کا وہی ہمارا۔ہم نے آپ کی پیروی کرنی ہے چاہے مندر ہو یا مسجد۔مرید کی ارادت وعقیدت کو دیکھ کر حضرت بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ نے بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے سینے سے لگا کر معرفتِ الٰہی سے مالا مال کر دیا۔جتنے انعامات مختلف مریدان وخلفاء کیلئے تھے۔یکمشت آپ کو مرحمت فرمائے نیز اپنا جانشین خاص مقرر فرما کر سرمدی بہار سے نوازا۔تاریخ شاہد ہے کہ لاکھوں بندگانِ خدا اور گم کردہ راہوں نے حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کیا اور ان کا فیضِ مرشد قیامت تک جاری رہے گا۔کئی جلیل القدر اولیاء کرام نے آپ کے مزار پُر انوار سے باطنی فیض حاصل کیا۔یہ سب ان کی استقامت وصداقت اور مرشدِ کریم کی بے لوث خدمت کا ثمرہ تھا۔

ایک موقعہ پر بنوں جاتے ہوئے راستے میں آپ مدظلہ العالی نے بندہ سے ارشاد فرمایا کہ مریدانِ باصفا مرشد کی خوشنودی اور وقتِ جلال کے متلاشی ہوتے ہیں۔چنانچہ مَیں نے جب اپنے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے استفسار پر گارڈ بابا کی بات سنائی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ پر اس قدر جلال کی نگاہ سے توجہ فرمائی کہ مَیں پورے تین سال تک مجذوب حالی میں رہا اور میرا باطن آئینہ خداوندی بن چکا تھا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بیٹھے ارشاد فرمایا کہ حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مرشد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بہت زیادہ فیض اور بلند درجہ نصیب فرمایا تھا۔ان کے بارے میں مشہور ہے کہ

جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان کے چار مقرّب خلیفہ تھے۔ چاروں کو بُلا کر چار مرغیاں ہاتھ میں دیدیں کہ انہیں جا کر ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ کہ آپ کو کوئی نہ دیکھے۔ چنانچہ چاروں خلفاء اپنی اپنی مرغی لے کر باہر نکل گئے۔ یکے بعد دیگرے تینوں خلفاء اپنی مرغیاں ذبح کر کے بارگاہِ جنید رحمۃ اللہ علیہ میں حاضر ہوئے۔ لیکن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ ذرا دیر بعد مرغی ویسے ہاتھ میں لئے حاضر ہوئے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار فرمایا کہ مرغی زندہ واپس کیوں لائے۔ کیا کوئی تنہا مقام میسر نہ آیا؟ اس پر منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضور! جہاں بھی گیا خدائے "عَلیٰ کُلِّ شَیٔ قَدِیْر" دیکھ رہا تھا۔ اس لئے آپ کی شرط پوری نہیں ہوتی تھی۔ مرغی زندہ واپس لایا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جلال میں آئے اور فرمایا کہ انشاء اللہ خداوند کریم آپ کو مجھ سے زیادہ شان عطا فرمائے گا۔ چنانچہ وقت نے یہ بات ثابت کر دی کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے خود تو قدرِ پردہ میں نعرہ لگایا تھا کہ ''نیست اندر جُبّہ ام اِلَّا خدا'' مگر منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے بے باکانہ ظاہراً حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہوئے ''اَنَا الْحَقّ'' کا نعرہ لگا دیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ اگر مرید صادق ہو تو پیر سے کہیں زیادہ رتبے حاصل کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے بڑا ظرف اور استقامت چاہیے۔ تاریخ اسلام میں ایسے واقعات ہیں شاذ و نادر، کیونکہ مریدانِ باصفا عُنقا (نایاب) ہیں۔ دن بدن روحانیت رُوبہ زوال ہے۔ اللہ خیر کرے۔ دعا کے بعد محفل برخاست ہوئی۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ایک مرتبہ اپنی زبان گوہر فشاں سے اس طرح ارشاد فرمایا کہ ایک ولی اللہ کے مریدان تو بہت ہوتے ہیں۔ مگر مرید کوئی کوئی! فرمایا کہ صاحب موسیٰ زئی شریف کے ہزاروں مریدان تھے مگر مرید صرف ایک حضرت غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ نکلے۔ جنہوں نے بڑی کامیابی سے اپنے مرشد کا سلسلہ آگے چلایا۔ یہاں تک کہ اُن میں اتنا جلال تھا کہ اشارے کے ساتھ ہندوؤں کو کلمہ پڑھایا کرتے تھے۔ انہوں نے چالیس سال تک بغیر کسی لالچ و غرض کے اپنے مرشد کی خدمت کی۔ ان کی رضا و رغبت اور خوشی کا خیال رکھتے۔ اپنے وجود کی طرف ان کا کوئی خیال نہیں ہوا کرتا تھا۔ پھر حضرت غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ایک مرید ملا۔ جن کا نام حضرت محمد عبداللہ المعروف میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ گو اُن کے ہزاروں مریدان تھے مگر جو مقام میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوا اور کسی مرید کو نصیب نہ ہو سکا۔ بے شک وہ نفس مطمئنہ کے مالک تھے اور فقر کے شہنشاہ تھے۔ اسی طرح ہمارے حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بھی بہت سے مریدان تھے۔ مگر شکر الحمدللہ رب کریم نے جو انعامات و رحمت مجھ پر کئے اور جو فیض ہمیں اپنی بے لوث خدمت کی وجہ سے نصیب فرمایا شاید اور کسی مرید کو نصیب ہوا ہو اور اس پر ہمیں لاکھ لاکھ شکر ہے۔ جو اخلاص ہمیں اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ انشاء اللہ وہی اخلاص ہمارے مریدوں میں موجود ہے۔ جس انہماک سے ہم اپنے مرشد کی خدمت کرتے تھے اس سے بڑھ کر اب ہمارے مرید ہماری خدمت کر رہے ہیں۔ قانونِ قدرت ہے انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس کا بدلہ اسے مل جاتا ہے۔

اس بات کی مناسبت سے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک ولی اللہ کے بہت زیادہ مریدان تھے۔ ایک شخص نے ان

سے عرض کی کہ آپ کو کیا پرواہ ہے کہ آپ کے اتنے مرید ہیں اور دل و جان سے آپ پر نثار ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک ہمارے مریدان تو بہت ہیں۔ مگر مرید صرف اڑھائی ہیں۔ اگر آپ تسلیم نہیں کرتے تجربتاً دکھادوں گا۔ چنانچہ ایک بڑے اجتماع کے موقعہ پر انہوں نے اپنے مریدان سے فرمایا کہ مَیں بیمار ہوں اور ڈاکٹر نے میرا علاج صرف انسانی جگر بتایا ہے۔ مریدان جو کہ ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عرض کی کہ ہم سب اس بات کیلئے حاضر ہیں اور ہماری زندگیاں آپ پر قربان۔ پیر نے فرمایا کہ کل صبح نماز کے فوراً بعد میرے آستانے پر جو قربانی دینا چاہے حاضر ہو جائے اور مَیں ڈاکٹر کو بُلا کر علاج کراؤں گا۔ چنانچہ رات کو چار پانچ بکرے منگوا کر آستانے میں کھڑے کر دیئے۔ دوسرے دن صبح سویرے سوال کرنے والے شخص کو دروازے پر کھڑا کیا کہ جو اس ارادے سے آئے اس کو اندر میرے پاس لے آؤ۔ نماز کے بعد وہ شخص دروازے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا کہ ایک مرید آیا اور عرض کیا کہ قربانی کے لیے حاضر ہوا ہوں اندر لے جاؤ۔ دربان اُسے مرشد کے پاس لے آیا اور مرشد نے انہیں حکم دیا کہ جا کر دروازے پر نالی میں ایک بکرا ذبح کر کے آئیں تا کہ خون نالی سے باہر بہتا جائے بکرا ذبح ہونے کے بعد مرید کو اپنے پاس بٹھا دیا۔ اتنے میں باہر دوسرا مرید آ گیا۔ دربان نے بتایا کہ ایک مرید اندر گیا ہوا ہے شاید یہ خون جو نالی میں بہہ رہا ہے اُسی کا ہے۔ اگر آپ نے بھی جانا ہے تو جاؤ۔ یہ بھی بڑے جذبے سے اندر چلا گیا۔ مرشد نے انہیں اپنے پاس بٹھا دیا اور دوسرا بکرا ذبح کرنے کا حکم فرمایا۔ خون نالی سے باہر جا رہا تھا اتنے میں تیسرا مرید آیا دربان نے بتایا کہ یہ دوسرے مرید کا خون ہے جو نالی سے باہر آ رہا ہے اگر آپ نے بھی جانا ہے تو اجازت ہے۔ انہوں نے ایک قدم اندر رکھا اور دوسرا باہر اس سوچ میں ڈوب گیا کہ اندر جاؤں یا نہ جاؤں کہ پیر نے اندر سے آواز دی کہ بس اسے چھوڑ دو ہمارا مقصد پورا ہو گیا۔ اور تو کوئی نہیں آیا؟ عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر مرشد کریم نے اسے بتایا کہ دیکھا مریدان تو بہت تھے۔ مگر حقیقت کے مرید صرف اڈھائی نکلے جس طرح مَیں نے آپ کو بتایا تھا۔

اس واقعہ کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح ہمارے بھی بہت سے مریدان ہیں۔ مگر مرید دانہ دانہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ کریم ہمارے سب مریدوں کو صحیح اور حقیقت کا مرید بنائے۔ جس طرح ہمیں اپنے مرشد کریم کے ساتھ عشق تھا۔ سب کو وہی جذبہ اور جلال نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو سے واپس بنوں تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا قبل از روانگی مریدوں کو از راہِ نصیحت ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے مگر نصیب صرف اسی کا ہوتا ہے جو اس کے قابل ہو۔

ع فیض حق ناگاہ می رسد ولیکن بر دل آگاہ می رسد

عام مرید خاص انعامات کا مستحق نہیں بن سکتا۔ اس کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک مرید نے نہایت شوق اور بے لوث ہو کر اپنے مرشد کی خدمت کی یہاں تک کہ پورے بارہ سال گزر گئے۔ ایک دن اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اتنا زیادہ عرصہ گزر گیا۔ آخر کیا فائدہ آیا بہتر ہے کہ واپس گھر چلا جاؤں اور بقیہ زندگی وہیں گزار

دوں یہ سوچ کر سو گیا۔صبح ہوتے ہی اُن کے مرشد کو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ مرید بدگماں ہو چکا ہے اور گھر جانا چاہتا ہے۔ اس کے کہنے اور بے ادبی کرنے سے پہلے ہی مرشد نے کہہ دیا کہ آپ کو آج سے ہماری طرف سے بالکل اجازت ہے کہ گھر کا چکر لگائیں اور بال بچوں کو دیکھیں۔اگر دل وہاں لگ گیا تو رہ جائیں وگرنہ ہم فقیروں کا تو دروازہ ہمہ وقت کھلا ہے۔ چنانچہ مرید دل ہی دل میں خوش ہوا۔شکر کیا کہ بات منہ تک لانے کی نوبت نہ آئی اور کام ہو گیا۔اجازت لیکر گھر کو روانہ ہوا۔اس خدمت کے صلّے میں خداوند کریم کی طرف سے اسے کشف عنایت ہو گیا۔سفر کرتے کرتے کئی دن بعد گھر پہنچا۔کیا دیکھتا ہے کہ بیوی بندر بنی ہوئی ہے اور بچے سب بندروں کے بچے ہیں۔اس نے فوراً شور مچایا اوران کو گھر سے بھگانے کیلئے مارنا شروع کر دیا۔ساتھ والے ہمسائیوں کو افسوس ہوا کہ وہ اتنی مدت کے بعد آتے ہی اپنے بال بچوں کو گھر سے کیوں نکال رہا ہے۔وہ اکٹھّے ہو کر آئے۔ بڑی کشمکش کے بعد فقیر کو دھکے دیکر گھر سے نکال باہر کیا اور بچوں کو دوبارہ لا کر آباد کیا۔

مرید نے سوچا کہ اب ان کے ساتھ میرا گزارہ مشکل ہے۔کیونکہ بندر کے ہاتھ سے نہ تو میں روٹی کھا سکتا ہوں اور نہ پانی پی سکتا ہوں۔بہتر یہی ہے کہ دوبارہ مرشد کریم کے پُرسکون آستانہ میں چلا جاؤں اور بقیہ زندگی کے ایّام وہیں گزاردوں۔اس فیصلہ کے بعد دوبارہ واپس ہو گیا۔راستے میں ایک آبادی کے قریب کسی درخت کے نیچے جا کر مراقبہ میں بیٹھ گیا۔کیا دیکھتا ہے کہ شہر کے کنارے ایک مسجد میں ایک عورت اور ایک مرد بُرے فعل میں مشغول ہیں۔اسے جلال آیا اور بددعا کی کہ خدایا مسجد کی چھت اسی حالت میں اِن گمراہوں پر گر جائے اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں۔کیونکہ وہ اللہ کے گھر میں آکر گناہِ عظیم کر رہے ہیں۔

چنانچہ مرید کی اس توجہ کی دیر تھی کہ چھت گر گئی اور دونوں بالکل اسی حالت میں بے ایمان چھت کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ خدا نے بندے کی دعا سن لی اور بدراہوں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔تھوڑی دیر آرام کے بعد پھر روانہ ہوا اور مرشد کی خدمت میں پہنچ گیا۔مصافحہ اور دیدار کے بعد اتنی لمبی جدائی کی وجہ سے بہت اشتیاق سے گفتگو ہونے لگی۔مرشد نے پوچھا داستان سفر سناؤ۔کیسے یہاں سے گئے۔وہاں پہنچے۔گھر پر دل کیوں نہیں لگا؟ فوراً واپس آگئے۔کیا وجہ ہے؟ کچھ آپ بیتی تو سناؤ؟ مرید نے عرض کی حضور بس گھر گیا مگر دل نہ لگنے کی وجہ سے پھر آ کر حاضرِ خدمت ہوا۔مرشد نے فرمایا آخر کچھ تو ضرور سناؤ۔اس پر مرید نے مجبور ہو کر گھر کے حالات بتائے کہ بیوی بچے دگرگوں ہو چکے تھے۔نیز واپسی پر زانیوں پر مسجد کی چھت گرانے کا واقعہ بھی سنا دیا۔

سننے کے بعد مرشد نے فرمایا کہ دیکھو میں نے آپ کو اللہ کی رحمت اور رضا سے صرف ایک ابتدائی چیز کشف عنایت کی۔بجائے خاموش اور جذب کرنے کے آپ گھر والوں کے ساتھ ڈنڈے بازی پہ آگئے۔یہاں تک کہ گزارہ ناممکن ہو گیا۔پھر راستے میں خداوند کریم نے بذریعہ کشف آپ کو ان دونوں کے حالِ غیب سے آگاہ فرمایا بجائے نیک دعا

مانگنے کے آپ نے بددعا کی اور وہ بددعا اللہ نے قبول کی۔ بجائے اس کے اگر آپ ان کے حق میں نیک دعا کرتے کہ یا اللہ انہیں ہدایت فرما تو ضرور جس طرح بددعا قبول ہوئی نیک دعا بطریق اُولیٰ قبول ہو جاتی اور وہ راہ راست پہ آ کر ایمان کے ساتھ مرتے۔ آپ کو اُن کا ثواب مل جاتا۔ مگر کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مخلوق خدا کو نقصان پہنچایا۔ اسی بنا پر اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی آپ کو کوئی انعام اللہ کی طرف سے عنایت نہیں ہوا کہ آپ میں قوّت ضبط نہیں تھی۔ فقیر ساری مخلوق کو بذریعہ کشف صاف صاف مبتلائے معصیّت دیکھتا ہے مگر پردہ پوشی کر کے دعائے خیر مانگتا ہے۔ صفت خدا بھی یہی ہے۔

؎ و لیکن خداوند بالاؤ پست بعصیاں در رزق بر کس نہ بست (سعدی شیرازیؒ)

(خدا سب کچھ کرنے پر قادر ہے مگر اس کے باوجود گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے کسی کا آب و دانہ بند نہیں فرماتا)

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے مزید ارشاد فرمایا اگر بذریعہ کشف اعمال کے لحاظ سے ساری دنیا پہ نگاہ ڈالی جائے تو آپ کو چند ایک گنتی کے آدمی انسان کی شکل میں ملیں گے۔ وگرنہ اکثر مخلوق ظاہری طور پر تو انسان دکھائی دیتی ہے مگر باطنی طور پر معلوم نہیں کہ کِن کِن نجس حیوانات کی شکل میں موجود ہے۔ اس لئے نعمتِ کشف صرف اس انسان کو حاصل ہوتی ہے جو قوّت جذب وضبط رکھتا ہو۔ آج کل کے مریدان خدمت بھی کرتے ہیں مگر انعامات ان کو نصیب نہیں ہوتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان میں اس چیز کو اہلیّت نہیں ہے۔ حالانکہ مرشد اسی طرح کریم ہوتا ہے جس طرح کہ اولیاءِ سلف کریم ورحیم ہوا کرتے تھے۔ بقول اقبالؒ:

؎ ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے؟ رہرِ و منزل ہی نہیں

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بنوں شریف میں قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا بعد از زیارت بیعت اور اجازت مرشد کے بارے میں بات چلی تو اپنی زبانِ حق ترجمان کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ جب تک ایک آدمی کو مخلوقِ خدا تسلیم نہ کرے، اس وقت تک اس کو مرید رکھنا اور فقر کی خاردار وادی میں قدم رکھنا ناجائز اور نہایت نقصان دہ بات ہے۔ خود ہمارے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں چودہ سال بعد خلافت عطا کی اور مزید تین سال بعد بیعت کی اجازت دے دی۔ کیونکہ مرشد نہایت کریم اور اپنے مرید کے سب احوال ظاہری و باطنی سے واقف ہوتا ہے وہ کنجوسی اور بُخل سے کام نہیں لیتا اس لیے کہ رحمت، ہدایت اور معرفت الٰہی انہی کیلئے ہوتی ہے۔ مگر ملتی صرف اُنہی کو ہے جو اس کے قابل ہوں اس کے علاوہ مرشد کی اجازت کے بغیر مرید کے لیے کوئی کام کرنا مثلاً دَم کرنا، تعویذ دینا، پڑھنا یا بیعت کرنا وغیرہ نقصان دہ ہے۔ کیونکہ بغیر اجازت کے اس کے کسی فعل میں کوئی اثر نہ ہوگا۔ جب اثر نہ ہوگا تو یہ فقر کے ساتھ مذاق، دھوکہ دہی ہوگی۔

مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ محمود کوٹ (ضلع مظفر گڑھ) میں ایک بچہ جو کہ ہمارا مرید تھا اتنا سمجھدار بھی نہیں تھا۔ ہمیں گھر کیلئے شہد کی ضرورت تھی وہ آیا اور اس نے عرض کی کہ بابا جی ایک جگہ مَیں نے شہد دیکھا ہوا ہے۔ مگر اس کی مکھیوں سے مَیں ڈرتا ہوں آپ اجازت فرمائیں تا کہ مکھیاں مجھے نہ ڈس سکیں۔ تو مَیں شہد نکال لاؤں گا۔ مَیں نے خاموشی اختیار

کی۔ دوبارہ اس نے اجازت کیلئے عرض کی میں خاموش رہا مگر تیسری بار اصرار کرنے پر مَیں نے صرف اسے یہ کہا کہ اجازت ہے۔ چند ساعت بعد وہ ایک دو بوتل شہد کی ہماری خدمت میں لایا اور بتایا کہ بابا جی ہم آرام سے اُسے نکالنے لگے۔ برتن بھر گئے مگر ایک مکھی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلی اور نہ ڈسنے کی کوشش کی۔ مطلب! یہ صرف اجازت کی برکت تھی۔ انشاءاللہ جب تک وہ زندہ ہے کوئی مکھی اسے نہیں لڑے گی۔

اس لئے مرشد کی طرف سے اجازت ایک بہت بڑی چیز ہے۔ اسی طرح اجازت کے بغیر بیعت کا سلسلہ بھی کوئی نہیں چلا سکتا۔ کیونکہ بہت جلد وہ دنیا کا محتاج بن کر دستِ سوال دراز کر کے فقر کو داغدار کرے گا۔ فقر اور طریقت کے لیے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کی غارِ حرا کی زندگی ایک قابل تقلید عملی نمونہ ہے۔ کیونکہ ایک نبی بھی عبادت و ریاضت میں محنت شاقہ کے بغیر اعلان نبوت نہیں کرتا نیز مخلوق خدا میں ''امین'' کہلانے کے بعد! اللہ کریم نے حکم دیا اب چونکہ مخلوق نے تمہیں صادق اور امین تسلیم کر لیا ہے اعلان نبوت کر دو۔ تب آپ ﷺ نے اعلانِ نبوّت فرمایا اور پھر ایسی ترقی ہوئی کہ چند سالوں میں عرب وعجم کی کایا پلٹ دی۔ سیرت النبی ﷺ ہی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اعلانِ نبوت وولایت اس وقت تک بے معنی ہے جب تک مخلوق خدا اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ کیونکہ ولایت، نبوت ہی کی ہو بہو نقل اور نقشہ ہے۔ ولی اللہ بھی مخلوق خدا کیلئے ایک قابل تقلید نمونہ ہے۔ اس بات کو مزید آپ نے ایک مثال دیکر سمجھایا کہ ایک پکا میوہ ہے اور ایک کچا۔ کچا میوہ اوّل تو کوئی کھائے گا ہی نہیں اور اگر کوئی بھول کر کھا بھی لے تو فوراً تھوک کر باہر نکال دے گا اور اس سے نفرت کرنے لگے گا۔ مگر پکا میوہ ہر کوئی کھاتا ہے اور خوب لذت محسوس کرتا ہے۔ کئی قسم کی جسمانی بیماریوں کا علاج بھی ہے جو بھی اسے کھائے فائدہ پائے۔ بعینہٖ ایک نامکمّل انسان کچے میوے کی طرح ہے اور صاحبِ فقر یا نفس مطمئنہ پر فائز انسان پکے میوہ کی طرح ہے، جس سے ہر شخص فائدہ حاصل کرنے کیلئے تیار ہوتا ہے۔ اس لئے ایک مرشد اپنے مرید کو ہرگز کوئی ذمہ داری اس وقت تک نہیں سونپے گا جب تک کہ وہ اس کے قابل اور متحمل نہ ہو۔ اس کے بعد آپ نے گفتگو ختم فرما کر دعائے خیر مانگی۔

آستانہ عالیہ بنوں شریف میں ایک رات آپ کے قدموں میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ علی الصّبح شرفِ دیدار سے نوازا۔ باتوں باتوں میں ارشاد فرمایا کہ کسی بات کے سمجھنے کیلئے سوال کرنا تو ٹھیک ہے مگر اعتراض کرنا فقر میں نقصان دہ ہے۔ اگر دوسرا جواب ٹھیک نہ دے سکے تو اس کی دل آزاری اور بے عزتی کی بات ہے جو کہ خلاف فقر ہے۔ اگر جواب دینے والا بالکل ٹھوس جواب دے کہ معترض کو اس سے راہ فرار نہ ہو تو اعتراض کرنے والے کی کم علمی اور بے عزتی کا امکان ہوتا ہے۔ یہ بھی خلافِ فقر ہے۔ کیونکہ فقر میں دوسرے کی دل آزاری کرنا سب سے بڑا گناہ اور خلافِ سنّت بھی ہے۔ دوسری یہ کہ اعتراض کرنا نفس کی طرف سے سرکشی اور گستاخی کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے ایک مرید کو چاہیے بقول حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کہ ''جلد آئے اور جلد جائے۔'' کی عادت پیدا کرے کیونکہ مرشد کی طرف سے فیض پہلی نظر سے مرید کو نصیب ہو جاتا ہے۔ بعد میں زیادہ ٹھہرنے سے کہیں شیطان لعین اور نفس اُسے کسی سوال و

اعتراض یا مرشد کے خلاف کسی بات پر شک میں نہ مبتلا کردے۔ کیونکہ نفس ہر وقت مرید کو دھوکہ اور اس کو گستاخی پر اُکسانے میں لگا ہوا ہے۔ اگر ذراسی ایسی بات ہوئی تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہوگا۔ جس طرح کہ ایک گلاس بھرا ہوا ہے ذراسی ٹھوکر سے اگر الٹ جائے تو سارا پانی ضائع ہو جائے گا۔ اس طرح مرشد کی ذراسی طبیعت میں گرانی سے مرید کا حاصل کیا ہوا سارا فیض ضائع ہو جاتا ہے۔ اس لیے حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ جلدی آؤ اور جلدی جاؤ۔

شکر الحمدللہ! ہم سے جس نے بھی کوئی سوال کیا تو ایسا جواب دیا کہ وہ دل سے اس کے ماننے پر تیار ہوا۔ ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دن میرے پاس ایک آدمی آیا اس نے کہا کہ شاہ صاحب! آپ سُنی لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر ناراض ہو جائے تو وہ راضی ہو سکتا ہے۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب ناراض ہوں تو راضی نہیں ہو سکتے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خدا کی شان سے بڑھا دی۔ اس لئے آپ لوگوں کے عقائد غلط ہیں۔

اس کے جواب میں ہم نے کہا کہ صاحب! خدا کی بہت بڑی شان ہے اور ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خدا کی شان سے کم ہے۔ زیادہ شان والا اگر ناراض ہو جائے تو کم شان والا جا کر سفارش کر کے اسے راضی کر سکتا ہے۔ مگر کم شان والا جب ناراض ہو جائے تو زیادہ شان والا اس کے پاس نہ سفارش کے لئے آسکتا ہے اور نہ وہ راضی ہوگا بالفاظ دیگر خُدا اگر ناراض ہو تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ سفارش وشفاعت انہیں منا سکتے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ناراض ہوں تو خدا کی یہ شان نہیں کہ وہ جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منت کرے یا بطور سفارش پیش ہو جائے۔ کیونکہ خدا تو بے نیاز اور کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس لئے یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا خدا راضی ہو سکتا ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راضی ہونا مشکل۔ خداوند کریم تو اعلان فرماتے ہیں کہ مَیں تو صرف اسی پر راضی ہوتا ہوں جس سے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں اور جس پر میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہو اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔ المختصر ''سنی'' بالکل ٹھیک کہتا ہے اور اس کا عقیدہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ اس پر وہ آدمی خوب سمجھ کر اور دست بوس ہو کر واپس چلا گیا اور ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔

10:۔ آداب وفرائض خلیفہ

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے کہ بندۂ ناقص کو شرف قدم بوسی حاصل ہوا۔ محفل سجی ہوئی تھی۔ عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ عاشقانِ آلِ مصطفیٰ نم دیدہ محو دیدار تھے۔ آپ کے چہرۂ اطہر پر جمال محمدی ﷺ کی عکاسی ہو رہی تھی۔ اہل مجلس ہی سے کوئی پوچھتا؟ کہ سیّد کے حُسن ملاحت کی کوئی انتہا ہے؟ اسی عالمِ کیف میں آپ نے حاضرین کو مستفیض کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہمارے پشتو کے قلندر شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو مسکراتے ہوئے پھولوں کی طرح بناؤ۔ پھول خود بھی خوش وخرم اور مسکرا رہا ہوتا ہے اور اس کے دیکھنے والے بھی اپنے سارے غم بھول کر خوشی سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک کا خندہ پیشانی کے ساتھ خیر مقدم کرنا سنت رسول ﷺ اور شعار اولیاء ہے۔ ہر ملنے والے کو اتنا خلوص دے کہ وہ قلبی سکون حاصل کر لے۔ یہی مقامِ مومن ہے جن کی محفل میں خدا یاد آئے اور باقی سب کچھ بھول جائے۔ اس کے برعکس اپنے آپ کو کانٹوں کی طرح مت بناؤ، جو اپنے لئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی باعث زحمت اور باعث تکلیف ہو پھر دنیادار اور فقیر کی صحبت میں کیا فرق رہا؟ اخلاق حسنہ اپنانے اور اخلاق نبوی ﷺ کے مظاہرے سے یہ دولتِ سکون ہاتھ آجاتی ہے۔ آہستہ آہستہ ایسی ہی زندگی سے خوف اور غم کے کانٹے نکل جاتے ہیں۔ بلاخوف اور بلاغم زندگی حاصل ہو جاتی ہے اور پھر دوسروں کو بھی تمہاری صحبت سے ایسی زندگی مل سکتی ہے اور ان کے دل میں تمہاری صحبت کا شوق بھی پیدا ہو جاتا ہے جتنا گناہوں سے دُور ہو جائیں گے اتنا ہی مخلوق تمہارے قریب آنے کی کوشش کرے گی اور مانوس ہو جائے گی۔ گناہ میں ایک تو اپنی جان کا نقصان، بدنامی اور دوسرے جہاں کا نقصان بھی ہے کہ لوگ تمہاری صحبت سے متنفّر ہو کر تمہارے فائدے اور رشد وہدایت سے محروم رہ جائیں گے اور دور دور رہنے کی کوشش کریں گے۔ اسی وجہ سے آج کل بُری سوسائیٹیاں عروج پر ہیں کیونکہ اچھے لوگ اور اچھی سوسائیٹیاں نہیں رہیں۔ دعا ہے کہ خداوند کریم سب دوستوں کو پھول بنا کر مخلوقِ خدا کیلئے باعث رحمت ومسرت بنا دے۔ اور بلاخوف وبلاغم زندگی عطا فرماوے۔ آمین۔

ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد از نماز ظہر بندہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ فقیر بادشاہ کی طرح ہوتا ہے۔ بادشاہ سمجھدار اور تجربہ کار ہوتا ہے۔ ہر کام اپنی رائے اور صوابدید کے مطابق کرتا ہے اور نظامِ مُلک چلاتا ہے۔ اگر وہ ایک ناسمجھ وزیر کی بات کو ترجیح دیکر اس پر عمل کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی حیثیت نہ پہچان سکا۔ آخر ایک دن وہ اپنے مقام بادشاہی سے زوال میں آجائے گا اور اپنی حیثّیت کھو بیٹھے گا۔ اسے چاہیے کہ خود آگے آگے رہے وزراء کو اپنی تابعداری میں رکھے۔ صحیح مشورہ ہو تو بے شک سن لے وگرنہ ضروری نہیں کہ ان کی ہر بات مان کر اس پر عمل کرے۔ جب ایک وزیر اس قابل ہو کہ حکومت چلا سکے تو بادشاہ اسے کسی علاقے کا والی اور بادشاہ بنا کر روانہ کرتا ہے۔ جہاں وہ بادشاہ بن کر اپنی رائے سے حکومت چلاتا ہے نہ کہ وہاں کے نئے وزراء کی رائے کے مطابق کیونکہ وہ بادشاہ سے اپنا رابطہ متواتر

رکھے ہوئے ہوتا ہے جو ہر مشکل میں اسے کُمک اور مشورہ و ہدایات دیتا ہے۔ اس طرح ایک مرید جب اپنے مرشد کی تابعداری اور خدمت میں ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ کوئی بھی قدم اور سانس مرشد کے حکم کے بغیر نہ لے۔ ہر کام میں فرمانِ مرشد کو مقدّم رکھے۔ صرف ان کی اجازت اور اشارے پر عمل کرے۔ یعنی مرید بمنزلہ ایک وزیر کے ہوتا ہے جب مرید شریعت وطریقت کی تربیت مکمّل کرتا ہے تو اُسے خلافت اور بیعت کے اختیارات دیکر کسی علاقے کی طرف روانہ کیا جاتا ہے۔ وہ کامیابی اور خوش اسلوبی سے کام کرتا رہے اپنی رائے پر چلتے ہوئے دوسروں کی تہذیب نفس شروع کردے مرشد کی دعا اور توجہ اس کے ساتھ ہے۔ مولانا رومیؒ حقیقتِ تربیت کو یوں واضح فرماتے ہیں کہ:

؎ علم چوں آموخت سگ! رَست از ضِلال　　　　می کُند در بیشہ ہا صیدِ حلال

(جب کُتے نے علم و ہنر سیکھ لیا تو حرام سے محفوظ ہو کر جنگلوں میں حلال شکار کرنے لگا۔)

اگر وہاں کے حالات وافراد سے ڈر کر یا متاثر ہو کر ان کی رائے پر چلنے لگے تو وہ فوراً اپنی بادشاہی کے مقام سے گر کر زوال میں آجاتا ہے۔ اس لئے ایک خلیفہ کو چاہیے کہ جب وہ مرشد کی طرف سے بادشاہی کے مقام پر پہنچ جائے تو وہ اپنی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے اپنی اہلیّت وقابلیّت سے کام لے کر مخلوقِ خدا کو خدا کی طرف بلائے۔ احتیاط واخلاص اور جذبے سے کام لیتے ہوئے مرشد سے بھی رابطہ مضبوط رکھے۔ ہر مشکل وقت میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ لیا کرے۔ یہی اس کی کامیابی و کامرانی کا باعث ہے۔ اس ضمن میں آپ مدظلہُ العالی نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جب خدا کسی پر راضی ہو جائے اور وہ کسی بلند مقام پر پہنچ جائے تو دوسروں کے علاوہ اس کے اپنے بھی اس سے حسد اور ضد کرنے لگتے ہیں اور اسے اپنے مقام سے گرا کر اس کے زوال کے درپے ہوجاتے ہیں۔

؎ آ رہی ہے چاہِ یوسف سے صدا　　　　دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت　　(حالیؔ)

مگر اسے چاہیے کہ وہ یوسف علیہ السلام کی طرح جوانمردی اور اطمینان سے خدا کی امداد کے ساتھ اپنا کام چلائے۔ مگر اس معاملے میں نہایت محتاط رہنا اور ہر قدم پر احکامِ الٰہی اور سنتِ رسول ﷺ کی پابندی کرنا لازمی چیز ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے مریدوں کی موجودگی میں خلفاء اور ان کے علاقوں کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ اپنی زبانِ حق آگاہ سے ارشاد فرمایا کہ میرے مرشد کریم حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً ایک ہزار خلفاء تھے اور سب مردِ مومن تھے۔ کوئی خلیفہ دوسرے کے علاقے میں بغیر اس کی اجازت کے نہیں جایا کرتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک انسان کا اپنا ایک علیحدہ سمجھانے اور تبلیغ کرنے کا طریق کار ہوتا ہے۔ اس لئے مرشد اپنے ہر خلیفہ کو جس علاقے کیلئے منتخب فرماتے تھے۔ اس علاقے کے مزاج کے مطابق اس میں عقلِ روحانی بھی عطا فرما کر باطنی طور پر رہنمائی فرماتے۔ جس طرح ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے مختلف ہے۔ اسی طرح مخلوقِ خدا کے مزاج بھی ان علاقوں کی

طرح مختلف الحال ہوتے ہیں اور اولیاء کرام کی یہ خصوصیّت ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کی طبیعت اور مزاج کے مطابق دین حق کی طرف متوجّہ کرتے ہیں۔ مزید ارشاد فرمایا کہ خواجہ صوفی عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کے بھی تقریباً سات سو (۷۰۰) خلفاء تھے۔ خداوند کریم ہمیں بھی میدان معرفت میں ان باہمت لوگوں کی طرح اپنے خاص انعامات سے نوازے۔ آمین۔

11:۔ فضیلتِ ذکر واہلِ ذکر

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں جلوہ افروز تھے۔ ہر قسم کے لوگ محفل میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ مدظلہٗ العالی نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر دورِ فاروقی کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پچاس ہزار مشرکین کے مقابلے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کی سرکردگی میں صرف پچاس مسلمان روانہ کرنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا یہی کافی ہیں یا کچھ اور بھی ہوں؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ذوقِ شہادت سے سرشار ہو کر جواب دیا کہ اے امیر المومنین صرف آپ کے فیصلے کی لاج رکھ کر خاموش رہا وگرنہ پچاس ہزار مشرکین کو صرف ایک خالد کافی تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پُر جوش جواب پر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دادِ شجاعت دیتے ہوئے گلے سے لگایا۔

اس تاریخی واقعہ کے پیش کرنے کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ اُن کے ایمان قوی اور ہمارے ایمان ضعیف ہیں۔ اس کا علاج بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتا دیا کہ "تُجَدِّدُ الْاِیْمَانَ بِقَوْلِ! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه "یعنی ذکر کلمہ طیّبہ سے اپنے ایمانوں کی تجدید کرو۔ اس لئے ہر دور میں فقراء نے "افضل الذّکر" یعنی کلمہ طیّبہ کو اپنی تعلیمات کی بنیاد قرار دیتے ہوئے اپنے ایمانوں کو نفی و اثبات کے آبِ زُلال (شفاف پانی) سے سیراب فرمایا اور اسی کو "تریاق" بنا کر مخلوقِ خدا کا علاج کیا۔ خوابِ غفلت سے بیدار کر کے انہیں اصل منزل کی طرف روانہ کیا۔ اس لئے اس آخر دور میں ہمارے پاس صرف یہی ایک چیز ہے کہ جس کے ذریعے سے ہم اپنے ایمانوں کو محفوظ و مامون مضبوط اور تر و تازہ کر سکتے ہیں۔ چاہے ہم جہاں بھی ہوں خدا کا ذکر ضرور کر لیں۔ مخلوق کو بھی ساتھ ملائیں۔ اس کی بے انتہا فضیلت ہے۔ خدا سب دوستوں کو اپنا ذکر و فکر نصیب فرما کر اپنی آغوشِ رحمت میں قبول و مقبول فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بارتھی میں تشریف فرما تھے۔ بعد از ذکر پاک، مریدوں کے ایک بڑے مجمع سے ذکرِ خدا کی افادیّت کے بارے مخاطب ہو کر یوں جواہر معرفت لُٹائے۔ فرمایا کہ جس وقت کوئی انسان دل لگا کر ذکر الٰہی کرتا ہے تو ذکر کرتے کرتے ایک دن ایسا آئے گا کہ موتی کی طرح ایک سرخ رنگ کا نور یا روشنی (جو کہ حقیقتِ ذکر ہوتا ہے) دل میں داخل ہو گی۔ لگاتار ذکر کرنے سے پھر ایک دن نیلے رنگ کی روشنی دل میں داخل ہو جائے گی۔ پھر ذکر کرنے پر ایک دن سفید رنگ کا نُورِ دِل میں داخل ہو کر کعبہ دل کی مکمّل صفائی کرے گا۔ تب مومن کا دل خدا کے نُورِ تجلّی کا مسکن بننے کے قابل ہو جائے گا اور آخر کار خدا کا نُورِ تجلّی جب مکمّل طور پر دل میں جاگزیں ہو گیا تو اس وقت مومن کا دل کعبہ کی مثل بن جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عام انسان کعبہ بیت اللّٰہ یا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دعا کرتا ہے۔ جبکہ درویش کامل اپنے کعبہ دل کی طرف توجّہ کر کے اسی نُورِ تجلّی کو سامنے رکھ کر دعا کرتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے۔

؎ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار　　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ بعد از نماز ظہر ایک دوست نے ذکر الٰہی کے ساتھ آپ کو ایک ہار پہنایا۔ مریدان کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ ارشاد فرمایا کہ ایک دن اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بہشت کی سیر کیا کرو'' اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہشت کی سیر ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ذکر الٰہی کیا کرو کہ ذکر کرتے وقت بہشت کی سیر ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے ہمیشہ ذکر کیا کریں۔ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگر خدا کو خوش کرنا ہو تو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو اور اگر مجھے خوش کرنا ہو تو کثرت سے خدا کا ذکر کیا کرو اور ہم فقیروں کا مسلک زیادہ تر خوشنودیٔ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ مزید فرمایا کہ محفلِ ذکر میں اپنے اور اپنے مریدوں پر انوار و تجلّیات کی بارش کا آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہوں کہ ہم پر کس کس قسم کی تجلّیاتِ الٰہی کا نزول ہو رہا ہے اور یہ سب اس محفلِ ذکر کا صدقہ ہے۔ ہم سب کیلئے یہ مقام شکر ہے کہ خداوند کریم ہمارا یہ شوق اور جذبہ تا دمِ حیات بحال رکھے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اس ذکر کے طفیل ہمارا دل ہر وقت خواہ ہم جاگ رہے ہوں یا سو رہے ہوں ذکر خدا میں مصروف ہے اور یہ مقام مطمئنہ ہے۔ آپ مدظلہٗ العالی نے اپنے قلب اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سب دوستوں کو دکھایا کہ دیکھو کیسے جاری ہے اور یہ کبھی ذکر میں اس قدر تیز ہو جاتا ہے کہ یہاں سے نکل جانا چاہتا ہے۔ (ہم سب دوستوں نے دیکھا کہ آپ کا قلب مبارک اوپر نیچے ذکر ''اللہ ہو'' میں اس قدر تیزی سے مصروف تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ آپ مدظلہٗ العالی کا سینہ مبارک اس وقت ذکر الٰہی کی وجہ سے جھٹکے کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہا تھا جبکہ آپ مدظلہٗ العالی خاموش اور ساکت کھڑے ہوئے تھے۔ صرف قلب چل رہا تھا اور یہ مشاہدہ موجود تمام مریدوں نے اپنی آنکھوں سے کیا۔ خدا سب دوستوں کو یہ مقامِ ذکر نصیب فرمائے۔) اس کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے دعائے خیر کی اور محفل برخاست ہوئی۔

بستی آدم نزد محمود کوٹ اسٹیشن (ضلع مظفر گڑھ) میں ذکر و فکر اور ختم خواجگان کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ظاہری طور پر ذکر کرنے سے خدائے کریم کا صفاتی دیدار نصیب ہوتا ہے۔ لیکن اگر ذکر الٰہی کے وقت دل کو غیر خیالات سے مکمّل خالی کیا جائے تو کسی نہ کسی دن خدا کا ذاتی دیدار بھی نصیب ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ ذکر الٰہی ہی کے وقت امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خدائے کریم کا چودہ مرتبہ ذاتی دیدار نصیب ہوا۔ آخر میں آپ مدظلہٗ العالی نے بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پشتو کا شعر پڑھ کر مطلب بیان فرمایا کہ ''اگر آپ درویشوں کے سرسبز و شاداب اور سدا بہار باغیچے کو دیکھیں تو آپ کو بہشت کے باغیچے بھی بھول جائیں گے۔ کیونکہ درویش اسم ذات الٰہی کا ذاکر ہونے کے طفیل خدا کے ذاتی باغ و بہار اور باغیچوں کا مالک ہوتا ہے۔ جبکہ بہشت کے باغیچے اور حور و قصور اسماء الٰہی کے مظاہر اور صفات ہیں۔''

ایک مرتبہ رموزِ معرفت بیان کرتے ہوئے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک صرف وہی لوگ زندوں میں شمار ہیں جو کہ ذکرِ خدا میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

سے پانچ فقیر کہیں دور سے ملنے آئے۔ جب ان کے شہر میں آ داخل ہوئے تو شہر کے دروازے پر ایک بلی دوسری بلی سے کہہ رہی تھی۔تم نے سنا کہ آج سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوگئے ہیں۔ یہ سن کر وہ پانچوں فقیر بہت پریشان ہوگئے کہ ہم اتنے دور سے سفر کر کے آئے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے ہیں۔ فاتحہ پڑھنے کی غرض سے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر گئے۔ دروازے پر دستک دی تو دیکھا کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ تو خود باہر تشریف لائے ہیں۔ یہ حال دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئے کہ جانور بھی شاید جھوٹ بولنے لگے ہیں۔ جب فقیروں نے وہ بات سنا دی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے اور کہا کہ وہ جانور بالکل سچ کہہ رہے تھے کیونکہ آج مجھ سے ذکر الٰہی (تہجّد) نہیں ہوا۔جس کی وجہ سے خدائے حیّی وقیّوم کے دربار میں زندوں میں نہ رہا۔ بلکہ مُردہ شمار ہوگیا۔اس واقعہ کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ خدا ہر مسلمان کو ذکر نصیب کر کے زندوں میں شمار فرمائے۔ کیونکہ اس جہاں میں صرف یہی حقیقت ہے اور باقی ہر شے فنا ہے۔اللہ کریم رحم فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر آدمی کے کپڑوں پر مٹی لگ جائے تو وہ فوراً اُسے اتار دیتا ہے۔مگر قبر میں جب ہر طرف مٹی ہوگی تو اس وقت انسان اگر مٹی سے بچنا چاہے تو ہر وقت ذکر "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" کا ورد کیا کرے۔یعنی قبر کی صفائی دل کی صفائی پر منحصر ہے۔خداوند کریم عقل سلیم نصیب فرمائے۔

ایک موقع پر آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ معرفت دیتے ہوئے مریدین سے ارشاد فرمایا کہ ایک دن مَیں ذکر جہر کرتے ہوئے گھر کی طرف آ رہا تھا تو راستے میں ایک فوجی گشت کر رہا تھا جس نے کاندھے پر رائفل اٹھائی ہوئی تھی۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔مَیں نے سوچا کہ اس کی توجّہ سے میرے ذکر میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ مَیں نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔مَیں نے دیکھا کہ وہ فوجی بھی دوسرے راستے سے میرے ساتھ ساتھ آ رہا ہے۔تھوڑی دُور چلنے کے بعد وہ میرے سامنے آ گیا اور بولا حضور! آپ کا ذکر کرنا مجھے بہت پسند ہے۔دل چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ مَیں بھی ذکر کرتا رہوں۔مَیں نے کہا کہ آپ سرکاری ملازم ہیں۔اپنی ڈیوٹی دیں۔ یہ کام آپ نہ کرسکیں گے مگر وہ بولا کہ مَیں آپ سے سکون کے ساتھ کہیں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔مَیں نے اسے بتایا کہ وہ سامنے ہماری بستی ہے۔جب بھی جی چاہے آ جائیں۔ چنانچہ اتوار کو وہ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ میرے پاس آ گیا، جس کا نام گل نبی تھا کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ چلے گئے۔اس فوجی پر ذکر کا اتنا اثر ہوا کہ واپس جاتے ہی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور ذکر وفکر میں مشغول ہوگیا۔کافی عرصے کے بعد انہوں نے ایک مرید کو ہمارے پاس بھیجا کہ حضرت خواجہ گل نبی آپ سے مریدوں سمیت ملاقات کی اجازت چاہتے ہیں چنانچہ مَیں نے اجازت دے دی۔ جب وہ اپنے مریدوں کے ہمراہ ہمارے پاس تشریف لائے تو مَیں اُن کی شان دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خدا نے اپنے ذکر کے طفیل اسے کتنی بڑی شان عطا کی۔وہ بھی وقت تھا کہ وہ ایک عام تنخواہ پانے والا سپاہی تھا۔اب یہ وقت کہ وہ اپنا سلسلۂ طریقت چلا رہا ہے۔خاطر تواضع کرنے کے بعد ہم نے ان کے لئے دعائے خیر کی اور اسے بڑے احترام سے واپس روانہ کیا۔

12: طریقت کیا ہے اور صاحب طریقت کیسا ہونا چاہیے؟

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ محفل میں جدید تعلیم یافتہ اہلِ علم حضرات موجود تھے۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد ختم خواجگان اور ذکرِ پاک کے اختتام پر ان میں سے ایک دوست نے شریعت وطریقت کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا مطلب ہے۔ اس پر آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ شریعت کا مطلب اپنی ظاہری شکل و صورت اور قول وفعل کو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ڈھالنے کا نام ہے۔ جب ایک شخص مکمّل طور پر شریعت محمدی کا عامل بن گیا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مکمّل طور پر اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد شریعت پر عمل پیرا ہونے کے ثمرات ملنے اور اس کے اثرات ظاہر ہونے لگتے ہیں جن کا تعلّق باطن سے ہے، جسے اصطلاح تصوف میں طریقت کہتے ہیں۔ یعنی طریقت کا مطلب دیدار الٰہی کی طرف قدم بڑھانا۔ پھر اس کے لیے ایک رہبرِ کامل کی ضرورت ہے کہ وہ اس راستے کی رہنمائی کرے اور سالک کو منزل مقصود تک پہنچائے جسے تصوّف میں مرشد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں مرشد ایک رہنما کی مانند ہے جو اللہ کے راستے کا واقف ہوتا ہے۔ مرشد اپنی توجّہ اور دعا کے ذریعے بارگاہ الٰہی میں پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ مرشد بننا بھی ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ خدا کا خاص عطیہ اور رحمت ہے۔ جس کو وہ عطا کرنا چاہے۔

مزید تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح ایک آدمی استاد کے بغیر ایم اے، بی اے نہیں کر سکتا۔ اسی طرح خدا کی معرفت، جو اس سے کہیں زیادہ مشکل کام اور باطنی علم ہے استاد اور رہنما کے بغیر ہرگز حاصل نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ جب ایک انسان مرشد کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کی ظاہری و باطنی شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے تو مرشد اسے حقیقت ومعرفت کی منازل طے کراتا ہے۔ جو اس کی اہلیت اور استعداد پر منحصر ہے کہ وہ اس میدان میں کتنا آگے بڑھتا ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مسائلِ طریقت بیان کرتے ہوئے مریدین کو سمجھایا کہ ایک نبی کا قول دراصل خدا کا قول ہوتا ہے۔ جب تک خدا اسے حکم نہ دے نہیں بولتا۔ اور نہ ہی اپنی مرضی سے کوئی بات کرتا ہے۔ اس طرح ایک ولی کا قول دراصل نبی کا قول ہوتا ہے۔ جب تک شارع علیہ السلام کی مرضی نہ ہو وہ بات نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے سامنے ہر وقت آئینہ شریعت ہوتا ہے۔ لہٰذا ولی اللہ کی بات شک وشبہ سے بالاتر قابلِ عمل ہوتی ہے۔ اس لئے ایک مرید کو اپنے مرشد کی بات پر سچے دل سے ضرور عمل کرنا چاہیے۔ خداوند کریم عقیدۂ کامل نصیب فرمائے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ انبیاء و اولیاء یک جان و تن ذاتِ شاں باشد خدا بشنو زمن

ایک مرتبہ دورۂ ملتان کیلئے جارہے تھے۔ راستے میں ارشاد فرمایا کہ اب ہمت کا وقت ہے۔ جاگنے کا وقت ہے۔ کام کرنے کا وقت ہے جتنا بھی اللہ کے راستے میں اور مخلوقِ خدا کی بھلائی کی خاطر قدم بڑھاؤ گے۔ انشاء اللہ اتنی کامیابی ہوگی۔ اللہ کی رحمت اور ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے حضرت جناب صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے

تھے کہ جہاں بھی ہمارے خلفاء اور مخلص مرید جائیں مخلوق ان کے پیچھے ہو گی کیونکہ ہماری ہر بات اور فعل حقیقت ہے۔ اور للّٰہ فی اللہ ہے۔ فقیر کو حالات کے نشیب و فراز سے بالکل نہیں گھبرانا چاہیے۔ فقیر درخت کی مانند ہے۔ اس پر کبھی خزاں ہے اور کبھی بہار۔ مگر وہ ہر حالت میں اپنی جگہ پہ قائم ہے۔ فقیر کو بھی اس طرح سینہ سپر ہونا چاہیے۔ وہ استقامت کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ انشاء اللہ ایک دن ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ اور رحمت خداوندی کا مستحق بن کر رہے گا۔

نومبر **1989**ء میں دورۂ بارکھاں سے واپسی پر سفر میں ایک بات پر کہ یہاں ایک فقیر ہے وہ لوگوں کو بد دعا دیتا ہے۔ آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ فقیر خدا کے اوصاف سے متّصف ہوا کرتا ہے۔ جس طرح کہ خدا اپنے بندوں کا ہر ناشائستہ فعل دیکھ کر پردہ پوشی کرتے ہوئے صبر سے کام لیتا ہے اور ایک مقررہ دن پر سب اعمال کی جزاء وسزا کو چھوڑ دیتا ہے اس طرح فقیر بھی بذریعہ کشف سب لوگوں کے افعال و حرکات ناشائستہ کو دیکھتا ہے۔ چونکہ ستّاری خدا کی ایک صفت ہے۔ اس لئے فقیر بھی صبر کرتے ہوئے پردہ پوشی سے کام لیتا ہے۔ لیکن جو صبر نہیں کرتا خدا بھی اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ کیونکہ خدا آواز بلند اعلان فرما رہا ہے کہ مَیں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں۔ جو صبر نہیں کرتا وہ شیطان کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس لئے ہر اہل ایمان کے لیے صبر سے کام لینا ایک لازمی چیز ہے۔ فقیر تو معراجِ مسلمانی کا نام ہے۔ جو ایک بہت بلند مقام ہے۔ بقول باہُوؒ:

ع جس منزل نوں عشق پہنچاوے ایمان نوں خبر نہ کائی ہو

فقیر مقامِ عشق پر فائز ہوتا ہے اس کیلئے تو بے صبری اور بد دعا سے کام لینا زہر قاتل ہے۔ سراپا زوالِ ایمان ہے۔ فقیر مخلوقِ خدا کا خیر خواہ ہوتا ہے اور جو مخلوق کا خیر خواہ نہیں تو پھر وہ فقیر بھی نہیں۔ اگر وہ فقیر ہی نہیں تو بد دعا کرنا اس کے فراڈی ہونے کی دلیل ہے تا کہ مخلوق اس سے ڈر کر خدمت کرتی رہے۔ اگر مخلوق کی انتہائی تکلیف دینے پر بھی بد دعا کرنا جائز ہوتا تو رسولِ خدا ﷺ طائف والوں کیلئے ان کی انتہائی تکلیف دینے پر ضرور بد دعا فرماتے۔ مگر آپ ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام کو کہا کہ مَیں مخلوق کی طرف رحمت بنا کر بھیجا گیا نہ کہ زحمت۔ ان کو خبر نہیں ہے۔ شاید کسی وقت راہ راست پر آجائیں۔ اس لئے جب فقیر سنت ہی کی پیروی نہ کرے تو ''فقر'' کہاں سے اس کے پاس آئے۔ بقول سعدی شیرازیؒ:

ے دلقت بچہ کار آید تسبیح و مرقّع خود راز عملہائے نکوہیدہ بری دار

(فقیر کے معنی ہر برے فعل سے بچنے کے ہیں اگر ایسا نہیں تو گدڑی اور تسبیح و مصلّٰی کی ملمّع سازی کس کام کی)

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے۔ تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ کسی پر لعنت کرنے سے یا کسی کو برا بھلا کہنے یا گالی دینے سے ثواب تو نہیں ملتا۔ اگر اس کی بجائے مَیں درود شریف پڑھوں اور اللہ اللہ کروں یا اچھی بات کروں تو مجھے ثواب تو ضرور ملے گا۔ پھر کیوں نہ ایسا کام کروں کہ جس میں فائدہ ہے۔ اس لئے صوفیاء اور فقراء (اہلسنت ہونے کے ناطے سے) فقہ حنفی پر عمل کرنا اس دور میں صراطِ مستقیم سمجھتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو فقہ ہے وہ عین سنت نبوی ﷺ ہے۔ اس لئے نہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کسی کو برا بھلا کہتے تھے اور نہ ہم اس کام کیلئے تیار ہیں۔ خدا کی ذات "عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٍ" ہے وہ ہر کام کرنے پر قادر ہے۔ چاہے تو مخلوق کے برے افعال پر وہ ایک لمحہ میں سب کو نیست و نابود کر دے مگر خداوند تعالیٰ جب ان کے ناجائز کاموں کو درگزر کئے ہوئے ہے تو فقیر کی کیا مجال کہ مواخذہ کرے۔ ہاں فقیر کے تکلیف دینے پر خدا کو غیرت آتی ہے اور وہ اپنے دوست کا بدلہ ضرور لیتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے بمطابق حدیث مبارک واضح اعلان کر دیا کہ جو میرے دوست کو ایذا پہنچائے اور اس کی مخالفت کرے تو وہ میرے ساتھ جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ تو پھر فقیر کو اس کے ذاتی کام میں مداخلت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ لہٰذا فقیر خود بدلہ نہیں لیتا۔ مگر جس کے ساتھ اس کی دوستی ہے۔ اگر وہ چاہے تو خوب بدلہ لے لیتا ہے۔ فقیر اپنی حفاظت خود نہیں کرتا مگر اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ فقیر خود بات نہیں کرتا مگر اس سے بات کرائی جاتی ہے۔ فقیر خود کام نہیں کرتا مگر اُس سے کام کرایا جاتا ہے۔ مخلوق، فقیر کا ادب نہیں کرتی مگر مخلوق سے ادب کرایا جاتا ہے۔ یہ ہے فقیر کا مقام! مگر جو حقیقت کا فقیر نہیں ہے۔ اس کا ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اصل فقیر صاحبِ ذکر اور صاحبِ خدا ہوتا ہے۔ نہ کہ صاحب نفس۔ بقول شیخ عطارؒ:

؎ تو صاحب نفسی اے غافل میان خاک وخوں می خور — کہ صاحب دل اگر زہرے خورد او انگبیں باشد

(اے صاحب نفس اور غافل انسان! تیری دنیا تو صرف مٹی سے اُگی ہوئی چیز کے کھانے اور گردش خون سے بحال ہے۔ تجھے صاحبِ دل (بزرگ) لوگوں کی کیا خبر! وہ اگر زہر بھی پی لیں ان کیلئے شہد ثابت ہوتا ہے۔)

اس لئے بددعا کرنا اور بے صبری سے کام لینا مخلوق کو برا بھلا کہنا فراڈ کی علامت ہے۔ جب کہ نفسانی باتوں کو پیٹھ پیچھے ڈال کر رضائے الٰہی کو مدنظر رکھنا فقر و ولایت کی علامت ہے۔ اس لئے مولانا رومیؒ نے سمجھایا کہ:

؎ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

(بلا سوچے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ انسان کی شکل میں شیطان بھی پھرتا ہے۔)

ستمبر 1989ء میں بمقام بہل (ضلع بھکر) بعد نماز عصر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات جمیع کمالات و اوصاف حمیدہ کا مجموعہ تھی۔ آپؐ کے ظاہری حسن کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص بھی آپؐ کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ پھر فرمایا کہ ہر چاہنے والے کو خواب میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہو سکتی ہے۔ کسی کو سادہ حالت میں کسی کو انوار و تجلّیات کی بارش میں اور کسی کو اس قدر تیز جلوؤں میں کہ مشرف دیدار ہوتے ہی مدہوشی چھا جاتی ہے۔ (شیشہ جس قدر صاف! عکاسی اسی قدر زیادہ) اور صاحب دیدار کا سارا جسم انوار میں غرق ہو جاتا ہے۔ باطن جس قدر صاف و شفاف ہو تجلّیات اُسی قدر تیز اور نمایاں ہوتی ہیں۔ بقول رومیؒ:

؎ گفت من آئینہ اَم مصقولِ دوست — تُرک و ہندو درمن آں بیند کہ اُوست

(میں خدا کے ہاتھ کا بنا ہوا شیشہ ہوں۔ ہر گورا اور کالا مجھ میں اپنی ہی شکل دیکھتا ہے۔)

اس بات کی مناسبت سے آپ مدظلہُ العالی نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ مَیں پشاور بذریعہ بس ایک دورے پر جارہا تھا کہ راستے میں پانی پلانے کے لئے تھوڑی دیر بس رُکی جونہی میں نیچے اترا۔ایک ملنگ سا آدمی مجھ سے چمٹ گیا۔کہنے لگا کہ حضور!مَیں نے ایک خواب دیکھا ہے مہربانی فرما کر اس کی تعبیر بتائیں۔ہمیں چونکہ جلدی تھی مَیں نے کہا مختصر بتاؤ۔ اس نے بتایا کہ مَیں نے سرکار دوجہاں ﷺ کو خواب میں ایسی حالت میں دیکھا جبکہ آپ ﷺ کے کپڑے میلے اور ایک آنکھ سے بھی آپ ﷺ نابینا تھے۔مَیں نے اسے بتایا کہ سرکار دوجہاں ﷺ کا جسم اطہر شیشے کی مانند ہے۔ہر کسی کو اپنے اعمال باطنی کا ہی عکس اس میں نظر آتا ہے۔جس کے اعمال جس قدر خوبصورت ہوں اس قدر آپ ﷺ کو خوبصورتی میں دیکھے گا۔چنانچہ آپ ﷺ کے نہ کپڑے مبارک میلے تھے اور نہ آپ ﷺ آنکھ مبارک سے معذور تھے۔بلکہ آپ کے اپنے اعمال درست نہیں ہیں۔لہٰذا اپنے آپ کو اعمالِ قبیحہ سے پاک وصاف کرو۔تب حسن وجمال نبوی ﷺ کا مشاہدہ کرو۔

ہمارے ایک دوست کو ایک مرتبہ رسول پاک ﷺ کا خواب میں ایسی حالت میں دیدار ہوا کہ گویا آپ ﷺ انتقال شُدہ حالت میں ایک تخت پوش پر رکھے ہوئے ہیں اور لوگ آپ کا آخری دیدار کر رہے ہیں۔اس نے بھی جا کر آپ ﷺ کا آخری دیدار کیا۔چنانچہ انہوں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ سرکار مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ نعوذ باللہ سرکار دوجہاں ﷺ مردہ حالت میں نہیں تھے بلکہ آپ کے اپنے اعمال مُردہ اور بیکار تھے۔زیارت رسول اللہ ﷺ اپنے اعمال کے مطابق ہوتی ہے۔لہٰذا اپنے اعمال کو زندہ کرنے کی کوشش کرو۔یہاں تک کہ بحیات اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ سرکار دوجہاں ﷺ کا دیدار نصیب ہوگا۔کیونکہ آپ ﷺ کی ذات گرامی آئینۂ حق نما ہے۔جو جس قدر پاک و صاف ہوگا اسی قدر صاف اور پاکی میں آپ ﷺ سے ملاقات کرے گا۔

ایک مرتبہ سنت رسول ﷺ کی اہمیت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک بوڑھا سفید ریش شخص چاہے کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔اس کی عزت واحترام کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔کیونکہ وہ ہر نبی کی سنت کا احیاء کئے ہوئے ہے۔سنت کا اَحیاء کرنا اور پھر اس کی عزت کرنا ہر اہل ایمان کیلئے لازم ہے۔نیز داڑھی پر تنقید نہیں کرنی چاہیے۔اس کے اعمال اگرچہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں اس کے اعمال اسی کے ساتھ۔اگر ہم اس کی داڑھی کی وجہ سے اس کی عزت کریں گے تو ہمارا احترام کا ثواب خدا ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔کیونکہ ہم سنتِ انبیاء کی وجہ سے اس کی عزت کر رہے ہوتے ہیں۔

13: حقیقت فقر ومعرفت

1989ء میں عید الفطر کے موقعہ پر آستانہ عالیہ بنوں شریف میں بعد از نماز ظہر دو آدمیوں کو بیعت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ دوستو یاد رکھو فقر کوئی عام چیز نہیں ہے اور فقیروں کی محفل کوئی عام محفل نہیں ہے۔ شبِ معراج، چوتھے آسمان پر جب سرکارِ دو عالم ﷺ پہنچ گئے تو وہاں پر آپ ﷺ کو ایک شبیہ دکھائی گئی۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ آپ ﷺ اس پر فریفتہ ہو گئے۔ اسی عالم میں آپ ﷺ عرش معلیٰ پر خدا کی ملاقات سے مشرّف ہوئے۔ اللہ کریم نے فرمایا اے محبوب! آپ اس قدر بلندی پر میری ملاقات کیلئے تشریف لائے مگر چہرۂ اقدس پر کچھ اضطراب کے آثار ہیں کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے عرض کی کہ خدایا! چوتھے آسمان پر ایک تصویر کی جھلک دکھائی گئی۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ میرے دل کو بھا گئی۔ مَیں حیران ہو گیا کہ وہ کیا چیز تھی؟

اللہ کریم نے فرمایا کہ اے میرے محبوب ﷺ! وہ شانِ فقر تھی جو آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی اُمت کو میری طرف سے بطور انعام دی گئی ہے۔ وہ مجھے بھی پسند ہے۔ آپ ﷺ کو انتہائی سکونِ قلب ملا۔ پھر حریمِ اقدس سے آپ ﷺ کو لباسِ فقر یعنی ایک کالا جُبّہ بھی اپنی اُمت کی خاطر بطور تحفہ دیا گیا۔ جو آپ ﷺ نے شب معراج کی صبح کو حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کو عنایت فرما کر فقر کی تعلیم دی۔ اس لئے ابوتراب رضی اللہ عنہ کو منبع فیض وولایت کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ کہ ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ'' یعنی مجھے فقر پر فخر ہے اور فقر مجھ ہی سے ہے۔'' آپ ﷺ کے دعا کے بھی یہی الفاظ ہوا کرتے تھے کہ اے اللہ تعالیٰ! مَیں مسکینوں کے ساتھ رہوں مسکینوں کے ساتھ میری موت ہو اور میدان حشر میں بھی مسکینوں کے ساتھ کھڑا کیا جاؤں۔ اس لئے فقر بہت بڑی چیز ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے بعد از ذکر پاک ارشاد فرمایا کہ خداوندِ عالم اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ دریا بھی عبور کریں اور ان کے کپڑے بھی گیلے نہ ہوں۔ بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ عین دریا تختہ بندم کردہ ئی ۔۔۔ باز گفتی دامن تر مکن ہوشیار باش

یہ ہے تو ناممکن مگر جب خدا راضی ہو جائے تو کوئی مشکل کام نہیں۔ کیوں کہ اس دنیا میں فحاشی، برائی اور خواہشات نفسانی بمنزلہ دریا کے ہیں۔ مگر مسلمان کیلئے کمال (کرامت) تو تب ہے کہ اس میں رہنے کے باوجود اپنے آپ کو اُس کی آلائشوں سے محفوظ رکھے۔ فرمایا کہ جب اللہ کریم نے باغِ بہشت اپنے کمالِ قدرت سے مکمّل فرمایا تو اپنے مقرب فرشتہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو اس کے ملاحظے کیلئے بھیجا کہ جا کر دیکھیں۔ مَیں نے اپنے مقرب بندوں کیلئے کیسی لاجواب جگہ بنائی ہے۔ جبرائیل علیہ السلام جب دیکھ کر واپس آئے تو خداوند تعالیٰ نے پوچھا اے جبرائیل! کیسے پایا؟ جبرائیل امین علیہ السلام نے جواب دیا کہ خدایا! مَیں اس کی کیا تعریف بیان کر سکتا ہوں کہ جسے تو نے اپنے کمالِ قدرت سے پیدا فرمایا ہو۔ واقعی اپنی رعنائی میں بے مثل و بے مثال ہے۔ تب اللہ کریم نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب جا کر اس

کے دروازے پر اس میں آنے والوں کو بھی دیکھ کے آئیں۔ جب جبرائیل امین علیہ السلام بہشت کے دروازے پہ پہنچے تو دیکھا کہ اس پر مفلسی، غربت، بیماریاں اور کئی قسم کے مصائب و آلام اور امتحانات قبضہ کئے ہوئے ہیں اور اس کی طرف سب آنے والے انہی عوارض ومصائب سے دوچار ہیں۔ واپسی پر خداوند کریم نے دریافت فرمایا کہ حال سناؤ۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی باری تعالیٰ! اس بہشت میں آنا تو انسانی طاقت سے باہر ہے مگر صرف وہ آدمی آسکتا ہے کہ جس پر تُو رحم فرمائے۔

تب اللہ کریم نے جبرائیل امین علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ذرا جا کر دوزخ کو دیکھ کے آئیں جو مَیں نے نافرمان اور فاسق وفاجر بندوں کیلئے بنادی ہے۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے دوزخ کو دیکھا اور واپس لوٹے۔ خدا نے دریافت فرمایا کہ جبرائیل سناؤ کیسے پایا؟۔ عرض کیا باری تعالیٰ مَیں اس کی دہشت ناکیوں کو کیسے بیان کرسکتا ہوں کہ جس میں ترے قہر و جلال کا نزول ہو! پھر اللہ کریم نے حکم فرمایا کہ جبرائیل امین علیہ السلام اب اس کے دروازے پہ جا کر اس میں جانے والے لوگوں کو ملاحظہ تو کر آئیے! چنانچہ جبرائیل امین علیہ السلام دوزخ کے دروازے پر پہنچے۔ دیکھا کہ اس کے دروازے پر عیش و عشرت، رنگ وراگ اور شراب و کباب کے بغیر اور کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ اس میں جانے کیلئے گروہ در گروہ بے تاب قطاروں میں کھڑے ہوئے ہیں۔ طاؤس ورُباب کا راج ہے۔ ہر طرف رونق اور چہل پہل ہے۔ دیکھ کر جب واپس بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوئے تو خداوند کریم نے دریافت فرمایا جبرائیل حال سناؤ۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی خدایا! انسان کی طاقت سے یہ باہر ہے کہ اس سے اپنی جان بچائے۔ مگر صرف وہی کہ جس پر تُو رحم فرمائے اور راضی ہو جائے۔

اس حدیث شریف کے بیان کرنے کے بعد مرشد کریم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب نظارہ ابھی ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں کہ خدا کے نیک بندوں کی زندگی اجیرن بنتی جارہی ہے۔ وہ ہر قسم کے مصائب سے دوچار ہیں۔ مگر گمراہ اور بُرے لوگوں کی شاہی ہے۔ جیسے اس دنیا میں چاہیں بزورِ پیسہ کرسکتے ہیں۔ مگر اگلی دنیا کو وہ بھولے ہوئے ہیں۔ اچھے کام اور اچھے راستے کی طرف کوئی آنے کیلئے تیار نہیں مگر برے کام کیلئے دل وجان سے فدا ہیں۔ اس لئے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے دور میں اس نے ہمیں اپنی یاد اور صراطِ مستقیم عطا کیا ہوا ہے۔ اس پر جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ فقر کی طرف آنا تو بہت مشکل کام ہے مگر جب خدا راضی ہو جائے اور فضل کر دے تو کوئی بھی کام مشکل نہیں۔ صرف ہمت چاہیے۔ اپنے نفس اور مخلوق کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے کیونکہ راہِ خدا میں صرف یہی دو چیزیں حائل ہوتی ہیں۔ تصوف کے مطابق چار شخص نہایت بد بخت ہیں۔

پہلا وہ جو بوڑھا اور پختہ کار ہو جائے مگر طفلانہ حرکات اور نوجوانی کی خواہشات و ناروا عادات نہ چھوڑے۔

دوسرا وہ! جو حج کرنے کے بعد بھی بُرے کام اور غلط اطوار کو خیر باد نہ کہے۔

تیسرا وہ! جو علم حاصل کرے مگر اس سے خدا اور سول کو نہ پہچانے اور اُن کی معرفت حاصل کرنے سے محروم رہ جائے۔

چوتھا وہ! جو مرشدِ کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر مرید بن جائے مگر اس سے فائدہ اور فیض حاصل نہ کرے۔

ایک مرتبہ مرشد کریم آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے۔ ''دورِ حاضر اور فقر'' کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبان مبارک سے حاضرین کو از راہ نصیحت ارشاد فرمایا کہ ایک دن خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ ملاّحوں کو دریا پر جانے سے منع کر دو ورنہ غرق ہو جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے منع کر دیا مگر انہوں نے کہنا نہ مانا۔ تقریباً پچاس کشتیاں باری باری پانی میں ڈوب گئیں۔ صرف ایک کشتی بچ گئی۔ وہ بھی دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ملاّح سے فرمایا دیکھتا نہیں ہے کہ تیرے سامنے پچاس کشتیاں تباہ ہو گئی ہیں کیا تُو بچ سکے گا؟۔ اس پر ملاّح نے کہا کہ مَیں تو خدا کے فضل پر کشتی لے جا رہا ہوں وہ اگر غرق کر سکتا ہے تو بچا بھی سکتا ہے۔ چنانچہ اُس نے کشتی دریا میں ڈال دی اور پار نکل گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حیران ہو کر خدا سے عرض کی۔ خدایا! یہ کیا ماجرا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے موسیٰ علیہ السلام! میرے بندے نے جب میرا فضل مانگا ہے، تو مَیں نے اسے غرق ہونے سے بچا لیا۔ اگر میرا فضل نہ مانگتا تو ضرور غرق ہو جاتا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم نے فرمایا کہ اس دور میں بھی کوئی شخص اپنا ایمان نہیں بچا سکتا۔ مگر جب تک خداوند کریم سے اس کا خاص فضل نہ مانگا جائے اور وہ بھی جب تک اپنا خاص فضل نہ کر دے۔ اس لیے اس کے فضل و کرم کے طالب رہو۔ ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں۔ ہماری اپنی طاقت نہیں کہ اپنا لباسِ فقر سلامت رکھ سکیں۔ جب ایمان بچانا اس قدر محال ہے۔ پھر فقر تو اس سے بھی ایک بالا چیز ہے۔ کیسے بے داغ رکھ سکتے ہیں۔ ہاں اگر اس کا خاص فضل ہو جائے تو ممکن ہے۔ خداوند کریم ہمت اور استقامت نصیب کرے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ دوستوں کی محفل سجی ہوئی تھی۔ عاشقین کی آنکھیں آلِ رسول کے چہرۂ مبارک سے فیض سرمدی لوٹ رہی تھیں۔ اسی دوران درسِ معرفت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دوستو! عارف جس قدر ترقی کرتا ہے وہ صداقت کے میدان میں کرتا ہے۔ اس کی ترقی کی رفتار جس قدر تیز ہوتی ہے اسی قدر نفس و شیطان کے حملے بھی شدّت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ غوث اعظم پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ جیسے کامل بزرگ کو بھی شیطان نے نُور کا شعلہ بن کر دھوکہ دینے تک گریز نہ کیا۔ تو ایک عام سالک کو وہ کس طرح معاف کرتا ہے۔ جب شیطان عارف کو ذاتی طور پر دھوکہ دینے سے ناکام ہو جاتا ہے تو لوگوں (خنّاس) کے ذریعے دھوکہ دینے اور الزامات تراشنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام پر قارون نے بوڑھی عورت کے ذریعے الزام لگانے کی کوشش کی تھی۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی سچائی اور استقامت کے ذریعے خدا کی غیبی امداد نے بوڑھی عورت کو حقیقت کے اظہار پر مجبور کر دیا۔ آخر کار موسیٰ علیہ السلام سرخرو اور قارون شرمسار رہا۔ مطلب! درویش اگر سچا ہو تو سرخروئی اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب شیطان لوگوں کے ذریعے بھی ناکام ہو جاتا ہے تب عارف کو غرور میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ تُو کتنا بڑا بزرگ ہے۔ مگر عارف حقیقت

شناسی سے کام لیتے ہوئے "هٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ" کہہ کر توبہ استغفار پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو مٹی کے ساتھ ملا کر مقام عجز و نیاز پہ لاتا ہے۔ یہاں سے بھی جب شیطان نا کام ہو جاتا ہے تو دولت میں پھنسا کر اس کے ذریعے دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر درویش نے دولت کو خدا کیلئے خرچ کیا تو کوئی نقصان نہیں بلکہ اس کے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر ایک ٹکہ بھی نفس کے دھوکے سے خرچ کیا تو اس کیلئے زوال ہی زوال ہے۔ مگر عارف دولتِ دنیا کو خدا کی مخلوق پر خرچ کر کے نفس و شیطان کو لات مار دیتا ہے۔ اس مقام پر بھی جب شیطان نا کام ہو جاتا ہے تو عورت کے ذریعے دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر عارف عورت کو اچھی نگاہ سے دیکھتا ہے تو کوئی نقصان نہیں۔ اگر عورت پر ایک بھی نفسانی نگاہ پڑی تو اس کیلئے یہ ایک نگاہ بھی زوال کا سبب بن جاتی ہے۔ خدا محفوظ فرماوے۔

اس کے بعد مرشدِ کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اِن سب باتوں میں اگر مرشد کے طور طریقوں کو سامنے رکھا جائے تو مرید کُلی طور پر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ ان کی واردات کے سامنے دست مرشد ڈھال کا کام دے گا۔ اُسے چاہیے کہ مرشد کی صحبت اختیار کرے۔ اس کیلئے دوسرے مریدوں کی نسبت دعا و توجہ حاصل کرنا زیادہ اہم ہے۔ مگر زہے قسمت۔ اس جنگاہ سے جو سلامت نکلا وہی میدانِ معرفت کا شہسوار بنا۔ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ معیارِ عارف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ رہِ عقل جُز پیچ بر پیچ نیست　　　　بَرِ عارفاں جُز خدا ہیچ نیست

(اس راہ میں عقلِ عام کیلئے ہزاروں رکاوٹیں ہیں مگر عارفوں کے سامنے خدا کے بغیر کوئی اور چیز ہے ہی نہیں)

عارف اگر اسی طرح ماسوٰی اللہ سے کٹ گیا تو بقول اقبالؒ:

؎ یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی　　　　کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقامِ بادشاہی

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں پروانوں کے جھرمٹ میں بیٹھے اپنی زبان گہر افشاں سے یوں نغمہ سنج ہوئے کہ فقیر کا کام صرف فقر چلانا ہوتا ہے جو کہ تمام علوم و اسرار کا احاطہ کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام علومِ ظاہری و باطنی اور حقیقت اشیاء سے مکمّل طور پر واقف تھے۔ ساری زندگی فقر میں گزار دی اور فقر ہی پر فخر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ خدایا! میرا فقر کامل کر دے۔ مطلب یہ کہ جب تمام علوم و اسرار کا خزانہ صرف فقر ہی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام تر شعبے اسی سے پھوٹتے ہیں چاہے دینی ہوں یا دنیاوی، ظاہری ہوں یا باطنی۔ فقر ہی ان سب کا نچوڑ (اُم العلوم) ہے۔ تو فقر ہی تسخیر فطرت کا علم بَردار ہے جو کہ بنی نوعِ انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ ایک فقیر فقر پر قناعت نہ کرتے ہوئے اگر تجاوز کرے تو گویا وہ فقر محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناشُکری اور کُفرانِ نعمت کرتا ہے۔

مرشد کریم مدظلہُ العالی نے افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل کئی سجادہ نشیں بیک وقت مختلف کشتیوں پہ پاؤں رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً جب دنیاداروں کی محفل میں جائیں تو دنیاداری اپنا لیتے ہیں

جب سیاست دانوں کی محفل میں جائیں تو سیاست اختیار کرتے ہیں اور اگر مسندوں پر آجائیں تو ولایت وفقر کے مُدّعی بن بیٹھتے ہیں۔ یہ ایک ناممکن بات اور فقر کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہے۔ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

؎ دین و دنیا ہر دو کئے آید بدست　　　این فضولیہا مکن اے خود پرست

''یعنی ایک انسان کے ہاتھ میں بیک وقت دین اور دنیا ہرگز نہیں آسکتے۔ اے مغرور اور خود پرست انسان! یہ فضول کام نہ کر کہ تُو سچے دین کو بدنام کر بیٹھے گا۔'' کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مال و دولت کو خیر باد کہہ کر صرف فقر ہی اختیار کیا تھا۔ عصر حاضر کے مفکرِ اسلام ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تو مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ بالکل کھول کر بیان کر دیا۔ صاحبِ عقل وفہم لوگ ہی سمجھتے ہیں۔

؎ میرا فقر بہتر ہے اِسکندری سے　　　یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

آپ مدظلہُ العالی نے اِسی ضمن میں ایک واقعہ پیش کیا کہ مانکی شریف کے ایک نہایت برگزیدہ فیض یافتہ بزرگ علاقہ ''شہ دیو'' نزد بنوں اپنے مرشد کی طرف سے خلیفہ مقرّر تھے۔ ''شیخ شہ دیو'' کے نام سے مشہور تھے۔ اُن کے ہزاروں مرید تھے۔ مانکی شریف پشاور سے بھی کئی میل آگے ہے۔ شیخ شہ دیو نے پچیس مرتبہ اپنے مرشد کی زیارت کیلئے یہ فاصلہ سَر و پا برہنہ پیدل طے کیا تھا۔ چنانچہ شیخ شہ دیو یہاں بنوں میں مخلوق خدا کیلئے رُشد و ہدایت کا کام سرانجام دیا کرتے تھے اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ ایوّب خان کے دور میں ایک سیاسی لیڈر ''دَمساز خان'' کے ساتھ اُن کے تعلّقات قائم ہو گئے تھے۔ اس کا تعلّق مسلم لیگ سے تھا۔ الیکشن کا موقعہ جب آیا تو اس نے خلیفہ صاحب کو مانکی شریف کے صاحبزادگان کی سفارش سے جلسے میں اپنی حمایت میں تقریر کرانے کیلئے اسٹیج پر بلایا۔ ہر طرف سیاسی غیر شرعی اور دنیا دار لوگ اکٹھّے تھے۔ مسلم لیگ کیلئے نعرہ بازی ہو رہی تھی۔ تقریر شروع کرنے سے پہلے ہی خلیفہ صاحب کو چکر آیا سنبھل کر جب اپنی طرف توجّہ دی تو دیکھا کہ وجود نُورِ باطن سے مکمّل خالی ہو چکا ہے۔ اسی وقت محفل سے نکل کر روتے پیٹتے ویرانے کا رخ کیا۔ ہم نے بعد میں خود اُنہیں شہ دیو کے قریب ایک پہاڑ پر آہ وزاری کرتے ہوئے کئی بار دیکھا ہے جو کہ اپنی کھوئی ہوئی معرفت کے لئے بارگاہ الٰہی میں رات دن سربسجود رہتے۔ انتہائی سردیوں میں بغیر کسی گرم کپڑے کے پہاڑ میں پھرتے رہتے۔ اس قدر پچھتاوے میں تھے کہ اُنہیں اپنے وجود تک کا پتہ نہ ہوتا تھا۔ ہمارے دادا شاہ حبیب رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر وہ ہر جمعرات آ کر حاضری دیتے تھے۔ ہمارے واقف تھے اور کبھی کبھار اُن کے ساتھ ہماری گفتگو بھی ہوا کرتی تھی۔ عمر میں ہم سے کافی بڑے تھے۔ ہماری اس وقت ابتدائی حالت ہوا کرتی تھی۔ خدا معلوم کہ خداوند کریم نے اس کے بعد اُن کے حال پر رحم فرمایا یا نہیں۔ بہت عرصہ گزرا کہ دوبارہ ہم نے اُنہیں نہیں دیکھا۔

بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فقیر آدمی کیلئے دنیا داروں کی صحبت ورفاقت اختیار کرنا زہرِ قاتل ہے۔ کیونکہ فقیر خود شہنشاہ ہے اور وہ ''مستقل شہنشاہی'' اُسے خدا کی طرف سے انعام میں ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ سمجھدار آدمی

کی غلطی نا قابلِ معافی ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ وہ سب نفع ونقصان جاننے کے باوجود ایسا کرتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ خدا نے جو اسے سمجھ کی نعمت سے نوازا ہے۔ تو وہ اس سمجھ سے فائدہ اٹھائے۔ ورنہ رحمتِ خداوندی ایک خاص چیز ہے۔ بے قدری سے جاتی رہتی ہے۔ کسی چیز کے اکٹھا کرنے کیلئے وقت لگتا ہے مگر ضائع ہونے میں صرف ایک منٹ۔ اللہ کریم سب اہلِ ایمان اور دینداروں کو عقلِ سلیم سے نوازے۔ مغالطّوں سے محفوظ فرمائے اور صاحبِ فقر بنا کر صراطِ مستقیم پر استقامت بخشے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد نماز عشاء وذکر وفکر، بہت سے دوستوں کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ شیطانوں میں سب سے بڑا شیطان عزازیل ہے۔ وہ صبح سویرے سب کی ڈیوٹیاں لگاتا ہے۔ پھر دن کو ہر ایک کے پاس جا کر اس کی کارکردگی چیک کرتا ہے۔ صبح کو ان کی روانگی پر یہ ہدایت جاری کرتا ہے کہ بنی نوع انسان کو دھوکہ دو دولت کے ذریعے۔ پھر عورت کے ذریعے۔ ان میں اگر ناکام ہو جاؤ تو فخر وتکبّر اور شکم پروری کے ذریعے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِمَكْرُوهَاتِنَا   حُفَّتِ النِّيْرَانُ مِنْ شَهْوَاتِنَا

(جنت ان چیزوں سے گھری ہوئی ہے جنہیں ہم پسند نہیں کرتے اور جہنّم ہماری مرغوب (پسندیدہ) چیزوں سے گھری ہوئی ہے۔)

اس لئے یہ میری نصیحت ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کریں اور نفس وشیطان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ کسی دوست کی تکلیف وتنگدستی اور لوگوں کا ان کے ساتھ حسد اور ضد کرنے کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبانِ حقیقت بیان کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ خوشی پر فخر نہیں بلکہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے اور تکلیف میں رونا پیٹنا نہیں بلکہ صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ بالالفاظ دیگر غم اور خوشی دونوں کو ایک نگاہ سے (یکساں) دیکھنا چاہیے۔ جب اس حالت پہ کوئی آجائے تو اسے استقامت کہتے ہیں۔ سب مدارجِ قرب وولایت کی بنیاد یہی استقامت ہے۔ بشرطیکہ استقامت صداقت پر ہو اُپنے نفس کے لیے نہ ہو۔

پھر ارشاد فرمایا کہ خوشی حاصل ہو ہی نہیں سکتی جب تک تکلیف نہ پہنچے۔ ایسے سمجھیں کہ تکلیف بیج اور خوشی اس کا میٹھا پھل ہے۔ جس طرح بغیر بیج کے پھل ناممکن ہے۔ اسی طرح خوشی کا پہنچنا بھی بغیر تکلیف کے ناممکن ہے۔ جتنی محنت مشقّت اُتنی خوشی۔ اس لئے مسلمان کیلئے لازم ہے کہ وہ مخلوق کے الزامات اور ملامت کی طرف بالکل توجہ نہ دے بلکہ اپنا کام کرے۔ جس نے مخلوق کی طرف توجّہ دیکر خدا کی یاد سے مُنہ پھیر لیا وہ ہمیشہ کی ذلالت میں جا گرا اور جو مخلوق کی تالیوں کی طرف توجہ نہ دے تب خداوند کریم اسے خلوت میں اپنا دیدار نصیب فرماتا ہے۔ مبارک ہو اُن کو جو اِس دور میں ایسا کرتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ زشتہائے خلق بہرِ خوبی است   برگِ بے برگی نشانِ طُوبیٰ است

(لوگوں کا بُرا سلوک تیرے لئے بہت فائدہ مند ہے اور تیری بے سروسامانی اچھی حالت کا پیش خیمہ ہے)

اس مضمون کی مطابقت سے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ایک چرواہے نے اصرار کیا کہ مجھے خداوند کریم کا دیدار نصیب ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کیلئے دعا فرما کر خوشخبری سنا دی کہ تجھے عنقریب خدا کا دیدار نصیب ہوگا۔ چنانچہ چرواہا جب واپس گھر گیا تو اس کی بکریاں مرنا شروع ہوگئیں۔ دو تین دن کے اندر اس کی بیشتر بکریاں مر گئیں۔ وہ پشیمان ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے موسیٰ علیہ السلام! ابھی تک خدا کا دیدار نہیں ہوا جبکہ گھر کا سارا اثاثہ اجڑ گیا۔ دعا فرماویں یہ تکلیف رفع ہو جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسکرا کر جواب دیا کہ خدا کا دیدار کوئی ارزاں چیز نہیں ہے جب تک تُو دنیاوی خسارہ معشوق حقیقی کے دیدار کے لیے برداشت نہ کرے اس وقت تک وہ تجھے اپنا دیدار نہیں کرائے گا۔ اس لئے اگر دیدار کا شوق ہو تو خسارہ برداشت کرو۔ زبانی دعویٰ نہ کرو بلکہ حقیقی مدّعی بن جاؤ۔ چرواہا یہ سنکر واپس چلا گیا کہ واقعی عاشقی دل لگی نہیں ہوتی۔

؎ تُندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عُقاب ‌ ‌ ‌ ‌ یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے ‌ ‌ (صادق وکیل)

اس کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ یہ ایک مُسلّمہ اصول ہے جب تک معشوق عاشق کا امتحان نہ لے اس وقت تک اس کو اپنے دیدار سے نہیں نوازتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر امتحان لیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللّٰہ علیہ السلام کو چخّے میں ڈال کر اس کی محبّت کو پرکھا۔ حضرت ذکریا علیہ السلام کو آرے کے نیچے لا کر آزمایا۔ اِسی طرح ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دندان مبارک شہید کر کے طائف کے میدان کے علاوہ متعدد مقامات پہ امتحان لئے تب اپنا محبوب بنا کر شرف دیدار (شرف معراج) سے نوازا۔

؎ چوں محمدؐ پاک شُد از نار و دُود ‌ ‌ ‌ ‌ ہر کُجا رُو کرد وجہُ اللّٰہ نمود ‌ ‌ (رومیؒ)

(جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیاوی و نفسانی آلائشوں سے مکمّل طور پر پاک ہو گئے تو جس طرف بھی دیکھا اللّٰہ ہی اللّٰہ دیکھا)

اسی طرح اولیاء کرام کے بھی امتحان لئے گئے اور پھر اولیاء کرام نے بھی اسی سنّت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے اپنے مریدوں کے امتحان لئے۔ امتحانات میں پاس ہونے کے بعد انعامات سے نوازا۔ اس لئے یہ ایک قانون قدرت ہے جب تک امتحان نہ ہو ترقی نہیں ہو سکتی اور جب تک تکلیف نہ پہنچے ہدایت و معرفت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہم فقیروں کا بھی یہی راستہ ہے۔ خداوند کریم اس پر استقامت بخشے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ ہر کہ اُو در محبّتش دعویٰ کُند ‌ ‌ ‌ ‌ صد ہزاراں امتحاں بَروَئے کند

(جو اس کی محبّت کا دعویٰ کرے تو وہ اس پر ہزاروں امتحان کرتا ہے)

دعا ہے کہ خداوند کریم سب دوستوں کو راہِ فقر اور راہِ ہدایت نصیب فرما کر اس پر استقامت بخشے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں حلقۂ مریداں میں تشریف فرما زبان مبارک سے گہر افشانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تعجّب کی بات ہے کہ آج کل لوگ اُن پیروں کو زیادہ مانتے ہیں کہ جن کی دعا سے دولت ملے یعنی وہ خدا کی بارگاہ میں

دعا کر کے دولت دنیا دلوائیں۔ حالانکہ پیر اور فقیر کا اپنے احباب اور مریدان کیلئے سب سے زیادہ ضروری چیز ان کی سلامتی ایمان کی دعا کرنا ہے۔ ایک شخص اگر غریب ہے تو دولت مند بننے پر وہ دین سے دُور ہو کر خدا اور رسول سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ بہت قلیل مثالیں ہیں کہ کسی فقیر کی دعا سے کسی کو دولت مل گئی ہو اور پھر وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلا ہو۔ وگرنہ اکثر مخلوق راہ راست سے ہٹ کر عادات بدّ میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اس لئے پیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس چیز کیلئے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی دعا نہیں کی وہ دعا کرے۔ پیر کا کام مرید کے دین و ایمان اور اعمالِ صالحہ کو ترقی دینا ہے جو حقیقت ہے اور برگزیدہ انبیاء و اولیاء کا معمول رہا ہے۔ اس لئے حقیقت پر مبنی پیر یا فقیر اس دور میں کامیاب نہیں ہے اور نہ اس کی طرف لوگ اتنی توجہ دیتے ہیں۔ آپ مدظلہُ العالی نے مثال دیتے ہوئے بابا صوبن رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا کہ جن کے اکثر مریدان بڑے بڑے سینماؤں اور فیکٹریوں کے مالک ہیں۔ خدا خبر کہ وہ نماز تک پڑھتے ہوں گے یا نہیں۔ کیا معلوم دولت کے نشے میں آ کر خدا کو بھی بھول بیٹھے ہیں۔

اس بات پر زور دیتے ہوئے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درج ذیل اقتباس پیش فرمایا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عرب میں بہت مالدار خاتون تھیں۔ وسیع کاروبار کی مالک تھیں۔ پہلے پہل انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی بکریوں کے چرانے کیلئے مقرر کیا۔ پھر دیانتدار پا کر انہیں کاروبار سونپ دیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر متاثر ہوئیں شادی کرنے کی پیش کش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کام کیلئے مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میرے محترم چچا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ جس طرح وہ کہیں میں اس طرح کروں گا۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے بھی اجازت نکاح لے لی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوبارہ عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چچا جان نے بیشک صحیح فرمایا لیکن مَیں پھر بھی تیار نہیں ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ مجھے میرے خدا نے فقیری میں پیدا فرمایا اور مَیں فقر کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ مگر آپ مالدار اور امیر زادی ہیں۔ مفلسی اور فقیری میں نہیں آ سکتیں اور مَیں امیری کیلئے تیار نہیں لہٰذا ہمارا تمہارا نباہ مشکل سے ہوگا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بڑی سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مَیں آپ کا ہر اچھے اور برے وقت میں ساتھ دوں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری کروں گی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ نکاح فرمانے کے بعد صبح گرد و نواح کے مسکینوں کو منادی کر دی کہ ہمارے گھر سے صدقہ و خیرات لے جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبح سے مال خدا کی راہ میں دینا شروع کیا۔ شام تک سارا مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اس قدر نہیں بچا کہ شام کو تناول فرمائیں۔ شکر ادا کر کے رات گزار دی۔ دوسرے دن دیکھا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سر پر جو خوبصورت یمنی چادر تھی نہیں ہے۔ ایک عام کھدّر کا کپڑا پہنے ہوئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ وہ خوبصورت چادر کہاں ہے؟۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ چادر بھی مَیں نے خدا کے راستے میں دے دی ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدے میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! اب آپ واقعی مکمّل طور پر فقر میں آ گئی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء سے لیکر آخری عمر تک فقر اور

غربت کی زندگی بسر کی۔ اس لئے آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وَالْفَقْرُ مِنِّیْ '' (صفینۃ البحار۔ ج ۲) فقر میرے لئے باعث فخر ہے اور فقر مجھی سے ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اپنی ذات کیلئے ساری زندگی صرف تین دعائیں فرمائی تھیں کہ اے ربّ کریم میری زندگی فقر کے ساتھ ہو، میری نقل مکانی فقر کی حالت میں ہو اور روزِ محشر بھی فقیروں کے ساتھ کھڑا ہو جاؤں۔ اس چیز کو فقر محمدی ﷺ کہتے ہیں کہ جس پر خدا کو بھی ناز تھا۔ اللہ کریم ہم سب کو نصیب فرمائے۔ دنیا کے فراڈ اور دھوکہ سے محفوظ فرمائے۔ جو راستہ ہمارے پیغمبر ﷺ نے پیش کیا تھا اس پر قائم فرما کر استقامت بخشے۔ بقول اقبالؒ:

؎ بوریا ممنون خواب راحتش تاج کِسریٰ زیر پائے اُمتش

(عجز و انکساری کی یہ حالت کہ چٹائی پر سونا بھی چٹائی پر احسان ہے جبکہ قوّتِ خداداد کا یہ عالم کہ قیصر و کِسریٰ جیسے مغروروں کے تاج آپ ﷺ کے اُمتیوں کے پاؤں تلے روندے جا رہے ہیں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بہل (بھکر) میں دوستوں کو حقیقتِ فقر اور شانِ فقر کے بارے گوہر افشانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک دن سردارِ دو جہاں ﷺ نے محفلِ اصحاب رضی اللہ عنہم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت و تاج اور شان و شوکت کی تعریف میں بہت کچھ فرمایا۔ یہ بھی فرمایا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی بیٹی کی شادی ہوئی تو قیمتی لعل و جواہر کے علاوہ کئی کلو سونے کی انگوٹھیاں، زیورات یہاں تک کہ کئی جوتوں کے جوڑے سونے کی تاروں کے ان کے لیے بنائے گئے۔ دنیا میں ریشم کی جتنی قسمیں تھیں ان کے لیے کپڑوں کے جوڑے تیار کئے گئے۔ حتیٰ کہ اتنی شان و شوکت سے شادی ہوئی کہ تاریخ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

محفل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ دل ہی دل میں سوچا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو ہمارے پیغمبر ﷺ کے طفیل پیدا ہوئے اور آپ ﷺ ہی کے طفیل انہیں یہ شان و شوکت ملی۔ مگر جن کے طفیل یہ ساری کائنات بنی اور وہ سردار انبیاء ہیں جب اُن کی بیٹی کی میرے ساتھ شادی ہوئی تو صرف ایک پیالہ، ایک چکی اور ایک کمبل پر اکتفا کیا گیا۔ گھر جا کر اپنی بیوی حضرت خاتون جنّت رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ بات کچھ حسرت سے بیان کی۔

رات کو سوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ مَیں بہشت میں جا وارد ہوا۔ بہت بڑے بڑے ہیرے و جواہرات کے محلّات ہیں۔ ایک محل جو اپنی رعنائی میں یکتا ہے۔ جب اس پر غور سے دیکھا تو اس پر ''بیت فاطمہؓ'' لکھا ہوا ہے۔ مَیں اُس میں داخل ہونے لگا کہ ایک پہرے دار نے آواز دی کہ یہ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا گھر ہے۔ اس میں اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ مَیں نے بتایا کہ مَیں تو ان کا خاوند ہوں۔ تب اجازت مل گئی۔ مَیں اندر گیا تو دیکھا کہ میری بیوی ایک نہایت مرصّع، خوبصورت تخت پر سجی ہوئی بیٹھی ہیں اور ان کے اردگرد نہایت فرمانبردار خدمت گزار چاک و چوبند کنیزیں دست بستہ کھڑی ہیں۔ مجھے پیاس لگنے لگی۔ پانی کے لیے کہا۔ خاتونِ جنت نے کنیزوں میں سے ایک، جو سب سے زیادہ چُست اور باسلیقہ تھی، کی طرف اشارہ کیا کہ میرے خاوند کو پانی پلا دو۔ وہ آنکھ جھپکنے میں حوض کوثر کا

پانی لائی اور مَیں نے خوب پی لیا۔تب واپس ہوا اور نیند جاتی رہی۔

علی الصبح آپ رضی اللہ عنہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور رات کا خواب کہہ سنایا۔حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے پوچھا جس نوکرانی نے آپ کو پانی پلایا اُسے آپ نے پہچانا تھا کہ نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں! حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ میری سب سے زیادہ خدمت گزار اور فرمانبردار کنیز حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہی بیٹی تھی کہ جس کی شان وشوکت پر آپ اِس قدر رشک کررہے تھے۔تب حضرت علی رضی اللہ عنہ حقیقت سمجھ کر خدا کا شکر بجالائے اور عظمتِ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتراف کیا۔اللہ کریم ہمیں بھی وہی فقر شاہی عنایت فرمائے۔آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ایک دن ارشاد فرمایا کہ فقر کوئی وراثتی چیز نہیں۔اس کا انحصار ہر فرد کی ذاتی محنت پر ہے۔جو بھی خدا کی رضا کیلئے محنت اور کوشش کرتا ہے۔''مَنْ جَدَّ وَ جَدَ'' ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوجاتا ہے۔فقرو سلوک ایک ایسا راستہ ہے کہ اس کے آگے باغ و بہار اور عجائبات ہی عجائبات اور پیچھے ہلاکت ہی ہلاکت۔اس لئے اگر کوئی فقر کے مقام پر پہنچ گیا تو کھجور ہی کھجور۔اگر گر گیا تو چکنا چور۔لہٰذا جو شخص اس میدان میں جتنی زیادہ محنت کرے اُسی قدر قرب الٰہی حاصل کر لیتا ہے۔دربار الٰہی ہر وقت اس کے بندوں کیلئے کھلا ہوا ہے۔آج کل کے صاحبزادگان فقر کو وراثتی چیز سمجھ کر مسندوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔یہ فقر سے سراسر زیادتی ہے کہ غیر شرعی لوگ بھی ولایت کے مدعی بن بیٹھے۔ مَیں نے خود اپنے صاحبزادگان کو ابھی تک دم کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔دوسرے مریدوں کو جو ہر وقت مصروفِ خدمت ہیں اجازتیں دی ہوئی ہیں کیونکہ اس چیز کا تعلق خدمت اور محنت سے ہے۔خود محنت کریں گے صلہ پائیں گے۔ہم نے خود محنت کی۔شکر الحمدللہ! اللہ کریم نے سب کچھ عطا کیا۔مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک معلّم (ٹیچر) خود تعلیم حاصل کرکے معلّم (ٹیچر) بنتا ہے۔مگر اس کے بیٹے کو بغیر تعلیم وتربیت حاصل کئے حکومت معلّمی نہیں دیتی۔

ہیچ کس از نزدِ خود چیزے نشد ہیچ آہن خنجرے تیزے نشد (رومیؒ)

(کوئی شخص اپنے آپ کوئی چیز نہ بن سکا کیا تو نے کسی لوہے کو خود بخود تیز خنجر بنتے دیکھا؟ جب تک لوہار (مُرشد) کی سرد وگرم چوٹ برداشت نہ کرے۔)

اس سلسلے میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک علاقے میں ایک فقیر نے جا کر ڈیرہ ڈال دیا۔ساری مخلوق اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔اس علاقے میں ایک گدی نشیں صاحبزادہ صاحب تھے۔اس کو غصہ آیا کہ یہ فقیر کہاں سے چل کر ادھر ہمارے مریدان پر قبضہ کر رہا ہے۔ایک دن فقیر کے پاس حاضر ہوا اور کہا ''ہمارے مریدان کو آپ اپنی طرف کیوں کھینچ رہے ہیں؟ ۔''فقیر نے جواب دیا کہ اس مخلوق کو مَیں نہیں کھینچ رہا ہوں بلکہ فقر (جو کہ مقناطیسیّت رکھتا ہے) اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور تُو نے وہ چیز گنوادی۔ہاں اگر آپ ہماری خدمت کریں گے۔جب اس کے اہل بنیں گے تب آپ کو بھی وہ چیز مل جائے گی۔پھر ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔چنانچہ وہ صاحبزادہ اس بات پر راضی ہوکر فقیر کے پاس رہا۔ایک دن

آستانہ سے گندگی کی ٹوکری بھر کر باہر پھینکنے جا رہا تھا کہ فقیر نے ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ ٹوکری کو ٹھوکر لگا کر اس کے کپڑوں پر گرا دیں۔ اُس نے جب ایسے کیا تو صاحبزادہ نے اُسے سخت سُست کہا جس سے وہ ناراض ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر کسی کو حکم دیا کہ اِس پر اُس وقت نالی کا گندا پانی ڈال دیں جب وہ صاف کپڑے پہن لے۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ مگر صاحبزادہ میں ابھی تک کچھ "نفس" باقی تھا۔ بری نگاہ سے دیکھ کر درگزر کیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک اور آدمی سے یہی کام کرایا مگر اس مرتبہ صاحبزادہ "نفس مطمئنہ" پر فائز نفس کو مغلوب کر چکا تھا۔ کہا یار! اگر تُو اس میں راضی ہے تو اور گندگی بھی ڈال دے۔ جب اس بات کا فقیر کو پتہ چلا صاحبزادہ کو گلے لگا کر مالا مال کر دیا اور واپس اپنی مسند پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اب تُو اس مقام کا اہل بن چکا ہے۔

اس کے بعد مرشد کریم نے ارشاد فرمایا کہ ایک عام انسان استاد کی خدمت کرتا ہے اور کچھ عرصہ بعد تعلیم مکمّل کر کے ایک بڑے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے۔ کوئی پرنسپل' کوئی انجینئر، کوئی پائیلٹ، کوئی ڈاکٹر اور کوئی سائنسدان بن جاتا ہے۔ یہ سب کچھ خدمت کا کرشمہ ہے۔ ایک عام آدمی کی خدمت سے اتنے کمالات حاصل ہو سکتے ہیں تو کیا خداوند کریم جو خالقِ ارض وسما ہے۔ اپنے دوست کے ایک خدمت گار کو جو محض اس کی خوشنودی کے لیے کرتا ہے کچھ نہیں دیتا۔ بلکہ اتنا کچھ دیتا ہے کہ مخلوق اس کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ آسمانی، زمینی علوم وحقائق، غیب کے سب اسرار و رموز اور خزانے اس فقیرِ بےنوا کے دامن میں آ جاتے ہیں بشرطیکہ:

؎ پَنبہٗ وَسواس بیروں کُن زِگوش　　　تا بگوشَتٗ آید از گردوں خُروش　　　(رومیؒ)

(تخمین وظن (گناہوں) کے پردے اپنے کانوں سے ہٹا دے۔ تب آسمانی آوازیں (الہام) تیرے کانوں تک پہنچ جائیں گی)

نومبر 1989ء میں دورۂ بارکھاں کے موقعہ پر ایک آدمی نے بتایا کہ یہاں کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ فقیر اپنے گھر پر ہی رہتا ہے۔ لوگ آ کر اس سے فیض حاصل کرتے ہیں نہ کہ ولی اللہ کو خود چل کر مخلوق کے پاس جانا چاہیے۔ جیسا کہ آپ مدظلہٗ العالی علاقہ بنوں سرحد سے یہاں بلوچستان تشریف لائے ہیں۔ آپ مدظلہٗ العالی نے بڑے ٹھنڈے لہجے میں اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ یہ سوال اکثر اولیاء کرام پر ہوتا آ رہا ہے اور مجھے بھی بنوں کے پہاڑی علاقوں میں یہی واقعہ پیش آیا۔ جبکہ مَیں ایک جامع مسجد میں مریدوں سمیت نماز جمعہ پڑھنے کیلئے گیا۔ مولوی صاحب پشتو زبان میں اس موضوع پر اولیاء کرام کے خلاف تقریر کر رہا تھا کہ یہ فقیر لوگ دُور دُور تک دورے اور تبلیغ کرتے ہیں۔ اگر یہ سچے ہوتے تو مخلوق خود اُن کے پاس آ کر فیض حاصل کرتی۔ مولوی صاحب نے مثال دیتے ہوئے لوگوں سے پوچھا اب مَیں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ کیا تالاب لوٹے کے پاس آئے یا لوٹا تالاب کے پاس جائے۔

سب لوگوں کو چونکہ حقیقت کا پتہ نہ تھا۔ بول اٹھے واقعی لوٹے کو تالاب ہی کی طرف آنا چاہیے نہ کہ تالاب کو لوٹے کی طرف۔ یعنی مولوی صاحب نے لوگوں کو مطمئن کر دیا کہ اولیاء کرام کو اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔

مولوی صاحب کی ان ناجائز باتوں پر ہمیں بہت جلال آیا کہ مولوی صاحب لوگوں کو اُن کی لاعلمی کی وجہ سے صریح دھوکہ دے رہا ہے۔ اس وقت ہماری جوانی تھی۔ اپنے خلیفہ کو جو ہمارے ساتھ تھا ایک رُقعہ لکھ کر مولوی صاحب سے صرف پانچ منٹ تقریر کرنے کی اجازت چاہی۔ مولوی صاحب نے اجازت دے دی۔ مَیں اسٹیج پر گیا اور کہا کہ آپ سادہ لوح لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مولوی صاحب نے سنّت رسول ﷺ کے خلاف آپ کو فتویٰ دیا ہے۔ سنو! اولیاء کرام پیغمبر ﷺ کی سنت ہی کو زندہ کرتے ہیں۔ پیغمبر ﷺ کی عملی زندگی کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اگر تبلیغ دین اپنے گھر پر یا خانقاہ میں بیٹھے بیٹھے سرانجام دی جاتی تو رسول پاک ﷺ خود اپنا گھر چھوڑ کر طائف میں کُفار سے پتھر کھا کر لہولہان نہ ہوتے۔ اپنا شہر چھوڑ کر شِعب ابی طالب میں نظر بند نہ رہتے۔ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ نہ جاتے۔ غارِ ثور کی صعوبتیں نہ برداشت کرتے۔ گھر بار مع اصحاب کے چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللّٰہ نہ کرتے یہاں تک کہ اولاد رسول ﷺ بھی اپنا آبائی وطن چھوڑ کر میدان کرب وبلا میں بال بچوں کے ساتھ اپنا گلا نہ کٹواتے۔ معلوم ہوا کہ اولیاء کرام عین سنت رسول ﷺ، سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم وسنت اہلِ بیت ادا کر رہے ہیں۔ بے بنیاد من گھڑت لوٹا تالاب کی مثالوں سے حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا۔ مولوی صاحب خود اُٹھ کر جواب دیں کہ یہ باتیں اگر غلط ہیں تو مَیں اپنی سزا بھگتنے کو تیار ہوں اور اگر مولوی صاحب نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اپنی رائے سے غلط بیانی کی ہے تو لوگوں سے معافی مانگ کر اپنے الفاظ واپس لے۔

میرے ان چند الفاظ پر سب مجمع عش عش کر اُٹھا۔ لوگوں نے نعرے لگائے۔ تب مولوی صاحب نے اُٹھ کر لوگوں سے بار بار معذرت چاہی مگر لوگ چونکہ جذبے اور جلال میں تھے۔ مولوی صاحب کی صرف جان بخشی کر کے امامت اور خطابت سے مکمّل ہٹا دیا۔ ہم نے خود جمعہ کی نماز پڑھا کر پھر وہاں سے روانگی اختیار کی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا:

؎ آدمی مخفی است دَر زیرِ زباں	ایں زباں پردہ است بر درگاہِ جاں
؎ ائے زباں ہم گنجِ بے پایاں توئی	ائے زباں ہم رنجِ بے درماں توئی

(1۔ انسان اپنی زبان کے پیچھے چھُپا ہوا ہے۔ اور یہ زبان رُوح کے دروازے میں پردہ کی طرح ہے۔)

(2۔ اَے زباں! تیرے اندر بیشمار خزانے موجود ہیں اور اَے زباں! تُو ہی مرضِ لاعلاج بھی ہے)

مطلب یہ ہے کہ یہ محض باطل فرقوں، جاہ پسند علماء ونفس پرست لوگوں کا اعتراض ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم فقراء اور اولیاء کرام کی عزت کریں اور ان کی طرف لوگوں کو راغب کر کے ان کی تعریف کریں تو پھر ہمیں کون پوچھے گا۔ دراصل انہیں اپنا ڈر ہے۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایانِ خانقاہی	اُنہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگِ آستانہ

یہ محض اُن کے اپنے نفس کا دھوکا ہے۔ حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ ہی نے اولیاء اللّٰہ کو یہ عزت یہ شان دی ہے اور یہی عزت

وشان اللہ کریم انہیں بھی دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو اس کے قابل بنائیں۔ تو اولیاء اللہ کے ساتھ حسد کرنا ان کی شان اور عزت دیکھ کر جلنا خسارۂ دین و دنیا ہے۔ حالانکہ شکر کرنا چاہیے کہ ہمارے ایک مسلمان بھائی کو خدا نے کتنی بڑی شان دی ہے۔ برعکس اس کے کہ ان پر اعتراض کریں مثال مشہور ہے۔

؎ زمینِ خُدا تنگ نیست　　　پائے فقیراں لنگ نیست

اس لئے بہت کم اولیاء کرام کے مزارات ان کے آبائی علاقوں میں ملیں گے۔ اکثر اولیاء کرام کہاں پیدا ہوئے اور کہاں جا کر تبلیغ کر کے راہی ملکِ عدم ہوئے۔ اس لئے فقیر کا یہ فلسفہ ہوتا ہے "ملکے کہ ملک ماست ملک خدائے ماست" یعنی خدا کی ساری زمین فقیر کا وطن اور فقیر کی میراث ہے۔ "سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ" حکم خدا بھی یہی ہے۔ آجکل تو لوگ اولیاء کرام اور حقیقت سے اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خدا کی رحمت ان کے گھر پر جا کر اگر ان کی جھولی میں ڈالی جائے تب بھی وہ قبول کرنے کیلئے تیار نہیں چہ جائیکہ پھر یہی لوگ چل کر اولیاء اللہ سے فیض حاصل کرنے آئیں۔ ایسا عجیب دور آیا ہوا ہے کہ فراڈ اور ناجائز کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ مگر حقیقت کی راہ میں بے انتہا رکاوٹیں حائل ہو چکی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ سب سے زیادہ مظالم انبیاء کرام پر اور پھر ان کے پیروکاروں پر ڈھائے گئے ہیں۔ اس لئے ہر دور میں یہ صبر اور استقامت کا راستہ رہا ہے۔ یہ جان جوکھوں کا کام صرف اولیاء کرام کا ہے کہ ذکرِ حق اور کلمۂ حق گھر گھر بستی بستی پہنچا دیں۔ گھر پر، مسند پر یا خانقاہ میں بیٹھ کر اس دور میں اللہ اللہ کرنے سے کام نہیں بنتا۔ فلسفۂ اقبال اسی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

؎ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیّری　　　کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما مریدوں کو تاکیداً فرمانے لگے کہ ہمیں حوصلے بلند رکھنے چاہیے۔ جذبہ وجلال کے ساتھ ہر اچھے کام میں آگے آگے رہنا چاہیے۔ کیونکہ نصرت ایزدی ہمہ وقت انشاء اللہ ہم فقیروں کے ساتھ ہے۔ بزدلی کا ثبوت ہرگز نہیں دینا چاہیے۔ ہر معاملے میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر قدم آگے رکھنا چاہیے۔ بڑے بڑے کام دلی جذبے کے تحت ہوتے ہیں۔ صرف مال و دولت کے بل بوتے پر نہیں ہوتے۔

؎ قوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے　　　دہر میں اِسمِ محمّد سے اُجالا کر دے　　(اقبالؒ)

آپ ﷺ عالی ہمت اور سینہ سپر ہو کر لڑنے والوں سے زیادہ محبّت کیا کرتے تھے اور انہیں امتیازی انعامات سے نوازتے تھے۔ اس لئے ہمیں بھی بہادری اور دلیری کا ثبوت دینا چاہیے۔ کیونکہ ہمارا ہر کام حقیقت پر مبنی ہے۔ ہمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ کامیاب کرنا خدا کا کام ہے۔ اللہ کریم حمیّت وغیرت سے نوازے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں چند خاص خاص دوستوں کی موجودگی میں باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا ایسا دور آ گیا ہے کہ فقر چلانا اور اس پر عمل کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی حالت یکسر بدل گئی ہے۔ جس طرف بھی دیکھتے ہیں حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ آپ کچھ دیر خاموش ہو گئے۔ پھر بعد از توقّف ارشاد فرمایا شکر الحمد

للہ ہمیں اس دور میں بھی کچھ خوف اور غم نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جب آخر وقت آیا تو آپ ﷺ رونے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پریشان ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان آپ کو کیا پریشانی ہے؟ آپ ﷺ نے بتایا کہ مَیں اس پریشانی سے دوچار ہوں کہ میرے پردہ فرمانے کے بعد میری اُمت کی نگرانی کون کرے گا۔ عین اُسی وقت جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے کہ خداوند کریم سلام کے بعد یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ میرے محبوب ﷺ! آپ پریشان ہرگز نہ ہوں۔ آپ کے بعد مَیں خود آپ کی اُمت کا ذمہ دار اور نگہبان ہوں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے شکر ادا کر کے خوشی سے تبسّم فرمایا۔ مرشد کریم مدظلہُ العالی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کو یہ دور بھی تو اُس وقت دکھائی دے رہا تھا کہ خدا سے نگہبانی کا وعدہ لیا۔ لہٰذا ہمیں ایسے دور سے بھی پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ جبکہ خالق ارض وسما ہمارے ساتھ اور ہمارا نگہبان ہے۔ اس ذات ذوالجلال کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اِس بے قدر دور میں ہماری اتنی بڑی عمر ہوگئی ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں۔ ہماری داڑھی سفید ہو چکی ہے۔ مگر کبھی بھی کسی کے سامنے شرمندہ، ناکام اور رُسوا نہیں ہوئے۔ جو ہمیں رُسوا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ خداوند کریم خود اُسے رُسوا کر دیتا ہے۔ ہم ابھی تک کسی دولت منداور زور آور کے سامنے نہیں جھکے۔ مخلوق کئی مقصد اور لالچ لیکر ہمارے پاس آتی ہے۔ مگر ہم انشاء اللہ بغیر رضائے الٰہی کے چل کر کسی کے پاس نہیں گئے۔ اسی فقر کے طفیل خدا خود ہمارے ساتھ ہے۔ ہماری عزت اور احباب کا نگہبان ہے۔ ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا ہوا ہے کہ اللہ اللہ کرنے پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ جبکہ ساری دنیا غفلت میں سوئی ہوئی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر اور اپنی یاد نصیب کی ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے دوستوں کو جہاں جہاں رہتے ہیں کامیاب وکامران اور اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو سے محمود کوٹ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے راستے میں ارشاد فرمایا کہ شکر الحمد اللہ! اللہ کریم نے اس گئے گزرے دور میں ہمیں اپنا ذکر وفکر اور راہِ راست نصیب کیا ہوا ہے۔ تمام سلاسل کا سردار سلسلہ! سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ نصیب کیا کہ جس میں ذکر ''پاسِ انفاس'' ہوتا ہے۔ یعنی سانس جب اندر آئے تو ''اللہ'' اور باہر جائے تو ''ھُو'' اس طرح ہر سانس ذکرِ الٰہی میں شامل ہوتا ہے۔ جو سالک کی ہر ساعت کو یادِ الٰہی میں محو کرا دیتا ہے۔ یہ انتہائی سُرعت سے فقر کے مدارج کو خدا کی بارگاہ میں عُروج بخشتا ہے اور سالک اس ذکر نفس النفس کے ذریعے خاص مقامات پہ متمکّن ہو جاتا ہے۔ انسان اور خدا کے درمیان کئی ایسے راز ہیں جو مقرب ترین فرشتے کراماً کاتبین تک کو بھی معلوم نہیں ہیں اور اُن میں سے سب سے اعلیٰ اور بڑا راز یہی ذکر نفس النفس ہے۔ بقول جامیؒ:

؎ میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

(عاشق و معشوق کے درمیان ایسی راز و نیاز کی باتیں بھی ہیں کہ کراماً کاتبین تک کو خبر نہیں۔)

فرمایا کہ ہم اصلاحِ خلق کا کام بھی کرتے ہیں۔ اپنے گھر اور اہل وعیال کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ جو بہت مشکل

بلکہ آگ اور کپاس اکٹھا رکھنے کے برابر ہے۔ جب خدا راضی ہو جائے تو یہ کوئی مشکل نہیں۔ پہلے زمانے میں لوگ فقر کیلئے جنگلوں میں نکل جاتے تھے۔ بھوک پیاس برداشت کرتے۔ اہل وعیال سے دُور رہتے۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے وہ بوجھ ہم پر ہلکا کیا ہوا ہے۔ ہم اپنے دنیاوی فرائض ادا کرنے کے علاوہ فقر کے مقام پر بھی فائز ہیں جو کہ عین سنت نبوی ﷺ ہے۔ یہ اللہ کا ایک خاص انعام ہے اور اسی پر وہ استقامت بخشے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ درویشی جاری تھا۔ ارشاد فرمایا کہ درجاتِ فقر چار ہیں۔ درجۂ اوّل ادب ہے جس کی قسمت اور نصیب میں کچھ ہو تو وہ با ادب ہوتا ہے اور جو نصیب کا مارا قسمت کا کھوٹا ہو تو وہ بے ادب ہوتا ہے مثال مشہور ہے کہ با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب۔ پھر ادب ہی ایمان ہے۔ ادب ہی اسلام ہے۔ ادب ہمارا اخلاق ہے اور یہاں تک کہ ادب ہی شریعتِ رسول اللہ ﷺ کا دوسرا نام ہے۔ خدا جس پر راضی ہونا چاہے تو اُسے پہلے پہل مقامِ ادب نصیب فرماتا ہے۔ اِس لئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ نوجوانے را چوں بینم بے ادب　　　　روزِ من تاریک می گردد چوں شب

(کسی نوجوان کو جب میں بے ادب دیکھتا ہوں تو دن دیہاڑے میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا جاتی ہے)

دوسرا درجہ توبہ ہے۔ ادب کی برکت سے چونکہ بندہ آدابِ شریعت واسلام سے آگاہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُسے اسی ادب کے طفیل مکمّل توبہ جسے "تَوْبَۃُ النَّصُوح" کہتے ہیں نصیب فرماتا ہے۔ اسی مقام سے انسان کے حقیقی درجات کی ابتداء ہوتی ہے۔ جسے ادب کا ثمرہ ہی سمجھئے۔ اسی توبہ میں جب ایک انسان راسخ ہو جاتا ہے تو اس میں خوفِ الٰہی جاگزیں ہو جاتا ہے۔ ہر قدم پہ خدا کی خوشنودی کا خیال اور اس کی ناراضگی سے بچنے کا دھیان دامن گیر ہو جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ مرکبِ توبہ عجائب مرکب اَست　　　　بر فلک تا زد بیک لحظہ ز پست

(توبہ کی سواری عجب سواری ہے۔ یہ ایک ہی لمحہ میں زمین سے آسمان تک پہنچاتی ہے)

تیسرا درجہ مقامِ زہد وتقویٰ ہے کہ سالک اپنے آپ کو ہر گناہِ صغیرہ سے دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے قلب کو ذکر اور پرہیز گاری کے ذریعے بالکل مثل آئینہ بنا دیتا ہے۔ جب قلب غیر اللہ سے ہٹ کر مقامِ خوف و رجاء پر متمکّن ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے نفس مطمئنہ کا مقام نصیب ہو جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ خُدا کی زبانی فرماتے ہیں:

؎ گفت حق نے! بلکہ "لَا اَنْسَاب" شُد　　　　زُہد و تقویٰ فضل را محراب شُد

(میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا آج کسی کا "نسب" بلند نہ ہوگا صرف میرا "نسب"! جو (بلا تفریق رنگ ونسل کے صرف) اہل تقویٰ ہوں گے۔ اور یہی مقامِ بزرگی پہ فائز ہوں گے)

چوتھا درجہ مقام سخا ہے۔ سخاوت کی صوفیانہ تشریح یہ ہے کہ جو فضائل طالب نے خود حاصل کیے انہیں وہ مخلوق خدا میں بانٹتا ہے۔ جو مال و دولت اللہ کی طرف سے اس کے پاس آئے مخلوق کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک انگور کا دانہ بھی بچا کر اپنے پاس رکھنا گوارا نہیں کرتا۔ خدا سب کو یہ درجات نصیب فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ فقر کے راستے میں فقیر کو چار چیزیں معرفتِ الٰہی سے روکتی اور محروم رکھتی ہیں اور سب سے بڑی رکاوٹیں بھی یہی سمجھی جاتی ہیں۔

1۔ حرصِ دنیا و دولت 2۔ بخل اور کنجوسی 3۔ گستاخی یعنی ضد، حسد عام مخلوق سے یا مرشد کے انعامات دینے پر حسد کرنا۔ مرشد کی رضا کے خلاف قدم بڑھانا۔ یا کسی ہم عصر فقیر کی مخالفت کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں ناکامی اور زوال کا باعث ہیں۔ 4۔ شہوت۔ جب وہ اس کی طرف مائل ہو۔

ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے کہ علمِ نجوم اور رَمل کے بارے میں باتیں شروع ہوئیں۔ آپ مدظلہُ العالی نے اپنی زبان پاک سے ارشاد فرمایا کہ پہلی کتابوں مثلاً توراۃ، انجیل اور زبور میں علم النجوم اور علم الرمل موجود تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اِن علوم کو یکسر منسوخ کر دیا۔ اب ان کے ذریعے روزی کمانا ناجائز اور ان کی تعلیم حاصل کرنا شریعتِ محمدیہؐ میں ممنوع ہے۔ ان کی طرح فقر میں بھی غیب کی بات یا پیشینگوئیاں کرنا منع ہے۔ اگر بعض اولیاء کرام نے کچھ ظاہر بھی کیا تو وہ جلال میں یا حالتِ سکر میں کیا۔ وگرنہ عام حالات میں ضبط کرنا نہایت ضروری ہے۔ انکشافات کا تعلق روحانیت سے ہے اور روحانیت خدا کا خزانہ ہے۔ فقیر کو لازم ہے کہ وہ خزانۂ الٰہی کی حتی الوسع ہر بات کو پوشیدہ رکھ کر اپنے آپ میں ضبط پیدا کرے۔ وگرنہ خدشہ ہے کہ نفس اور شیطان اس خزانے میں ڈاکہ ڈال کر اُسے ضائع نہ کر دیں۔ گو اولیاء کرام کو ازل سے ابد تک سب کچھ معلوم ہے۔ مگر انہیں ظاہر کرنے کا حکم نہیں ہے۔ راز راز میں رکھنا چاہیے۔ جو کہ صرف بندۂ خاص اور خدا کے درمیان ہوتا ہے۔ جنہوں نے راز فاش کر دیا انہوں نے نقصان اٹھایا۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ کَلَّ لِسَانَهٗ" (جو اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے تو وہ زبان سے گونگا ہو جاتا ہے تا کہ حریم کبریا (خدا کے گھر) کی باتیں غیروں کو نہ بتا سکے۔) اس لئے علمِ نجوم اور علمِ رمل کے ذریعے کوئی غیب کی بات بتانا از روئے شرع ناجائز اور فتنہ و فساد کا پیش خیمہ ہے۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد از ذکر پاک ارشاد فرمایا کہ ولی اللہ کا کام مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کرنا ہے۔ ان کی بداعمالیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حکمتِ الٰہی پر صابر و شاکر رہنا ہے۔ نیز مخلوق کیلئے خیر کی دعا میں کثرت کرنا ہے جب کہ عذابِ الٰہی اور نقصان کی دعا کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ اس ضمن میں آپ مدظلہُ العالی نے حضرت یونس علیہ السلام کا مشہور و معروف واقعہ سنایا کہ انہوں نے اپنی امت کی نافرمانی کی وجہ سے ان کیلئے بارگاہِ الٰہی سے آگ کے عذاب کیلئے دُعا کی۔ مگر مقررہ وقت سے حکمتِ خداوندی کے تحت ذرا دیر ہوگئی۔ حضرت یونس علیہ السلام طیش میں آکر سمندر پار کسی اور علاقے کی

طرف روانہ ہوئے کہ قوم کو مَیں نے عذاب کے بارے میں خبر دی اور بات پوری نہیں ہوئی۔اب قوم کیا کہے گی۔ چنانچہ سمندر پار کرنے کیلئے ایک کشتی میں بیٹھ گئے۔اس دور میں یہ روایت تھی کہ سمندر کے طوفان میں جب کشتی پھنس جاتی تو کشتی میں کوئی مفرور (بھاگا ہوا) غلام ہوتا تھا۔جس کو سمندر میں پھینک دیا جاتا۔اس طرح تمام مسافر غرق ہونے سے نجات حاصل کرتے۔اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام کی کشتی بھی سمندر کے طوفان میں پھنس گئی۔ملاّح نے سواریوں سے پوچھا کہ تم میں سے کون اپنے آقا سے بھاگ آیا ہے۔ بہت سے آدمی تھے مگر حضرت یونس علیہ السلام بول اٹھے کہ وہ مَیں ہوں۔آپ چھلانگ لگانے کے لیے جونہی آگے بڑھے لوگوں نے پکڑ لیا۔سب نے کہا کہ آپ غلام نہیں ہو سکتے۔آپ کوئی آقا دکھائی دیتے ہیں۔ہم آپ کو سمندر میں نہیں ڈالتے۔ملاّح نے کشتی کو بچانے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام۔ حضرت یونس علیہ السلام پھر چھلانگ لگانے کیلئے اٹھے۔مگر لوگوں نے روک دیا۔تیسری بار بھی ملاّح نے جتنے جتن کئے سب رائیگاں۔اتنے میں حضرت یونس علیہ السلام یک دم سمندر میں کود پڑے۔تب کشتی روانہ ہوگئی۔چونکہ آپ علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی تھے۔غیبی انتظام ہو چکا تھا۔مچھلی مُنہ کھول کر منتظر تھی۔اس نے آپ علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں لیکر (تمام تر خطراتِ سمندر سے) محفوظ کر لیا۔آپ علیہ السلام نے جب اِدھر اُدھر توجہ کی تو سب سمندری مخلوق ذکرِ الٰہی میں مصروف تھی۔سوائے خدا کی شان کے وہاں کوئی اور چیز نہیں تھی۔یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کو خداوند کریم کی قدرت اور حکمت کا احساس ہوا کہ انسان صاحبِ عقل ہونے کے باوجود خدا کا منکر ہے۔مگر یہ ناسمجھ سمندری مخلوق بھی خدا کی معرفت رکھتی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مصروف ہے۔اگر صرف انسان خدا کی حمد وثنا نہ کرے تو خدا کی خدائی میں کیا فرق پڑ سکتا ہے باقی مخلوق جو اسے کافی ہے۔

اس پر درج ذیل قرآنی آیات کی تسبیح کرتے ہوئے ربِ ذوالجلال سے معافی مانگتے رہے۔ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ"۔(کوئی معبود نہیں سوائے تیرے۔پاکی ہے تجھ کو۔بیشک مجھ سے بے جا ہوا)

یہ الفاظ بار بار پڑھنے پر رحمتِ خداوندی جوش میں آئی۔مچھلی کو حکم ہوا کہ آپؑ کو سمندر کے کنارے اُگل دے۔ چنانچہ مچھلی نے آپ علیہ السلام کو پورے چالیس دن بعد سمندر کے کنارے پر اُگل دیا۔آپ کے جسم کی جلد مچھلی کے نرم و نازک پیٹ میں رہ کر اتنی ملائم اور نازک ہو چکی تھی کہ دھوپ میں نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔خداوند کریم نے آپ علیہ السلام کے جسمِ اطہر پر کدّو کے پودے کی بیل چڑھا دی تاکہ آپ کا جسم صحیح رہے۔چند دن بعد جب جسم صحیح ہوگیا۔کدّو کا پودا خشک ہوگیا۔حضرت یونس علیہ السلام کو دُکھ ہوا کہ اس نے میرے جسم کی حفاظت کی اسے خشک نہیں ہونا چاہیے تھا۔حضرت یونس علیہ السلام نے کدّو کے پودے کیلئے دعا کی۔(خدا نے آپ کی وہ دعا قبول کی اور کدّو کو قیامت تک بقا بخشی)

دعا کرنے پر خداوند کریم نے حضرت یونس علیہ السلام کو بتایا کہ ایک عام سی چیز سے آپ کو تھوڑا سا فائدہ پہنچا اور آپ کو اس کے نقصان کا دُکھ ہوا ہے۔جبکہ میری پیاری مخلوق کیلئے آگ کا ذرا دیر کرنا آپ کو اتنا ناگوار گزرا کہ علاقہ تک چھوڑ دیا۔کوئی تو اللہ اللہ کرتا تھا۔اس قرآنی واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا اولیاء کرام کو بھی مخلوقِ خدا کی خیر

خواہی اور حکمت خداوندی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تبلیغِ دین کا کام سرانجام دینا چاہیے۔اولیاء کرام انبیاء کرام ہی کے نقشِ قدم پر ہوتے ہیں۔اگر ادھر ادھر کہیں متوجہ ہوئے یا کسی غلطی کے مرتکب ہوئے تو ان کی ولایت سلب ہو جانے کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔جب کہ انبیاء کرام اس بات سے مستثنٰی تھے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں متعدد عقیدت مندوں کی موجودگی میں بعد از ذکر وفکر ارشاد فرمایا۔جس طرح کہ ایک انسان مسجد کی طرف جاتا ہے اس کا مقصد ہی خدا کی یاد اور نماز پڑھنا ہوتا ہے۔اسی طرح فقراء کے پاس آنا بھی محض خدا کے لیے ہے جتنے لمحات ان کی خاطر گزارے جائیں وہ بارگاہِ الٰہی میں بلاشبہ مقبول ہیں۔اس لیے اُن کا راستہ معرفتِ الٰہی کا راستہ ہے اور ان کی منزل دیدار الٰہی ہے۔جو بھی اس راستے پر آ گیا اسے ضرور ایک نہ ایک دن معرفت الٰہی حاصل ہو جائے گی اور وہ اپنے اس سچے مقصد میں کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہو جائے گا۔لیکن اس راستے کے مسافر (سالک) کیلئے استقامت اور صداقت لازمی چیزیں ہیں۔خدا سچا ہے۔سچّوں ہی کو مل سکتا ہے۔خداوند کریم ہمارے سارے دوستوں کو راہِ استقامت اور منزلِ صداقت نصیب فرماوے۔آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔بعد از نماز عشاء حلقۂ مریدان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ راہِ فقر میں دو چیزیں کامیابی کا سبب بنتی ہیں۔جب تک سالک اُن پر کاربند رہے تا استقلال نہیں ڈگمگائے گا۔

پہلی چیز کہ صبر اختیار کرے۔جلد بازی سے پرہیز کرے۔یقین کرے کہ ہر کام خدا کی بارگاہ میں وقت کے لحاظ سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے اور یہ نفس کیلئے آزمائش کی گھڑی ہوتی ہے۔اسے لگام دینے اور ضبط کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس کے غلط جذبات کو خدا کی مرضی کے مطابق ڈھالا جائے۔

دوسری چیز عجز وانکساری کہ اپنے آپ کو ہر انسان سے کمتر اور عاجز سمجھے۔آپ بعض اوقات یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔

؎ کمتر از کم شو اگر داری خبر　　　این طریق کاملا نست اے پسر

؎ چوں خدا خواہد کہ مایاری کند　　　میل ما مر جانب زاری کند

(1) اگر تجھ میں عقل ہے تو عاجز سے بھی عاجز بن جا کہ یہی اولیاء کاملین کا طریقہ رہا ہے۔

(2) جب خدا کسی کو اپنی دوستی میں لینا چاہے تو اسے عاجزی کی طرف زیادہ مائل فرمائے گا۔

اس ضمن میں ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک پیر نے جب ایک آدمی کو مرید بنایا تو اسے وظیفہ صرف یہ بتایا کہ اپنے آپ کو مخلوقِ خدا میں ہر شخص سے کمتر اور عاجز سمجھو۔ایک دن وہ مرید دریا کے کنارے جا رہا تھا۔راستے میں ایک فالج زدہ آدمی کو دیکھا۔جس کے نہ ہاتھ صحیح تھے نہ پاؤں اور نہ مُنہ۔دل میں کہنے لگا کہ کم از کم اس آدمی سے تو مَیں بہتر ہوں۔اتنے میں سامنے دریا میں ایک کشتی ڈوبنے لگی۔سواریوں نے اُن کی طرف اشارہ کر کے امداد طلب کی۔فالج زدہ شخص آگے بڑھ کر دریا میں داخل ہوا۔کشتی میں آٹھ آدمی تھے۔سات کو نکال دیا۔ایک غوطے کھا رہا تھا۔فالج زدہ نے آواز دی کہ مَیں

نے معذور ہونے کے باوجود سات آدمی نکال لئے۔ آپ تو مجھ سے تندرست اور بہتر بھی ہیں۔کم از کم ایک آدمی تو نکال دیں اس بات پر مرید بے انتہا شرمندہ ہوا کہ مرشد کے حکم کی خلاف ورزی کی جس سے یہ شرمندگی برداشت کرنی پڑی۔فوراً مفلوج آدمی سے معذرت چاہی اور دوبارہ مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس گستاخی کی معافی مانگ لی۔اس واقعہ کے بعد آپ نے نصیحت فرمائی کہ ہر ایک کو چاہئے کہ دوسرے سے اپنے آپ کو کمتر سمجھے۔اس میں دوسرے مفاد کے علاوہ تہذیبِ نفس اور اتفاق و اتحاد بھی بحال رہتا ہے۔خدا سب کو نصیب کرے۔مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ جز خضوع و بندگی و اضطرار اندریں حضرت ندارد اعتبار

(اس کے دربار میں سوائے عاجزی، غلامی اور بیچارگی کے کسی اور چیز کی کوئی قیمت نہیں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں درسِ فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انسان کو خدا سے صرف اسی کی طلب کرنی چاہیے۔ جنت اور دوزخ خدا کی مخلوق میں سے ہیں۔ان کا طالب نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جس کو اللہ کی رضا حاصل ہو گئی جنت خود اس کی طالب بن جائے گی۔لہٰذا خدا سے اس کی رضا کے علاوہ اور کچھ طلب نہیں کرنا چاہیے۔اس لئے کہ اس کی ''رضا'' ہی میں سب کچھ موجود ہے۔خداوند کریم عقلِ سلیم نصیب فرمائے۔آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے مریدوں کی جھرمٹ میں تشریف فرما اپنی نگاہِ کیمیا ساز سے فیض یاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بابا عبدالرحمٰن پشتو کے ایک شعر میں تعلیمِ فقر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے انسان! تیرے اندر موجود دل کا مقام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے تعمیر کئے ہوئے کعبے کے مقام سے بہت بلند ہے۔

؎ کعبہ بُنگاہ خلیلِ آذر است دل گُزر گاہ جلیلِ اکبر است

(کعبے کا کوٹھا ابراہیم خلیل اللہ نے اور دل کا کوٹھا خدا نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، ظاہر ہے کہ خدا کے ہاتھوں سے بنی ہوئی چیز ابراہیم خلیل اللہ کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چیز سے افضل ہے۔)

اس لئے اگر کوئی شخص اپنے کعبۂ دل کو خدا کی یاد سے آباد کرے۔اس کی ویرانی کو ختم کر کے یادِ الٰہی کا باغیچہ لگا دے۔اس سے زیادہ انسان کیلئے اور کوئی بہتر مقام اور کارنامہ نہیں کہ خدا نے جس گھر کو اپنے لئے بنایا اس میں صرف اسی کو آباد کرے۔نہ کہ اس کے دشمن شیطان لعین کو۔خدا حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرماوے۔آمین۔

ایک مرتبہ آپ مدظلہُ العالی نے ایک مجذوب حال آدمی کے بارے میں بتایا کہ اس کی ظاہری حالت بہت خراب تھی۔ ہر وقت گندے کپڑے پہنتا۔صفائی سے بے خبر، ناک بہتی ہوئی۔سب لوگ اس سے نفرت کرتے تھے ایک دن وہی مجذوب ہمیں راستے میں مل گیا اور کہنے لگا شاہ صاحب! یہ رومال جو تم نے اپنے کاندھے پر ڈال رکھا ہے ہمیں دے دو۔ ہم نے اس سے کہا کہ تجھے صفائی کی تو خبر تک نہیں۔میں تمہیں یہ صاف رومال کیسے دیدوں۔وہ کہنے لگا شاہ صاحب! ظاہری آنکھ سے ہمیں نہ دیکھو باطن کی آنکھ سے دیکھ کر پھر بات کرو۔جب ہم نے اس کی باطنی حالت پہ نگاہ ڈالی تو واقعی

صاحبِ شان تھا۔تب مَیں رومال کاندھے سے اتار کراُسے دینے لگا مگر اُس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بس جو میرا مقصد تھا وہ مجھے مل گیا۔فرمایا کہ وہی مجذوب ہمارے آباؤ اجداد کے مزارات پر حاضری دیتا اور ہر وقت وہیں رہتا۔ مزارات دریا کے قریب تھے۔اس وقت ہم بھی لنگر چلانے کیلئے دربار پر حاضر رہتے تھے۔ایک مرتبہ دریا کا پانی بہت چڑھ آیا۔اُسی مجذوب نے ہم سے کہا کہ شاہ صاحب! ہمیں دریا کے پار پہنچاؤ ہم نے کہا کہ اللہ کے بندے تمہیں دریا کے پار کس طرح پہنچاؤں کہ پانی اتنا چڑھا ہوا ہے۔اس پر وہ بولا کہ اچھا اب مجھے خود ہی دریا پار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اُس نے ہمارے سامنے پہلا قدم دریا میں رکھا تو وہاں سے پانی بالکل خشک ہو گیا۔ دوسرا قدم رکھا وہاں پر بھی پانی خشک ہو گیا۔ چنانچہ اسی طرح اس نے سارا دریا پار کیا اور ہم اس کی یہ کرامت حیرت کے ساتھ دیکھتے رہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ خدا اپنے دوستوں کو ہمیشہ امتحان میں مبتلا رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ کریم کا یہ اصول ہے کہ وہ جس سے محبّت رکھتا ہے اسے مختلف آزمائشوں سے گزارتا ہے تا کہ وہ ہر وقت اس کی توجّہ کا مرکز رہے۔اگر وہ اسے آرام میں چھوڑ دے تو شاید وہ خالقِ حقیقی سے توجہ ہٹا کر مخلوق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کی مخالفت کے ذریعے ہمہ وقت اُسے بیدار رکھتا ہے۔مگر اسے مخالفتوں سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ یہ مخالفین نبی ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے۔ جہاں سردی ہوتی ہے وہاں گرمی بھی ضرور پڑتی ہے۔ جہاں موسیٰؑ ہو وہاں فرعون بھی ہوتا ہے۔اس لئے فقیر کو بجائے گھبرانے کے ہر لمحہ پناہِ الٰہی طلب کرنی چاہیے۔اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا:

ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است ۔۔۔ فضلِ حق داند اگر دشمن قوی است
کشتِ انساں را عدُو باشد سحاب ۔۔۔ ممکناتش را بر انگیزد زِ خواب

(جسے احوال و مقاماتِ خودی طاقت کا پتہ ہے۔ وہ طاقت ور سے طاقت ور دشمن کو اللہ کی خاص رحمت تصوّر کرتا ہے کیونکہ دشمن انسان کی بنجر کھیتی کی سرسبزی و شادابی کے لئے برستے بادل کی طرح ہے جو اس کی پختہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا سبب ہے۔)

1989ء میں سالانہ عرس مبارک کوٹ ادو کے اختتام پر دوستوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی کو دوسرے پر بوجھ نہیں بننا چاہیے۔ ایک عام انسان کیلئے بھی یہ اچھی بات نہیں تو ایک فقیر اور درویش کیلئے تو یہ نہایت نقصان دہ بات ہے۔مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جب گھوڑا پہلے دن کسی گھر میں جاتا ہے تو یہ دیکھتا ہے کہ کیا میزبان میں اتنی حیثیت ہے کہ میرا پیٹ بھر سکے۔یعنی فوراً گھر پر اپنا بوجھ ڈالنے کی سوچتا ہے۔لیکن دوسرا جانور اونٹ ہے۔ جب پہلے ہی دن کسی گھر میں جائے تو وہ میزبان کا بوجھ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔اسی طرح فقیر کو بجائے دوسرے پر بوجھ بننے کے اس کا بوجھ اٹھانا چاہیے۔جس گھر میں جائے انہیں فائدہ پہنچانے کی سوچے نہ کہ تکلیف کا باعث بنے۔ یہ بھی فقراء کا معمول ہے کہ صاحبِ خانہ جس قدر فقیر سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اُسی قدر فقیر کو اس کے مال و دولت میں دست بُرد (استعمال

کرنے) کا حق ہے۔ بلکہ اُس سے بھی کم۔ اگر میزبان کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو فقراء کُلی طور پر اس کی دولت سے احتراز کرتے ہیں۔ (آپ مدظلہٗ العالی خود کئی مقامات پر اس بات کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔) علاوہ ازیں فقیر کو چاہیے کہ اہل خانہ کی کسی چیز پر نگاہ نہ رکھے۔ جو چیز پیش کریں بغیر اعتراض کئے کھائے۔ جہاں جگہ ملے سو جائے۔ بے وقت یا اس کی حیثیت سے بالا کسی چیز کی فرمائش نہ کرے۔ کسی طرح خدمت کا موقعہ ملے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ جس کی خصوصیّت ہے کہ سفر میں زیادہ سے زیادہ فیض ملتا ہے۔ وہ تب تک کہ آداب طریقت کا پاس ہو وگرنہ سفر بے معنی۔ مریدوں کو بھی چاہیے کہ دورانِ سفر کسی پر بوجھ نہ بنیں۔ شیخ سعدیؒ کا فرمان ہے۔

؎ طریقت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجّادہ و دَلق نیست

(طریقت کا مطلب ہی خدمتِ خلق ہے۔ صرف تسبیح و مصلّٰی اور گدڑی نہیں) خدا عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں حلقۂ احباب میں درسِ فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ استقامت سے انسان ہر اُفتاد (مُصیبت) کا مقابلہ آسانی سے کر سکتا ہے۔ اگر مرشد کے ساتھ نسبت مضبوط ہو تو خوف تک محسوس نہیں کرتا شیر بن کے رہ سکتا ہے۔ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک جنگل میں ایک گدھا تھا۔ جنگل کے درندوں اور پرندوں نے اُس کا جینا حرام کر دیا تھا۔ اُس پر ہر طرف سے حملے کر کے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے۔ ایک دن وہاں سے ایک شکاری گزرا۔ گدھے کو دیکھتے ہی اس کی حالت زار پر بڑا ترس آیا۔ اس کے پاس شیر کی کھال تھی۔ اُسے فوراً گدھے پر ڈال دیا جس سے وہ دُور سے شیر دکھائی دیتا تھا۔ تمام جنگلی درندوں نے اسے شیر سمجھ کر دُور دُور رہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ گدھا مزے سے چلتا پھرتا اور اپنا پسندیدہ گھاس چرتا۔ کچھ عرصہ بعد اُس کے زخم بھر گئے۔ سکون حاصل کر لیا۔ ایک دن وہ اپنی عادت کے مطابق زمین پر لیٹنے لگا جس سے اس پر رکھی ہوئی شیر کی کھال اُتر گئی۔ جنگلی جانوروں کو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی زخمی گدھا ہے۔ فوراً حملہ کر کے اُسے ہلاک کر دیا۔

آپ مدظلہٗ العالی ہمیشہ فرمایا کرتے ہیں کہ لباسِ فقر فقیر کو "شیر" جیسا رُعب و دبدبہ عطا کرتا ہے۔ وہ تب تک کہ اس نے اس کے تقدس کو بحال رکھا۔ اس کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ نفس کے دھوکے سے انسان کو ہمیشہ بچنا چاہیے۔ اگر ایک دفعہ بھی نفس کے غلبے کے تحت اُس سے کوئی غلطی ہو جائے تو پھر نفس ہر طرف سے حملے شروع کر کے اُسے رسوائے زمانہ کر دیتا ہے۔ قول سعدیؒ ہے۔

؎ بسا نامِ نیکوئی پنجاہ سال   کہ یک نامِ زِشتش کُند پائمال

(مدّتوں کے پرہیزگاروں کو نفس و شیطان نے ایک ہی حملے سے ہمیشہ کیلئے گمراہ کر دیا۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ بعد از ذکر و فکر دوستوں کو نفس و شیطان کے وساوس اور دھوکوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مَیں نے حدیث پاک میں پڑھا "جب دو مسلمان اکٹھے سفر کرنے کے بعد واپس

لوٹتے ہیں تو نہیں لوٹتے مگر لڑ کر اور مُنتشر ہو کر'' کیونکہ شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ یہ دوبارہ محبّت اور اتفاق سے نہ سفر کر سکیں اور نہ پیار و محبّت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ سکیں۔ مَیں حیران رہ گیا کہ شیطان کسی بھی حالت میں مسلمان کو راہ راست پر دیکھنا نہیں چاہتا۔ اِنہی دِنوں ہمارے ہمسایہ راجن شاہ صاحب، جو کہ زرگر تھے، حج سے واپس تشریف لائے۔ نہایت نیک انسان تھے۔ مبارکبادی کیلئے جب اُن کے پاس پہنچا تو پوچھا کہ حاجی صاحب! مَیں نے اس طرح حدیث پاک میں پڑھا ہے تو حاجی صاحب نے بڑی حیرت سے بتایا کہ شاہ صاحب! واقعی آپ ﷺ نے ٹھیک فرمایا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر ہمارے دوست بہت زیادہ برہم ہو جاتے۔ بڑی مشکل سے یہ سفر ہم نے بخیر انجام دیا۔

حالانکہ دوسرے بدعقیدہ لوگ بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ لیکن وہ آپس میں بڑے اتفاق سے رہتے اور ایک دوسرے پر اعتراض تک نہ کرتے۔ یہ بالکل سچ اور حقیقت ہے کہ شیطان صرف صحیح العقیدہ لوگوں میں انتشار اور اختلافات پھیلانے کی انتہائی کوشش کرتا ہے تاکہ بے سکونی کا شکار ہو کر بھلائی سے دُور رَہیں۔ اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے نصیحت فرمائی کہ شیطان ہر وقت تمہارے اندر اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر نفس اور شیطان کو لات مار کر اتفاق و اتحاد کے ذریعے اپنے خدا کو راضی کرو۔ مسلمان تو ہر حالت میں ایک ہی ہیں۔ اختلاف اگر ہو بھی جائے تو درگزر سے کام لو۔ اپنی اپنی جانوں کو نفسانی دھوکہ سے بچا کر خدا کی تابعداری اختیار کرو۔ اللہ کریم سب دوستوں کو انتشار سے بچا کر اتفاق نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ایک دوست نے عرض کی کہ حضور! کیا وجہ ہے؟ آپ کے اکثر مرید بیماریوں اور مفلسی کا شکار ہیں جبکہ اس دَور کے دوسرے پیروں کے مرید دنیاوی لحاظ سے اچھے بھلے خوشحال معلوم ہوتے ہیں؟۔ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ شہنشاہِ فقر حضرت رسالت مآب ﷺ کا دونوں جہانوں میں پسندیدہ گروہ غُربا اور مساکین کا گروہ ہے۔ اصحاب صُفّہ کے پاس بیٹھتے تو فرماتے کہ خدایا! اِس جہان میں بھی ان لوگوں سے میری صحبت رہے اور قیامت کے دن بھی ان لوگوں کے ساتھ رہوں۔ لہٰذا ہم فقیروں کے نزدیک اس دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں کہ رسول خدا ﷺ کے پسندیدہ لوگوں میں ہمارا اور ہمارے مریدوں کا شمار ہو۔ دنیا عارضی شئے ہے۔ لیکن جو اَبدی اور لافانی زندگی ہے اُس میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی صحبت میسر ہو تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہو گی۔ ہمارا فقر بعینہٖ فقر محمدی ﷺ ہے اور پیغمبر ﷺ اسی فقر میں کاملیّت کی وجہ سے امام الانبیاء، نبی الانبیاء اور سیّد المرسلین ٹھہرے۔ انسان کو مال و دولت اور دنیاوی اسباب کیلئے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ انسان خود مرکزِ اسباب، نوِشتہ الٰہی اور تقدیر الٰہی بن کر اس دنیا میں آیا ہے۔ انسان کسی مادی چیز کا محتاج نہیں۔

؎ تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدار قوّتِ حیدری (اقبالؒ)

یہی وجہ ہے کہ کسی ولی یا فقیر نے دنیاوی مال و دولت کیلئے خدا کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز نہ کیا اور شکر

الحمدللہ ہمیں بھی خداوند کریم نے اِس پُرفتن دور میں وہی راستہ عطا کیا ہوا ہے۔ اسی لئے ہمارے اکثر مرید اس مقام پر ہیں۔ خداوندکریم نے اولیاء کرام کے کئی مریدوں کو مقام غنا میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ، مقام صداقت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، مقام عدالت میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مقام شجاعت میں حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کا نقش قدم نصیب کیا ہے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو حلقۂ مریدان میں چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلوب مریدین کو منوّر فرما رہے تھے۔ ہر ایک کا یہ خیال تھا کہ مرکز توجّہ میں ہوں اور مخاطب مجھی سے ہیں۔ ''رضا بر قضا'' پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ وہ قضائے الٰہی اور مشیّتِ ایزدی کے سامنے سرِتسلیم خم کر کے اس پر دل و جان سے راضی ہو جائے۔ اس میں بندے ہی کی سلامتی ہے۔ خوشی پہنچے تو شکر ادا کرے۔ تکلیف پہنچے تو صبر کرے کہ مصیبت میں گرفتار کیا کسی گناہ میں مبتلا نہ کیا۔ اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن ہر وقت ثواب اور نیکی کماتا ہے۔ یعنی خوشی پر شُکر اور تکلیف میں صبر سے۔

اس کی مناسبت سے تاریخِ اسلام سے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار میں سے ایک نے، جو کہ بڑا مالدار تھا، اپنا سارا ساز و سامان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر کر کے صدقہ کر دیا اور گھر میں کچھ نہ بچا۔ مکمّل فقر میں آ گیا۔ دوسری طرف سے اس کا امتحان بھی شروع ہو گیا اور انتہائی تنگدستی سے پریشان ہو کر نفس و شیطان کے دھوکے میں آیا کہ آج جا کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مانگ لوں گا۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دُعا فرما دیں اللہ تعالیٰ مجھے ایک بھیڑ عنایت فرمائے تاکہ بچے اس کا دودھ پی لیں اور اُس کی نسل سے مَیں اپنے اخراجات پورے کر سکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبر کریں اور شُکر ادا کریں کہ آپ کو اتنی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ آپ اس تنگدستی میں ٹھیک ہیں۔ یہی چیز خدا کو پسند ہے اور آپ کے مفاد میں ہے۔ مگر وہ نہ سمجھ سکا۔ بار بار اصرار پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا کی اچھا! اگر تُو نہیں مانتا تو خداوند کریم تجھے عنقریب کسی وسیلے سے بھیڑ دے دے گا۔ چنانچہ اُس نے چند دن بعد بھیڑ خرید لی اور اُس کی نسل اتنی بڑھی کہ چند سالوں کے اندر اندر وہ امیر کبیر بن گیا۔ یہاں تک کہ کسی جہاد کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالی امداد کیلئے ایک صحابی کو اس کے پاس روانہ فرمایا تو اُس نے کچھ بھی نہ دیا اور صاف صاف انکار کر دیا۔ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر ناراض ہو گئے۔ مگر اُسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مُرتد ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں وہ اِسی حالت میں دولتِ ایمان سے محروم مر گیا۔ خدا سب دوستوں کو دولت کے وبال سے محفوظ فرماوے۔ آپ مدظلہُ العالی نے مزید ارشاد فرمایا کہ اس انصاری کا حال بالکل اسی طرح ہو گیا تھا جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کے دَور میں قارون کی حالت ہو گئی تھی۔ فرمایا اگر انصاری رضا بہ قضا رہتا تو اس زوال میں ہرگز نہ آتا۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ وہ ہر حالت میں راضی بہ قضا رہتے ہوئے شُکر ادا کرے۔ ہمارے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام نے عملی طور پر نمونے پیش کئے اور راہِ حقیقت کی نشاندہی کی۔ خدا سب کو سمجھنے اور عمل

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ احتیاطِ فقر کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مریدین کو سمجھایا کہ درویش کو ہمیشہ ظاہری اور باطنی ہر چھوٹی سے چھوٹی برائی سے بچتے رہنا چاہیے۔ ایک عام آدمی اگر برائی کرے گا تو دنیا اس کے فعل کو غیر اہم سمجھتے ہوئے خاموش رہے گی۔ کیونکہ گدلا پانی اگر مزید گدلا ہو جائے یا کالا کپڑا مزید کالا ہو جائے تو فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اگر درویش سے کوئی برائی ہو جائے تو ساری دنیا اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ کیونکہ اُس پر خدا کی خاص نگاہ ہے۔ اس لئے ایک فقیر کی غلطی نہایت وزن دار اور قابلِ گرفت ہوتی ہے بہ نسبت ایک عام آدمی کے کہ اُس کے سامنے اچھائی اور برائی کی اتنی تمیز ہی نہیں۔ خداوند کریم ہمیں ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ، ظاہری اور باطنی غلطیوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں زبانِ حال سے ارشاد فرمایا کہ فقیر بھی دوسرے لوگوں کی طرح اس دنیا میں پھرتا ہے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ لوگ ایک چیز کو دیکھ کر بغیر غور کئے گزر جاتے ہیں مگر فقیر دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرتا ہے۔ عجائباتِ زمانہ کی تہہ تک پہنچتا ہے۔ حقائقِ دنیا کی گہرائیوں میں غوطے لگا کر دُرِّ شہوار نکالتا ہے۔ مثال دیتے ہوئے محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصّہ بیان فرمایا کہ ایک دن محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آج بہلول کو بھی شکار اور سیر کرنے کیلئے ساتھ لے جائیں گے۔ وُزراء اور اُمراء ہم رکاب تھے۔ بہلول کی سواری سجائی گئی۔ روانہ ہوئے، راستے میں جب ایک گندگی کا ڈھیر آیا تو بہلول ٹھہر گیا اور مُڑ مُڑ کر ''ہاں ہاں'' ''ہوں ہوں'' کرنے لگا۔ بادشاہ شرمندہ ہوا کہ بھائی گندگی پر جا ٹھہرا۔ اِس سے بہتر تھا کہ اِسے ساتھ نہ لاتے۔ بادشاہ نے خود آ کر اُسے بڑے سخت لہجے میں کہا چلو آگے یہاں کیا کرتے ہو۔ مگر بہلول نے کہا بادشاہ سلامت آپ بڑے عقلمند ہیں۔ ایک سوال کا جواب تو دے دیں یہ گندگی کا ڈھیر مجھ سے سوال کرتا ہے کہ ہماری حقیقت یہ ہرگز نہیں تھی۔ ہم بہترین اور پاک وصاف غذا تھے۔ مگر جب انسان نے ہمیں استعمال کیا تو ہمیں خراب کر کے یہاں پھینک دیا۔ اب جب بھی وہ میرے قریب سے گزرتا ہے نفرت سے دیکھتا ہے اب گندگی کا ڈھیر پوچھتا ہے کہ قصور میرا ہے یا انسان کا۔ آپ سوچ کر اس کا جواب دیں۔ پھر میں آگے چلوں گا۔ بادشاہ لاجواب ہو گیا کہ بھائی واقعی صحیح کہتا ہے۔ کیونکہ ایک کھانا جب اللّٰہ کا ایک نیک بندہ استعمال کرتا ہے تو وہ نُور بن جاتا ہے اگر ایک عام آدمی استعمال کرتا ہے تو وہ گندگی بن کر نکل جاتا ہے۔ بقول رومیؒ:۔

؎ ایں خورَد گردد پلیدی زیں جُدا واں خورَد گردد ہمہ نُورِ خدا

(ایک کے کھانے سے پلیدی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کے کھانے سے نورِ خدا۔) بادشاہ نے بہلول سے معذرت چاہی۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا کہ کوہاٹ میں ایک فقیر رہتے تھے۔ وہ روزانہ ایک پورا دُنبہ کھا جاتے تھے مگر اجابت مہینوں کے بعد کرتے۔ کیونکہ اُن کے مرشد کی اُن پر اتنی توجّہ تھی کہ ان پر ایک نظر ڈالتے ہی اُن کا سارا کھانا نُورِ الٰہی میں بدل جاتا

تھا۔مولانا رومیؒ بتاتے ہیں:۔

؎ باید اوّل لُقمہ را سازی گہر　　بعد زاں ہر چہ میخواہی بخور

(پہلے غذا کونُو رِمعرفت میں بدلنے کی صلاحیّت پیدا کر پھر جتنی مرضی آئے کھالے۔)

نیز اولیاء کرام کی بارگاہ میں اور لنگروں میں جو کچھ پکتا ہے وہ ظاہری طور پر تو کھانا اور روٹی ہی دکھائی دیتی ہے مگر باطن میں وہ فیض ہوتا ہے۔اس لئے بنوں شریف آستانہ عالیہ پر جب ہم جاتے ہیں تو آپ مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ جو جتنا زیادہ کھائے اتنا ہی فیض پائے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ لیّہ میں جلوہ افروز تھے۔باتوں باتوں میں ''احتیاطِ فقر'' کے بارے میں از راہ نصیحت ارشادفرمایا کہ ''ترمذی شریف''بلوچستان اور افغانستان کے درمیان بارڈر پر ایک بستی ہے جہاں صوفی عبدالغفور صاحب المعروف خواجہ بنور رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔اُن کے مریدوں میں سے حاجی بہادر رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے کامل ولی اللہ ہوگزرے ہیں۔(اِنہیں خواجہ بنور اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ریاست بنور کے باشندے تھے۔)

صوفی عبدالغفور صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظاہری و باطنی عُلوم سے مالا مال کئی سو طلباء کو بیک وقت فقہ وتصوف کا درس دیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ دورانِ تدریس کیڑا بن کر زمین کے اندر گھس گئے۔طلباء حیران رہ گئے معلوم نہیں کہ آپ کو کیا ہوا کوئی ''جن یا ساحر''تو نہیں ہیں۔کچھ دیر بعد آپ اُسی سوراخ سے نکل کر واپس سابقہ حالت میں اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔طلباء نے اِس نظارے کے بعد پڑھنے سے انکار کر دیا کہ حضور پہلے اس کے بارے میں سمجھا دیں تب ہم پڑھیں گے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دو مرتبہ تو خاموش رہنے کا مشورہ دیا مگر طلباء کے بار بار اصرار پر مجبور ہوئے۔بتایا کہ مَیں نگاہِ باطن سے دیکھ رہا تھا کہ ایک ہندو دریا میں غرق ہونے کو تھا کہ اُس کا زُنّار ٹوٹا۔زُنّار ٹوٹتے ہی اُسے کلمہ طیّبہ نصیب ہوا۔مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ یہ زُنّار کہیں کسی مسلمان کا ایمان نہ سلب کرلے۔اس اندیشے میں مَیں اپنا ایمان بچانے کی فکر میں پڑ گیا یہاں تک کہ مَیں نے اپنا انسانی روپ ہی بدل دیا کہ نہ انسانی شکل میں رہوں گا اور نہ زُنّار گلے میں آئے گا۔یعنی میں نے کیڑا بن کر اپنا ایمان بچالیا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے بھی کبھی اپنے ایمان کے تحفّظ کے بارے میں سوچا ہے کہ جس کی قیمت دونوں جہانوں کی سونا چاندی نہیں بن سکتی۔اس وقت ایمان بچانا اور وہ بھی اتنے بڑے بزرگ کا اس قدر مشکل تھا۔آج اس پُرفتن دور میں تو ایمان بچانا بہت ہی مشکل اور نہایت بہادری کا کام ہے۔جس نے اِس دور میں اپنا ایمان سلامت رکھا وہ اِس دور کا سب سے بڑا ولی اللہ ہے۔خداوند کریم سب دوستوں کو ہر قسم کی فتنہ بازیوں سے بچا کر ایمان سلامت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

ایک مرتبہ دورِ حاضر پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آج کل کے لوگ فراڈ اور کرامت دکھانے والے کو زیادہ

مانتے ہیں بلکہ کرامت دیکھے بغیر ولی اللہ کو تسلیم کرنے تک تیار نہیں ہوتے۔ وہ بھی خواہ جس قسم کے آدمی سے صادر ہو۔ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ ولی اللہ کی اصل پہچان کرامت نہیں بلکہ سنتِ رسول اللہ ﷺ پر کاربند رہنا ہے۔ کرامت کا اظہار کوئی بڑی بات نہیں مگر اس گمراہ اور پُرفتن دور میں زیادہ تر لوگ ولی اللہ کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ جس کے پاس ذرہ برابر ایمان ہے اگر کرامت پر ذراسی نکتہ چینی یا اعتراض کر بیٹھے تو وہ اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ لہٰذا اس پُرفتن دور میں کرامت دکھانے کے نقصانات زیادہ اور فائدے کم ہیں۔ اس لیے ہم زیادہ تر کرامت دکھانے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ اور زمانہ تھا جب لوگوں کی قوّتِ ایمانی مستحکم ہوا کرتی تھی۔ لوگ صاحبِ نظر اور حقائق شناس ہوا کرتے تھے۔ ذراسی کرامت دکھانے پر ولی اللہ کے پاس دھڑا دھڑ احاضر ہونے لگتے۔ جس قدر ایمان کمزور ہوتے جارہے ہیں۔ اسی قدر ولی اللہ اور اس کی کرامت کی قدر بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔

دورِ حاضر کی عکاسی کرتے ہوئے آپ نے اپنے ایک مرید کی باتیں سنائیں۔ (جو کہ مزاحیہ قسم کا تھا)۔ ایک دن وہ کہنے لگا کہ حضور! میں ایک پانی کا مشکیزہ بھر کر زمین میں دبا دیتا ہوں۔ پھر آپ مجھے وہاں حکم دیں گے کہ یہاں سے پانی نکالو میں وہاں چُھری ماروں گا پانی نکل آئے گا۔ لوگ اسے کرامت سمجھ کر آپ سے بہت متاثر ہو جائینگے۔ یا میں سفر کے دوران ڈرائیور کو پہلے کہہ دونگا کہ فلاں جگہ اچانک بس روکنا۔ جب بس اس جگہ پہنچے تو آپ فوراً کوئی اشارہ کر دیں تو اتنے میں بس بھی رک جائے گی۔ لوگ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر کہ پیر صاحب کے ایک ہی اشارے پر بس خود بخود رک گئی۔ متاثر ہو کر عقیدت مند بن جائیں گے۔ ان باتوں کے سنانے پر محفل میں سب لوگ ہنسنے لگے ہم نے اسے سمجھایا کہ ولی اللہ کا یہ کام نہیں اور نہ ہمارے پاس کوئی فراڈ ہے۔ خداوند کریم آپ کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

فقر اور مولویّت کو آپ اس دور میں کسی حد تک جُدا جُدا خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ آجکل کے مولوی تنگ نظر، جھگڑالو اور متعصّب قسم کے ہیں۔ جبکہ اسلام ان چیزوں کی اجازت ہرگز نہیں دیتا اور فقر عینِ اسلام بلکہ رُوحِ اسلام ہے۔ تو ان چیزوں کو جو کہ اخلاقی برائیوں کی جڑ ہیں کیسے اپنے اندر سموسکتا ہے؟۔ دیگر یہ کہ فقر باطنی معاملہ ہے۔ اس کا ہر کام حکمت اور استقامت کے تحت ہے۔ جبکہ مولوی حضرات ظاہر بین اور زمانہ ساز ہیں۔ حق و باطل میں واضح تمیز کرنا اور ان کے درمیان خطِّ فاصل کھینچنا صرف فقیر کا کام ہے۔

؎ پرواز ہے دونوں کی اِسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن — مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور (اقبالؒ)

اس عنوان کی مناسبت سے ایک مرتبہ کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حلقۂ مریدان میں معمول کے مطابق ایک مقررہ وقت پر ذکر بالجہر فرمایا کرتے تھے۔ اِسی محلے میں ایک مولوی صاحب رہتے تھے۔ پہلے تو انہوں نے ذکر بالجہر پر اعتراضات کئے مگر حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے دلائل دیکر

سمجھایا۔ مولوی صاحب قائل ہو گئے اور محفل میں بھی شریک ہونے لگے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مبارک تھی کہ جب بوقت ذکر وجد میں آتے تو زور زور سے اپنا دایاں ہاتھ گھمانا شروع کر دیتے۔ جب تک ذکر ختم نہ ہوتا یہ حال جاری رہتا۔ مولوی صاحب نے ایک دن عرض کی کہ حضور! ذکر بالجہر تو ٹھیک ہے لیکن ہاتھ گھمانے کا کیا مقصد؟ آپ نے پہلے اسے سمجھایا کہ یہ میرا ذاتی فعل ہے تجھے اس سے کیا مطلب تُو بے شک ہاتھ نہ ہلایا کر۔ مولوی صاحب نے نہ مانتے ہوئے یہ اصرار کیا کہ اس کے بارے میں بھی ضرور تشفّی فرمائیں۔ آخر کار حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی صاحب سے کہا کہ اس بات کا میرے پاس کوئی ظاہری جواز نہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔ جب میرا ہاتھ گھومنے لگے تو آپ خود آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیں تو وہ نہ گھومے گا۔

چنانچہ دوسری شام مولوی صاحب نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ آج آپ کے ہاتھ کو پکڑ کر روک لوں گا کیونکہ یہ شریعت کے خلاف چلتا ہے۔ چنانچہ دوسری شام مولوی صاحب نے ذکر میں شرکت کی۔ جب حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ہاتھ گھمانا شروع کیا تو مولوی صاحب نے فوراً پکڑ لیا۔ بس ہاتھ پکڑنے کی دیر تھی۔ مولوی صاحب ایک ایسے سنسان، ویران اور بے آب و گیاہ کالے پہاڑ پر جا گرے کہ جہاں جاندار اور آبادی کا نام و نشاں تک نہ تھا۔ حیران و پریشان! خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر تین راتیں گزاریں۔ چوتھے دن دیکھتے ہیں کہ ایک نہایت خوبصورت، خوش لباس اور سفید ریش آدمی چلا آ رہا ہے۔ مولوی صاحب کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ راستے ہی میں جا کر اُن کے پاؤں پڑے اور پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں خضر علیہ السلام ہوں۔ تمہاری آہ و زاری پر خداوند کریم نے مجھے راہنمائی کیلئے بھیجا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو۔ مولوی صاحب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ خضر علیہ السلام نے بتایا کہ یہ کوہ قاف ہے۔ یہاں سے آپ کا واپس بغداد پہنچنا ہمیشہ کے لیے ناممکن ہے اور اس معاملے میں مَیں بھی بے بس ہوں مگر صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ جس ہاتھ سے تم اس جگہ پھینکے گئے ہو اسی وقتِ مقررہ پر وہ ہاتھ روزانہ یہاں سے گزرتا ہے۔ اگر تم اسے دیکھ لو تو صرف وہ ہاتھ آپ کو واپس بغداد لے جا سکے گا۔

چنانچہ مولوی صاحب شام کو وقت کا اندازہ کر کے ہاتھ پکڑنے کی تاک میں بیٹھ گئے۔ اچانک دیکھا کہ ہاتھ بڑی تیزی سے گزر رہا ہے۔ جھٹ پکڑ لیا۔ آنکھ جھپکنے کی بھی دیر نہیں لگی کہ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو بغداد میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی محفلِ ذکر میں موجود پایا کہ ذکر جاری ہے اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ گھوم رہا ہے۔ ذکر ختم ہونے کے بعد حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی صاحب سے پوچھا کہ مولوی صاحب! دو تین دن کہاں گم رہے؟ مولوی صاحب شرمندہ ہو کر قدم بوس ہوئے اور آئندہ کیلئے معافی مانگ لی۔

یہ حیرت انگیز واقعہ سنانے کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے مزید فرمایا کہ مولوی ظاہری شریعت کا تو بے شک پاسبان ہوتا ہے جیسے کہ ایک کمرے کا باہر سے پہرہ دیتا ہے لیکن اسے کمرے کے اندر کے بارے میں کچھ علم نہ ہو۔ جبکہ فقیر

اس کمرے کے اندر کی حالت کا آنکھ سے مشاہدہ کررہا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اس لئے مولوی حضرات کو ان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ ان کے پاس حقیقت بیں آنکھ جو نہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ رِقابت علم وعرفاں میں غلط بینی ہے ممبر کی — کہ حلاجؒ کی سولی کو سمجھ بیٹھا رقیب اپنا

اگست 1989ء کو آستانہ عالیہ بنوں شریف میں شرفِ دیدار حاصل کیا۔ بعد از نمازِ عصر کسی دوست کے اعتراض کے جواب میں کہ رسول خدا ﷺ کی ذاتِ پاک نور ہے یا بشر۔ جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ کے نُور کے معاملے میں خدا کے مقرّب فرشتہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بھی دم بخود رہے کہ جن کی نُورِ بصیرت اور عقل وفہم کا ہر کسی کو اندازہ ہے۔ تو ہم تم گنہگار اس پر کیا رائے زنی کرسکتے ہیں۔ دوسری طرف آپ کی بشریّت کا یہ عالم ہے کہ معراج میں آپ ﷺ اپنے سارے بشری تقاضوں کے ساتھ محوِ پرواز تھے۔ یہاں تک کہ تنِ اطہر پر دنیاوی لباس تک موجود تھا۔ وہی جبرائیل امین علیہ السلام آپ ﷺ کے ہم رکاب ہیں۔ بشریّت مقام عروج کی طرف برق سے بھی کئی گنا تیز منازلِ قُرب طے کر رہی تھی۔ آخر کار جبرائیل امین علیہ السلام، جو کہ سراپا نُور ہیں، اپنی تمام تر قوّت اور نورانیّت کے باوجود ہار کر عرض گزار ہوئے کہ اس سے اوپر یارسول اللہ ﷺ اگر بال برابر اُڑوں تو تمازتِ نُورِ الٰہی سے میرے نُوری پَر جل جائیں۔ سیّد الملائکہ بے بس ہو کر مقام عجز پہ ٹھہر گئے۔ محبوب خدا ﷺ عرش وکرسی سے گزر کر لامکاں میں "قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنیٰ" پہ فائز ہو کر خدا کی طرف سے "اُدْنُ مِنّی" کے تقاضے پورے کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ کی "بشریّت" کی حقیقت کو جبرائیل امین علیہ السلام بھی معلوم کرنے سے قاصر رہے۔ تو پھر آپ ﷺ کے نُور کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ ہم تم ناقص انسان جن کے بارے خداوند کریم نے اپنی معرفت کے سامنے "ظَلُوْماً جَهُوْلاً" تک فرمایا کیسے معلوم کرسکتے ہیں۔ ایسی باتیں محض وقت کو ضائع کرنے اور عمل نہ کرنے کی طرف نشاندہی کرتی ہیں۔ نفس اور شیطان کی طرف سے یہ فتنہ وفساد پھیلانے کے ذرائع ہیں۔ بقول اقبالؒ:

؎ کم نگاہاں فتنہ ہا انگیختند — بندۂ حق را بدار آویختند

(کم ظرفوں نے اپنی کج فہمی کی وجہ سے محض فتنہ پھیلا کر ایک اللہ کے خاص بندے کو ناحق تختہ دار پر چڑھادیا۔)

ہم لوگ ایک ولی اللہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں کرسکتے تو نبیوں کے بھی نبی ﷺ کے نُور اور بشریّت کے بارے کیا کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔ ہمارے لئے تو نبی ﷺ کے بارے میں اتنا ہی ماننا اور عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ آپ ﷺ نوری لحاظ سے بھی بے مثل اور بشری لحاظ سے بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ آپ ﷺ اوّل بھی تھے اور آخر بھی ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت وسنت پر عمل کرنے سے آپ کی شفقت ومحبّت اور خدا کی معرفت (پہچان) نصیب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بس۔ بقول غالبؒ:

؎ غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم — آں ذات پاک خود مرتبہ دانِ محمد است

(محبوب خدا کی تعریف ہم نے خدا کے سپرد کی ہے کیونکہ صرف اُسی کی ذات ہی آپ ﷺ کی قدر ومنزلت اور

شان ومرتبہ جانتی ہے یعنی حقیقتِ محمدی ﷺ صرف خدا ہی کو معلوم ہے اور کسی کو یہ عرفان نہ حاصل ہوا اور نہ حاصل ہوگا۔)

ہاں اگر تھوڑی سی اس کی نورانیت اور بشریّت کی نشاندہی اور خوشبو سونگھنا ہو تو بجائے باتیں بنانے کے عمل کرنا شروع کردو۔ عمل ہی کے ذریعے سے خود خدا کی طرف سے یہ انکشاف نصیب ہوجائے گا کہ آپ ﷺ نور ہیں یا بشر۔ نُور تو کیسا نُور اور بشریّت تو کیسی بشریّت جھلک ضرور مل جائے گی۔ مگر:

؎ ایں سعادت بہ زور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قرآن عرفانِ محمد ﷺ کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے کہ "وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا" (اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھاویں گے۔) یعنی عبادت ومجاہدہ کرکے اپنے شک وشبہ کو یقین واطمینان اور ایقان وعرفان میں بدل دو۔ مزید فرمایا "وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنَ" (اپنے رب کی اس قدر عبادت کرو کہ ہر بات کو خود یقین کی آنکھ سے دیکھ سکو۔)

14: ۔تعریف وتوضیحِ تصوّف واہلِ تصوّف

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بنوں شریف میں قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ بعداز زیارت آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبان پاک سے ارشادفرمایا کہ دین اور دنیا دومختلف چیزیں ہیں اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دنیاداری میں منافقت،ضد اورحسد جیسی بیماریاں ہروقت موجودرہتی ہیں۔ دنیا داری اختلافات کی جڑ ہے۔فرمایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جارہے تھے۔راستے میں چند آدمیوں کو دیکھا کہ وہ حلقہ بنا کر بڑے اتفاق اور سکون کے ساتھ ذکرخدا میں مشغول ہیں۔اتنے میں دنیا (ایک بدشکل عورت کے روپ میں) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ اے موسیٰ علیہ السلام آج اِن آدمیوں کودیکھوجودنیا سے علیحدہ ہوکرکتنی محبّت کےساتھ ذکرخدا میں مشغول ہیں۔مگراب یہ لوگ جونہی یہاں سے اٹھ کر دنیاداری کی طرف جائیں گے۔ان میں ایسے دنیاوی اختلافات ڈالوں گی کہ دوسرے دن آپ انہیں یہاں ذکرِخدا کرتے ہوئے نہ پائیں گے۔ یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام جب دوسرے دن واپسی پر وہاں پہنچے تو وہ آدمی وہاں نہ تھے۔مولانا رومیؒ نے سچ فرمایا:

؎ می گُریزد ضِدہا از ضِدہا شب گُریزد چوں بر اَفروزد ضیاءٔ

(ضدّیں،ضدّوں سے دور بھاگتی ہیں جیسے کہ روشنی آتے ہی تاریکی بھاگ جاتی ہے)

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پڑھ کر اس کا مطلب بیان فرمایا کہ دنیادار دیندارنہیں بن سکتا اور دیندار دنیادارنہیں بن سکتا۔اس بات کیلئے فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے بطور ثبوت موجود ہے کہ آخری وقت تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر ہوکرکھانا نہ کھایا۔اگرشام کا کھانا ہوتا تو صبح کا نہ تھا۔یہی حالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تادم زیست رہی اور یہ فقیری کیلئے ایک درخشندہ نمونہ ہے۔اس سے باہر نہ فقر ہے اور نہ فقیری۔تاریخِ اسلام میں خال خال ایسے اللہ والے ملیں گے جن کے پاس دولت رہی ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام،حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ لیکن یہ لوگ دولت صرف خدا کے لیے رکھے ہوئے تھے۔دنیا صاحبِ نفس کوخراب کردیتی ہے۔صاحبِ دل اور صاحبِ روح کوسنوار دیتی ہے۔حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ''نِعْمَ مَالُ صَالِحُ وَالرَّجُلُ صَالِحُ'' یعنی نیک آدمی کیلئے دولت اچھی چیز ہے۔دنیا کا دین پر استعمال کرنا اس کا اصل مصرف ہے۔فقراء دنیاداری سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ دنیاداری کا رُجحان گمراہی کی طرف زیادہ ہے اور فقراء کو ہروقت یہ احساس دامن گیر رہتا ہے کہ یہ کہیں ہماری روحانی ترقی میں حائل نہ ہو جائے۔ یہ کھٹکا اگر نہ ہی ہوتو بہتر ہے (جبکہ نفس اور شیطان کے خطرات بھی ساتھ ساتھ ہیں) نہ دنیا کے مالک بنیں اور نہ ہی قیامت کے دن خدا کے حضور اس کے ذرّے ذرّے کے احتساب کیلئے بلائے جائیں۔ اس بات کا سب سے بڑا نمونہ ہمارے نانا کریم،سردارانبیاء اور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ دنیا کیلئے نہ دعا کی اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ دی۔فقراء کیلئے یہی نقش پائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت طیبہ ہی صراطِ مستقیم،صراطِ طریقت اور صراطِ حقیقت ومعرفت ہے اور بس۔

ع بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست (اقبالؒ)

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء کرام کو سفر سے بہت کچھ فائدہ ملتا ہے۔ ان کیلئے سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے اوّل یہ کہ سفر میں انسان اپنی خواہش کے مطابق کوئی کام نہ کر سکے گا جس سے تربیتِ نفس ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ سفر میں دُکھی مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے۔ ولی اللہ کی دعا اور برکت سے اللہ کریم عام مخلوق کے دکھ تکالیف دور فرماتا ہے جس سے اُسے روحانی ترقی اور قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

آپ مدظلہُ العالی نے سفر میں ایک ولی اللہ کو شہد کی مکھی سے تشبیہ دی کہ وہ دُور دُور تک اور ہر جگہ سے پھولوں کا رس اکٹھا کرتی ہے۔ قطرہ قطرہ سے ایک چھتّہ تیار کرتی ہے جس کو خداوند کریم نے لوگوں کیلئے شفا فرمایا ہے۔ اسی طرح ولی اللہ بھی نگر نگر سفر کر کے برکات حاصل کرتا ہے۔ پھر مخلوق کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اپنے آرام اور خواہشات نفسانی کو پس پشت ڈال کر ایک ایک مرید اکٹھا کرتا ہے اور اُن کو راہِ خدا پر چلاتا ہے۔ اس لئے ولی اللہ کیلئے لازمی ہے کہ وہ سفر اختیار کرے۔ اللہ کریم توفیق عنایت فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مریدوں اور احباب کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے۔ مخلوق کی بے راہ روی کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ آپ مدظلہُ العالی نے اپنی زبانِ حقیقت بیان سے حاضرین کے حوصلے بلند کئے۔ کہ لفظ ''کُن'' سے اگر خدائے عزوجل ''عالمِ خیر وشر'' پیدا کر سکتا ہے تو کیا پھر ایک ہی لفظ ''کُن'' سے سب ''برائی اور شر'' ختم کر کے اپنی ساری مخلوق کو اللہ، اللہ کرنے پر نہیں لا سکتا؟ لا سکتا ہے اور کر سکتا ہے! مگر اس میں انبیاء و اولیاء کیلئے امتحانات و آزمائشیں ہیں۔ اس میں حکمت اور راز ہے۔ کسی میں تکبّر رکھ دیا کسی میں عجز۔ کسی کو صاحبِ عقل اور کسی کو صاحب جنوں بنا کر اس عالم کو مختلف رنگوں سے بھر دیا۔

ـــ گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے (ابراہیم ذوق)

خداوند کریم نے اپنے محبوب ﷺ کو یہ حکم فرمایا کہ عملی نمونہ بن کر بنی نوع انسان اور اپنی اُمّت کو یہ دکھاؤ کہ ہمت، غیرت، طاقت اور حوصلے سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ جو مَیں نے تمہارے اندر رکھ دیئے۔ فقر سراپا محبوبِ خدا ﷺ کا نقش قدم ہے۔ فقیر کو چاہیے کہ وہ بھی سیرت النبی ﷺ کے مطابق ہمت اور بلند حوصلگی سے کام لے۔ اپنی محنت اور کوشش سے مخلوق کو راہ راست کی طرف بلائے۔ ان کی طرف سے پہنچی ہوئی زیادتیوں کو برداشت کر لے۔ بجائے بددعا کرنے کے دعائے خیر کرے۔ اپنی طرف نہ دیکھے بلکہ اپنے خالق اور اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھے۔ خوابِ غفلت سے اپنی جان کو بچائے کیونکہ بزرگوں کا مقولہ ہے ''سوئے ہوئے شیر سے جاگا ہوا گیدڑ بہتر ہے۔'' سب مریدان اور خلفاء کو یہ میری نصیحت ہے کہ ہر وقت مخلوقِ خدا کی ہدایت کی طرف متوجہ رہیں۔ حوصلے بلند رکھیں۔ اپنا وقت فضول اور محض دنیاوی کاموں پر ضائع نہ کریں۔ خود جاگیں اور مخلوق کو بھی خوابِ غفلت سے جگاتے رہیں۔ خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

ایک دفعہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں جلوہ افروز تھے۔ بندہ کو شرفِ دیدار سے نوازا۔ دعا کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد فرمایا دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ مگر وہ جو دل کی گہرائیوں سے نکلے اور دل کی گہرائیوں سے صرف صابر کی دعا نکلتی ہے۔ جو اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کئے بیٹھا ہو۔ مثال دیتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کو دریا پار کسی کام کیلئے جانا تھا۔ پتن پر ایک کشتی تیار تھی۔ اس میں بیٹھ گئے۔ جب کشتی چلی تو کشتی کے مسافروں نے جو کہ ہندو تھے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع شروع کر دی۔ ایک نے کہا اس کی لمبی داڑھی تو دیکھو۔ دوسرے نے کہا اس کی لمبی لمبی زلفیں دیکھو کیسے لگ رہا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ لمبے لمبے کپڑے دیکھو جس طرح کہ کوئی پاگل ہو۔ یہاں تک کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دھکے دینے لگے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صبر سے کام لیا اور خاموش بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی زیادتیاں اور گستاخیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جلال میں آ کر خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کی خدایا! جس گناہ کے بدلے تُو مجھ سے ناراض ہو گیا اور اِن گستاخوں کے حوالے کر دیا۔ مَیں توبہ کر کے معافی طلب کرتا ہوں۔ تُو مجھے معاف فرما دے اور اِن لوگوں کو بھی ہدایت دے کر اپنی معرفت نصیب فرما دے۔ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کے اٹھانے کی دیر تھی کہ خدا کی رحمت جوش میں آ گئی۔ کشتی میں موجود سارے ہندو قدموں میں گر گئے۔ کلمہ طیّبہ پڑھ کر آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ اپنی گستاخیوں اور زیادتیوں کی معافی مانگنے لگے۔ یوں خداوند کریم نے داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا انتہائی صبر کے بعد قبول کر لی۔ ہندوؤں کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دعا نے عذابِ آخرت سے بچا لیا۔ مولانا رومیؒ نے ایک حدیث نبوی کا یوں ترجمہ کیا:

؎ دستِ اِشکستہ بر آوردِ دُعا سوئے اِشکستہ پَرّد فضلِ خُدا

(شکستہ دل لوگوں کی ہی دُعا قبول ہوتی ہے بلکہ بارگاہِ ایزدی سے قبولیّت ان کی دُعا کا استقبال کرتی ہے۔)

مطلب یہ کہ خداوند کریم ہر اس شخص کی دُعا جلدی مستجاب فرماتا ہے جو کہ مقامِ صبر پر ہو اور یہ شان خداوند کریم نے اپنے خاص دوستوں یعنی اولیاء کاملین کو نصیب کی ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے اور ان کی دعاؤں کا سہارا لیا جائے۔ اسی بناء پر قرآن کا فلسفہ ہے "كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ" یعنی سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ سچے لوگ اولیاء کرام ہیں۔ جنہوں نے اپنے اندر اخلاقِ خداوندی مثلاً عفو و درگزر، انصاف، سخاوت، صداقت، شفقت اور صبر و استقامت جیسے اوصاف پیدا کئے ہیں۔ مظہرِ خدا بن کر نورِ ہدایت پھیلا رہے ہیں۔ خداوند کریم ہمیں بھی ان لوگوں کی رفاقت اور ان لوگوں جیسا صابر بنائے۔ ثمراتِ صحبتِ اولیاً کے بارے پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ نغمہ سرای ہوتے ہیں:

؎ ہر کہ بیند روئے پاکاں صبح و شام آتشِ دوزخ بوَد بروئے حرام

(جو شخص صبح و شام پاک لوگوں زیارت کرتا رہے اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے۔ درسِ فقر جاری تھا۔ سالکین سر جھکائے باادب بیٹھے تھے کہ

مرشدِ کامل مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا فقر کی امتیازی شان علم حاصل کر کے بعینہٖ اس پر عمل کرنا ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے ملاقات کرنے کا ارادہ ہوا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ مریدوں کے ساتھ شام کو جب بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا کے آستانہ پر پہنچے تو بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے صرف دو روٹیاں پکا کر مہمان نوازی کیلئے رکھی تھیں۔ فوراً دو سائل دروازے پر آئے اور صدا دی۔ بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا نے اُٹھ کر وہی دو روٹیاں دونوں سائلوں کو دیدیں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دیکھا تو مریدوں سے زیرِ لب کہا کہ عورت کے پاس فقر تو ہے مگر علم نہیں ہے۔ یہ روٹیاں آج گھر پہ آئے ہوئے مہمانوں کیلئے تھیں۔ مگر اس نے سائلوں کو دیدیں۔ بعد نماز مغرب خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت طلب کی۔ مگر بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے ذرا ٹھہر کر کھانا تناول کرنے کی درخواست پیش کی۔ آپ مع مریدین بیٹھ گئے۔ بی بی رابعہ رحمۃ اللہ علیہا جا کر اپنے مصلّے پر بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک بوڑھی آئی۔ ایک طشت میں سجی ہوئی اٹھارہ روٹیاں حاضر کر دیں۔ مگر بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے لینے سے انکار کر دیا کہ ہماری روٹیاں بیس تھیں یہ شاید کسی اور کی ہیں۔ کچھ دیر بعد بوڑھی نے پوری بیس روٹیاں پیش کر دیں اور بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے دسترخوان سجا کر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کر دیا۔ کھانا کھانے کے بعد جب خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رخصت کیلئے اجازت چاہی تو بی بی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے عرض کی حضور! ٹھہریں۔ میری ایک نصیحت سنتے جائیں۔ آپ کے پاس فقر کا علم تو ہے مگر اس پر کامل عمل نہیں ہے۔ اگر آپ فقر میں کامل ہوتے تو مجھ پر اعتراض نہ کرتے۔ شاید آپ کو یقین نہیں تھا کہ خدا ایک کے بدلے میں دس دیتا ہے۔ یا توکّل کا فقدان تھا کہ معلوم نہیں ایک کی دس کب دے گا۔ لہٰذا ہمارے پاس فقر کا صرف علم نہیں بلکہ شکر الحمدللہ اس پر عمل بھی ہے۔ علاوہ ازیں شکر ہے کہ آپ خالی ہاتھ واپس نہیں جا رہے بلکہ میرے درسِ معرفت سے ایک سبق بھی لیتے جا رہے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ فقر بغیر عمل کے نامکمّل ہے۔ فقر مکمّل اس وقت ہوتا ہے جب اس پر مکمّل عمل ہو۔ خدا سب کو صاحبِ عمل بنا کر صاحبِ فقر بنا دے۔ آمین۔

آپ مدظلہٗ العالی اکثر فرمایا کرتے ہیں از روئے حدیث "خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ" "تم میں سے بہترین انسان وہی ہے جو مخلوق خدا کو فائدہ پہنچائے۔ ایک آدمی جہان کیلئے ہوتا ہے اور دوسرا صرف اپنی جان کیلئے۔ جو آدمی دوسروں کو نیکی کی ہدایت دے کر آخرت کا فائدہ پہنچائے۔ اس کا درجہ اُس آدمی سے کئی گنا زیادہ ہے جو صرف اپنی جان کیلئے ہو۔ اس لئے مَیں اس بات پر خوش نہیں ہوتا کہ ایک شخص میرے سامنے سونے کا ڈھیر لگا دے۔ بلکہ اُس پر خوش ہوتا ہوں جو ایک گم کردہ راہ کو نیکی کی راہ پر لگا دے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو باہمت بنا کر اصلاحِ خلق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں آدابِ شریعت پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو اس قدر تیزی سے پھیلیں اور آج تک ان کا اثر موجود ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دو چیزوں ہی کے بل بوتے پر اتنا بڑا کام

کیا اور وہ مخلوق خدا کی توجّہ کا مرکز رہے۔ایک تو اُن کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ جو بھی آپ کی محفل میں آتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور دوسرا آپ کا چہرہ انور اتنا پرکشش اور خوبصورت تھا کہ دیکھتے ہی آنے والے گھائل ہو جاتے۔لہٰذا ایک نیک شخص میں بھی دو چیزیں ہونی چاہئیں۔ایک خُلق اور دوسرا اس کے چہرے کی بشاشت وکشش۔بزرگی تو ایک باطنی چیز ہے۔اس کے اثرات انسان کے چہرے پر ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔مگر خُلق ایک ظاہری چیز ہے کہ ہر خاص وعام کو نظر آتا ہے۔لہٰذا جو چیز ظاہر اور سامنے ہو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔کیونکہ اگر ظاہری شئے اچھی نہیں ہوگی تو لوگ باطنی شئے کی طرف بھی متوجہ نہیں ہونگے۔اس لئے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین بارگاہ کو ہی اخلاق حسنہ وصورتِ حسنہ سے آراستہ وپیراستہ فرماتا ہے۔جو وراثت انبیاء ہے۔خدا ہر صاحب ایمان کو نصیب فرمائے۔آمین۔

ایک موقعہ پر بستی آدم (ضلع مظفر گڑھ) تشریف فرما تھے۔حدیث پاک ''اَلْحَیَاءُ نِصْفُ الْاِیْمَان'' کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ شرم وحیا انسان میں نصف ایمان کی حیثیت رکھتا ہے۔مگر اس حدیث پاک کا زیادہ تر زور پردہ پر ہے کہ گھر میں پردہ کرنا اور غیر مرد کو نہ آنے دینا نصف ایمان ہے۔مگر چار آدمیوں سے پردہ کرنا نقصان دہ ہے۔یعنی اُن سے پردہ نہ کرنا بہتر ہے۔

سب سے پہلے باپ، جو کہ ہر دکھ سکھ اور پرورش کے معاملے میں اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔اگر پردہ کیا جائے تو یہ فائدہ مند بات نہیں ہے کہ بیٹی اپنے باپ سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکے گی۔

دوسرے نمبر پر مرشد، مرشدِ کامل باپ کی طرح مُشفق اور مریدوں کیلئے روحانی باپ کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ کسی گھر میں چھوٹوں کو اپنی اولاد ہم عمروں کو بہن اور اپنے سے بڑی عمر والوں کو ماں کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔اس لئے مرشد سے پردہ کرنے سے عورت فیض حاصل نہیں کر سکتی۔بالمشافہ جب تک مرید مرشد کو اور مرشد مرید کو نہ دیکھے۔فیض یاب نہیں ہو سکتا لہٰذا مرشد سے بھی پردہ نہ کرنا لازم ہے۔

تیسرے نمبر پر اُستاد، استاد سے بھی پردہ نہیں کیا جا سکتا۔اگر استاد سے پردہ کیا جائے تو اس سے علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔استاد بھی باپ کی طرح مُشفق، مہربان، اور خیر خواہ ہوتا ہے۔اس لئے اگر کماحقہٗ اس سے فائدہ اٹھانا ہو تو اس سے پردہ نہ کرنا لازم ہے۔

چوتھے نمبر پر ڈاکٹر، ڈاکٹر بھی اِسی زُمرے میں آتا ہے درجہ بالا تینوں شریعت کے مطابق ہیں۔مگر ڈاکٹر سے پردہ نہ کرنا مجبوری سے ہے۔اگر پردہ کیا جائے تو کسی ظاہری یا پوشیدہ بیماری کا علاج صحیح طور پر نہیں ہو سکتا۔بعض ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بے پردگی کی بنا پر شرع کے پابند لوگوں نے علاج نہیں کرایا۔تکلیف کا سامنا کیا مگر بے پردگی کو برداشت نہ کیا اور یہ مقامِ زُہد وتقویٰ ہے جسے خدا نصیب کرے۔

آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ اگر ایک مرشد نوجوان عورتوں سے مل جل کر بیٹھنا پسند نہ کرے۔اپنے نفس پر اعتماد نہ

ہونے کی وجہ سے کسی غلطی کا خطرہ ہو تو اُسے چاہیے کہ غیر عورتوں سے پردہ کرے کیونکہ ابھی تک اُس کا نفس زندہ ہے مغلوب نہیں ہے اور جس مرشد میں نفس زندہ ہو اس کیلئے کسی غیر گھر میں جانا اَز روئے شرع بھی منع ہے۔ کیونکہ ابھی تک وہ مکمّل پیر نہیں ہے۔ اسے چاہیے کہ مزید مجاہدات کرے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں چند مریدوں کی موجودگی میں بعد از ذکر و فکر ارشاد فرمایا۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ہر دوسرے شخص کو اچھی نگاہ سے دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے جس قدر مخلوق پیدا کی ہے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی صفّت ضرور رکھی ہے۔ اس صفت کی بنا پر اُسے اچھا سمجھا جائے۔ یہاں تک کہ کُتے جیسے پلید جانور میں بھی اپنے آقا سے وفاداری کی صفّت رکھ دی ہے۔ مالک اُسے جتنا مارے اور بھوکا رکھے مگر وہ اسے نہیں چھوڑتا۔

ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ایک دن مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ آگے ایک یہودی بوڑھا آہستہ آہستہ چلتا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ جب اس کے پاس پہنچے تو آگے گزرنے کی بجائے یہودی کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ مسجد پہنچتے کافی دیر ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیر سے آنے کے بارے میں استفسار کیا تو آپ ﷺ نے بتایا میں یہودی بوڑھے کے پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ مجھے احساس ہوا کہ اگر میں آگے گزر جاؤں تو بوڑھے کی دل آزاری ہو گی۔ اس لئے دیر ہو گئی۔

اس کے بعد مرشد کریم نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کا ہر کام ہمیں تعلیم دینے کیلئے ہے۔ ہمارے لئے بھی لازم ہے کہ ہم آپ ﷺ کی طرح ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھیں کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا ثبوت ملے۔ خدا سب دوستوں کو مقامِ خلوص و عجز نصیب فرماوے۔ تکبّر جیسی مہلک اخلاقی اور روحانی بیماری سے محفوظ فرمائے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:

؎ اگر چشم خدا بینی بہ بخشند   نہ بینی در جہاں عاجز تر از خویش

(خداوند کریم اگر تجھے "اپنے" دیکھنے کی آنکھ بخشے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں مجھ سے بڑھ کر اور کوئی عاجز و ناکس ہے ہی نہیں۔) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اوصافِ فقراء نصیب فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد از نماز عصر ارشاد فرمایا۔ عام لفظوں میں اگر کوئی پوچھے کہ ولی اللہ کون ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس پر خدا کی رحمت نازل ہو چکی ہو اور پھر خدا کی رحمت کیسے شخص پر نازل ہوا کرتی ہے! جو سب سے زیادہ عاجز اور مُنکسر المزاج ہو۔ کیونکہ خدا کی رحمت متکبّر اور بے ادب انسان کے قریب تک نہیں بھٹکتی۔ خدا کی رحمت ایک خاص چیز ہے۔ وہ جس پر نازل فرمائے اسے اس رحمت بے بہا کی قدر کرنی چاہیے۔ بے قدر انسان بھی اس رحمتِ خاص کا اہل نہیں ہو سکتا۔ دیکھنا چاہیے کہ خدا کی مخلوق میں کتنے انسان، فرشتے اور جن وغیرہ ہیں۔ مگر اپنی ولایت کا درجہ صرف اُن انسانوں کو عطا فرمایا، جنہیں اس کی قدر ہو اور وہ مقامِ عجز پر فائز ہوں۔ لہٰذا بجائے فخر کرنے کے اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر ادا کرنا

چاہیے۔ مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مَیں حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں مٹی کی طرح پڑا رہتا تھا۔ مجھ میں کوئی بھی خاصیّت نہیں تھی لیکن ولایت کا تاج انہوں نے میرے سر پر رکھ دیا۔ اور آج شکر الحمدللہ بعینہٖ مَیں وہی مشن چلا رہا ہوں جو مقدس مشن میرے مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے چلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ چاہا کہ مَیں اپنی خودی کے اظہار کی خاطر کوئی خلیفہ پیدا کروں تو لوح وقلم، عرش وکرسی، زمین و آسمان اور ملائک سے مشورہ کیا کہ مَیں اپنی نمائندگی کیلئے ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ میں سے ہر ایک اپنے اپنے اوصاف بیان کرے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنی صفّت بیان کی مگر ''زمین'' خاموش تھی۔ خدا نے فرمایا اے زمین! تُو بھی بول اپنی کوئی خاصیت بیان کر کیوں خاموش ہے؟ زمین نے جواب دیا خدایا! مَیں تو ایک عاجز مخلوق ہوں مجھ میں کیا صفت ہو سکتی ہے۔ بیکار پڑی رہتی ہوں۔ خدا کو زمین کا یہ عجز اس قدر پسند آیا کہ فوراً فرشتوں کو حکم دیا جاؤ زمین سے مٹی اٹھا کے لاؤ۔ مَیں اپنا خلیفہ اسی سے بناؤں گا۔ اعلیٰ وافضل بنا کر سب پر حاکم بناؤں گا۔ وہاں تک پہنچاؤں گا جہاں تک کسی اور کی رسائی نہ ہوگی۔

فرمایا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ایک خوبصورت نگینہ (انگوٹھی) بنانا چاہی تو فرشتوں کو حکم دیا کہ تم جا کر سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ کی ہر ایک انگلی سے اس کی صفت پوچھو، تا کہ انگوٹھی اس کے ناپ کی تیار ہو۔ چنانچہ فرشتوں نے جا کر انگلیوں سے یہی سوال کیا ہر ایک انگلی اپنی اپنی صفت بیان کرتی رہی مگر سب سے چھوٹی انگلی بالکل خاموش رہی۔ فرشتوں نے کہا تُو کیوں خاموش ہے۔ اپنی صفت بیان کر۔ شاید کہ انگوٹھی کی مستحق بن جائے۔ چھوٹی انگلی نے جواب دیا کہ مجھ میں دوسری انگلیوں کی نسبت کوئی صفت نہیں ہے میں کیا بیان کروں؟ فرشتوں نے جب خدا کی بارگاہ میں جا کر صورت حال پیش کی تو خداوند کریم نے حکم فرمایا کہ اس چھوٹی انگلی کے ناپ کے برابر کی انگوٹھی بنا کر میرے دوست سلیمان علیہ السلام کو دیدو۔ (معلوم ہوا کہ چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننا کارِ ثواب اور سنتِ سلیمان علیہ السلام بھی ہے۔ خدا کی قدرت سے انگوٹھی جچتی بھی صرف اسی انگلی کو ہے)۔

ان واقعات کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے مزید یہ بات دہرائی کہ خدا کی رحمت اور شفقت اس دنیا میں صرف عاجز اور مُنکسر المزاج انسان کیلئے ہے اور ہماری یہی نصیحت ہے کہ اپنے اندر یہی صفت پیدا کرو تا کہ خدا کی رحمت کے مستحق بن جاؤ۔ خدا سب دوستوں کو کامیاب فرماوے۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ مسائلِ تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تصوف کا اصول ہے خاک نشینی سے عرش نشینی ملتی ہے۔ جو جس قدر عجز وانکساری اختیار کرے اسی قدر اسے اللہ تعالیٰ بلندی درجات نصیب فرماتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ در بہاراں کئے شود سر سبز سنگ　　　خاک شُو تا گُل بروید رنگ و رنگ

(موسم بہار میں پتھر پر بھی کبھی کوئی سبزہ اُگ سکا؟ مٹی بن جا! تا کہ تجھ سے قسم قسم کے پھول کھلیں۔)

؎ مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہیے ۔۔۔ کہ دانہ خاک میں ملکر گل و گلزار ہوتا ہے

نیز فرمایا کہ جوانی میں بچپن کا صلہ اور بڑھاپے میں جوانی کا صلہ مل جاتا ہے۔ بچپن اگر راہ راست پہ گزرا جوانی بھی بے داغ۔ اگر جوانی میں اپنے آپ کو قابو میں رکھا اچھے اعمال کئے تو بڑھاپے میں قانون قدرت کے مطابق شاہانہ پرسکون زندگی مل جاتی ہے۔ خدا سب دوستوں کو پاک اعمال اور حیاتِ مطمئنہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں رموزِ دین بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

عجز: خداوند کریم کو بہت پسند ہے مگر عجز اس وقت بہت اچھا لگتا ہے جب اس کا اظہار امیر آدمی سے ہو۔

سخاوت کی بہت بڑی فضیلت ہے مگر اس کی فضیلت اس وقت بہت ہی زیادہ ہو جاتی ہے۔ جب اس کا اظہار کسی غریب سے ہو۔

توبہ کا بہت بڑا درجہ ہے لیکن یہ اس وقت قابلِ رشک لگتی ہے جب اس کا اظہار کسی نوجوان سے ہو۔

بموقعہ دورہ بلوچستان بمقام چھپّر نز درکنی ایک کھتران دوست (حاجی عبدالرحیم صاحب وگہ) کے ہاں دعوت پر ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ امیروں کی نسبت غریبوں سے بہت زیادہ محبّت رکھتے۔ اسی طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جس قدر غریبوں کے ہمدرد تھے ہر شخص خوب جانتا ہے۔ تب فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور مرشد کی عادت مبارک کے مطابق مَیں بھی بہ نسبت امیروں کے غریبوں سے بہت زیادہ پیار اور محبّت رکھتا ہوں۔ کیونکہ فقر کا دارو مدار اخلاص پر ہے۔ اخلاص غریب میں زیادہ ہوتا ہے اور امیر میں کم۔ خدا ہر دوست کو یہ عادت نصیب کرے۔ آمین۔

ایک مرتبہ مشکلاتِ تصوف پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فقیر کی نگاہ انسان کے دل پر ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس راستے میں عجز و انکساری کے بغیر کچھ نہیں ملتا یہاں تک کہ خاک کے ساتھ خاک ہونا پڑتا ہے۔ اسی عجز و انکساری اور خالقِ حقیقی کی دوستی کی بنا پر بہت بڑے بڑے متکبّر دنیاوی بادشاہ ہر دور میں فقیروں کی بارگاہ میں حاضری دیتے رہے ہیں۔

علماء کے متعلّق آپ مدظلہٗ العالی اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ یہ لوگ علومِ باطن کی خاص رحمت سے اس لئے محروم رہ جاتے ہیں کہ وہ متکبّر ہوتے ہیں۔ علومِ ظاہری کا گھمنڈ اِن کے دلوں میں ہوتا ہے۔ یہی تکبّر اور گھمنڈ اُنہیں علمِ باطن سے محروم رکھتا ہے۔ ہر مولوی اپنے آپ کو تمام علوم وصفات کا جامع کہے گا۔ خواہ کچھ بھی نہ جانتا ہو۔ حسد کی وجہ سے ہر دوسرا مولوی پہلے مولوی کو جاہل کہے گا اور خود کو بڑا عالم بتائے گا۔ جس سے وہ معرفتِ الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ اگر یہ پڑھے ہوئے علم پر عمل کرتے تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی بقول شیخ سعدیؒ:

؎ علم چنداں کہ بیشتر خوانی ۔۔۔ چوں عمل در تُو نیست نادانی

؎ نہ محقّق بود نہ دانش مند ۔۔۔ چار پائے برو کتابے چند

؎ آں تہی مغز را چہ علم و خبر ۔۔۔ کہ برو ہیزم است یا دفتر (گلستان سعدی)

(اے بے عمل عالم! تُو جتنا زیادہ علم کیوں نہ پڑھے اگر تجھ میں عمل نہیں ہے تو تُو نہ محقّق کہلا سکتا ہے اور نہ عقلمند بلکہ جاہل اور بے عقل جانور کی طرح جس پر چند کتابیں لدی ہوئی ہوں اور اُس بیچارے کو یہ بھی خبر نہ ہو کہ اُس پر لکڑیوں کا بوجھ ہے یا کتابوں کا)

فرمایا کہ ایک موقع پر گورنر سرحد (پختونخواہ) نے ہمیں امداد کی پیش کش کی جو کہ حکومت پاکستان کی طرف سے تھی۔ مگر ہم نے اسے مسترد کر دیا۔ کیونکہ ہماری طبیعت یہ بات گوارا نہیں کرتی تھی کہ ہم حکومت کی امداد پر پلیں۔ خدا نے ہمیں بہت کچھ دیا ہوا ہے۔ ہمیں اس پر مکمّل بھروسہ ہے۔ جس نے ساری زندگی ہمیں روزی دی آئندہ بھی وہی دے گا۔ فقیر وہ نہیں جو پیسہ کے پیچھے بھاگے بلکہ فقیر وہ ہے کہ پیسہ اس کے پیچھے بھاگے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو عقلِ سلیم سے نوازے۔ علاّمہ اقبالؒ نے خوب فرمایا:

؎ مرا از شِکستن چناں عار ناید　　　که از دیگراں خواستن مومیائی

(مجھے ٹوٹنے سے اسقدر تکلیف نہیں ہوتی جس قدر کسی دوسرے سے مومیائی مانگنے میں تکلیف (عار) محسوس ہوتی ہے۔)

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے مریدوں کی موجودگی میں ارشاد فرمایا کہ ایک بزرگ اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے دن کو روزہ اور ساری رات ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ ان کے گھر میں ایک انار کا درخت تھا۔ وہ درخت بارہ مہینے خدا کی قدرت سے پھلدار رہتا۔ وہ ایک مہینہ گزرنے کے بعد صرف ایک انار توڑ کر کھاتے۔ اور پھر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ اچھی بھلی عمر گزر جانے کے بعد ایک دن ان کا انتقال ہوا۔ خداوند کریم نے فرشتگانِ رحمت کو حکم دیا کہ ان کی روح کو میری رحمت کے طفیل داخل بہشت کر دو۔ بزرگ نے عرض کی کہ خدایا! مَیں نے ساری زندگی ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اور دنیا کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف تیری ہی عبادت کی۔ میری کتنی عبادت اور اعمال صالحہ ہوں گے مگر آپ یہ فرما رہے ہیں کہ میری ''رحمت'' سے اسے بہشت لے جاؤ۔ کیا مَیں اپنے اعمال کے ذریعے بہشت نہیں جا سکتا یا میری عبادت کو تُو نے قبول نہیں کیا۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کا حساب کتاب کیا جائے۔ چنانچہ فرشتوں نے ترازو کے ایک طرف اُن کی صرف ایک آنکھ اور دوسری طرف اُن کی تمام زندگی کے اعمال حسنہ رکھ دیئے۔ لیکن آنکھ والا پلڑا بھاری ہو گیا۔ اللہ کریم بزرگ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اگر تمھارے ساتھ اعمال کے مطابق انصاف کروں تو آپ کے اعمال صرف ایک آنکھ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ مزید اگر مَیں اپنی ساری نعمتوں کا بدلہ طلب کروں تو تُو خود اندازہ لگا سکتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ تب بزرگ نے بارگاہ الٰہی میں معافی مانگی اور اپنے سوال پر پشیمان ہوئے۔ خداوند قدّوس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اب میرے بندے کو میری خاص رحمت کے ساتھ بہشت میں داخل کر دو۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم باباجی سرکار مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ ہم پر خداوند کریم کی خاص عنایت ہے۔ ہم کتنی

بے بہا نعمتیں قدم قدم پر استعمال کر رہے ہیں۔ ان کا بدلہ تو ہم دے ہی نہیں سکتے۔ مگر شکریہ ادا کرنا تو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے شکر کرنے والے بندے بہت تھوڑے ہیں۔ مگر یہ سعادت بھی صرف قسمت والوں کو نصیب ہے۔ خداوند کریم ہم سب کو اپنا شکر گزار بندہ بنادے۔ آمین۔

ایک مرتبہ علاقہ کروڑ لعل عیسن میں حضرت لعل عیسن رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر چادر پوشی، عرس اور محفل سماع کا پروگرام تھا۔ بندۂ ناقص کو علاقہ بارتھی کے احباب کے ساتھ قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا جبکہ محفل میں کوٹ ادو کے دوستوں کے علاوہ فورٹ منرو سے آئے ہوئے مرید بھی موجود تھے کہ آپ مدظلہٗ العالی نے سامعین کے حسبِ حال ازراہ نصیحت یوں گوہر افشانی فرمائی کہ انسان کو ہر وقت خدا کے غضب سے ڈرنا چاہیے اور اس کی رحمت پر مکمّل بھروسہ رکھنا چاہیے۔ انہی دونوں باتوں یعنی ''اُمید وبیم'' کے درمیان ایمان کا مقام ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ محفلِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کبھی روتے تھے اور پھر فوراً مسکرا دیتے۔ دوستوں کے استفسار پر جواب دیتے کہ اپنی سابقہ زندگی، جو کہ دور جاہلیت میں گزری تھی، یاد کر کے عذاب کے خوف سے روتا ہوں۔ مگر پھر اپنی موجودہ حالت کو دیکھ کر جبکہ خدا نے نُو رِ ایمان نصیب فرما کر پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت میں سے بھی مقام قُرب عنایت کیا تو اپنی قسمت پر خوش ہو کر شکر کرتا ہوں اور ہنسنے لگ جاتا ہوں کہ خدا نے مجھ پر کتنا احسان فرمایا کہ تاریکی سے نکال کر روشنی میں ڈال دیا۔

اس کے بعد مرشد کریم بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی نے اپنی حالت کے بارے میں فرمایا کہ معلوم نہیں ہم سے دن میں کتنی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ خدایا! تُو معاف فرما دے۔ ہماری خطاؤں کی طرف نہ دیکھ بلکہ اپنی رحمت کی طرف دیکھ۔ مجھ پر بعض اوقات ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ کئی گھنٹے مسلسل کانپتا ہوں اور روتا ہوں مگر اس پُرفتن دور کی طرف اور پھر اپنی طرف دیکھ کر شکر ادا کرتا ہوں خدایا! ایسے دور میں جبکہ ساری مخلوق گمراہی اور نفسا نفسی میں غرق ہے تُو نے ہمیں اس کے فتنوں سے محفوظ کر کے اپنی یاد اور اپنا ذکر نصیب فرمایا۔ لغویات سے محفوظ فرما کر ہر وقت ہمارے ہاتھ میں تُو نے اپنی ثنا کیلئے تسبیح دی ہے۔ صرف اسی بات کا اگر ہم شکر ادا کریں تو تادم زیست نہیں ادا کر سکتے۔ اپنے دل کو تسلّی دیکر خوش ہو جاتا ہوں اور خدا کی رحمت سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہوں۔ (اسی عقل کو اہلِ عقل، عقلِ کامل کہتے ہیں۔ چنانچہ مثال مشہور ہے کہ ''بزرگی بعقل اَست نہ بسال''۔ اسی عقل کو عقلِ سلیم بھی کہا جاتا ہے۔)

جب تک ایک انسان عقلِ سلیم کا مالک نہ بن جائے اس وقت تک اس کے پاس بزرگی اور روحانیت ہرگز نہیں آ سکتی۔ اگر کوئی مردِ کامل اور مرشدِ کامل توجہ بھی دے مگر پھر بھی لا حاصل۔ مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ندی میں پانی اس وقت اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا جب تک اس کے دونوں طرف بند نہ ہوں۔ اسی طرح ایک مرید میں بھی جب تک عقلِ سلیم نہ آئے اس وقت تک مرشد اس پر جتنی بھی توجّہ دے وہ اسے غیر مناسب جگہوں پر استعمال کر کے فوراً ضائع کر دیتا ہے

اور یہ صفت ہر نا جائز فعل اور غیر شرع کام سے دور ہو کر اپنے اندر قوّت ضبط پیدا کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ خدا سب دوستوں کو نصیب فرمائے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء کرام ترقی کے مدارج تقویٰ اور پرہیزگاری کے ذریعے طے کرتے چلے جاتے ہیں اور وہ ایک معمولی سی بات پر بھی پرہیزگاری کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں چالیس دن تک عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ چالیسویں دن آپ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے ایک کونہ میں بیٹھے تھے کہ دوسرے کونے پر یکے بعد دیگرے چالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آ کر اکٹھے ہو گئے اور ان سب نے یہ کہا کہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے چالیس دنوں کی عبادت خدا کی بارگاہ سے ایک دانہ کھجور کی بناء پر ردّ ہو گئی ہے۔ دوسرے نے پوچھا وہ کس طرح؟ پہلے صحابی نے سنایا کہ ایک دن ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ بغداد کی ایک سڑک پر جا رہے تھے کہ سامنے ایک کھجور بیچنے والا آیا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ خریدنے سے پہلے ایک دانہ بغیر پوچھے اٹھا کر کھا لیا۔ اس ایک دانہ کھجور جو بغیر کسی عوض کے اس غریب آدمی کا کھایا۔ خدا نے ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی چالیس دن کی ساری عبادت ردّ کر دی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سنتے ہی اُٹھ کر چلّائے۔ اوّل وقت میں جا کر اس کھجور والے سے اُسی ایک کھجور کے دانہ کی بخشش طلب کی اور پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

مزید آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ اسی پرہیزگاری کی وجہ سے اولیاء کرام خدا کی بارگاہ سے انعام و اکرام کے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ خدا خود فرماتا ہے۔ ''اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ'' خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت دار، مکرّم اور صاحبِ کرامت وہی انسان ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ خدا سب کو یہ مقامِ خاص نصیب فرماوے۔ آمین۔

کوٹ ادو کے قریب ایک چک میں ایک مرید نے آپ کی دعوت کی۔ زیارت کیلئے بہت بڑی مخلوق جمع تھی۔ بندہ بھی حاضر خدمت تھا کہ بعد از طعام ارشاد فرمایا۔ خانہ کعبہ میں مرد، عورت، بچے اور بوڑھے جس وقت چاہیں جا سکتے ہیں۔ مگر وہاں غیر مسلم کا داخلہ بند ہے۔ کیونکہ جہاں پلید اور ناپاک آدمی کا قدم ہو وہ جگہ بھی پلید اور ناپاک ہو جاتی ہے۔ ویسے تو خُدا کی ساری زمین پاک ہے مگر انسان ہی کے ذریعے سے ایک جگہ پلید اور دوسری جگہ خدا کے کسی بندۂ خاص کے ذریعے پرکشش، پاک وصاف اور انوار و تجلّیات کا مرکز بن جاتی ہے۔ بالکل اِسی طرح انسان میں موجود دل خدا کا گھر ہے۔ شیطان اور شیطانی خیالات ناپاک پلید اور قابلِ نفرت یعنی بمنزلہ غیر مسلم اور کافر کے ہیں کہ ان کا جب خانۂ خدا یعنی دل میں داخلہ ہو تو ان کے ذریعے سے دل ناپاک اور پلید ہو جاتا ہے۔ جہاں خدا متمکّن (موجود) نہیں ہو سکتا اور اس دل کے لیے دونوں جہانوں میں خرابی ہے۔ کوشش کریں کہ جس طرح دشمنِ خدا کا خانہ کعبہ میں داخلہ بند ہے اسی طرح دلوں میں بھی، جو کہ خدا کا اصلی گھر ہیں، داخلۂ شیطان نہ ہو۔ تب مومن کا دل خدا کا گھر بن کر عرشِ الٰہی کا شرف حاصل کر سکتا

ہے۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ دِل یکے منظریست ربّانی   حُجرۂ دیو را چہ دِل خوانی

(دِل تو خُدا کے نظارہ کرنے کی جگہ ہے کیا تُو شیطان کے مسکن کو دِل کہہ سکتا ہے؟)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بیٹھے دوستوں سے ارشاد فرمایا کہ خدا کی رحمت ہر وقت جاری وساری رہتی ہے۔ لیکن اس رحمت کو حاصل کرنے کیلئے کوشش اور محنت کا بڑا دخل ہے۔ انسان جتنی کوشش اور ہمت کرتا ہے۔ اتنی ہی رحمتِ حق کا حق دار بنتا جاتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

؎ حق فشاند نور را بر جانہا   مُقبِلاں برداشتہ دامانہا

(خدا کی طرف سے انسان کیلئے ہر وقت رحمت کا نزول جاری ہے مگر لیتا وہی ہے جو دامن پھیلائے بیدار بیٹھا ہو)

فرمایا ایک انسان اپنی محنت اور ہمت سے صرف ایک چنگاری پھونک کر ساری دنیا کو بھی آگ لگا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند کریم لوگوں کو ہمت کے لحاظ سے مراتب عطا کرتا ہے۔ کوئی آدمی جتنی ہمت اور کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنے ہی اس کے مراتب بلند فرماتا ہے۔ اللہ کریم مردانِ خدا کا راستہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں حلقۂ مریدان میں بیٹھے اپنی زبانِ حقیقت بیان سے ارشاد فرمایا کہ دوسرے کی شان اور ترقی دیکھ کر دو قسم کے لوگ حسد سے جلتے رہتے ہیں۔

ایک رشتہ دار۔ رشتہ دار اس لئے دیکھ کر جلتا ہے کہ میری طرح یہ بھی ہمارے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی زیادہ عزت وتکریم کیوں کی جارہی ہے۔ مَیں اس کے والدین اور سارے خاندان کو جانتا ہوں۔ وہ میری عزت کرے۔ مَیں کیوں اس کی عزت کر کے اس کے سامنے جھکوں۔ حالانکہ ترقی اور عزت خدا کی طرف سے ہے۔ بجائے جلنے کے اسے چاہیے کہ اس جیسے اعمال اپنائے جس کی بنیاد پر اس نے ترقی وعزت حاصل کی ہے۔ حاسد کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں۔ نہ دوسرے کی خوبیاں دیکھتا ہے اور نہ اپنا تجزیہ کر سکتا ہے اور نہ دوسرے کی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

؎ گر نہ بیند بروز شِپرہ چشم   قُرصِ آفتاب را چہ گُناہ

(شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ حاسد کو چمگادڑ سے تشبیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چمگادڑ دن کی روشنی میں اگر سورج کو نہ دیکھ سکے تو بیچارے سورج کا کیا قصور؟) چنانچہ بڑے لوگوں کے دشمن اُن کے اپنے ہی خاندان سے ہوتے ہیں۔

دوسرا منافق۔ منافق بھی دوسرے کی عزت اور ترقی پسند نہیں کر سکتا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس جیسی عزت وترقی صرف مجھے ہی ملنی چاہیے۔ وہ اپنا محاسبہ نہیں کرتا۔ دوسرے کی برائیوں پر نظر اور اپنی برائیوں کو قطع نظر کرتا ہے۔ خدا سب دوستوں کو اُن ایمانی، روحانی اور اخلاقی برائیوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاص کا مستحق بنائے۔ آمین۔

ایک موقعے پر مسائلِ طریقت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اہلِ علم حضرات علم وعرفان کے پیانے لئے بیٹھے تھے کہ ایک دوست نے دریافت کیا حضور! عقلی علوم کے مطابق انسان کا دماغ تو مخلوق ہے اور اس ذہن میں جو خیال وغیرہ آتے ہیں وہ بھی ظاہر ہے کہ مخلوق ہی ہیں۔ پھر اللہ کا ادراک، اس کا خیال اور بعض اوقات اس کا دیدار کس طرح انسان کو نصیب ہوتا ہے جبکہ ان تمام کا تعلّق مخلوق سے ہے۔ عقلی علوم سے قطع نظر اس مسئلے میں نظری علوم کی تحقیق کہاں تک ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ فہم وادراک جو انسان میں موجود ہے۔ یہ دراصل تجلّیاتِ الٰہیہ ہی ہیں۔ جو ہر شخص پر اس کی صفائے باطن کی استطاعت کے مطابق اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی ناطے سے چونکہ اس بے مثل و بے مثال ذات نے خود فرمایا کہ مَیں انسان میں موجود ہوں۔ تو آخر انسان کے ادراک میں بھی وہ کسی طرح تو آئے گا ہی! مگر مجاہدہ کثیرہ سے۔

جب خدا کی رحمتِ خاص سے عقلی علم آئینۂ قلب کے ذریعے نظری علم میں تبدیل ہو جائے۔ عقلی علم کیلئے نظری علم خوردبین یا دُوربین کا کام دیتا ہے کیونکہ نظری علم سراپا نور ہے۔ تو نُورِ الٰہی ہی ذاتِ الٰہی تک پہنچا سکتا ہے۔ متلاشی میں یہ فہم وادراک آتا ہی اللہ کی طرف سے ہے۔ پھر اسی انہماک، استہلاک اور جستجوئے پیہم میں غرق ہونے کا ماحصل دیدارِ الٰہی ہے اور اس دیدار کے بھی اولیاء اللہ کی حیثیت واستطاعت کے مطابق مدارج ہوتے ہیں۔ جن کا ثبوت بزرگانِ دین کے اقوال ومشاہدات کی تصریح سے ملتا ہے۔ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ صاحب فرماتے ہیں:۔

؎ حضوری گر ہمی خواہی   از و غائب مشو حافظ

(حضوریِ حق کیلئے ہمہ وقت اپنے آپ کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر رکھنا پڑتا ہے) مگر:

؎ سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند   سوز دل پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار   ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

(سوزِ پروانہ مکھی کے نصیب میں نہیں اور غمِ عشق اہلِ عقل کے نصیب میں نہیں۔ یار راضی کرنے کیلئے ایک عمر چاہیے اور یہ حقیقی دولتِ وصال ہر کسی کے نصیب میں نہیں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں مسائلِ تصوف پر گہرافشانی فرما رہے تھے۔ جناب شاہد حسن خان ''صاحبِ مصنّف برکاتِ نقشبند'' نے دریافت کیا کہ حضور! صوفیاء کرام میں ایک معرکتہ الآراء نظریہ ''نظریۂ وحدت الوجود'' ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

بعد از توقف ارشاد فرمایا کہ وحدت الوجود کے مسئلے کے سمجھنے کا تعلّق ''قال'' سے نہیں بلکہ ''حال'' سے ہے۔ اس لئے الفاظ میں اس نظریئے کی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ (یعنی یہ ایک وجدانی مسئلہ ہے) اسی طرح مولوی حضرات میں نور و بشر اور علم غیب کے مسئلوں کا تعلّق بھی حال سے ہے ایسے مسائل ''قال'' سے دوسروں کو نہیں سمجھائے جا سکتے اور صاحبِ حال لوگ چونکہ عنقا ہو گئے ہیں یہ مسائل مزید مشکل اور پیچیدہ بنتے جا رہے ہیں۔ (شاہد حسن کو مخاطب کرتے

ہوئے) خوب دل لگا کر خدا کی عبادت کرو۔ خود کو مٹا دو پھر خود ہی عملی طور پر اس کا مشاہدہ کر لو گے۔ فرمایا کہ ہمیں پہلے پہل دیدارِ الٰہی وحدت الوجود کی صورت میں ہوا تھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد (جب حج ادا کر کے آپ مدظلہٗ العالی واپس تشریف لائے تو) ارشاد فرمایا کہ خانہ کعبہ کو ہم بیت اللہ اگر کہیں تو خداوند کریم کے وجود کا ثبوت ملتا ہے جبکہ وہ ذات وجود سے ماوراء اور بے مثل و بے مثال ہے اسے بیتِ رحمت ہی اگر کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ وہاں رات دن خدا کی خاص رحمت برستی ہے اس لئے بیت اللہ کو اگر بیت رحمت سمجھیں تو یہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْر" بات ہے۔ (آپ مدظلہٗ العالی کی اس گفتگو سے وحدت الشہود کے اشارے ملتے ہیں جس طرح کہ مجدّدِ نقشبنداں حضرت مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح ہے۔ واللہ اعلم)

ایک مرتبہ کسی سوال کے جواب میں آپ مدظلہٗ العالی نے اس حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فرعون نے جو خدائی کا دعویٰ کیا تھا وہ اس نے خود کیا تھا۔ لیکن منصور حلاّج نے جو "اَنا الحق" کا نعرہ لگایا۔ وہ خدا کی طرف سے تھا جس کی بنا پر ایک راندۂ درگاہ اور دوسرا مقبولِ بارگاہ ٹھہرا۔ فرمایا کہ منصور حلاّج کی شہادت میں بھی ایک بڑی حکمت تھی کہ شہیدانِ راہِ حق کو سب سے پہلے دیدارِ خداوندی نصیب ہوتا ہے اور شہید کا یہ مقام ہے کہ وہ مسلسل اور لگاتار دیدار الٰہی میں مستغرق رہتا ہے جس سے منقطع ہونا منصور رحمۃ اللہ علیہ نے گوارا نہ کیا تھا۔ (دوسرا اس میں عام مخلوق کے مشاہدے کیلئے کہ مَیں خدائے لم یزل اسی انسان ہی کے اندر بستا ہوں کسی اور مقام پہ نہیں ہوں) یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

ایک موقعے پر درسِ معرفت دیتے ہوئے حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے نعرہ "سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ" کے متعلّق ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص ان کے متعلّق غلط اعتقاد نہ رکھے۔ کیونکہ وہ ایسے ولی اللہ تھے جو اپنی ذات سے فنا ہو کر خدا کے ساتھ بقا حاصل کر چکے تھے۔ انہیں ہر جگہ خدا ہی نظر آتا تھا۔ اس لئے ان کی زبان مبارک سے اس قسم کی باتیں حالتِ استغراق (حالتِ سُکر) میں نکلتی تھیں۔ لہٰذا اُن پر گرفت نہیں کی جاتی کہ ان کی ہر بات خدا کی بات تھی۔ یہ مسئلہ تصوف ہے کہ شریعت کی گرفت حالت "سُکر" پہ نہیں حالت "صحو" میں ہے۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ولی اللہ "اللہ اللہ" کرتے ایسے مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ اس کا ہر قول و فعل خدا ہی کا قول و فعل ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم حقیقتِ ایمان سے روشناس فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ درسِ فقر دیتے ہوئے سالکین کو سمجھایا کہ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ منصور حلاّج رحمۃ اللہ علیہ کے مراتب کی طرف جب نگاہ پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ قربتِ الٰہی کے بہت بلند مدارج پر فائز تھے۔ مگر جب ان کے اقوال، انکشافات اور شطحیات کی طرف دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے معرفت و حقیقت کی خاص خاص باتیں ہر عام آدمی کے سامنے فاش کر کے نظریاتی اختلافات پیدا کئے۔ یہ دیکھ کر ہم حیران رہ جاتے ہیں۔

اس کے باوجود پھر بھی عام لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کا ہر قول و فعل تنقید سے بالاتر ہے۔ ان پر اعتراض کرنے سے پرہیز لازم ہے۔ گو اس میں ایمانیات کا تعلّق نہیں مگر اعمال کا خسارہ ضرور ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین۔

15۔ تنبیہاتِ صوفیانہ

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما مریدین کو از راہِ نصیحت ارشاد فرمایا کہ دو پرندے ہیں ایک بلبل اور دوسرا کوّا۔ بُلبل کی یہ فطرت ہے کہ وہ ہر قسم کی گندگی سے کنارہ کش رہتے ہوئے پھول کے ساتھ بیٹھ کر نغمے الاپتا ہے اور باغیچہ کے اندر رہتے ہوئے ایسے محسوس کرتا ہے کہ بہشت میں پھر رہا ہے۔ اس کے برعکس کوّے کی فطرت ہے کہ وہ ہر قسم کے باغیچوں اور خوشبودار چیزوں سے کنارہ کش رہتے ہوئے گندگی یا کوڑا کرکٹ پر بیٹھتا ہے اور گندگی میں منہ مارتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ دونوں پرندے ہیں۔ بالکل اسی طرح انسان ہے۔ ایک اچھا اور صالح۔ دوسرا گمراہ اور بدکار اچھا اور صالح بلبل کی مانند اور برا کوّے کی طرح ہے۔ ایک فطرتِ سلیم کا مالک انسان ہر وقت اپنے خالقِ حقیقی کی حمد و ثنا اور ذکر وفکر میں گزارتا ہے۔ بری اور گندی صحبت میں ایک لمحہ بھر بھی بیٹھنے کو تیار نہیں مگر اس کے برعکس دوسرا ہمہ وقت برائی میں مصروف ہے اور بری صحبت ہی میں اس کا دل خوش ہوتا ہے۔ حالانکہ ہیں تو دونوں انسان مگر فعل و کردار جُدا جُدا۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ بال بازاں را سوئے سلطاں بُرد بال زاغاں را بگورستاں بُرد

(پَر، شاہین اور کوّا دونوں کو ایک جیسے لگے ہوئے ہیں مگر ایک کو گندگی اور دوسرے کو قصرِ سلطان کی طرف لے جاتے ہیں۔)

خداوند کریم سب کو بلبل کی طرح ذکر وفکر اور اچھی صحبت نصیب فرمائے۔ کوّے کی طرح بری عادات و اخلاق اور غلیظ کاموں سے محفوظ فرما کر غافل ہونے سے بچائے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ ہر ولی را نُوحِ کشتیباں شناس صحبت ایں خلق را طوفاں شناس

(ہر ولی اللہ کو تُو نوح علیہ السلام کی کشتی کا ملاّح سمجھ اور عوام الناس کی صحبت کو جان لیوا طوفاں سمجھ)

ایک موقعہ پر آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں اسرار و رموز دیں پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''صحبت'' بہت بڑی چیز ہے اور یہ انسان پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ''کنعان'' کی صحبت چونکہ مشرکین کے ساتھ رہی، اس لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے باوجود فلاح نہ پا سکا اِس کے برعکس اصحاب کہف کا کُتا نیکوں کی صحبت کی وجہ سے خدا کو اس قدر پسند آیا کہ بروز حشر جنّت کا مستحق ٹھہرے گا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

؎ پسرِ نوح با بداں بنشست خاندانِ نبوتش گُم شُد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مَردم شُد

(حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بُرے لوگوں کی صحبت اختیار کی جس کی وجہ سے وراثتِ نبوّت سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جبکہ اس کے برعکس اصحاب کہف کے کُتے نے چند دِنوں کے لئے نیک لوگوں کی صُحبت اختیار کی اور انسان بن گیا۔)

لہٰذا کوشش کرو تا کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی بدولت فلاح پا سکو۔ کتا بھی ولیوں کی صحبت میں آ کر

بہشت کے قابل بن گیا۔ہم اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی اس سعادت سے محروم رہے تو یہ ہماری بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے۔خداوند کریم ہدایت یافتہ لوگوں کی صحبت نصیب فرمائے۔آمین۔

ایک مرتبہ ''بستی ولو والا'' کوٹ ادو میں محفل سماع کے بعد شب باشی فرمائی۔علی الصبّح بہت سے خُدّام حاضر خدمت تھے۔فرمایا کہ یہ جگہ کہاں اور بنوں کہاں؟ ہمارا یہاں کیا کام تھا؟ اور وہ کیا چیز ہے جو ہمیں یہاں پہ لائی ہے؟ وہ ہے مخلوق خدا کی خیر خواہی اور یہی کام دنیا میں سب سے افضل کام ہے۔گُفتِ پیغمبر ﷺ ہے کہ ''خَیرُ النَّاسِ مَنْ یَّنفَعُ النَّاسَ'' (تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو مخلوق خدا کی خیر خواہی کرے۔) ایک بوڑھا ضعیف آدمی بار آور درخت کی پنیری لگا رہا تھا پوچھنے والے نے پوچھا کہ بابا تُو بستر مرگ پر ہے یہ پنیری کس کے لیے لگا رہا ہے؟۔جواب دیا کہ اپنی جان کیلئے نہیں بلکہ جہان کیلئے لگا رہا ہوں۔ہم لوگ بھی اس ضعیف العمری میں اپنے لئے یہاں نہیں آئے۔نہ ہماری زبان آپ سے ملتی جلتی ہے اور نہ بود و باش۔مگر صرف ایک جذبہ ہے کہ شاید ہماری طرف سے کسی کو فائدہ پہنچے اور اس کے طفیل خدا ہم پر راضی ہو جائے۔آپ سے بھی یہی نصیحت ہے۔معلوم نہیں ہم کب تک آپ کے ساتھ رہیں گے۔زندگی میں آرام سے نہ بیٹھو۔مخلوقِ خدا کی خیر خواہی کیلئے کچھ نہ کچھ ضرور ہر وقت کرتے رہو۔بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ مَیں دنیا میں پھرتا ہوں کہیں پیر بنتا ہوں اور کہیں مرید کہیں فائدہ دیتا ہوں اور کہیں فائدہ لیتا ہوں مگر آرام سے نہیں بیٹھتا۔کوشش ہر وقت جاری ہے۔اس لئے کہ شاید کسی کام پر رب راضی ہو جائے۔جب انسان اس جذبے میں آجائے تو ضرور ایک نہ ایک دن اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:۔

؎ دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوشش بیہودہ بہ از خُفتگی

(خدا کو پریشانی اور کوششِ پیہم بہت دوست ہے۔سونے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہتر ہے۔)

چارپائی پر سونا محرومی ہی محرومی ہے۔اس ضعیف العمری میں جب کہ سہارے کے بغیر ہم اٹھ بیٹھ نہیں سکتے۔حالانکہ ''بنوں'' آرام سے سو سکتے ہیں۔دَوروں پر رہتے ہوئے لگاتار کئی راتیں ہمیں نیند نصیب نہیں ہوتی۔مگر یہ سب تکالیف جہاں کی خیر خواہی کیلئے اٹھا رہے ہیں۔خدا قبول فرماوے۔آپ کو بھی اس طرح کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ بہل (بھکر) میں آپ مدظلہٗ العالی کی دعوت تھی۔کافی دوست حاضر خدمت تھے کہ بندہ کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔اسی دوران درسِ فقر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کوئی سانس غافل نہ رہو۔ہر سانس کے ساتھ خدا کا ذکر جاری رکھو۔بارگاہ الٰہی میں غفلت میں وہی سانس شمار کی جاتی ہے جو ذکر سے خالی ہو۔خزانۂ الٰہی میں زندگی کے صرف وہی سانس شمار میں ہیں جو ذکر کے ساتھ ہوں۔روزِ حشر باقی وقت (جو بغیر ذکر و یاد کے ہو) کے بارے باز پُرس ہو گی اور مؤاخذہ ہوگا۔دوسرے! مخلوقِ خدا کے خیر خواہ بنو۔کیونکہ مخلوق کو نیکی کی طرف بلا کر آخرت کی یاد دہانی کرانا صالحین کا شیوہ رہا ہے۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس فرق کو اس طرح واضح فرماتے ہیں:

؎ جاہلاں را کارِ دُنیا اختیار انبیاء را کارِ عقبیٰ اختیار

(جاہل لوگ ہر وقت دنیاداری میں مصروف رہتے ہیں۔اسی دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا اختیار کرنا انبیاء عظاؑم کا شیوہ رہا ہے۔)

تیسرے! یہ کہ نماز بالکل قضا نہ کرو۔ کیونکہ فرض نماز اگر ادا نہ ہو تو دوسری عبادات بھی قبول نہیں ہوتیں۔اس لئے شیطان لعین ہر ممکن کوشش کر کے ایک مسلمان کو فرض نماز سے روکتا ہے۔

ایک مرتبہ دورۂ سخی سرور کے موقعے پر حضرت سلطان سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ کے متعلّق باتیں شروع ہوئیں۔ آپ مدظلہ العالی نے حاضرین کو بتایا کہ یہ شانِ زندگی، جو سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک انسان دنیا کی محبّت سے مکمّل طور پر دست بردار نہ ہوجائے۔ایسے لوگوں کیلئے خدائے تعالیٰ نے خوشخبری سنائی کہ ''لَهُمُ الْبُشْرىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ فِي الآخِرَةِ'' یعنی ایسے لوگوں کیلئے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی دونوں میں خوشخبری ہے۔'' یہ نظارہ سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تمہارے سامنے ہے۔صدیاں گزر گئیں لیکن وہ میلے اور وہ خوشیاں جو اُن کی زندگی میں تھیں ابھی تک بحال ہیں۔اُن کا نظارہ خداوند کریم نے ہمیں اسی دنیا ہی میں دکھا دیا۔ان بزرگوں کے مزارات پر حقیقی خوشی کا سماں ہوتا ہے۔ جو بھی آیا خوشیوں سے جھولی بھر کے گیا۔حضرت خواجہ معین الدّین اجمیری چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس سے وہ خوشی لے گئے کہ انہوں نے اپنی زبان سے اسی وقت اظہار فرمایا۔

؎ گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ جو کہ پشتو زبان کے ایک بلند پایہ صوفی شاعر ہوگزرے ہیں فقیر اور درویش انسان تھے۔ان کا دوسرا بھائی عزیز خان وقت کا بڑا امیر اور وزیر تھا۔ وہ جب اپنے بھائی عزیز خان کے سامنے ہوتے یا اس کا تذکرہ ہوتا تو کہتے کہ ہماری اور عزیز خان کی آپس میں نہیں بنتی۔ہم ملنگ لوگ خدا کے طالب ہوتے ہیں اور امیر لوگ دنیا کے طالب۔ ہمارا آپس میں اتفاق رائے ہو ہی نہیں سکتا۔تو آج ہر جگہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی بات ہوتی ہے۔اُن کے صوفیانہ اشعار ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہیں۔ان کے مزار پر رات دن میلہ لگا رہتا ہے۔لیکن عزیز خان کے بارے میں کسی کو بھی پتہ نہیں کہ وہ کون تھا؟ اور اس کا آخری ٹھکانہ کہاں ہے؟۔

اس لئے سب دوستوں کو یہ نصیحت ہے کہ وہ اس مختصر سی فنا کی زندگی سے بقا کی زندگی حاصل کریں۔ دنیا سے نفرت اور راہِ راست پر قدم اٹھانا ہی بقا کی زندگی ہے جو کہ اتنی مشکل نہیں ہے۔حضرت سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے مختصر سے عرصے میں اللہ اللہ کیا اور اپنے آپ کو صراط مستقیم پر رکھا۔اب ایک لمبا عرصہ یعنی صدیوں تک جب تک دنیا قائم ہے ان کا چرچا رہے گا اور میدانِ محشر میں بھی ان کی شان سب سے جدا اور نمایاں ہوگی۔تو یہ سب شان اور مرتبے انہوں نے ہمارے جیسی ایک عارضی زندگی ہی میں حاصل کئے تھے۔لیکن سمجھ صرف اس کو نصیب ہوتی ہے جس پر خدا راضی

ہو جائے اور اسے اپنی رحمت کیلئے چُن لے۔ خدا سب دوستوں کو راہ ہدایت نصیب فرما کر بقا کی زندگی سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

1989ء میں دورۂ بلوچستان علاقہ بارکھان محفلِ سماع وذکروفکر کے بعد آپ مدظلہُ العالی نے چند خاص احباب سے فرمایا کہ اولیاءکرام کی محفل میں آنا اچھا کام کرنا اور ذکر وفکر کا اہتمام کرنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اس کیلئے انسان کی اپنی سمجھ اور خداوند کریم کی خاص رحمت چاہیے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی میں ایک سرخ موتی کے ساتھ ایک سرخ بیر کا دانہ بھی ہو تو بیوقوف بیر ہی اٹھاتا ہے۔ سمجھدار موتی اٹھائے گا۔ اس طرح آج کل لوگ مادہ پرست ہو گئے ہیں۔ ظاہری اور وقتی چیز کو مدنظر رکھ کر اسے ترجیح دیتے ہیں۔ کل کے فائدے اور قبر کی آسودگی کو بھولے ہوئے ہیں۔ دین کی طرف توجہ کر کے معرفتِ الٰہی حاصل کرنا آج کل لوگوں کے نزدیک فضول کام ہے۔ خدا سمجھ عطا کرے۔ وگرنہ یہی راستہ وراثتِ انبیاء اور انسان کے لئے حقیقی مقصد زندگی اور مقصد تخلیق ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو صرف کھانے، پینے، پہننے اور سونے کیلئے پیدا نہیں فرمایا، بلکہ اسے ایک عظیم مقصد یعنی تسخیرِ فطرت اور تسخیرِ کائنات کیلئے اس دنیا میں بھیجا ہے تاکہ وہ حقیقت تک پہنچ کر حقیقی مسرّت وانبساط حاصل کرے۔ مگر انسان نے دین پر دنیا کو اور بقا پر فنا کو ترجیح دیکر اپنا نقصان خود مول لیا ہے۔ خدا سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ مریدین کو درسِ سلوک دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم ہر کسی کو نفس اور شیطان کے دھوکے سے محفوظ فرمائے۔ کیونکہ جو شخص ان کے قابو میں آجائے تو اس کے دل پر ایک پردہ پڑ جاتا ہے، جس سے حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور وہ اپنی ساری زندگی فضولیات میں بے مقصد گزار دیتا ہے۔ نہ خدا اور رسول ﷺ کا کام کرتا ہے اور نہ ہی مخلوق کے فائدے کا کام۔ بلکہ اپنی جان کو بھی دونوں جہانوں میں ذلیل ورسوا کر دیتا ہے۔ نفس پلید اور شیطان لعین نے انسان سے تین خوفناک مقامات چھپا رکھے ہیں۔ اگر ان چیزوں کی حقیقت کا انسان کو علم ہو جائے تو انسان تمام زندگی عبادتِ الٰہی اور خدمتِ خلق میں گزار دے۔

1۔ حالت نزع۔ 2۔ قبر یا عالم برزخ۔ 3۔ بارگاہ الٰہی میں حاضری۔ خدا ہر مسلمان کو ان تینوں مقامات کی حقیقت سے باخبر رکھے۔ اور صراطِ مستقیم نصیب فرمائے۔ آمین۔

کوٹ ادو شہر میں ایک مرتبہ ایک مرید کے ہاں آپ بابا جی سرکار مدظلہُ العالی کی دعوت تھی۔ بعد از لنگر بطور نصیحت لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ آج کل نفس پرستی اور مادہ پرستی کا دور ہے۔ ہر کسی کی سوچ دنیاوی اور ظاہری مفاد تک محدود ہو کے رہ گئی ہے۔ یہ لوگ حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی آخرت تک داؤ پر لگا بیٹھے ہیں۔ نفس پرستی میں اس قدر مگن ہیں کہ یہ نہیں سوچتے کل اس کا کیا بھیانک نتیجہ نکلے گا۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

ؔ ہیچ گندم کاری و جو بر دِہد؟ دیدۂ اَسپے کہ کُرّہ خَر دِہد؟

(کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ تُو نے گیہوں بوئے اور جَو کاٹا؟ یا گھوڑی نے گدھی کا بچہ جَنا ہو؟)

سرکارِ دو جہاں ﷺ نمازِ مغرب یا بعض اوقات نمازِ عشاء کے بعد اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو درسِ فقر و معرفت دیا کرتے تھے۔ ایک رات ایک یہودی عورت کو اتفاقاً آپ ﷺ کی باتیں سننے کا موقع ملا۔ وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ اس کے بعد روزانہ مقررہ وقت پر آ کر آپ ﷺ کی باتیں سُن کر چلی جاتی۔ در پردہ ایمان بھی لا چکی تھی۔ ایک رات اس کے خاوند کو پتہ چلا۔ اُسے ڈانٹا کہ ہم یہودی ہیں۔ لہٰذا اگر دوبارہ اس طرح کیا تو سخت سزا دوں گا۔ چونکہ وہ ایمان کی حلاوت چکھ چکی تھی۔ دیدارِ پیغمبر ﷺ کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب بھی موقع ملتا آپ ﷺ کا دیدار کر آتی۔ آخر کار ایک دن یہودی نے تنگ آ کر بیوی کو سزا دینے کی ٹھان لی۔ گرم تندور پہ لا کر محفل نبی ﷺ میں نہ جانے کی دھمکی دی کہ اس فعل سے باز آؤ ورنہ دہکتے تندور میں ڈال دوں گا۔ عورت نے کہا کہ ایسی سینکڑوں سزائیں قبول ہیں مگر محمد ﷺ کی محفل کو چھوڑنا گوارا نہیں۔ یہودی کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ساتھ کھڑے تھے۔ بیوی کو تندور میں دھکا دے دیا۔ وہ آنکھوں کے سامنے جل بھن کر ختم ہوگئی۔ بچوں نے یہ ظلم و تشدّد دیکھ کر چیخ و پکار شروع کر دی۔ یہودی نے بچوں سے کہا کہ جس (محمد ﷺ) کی وجہ سے تمہاری ماں کو جلا دیا گیا۔ اس کے پاس جا کر اپنی فریاد پیش کرو۔ چنانچہ بچے روتے ہوئے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ بچوں کے ساتھ اُٹھ کر روانہ ہوئے۔ جب تندور پر پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کی ماں باغ بہشت میں ایسے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے کہ اس کے چاروں طرف بہشتی نعمتیں بکھری ہوئی ہیں اور اس کی حالت قابل رشک ہے۔ آپ ﷺ نے یہودی اور بچوں کو برابر کھڑا کر کے اپنے دست مبارک کے نیچے سے تندور میں دیکھنے کا حکم فرمایا۔ پیغمبر ﷺ کے طفیل ان کی باطنی آنکھیں کھُل گئیں۔ بچوں نے ماں کو نعیم بہشت میں دیکھ کر تندور میں چھلانگ مارنا چاہی کہ ہم اپنی ماں کے پاس جائیں گے۔ یہودی نے بھی روتے ہوئے تندور میں جانے کی اجازت چاہی۔ مگر آپ ﷺ نے دست مبارک ہٹا کر سب کو روک دیا۔ بچوں کا دل بہلا کر صبر کی تلقین کی۔ یہودی کو اپنے اس فعلِ بد کی تلافی اور اپنی بیوی کی طرح باغ بہشت کا مستحق بننے کیلئے کلمہ طیّبہ پڑھنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ یہودی نے مع اپنے گھرانے کے اسلام قبول کیا اور ہمیشہ کیلئے آپ ﷺ کے ہو رہے۔

اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگوں کو ہر وقت صرف چند روزہ زندگی کی خوشی کا خیال ہے۔ ابدی اور حقیقی زندگی کا ذرا بھر خیال نہیں۔ سانس نکلنے پر انہیں حقیقتِ حال کا پتہ تو چل جائے گا۔ مگر پھر وہاں بغیر کفِ افسوس مَلنے کے اور ہاتھ میں کچھ نہ آئے گا۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ ہر وقت اسی فانی دنیا کی خوشی کے پیچھے نہ دوڑے۔ بلکہ آخرت کی زندگی کی خوشی کیلئے بھی کچھ نہ کچھ سامان ضرور تیار رکھے۔ یہ عارضی زندگی تو انسان تکلیف کے ساتھ گزارنا بھی برداشت کر سکتا ہے۔ مگر آخرت کی تھوڑی سی تکلیف بھی ناقابل برداشت ہوگی۔ خداوند کریم مخلوق کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک موقعے پر ارشاد فرمایا کہ انسان ساری زندگی اپنے گھر بار اور رشتہ داروں کی خوشنودی میں گزار دیتا ہے۔ مگر اپنے بارے میں کچھ نہیں سوچتا۔ حالانکہ ہونا یوں چاہیے تھا کہ پہلے پہل اپنے بارے پھر گھر والوں کے بارے اور اس کے بعد رشتہ داروں کی بہتری کے بارے میں سوچتا۔ جو خود کو بہتر نہیں بنا سکتا تو دوسروں کی بہتری کے گھمنڈ میں رہ کر اپنی بے وقوفی کا ثبوت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی غفلت میں اسے موت آجاتی ہے اور وہی لوگ جو اس سے محبّت کرتے تھے چاہتے ہیں کہ جلدی اس کی تجہیز وتکفین کا انتظام ہو جائے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ سب سے پہلے اپنا زادِراہ تیار کرنے کی فکر کرے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

؎ کنونت کہ وقت است دستے بزن　　　دگر کئے بر آری تو دست از کفن

(اب وقت ہے کہ کچھ ہاتھ مارلے وگرنہ کفن سے تو دوبارہ ہاتھ باہر نہیں نکال سکے گا۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے۔ مریدین کو از راہِ نصیحت ارشاد فرمایا کہ انسان چار چیزوں کی وجہ سے جہنّم میں جاتا ہے۔ 1۔جسم 2۔اہل وعیال 3۔دولت 4۔اعمال

1:۔جسم: انسان ساری زندگی اپنے جسم کو سنوارتا ہے۔ اس کا خوب خیال رکھتا ہے۔ کھلاتا پلاتا ہے۔ اسے ہر قسم کا آرام و آسائش مہیا کرتا ہے۔ مگر جب قبر میں جاتا ہے۔ تو اس کا وہ نازک بدن کیڑوں کی غذا بن کر رہ جاتا ہے اور روح کو عذابِ دوزخ کا مستحق بناتا ہے۔

2:۔اہل وعیال: مرنے کے فوراً بعد وہ دفنانے میں پہل کرتے ہیں تاکہ جلد از جلد مُردے سے نجات مل سکے۔ دفن کر کے واپس اپنے کاروبار کی طرف لوٹتے ہیں۔ حالانکہ اُس نے ساری زندگی اِن کی خدمت کر کے ہر قسم کے مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کیلئے بعض اوقات شاید دین وایمان کو بھی داؤ پر لگایا ہوگا مگر آج وہ بھی بڑی بے دردی سے مٹی میں دبا کر ہمیشہ کیلئے ساتھ چھوڑے جا رہے ہیں۔

3:۔مال ودولت: جس کی خاطر انسان جہنّم خرید لیتا ہے مگر سانس نکلنے کے بعد عزیز واقارب اور اہل وعیال فوراً اسے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں جسے اس نے خون پسینے سے کمایا تھا۔

4:۔اعمال: آخرت اور قبر وحشر کیلئے صرف اس کے پاس اعمال رہ جاتے ہیں۔ اگر اعمال صالح ہوں گے تو ٹھیک ورنہ نجات مشکل ہے اور ہمیشہ کی زندگی دھکتی آگ میں گزرے گی۔ بقول مولانا جامیؒ:

؎ چیست دنیا از خدا غافل شُدن　　　نئے قماش و نُقرہ و فرزند و زَن

(دنیا کا مطلب خدا سے غافل ہونا ہے۔ میدان محشر میں ساز وسامان سونا چاندی اور اہل وعیال تک کوئی چیز کام نہیں آتی۔) آپ مدظلہٗ العالی ہمیشہ نوجوان طبقہ کو مرید کرتے وقت فرمایا کرتے ہیں کہ:

؎ در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست　　　وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا طریقہ اوران کی ذاتی سنت ہے جوصرف اللہ کی خاص مخلوق کو حاصل ہے۔
جس پر خدا مہربان ہے۔ جوانی میں توبہ کرنا لعل و گوہر کی طرح ہے۔خدا کی بارگاہ میں جوانی کی توبہ اس لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ طاقت رکھنے کے باوجود ایک نوجوان برا کام نہ کرے۔ دوسرا طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے برا کام کر ہی نہیں سکتا۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔لہٰذا خدا کی بارگاہ میں جومقام نوجوان کی توبہ کا ہے بوڑھے کا نہیں اور جومقام بادشاہ کی توبہ کا ہے عام آدمی کا نہیں۔خدا توفیق عمل دے۔ آمین۔

بستی آدم (محمود کوٹ) میں تشریف فرما تھے کہ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔انسان کا جسم اور جان خدا نے بنائے۔ بے عیب قد، خوبصورت آنکھ، حسین چہرہ، کسی عضو میں نقص نہیں چھوڑا۔ اگر انسان ساری زندگی شکر کرے تو نہیں کر سکتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ سب نعمتیں حصولِ رضائے الٰہی کیلئے استعمال ہوں۔مگر افسوس کی بات ہے کہ ان چیزوں کو ہم حصولِ رضائے شیطان یا حصول رضائے نفس پر استعمال کرتے ہیں، جو خدا کی سب سے بڑی ناراضگی کا موجب اور ہمارے لئے انتہائی بدنصیبی کی بات ہےخدا فرماتا ہے۔

؎ وفا آموختی از ما، بکار دیگراں کردی ربودی گوہرے از ما، نثار دیگراں کردی (اقبالؒ)

(وفا ہم سے سیکھی، کی اوروں سے۔لعل و گوہر (بے بہا نعمتیں) ہم سے لیں، قربان دوسروں پہ کیں۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو تشریف فرما تھے کہ اپنی مادری زبان کے صوفی شاعر بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے متواتر تین شعر بڑے ترنّم سے پڑھے اوران کا مطلب سمجھایا کہ غافل اور مردہ انسان میں کوئی فرق نہیں۔جس طرح کہ مُردہ نہ جان کیلئے ہوتا ہےاور نہ جہان کیلئے اسی طرح غافل انسان بھی نہ اپنی آخرت کی بہتری کیلئے کچھ سوچ سکتا ہےاور نہ جہاں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔اے لوگو! مَیں غفلت کی وجہ سے ایک بُت کی طرح ہوں۔جس طرح ایک بُت کے ہاتھ، پاؤں اور آنکھیں وغیرہ سب اعضاء ایک زندہ انسان کی طرح ہیں۔ لیکن وہ کر کچھ نہیں سکتا۔ نہ اپنی جان کی حفاظت کرسکتا ہےاور نہ کسی کو بچانے کی طاقت رکھتا ہے۔میرے بھی ہاتھ پاؤں تو ہیں لیکن غفلت کی وجہ سے نہ اپنے لئے کچھ کرسکتا ہوں اور نہ مخلوقِ خدا کی بہتری کیلئے کچھ کرنے کے قابل ہوں۔فرمایا کہ اَے انسان! اس دنیا میں خداوند کریم نے تجھے بیداری اور غفلت دونوں کی استطاعت دے رکھی ہےاور یہ تجھ پر منحصر ہے کہ زندگی غفلت میں گزار دے یا بیداری میں۔اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے کچھ وقفہ کے بعد ایک اور شعر پڑھا کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم سے تو سانپ سمجھدار ہے کہ وہ جب اپنے بِل میں داخل ہونے لگتا ہےتو اپنے جسم کے سارے بَل نکال کرسیدھا ہو کر بِل میں گھس جاتا ہےلیکن اے انسان تجھے خدا نے اشرف المخلوقات ہونے کی شان عطا کی ہے۔موت ہر وقت تیری تاک میں ہے۔لیکن تو وہی ٹیڑھا ہے اور ٹیڑھی حالت ہی میں قبر میں چلا جاتا ہے۔ بوڑھا ہوا مگر خلافِ شرع کام نہ چھوڑے۔ نہ اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر لایا اور نہ کسی اور کی کوشش کی۔ نہ خود بیدار ہوا اور نہ کسی کو بیدار کیا۔ یہاں تک کہ

موت نے آلیا۔ پھر کفِ افسوس مَلنے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

ایک مرتبہ آپ مدظلہُ العالی نے زندگی اور موت کے بارے میں بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر پڑھ کر تشریح فرمائی کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس طرح کاغذ کی کشتی پر بیٹھ کر کوئی سفر نہیں کر سکتا۔ زندگی کی مثال بھی گویا ایک کاغذ کی ناؤ کی سی ہے۔ جو کسی بھی لمحے ڈوب سکتی ہے۔ اس لئے ہر انسان کو موت کی فکر کرنی چاہیے کہ موت اس کے بہت قریب ہے۔ حیاتِ فنا پر حیاتِ بقا کو ترجیح دیتے ہوئے ہر وقت اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ اگر موت آئے تو عزت کے ساتھ آئے۔

بارہ ربیع الاوّل 1989ء کو بستی آدم میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پروگرام تھا۔ سوا لاکھ دورد شریف پڑھتے ہوئے دورانِ وقفہ اپنی زبان پاک سے ارشاد فرمایا کہ بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر کا مطلب ہے کہ دنیا میں تو اپنے سے بڑے آدمی کے سامنے جواب دینے سے کتنا ڈرتا ہے اور صحیح جواب نہیں دے سکتا تو قیامت کے دن خالق کائنات جو سب سے بڑی ذات ہے اس کے سامنے کیسے اپنے اعمال کا جواب دے سکے گا؟۔ جب وہ پوچھے کہ مَیں نے تجھے کس لئے پیدا کیا؟ اور تُو نے اپنی قیمتی زندگی کیسے گزار دی جبکہ وہ کرسی عدل پہ جلال میں ہوگا تو اے انسان! تُو کیا جواب دے گا؟۔ مرنے کے بعد ہاتھ مَلنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اسی دنیا میں خوابِ غفلت کو لات مار کر جاگنا چاہیے اور جس کام کیلئے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اسی کیلئے جدوجہد کرے۔ گیدڑوں کی طرح زندگی بسر نہ کرے بلکہ شیروں کی طرح رہِ حق پر گامزن رہے۔ صرف خدائے ذوالجلال کا خوف رکھتے ہوئے حق گوئی و بیباکی سے کام لے۔ سب مخلوق کے خیر وشر سے بے نیاز ہو جائے۔ جرأت مند بنے اور دوسروں کو غیرت وجرأت دلائے تاکہ انہیں بھی حکمِ الٰہی کے مطابق یہاں بھی اور وہاں بھی بلا خوف اور بلا غم زندگی عطا ہو۔ خداوند کریم سب کو یہ مقام یہ رتبہ اور یہ شان نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ بعد از ختم خواجگان مریدوں کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ انسان کو چاہیے کہ جو بھی کام کرے بغیر کسی لالچ اور طمع کے کرے۔ خدا کی عبادت کرے تو صرف اس کی رضا پیش نظر ہو نہ کہ دوزخ کا ڈر اور بہشت کی لالچ۔ اسی طرح ایک آدمی جب ولی اللہ کے پاس آتا ہے یا اس کی خدمت کرتا ہے تو اسے بھی چاہیے کہ صرف للہ فی اللہ اور خدا کا ولی سمجھ کر اس کی خدمت کرے۔ کوئی لالچ اس کے دل میں نہ ہو۔ تب وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہمارے پیر و مرشد صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس مطلب ہو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دونوں بغل میں بُت ہوں۔ جب بُت ساتھ ہے تو خدا کی کوئی عبادت قابل قبول نہیں۔ مزید حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدان کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ 1۔ طالب دنیا! مخنّث 2۔ طالب عقبیٰ! مؤنث اور 3۔ طالب مولیٰ! مرد ہے (رَجُلٌ مِّنَ رِّجَالُ اللّٰه)

اس سلسلے میں آپ مدظلہُ العالی نے ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت

سے نکال کر زمین پر اتار دیا تو جنگل کے ہرنوں نے سنا کہ اللہ کی ایک مخلوق، جسے آدمی کہتے ہیں، فلاں جگہ پر موجود ہے۔ اس کی زیارت کریں۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے ملے۔ زیارت کے بعد جب واپس آئے تو اللہ کریم نے ان کے للّٰہ فی اللہ جانے کو اس قدر قبول فرمایا کہ انہیں نایاب خوشبو ''مُشک نافہ (مُشک ختن)'' اپنی طرف سے عنایت فرمائی۔ جب دوسرے ہرنوں کو پتہ چلا تو پوچھا کہ یہ خوشبو تمہیں کیسے ملی؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آدم علیہ السلام کی زیارت کو گئے جو کہ پہلی بار اس دنیا میں آئے ہیں۔ اس کے صلے میں خداوند کریم نے ہمیں یہ لازوال خوشبو عنایت کی۔ چنانچہ دوسرے ہرن بھی لالچ میں آگئے کہ ہم بھی جائیں تا کہ یہ خوشبو ہمیں بھی ملے۔ ان کا جانا چونکہ للّٰہ فی اللہ نہیں تھا۔ اس لئے محروم واپس لوٹے۔ اب جنگل میں ایک خاص ہرن ہے جس میں مُشک نافہ موجود ہے۔ عام ہرن میں نہیں اور یہ صرف خالص عقیدگی کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ کوشش کریں کہ اللہ کریم ہمیں صرف اپنی رضا نصیب فرمائے۔

اگست 1989ء میں محرم کے اوائل میں بندہ نے آستانہ عالیہ بنوں شریف میں حاضری دیکر شرفِ زیارت حاصل کی۔ دوران گفتگو آپ مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایک سالک کے لئے عبادت الٰہی میں کوئی لالچ ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ لالچ، سالک کو اعلیٰ مقامات سے زوال کی طرف لے آتی ہے اور اس کیلئے معرفتِ الٰہی حاصل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عبادت صرف رضائے الٰہی کیلئے ہو۔ اگر ہم عبادت کے صلے میں مال، اولاد، عورت، عزت، دولت، صحت، رزق اور دیگر مطلب کی باتوں کا مطالبہ کریں تو یہ ایسے ہے کہ ہم خداوند تعالیٰ سے اپنے اعمال کا سودا کر رہے ہیں۔ تو اسی بات کیلئے اللہ کریم قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ''وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا'' اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام (دنیا کی عارضی اور فنا ہونے والی چیزیں) نہ لو۔ بجائے اُس عارضی مفاد کے!۔

جسے خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو جائے تو سمجھ لیجئے کہ اسے دونوں جہانوں کی خوش نصیبی حاصل ہو گئی ہے۔ اس ضمن میں حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا کا مشہور واقعہ پیش فرمایا کہ ایک دن ایک ہاتھ میں پتھر اور دوسرے ہاتھ میں پانی اٹھائے بڑے جذبے اور جلال کے ساتھ جا رہی تھیں۔ راستے میں ایک فقیر نے پوچھا ایسی حالت میں کہاں جا رہی ہیں؟۔ جواب دیا کہ مخلوق خدا گمراہ ہو گئی ہے۔ کوئی خدا کی عبادت بہشت کی لالچ، کوئی عزت و دولتِ دنیا کی لالچ میں کرتا ہے اور کوئی دوزخ کے ڈر سے۔ اس لئے پتھر سے بہشت توڑ پھوڑ دوں گی اور پانی سے دوزخ بجھا دوں گی تا کہ مخلوق کی عبادت میں نہ بہشت کی لالچ رہے اور نہ دوزخ سے ڈرنے کا خیال۔ جو سجدہ اور عبادت ہو للّٰہ فی اللہ، رضائے الٰہی اور محبّت الٰہی کیلئے ہو۔

؎ سوداگری نہیں ، یہ عبادت خدا کی ہے! اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے (اقبالؒ)

اس لئے ایک سالک کے مدِّ نظر یہ بات نہ ہو، وگرنہ وہ دیدار الٰہی سے ہرگز مشرف نہیں ہو سکے گا اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں پڑ کر اصل مقصدِ عبادت سے محروم رہ جائے گا۔ اللہ کریم سب کو طالبِ مولیٰ بنائے اپنی آغوشِ شفقت میں قبول فرما کر اپنے دیدار سے مشرف فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ سخی سرور صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں قیام پذیر تھے۔ بہت سے دوست زیارت کیلئے حاضر ہوئے۔ آپ مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو چاہیے جو بھی کام کرے لالچ اور رِیا سے پاک ہو۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک علاقے میں ایک باشرع صوفی رہتے تھے۔ لوگ محض ایک درخت کے پاس آ کر منّتیں مانگتے اور مختلف چیزیں آویزاں کرتے جبکہ قُرب و جوار میں کسی ولی اللہ کا مزار (شعائر اللہ) تک موجود نہ تھا۔ صوفی کو یہ بات ناگوار گزری۔ ایک دن درخت کاٹنے کے ارادے سے کلہاڑا اُٹھایا اور روانہ ہو گئے۔ راستے میں شیطان سے ملاقات ہوئی۔ شیطان نے مزاحمت کی کہ مَیں درخت ہرگز کاٹنے نہیں دیتا۔ آخر کار دست و گریبان ہو گئے۔ صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان کو مارنے کے لیے پَچھاڑ دیا۔ شیطان نے کہا اچھا ایک بات تو سنو! اس ارادے سے اگر آج باز آ جاؤ گے تو روزانہ علی الصّبح سرہانے کے نیچے ایک سو دینار رکھ کر جایا کروں گا۔ صوفی لالچ میں آ گیا اور شیطان کو چھوڑ دیا۔ بیس دن تو روزانہ سو سو دینار ملتے رہے مگر اس کے بعد ملنے بند ہو گئے۔ صوفی نے پھر کلہاڑا اٹھایا کہ درخت کاٹ آؤں۔ (رقم کیوں بند ہوگئی) راستے میں پھر شیطان سے مُڈبھیڑ ہوئی۔ سوال و جواب میں دوبارہ دست و گریبان ہو گئے۔ آج شیطان نے صوفی کو پَچھاڑ دیا اور کلہاڑا لے کر اس کے سر پر مارنا ہی چاہا کہ صوفی نے چیخ کر کہا بھائی ایک بات تو سنو! کیا وجہ ہے پچھلے دن تُو ہی تھا کہ مَیں نے تجھے پَچھاڑ دیا تھا۔ مگر آج تُو نے مجھے کیسے پَچھاڑ دیا؟ شیطان بولا: صوفی صاحب! مَیں انسان نہیں ہوں۔ بلکہ شیطان ہوں۔ پہلے دن محض تُو رضائے الٰہی کیلئے جا رہا تھا اس لیے مجھ پر غالب آ گیا۔ مگر آج تُو نے رضائے الٰہی کو پس پشت ڈال کر اپنی لالچ کو مدِّنظر رکھا۔ اس لئے مَیں تجھ پر غالب آ گیا۔ یاد رکھو صرف اخلاص اور حق و صداقت ہی غالب رہتی ہے۔ چنانچہ صوفی اپنی اِس لغزش پر نادم ہو کر تائب ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ زبان ہلاؤ تو خدا کی رضا کیلئے۔ قدم اٹھاؤ تو حق کیلئے۔ پھر کامیابی کوئی دور کی بات نہیں ہے۔ حق و صداقت اور خدا کی رضا سے ہٹ کر باقی تمام تر سرگرمیاں فنا اور باطل ہیں۔ نامۂ اعمال صرف ظاہری افعال پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ ارادہ اور نیّت کا بھی اس میں کافی دخل ہے۔ کان کے سننے اور آنکھ کے دیکھنے کا بھی حساب کتاب قیامت کے دن ہونا ہے۔ انسانی دل کے تمام تر مخفی راز قیامت کے دن روز روشن کی طرح واضح ہو کر میزان عدل کی کسوٹی پر چڑھیں گے۔ قرآن کریم ناطق ہے ''فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ۔ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ'' (تُو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اُسے دیکھے گا اور جو ایک ذرّہ بھر بُرائی کرے اُسے دیکھے گا۔)

آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ انسان میں اگر ادب اور عمل موجود ہو تو تیسری چیز ''ایمان'' کا پیدا ہونا ایک لازمی چیز ہے اور وہ ادب و عمل میں جس قدر پختہ ہوتا چلا جائے گا اسی قدر اس کا ایمان مضبوط تر ہوتا جائے گا۔ حتیٰ کہ ایک دن اسے ایمانِ کامل اور ایمانِ صادق نصیب ہو جاتا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں صرف باادب عمل کام آتا ہے۔ حصولِ معرفت کا نازک راستہ باادب عمل سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ باادب عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہے۔ باادب

با نصیب ۔ بے ادب بے نصیب: ادب ! کارِ صدیق ہے اور بے ادبی ! کارِ ابلیس ۔ مولانا رومیؒ ایک سالک کیلئے خاص ہدایت فرماتے ہیں ۔

؎ ہر کہ گستاخی کند اندر طریق باشد اندر وادئ حیرت غریق

(جو طریقت کے کسی معاملے میں بے ادبی اور گستاخی کا مظاہرہ کرے تو وہ گمراہی اور ذلالت کے کھڈے میں گر کر تباہ ہوجاتا ہے۔) خداوند کریم سب مسلمانوں کو با ادب بنائے اور اعمالِ مقبول نصیب فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ مریدوں کو درسِ معرفت دینے کے دوران ارشاد فرمایا کہ ہر غم کے بعد ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھنے سے فوراً خوشی نصیب ہوجاتی ہے۔ دورِ نبوی ﷺ میں ایک بہت بہادر صحابی تھے۔ جہاد کے دوران شہید ہوگئے۔ شام کو جب ان کی بیوی کے پاس یہ جانکاہ خبر پہنچی تو اس نے فوراً ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْنَ'' پڑھ کر صبر و تحمل سے خدا کا شکر ادا کیا کہ خاوند نے اتنا بڑا درجہ حاصل کیا۔ مگر ساتھ ساتھ مغموم بھی ہوگئی۔ خیال آیا کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا۔ جو کسی سانحہ کے بعد یہ الفاظ پڑھے فوراً خوشی پائے۔ مگر میری تو ابھی تک وہی مغموم حالت ہے۔ اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب دروازے پر گئیں تو ایک صحابی سرور کائنات ﷺ کی طرف سے پیغامِ نکاح لائے۔ یہ پیغامِ پُر مسرّت سنتے ہی آپے سے باہر ہوگئیں اور فوراً خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجالائیں۔ پھر سمجھ گئیں کہ یہ آپ ہی کی حدیث کا نتیجہ ہے کہ جس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ ہر غم کے بعد خوشی ضرور ہوتی ہے۔ مگر صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا اس کیلئے لازم ہے خدا اپنے کسی بندے کو غم میں ڈال کر خوش نہیں ہوتا۔ مگر یہ غم اس کے کسی نہ کسی فائدے کیلئے ہی ہوتا ہے۔ خدا سب مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ گُفتِ رومیؒ ہے:

؎ گُفت یزداں از ولادت تا بحین یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَرَّتَیْنِ

(اللہ نے فرمایا کہ پیدائش سے موت تک لوگ ہر سال میں دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں۔)

کوٹ ادو میں سالانہ عرس مبارک کے موقع پر دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے اُن کو داد دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو جس قدر تکلیف ہوئی ہے۔ ہمیں اگر معلوم نہیں مگر خدا تو دانا و بینا ہے۔ اس کے خزانہ میں آپ کی یہ تکلیف ضرور درج ہوگئی ہے اور انشاءاللہ ان تکالیف کا صلہ آپ کو ایسے مقام پر دیا جائے گا جہاں اور کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یہ تکالیف آپ ہی کی بہتری کیلئے ہوا کرتی ہیں اور ہر تکلیف میں ایک خاص حکمت ہوا کرتی ہے۔ مشہور ہے کہ لقمان حکیم ایک دن کسی بستی کی طرف تبلیغ کرنے کیلئے روانہ ہوئے۔ جب بستی کے قریب پہنچے تو اچانک ایک بڑا نہایت تیز کانٹا اس طرح ان کے پاؤں میں پیوست ہوگیا کہ پاؤں کے اوپر کی طرف سے نکل آیا۔ اتنا شدید درد ہوا کہ وہیں بیٹھ گئے اور کافی دیر تک درد کی وجہ سے وہاں سے اُٹھ نہ سکے۔ چونکہ خدا کے وہ ایک برگزیدہ انسان تھے عرض کیا باری تعالیٰ دورانِ سفر اس اچانک کی تکلیف میں کیا حکمت ہے۔ خدا کی طرف سے فی الفور

ہاتف غیبی نے حقیقت حال سنائی کہ جس بستی کی طرف آپ بغرضِ تبلیغ جا رہے تھے وہ انتہائی نافرمان اور نا قابل معافی لوگوں کی بستی تھی۔ چند لمحہ پہلے اس بستی کے اُلٹنے کا حکم جاری ہو چکا تھا اور اب وہ اُلٹ کر تباہ ہوگئی ہے۔ اگر آپ اسی وقت بستی پہنچتے تو آپ بھی اُن کے ساتھ ہلاک ہو جاتے۔ خدا کو چونکہ یہ منظور نہ تھا اس لئے آپ کو کانٹے کی تکلیف دی۔ یہاں تک کہ وہ وقت نکل گیا۔

لقمان حکیم یہ بات سن کر سر بسجو دہوئے اور شکرادا کیا۔ تو دوستو! دنیا میں صرف غیر مسلم کی تکلیف ضائع جاتی ہے اور کسی شمار میں نہیں آتی مگر کلمہ گو کی تکلیف اس دنیا میں کسی مصیبت کو ٹالتی ہے اور آخرت میں اس کے گناہوں کے کفّارے کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ خداوند کریم آپ کی یہ تکلیف قبول فرما کر اس کے بدلے میں قبر اور آخرت کی تکالیف سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ انسان پر جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک قسم باعثِ رحمت کہ جس کے نازل ہونے پر انسان کو الحمد للّٰہ پڑھنا چاہیے اور دوسری باعث غضبِ الٰہی جس کے لیے استغفر اللّٰہ پڑھتے رہنا چاہیے۔ اب ان دونوں میں فرق وہ آدمی کر سکتا ہے جو ہر وقت غور وفکر اور محاسبۂ نفس کرتا ہو۔ وگرنہ عام پرکھ اولیاء کرام کے نزدیک یہ ہے کہ جو مصیبت ''غفلت'' میں ڈال دے اور یادِ الٰہی سے غافل کر دے وہ خدا کی ناراضگی اور غضب کی وجہ سے ہے اور جو مصیبت یادِ الٰہی میں مشغول اور بھیجنے والے کی طرف راغب کرے وہ باعثِ رحمت اور انسان کو غفلت سے جگانے کیلئے ہے۔ مزید فرمایا کہ انسان کو ہر قسم کے چھوٹے موٹے گناہ سے بچنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا ناراض ہو کر اپنا قہر نازل کر دے۔ ہر چھوٹی اور معمولی سی نیکی ہاتھ سے نہ جانے دے۔ شاید کہ خدا اس پر خوش ہو جائے۔ علاوہ ازیں جو بھی مصیبت آئے اس پر شکرادا کر کے توبہ استغفار پڑھتا رہے اور یادِ الٰہی میں مصروف ہو جائے۔ کیونکہ مصیبت کا شکار تو ہو گیا کہیں غفلت کا شکار بھی نہ ہو جائے۔ اگر مصیبت میں غفلت اختیار کی تو مصیبت ختم ہونے میں نہیں آتی۔ بلکہ مصیبت پر مصیبت آتی جائے گی۔ خداوند کریم سب دوستوں کو ہر قسم کی مصیبتوں اور غفلت سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے احباب اکٹھے تھے کہ ایک دوست کے کسی نقصان کا تذکرہ ہوا۔ آپ مدظلہٗ العالی نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا کہ خدا کی طرف سے بندے پر جو خوشی اور غم آئے اس پر ہر حال میں شکرادا کرنا چاہیے۔ بیشک وقتی طور پر انسان بے چین ہو جاتا ہے۔ مگر اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بندے کی بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسے سمجھ آ جاتی ہے۔ ایک واقعہ پیش فرمایا کہ ایک بادشاہ کی کسی حادثے میں انگلی کٹ گئی۔ وزیر نے تسلّی دیتے ہوئے بادشاہ سے کہا کہ کوئی بات نہیں اس میں کوئی بہتری ہوگی۔ بادشاہ غضبناک ہوا اور وزیر کو قید میں ڈال دیا۔ چند دن بعد وہ شکار کرنے کیلئے جنگل کی طرف نکل گیا۔ وزراء ساتھ تھے مگر بادشاہ نے ایک شکار کے پیچھے گھوڑا تیزی

سے دوڑ ایا وزراء اور خادمین پیچھے رہ گئے۔ بادشاہ شکار کا تعاقب کرتے ہوئے کسی دوسرے ملک میں داخل ہو گیا۔ اس ملک کے بادشاہ کو کوئی ایسی بیماری لاحق تھی جو نجومیوں کے حساب کے مطابق ایک بے عیب، صحت منداور خوبصورت آدمی کا دل جب تک بادشاہ کو پکا کر نہ کھلایا جائے صحت یابی ناممکن ہے۔ لوگ ایسے شخص کو تلاش کرتے ہوئے اس بادشاہ کو پکڑ کر اپنے ملک کے بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ نے مزید تسلّی کے لئے اسے نجومیوں کو دکھایا۔ سب شرائط پر پورا اُترا مگر ایک نجومی کی نگاہ جب اس کی کٹی ہوئی انگلی پر پڑی اس نے اعتراض کیا کہ اس میں تھوڑا سا نقص ہے لہٰذا علاج نہ ہو سکے گا۔ سب نجومیوں نے اس پر اتفاق کیا اور بادشاہ کو عیب دار سمجھ کر چھوڑ دیا۔

چند دن بعد بادشاہ کسی طریقے سے واپس اپنے ملک آیا۔ گھر آتے ہی اس وزیر کو جسے اس نے قید میں ڈالا تھا رہا کر کے انعام واکرام سے نوازا اور معذرت کی کہ واقعی آپ نے جو بات کہی تھی اس میں میری بہتری تھی۔ وزیر نے کہا بادشاہ سلامت مجھے بھی قید میں ڈالنے میں حکمت تھی۔ اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا وہ کیسے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اگر میں قید میں نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ شکار کرنے جاتا۔ تمہارے عیب دار ہونے کے بعد مجھے گرفتار کر کے ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن قید کی بناء پر میری جان بخشی اور انگلی کٹنے پر تمہاری جان بخشی ہوئی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اس کے بعد اپنے وزیر کا احسان مند رہا اور کسی بھی تکلیف میں رنج وغم کا اظہار نہ کرتے ہوئے راضی برقضا رہتا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے مریدین کو رضائے الٰہی پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ فرمایا اس لئے انسان پر جو بھی مصیبت آئے بجائے مغموم ہونے کے خدا کا شکر ادا کرے۔ گفت سعدی شیرازیؒ ہے کہ:

؎ بخور ہر چہ آید زدست حبیب   نہ بیمار دانا تراست از طبیب

(دوست کے ہاتھوں میں جو بھی تلخ وشیریں چیز ملے کھالے کیونکہ مریض علاج کے معاملے میں ڈاکٹر سے زیادہ عقلمند نہیں ہے۔ ڈاکٹر تلخ دوا بھی اگر دے بطور علاج دیتا ہے۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ کسی بات پر دوستوں سے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہَوا میں اڑتا تھا۔ کیونکہ ہوا اور چرند پرند وغیرہ آپ کے تابع تھے۔ ایک دفعہ ان کا تخت کسی جنگل پر اڑتا ہوا جا رہا تھا۔ نیچے دیکھا کہ ایک لکڑ ہارا لکڑیاں کاٹ کاٹ کر گدھے پر لاد رہا ہے۔ انہیں بہت ترس آیا۔ تخت کو زمین پر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ تخت جب زمین پر آ گیا تو آگے بڑھ کر لکڑ ہارے کو اپنے تاج سے ایک موتی اتار کر دے دیا کہ اسے بیچ کر آرام سے اپنی بقیہ زندگی بسر کرے۔ لکڑ ہارا بہت خوش ہوا۔ راستے میں موتی کو بار بار نکال کر دیکھتا کہ واقعی یہ موتی ہے؟ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے سر پر ایک عقاب مُنڈلا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمکتے ہوئے سرخ موتی پر پڑیں۔ گوشت کا ٹکڑا سمجھ کر اچانک جھپٹ پڑا اور موتی لے کر اڑ گیا۔ لکڑ ہارا ہاتھ ملتے واپس اپنی لکڑیاں اٹھانے میں مصروف ہو گیا۔ چند دن بعد دوبارہ سلیمان علیہ السلام کا اسی راستے سے گزر ہوا۔ دیکھا کہ وہ لکڑ ہارا ویسے ہی لکڑیاں چن رہا ہے۔ دوبارہ ترس آیا۔ تخت کو اُترنے کا

حکم دیا۔لکڑ ہارے سے پوچھا موتی کہاں کیا کہ اب تک لکڑیاں چن رہا ہے؟ لکڑ ہارے نے اپنا ماجرا سنا ڈالا۔سلیمان علیہ السلام نے دوسرا موتی اپنے تاج سے اتار کر اسے دے دیا۔اب لکڑ ہارے نے بڑی احتیاط سے اسے کپڑے میں لپیٹ لیا اور بغل میں دبا کر گھر کا راستہ لیا۔راستے میں کہیں دور دیکھا کہ دو تین آدمی آ رہے ہیں۔اپنے دل میں کہا کہ یہ شاید ڈاکو ہیں۔موتی چھین کر نہ لے جائیں۔ بھاگ پڑا۔ڈاکوؤں کو پتہ چلا کہ جوان ڈر کر بھاگ رہا ہے۔شاید اس کے پاس کوئی چیز ہے۔ پیچھا کیا۔ آخر کار لکڑ ہارے کو پکڑ کر موتی چھین لیا۔لکڑ ہارا دوبارہ قسمت کو روتا ہوا لکڑیاں کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔ چند دن بعد پھر سلیمان علیہ السلام کا اسی مقام سے گزر ہوا۔لکڑ ہارے کو پہلی حالت میں پا کر حیران رہ گئے۔حکم کے مطابق جب تخت زمین پر آ گیا۔لکڑ ہارے سے دریافت کرنے پر اس نے اپنا سارا حال کہہ سنایا۔سلیمان علیہ السلام نے تیسری بار اپنے تاج سے ایک قیمتی موتی اتار کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔لکڑ ہارا پھر خوش ہو کر کسی چیز میں موتی لپیٹ کر گھر کو روانہ ہوا۔راستے میں ایک برساتی ندی تھی۔اچانک بارش آ گئی اور ندی میں تیز پانی آ گیا۔اسے خطرہ تھا کہ کہیں چور آ کر لوٹ نہ لیں۔مجبوراً ندی عبور کرنے کا فیصلہ کیا۔ندی میں اتر گیا۔جب ندی کے عین درمیان پہنچا تو ڈوبنے لگا۔جان بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا، جس کی وجہ سے موتی گر کر پانی میں بہہ گیا۔قسمت کو روتے ہوئے دوبارہ جنگل میں لکڑیاں چننے لگا۔چند دن بعد پھر سلیمان علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا۔لکڑ ہارے کی بدحالی دیکھ کر پھر ایک موتی دے دیا۔لکڑ ہارے نے اسے بھی کسی طریقے سے گنوا دیا۔

کچھ عرصہ بعد سلیمان علیہ السلام کا اس جنگل کے کنارے گزر ہوا۔دیکھا کہ یہاں ایک خوبصورت شہر آباد ہے۔بڑا بازار ہے۔خوبصورت محلات اور فلک بوس مکانات ہیں۔ہر طرف چہل پہل ہے۔حیران ہوئے کہ اتنی کم مدت میں یہاں اتنا بڑا شہر کیسے آباد ہوا۔تخت کو حکم دیا کہ اس کے قریب اتر جائے۔تخت اترنے پر شہر کے منتظم اعلیٰ کو بلایا۔دیکھا کہ یہ تو وہی بوڑھا لکڑ ہارا ہے۔حیران رہ گئے۔پوچھا تُو کیسے اس مقام پر پہنچا؟ لکڑ ہارے نے بتایا کہ اَے خدا کے نبی! وہ چاروں لعل مجھ سے ضائع ہوئے۔مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن ایک بڑے سوکھے درخت کا کھوکھلا تنا کاٹ رہا تھا دیکھا کہ تنے میں ایک عقاب کا گھونسلہ ہے اور اسی میں وہ چاروں لعل موجود ہیں۔جو آپ علیہ السلام نے اپنے تاج سے اتار کر عنایت کئے تھے۔اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ایک بہت بڑے زرگر کے پاس فروخت کر کے بے بہا پیسہ وصول کیا۔تب اپنے گھر کے قریب یہ بازار، مکانات اور محلات بنوائے۔جو آپ علیہ السلام کے سامنے ہیں سب کا میں ہی مالک ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے مبارکباد پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تک رب راضی نہ ہوا سلیمان پیغمبر علیہ السلام کی کوشش رائیگاں جاتی رہی۔جب وہ راضی ہوا تو ایک ہی دن میں بادشاہ بنا دیا۔اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ اس طرح ہمارے پاس بھی کئی قسم کی مخلوق آتی ہے۔دعا کرنا ہمارا کام ہے۔آگے خدا کی مرضی۔اگر راضی ہو جائے تو ہماری دعا کے ذریعے سے کسی کو بہتری عطا فرماتا ہے۔اگر قبول نہ فرمائے پھر بھی ہمارا کام تو ہر وقت اسی ذات کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہے۔قبول کرنا یا نہ کرنا اس کا اپنا کام ہے۔بقول حافظؒ:

؎ حافظا کار تو دعا کردن است و بس　　در بند ایں مباش کہ شنید یا نہ شنید

(اَے حافظ! تیرا کام صرف دعا کرنا ہےتو اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ اس نے سنا، یا نہیں سنا)

اس لئے سب دعاؤں سے افضل دعا یہی ہے کہ خدایا! تو راضی ہو جا جب وہ راضی ہو گیا تو سارے کام بن جاتے ہیں۔

1989ء میں کوٹ ادو کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر بلوچستان کے بہت سے دوست بندہ سمیت حاضر خدمت ہوئے۔ آپ مدظلہُ العالی بے انتہا خوش ہوئے۔ بعداز دعا ارشاد فرمایا کہ پہاڑی علاقے ہمیں بہت پسند ہیں۔ وہاں سادہ لوح لوگ رہتے ہیں۔ دنیا میں کئی قسم کی برائیاں رواج پا چکی ہیں۔ لیکن وہ ان چیزوں سے ابھی تک ناواقف ہیں اور بہت سے گناہوں سے بچے ہوئے ہیں۔ پیغمبر آخرالزماں نے ﷺ فرمایا جب آخری پُرفتن دور آئے گا تو ایمانداروں کیلئے زندگی گزارنا دشوار ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر طرف برائیاں ہی برائیاں ہوں گی۔ اس وقت اہلِ ایمان پہاڑوں کی طرف نکل کر غاروں میں رہتے ہوئے اپنا ایمان بچائیں گے یا میدان میں رہتے ہوئے تہہ خانوں میں۔

پہاڑوں میں تنہائی میسر آجاتی ہے۔ وہاں دنیا کی برائیاں ابھی تک نہیں پہنچیں، اس لئے انسان آرام سے اللہ اللہ کر سکتا ہے۔ ہمت کرو اور کوشش کرو کہ یہ ذکرِ خدا ہر جگہ پہنچ جائے اور گم کردہ راہِ مخلوق ذکرِ خدا سے فائدہ حاصل کر سکے۔ اللہ کریم آپ سب کو کامیاب و کامران فرمائے۔ مَیں آپ پر بہت خوش ہوں کہ اتنا طویل سفر کر کے یہاں آئے ہیں۔ مزید دعا فرمانے کے بعد لنگر کا انتظام کیا گیا۔

ایک مرتبہ الیکشن 1990ء کے موقعہ پر سب مریدوں کو موجودہ سیاست، جھوٹ، فریب سے اپنی جان بچانے اور ایسے حالات میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جس طرح کہ غیبت کرنا گناہ میں شامل ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی گناہ ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج کل غیبت چغل خوری اور جھوٹ فریب کو کوئی شخص جرم اور قابل مواخذہ سمجھتا ہی نہیں۔ ایسی ہوا چلی ہے کسی اور کی غیبت کریں یا نہ کریں مگر ''بینظیر'' اور ''نواز شریف'' کی غیبت تو ضرور بالضرور کر ہی لیتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ جھوٹ! جھوٹ بولنے والے کو تو بہت میٹھا اور لذیذ معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کا انجام اتنا مضر اور تلخ ہوتا ہے کہ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اگر کاذب کو اس کی حقیقت کا پتہ ہوتا تو وہ اس طرح ہرگز نہ کرتا۔ دوستوں کو نصیحت ہے کہ اس قسم کی محفل سے فوراً کنارہ کش ہو جائیں اور اپنا ایمان بچالیں۔

کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں ایک بار الیکشن کے دوران آپ مدظلہُ العالی نے دوستوں کو بتایا کہ اللہ کے دوست اور فقراء حضرات دنیا اور دنیاداروں سے ہمیشہ نفرت کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے صاحبِ فقر انسان کو چاہیے کہ وہ اس سے دُور رہے اور دنیاداروں کی صحبت میں کم بیٹھا کرے کیونکہ وہاں خدا کو کم اور دنیا کو زیادہ یاد کیا جاتا ہے اور جہاں خدا کی یاد نہ ہو فقیر کیلئے وہاں ٹھہرنا فضول اور کھانا زہر قاتل ہے۔

اسی مناسبت سے آپ مدظلہُ العالی نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہمارے بنوں شہر میں داخل ہوتے ہی ایک دروازہ

آتا ہے جسے ''لکّی'' دروازہ کہتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے ہمیں سنایا کہ اس گیٹ پر ایک مجذوب حال فقیر رہتا تھا۔اور کھاتا پیتا کچھ نہ تھا۔ایک مرتبہ شہر میں کسی وزیر کی آمد تھی۔سپاہی لوگوں کو راستہ سے ہٹا رہے تھے۔یہ فقیر بھی سڑک پر کھڑا تھا۔ ایک سپاہی نے اسے دو تین لاٹھیاں رسید کیں۔فقیر بولا کہ خدا تجھے تھانیدار بنا دے۔سپاہی حیران رہ گیا کہ مَیں نے فقیر کے ساتھ بُرا سلوک کیا اور اس نے مجھے دعا دی۔خیر! دن کی ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد شام کو جب واپس اپنے تھانے حاضر ہوا تو خبر ملی کہ سابقہ تھانیدار صاحب فوت ہو گئے ہیں۔سینئر ہونے کی بنا پر آپ کو ترقی دے کر تھانیدار بنایا جاتا ہے۔یہ بہت خوش ہوا کہ دن والے فقیر کی دعا کا اثر ہے۔لہٰذا بہتر ہے کہ صبح فقیر صاحب کو ایک جوڑا کپڑا اور ایک ڈبہ مٹھائی پیش کی جائے۔ دوسرے دن تھانیدار صاحب سٹار لگائے فقیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور تحفہ پیش کیا۔فقیر نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حضور! آپ نے کل بندۂ عاجز کیلئے دعا کی تھی کہ تجھے خدا تھانیدار بنا دے تو کل شام ہی میری تھانیداری کے آرڈر ہو گئے۔ لہٰذا اس خوشی میں آپ کو یہ تحفہ پیش کرنے آیا ہوں۔فقیر نے کہا اچھا میرے ساتھ آؤ۔جب وہ چلتے چلتے ایک قبرستان پہنچے فقیر ایک تازہ قبر پر جا کھڑا ہوا اور اُسے کہا کہ اپنا سر میری بغل میں لے آؤ۔فقیر نے اپنا بازو جب اس کے سر پر رکھا خدا کی قدرت سے اس کو کشف ملا اور دیکھا کہ مردہ پر سانپ، بچھو اور کئی قسم کا عذاب نازل ہے۔اس نے ڈر کر چیخ ماری اور سر واپس کھینچ لیا۔تب فقیر نے بتایا کہ یہ سابقہ تھانیدار کی قبر ہے۔ پھر سمجھایا کہ محترم! مَیں نے دراصل آپ کو نیک دعا نہیں دی بلکہ بددعا دی کیونکہ دنیاوی ترقّی سے دین و ایمان کی تنزلی شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ سابقہ تھانیدار کا تُو نے حال دیکھا ہے۔اس لئے آپ اس ترقی پر خوش ہرگز نہ ہوں۔یہ آپ کی عاقبت خرابی کا ایک اور سبب بن گیا ہے۔کیونکہ ہم فقیروں کی دلآزاری خدا کے قہر کا سبب بنا کرتی ہے۔تھانیدار نے فوراً توبہ کی اور واپس جا کر اپنی ترقّی رکوا دی۔اُسی کم تنخواہ پر گزارہ کرنا شروع کیا۔

اس کے بعد آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ آج کل لوگ ووٹوں کیلئے اتنے سرگرداں ہیں۔اگر یہ اپنی عاقبت سے ڈرتے اور حقیقتِ حال دیکھتے تو ہرگز اس کا حرص نہ کرتے۔افسوس اگر آخرت کی بہتری کیلئے اس قدر سرگرداں رہتے تو معلوم نہیں کہ کس قدر خدا کا قرب حاصل کرتے اور دونوں جہانوں میں کتنی شان کے مالک ہوتے۔خدا مسلمانوں کو سمجھ عطا فرمائے۔آمین۔

ایک مرتبہ آپ مدظلہٗ العالی کوٹ ادو آستانہ عالیہ میں تشریف فرما تھے۔ 1987ء کے بلدیاتی انتخابات کی گہما گہمی تھی۔امیدوار اپنی کامیابی کی دعا منگوانے آتے مگر آپ مدظلہٗ العالی فرماتے کہ ہم آپ کے ایمان کی دعا مانگتے ہیں۔کیونکہ مسلمان کیلئے نورِ ایمان ہی بنیادی چیز ہے۔آج کل کی سیاست محض دھوکہ اور فراڈ ہے۔اس لئے ہم کسی کی سیاست میں ملوث نہیں ہونا چاہتے۔آپ مدظلہٗ العالی اکثر اس حدیث پاک کا مفہوم بیان فرماتے رہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''میری امت پر ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گناہوں میں گرفتار ہو جائے گی۔مثلاً ہم فقیر لوگ ہیں ہمارا سیاست سے کوئی تعلّق نہیں۔اگر ہم اس فضول کام میں سیاست دانوں سے تعاون کریں تو خواہ نا کردہ گناہوں میں

گرفتار ہو جائیں گے۔ آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ لوگ فضول کام کیلئے کتنی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں۔ دراصل دنیاوی عزت سے نفس بہت خوش ہوتا ہے اور اُخروی عزت سے نفس بہت رنجیدہ ہو جاتا ہے جو کہ خوشنودئ خدا اور اس کی قربت کا باعث ہے۔ یہ بیچارے نفس کے دھوکے میں کس طرح پاگلوں کی طرح بھاگے پھر رہے ہیں۔ اگر خدا کی راہ میں ایسی بھاگ دوڑ کرتے تو ایک علاقہ کیا ساری دنیا پر چھا جاتے۔

اِنہی ایّام میں آپ مدظلہٗ العالی نے یہ واقعہ ارشاد فرمایا کہ ایک نوجوان کسی عورت پر عاشق تھا۔ وہ دوسری عورتوں کے ساتھ روزانہ ایک جگہ پانی بھرنے آتی تھی۔ نوجوان اس سے ملاقات کرنے کا طریقہ تلاش کرتا کہ اپنا مدعا بیان کرے مگر ناکام۔ آخر ایک دن اس کے ذہن میں یہ ترکیب آئی کہ ایک عبادت گزار انسان کا بھیس بدل کر راستے میں بیٹھ جاؤں تا کہ وہ بزرگ سمجھ کر میری طرف متوجہ ہو جائے۔ کافی عرصہ گزر گیا کوئی عورت اس کی طرف نہ آئی بلکہ الٹا لوگ طرح طرح کی باتیں کر کے اس سے نفرت کرنے لگے۔ آخر کار ایک دن سوچنے لگا کہ اتنا عرصہ محض ایک عورت کیلئے عبادت کی ہے۔ کاش یہی عبادت خدا کیلئے کی ہوتی تو معلوم نہیں کتنے درجات مل جاتے۔ چنانچہ اس نے عورت کا خیال دل سے نکال دیا اور راستے سے بھی ہٹ کر تنہائی میں جا کر خالصتاً اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ جب اس کا ارادہ للہ فی اللہ ہو گیا تو مخلوق اس کی طرف متوجہ ہونے لگی۔ کوئی دَم کرا جاتا۔ کوئی تعویذ لے جاتا۔ لنگر کیلئے روٹی اور کوئی دودھ وغیرہ دے جاتا۔ ہر طرف سے مرد اور عورتیں دعا منگوانے آتے لیکن اب وہ ان کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ صرف رضائے الٰہی اس کے مدنظر تھا۔ آخر کار وہ خدا کے برگزیدہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔

فرمایا کہ سیاست دانوں کی نیّت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ رفاہی کام اپنی شہرت (ریا کاری) کیلئے کرتے ہیں رضائے الٰہی کیلئے نہیں کرتے۔ ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' جب نیت ہی ٹھیک نہ ہو تو اعمال کیسے ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ جب اعمال ٹھیک نہ ہوں تو مسلمانوں کا رہنما وہ کیسے بن سکتا ہے۔ خدا مسلمانوں کو راہ مستقیم نصیب فرما کر اپنی خوشنودی اور رضا نصیب فرماوے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ سخی سرور میں حاضرینِ محفل کو اسلام کی حقانیّت کے بارے میں بتاتے ہوئے اپنی زبانِ حقیقت بیان سے ارشاد فرمایا کہ گذشتہ زمانے کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک مسلمان ایک عیسائی عورت پر عاشق ہو گیا۔ وہ انتہائی خوبصورت تھی۔ مسلمان دن رات اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا۔ ایک دن عیسائی عورت کو اس کا احساس ہوا۔ بُلا کر پوچھا کیا بات ہے کہ یہاں پڑا رہتا ہے؟ جواب دیا کہ آپ سے شادی کرنے کا خواہاں ہوں۔ عیسائی عورت نے مذہب کے بارے میں پوچھا۔ مسلمان نے جواب دیا اسلام!۔ عورت نے شادی کیلئے یہ شرط رکھی کہ یہ سفید انڈا لے لو۔ آپ گناہ کرتے جائیں یہاں تک کہ یہ انڈا سیاہ ہو جائے۔ تب مَیں آپ سے شادی کروں گی۔

مسلمان نکلا۔ بہت بڑے بڑے گناہ کر ڈالے۔ روزانہ شام کو آ کر انڈا دیکھتا۔ ایک دن ایک سیاہ نکتہ تھا۔ دوسرے

دن پانچ۔ تیسرے دن آدھا۔ چوتھے دن صرف ایک نکتہ جتنی سفید جگہ بچی ہوئی تھی۔ سوچا کہ آج شام کو یہ مکمّل سیاہ ہو جائے گا۔ باہر نکلا دیکھا کہ راستے پر ایک خطرناک تیز کانٹا پڑا ہوا ہے۔ اُسے اٹھا کر دُور پھینک دیا کہ کسی کو لگ نہ جائے۔ شام کو جب واپس آیا انڈے کو دیکھا تو وہ مکمّل سفید ہو چکا تھا۔ عورت نے پوچھا مسلمان! آج تُو نے کوئی بہت بڑا اچھا کام کیا ہوگا کہ انڈا دوبارہ سفید ہو گیا۔ مسلمان نے صرف کانٹے کی بات بتا دی۔ عیسائی عورت بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ہوش میں آنے کے بعد کہنے لگی کہ مسلمانوں کا مذہب جب اتنا سچا ہے تو آج سے مَیں بھی مسلمان ہوتی ہوں اور آپ سے شادی کر لیتی ہوں۔

اس کے بعد مرشد کامل باباجی سرکار مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ مذہب اسلام ہی کی یہ خاصیّت ہے کہ تھوڑی سی مزدوری سے بہت بڑا معاوضہ مل جاتا ہے۔ جس طرح کہ واقعہ سے پتہ چلتا ہے۔ یہ مسلمان کی شان ہے کہ قیامت کے دن جب ایک شخص کے برے اعمال ترازو میں زیادہ ہو جائیں گے تو حکم ہوگا کہ اسے دوزخ کی طرف روانہ کر دو۔ تب کلمہ طیبہ لکھ کر نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ وہ پلڑا نیچے زمین پر آ جائے گا۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے بہشت میں داخل کر دو۔

خداوند کریم اس پُرفتن دور میں جبکہ لادینیّت روز بروز پھیلتی جا رہی ہے۔ سب دوستوں کو مذہبِ اسلام میں استقامت کے ساتھ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ بستی آدم (ضلع مظفرگڑھ) میں جلوہ افروز تھے کہ بندہ سمیت بہت سے دوستوں کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ بعد از زیارت ارشاد فرمایا کہ مہمان کا کسی کے ہاں آنا اور ایک مختصر وقت میں قیام وطعام کا انتظام کرنا بے انتہا باعثِ برکت ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک امیرزادی اچھی خاصی مال و دولت کی مالکہ تھی۔ وہ شادی کرنے سے اس لئے گریز کرتی تھی کہ کسی دوسرے شخص کی خدمت کرنی پڑے گی۔ اس نے اعلان کرایا کہ مَیں اس شخص سے نکاح کروں گی جو مجھے ساری زندگی کیلئے یہ لکھ کر دیدے کہ صرف اس شخص کی روٹی پکانے کے علاوہ اور کسی کی روٹی نہ پکاؤں گی۔ یہ اعلان سن کر ایک نوجوان حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ یہ شرط مجھے قبول ہے اور مَیں یہ لکھ کر بھی دے دوں گا کہ ساری زندگی اپنے کسی دوست یا مہمان کیلئے آپ کو تکلیف نہ دوں گا۔ عورت رضامند ہو گئی۔ شادی ہو گئی کچھ عرصہ بعد ایک دن خاوند مسجد گیا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ دیکھا کہ ایک فقیر بھوکا مسجد میں بیٹھا ہے۔ جاڑے کی رات کاٹنے کیلئے اس کے سونے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ اسے ترس آیا۔ گھر گیا، بیوی سے کہا کہ مَیں اپنے معاہدے پر کاربند ہوں مگر آج رات کیلئے ایک فقیر کی خاطر روٹی بھی پکائیں اور سونے کیلئے بھی اجازت دیں۔ مَیں بہت خوش ہو جاؤں گا۔ شاید اللہ بھی راضی ہو جائے۔ بیوی نے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا کہ آج چونکہ پہلی بار ہے۔ آپ کو اجازت ہے۔ لیکن آئندہ کیلئے اگر کوئی ایسی حرکت کی تو وہ میرا آپ کے ساتھ آخری دن ہوگا۔

چنانچہ خاوند نے فقیر کو بلا لیا۔ اِدھر عورت روشندان میں نظریں جمائے بیٹھی تھی کہ واقعی کوئی فقیر ہے یا اس کا کوئی دوست ہے۔ دیکھا کہ واقعی فقیر ہے۔ مگر فقیر کے پیچھے پورے سو آدمی مہمان خانے میں داخل ہو گئے۔ بیوی کو بہت غصّہ

آیا۔صرف ایک آدمی کی روٹی پکائی اور خاوند کو دیدی۔کہا کہ مَیں سو آدمی کی روٹی نہیں پکاتی۔خاوند حیران ہوگیا کہ سو آدمی کی بات کیوں کر رہی ہو۔ بیوی نے تیور بدل کر جواب دیا کہ فقیر کے پیچھے مَیں نے پورے سو آدمی بیٹھک میں داخل ہوتے دیکھے۔آج تُو نے اتنا فراڈ کیا ہے۔کوئی بات نہیں مگر آئندہ کیلئے خبردار۔خاوند قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ مہمان خانے میں تو صرف ایک فقیر ہے اور کوئی بھی نہیں۔مگر بیوی کو تسلّی نہ ہوئی۔خاوند نے فقیر کو روٹی کھلا دی۔اب صبح کو جب فقیر کے جانے کا وقت ہوا۔ بیوی نے پھر روشندان سے جھانکا کہ سب جا رہے ہیں یا کوئی رہ جائے گا۔دیکھا کہ صرف ایک ہی فقیر باہر نکلا اور آدمی نکلے ہی نہیں۔خاوند کی واپسی پر پوچھا کہ یہ کیا ڈرامہ ہے۔ آنے پر سو آدمی تھے اور جاتے وقت صرف ایک۔خاوند نے کہا کہ اس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔اسی فقیر کو بلا کر پوچھ سکتی ہیں۔ بیوی کے کہنے پر فقیر کو واپس بلا لیا گیا۔فقیر نے جواب دیا کہ بی بی! میرے ساتھ جو آپ نے سو آدمی دیکھے وہ خدا کی رحمت تھی۔یعنی کھایا صرف ایک ہی مسافر نے مگر ثواب آپ کو سو آدمیوں کے کھلانے کا ملا۔ پھر جاتے وقت وہ سو آدمی باہر جاتے ہوئے اس لئے دکھائی نہیں دیئے کہ وہ رحمت خدا تھی۔تمہارے گھر ہی رہ گئی۔یا ایسے سمجھ لیجئے کہ وہ اللّٰہ کریم کے فرشتے تھے، جو میرے طفیل آپ کے گھر کیلئے باعثِ رحمت بن کر آئے اور پھر اسی گھر کی حفاظت کیلئے مامور کئے گئے۔ یہ تمہیں خدا کی طرف سے مشاہدہ کرایا گیا کہ مہمان کی خدمت کرنا اس کے طعام و قیام کا انتظام کرنا خدا کی بارگاہ میں کتنی فضیلت رکھتا ہے۔فقیر کے اس جواب پر خاتون اپنے خلافِ سنت فعل پر نادم ہوئی اور آئندہ کیلئے توبہ کی۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ یہ برکت تو ایک عام مہمان کے ساتھ میزبان کو نصیب ہوتی ہے۔جب خدا کا ایک خاص اور برگزیدہ انسان آئے تو اتنی خدا کی رحمت اس کے ساتھ ہوتی ہے کہ کوئی اس کا حساب نہیں لگا سکتا۔اس لئے مہمان نوازی اور مخلوق خدا کی خدمت گزاری نہ صرف ہمارے رسول ﷺ کی سُنّت بلکہ سب انبیاء کرام علیہم السلام کی سنّت ہے۔خدا ہر کسی کو نصیب کرے۔آمین۔

مرشد کریم ''بستی آدم'' میں ایک مرید کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لے گئے۔باتوں باتوں میں ارشاد فرمایا کہ سب اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور نیّت عقیدہ و خیالات کا دوسرا نام ہے۔جب نیت صحیح ہو تو سارے اعمالِ صالح بھی شرفِ قبولیت اور قربتِ الٰہی کا سبب بنتے ہیں۔جب نیت ہی صحیح نہ ہو تو اعمالِ صالحہ موسلا دھا بارش کی طرح کیوں نہ ہوں مگر بے فائدہ اور رائیگاں۔(گُفتِ پیغمبر ﷺ کے مطابق کفار و منافقین کی نیکیاں اور سخاوتیں موسلا دھا بارش کی طرح کیوں نہ ہوں انہیں کچھ فائدہ نہ دیں گے۔)

گفتگو کی مناسبت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ایک ہی دن میں دو آدمی فوت ہوئے۔ایک نہایت اچھا اور پرہیزگار آدمی تھا۔دوسرا عام اور مخلوق کی نظروں میں فاسق و فاجر تھا۔ لوگوں کے بار بار اصرار پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس متّقی آدمی کی نماز جنازہ پڑھانے کا ارادہ فرمایا۔مگر خداوند کریم نے فوراً

جبرئیل امین علیہ السلام کو بھیج کر اپنے کلیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ دوسرے برے آدمی کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حکمِ خداوندی کے تحت اس کی نماز جنازہ پڑھ آئے۔قوم نے اعتراض کیا کہ متّقی کا نماز جنازہ آپ علیہ السلام نے چھوڑ کر دوسرے کا جنازہ کیوں پڑھایا۔ آپ علیہ السلام نے ان کی تسلّی کیلئے جا کر متقی شخص کے گھر کا دروزاہ کھٹکھٹا کر اس کی بیوی سے اس کے حالات و معمولات دریافت کئے۔ بیوی نے اسے بہت اچھا اور پرہیز گار بتایا۔ صوم وصلوٰۃ کا بھی پابند مگر ایک بات یہ بھی بتائی کہ رات کے پچھلے حصّے جب وہ عبادتِ الٰہی کیلئے وضو کر کے مصلّے پہ آتا۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر عبادت کرنا شروع کر دیتا جب تھکتا تو میری طرف مخاطب ہو کر کہتا کہ معلوم نہیں خدا ایک ہے یا دو ہیں اور معلوم نہیں کہ موسیٰ کلیم اللّٰہ علیہ السلام خدا کے سچے پیغمبر ہیں؟ ان دو باتوں کے علاوہ اِس میں مَیں نے اور کوئی معیوب بات نہیں دیکھی۔

اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ جب اس کا عقیدہ ہی غلط ہے۔ خدا اور مجھ پیغمبر پر اسے یقین ہی نہیں تو اس کے اعمال کیسے قابل قبول ہو سکتے؟۔ اس میں یہی حکمت تھی کہ خداوند کریم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا کہ اس کا ایمان ہی نہیں تو پرہیز گاری کس کام کی۔

اب چلتے ہیں فاسق و فاجر کے گھر۔ دروازہ پر دستک دیکر اس کی بیوی سے اس کے حالات دریافت کئے۔ بیوی نے بتایا کہ اس کا کوئی اچھا فعل مجھے یاد نہیں۔ ہر وقت کوتاہی اور غفلت کا شکار تھا۔ غلط کاریوں میں لگا رہتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کا کوئی اچھا فعل بھی آپ کو یاد ہے۔ بیوی نے کہا ہاں اس میں صرف ایک دو اچھی باتیں ضرور تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوتا تو آسمان کی طرف منہ کر کے کہتا خدایا! مَیں تیرا ایک نافرمان بندہ ہوں۔ اس قابل ہرگز نہیں تھا کہ تُو مجھے روزی مہیّا کرے۔ مگر تیری رحمت چونکہ غضب پر غالب ہے۔ مجھ جیسے فاسق و فاجر کو بھی اپنی بارگاہ سے کھانا مہیّا فرماتا ہے۔ اس پر تیرا بے انتہا شکر ہے۔ دوسرا یہ کہ تُو نے ایسا خوبیوں والا پیغمبر ہمیں عطا کیا ہے جو یکتائے روزگار اور تجھ سے براہِ راست باتیں کرنے والا ''کلیم اللّٰہ'' ہے۔ اتنا اُولُو العزم پیغمبر دیا۔ ہم اس قابل ہرگز نہیں تھے۔ مگر تیری رحمت جو بے بہا ہے۔ اس پر خدایا ہم جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔

اُس کی بیوی کی یہ باتیں سن کر موسیٰ علیہ السلام اپنے دوستوں کی طرف متوجّہ ہو کر فرمانے لگے اس میں یہی حکمت تھی کہ خداوند کریم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھانے کا حکم فرمایا کہ اس کا عقیدہ خدا اور اس کے نبی علیہ السلام کے بارے میں صداقت پر مبنی تھا۔ اعمال کی طرف سے گو نہایت غریب تھا۔ مگر عقیدہ کی طرف سے مالا مال تھا۔ کیونکہ دولتِ ایمان دولتِ اعمال پر مقدم ہے۔ جب ایک شخص کے نہ اعمال ہوں اور نہ ایمان تو جنازہ پڑھنا بھی بے فائدہ ہے۔ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مرشد کریم بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی نے ارشاد فرمایا کہ آخری اور پُرفتن دور آیا ہوا ہے۔ اپنے ایمان و عقیدہ ہی کو بچانا سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس دور میں خدا اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اس کے مقرب بندوں یعنی اولیاء کرام کے بارے بھی

ایمان وعقیدہ صحیح رکھنا لازم ہے۔ خدا توفیق دے اور صراطِ مستقیم پر چلائے آمین۔

ایک مرتبہ محفل میں ایک مرید کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ ''ڈر'' دراصل کوئی شئے نہیں ۔ بلکہ یہ ایک وسوسہ ہے۔ ڈرتے وقت ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِااللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم '' پڑھنی چاہئے۔ اس ضمن میں فرمایا کہ ابتداء میں مَیں ایک وظیفہ پڑھنے کیلئے قبرستان جایا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ قبروں کے احوال مجھ پر منکشف ہونے لگے۔ ایک مرتبہ وظیفہ پڑھتے ہوئے ایک قبر زور زور سے ہلنے لگی۔ لیکن میں ذرہ بھر نہ ڈرا اور اپنا وظیفہ مکمّل کر لیا۔ اس لئے ڈرنا محض ایک وسوسہ ہے۔ حقیقت نہیں ہے۔ شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

؎ مُوحّد چہ درپائے ریزی زرش   چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امیدو ہراسَش نباشد زکس   ہمین است بنیادِ توحید و بس

(جس (موحّد) نے دل سے خدا کو ایک مان لیا۔ اس کے پاؤں میں کوئی سونا بکھیرے یا سر پر تیز تلوار لہرائے وہ نہ سونے کی امید اور نہ تلوار کا خوف محسوس کرتا ہے۔ یہی بنیادِ توحید ہے اور بس) خداوند کریم سب کو مقامِ توحید نصیب فرمائے آمین۔

ربیع الاوّل 1989ء میں بمقام کوٹ ادو عید دالنبیﷺ کے سلسلے میں ایک پیر بھائی کے گھر بہت سے مریدان کے ہمراہ دعوت تھی۔ بعد از نمازِ مغرب وذکر وفکر فرمایا کہ قرآن کریم میں خدائے ذوالجلال کا اعلان ہے۔ ''لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ'' یعنی بے شک ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت عطا کی ہے۔ اب چونکہ مسلم اور غیر مسلم دونوں اولادِ آدم ہیں۔ اگر ہندو اور یہودی کہیں کہ ہم بھی تو اولادِ آدم ہیں اور خالقِ کائنات نے ہمیں بھی اسی شرف وتکریمِ انسانیت سے نوازا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ:

؎ اگر در دِہد یک صلائے کرم   عزازیل گوید نصیبے بُرم

(اگر خداوند کریم اپنی بخشش اور رحمتِ عام کا اعلان کر دے تو شیطان کے دل میں بھی یہ خیال اُبھرے گا کہ مَیں بھی اپنا حصّہ لے لوں۔)

تو اس معمّے کے حل کیلئے پہلے پہل آپ مدظلہٗ العالی نے پشتو شاعر بابا عبدالرحمٰنؒ کا ایک شعر پیش کر کے ''كَرَّمْنَا'' کی تشریح فرمادی۔ شعر کا مطلب ہے کہ یہ تو جانور کا کام ہے جہاں کھائے، پیئے، وہیں پیشاب کرے اور سو جائے۔ نہ اپنی جان کی خبر اور نہ اپنے آقا کا پتہ۔ جو چیز بھی حلال ہو یا حرام، گھاس اپنے مالک کے کھیت کا ہو یا پرایا اس کا کام ہے صرف پیٹ بھرنا۔ پھر سوتے وقت بھی یہ نہیں دیکھتا کہ یہ پاک جگہ ہے یا پلید۔ جس نے اُسے جنا ہے نہ اس کے تقدّس وعزت کا خیال۔ یعنی بابا عبدالرحمٰنؒ کے نزدیک انسان کی تعریف یہ ہے کہ اسے اپنے مقصدِ تخلیق کا علم ہو۔ اس کی زندگی محض جانوروں کی طرح نہ ہو بلکہ اپنے خالق اور رازق کو پہچانے۔ اس کے بعد حلال وحرام کی تمیز۔ اپنے پرائے

کے حق کا خیال، قرابت داری اور اپنے خون کی پہچان، ضبطِ نفس پیدا کر کے جذبہ ایثار و قربانی اور اخلاص واحسان پر گامزن ہونا، خالق ومخلوق کے حقیقی تقاضوں کو پورا کر کے اپنے آپ کو "خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْاَرْض "ثابت کرنے کو "اولادِ آدم اور انسانیت" کا نام دیا جاتا ہے۔ از روئے قرآن انسان وہ ہے جو اپنی حقیقت کو پہچانے بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ قدم پیش نہ کز مَلک بگزری　　اگر باز مانی زِ دَدْ کمتری

(اے انسان! مقامِ انسانیت کی طرف متوجہ ہو کہ فرشتوں سے بھی آگے نکل جائے گا وگرنہ جانوروں سے بھی بدتر بن جائیگا۔)

اس ضمن میں آپ مدظلہٗ العالی نے ایک نہایت پُر لطف مکالمہ پیش کیا کہ ایک دن حضرت اسرافیل علیہ السلام حضرت میکائیل علیہ السلام کے پاس آئے اور یہ عرضداشت پیش کی کہ اللہ کریم نے صرف انسان کے بارے یہ کیوں فرمایا کہ "لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ" فرشتوں اور دیگر مخلوق کیلئے یہ لقب کیوں نہیں استعمال فرمایا جبکہ ہم رات دن اس کی حمد وثناء میں مصروف ہیں۔ اس بات کے بارے میں اطمینانِ قلب چاہتا ہوں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اسرافیل علیہ السلام! اس سوال کا جواب مَیں یہاں آپ کو نہیں دے سکتا۔ اس بات کیلئے اللہ کریم سے ہم بشری لباس مانگ کر پھر دنیا میں جائیں گے۔ وہاں یہ تجربتاً آپ کو ثابت کر دکھاؤں گا۔ چنانچہ خدا کی بارگاہ میں دونوں ملتجی ہوئے۔ بارگاہ ایزدی سے دونوں کو ظاہری اوصافِ بشریّت سے نوازا گیا۔ آسمان سے زمین پر ایک شہر میں اترے۔ اب میکائیل علیہ السلام نے اسرافیل علیہ السلام سے کہا کہ آپ حکیم بن کر ایک دکان پہ بیٹھ جائیں اور مَیں مریض بنوں گا۔ مَیں جب آپ کے پاس دوا لینے کیلئے حاضر ہو جاؤں تو تم بعد از تشخیص یہ کہہ دینا کہ تیرا علاج بغیر انسانی تازہ خون کے (جو کہ ہاتھ سے ذبح کیا گیا ہو) ناممکن ہے۔ میکائیل علیہ السلام نے بازار میں یہ منادی کرنی شروع کی کہ مَیں ایک بیمار مسافر ہوں۔ قریب المرگ ہوں۔ کوئی اللہ کا بندہ میرا علاج کرائے۔ کسی نے ایک روپیہ کسی نے دس روپیہ دینا شروع کیا۔ مگر مریض نے نقد پیسہ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود حکیم کے پاس آ جائیں جو بھی دوا وہ تجویز کرے مجھے تو صرف علاج سے کام ہے۔ پیسے کیا کروں گا۔ شہر کے چند مخلص آدمیوں نے کہا کہ صاحب یہاں تو کوئی اتنا قابل حکیم ہے ہی نہیں کہ آپ جیسے مریض کا علاج کر سکے۔ مریض نے کہا کہ حکیم فلاں جگہ بیٹھا ہوا ہے اور نہایت قابل ہے۔ مَیں ابھی دیکھ کر آیا ہوں۔ چنانچہ سب روانہ ہوئے۔ جب حکیم کے پاس پہنچے تو حکیم نے بعد از تشخیص بتایا کہ اس مریض کا علاج نہیں ہو سکتا۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ یہ مسافر ہے۔ جس طرح بھی ہو اس کا علاج ضرور کرنا ہے۔ حکیم نے کہا کہ اس کا علاج نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے ایسی دوا کی ضرورت ہے جو مہیا نہیں ہو سکتی۔ لوگوں نے جب حکیم کو مجبور کیا تو اس نے بتایا کہ اس شخص کو ایسے تازہ انسانی خون کی ضرورت ہے۔ جو نوجوان ہونے کے ساتھ ساتھ باپ کا ساتواں بیٹا ہو۔ اسے ہاتھ سے ذبح کر کے اس کا تازہ خون اس مریض کو پلانے کے بعد یہ صحت یاب ہو سکتا ہے۔ وگرنہ ناممکن۔ مَیں آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں آپ کا آزمانا شرط ہے۔ اگر مؤثر نہ ہوا تو جو سزا مقرر کریں بھگتنے کو تیار ہوں۔

چنانچہ سب حیران ہو کر واپس چلے گئے۔ تلاش کرتے کرتے ایک سوداگر کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کے سات بیٹے ہیں۔ چھ تو انتقال کر گئے۔ صرف ایک یعنی ساتواں زندہ ہے۔ سوداگر خود بوڑھا ہے اور گھر کی کفالت وہی بیٹا کر رہا ہے۔ معززین علاقہ ایک دن اس کے گھر پہنچ گئے۔ سوداگر نے بڑی خاطر تواضع کی۔ بعد از خدمت انہوں نے اپنا مقصد بیان کر دیا کہ ایک نیک، پارسا اور بزرگ آدمی کی زندگی کا سوال ہے اور ہے بھی مسافر۔ ہمارے شہر میں اگر یہ علاج کے بغیر فوت ہو گیا تو خدا اس ساری آبادی پر ناراض ہو جائے گا۔ سوداگر نے کہا میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرے گھر کا کفیل صرف یہی ایک بیٹا ہے باقی سب خدا نے سنبھال لئے۔ ماں باپ اور بہنوں کی آنکھ کا تارا ہے۔ مَیں تو رضامند ہوں البتہ گھر والوں سے پوچھ کے آتا ہوں اور بچے سے بھی کہ کیا وہ خود اس بات پر رضامند ہے؟ سوداگر نے سب سے مشورہ کیا تو سب برضا و رغبت آمادہ ہو گئے۔

باپ بیٹا اور دیگر معززین جب حکیم کے پاس پہنچے تو حکیم نے خوش ہو کر اس کے ذبح کرنے کا مشورہ دیا۔ بچے نے کہا کہ ابا جان مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح پیشانی کے بل لٹا دیں اور اپنی آنکھوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح پٹی باندھ لیں تا کہ محبّت پدری جوش میں آ کر اس سعادت سے محروم نہ کر دے۔ باپ نے ایسا ہی کیا۔ ذبح کرتے ہی تازہ خون مریض کو پلایا گیا اور مریض فی الفور صحت یاب ہو گیا۔ چند لمحات بعد یہ دونوں فرشتے خدا کے حکم سے اپنی اصلی صورت میں بارگاہِ ایزدی میں پہنچے۔ شرفِ انسانیت اور انسان کی عظمت و جلال کے معترف ہو گئے کہ واقعی انسان ہی ''لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ'' کے لقب کا مستحق ہے۔ دونوں فرشتوں نے عرض کی کہ خدایا! تاجر نے جو ایثار و قربانی کا مثالی کردار پیش کیا۔ ہم اس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے ہیں اور وہ تیری بارگاہ سے کسی خاص انعام کا مستحق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم دوبارہ اس مَردِ حق کی زیارت بھی کریں اور اسے کچھ انعام بھی دے آئیں۔ خداوند کریم نے اجازت دیدی۔ چنانچہ ایک دن دونوں فقیروں کے لباس میں سوداگر سے جا ملے۔ باتوں باتوں میں سب حالات منکشف ہو گئے۔ دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے اس ذبح شدہ بیٹے کی قبر پر جانا چاہتے ہیں۔ بوڑھا دونوں کو لے کر قبر پر پہنچا۔ دونوں فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اس تاجر کے ساتوں بیٹے اپنی اپنی قبر سے زندہ ہو کر باہر آئے اور اپنی زندگیاں اپنے والدین کی خدمت میں گزار دیں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جس دن سوداگر کا بیٹا ذبح کیا گیا تھا اس دن مع سوداگر کے بیٹے! جتنے بھی لوگ مر گئے تھے سب دوبارہ زندہ ہو کر اپنی دنیاوی زندگیوں سے نوازے گئے۔ یہ سب کچھ اس بچے کے جذبۂ ایثار اور والدین کی ہمت و استقلال کی بدولت ہوا۔ یہی شانِ انسانیت' کمالِ انسانیت اور معراجِ انسانیت ہے کہ جس کا آج کل فقدان ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نے انسان کو جس قدر کمالات سے نوازا اُسی قدر اس پر امتحانات بھی سخت رکھے۔ خدا سب کو یہ مقام نصیب کرے۔

اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے سمجھایا کہ اس طرح کا آدمی خدا کے ذکر و فکر سے بنتا ہے اور وہ ذکر و فکر کسی

مردِکامل کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے۔قرآن کریم بتاتا ہے "کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ" (سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرو)اور یہی خدا تک رسائی حاصل کرنے کا زینہ اور وسیلہ ہے۔مردِکامل کی علامات کیا ہیں۔قرآن کریم فرماتا ہے ایسے لوگ کھڑے بیٹھے اور لیٹے خدا کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔سب مخلوق خوابِ غفلت میں پڑی رہتی ہے مگر یہ مردانِ حق بارگاہِ کبریا میں طالبِ خیر و رحمت ہوتے ہیں۔یہ خدا کو یاد کرتے ہیں،خدا انہیں یاد کر کے اِن کی التجائیں مستجاب فرماتا ہے۔خدا اور اس کے بندوں کی طرف سے ایسے لوگوں کو ولی اللہ کا لقب مل جاتا ہے۔ "اَلَا اِنَّ اَوۡلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ" یہ لوگ اس دنیا میں بھی بلا خوف اور آخرت میں بھی بلا خوف،یہاں بھی باعزت اور وہاں بھی باعزت ہوں گے۔از روئے قرآن "لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ" کے لقب کے حقدار صرف یہی لوگ ہیں۔خدا سب کو سمجھ عطا کرے۔اور ایسے اعمال سے نوازے۔ بقول اقبالؒ:

؎ آدمیّت را احترامِ آدمی باخبر شَو از مقامِ آدمی

(آدمی بننے کیلئے آدمیّت (انسانیت) چاہیے۔اے انسان! مقامِ آدمی سے روشناس تو ہو۔تب اس کا دعویٰ کر)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بعد نماز عصر بہت سے مریدان کی موجودگی میں بعد از ذکر ارشاد فرمایا کہ ایک انسان میں اگر کوئی بری عادت اور خصلت موجود ہو اور وہ بار بار اس کا ارتکاب کرتا رہے تو آخر کار وہ عادت اس کی فطرت کا حصہ بن جاتی ہے اور وہ اسے پھر دہراتے ہوئے نہ کوئی عار محسوس کرتا ہے اور نہ اسے ضمیر ملامت کرتا ہے۔یہاں تک کہ از روئے مقولہ ''سر جائے تو عادت جائے''۔

اس موضوع پر آپ مدظلہُ العالی نے ایک واقعہ ارشاد فرمایا کہ پہلے کسی دور میں غریب اور غریب الوطن لوگوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔باقاعدہ ان کو خریدنے اور بیچنے کیلئے منڈی لگتی تھی۔لوگ صاف گو ہوتے تھے۔جس کے غلام میں کوئی نقص ہوتا تو وہ خریدنے والے کو صاف صاف بتاتا۔اگر مالک کو پتہ نہ ہوتا تو وہ غلام خود اپنا نقص پہلے ہی سے کہہ ڈالتا تاکہ بعد میں کسی قسم کا جھگڑا نہ ہو۔چنانچہ ایک امیر آدمی نے اپنے گھر کے کام کاج کیلئے ایک غلام خریدنے کا ارادہ کیا اور منڈی چلا گیا۔اُسے ایک غلام پسند آیا۔قیمت پوچھنے کے بعد جب اس کے نقائص بتانے کا وقت آیا تو وہ خود بول پڑا کہ صاحب! مجھ میں صرف ایک بری عادت ہے کہ میں مختلف حربوں سے ایک دوسرے کو لڑاتا رہتا ہوں۔جب تک مَیں اپنی یہ عادت پوری نہ کروں اس وقت تک مجھے چین نہیں آتا۔امیر آدمی نے کہا کہ مجھے آپ کی اس خصلت سے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔خدا کرے تو ٹھیک ہو جائے وگرنہ برداشت کیا کروں گا۔امیر آدمی غلام خرید کر اپنے گھر لایا۔چند دن بعد نوکر جب گھر میں واقف ہو گیا۔ایک دن آقا کی بیوی سے کہا کہ تجھے ایسی بات بتاؤں جس کا تجھے ابھی تک کوئی علم نہیں ہے۔شرط یہ ہے کہ کسی کو بتانا نہیں۔عورت نے کہا بتاؤ! راز ہی رہے گا۔نوکر نے کہا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کا خاوند کسی اور حسینہ پر عاشق ہو گیا ہے اور وہ عنقریب آپ کو طلاق دے کر اُسے نکاح میں لانا چاہتا ہے۔آپ کوئی تدبیر اختیار کریں تاکہ اس مصیبت سے بچ

جائیں۔عورت پوچھنے لگی آپ ہی بتائیں کہ اس کی کیا تدبیر ہونی چاہئے۔نوکر نے کہا کہ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے خاوند کی داڑھی کے نیچے گلے کے قریب چند بال کاٹ کر میرے پاس لائیں۔میرے پاس ایک کلام ہے۔ ان بالوں پر ایسا عمل کروں گا کہ تیرے خاوند کے دل سے دوسری عورت کی محبّت نکل جائے گی۔چنانچہ عورت ایسا کرنے پر رضا مند ہوگئی۔دوسری طرف نوکر نے آقا سے کہا کہ صاحب!مَیں چونکہ آپ کا نمک خوار ہوں اور آپ کا نقصان نہیں چاہتا۔آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کی بیوی کے کسی دوسرے غیر مرد سے تعلّقات ہیں اور وہ اس کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔عنقریب وہ آپ کا گلا کاٹ دے گی۔کیونکہ مَیں تاک میں یہ باتیں سن رہا تھا۔میرا کام آپ کو بتانا تھا آگے آپ کی مرضی۔آقا یہ سن کر بہت پریشان ہوا۔گھر میں بڑی ہوشیاری سے سوتا کہ کہیں بیوی گلا نہ کاٹ دے۔چنانچہ ایک دن خاوند تھکا ہوا باہر سے آیا۔آتے ہی سو گیا۔بیوی نے سوچا کہ خاوند گہری نیند سو گیا ہے۔کیوں نہ آج اس کے گلے سے بال کاٹ لوں۔بیوی نے جونہی گردن کے قریب استرا بالوں پر رکھا خاوند چونکا اور بیوی کا ہاتھ پکڑ لیا۔کہا تجھے شرم نہیں آتی کہ میرا گلا کاٹ رہی تھی۔عورت کا چونکہ گلا کاٹنے کا ارادہ ہی نہ تھا۔خاوند کی غلط فہمی رفع کرنے کیلئے یہی بہتر سمجھا کہ اب اصل بات بتا دے تاکہ مزید حالات بگڑ نہ جائیں۔چنانچہ عورت نے خاوند کو نوکر کی باتوں کے بارے میں جب تفصیل سے بتایا تو آقا سمجھ گیا۔فوراً اس کی وہ بات یاد آ گئی جو بوقت خرید اس نے بتائی تھی۔جب نوکر کو ڈانٹنا شروع کیا تو کہنے لگا آقا سلامت!آپ مجھے ڈانٹ نہیں سکتے کیونکہ مَیں نے پہلے ہی سے آپ کو بتایا تھا کہ مجھ میں ایک دوسرے کو لڑانے کی عادت موجود ہے۔اگر نہ بتاتا تو قابلِ سزا ہوتا مگر اب میں حق بجانب ہوں۔تب آقا اپنے قصور کا اعتراف کر کے آئندہ کیلئے محتاط ہوگیا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ منافقت، ڈبل چال اور دھوکہ بازی ایک عام آدمی کیلئے بھی ناجائز اور باعث سزا ہے۔تو پھر ایک صاحبِ فقر اور اہلِ طریقت کیلئے ایسی چال اور ایسی عادت کا اختیار کرنا انتہائی شرمناک بات ہے۔یاد رکھو!مَیں اپنے ہر مرید کے ہر فعل وقول سے خواہ سینکڑوں میل دُور کیوں نہ ہو واقف ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔جیسے کہ آپ کے سامنے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو واضح اور عیاں دیکھ رہا ہوں۔لہٰذا اپنے دل میں کوئی دوست یہ نہ سمجھے کہ بابا جی کو میرے فعل اور دل کی بات کا پتہ نہیں ہے۔ہم مریدوں کو ان کے اعمال بتا کر انہیں شرمندہ کرنا نہیں چاہتے۔ اس لئے ہر دوست اپنی عادات وخصائل درست کرے اور محتاط رہے۔میری دعا ہے کہ خداوند کریم ہم سب دوستوں کو مقامِ صفا و تزکیہ نصیب کر کے اپنی آغوش رحمت میں قبول فرمائے۔مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ من نہ دیدم در جہانِ جستجو ہیچ اہلیت بہ از خُوئے نِکو

(اس دنیا کی تگ ودَو میں مَیں نے اچھی عادت کے سوا اور کوئی خاصیت نہیں دیکھی)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ تونسہ شریف میں تشریف فرما تھے کہ بحرِ معرفت جوش میں آ گیا۔مریدانِ صادق کے سامنے یوں مَحرمانہ لب کشائی فرمائی کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کریم کی ذات سے عرض کی خدایا!قیامت کا تھوڑا سا

نظارہ دکھلا دے۔ اللہ کریم نے فرمایا اے موسیٰ کلیم! یہ میرے خزانے کی چھپی ہوئی باتیں ہیں۔ ان کے بارے نہ پوچھیں مگر موسیٰ علیہ السلام جلالی پیغمبر تھے۔ بار بار اصرار پر خداوند کریم نے حکم دیا کہ فلاں چشمے پر چلے جائیں اور چھپ کر بیٹھ جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ دیکھا کہ ایک گھوڑے پر سوار ایک شخص آیا۔ اپنی کمر سے چاندی کی ایک ھمیانی (پہلے زمانے میں چمڑے کے کمر بند بٹوے ہوا کرتے تھے) کھول کر رکھ دی۔ ذرا سستایا، پانی پیا اور چل دیا۔ ھمیانی وہاں بھول گیا۔ کچھ دیر بعد ایک چرواہا بکریوں کو پانی پلانے کیلئے وہاں آیا۔ اس نے ھمیانی دیکھ لی۔ اُٹھا کر بکریوں کے ساتھ جنگل کی طرف غائب ہو گیا۔ تب ایک ضعیف آدمی چشمے پر آ نکلا۔ اتنے میں وہی پہلا ھمیانی کا مالک سوار واپس آ نکلا۔ بوڑھے سے ھمیانی کے بارے پوچھا۔ اس نے لاعلمی کا اظہار کر کے انکار کر دیا۔ سوار چونکہ بوڑھے پر مکمّل بدظن تھا کشمکش میں سوار نے بوڑھے کو عمداً منکر سمجھ کر قتل کر دیا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ نظارہ دیکھنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام واپس گھر لوٹے اور خداوند کریم سے استفسار فرمایا کہ خدایا! دن کی آپ بیتی کا کیا مطلب تھا؟ جو میری سمجھ سے ماورا ہے۔

تو اللہ کریم نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! یہی تو قیامت کا ایک نظارہ تھا۔ اب سنو! بوڑھا سوار کے باپ کا قاتل تھا۔ سوار نے آ کر اپنے باپ کے خون کا بدلہ (قصاص) لیا۔ پھر سوار کے باپ نے چرواہے کے باپ کی اتنی رقم چوری کی تھی جتنی کہ اس کی ہمیانی میں موجود تھی۔ لہٰذا چرواہے کو بھی اپنا حق مل گیا۔ اے کلیم علیہ السلام! قیامت میں بھی اسی طرح کا انصاف ہو گا۔ جو تم نے دیکھ لیا۔ ہر کسی کو اپنے ہی کئے کا پھل ملے گا۔ ذرا بھر کسی پر زیادتی نہ ہو گی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ ریز ہو کر خدا کا شکر ادا کیا۔

مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے اس واقعہ کی تشریح میں فرمایا کہ اسی دنیا ہی میں قیامت کا نظارہ موجود ہے۔ آئے دن واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ قبل اس کے کہ میدان محشر میں رُسوا ہو کر سزا بھگتنی پڑے خدا غفور الرّحیم بھی ہے مگر عادل اور منتقم بھی اسی کے نام ہیں۔ تب دعائے خیر کے بعد محفل برخاست ہوئی۔

ربیع الاول 1989ء کی شام کو بمقام کوٹ ادو ایک پیر بھائی کے ہاں آپ مدظلہٗ العالی کی دعوت تھی۔ بعد نمازِ عصر و ذکر وفکر ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کیلئے مال کی بھی ضرورت ہے اور اعمال کی بھی۔ مال اگر نہ ہو دوسروں کی محتاجی کرنی پڑتی ہے۔ جس سے انسان کی خودی برقرار نہیں رہ سکتی۔ عام دیکھا گیا کہ ایک ہی باپ کے دو بیٹے ہیں۔ اگر ایک کے پاس پیسہ اور دوسرا غریب ہے تو امیر بھائی غریب بھائی کو حکم دیتا ہے کہ پانی پلاؤ۔ یا فلاں کام کر کے آؤ۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے پاس دولت ہے اور دوسرا اس سے محروم ہے۔ مگر ہیں دونوں ایک ہی باپ کے بیٹے اور برابر کے انسان۔ اس لئے اس دَور میں پیسہ کے بغیر چارہ نہیں۔ جوانمرد کو حلال روزی کمانی چاہیے۔ ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ بھی ہوں تا کہ دنیا اور آخرت میں کام آ سکیں۔ دنیاوی زندگی مجبوراً تو بغیر دولت کے بھی کٹ سکتی ہے۔ مگر آخرت کی زندگی کا کٹنا بغیر اعمالِ صالحہ کے ناممکن ہے۔ لہٰذا خداوند کریم سے پہلے اعمالِ صالحہ اور ایمان کی سلامتی پھر مال واسباب کی

التجا کی جائے۔خدا کے ہاں انصاف ہے۔وہ ہر کسی کو اپنے طلب کے مطابق دے ہی دیتا ہے۔کوئی مال طلب کرتا ہے۔ خدا اس کو مال سے مالا مال کر دیتا ہے۔کوئی اعمال طلب کرے خدا اُسے اعمال نصیب کرتا ہے۔جو حال (علومِ باطن) طلب کرتا ہے۔اسے حال اور جو قال (علومِ ظاہری) طلب کرے اسے قال عطا کرتا ہے اور جو اِن چیزوں سے بڑھ کر عشق و مستی اور جذب و شوق طلب کرے اسے وہ بھی نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اس دنیا میں انسان جو شوق اختیار کرتا ہے اور جس چیز سے محبّت کرتا ہے بعد از مرگ بھی اسے اللہ کریم وہی چیز عنایت فرماتے ہیں۔اس بات پر آپ مدظلہٗ العالی نے اپنے ایک عینی مشاہدے کا ذکر فرمایا کہ ایک مرتبہ مَیں کوہاٹ کے علاقہ میں ایک مزار کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔اس بزرگ کے مزار کے قریب اور بھی کافی قبریں تھیں۔ قبرستان چار دیواری میں بند تھا۔فاتحہ پڑھنے کے دوران اچانک ایک کُتّا دیوار پھاند کر اندر آیا اور قبروں کو سونگھنے لگا۔آخر ایک قبر کو سونگھ کر اس پر پیشاب کر دیا۔پھر دیوار پھاند کر باہر چلا گیا۔معلوم ہوتا تھا کہ خاص اس قبر پر پیشاب کرنے کیلئے کتا آیا تھا۔ہم حیران کھڑے سوچ ہی رہے تھے کہ بزرگ کی قبر مبارک سے جلنے والی شمع کی ایک تیز اور خوبصورت لَو اونچا ہونا شروع ہوئی اور کافی اونچی ہوگئی۔ہمیں اس پر بھی بڑی حیرت ہوئی۔اچانک اونگھ آ گئی۔دیکھا کہ ایک بزرگ سامنے کھڑے فرما رہے ہیں کہ شاہ صاحب ان دونوں باتوں کی حقیقت سنو! جو کتا قبر پر پیشاب کر کے چلا گیا وہ خدا کی طرف سے اس صاحب قبر پر مقرر ہے۔جو روزانہ آ کر پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔کیونکہ وہ شخص اپنی زندگی میں کُتّوں سے محبّت کرتا تھا اور یہ اسے اپنی چاہت کی سزا مل رہی ہے۔دوسرا شعلۂ نُور جو تم نے دیکھا وہ صاحبِ مزار کی روحانی بلندی اور اپنے فیض کی تجلّی تھی جو اُن کی شایانِ شان تھی۔بعد ازیں میری آنکھ کھلی۔اِن اسرار کا علم ہونے سے اطمینانِ قلب حاصل ہوا۔تب واپس لوٹا۔ خداوند کریم ہمیں حقیقتِ حال سے آگاہ فرما کر بُرے افعال اور بری صحبت سے بچائے۔آمین۔

؎ ایں قدر تُخمے کہ ماندستت بکار　　　تا در آخر بینی آں را برگ و بار　　　(رومیؒ)

(اس دنیا میں جتنا ہو سکے بیج بودے تا کہ آخرت میں تُو اُس کا اچھا پھل کاٹ سکے۔)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ حلال روزی میں بے انتہا برکت ہوتی ہے۔مگر حلال روزی کمانا بھی اسی قدر مشکل ہے جس قدر اس میں برکت ہے۔لیکن جب خدا راضی ہو جائے تو کوئی مشکل بات بھی نہیں۔ پہلے زمانے میں حلال روزی کمانے کے بارے میں بہت زیادہ واقعات مشہور ہیں۔ایک آدمی کے بارے میں آتا ہے کہ اُسے حلال روزی کمانے کا شوق تھا۔اس سلسلے میں ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کا سفر کرتا اور پوچھتا کہ اس علاقے میں کوئی حلال دولت رکھنے والا بھی ہے کہ جس کی مزدوری کر کے حلال روزی کما سکوں۔لوگوں نے بتایا کہ فلاں علاقے میں ایک آدمی ہے کہ جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کی دولت بالکل حلال ہے۔تلاش کرتے کرتے آخر کار اس تک پہنچ گیا۔اپنا مُدعا بیان کیا۔انہوں نے کہا مَیں معذرت چاہتا ہوں کیونکہ اب مجھے اپنی دولت پر شک ہے کیونکہ ساتھ

والے زمیندار کی گندم کا بھوسا ہَوا کے ذریعے میری زمین میں گر گیا۔ چونکہ میں اسے علیحدہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے میری زمین کی پیداوار میں مجھے شک ہے کہ کہیں اس بات پر خدا ناراض نہ ہو گیا ہو۔ لہٰذا آپ فلاں علاقہ چلے جائیں۔ وہاں میرا ایک دوسرا بھائی ہے۔ اس کی دولت انشاءاللہ حلال ہو گی۔ آپ اس کی مزدوری کر لیں۔ وہ روانہ ہوا۔ طویل سفر کے بعد دوسرے بھائی کے پاس پہنچا اس سے بھی اپنا مُدعا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ بے شک میری دولت حلال ہے۔ اگر آپ میرے پاس سارا سال مزدوری کر لیں تو آپ کو بطور مزدوری چار درہم یا ایک انار دوں گا۔ اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا۔ سال گزر گیا۔ اس کی خواہش پر امیر آدمی نے اسے ایک انار دے دیا۔ مزدور بہت غریب تھا۔ جب شہر سے نکلا تو دیکھا کہ ہمارے علاقے کی طرف ایک قافلہ جا رہا ہے انار اُن میں سے ایک ایماندار آدمی کے سپرد کیا۔ تا کہ وہ اس کے گھر پہنچا دے اور خود مزدوری کیلئے دوبارہ اس شخص کے پاس پہنچ گیا۔ جب قافلہ دوسرے علاقے میں پہنچا وہاں کے بادشاہ کا ایک بیٹا بیمار ہو گیا۔ حکماء نے ایک خاص قسم کا انار اس کے علاج کیلئے تجویز کیا۔ بادشاہ نے اپنے ایک وزیر کو اس قافلہ کی طرف روانہ کیا کہ شاید ان کے پاس وہ خاص قسم کا انار ہو تو لے آئے۔ وزیر نے آ کر پوچھا۔ قافلے والوں نے کہا ایک انار ہے لیکن ہے کسی کی امانت اس لیے ہم نہیں دے سکتے۔ وزیر نے کہا میں یہ انار بادشاہ کو دکھاؤں گا۔ اگر یہی انار ہے تو جتنی قیمت کہو گے ہم دیں گے۔ اگر یہ انار نہ ہوا تو واپس کر دیں گے۔ وزیر نے جا کر بادشاہ اور حُکماء کو انار دکھایا انار وہی تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا اس انار کو توڑ کر اس کے دانے نکال لئے جائیں۔ اور ان کی بجائے اس میں جواہرات بھر دیئے جائیں۔ دوبارہ اسے اسی طرح جوڑ دیں تا کہ قافلہ والوں کو معلوم نہ ہو۔ وزیر نے انار (اسی طرح بنا کر) قافلے والوں کو واپس لوٹا دیا۔ قافلے والے جب مزدور کے گھر پہنچے انار اس کے گھر والوں کے سپرد کیا۔ گھر والوں نے جب اُسے توڑا تو انار کے دانوں کی بجائے اُس میں سے ہیرے اور جواہرات نکل آئے۔ بیچ کر کاروبار کیا اور چند دِنوں میں محلات بنا کر امیر کبیر بن گئے۔ ادھر مزدور کا جب دوسرا سال پورا ہو گیا تو امیر آدمی نے کہا کہ اس سال چار درہم لے لو یا ایک خربوزہ جو مرضی آئے۔ مزدور نے سوچ کر خربوزہ لے لیا اور اسے بھی کسی قافلہ والے کے ہاتھ گھر کو روانہ کیا۔ وہ بھی اسی طرح کسی طریقے سے خدا کے حکم سے ہیرے اور جواہرات سے بھرا گھر والوں کو جا ملا۔ تیسرے سال بھی اسی امیر کے پاس مزدوری کرنا شروع کی۔ جب سال پورا ہو گیا تو امیر آدمی نے کہا کہ اس مرتبہ بھی چار درہم لے لیں یا ایک بلی۔ مزدور نے پیسے ٹھکرا کر بلی لے لی اور ارادہ کیا کہ اس سال گھر جاؤں گا۔ بال بچوں کو دیکھ کر آؤں گا۔ بلی اٹھا کر روانہ ہوا۔ ایسے علاقے سے اُس کا گزر ہوا جہاں بلیوں کا بالکل فقدان تھا اور بلی کو ایک نہایت قیمتی جانور سمجھا جاتا تھا۔ اس علاقے کے ایک امیر زادے کو معلوم ہوا کہ ایک مسافر بلی اپنے ساتھ لئے جا رہا ہے۔ نوکروں کو روانہ کیا۔ جتنی رقم پر وہ راضی ہو جائے بلی لے آؤ۔ چنانچہ نوکروں نے بھاری قیمت دے کر بلی خرید لی۔ مزدور اس دفعہ بھی کثیر رقم لئے بہت خوش خوش اپنے علاقے میں وارد ہوا۔ اس کا سابقہ گھر تو بالکل بوسیدہ اور جھونپڑے کی شکل میں تھا۔ جب جا کر اپنے گھر کو

دیکھا کہ بہت بڑا محل بنا ہوا ہے۔ حیران رہ گیا۔ سوچا شاید میں بھول گیا یا گھر کو کسی امیر نے خرید کر اپنا محل بنا دیا۔ مگر لوگوں کے دریافت کرنے پر یقین ہو گیا کہ یہ وہی اپنا ہی گھر ہے۔ دستک دی اندر سے بیوی آئی۔ نہایت خوبصورت لباس میں ملبوس بال بچے خوش حال۔ حیران ہو کر پوچھا۔ یہ پیسہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے انار اور پھر خربوزے کا واقعہ بیان کیا کہ یہ سب پیسہ آپ ہی نے تو بھیجا ہے حیرانگی کس بات کی! مزدور نے خدا کا شکر ادا کرنے کے بعد بیوی بچوں کو بتایا کہ مَیں نے نہیں بھیجا یہ سب کچھ حلال کمائی کی برکت سے ہوا۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ ظاہراً حلال کمائی تھوڑی بھی ہوتی ہے اور حاصل کرنے کا طریقہ بھی قدرِ مشکل مگر درحقیقت اس میں اتنی برکت ہوتی ہے کہ انسان دونوں جہانوں میں مالا مال ہو جاتا ہے۔ اللّٰہ کریم سب کو نصیب فرما کر اپنی حلال نعمتوں کا مستحق بنا دے۔ مولانا رومیؒ یوں رہنمائی فرماتے ہیں:

؎ علم و حکمت زاید از لقمہ حلال　　　　عشق و رقّت زاید از لقمہ حلال

(عشقِ الٰہی، نرم دِلی، علم، دانائی! سب حلال لقمہ ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔)

آستانہ عالیہ بنوں شریف میں 1990ء عید کے موقعے پر ارشاد فرمایا کہ مرشد کے معنی رہنما اور رہبر کے ہیں۔ جس طرح کسی شہر کی طرف جانے کیلئے ہمیں راستہ بتانے والے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح شہرِ معرفت کی طرف جانے کیلئے بھی ایک راہبر کا ہونا لازمی ہے اور وہ شہرِ معرفت کا رہبر مرشدِ کامل ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اسی شہر کا کُو چہ نَو رد ہوتا ہے۔ اس موضوع کی مناسبت سے آپ مدظلہُ العالی نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ اللّٰہ تعالیٰ نے تو مومن کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے ہر طرف نشانیاں اور عبرتیں رکھی ہوئیں ہیں مگر یہ چیزیں صرف صاحبِ بصیرت ہی کو نظر آتی ہیں۔ فرمایا کہ علاقہ کوہاٹ میں ایک بہت بڑے بزرگ صوفی عبدالغفور نامی ہو گزرے ہیں۔ ایک دن وہ اپنے مریدوں کے حلقے میں جلوہ افروز تھے کہ مریدوں نے عرض کی کہ حضرت! آپ کے مرشد کون ہیں؟ کیونکہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا بہتر یہی ہے کہ آپ نہ پوچھیں۔ انہوں نے جب اصرار کیا تو فرمایا میرا مرشد ''کُتّا'' ہے۔ سب مریدان حیران رہ گئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس پر انہوں نے بتایا بھائی! آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ مگر مَیں نے صراطِ مستقیم ایک کُتّے سے حاصل کیا۔ وہ اس طرح کہ ہم بہت زیادہ ڈاکو اکٹھّے ڈاکے ڈالا کرتے تھے۔ ایک رات ہم ایک گھر کو لُوٹنے کیلئے جب اس کے قریب گئے تو کتّا جاگ رہا تھا اس نے ہمیں دیکھ لیا اور بھونکنا شروع کر دیا۔ گھر والے سوئے پڑے تھے۔ ہم نے جس قدر اُسے بھگانے اور مارنے کی کوشش کی مگر نا کام۔ آخر کار میرے دل میں ایک جذبہ موجزن ہوا کہ دیکھ! یہ کُتّا مالک سے شام کو معلوم نہیں کہ چند ایک لقمے حاصل کرتا ہے یا نہیں مگر ان لقموں کی اتنی قدر دانی کہ جان کی بازی لگانے تک تُلا ہوا ہے۔ جس قدر اس کو مارتے ہیں مگر آگے ہی بڑھتا آ رہا ہے۔ مالک کے نقصان کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ جان دینے کو تیار ہے اور میری یہ حالت ہے کہ خدا نے کبھی بھوکا نہیں سُلایا اور ہر قسم کی دنیاوی نعمتوں سے مالا مال

فرمایا۔مگراس کے باوجود اپنے مالکِ حقیقی کی حدود کو توڑ کر ایک کُتّے سے بھی بدتر ہو گیا ہوں۔ دل میں پشیمانی، آنکھوں میں آنسو، اُلٹے پاؤں پلٹا۔ دوسرے ڈاکو آوازیں دیتے رہے۔ بزدلی کے طعنے دینے لگے مگر مجھ پر ان کی باتوں کا اثر کہاں۔ آبادی سے دُور ایک دیہات کے قریب مسجد تھی۔ اس میں جا کر سجدے میں گر پڑا۔ اتنا رویا کہ مسجد کی صف (چٹائی) آنسوؤں سے تَر ہو گئی۔ اتنے میں میرا سینہ روشن ہو گیا۔صبح ہونے کے قریب تھی کہ ایک نامعلوم شخص ایک لوٹا پانی کا اٹھائے میرے پاس لایا اور وضو کرنے کا اشارہ کیا۔مَیں نے جب وضو کر لیا تو اس نے کہا کہ میں خضر علیہ السلام ہوں۔ مجھے خدا کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تجھے آ کر یہ خوشخبری دوں کہ تمہیں خداوند کریم نے اپنی بارگاہ میں قبول کر کے ایک اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے اور آپ کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔مَیں خدا کا شکر ادا کر کے وہاں سے روانہ ہو گیا اور اسی دن کے بعد میری یہ حالت ہے جو آپ سب کے سامنے ہے۔اس لئے میں اپنا مرشد اُس وفادار کُتّے کو سمجھتا ہوں کہ جس سے میں نے عبرت حاصل کر کے راہِ خدا اختیار کی۔

اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ خداوند کریم نے ہر سمجھدار آدمی کیلئے اعلان فرما دیا کہ ''فَاعۡتَبِرُوۡا یَا اُولِی الۡاَبۡصَارِ'' یعنی اے اہل بصیرت (آنکھ والو)! تمہارے اردگرد تمہارے سمجھانے کیلئے مَیں نے بے شمار نشانیاں بطور عبرت رکھی ہوئی ہیں۔ روئے زمین کی سیر کر کے میری قدرت سے عبرت حاصل کرو اور میری طرف لَوٹ آؤ۔ بُرّوں سے عبرت اور اَچھوں سے نصیحت حاصل کرو۔ مزید فرمایا کہ بے وقوف ساری زندگی اس زمین پر گزار کر خالی ہاتھ قبر میں چلا جاتا ہے۔مگر عقلمند ہر قدم پر عبرت حاصل کر کے اسی دنیا میں بہشت خرید لیتا ہے اور مقام ''لاخوف ولاحزن'' حاصل کر لیتا ہے۔ خدا سب دوستوں کو حق شناس آنکھیں عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بہت سے دوستوں کی موجودگی میں بعد از ذکر و فکر خدا کی طرف سے دی ہوئی عزت و شرف کے بارے ارشاد فرمایا کہ عزت دو قسم کی ہے۔ ایک عزت مجازی دوسری عزت حقیقی۔ عزتِ مجازی فانی ہے مگر عزتِ حقیقی دائمی اور باقی رہنے والی ہے۔ ان دونوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ لاہور میں دو شخصیتیں ہو گزری ہیں ایک جہانگیر بادشاہ اور دوسرے حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ۔ جہانگیر کی عزتِ مجازی تھی۔ بعد از وفات اس کا نام و نمود اور رعب و دبدبہ بھی ختم ہو گیا۔ آج بہت کم لوگوں کو مقبرۂ جہانگیر کا پتہ ہے۔ جو سنسان اور ویران پڑا رہتا ہے۔ اِکّا دُکّا کوئی دیکھنے کیلئے جاتا ہے تو وہ بھی سیر و تفریح کے ارادے سے۔ دوسری شخصیّت حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کا ہجوم ہر وقت زیارت کیلئے حاضر ہوتا ہے۔ چوبیس گھنٹے لنگر جاری رہتا ہے۔ مخلوقِ خدا کی حاجات اُن کے وسیلے سے پوری ہوتی ہیں۔ عرس کے موقعہ پر تو مخلوق کی عقیدت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جس طرح زندگی میں اُن کی شہرت تھی اس سے کہیں زیادہ اُن کی عزت و شہرت موجود ہے۔ تا قیامت رہے گی اور یہی عزت، عزتِ حقیقی ہے۔ عزتِ حقیقی خدا کی طرف سے اور عزتِ مجازی مخلوق کی طرف سے ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ خدا خود لافانی اور

باقی ہے۔اس کی دی ہوئی عزت بھی باقی رہنے والی ہے۔مخلوق خود فنا کے گھاٹ پر ہے۔اس کی دی ہوئی چیز بھی فنا ہونے والی ہے۔مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ زانکہ بُوشِ بادشاہاں از ہواست بارِ نامہ انبیاء با کبریاست

(بادشاہوں کا رعب و دبدبہ خواہشاتِ نفسانی سے ہے جو فانی ہے اور انبیاء کا رعب و دبدبہ خدا کی طرف سے ہے جو باقی ہے)

اس لئے دعا ہے کہ خداوند کریم سب دوستوں کو اپنی بارگاہ سے عزت حقیقی عطا فرما کر اپنی رحمت دائمی کا مستحق بنا دے۔آمین۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ارشاد فرمایا کہ خدا کی ذات حقیقت ہے اور باقی سب دنیا مجاز کے مقام پر ہے۔حقیقت مجاز کی محتاج نہیں۔ بلکہ مجاز حقیقت کا محتاج ہے۔ ہاتھ بڑھا کر ہاتھ کو حقیقت اور سایہ کو مجاز سے تشبیہ دی کہ اگر ہاتھ ساری زندگی سایہ کو پکڑنے کی کوشش کرے تو نہیں پکڑ سکتا۔اسی طرح انسان جب دنیا کے پیچھے دوڑے تو دنیا سے وہ ہرگز سیر نہیں ہوسکتا۔زندگی ختم ہو جائے گی۔مگر اس کی دوڑ ویسے ہی حرص وحسرت میں رہے گی۔سکون نہ پائے گا۔اگر وہ خدا کی ذات کی طرف دوڑے تو ساری دنیا خود بخود اس کے پیچھے ہوگی۔جس طرح سایہ خود بخود ہاتھ کے پیچھے ہے۔خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے:

؎ مرد آں نیست کہ در پئے زر رود مرد آن است کہ زردر پئے اورود

(مردِ خدا وہ نہیں جو پیسہ کے پیچھے دوڑے۔ بلکہ مردِ حق وہ ہے کہ دنیا خود بخود اس کے پیچھے دوڑے۔)

خدا دنیا کو اس کے تابع بناتا ہے جو خدا کی تابعداری میں آجائے۔خدا قوتِ فہم عطا فرمائے۔آمین۔

ایک موقعہ پر آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں ارشاد فرمایا کہ آج کل لوگ عزت بنانے کیلئے خدا کو چھوڑ کر دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں۔افسران یا دنیاداروں کی کئی طرح کی خوشامدیں کر کے ضمیر فروشی کرتے ہیں۔حالانکہ ان عاجز اور فاسق مخلوق کے پاس کیا ہے؟۔خود بے سکون ہوتے ہیں دوسروں کو بھی بے سکونی کا سامان ہی مہیا کر سکتے ہیں۔دینے والا تو خدا ہے مگر اس کی طرف کوئی توجہ کرتا ہی نہیں۔وہی عزت وذلت کا مالک ہے۔ ”وَ تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ بِیَدِکَ الۡخَیۡرُ۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا“۔ یعنی عزت اللہ کریم کی طرف سے ملتی ہے نہ کہ مخلوق کی طرف سے۔انسان کو چاہیے کہ اپنے خدا کو راضی کرے۔مخلوق خود بخود اس کی عزت کرنے لگے گی۔آپ مدظلہُ العالی نے یہ بات اپنے مرشد حضرت خواجہ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بتائی کہ انسان کی عزت اس کے اپنے سائے کی طرح ہے۔اگر ایک انسان اپنے سائے کو پکڑنے کی جتنی بھی کوشش کرے وہ ناکام رہتا ہے۔کیونکہ انسان جتنا آگے جائے گا سایہ اتنا اور آگے جائیگا۔اسی طرح اگر انسان سائے کی مخالف سمت جائے تو سایہ خود بخود اس کے پیچھے پیچھے آئے گا۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔اپنی زبانِ حق ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کی کہ خدایا! مخلوق دنیا کے پیچھے دوڑتی ہے۔اس کی دُھن میں خدا تک بھول جاتی

ہے۔ مہربانی فرما کر اس ''دنیا'' سے میری ملاقات کرا دے۔ خداوند کریم نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول کی۔ ایک دن آپ علیہ السلام کوہِ طور پر جارہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ بالمقابل ایک ایسی بدصورت عورت آرہی ہے کہ جس کا بدن دیکھنے کا نہیں۔ بدبو سے بھری۔ کالی، بدشکل، موٹے موٹے ہونٹ، لمبے لمبے پستان۔ آپ کی طبیعت پر اتنا بوجھ پڑا کہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اتنے میں عورت نے آواز دی کہ اے موسیٰ کلیم اللہ! خدا نے آپ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور مجھے آپ علیہ السلام سے ملاقات کرنے کیلئے بھیج دیا۔ یعنی میں ''دنیا'' ہوں میرے قریب آجائیں۔ آپ علیہ السلام اس کے قریب آئے۔ پوچھا کہ تجھ میں کیا صفت ہے کہ لوگ تیرے پیچھے اس قدر دیوانہ ہیں کہ قبر تک تیری دُھن میں مست رہتے ہیں۔ کہنے لگی یہ میرے بڑے بڑے لمبے لمبے پستان دیکھ رہے ہیں۔ جو بھی ایک مرتبہ قریب آتا ہے اِس کو میں اُس کے منہ میں دے دیتی ہوں اس میں اس قدر لذّت ہے کہ وہ مست ہو کر منہ ہٹانے کا نام نہیں لیتا۔ پھر مَیں اس کے اوپر ایک چادر ڈال دیتی ہوں۔ جو میرے سوا ہر چیز بھول جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے موت آلیتی ہے۔ یہ ہے میری حقیقت!

موسیٰ علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کر کے دنیا کے فریب و شر سے پناہ مانگ لی۔ واپسی پر اپنی امت کو حقیقتِ دنیا بتا کر اپنا فرض ادا کیا۔ اس کے بعد مرشد کریم مدظلہ العالی نے دوستوں کی سلامتی ایمان کی دعا کی اور محفل برخاست ہوگئی۔

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ نالدف (بارتھی) میں بعد از ذِکر صدقہ و خیرات کی فضلیت بیان کرتے ہوئے حاضرین کو یوں مستفیض فرمایا کہ جو شخص صرف خدا کے لئے کسی کی امداد کرے وہ خدا کے خزانہ غیب میں جمع ہو جاتا ہے۔ دنیا میں کسی مشکل وقت یا روزِ محشر جب نفس و نفسی کا عالم ہوگا کام آئے گا اس کے رزق اور دولت سے وہی باقی رہنے والی ہے جو اس نے خدا کے راستے میں دیا۔

تاریخِ اسلام میں ایک مشہور و معروف واقعہ آتا ہے کہ ایک ملک کے بادشاہ نے بڑی سختی کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ پیشہ ور بھیک مانگنے والوں کو کوئی شخص کوئی چیز نہ دے جو اِن لوگوں کو کوئی چیز دیتے ہوئے پکڑا گیا اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے اور بھکاری کو بھی سخت سزا دی جائے گی۔ پیشہ ور بھکاری تو بھاگ کر غائب ہوگئے۔ مگر حقیقی محتاجوں کا کوئی سہارا نہ تھا۔ ایک دن ایک خاتون اپنے گھر پر کھانا پکارہی تھی۔ دروازے پر ایک فقیر نے صدا دی کہ اے انسان! کئی دن سے بھوکا ہوں۔ خدا کے نام پر کچھ دیدے۔ خاتون کو ترس آگیا اور پکی ہوئی دو روٹیاں اسے اٹھا کر دیدیں۔ فقیر تو دعا دیکر چلا گیا۔ مگر بادشاہ کے جاسوسوں نے عورت کو روٹیاں دیتے دیکھ لیا۔ بادشاہ کے حکم کے مطابق خاتون کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ عورت شدید تکلیف سے دو چار اپنے کٹے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر روتی ہوئی کسی صحرا کی طرف نکل گئی۔ کہیں جا کر اسے شدّت کی پیاس لگی۔ پانی کے ایک تالاب پر پہنچی۔ ہاتھوں کی طرف دیکھ کر پانی نہ پی سکنے کی وجہ سے رونے بیٹھ گئی۔ اچانک دیکھا کہ دو نہایت خوبصورت نوجوان وہاں آنکلے، جن کی خوبصورتی سے چاند بھی شرمائے۔ پوچھا اے خدا کی بندی! تُو کس لئے روتی ہے؟ خاتون نے اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نوجوانوں نے کہا کہ اپنے کٹے ہوئے دونوں

ہاتھ دکھاؤ خاتون نے دونوں ہاتھ سامنے رکھ دیے۔ دونوں نے ایک ایک ہاتھ اٹھا کر بسم اللہ پڑھ کر کٹی ہوئی اصل جگہوں پر جوڑ دیے۔ خاتون تندرست ہوگئی۔ خاتون نے حیران ہو کر پوچھا اے اللہ کے بندے! آپ کون ہیں؟ کہ اس عالمِ پریشانی میں میرے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے۔ نوجوانوں نے جواب دیا کہ بی بی ہم آپ کی وہ دو روٹیاں ہیں جو تُو نے خدا کے نام پر دیدی تھیں۔ انہیں اللہ نے منظور فرمایا اور ہمیں آپ کی امداد کیلئے بھیج دیا۔ ہم کوئی اجنبی نہیں بلکہ آپ کے ہاتھ سے دی ہوئی دونوں روٹیاں ہیں۔

اس کے بعد مرشد کریم باباجی سرکار نے زبانِ حال سے ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم کا فرمان ہمہ وقت سچ ہے کہ جو اچھا عمل کرتا ہے وہ اپنے نفس کیلئے کرتا ہے اور جو برا عمل کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی نفس کیلئے کرتا ہے۔ ہر ایک فعل خدا کے حساب میں محفوظ ہے۔ آخر کار جلد یا بدیر نیک شخص اپنی اچھائی کا صلہ اور برا اپنی برائی کا صلہ لازمی پالیتا ہے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو اچھائی کے قریب اور برائی سے دور فرما دے۔ آمین

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو حلقۂ مریدان میں تشریف فرما تھے۔ صدقہ وخیرات کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ صدقہ وخیرات سے کئی قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ انسان سے جس قدر ہوسکے صدقہ وخیرات سے دریغ نہ کرے۔ مشہور بات ہے کہ دورِ نبوی ﷺ میں ایک عورت کا بچہ شدید بیمار ہوگیا۔ وہ آکر بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور دعا کیلئے عرض کی۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ گھر جا کر ایک بکری بطور صدقہ ذبح کر دو خدا مہربانی فرمائے گا۔

عورت نے بکری ذبح کی مگر بچے کو کوئی خاص افاقہ نہ ہوا۔ دوبارہ آکر حاضرِ خدمت ہوئی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ عورت نے گھر جا کر خیرات کی۔ مگر پھر بھی بچے کو کوئی افاقہ نہ ہوا۔ القصّہ تین بار ایسے کیا۔ مگر بچے کی وہی حالت۔ چوتھی بار بھی آپ ﷺ نے صدقہ کا حکم دیا۔ مگر عورت نے اس بار ایسا نہ کیا۔ آخر کار بچہ فوت ہوگیا۔ عورت روتی ہوئی بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا چوتھی بار صدقہ کیا؟ عورت نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے عورت کو قریب بلا کر اپنا ایک بازو پھیلایا اور حکم فرمایا کہ اس کے نیچے دیکھو۔ عورت کی باطنی آنکھیں کھُل گئیں۔ دیکھا کہ ایک بلا آئی۔ جو پہلا صدقہ کیا تھا منہ میں لے کر واپس ہوگئی۔ دوسری مرتبہ وہ بلا آئی اور دوسرا صدقہ منہ میں لے کر واپس ہوگئی۔ تیسری مرتبہ بلا تیسرا صدقہ لے کر چلی گئی۔ جب چوتھی بار بلا آئی چونکہ صدقہ موجود نہ تھا تو بچے کو منہ میں لے کر جا رہی ہے۔ اتنے میں عورت نے چیخنا شروع کر دیا اور آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک ہٹا لیا۔ عورت کو فرمایا اگر چوتھی بار صدقہ کرتی تو تیرا بچہ نہ مرتا۔ اس کے بعد مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ صدقہ عام حالات میں بھی کرتے رہنا چاہیے خاص حالات میں تو صدقہ کرنے میں کوتاہی کرنا نقصان دہ بات ہے۔ جب خدا ہی کی دی ہوئی چیز اس کے راستے پر خرچ کرنے سے سر پر آئی بَلا ٹل جاتی ہے تو یہ انسان کیلئے غنیمت اور نہایت سستا سودا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

؎ جوے باز دارد بلائے دُرشت عَصائے ندیدی کہ عَوجے بکُشت

(ایک جَو کا دانہ بھی خدا کے راستے میں دینے سے بہت بڑی مصیبت ٹل جاتی ہے۔ کیا (ایک چھوٹی سی)عصائے موسیٰ علیہ السلام نے عوج بن عُنق جیسی بڑی بلا کو نہیں مارا تھا۔؟) خدا مسلمانوں کو صدقہ و خیرات کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس سے منع کرنے والوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ کافی مرید خدمتِ اقدس میں فیض یاب ہو رہے تھے کہ حاضرینِ مجلس کے حسبِ حال ارشاد فرمایا۔ خداوند کریم کو ہر اس شخص سے زیادہ محبّت ہوتی ہے جو کسی کی مشکل وقت میں امداد کرے۔ محض خدا کی مخلوق سمجھ کر اس کی تکلیف رفع کرے۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک رات صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہوئی کہ بغداد میں بہرام نامی ایک مجوسی ہے۔ اُسے میرا سلام پہنچا دینا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام اور مجوسی کو! صبح سوچ کر توقّف کیا۔ رات کو دوبارہ حکم ملا مگر پھر بھی تیاری کرتے کرتے روانہ ہونے کا اتفاق نہ ہوا۔ تیسری رات پھر حکم ملا کہ فوراً اٹھو اور بہرام کو میرا سلام پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ اٹھے اور بغداد کو چل دیئے۔ طویل مسافت طے کرنے کے بعد بغداد شہر کے ایک بڑے دروازے پر رُکے کہ کسی سے بہرام کے بارے پوچھوں۔ ایک دکاندار سے بہرام کا نام ونشان پوچھا۔ اتفاقاً بہرام کا اسی دن اسی راستے کسی دعوت کا پروگرام تھا۔ دکاندار نے اشارہ کیا کہ سامنے جو جلوس آرہا ہے۔ وہ سب بہرام مجوسی کے چیلے ہیں جو اسے پالکی میں اُٹھائے ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دُکاندار سے پوچھا کہ کیا یہ اتنا امیر آدمی ہے کہ اس کے ہم رکاب اتنی بڑی مخلوق ہے۔ دُکاندار نے بتایا کہ نہیں یہ ایک غریب مگر مذہب مجوس کا ایک گُرّو ہے اور اس کے ساتھ اس کے عقیدت مند چیلے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حیران ہو کر آگے بڑھے۔ جا کر پالکی کے قریب بہرام سے ہمکلام ہوئے کہ آپ سے ایک خاص کام ہے۔ بہرام نے چیلوں کو پالکی نیچے رکھنے کا حکم دیا۔ مصافحہ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اس کے حالاتِ زندگی معلوم کرنے کے بعد یہ پوچھا کی تیرا کوئی اچھا کام ہے جو زندگی میں کیا ہو۔ بہرام نے جواب دیا ضرور سنو! ایک یہ کہ جو دنیاوی مشکل لے کر میرے پاس امداد مانگے تو دوگنا سود پر قرضہ دیتا ہوں یعنی اگر چار سو روپے دیئے تو آٹھ سو روپے واپس لیتا ہوں مگر حاجت مند کو خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے توبہ استغفار پڑھا مگر بہرام نے بتایا کہ جناب مَیں مسلمان نہیں ہوں اور ہمارے مجوس مذہب میں یہ جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ میرے چھ لڑکے اور سات لڑکیاں تھی۔ ہر بیٹے کے ساتھ ایک لڑکی کی شادی کردی۔ ساتویں جو زائد تھی اُس کے ساتھ مَیں نے خود شادی کر لی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سُن کر کانپ اُٹھے اور توبہ استغفار پڑھا مگر بہرام نے پھر وہی جواب دیا کہ حضور! آپ تردّد میں نہ پڑیں۔ مَیں مجوسی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ مسلمان مذہب۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اور کوئی اچھا کام؟ بہرام نے کہا تیسرا ایک تازہ واقعہ ہوا ہے۔ وہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ایک دن اپنے گھر میں اپنی لڑکی کے ساتھ عیش وعشرت میں تھا کہ ایک عورت آئی جو باحیا (پاکدامن) تھی۔ جونہی مجھ پر اس حالت میں اُس کی نگاہ پڑی۔ اپنا چہرہ

چھپایا اور واپس چلی گئی۔ دوسرے دن اُسی مقررہ وقت پر جبکہ مَیں سابقہ حالت میں تھا میرے گھر آئی۔ دیکھ کر پھر منہ ڈھانپ کر اُلٹے پاؤں واپس چلی گئی۔ تیسرے دن جب آئی تو حسبِ معمول دیکھ کر لَوٹی۔ مَیں نے پریشان ہو کر اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے کہ آج تیسرا دن ہے دیکھ کر واپس چلی جاتی ہے۔ بیوی نے بتایا کہ یہ ایک نہایت تنگدست سیّدزادی مسلمان عورت ہے، جو یہاں آکر روزانہ اپنے بال بچوں کیلئے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کیلئے لے جایا کرتی ہے۔ آج تیسرا دن ہے کہ تجھے اس خراب حالت میں دیکھتی ہے۔ اس سے برداشت نہیں ہوتا کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ کوئی چیز مانگے بغیر خالی ہاتھ واپس چلی جاتی ہے۔ مَیں نے کہا کہ مجھے اس کا گھر دِکھاؤ۔ جب مَیں اس کے دروازے پر پہنچا سُنا کہ بچے ماں سے پوچھ رہے ہیں امی جان! ہم بھوک سے اب بالکل دم توڑ رہے ہیں۔ کوئی چیز لائی ہیں؟ مسلمان عورت نے جواب دیا بچو! صبر کا تحفہ لائی ہوں۔ وہ خدا کا دشمن تھا۔ کیسے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتی صبر کر کے سو جاؤ۔ صبح خدا تعالیٰ کوئی وسیلہ بنا دے گا۔ یہ بات سنتے ہی مجھے رونا آیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ جتنے دینار جیب میں تھے نکال دیئے اور یہ کہا کہ صبح ضرور ہمارے گھر آنا تا کہ مزید آپ کی امداد کر سکوں۔ مسلمان سیّدہ عورت نے وہ دینار لے کر دعا دی کہ خدایا! اس امداد کے بدلے تو بہرام مجوسی کو اپنی بارگاہ سے ہدایت دے دے تا کہ ایسی حرام حرکات سے باز آئے۔ بہرام مجوسی نے جونہی یہ بات سنائی حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ چونک پڑے اور اپنے خواب کے متعلق بتایا۔ بہرام کو مبارک باد دی کہ مَیں پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کو سلام پہنچانے آیا ہوں۔ وہ آپ کو سلام پیش فرما رہے ہیں۔ مجوسی نے جونہی یہ بات سنی۔ اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ پسینے سے شرابور دیوانہ وار شور مچانا شروع کر دیا۔ چیلوں نے فوراً صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا کہ تُو نے ہمارے گُرّو کے ساتھ کیا کیا کہ اس کی حالت غیر ہوگئی ہے۔ چند لمحے بعد مجوسی ہوش میں آگیا۔ اپنے چیلوں سے کہا خبردار! اس آدمی کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ استعمال مت کریں۔ اِس نے مجھے کفر وظلمت سے نکال کر میرا سینہ روشن کر دیا۔ مَیں تو اِسی کا مذہب قبول کرتا ہوں اور کہا ''لَااِلٰـہَ اِلَّااللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ'' بہرام مجوسی کے کلمہ پڑھنے کی دیر تھی کہ اس کے سب چیلوں نے اپنے گُرّو کی پیروی کرتے ہوئے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر سب نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کے دستِ حق پر بیعت کی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مرشد کریم مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اگر بہرام مجوسی مسلمان عورت کی امداد نہ کرتا تو شاید نورِ ایمان سے محروم ہی رہ جاتا۔ اس کے اسی للّٰہ فی اللّٰہ خدمت (صدقے) کو خدا نے قبول کیا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذاتِ خود اپنے صحابی رضی اللہ عنہ کو اُس کی ہدایت کیلئے بھیج دیا۔ اس لئے صدقہ وخیرات خدا کی رحمت نازل ہونے کا ایک عظیم تر وسیلہ ہے۔ دیگر یہ کہ ''خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس'' فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ تم میں بہترین وہی ہے جو دوسرے کی بھلائی کرے۔ اپنا پیٹ تو جانور بھی بھر لیتا ہے۔ مگر انسان جو جانور سے ممتاز اور بہتر ہے وہ جذبۂ ایثار کی بنا پر ہے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو انسانی ہمدردی اور جذبہ ایثار سے نوازے۔ آمین

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں جلوہ افروز تھے۔ نمازِ عشاء اور ذکر وفکر کے بعد حاضرین دوستوں کے سامنے یوں گہرافشانی فرمائی کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں سفر کو جارہے تھے۔ راستے میں ایک امتی کے گھر ٹھہرے۔ رات کو ذکرِ الٰہی کیلئے ایک قریبی مسجد میں چلے گئے۔ دیکھا ایک اور شخص وہاں مصروفِ عبادت ہے۔ خدا کا شکرادا کیا اور خود بھی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام عبادت کرتے کرتے تھک گئے مگر وہ شخص بدستور عبادت میں لگا رہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سوچنے لگے کہ یہ شخص جو اتنی عبادت کررہا ہے۔ خدا کی بارگاہ میں نہ جانے ان کا کیا مقام ہوگا۔ دن ہوا تو اسی سوچ میں گم تھے۔ آخر کار اپنی مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد جب کوہِ طُور پر خدا سے ہم کلام ہوئے تو عرض کی باری تعالیٰ! وہ شخص جو مجھ سے زیادہ عبادت گزار تھا ان کا کیا مقام ہے؟ اور تُو نے اس کیلئے کونسا درجہ مخصوص فرمایا ہے۔ اللہ کریم کی طرف سے جواب آیا اے موسیٰ کلیم! اس کیلئے مَیں نے دوزخ میں ایک مقام ''زرمرین'' مقرر کیا ہے کیونکہ وہ بخیل ہے اور بخیل مجھے ناپسند ہے۔ اس واقعہ کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جان کے لئے تو ہر کوئی ہے مگر جہان کیلئے کوئی کوئی۔ عبادت کا تعلّق اپنی جان سے ہے۔ مگر سخاوت کا تعلّق جہان سے ہے۔ حدیث پاک ہے ''تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کی خیر خواہی کرے'' دوسری حدیث ہے '' اَلْبَخِیْلُ عَدُوُّاللّٰہِ وَلَوْ کَانَ عَابِداً'' (بخیل اللہ کا دشمن ہے اگرچہ عابد وزاہد کیوں نہ ہو) اور ''اَلسَّخِیُّ حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَوْ کَانَ فَاسِقًا'' (سخی اللہ کا دوست ہے اگرچہ گنہگار کیوں نہ ہو) مزید فرمایا کہ بخیل وہ ہے جو اللہ کی سب نعمتوں کا مالک ہونے کے باوجود اُنہیں روکے رکھے اور مخلوق خدا کو ان کے فائدے سے محروم رکھے۔ اس لئے قولِ نبی ﷺ ہے ''بخیل اللہ سے، بہشت سے، لوگوں سے دُور اور دوزخ کے قریب ہے'' خداوند کریم سب کو بخل سے محفوظ فرمادے اور مقامِ سخا جو انبیاء واولیا کا ورثہ ہے نصیب فرمائے۔ شیخ سعدیؒ نے سچ فرمایا:

؎ بخیل ار بود زاہدِ بحر و بَر   بہشتی نباشد بحُکم خبر

(بخیل زمین کے چپّے چپّے میں عبادت کیوں نہ کرے از روئے حدیث بہشت میں داخل نہیں ہوسکتا)

ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں تشریف فرما تھے۔ مال ودولت کے فوائد ونقصانات کے بارے میں فرمایا کہ مال ودولت بھی خدا کی مخلوق ہے۔ جس طرح کہ اولاد کے باپ پر حقوق ہوتے ہیں اس طرح مال کے بھی اپنے مالک پر حقوق ہوتے ہیں۔ جس طرح والدین کیلئے اولاد کو ہر قسم کی برائیوں سے بچانا لازم ہے۔ اگر وہ اس کی صحیح تربیت نہ کرے تو قیامت کے دن اولاد کا ہاتھ والدین کے گریبان میں ہوگا۔ اس طرح مال ودولت کے بھی اپنے مالک پر حقوق ہوتے ہیں۔ اُسے چاہیئے کہ وہ مال ودولت کو جائز اور مناسب مقامات پر احکاماتِ الٰہی کے مطابق خرچ کرے۔ اگر وہ اس طرح نہیں کرے گا تو قرآن وحدیث کے مطابق قیامت کے دن مال دوزخ کی آگ کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ دولت کہے گی کہ میرا کوئی قصور نہیں قصور۔ میرے صارف (خرچ کرنے والے آقا) کا ہے۔ مَیں تو خود دنیا میں بے دست

ویا تھی۔اس لئے انسان دولت سے بہشت بھی خرید سکتا ہے اور دوزخ بھی۔ یہ خدا کی رحمتِ خاص نہیں تو اور کیا ہے کہ دولت بھی خدا کی اور اسی پر خرچ کرنے سے انعام بھی مل جائے۔جس طرح کہ باغ کا نوکر بادشاہ ہی کے باغ سے اچھے اچھے پھل توڑ کر اسے تحفہ بھی پیش کرتا ہے اور انعام بھی حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بادشاہ کی عنایتِ خاص نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا دولت سے کارِ سخا لینا چاہئے۔مرشد کی طرف سے بھی فیض اُسی شخص کو نصیب ہوتا ہے جو کھلے ہاتھ کا مالک ہو۔کوئی جتنا بھی اپنے وجود کیلئے عبادت گزار کیوں نہ ہو مگر سخی میدانِ معرفت میں جیت جاتا ہے۔سخا سب انبیاء کرام و اولیاء کرام کی صفت رہی ہے۔اللہ کا کوئی پیارا انسان بخیل نہیں تھا۔اس کے برعکس بخل ہر دور میں خدا کو ناپسند رہا ہے۔

اِس ضمن میں بطورِ عبرت سیرت نبوی ﷺ سے ایک واقعہ پیش فرمایا کہ ایک دن رسولِ خُدا ﷺ محفلِ یاران میں محوِ گفتگو تھے کہ اچانک ایک بچی آئی جو نہایت سمجھدار محسوس ہوتی تھی۔حضور ﷺ! سے ایک خواب بیان کرنے کی اجازت چاہی۔آپ ﷺ نے اپنے پاس بٹھا کر سنانے کی اجازت دی۔ بچی نے بتایا یا رسول اللہ ﷺ میرے والد نہایت سخی اور میری والدہ نہایت کنجوس تھی۔دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔رات کو خواب میں میری اپنی والدہ سے ملاقات ہوئی۔وہ دوزخ کے شعلوں میں بند تھی۔آگ کے شعلے جب اس پر حملہ کرتے تو ایک پرانے کپڑے کا چیتھڑا سامنے آ کر مزاحمت کرتا جو آگ جسم تک نہیں پہنچنے دیتا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئی اور امداد کو پکارا۔یا رسول اللہ ﷺ! اسی حالت میں مجھے بہشت لے جایا گیا۔دیکھا کہ ایک بہت بڑا جمگھٹ ہے۔میرے والد اِن میں موجود ہیں۔آبِ کوثر کا ایک پیالہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھوں میرے والد کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔آگے مخلوق قطار میں کھڑی ہے اور وہ ترتیب سے آبِ کوثر پلاتے جا رہے ہیں۔مَیں نے انہیں سلام کیا۔انہوں نے مجھے پہچان لیا۔مَیں نے امی کی تکلیف انہیں بتائی مگر انہیں ذرا بھی احساس نہ ہوا اور کہا کہ وہ اسی حالت میں ٹھیک ہے۔کیونکہ مَیں دنیا میں کسی حقدار اور محتاج کو کچھ دیتا تو وہ دیکھ کر جلتی اور منع کرتی۔دنیا میں اُسے حسد و کنجوسی کی آگ کے شعلے جلاتے تھے اور اب دوزخ کے شعلے اُسے جلا رہے ہیں۔لہٰذا وہ اپنے کئے کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔مَیں نے باپ سے عرض کی کہ آبِ کوثر کا صرف ایک پیالہ مجھے دیجئے تاکہ مَیں ماں کو پلا آؤں۔مگر انہوں نے انکار کر دیا۔میرے بار بار اصرار پر صرف ایک قطرہ دے دیا۔مَیں لے کر روانہ ہو گئی۔دوزخ کے کنارے پر پہنچتے ہی وہ قطرہ اُن کی طرف پھینکا۔جونہی قطرہ پہنچا اُن سے آگ فوراً ہٹ گئی۔داروغہ دوزخ دیکھتے ہی برہم ہو گیا اور ایک تھپڑ میرے مُنہ پہ رسید کیا۔میری آنکھ کُھل گئی۔تھپڑ کی وجہ سے میرا سارا مُنہ جھلسا ہوا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر مبارک سے اُسے دَم فرمایا۔بچی کا چہرہ ٹھیک ہو گیا۔تب آپ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ پرانا کپڑا کیسا تھا جو کہ آگ کے حملے کو روکتا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا انہوں نے اپنی ساری زندگی خدا کی راہ میں صرف وہ پرانا چیتھڑا دیا تھا جو آخرت میں اس کے کام آیا۔مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ بخیل اس دنیا میں حسد و بخل کی آگ میں جلتا ہے اور اگلی دنیا میں حقیقی آگ میں جلتا ہے۔خدا رحم فرمائے۔علاوہ ازیں خداوند کریم نے اپنے محبوب ﷺ

کو بتایا کہ '' اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہ ''، یعنی مخلوق خدا کا عیال (کُنبہ) ہے جو خدا کے عیال کا خیر خواہ نہ ہو خدا کیسے اُس کا خیر خواہ بن سکتا ہے۔ خداوند کریم سب دوستوں کو بخل سے محفوظ فرما کر وسیع القلب اور وسیع النظر بنا دے۔ آمین

ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں جلوہ افروز تھے۔ بندۂ عاجز کو قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ موجودہ سیاست اور سعودی عرب کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں کہ سعودی عرب نے عراق کے خلاف جنگ کے لئے افواجِ امریکہ کو بلا کر اُن سے مدد لینے کا معاہدہ طے کیا ہے اور ہر قسم کے اخراجات برداشت کرنے کا بھی اعلان کر دیا۔ آپ مدظلہٗ العالی نے حسبِ موضوع ارشاد فرمایا کہ پیغمبر علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اسلام کو ترقی اور ترویج جس طرح ملک عرب سے ملی تھی اسی طرح آخری دور میں دینِ اسلام کی تباہی کا سامان بھی سب سے پہلے ملک عرب سے پیدا ہوگا۔ یعنی دورِ پُر فتن میں سب سے پہلے اسلام کو عرب سے نقصان پہنچنا شروع ہوگا۔ یہاں تک کہ ساری دنیا پر اس کے اثرات پھیل جائیں گے۔ اب ہمارے سامنے پہلے تو بدعقیدگی اور بے ادبی و گستاخی کا سلسلہ عبدالوہاب نجدی کے ذریعے پھیلا اور اب امریکی، مسلمانوں کی طاقت کو ختم کرنے کیلئے عرب میں پہنچ چکے ہیں۔ دجّال لعین جزائر عرب سے نکل کر دنیا کے سامنے ظاہر ہوگا۔ گدھے پر سوار ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ گدھے کی لمبائی ایک سو گز اور چوڑائی بھی ایک سو گز ہوگی۔ دجّال اتنا قد آور ہوگا کہ پھر بھی گدھے پر سے اس کے پاؤں زمین کو چھوتے ہوں گے۔ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اس کے ساتھ اس کی تصدیق کرنے والے ستّر ہزار علماء مثل آفتاب درخشندہ (یعنی نامی گرامی اور مشہور و معروف) ہوں گے۔ وہ مخلوق کو دلائل دیکر قسمیں کھا کر دجّال لعین کی خدائی منوائیں گے۔ اس کے ساتھ دوزخ اور بہشت دونوں ہوں گے۔ جو اس کو خدا مانے گا اُسے اپنی بہشت میں اور جو اُس کا انکار کرے گا اُسے اپنی دوزخ میں ڈال دے گا۔ گمراہ، عیش پرست، دنیا کے حریص، بدکردار اور شرابی کبابی قسم کے سب لوگ دھڑا دھڑ اُس کی بہشت میں کود پڑیں گے۔ ساری دنیا اس کے ساتھ ہوگی سوائے ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے جو حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی فوج ہوگی۔ دجّال لعین کے مدِّ مقابل ہوں گے۔

دجّال لعین جادو کا ماہر ہوگا۔ ایک آدمی کے نام کے علاوہ اس کے دادے پَر دادے تک بلکہ دیگر بھی کئی باتیں بتا کر اسے اپنی خُدائی کا قائل کرے گا۔ یہاں تک کہ باپ، بیٹوں کو قسمیں کھا کھا کر بلائیں گے کہ یہی خدا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ دجّال کی غذا مچھلی ہوگی۔ بھوک لگنے پر سمندر میں کُود کر زندہ مچھلیاں پکڑ کر کھائے گا۔ سمندر صرف اس کی پنڈلیوں تک آئے گا۔ صحابی رسول حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی سفری مہم کے دوران دجّال کو ایک عرب کے جزیرے میں بند دیکھ کر واپسی پر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُس کا حال سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشینگوئی فرما کر اس کی حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ آخری پُر فتن دور میں نکلے گا۔ اس کا مقابلہ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہوگا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے۔ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ سمرقند و بخارا کے علاقے سے نمودار ہوں گے۔ دجّال لعین کے ساتھ اس قدر وسائل ہوں گے کہ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی فوج سمیت پسپا ہوتے ہوتے خانہ کعبہ میں جا کر پناہ لیں گے۔ تب وہ خدا کی بارگاہ

میں فریاد کریں گے۔ خدایا! اب اگر امداد نہ فرمائی ہم نیست ونابود ہوجائیں گے۔ دینِ محمدی ﷺ کا کوئی نام لیوا نہیں رہے گا۔

تب اللہ کی رحمت اور غیرت جوش میں آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دینِ محمدی ﷺ کا علم بردار بنا کر چوتھے آسمان سے خانہ کعبہ پر (بعض روایات کے مطابق دمشق کی جامع مسجد پر) اتاریں گے۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عصا مبارک کے ساتھ جو کہ حضرت آدم (علیہ السلام) باغ بہشت سے اپنے ساتھ بطور نشانی اس دنیا میں لائے تھے۔ (عصائے موسیٰؑ جو کہ مشہور ہے یہی عصائے آدم علیہ السلام تھی) دجّال لعین کو مار کر فنافی النّار کریں گے۔ جب دجّال لعین کا خاتمہ ہوگا تو اس کے سارے ماننے والے دَمِ عیسوی سے قتل کئے جائیں گے۔ اُن میں عیش پرستی کی وجہ سے لڑنے کی طاقت نہ ہوگی۔ اِکّا دُکّا ایمان لے آئیں گے۔ اس وقت یہ میزائل بارود اور دیگر ہتھیار حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت اور کرامت کی وجہ سے بالکل بے اثر اور غیر مضر ہوکر رہ جائیں گے۔ جس سے دجّال کی تمام تر افواج کو شکست وذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ گاجر مولی کی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں کٹ کٹ کر فنافی النّار ہوتے جائیں گے۔ جنہیں خوف سے لڑنے اور بھاگنے کی سکّت نہ ہوگی۔ ساری دنیا پر مکمّل (40) چالیس سال خالص دینِ محمدی (ﷺ) اسلامی حکومت ہوگی۔ اس کے بعد پھر مسلمانوں کا زوال شروع ہوجائے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی۔

اب قیامت چونکہ قریب ہے۔ اکثر علامات قیامت ظاہر ہوچکی ہیں اور مخلوق روز بروز گمراہی کی طرف مائل ہوتی جارہی ہے۔ مَیں اپنے مریدان اور دوست احباب کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جس مولوی پر یا جس جماعت پر فرقے کا نام ہو اس سے فوراً کنارہ کش ہوجائیں۔ کیونکہ یہی فرقے پیغمبر ﷺ کی پیشینگوئی کے مطابق گمراہ فرقے ہیں۔ باقی امتوں کے بہتّر بہتّر فرقے رہے۔ (اور یہ سب علماء کے حسد کے ذریعے پیدا ہوئے تھے کیونکہ حسد ہی کے اعداد بہتّر ہیں۔) مگر اُمتِ محمدیؐ سے بہتّر فرقوں کے علاوہ باقی نجات پانے والے ہوں گے جو اولیاء کرام اور ان کے پیروکار ہیں کیونکہ یہ کسی فرقے میں شامل نہیں ہیں۔ معلوم نہیں کہ ان فرقے باز لوگوں کو لفظ ''اِسلام'' کیوں ناپسند ہے، جبکہ خدا نے خود لفظ اسلام ہی پسند کیا ہے اور محمد ﷺ نے صرف اسلام کی تبلیغ کی۔ آج کوئی اہلِ قرآن، کوئی جمعیّت اور کوئی اہلحدیث کا نعرہ لگاتا ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ آپ صرف اسلام کا نعرہ کیوں نہیں لگاتے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ''جس نے اس دنیا میں کوئی اپنا علیحدہ ٹولا (فرقہ) بنایا قیامت کے دن بھی وہ اپنے علیحدہ ٹولے کے ساتھ دوزخ کی طرف جائے گا۔''

عقل رکھنے والوں کیلئے صرف یہ بات کافی ہے کہ یہ فرقے پہلے کیوں نہیں تھے۔ اب تو یہ آثارِ قیامت سے ہیں اور فتنوں کی پیداوار ہیں۔ اس لئے ہماری یہی نصیحت ہے کہ قیامت قریب ہے۔ فرقے بازی سے بچو۔ علماء سے دُور رہو آج کل کے علماء وہی علماء ہیں جن سے جنگل کے بھیڑیوں نے بھی خدا کی پناہ مانگی اور اولیاء کرام کے نزدیک ہوجاؤ (کیونکہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اولیاء کرام ہی میں سے ہوں گے) اسی میں فلاح پاؤ گے۔ حقیقت بیان کرنا ہمارا کام ہے۔ آگے عمل کرنا آپ کی مرضی۔ خدا توفیق دے آمین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط

(اہلِ فکر جلیسِ نفس اور اہلِ ذکر جلیسِ حق ہوتا ہے)

شہ پارہ فقر

روزِ ازل خزانۂ غیب سے جب ''فقر'' کی رخصتی ہوئی تو اس کی رہبری کیلئے ''عشق'' کو بھی ساتھ ساتھ رخصت کیا گیا۔ فقر کو چونکہ عشق کی مکمّل رہبری حاصل تھی۔ عشق نے جا کر فقر کا رب سے تعارف کرایا کہ یہ تیرا اور سب کا ربّ ہے فقر نے پیکرِ عجز وادب بن کر تسلیم ورضا کے ساتھ خدا کو سجدہ کیا۔ پھر عشق نے فقر کو ربّ کے حبیب ﷺ کا تعارف کرایا۔ دیکھتے ہی دعا کی کہ اے میرے ربّ! مجھے اپنے حبیب ﷺ کی محبّت عطا ہو۔ پھر عشق نے فقر کو ربّ کے کُنبے (مخلوق) کا تعارف کرایا۔ فقر نے عرض کی اے رب! مجھے اپنے کُنبے کی خدمت کی توفیق بخش۔ چنانچہ خدا نے عشق کی رہبری میں فقر کی دونوں التجائیں قبول کرلیں۔ اس لئے یہ اللّٰہ کی واحد مخلوق تھی جو روزِ الست سے اللّٰہ ہی کی طرف متوجہ رہی۔ جسے دنیا اپنی تمام تر دلفریبیوں کے ساتھ کسی بھی اپنے منظر کی طرف راغب نہ کرسکی۔ یہاں تک کہ خلق نے مخلوق کو دیکھا۔ فقر نے (ہر دور میں) اپنے خالق کی طرف دیکھا۔ خلق نے خالق کی کاریگری دیکھی مگر فقر نے کاریگر کو دیکھا۔ صرف خلق نے مصنوعات کو دیکھا مگر فقر نے صانعِ حقیقی کا مشاہدہ کیا۔ مخلوق جب خدا کی خدائی میں مُخل ہونے لگی تو فقر، جس کے پاس عشق ومستی کی تلوار، صبر کی ڈھال اور تدبیر کی فوج تھی، مخلوق کے سامنے سینہ سپر ہو کر نبرد آزما ہوا۔ جس سے وقت کو حق وباطل کی مہمیز لگی۔ نور وظلمت کے عجیب وغریب نظارے نمودار ہوئے۔ جس کی زد میں نہ صرف زمین رہی بلکہ افلاک کو بھی اپنے لپیٹ میں لے لیا۔ فقر کی اسی پیکار سے زمانے کا وجود باقی ہے۔ جب فقر، میدانِ جنگ خالی کرے گا تب ہر ایک چیز اپنے اصل کی طرف واپس ہو کر کیفر کردار کو جا پہنچے گی۔ سچ ہے کہ عزم واستقامت حیاتِ انبیاء کے دو گوہر ہیں جن میں تدبیر کائنات مخفی ہے جو صرف صاحبِ فقر کو حاصل ہیں کہ جس کے پاؤں میں حوادثِ زمانہ ذرہ بھر لغزش پیدا نہ کر سکے۔ صرف فقر ہی سب انبیاء کی سنت مؤکدہ ہے جس سے ہر دور میں کفر وظلمت لرزہ براندام رہی اور رہے گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم ط

صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

چار رکعت نفل صلوٰۃ التسبیح کی نیّت کرنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر "سُبۡحَانَکَ اللّٰهُمَّ" تا "وَلَااِلٰهَ غَيۡرُکَ" پڑھے۔ پھر یہ تسبیح پندرہ بار پڑھے۔

"سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ" اس کے بعد تعوّذ، تسمیہ، سورۂ فاتحہ اور قرأت (آگے سورتوں کی نشاندھی کی گئی ہے) پڑھ کر دس بار تسبیح پڑھے۔ تب رکوع کرے۔ رکوع میں بھی دس بار تسبیح پڑھے۔ پھر رکوع سے سر اُٹھائے۔ بعد تسبیح وتحمید قومہ میں دس بار تسبیح پڑھے۔ پھر سجدہ کو جائے۔ اس میں بھی دس بار تسبیح پڑھے۔ جلسہ میں بھی دس بار تسبیح پڑھے۔ پھر دوسرے سجدہ میں بھی دس بار نیز ہر رکوع وسجود میں "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِيۡم" و "سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی" کہنے کے بعد بھی تسبیح مذکورہ پڑھے۔ اس طریقے سے چار رکعت پوری کرے۔ دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی تعوّذ سے پہلے پندرہ بار تسبیح پڑھے۔

اِس طرح ہر رکعت میں تسبیحات کی تعداد پچھتّر ہوئی۔ چاروں رکعتوں میں تین سو مکمّل کرنی ہیں۔ چاروں رکعتوں میں بالترتیب بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ درج ذیل سورتیں پڑھنی چاہئیں۔

1۔سورۃ التّکاثر 2۔سورۃُ العصر 3۔سورۃُ الکافرون 4۔سورۃُ الِاخلاص۔(اس نماز کے سبب سے نمازی کے تمام گناہ پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، دانستہ اور نادانستہ، چھوٹے اور بڑے، پوشیدہ اور ظاہر سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ اس نماز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سکھلایا تھا اور بیان فرما کر فضائلِ مذکورہ کے اخیر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہارے گناہ کفِ سمندر کے برابر کیوں نہ ہوں تو بھی اللہ کریم معاف فرمائے گا۔ (غایۃ الاوطار)

نوٹ۔ سجدہ سہو کی صورت میں تسبیحات مکرّر نہ پڑھے اور تسبیحات کی کمی سجدے میں پوری کرے۔

(مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی دَرودِ خضری مع بسم اللہ وکلمۂ طیّبہ "بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی حَبِيۡبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ اَصۡحَابِهٖ وَسَلِّمۡ" اور صلوٰۃ التسبیح بہت زیادہ پڑھتے ہیں اور دوستوں کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے ہیں۔ خدا عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ چہارم

کشف و کرامات

پیرِ کامل سلطانُ الفقرأ

حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری

المعروف

﴿بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی﴾

؎ زمانہ اپنے حوادث چھپا نہیں سکتا
ترا حجاب ہے قلب و نظر کی ناپاکی!
(اقبالؒ)

ابتدائیہ

اولیاءِ کرام اپنی نگاہِ لاہوت نشانہ سے ایسے تقدیریں نہیں بدلتے بلکہ ان کی نگاہ عرشِ بریں پر لوحِ محفوظ میں جا کر تصرف کرتی ہے۔تب زمینِ خاکی پر ایک انسان کی تقدیر سنورتی ہے۔ان کی وہ نگاہ ہے جو اوپر عرش لامکاں اور نیچے تحت الثریٰ تک جاتی ہے۔اس نگاہ کو ہم نگاہِ کشف کہتے ہیں۔اولیاء کرام کے نزدیک یہ کشف بھی مقصود بِالذّات نہیں بلکہ مقصود الیہ ہے۔مرشد کریم مدظلہُ العالی کے فرمان کے مطابق یہ کشفِ کمالی بھی اولیاء کرام کے علوم کا ایک ''جُزو'' ہے ''کُل'' نہیں۔ آپ مدظلہُ العالی کی ''کشف کَونی'' اور نگاہِ تیز کا تو یہ عالم ہے کہ ایک دن محفل میں کسی مرید نے عرض کی کہ حضور! فلاں ولی اللہ اپنے ہر مرید کے حالاتِ غیبی جانتے اور باقاعدہ بتاتے تھے کہ وہ کیا کر کے آ رہا ہے۔یہ بات سنتے ہی آپ مدظلہُ العالی کے چہرۂ انور پر جلال کے آثار نمودار ہوئے اور فرمایا کہ مَیں اپنے مصلّے پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ اپنے ہر مرید کو بنوں ''گھر بیٹھے'' اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح اس شیشے کے گلاس میں (آپ کے دست مبارک میں اُس وقت پینے کیلئے پانی تھا) پانی دیکھ رہا ہوں لیکن اب ایسا خام عقیدہ دور ہے۔اگر میں بتانے پر آؤں تو تم میں سے کوئی ایک بھی شرم کے مارے میری محفل میں آنے کو تیار نہ ہو۔1990ء میں دورۂ کوئٹہ کے موقع پر حسن خان ٹھانیدار کے گھر دعوت پر ارشاد فرمایا کہ ''مَیں کوئی عام آدمی نہیں بلکہ کائنات کا ہر ذرّہ میرے سامنے موجود ہے۔ساری کائنات کو ایسے دیکھ رہا ہوں جس طرح کہ آپ کو اپنے سامنے بیٹھا ہوا بلا حجاب دیکھ رہا ہوں۔باقاعدہ تصرّف کرتا ہوں۔یہاں تک کہ جن جن علاقوں میں میرے خلفاء کام کر رہے ہیں بروقت اُن کی مدد بھی کرتا ہوں۔جو صحیح کام نہ کرے اُسے بدل بھی سکتا ہوں۔مجھ پر نیند یا غفلت طاری نہیں ہوا کرتی۔مجھے اگر نیند آئے تو منٹوں میں میرے سب مرید گمراہ ہو جائیں۔اس لئے مَیں ہر وقت خدا کی قدرت سے بیدار اور مصروفِ کار رہوں۔میری طرف سے سب خلفاء کو یہ نصیحت ہے کہ وہ ہر وقت شریعت وطریقت کا خیال رکھیں وگرنہ ہمارے نانا کریم ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جو اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے علاقوں میں ذرا سُستی کرتے تو اُن کی جگہ اور کارکُن اصحاب رضی اللہ عنہم روانہ فرماتے! ہم فقیروں کا بھی وہی طریقہ کار ہے۔''

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کی عام حالات میں بھی جس پر نگاہ پڑتی ہے۔وہ تمام تر برے افعال سے کٹ کر فوراً اللہ اللہ کرنے پہ آجاتا ہے۔خصوصاً محفلِ ذکر میں جس پر بھی آپ مدظلہُ العالی کی نگاہ پڑ جائے پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔کوئی شخص آپ مدظلہُ العالی کی تیز نگاہ برداشت نہیں کر سکتا۔آپ مدظلہُ العالی خود فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں جو بھی ہماری بیعت ہوتا۔نگاہ پڑتے ہی مجذوبُ الحال بن جاتا اور جنگل کی طرف نکل جاتا۔یہاں تک کہ یکے بعد دیگرے پورے تیس مرید ایسے ہو گئے۔یہ بات دراصل ہمارے قابو سے باہر تھی۔اس کے بعد ہم نے خدا کی بارگاہ سے قوّتِ ضبط کی دعا مانگی۔تب اپنی توجہ قابو میں آ گئی۔اب ہم دوسرے پر اس کی استعداد کے مطابق توجہ ڈالتے ہیں۔اگر ذرا

زیادہ توجہ دیں تو سب دیوانہ بن جائیں۔ آپ مدظلہُ العالی کی نورِبصیرت بے انتہا تیز ہے۔ مختلف لوگوں کو بیک وقت بیعت فرماتے ہوئے بھی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ یہ شخص کتنا وظیفہ پڑھ سکتا ہے؟ اور اسے کونسا روحانی و اخلاقی مرض ہے کہ جس کے لئے کونسا وظیفہ مناسب اور کارگر ہے۔ تب اُسے عنایت فرماتے ہیں۔ عموماً آپ مدظلہُ العالی بہت کم وظیفہ بتاتے ہیں۔ جو پانچ یا دس منٹ میں پڑھا جاتا ہے۔ زیادہ تر کلمہ نفی و اثبات (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ) کی تلقین فرماتے ہیں۔ اس دور کے پیش نظر اکثر مریدان کو فرائض و سنت پر پابند رہنے اور اکتفا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ علاوہ ازیں حسبِ استطاعت صرف رابطۂ شیخ کو لازمی گردانتے ہیں۔ کیونکہ صحبتِ شیخ میں کافی کچھ مل سکتا ہے۔ یہ بھی آپ مدظلہُ العالی کی نورِبصیرت کا کمال ہے کہ کئی لوگ بہت دُور سے سفر اختیار کر کے بیعت ہونے کو آتے ہیں۔ مگر آپ مدظلہُ العالی اُنہیں بیعت کرنے سے صاف صاف انکار کر دیتے ہیں اور کئی اجنبی لوگ محفل میں آکر جونہی بیٹھتے ہیں آپ مدظلہُ العالی اُنہیں بیعت ہونے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اس کی وضاحت ایک دن آپ مدظلہُ العالی نے یوں فرمائی کہ ہم ہر شخص کی پیشانی پر اس کا فیض دیکھتے ہیں۔ لہٰذا جس کی پیشانی پر ہمارا فیض لکھا ہوا ہوا ُسے بیعت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس پر لکھا ہوا نہ ہوا ُسے بیعت نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم اصلاح و فیض کے بھوکے ہیں۔ مریدوں کی تعداد کے حریص نہیں۔

شکر الحمدللہ۔ ہمارے پاس ''نگاہ'' ہے۔ ہم اپنی سب پیری مریدی نگاہ کے ذریعے چلاتے ہیں۔ اس میں شک وشبہ اور مغالطہ کی کوئی گنجائش ہوتی ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقر ہر دور میں کہیں بھی دھوکہ نہ کھا سکا اور نہ کھا سکتا ہے۔ بندۂ ناقص (راقم الحروف) کے سامنے ایسے کئی مشاہدے گزرے ہیں کہ آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا فلاں کو مجھ سے فیض ملے گا اُسے مِل کے ہی رہا اور کسی کے بارے فرمایا کہ اسے مجھ سے فیض نہیں مل سکتا وہ فطورِ عقیدہ کی بنا پر محروم ہی رہا۔ یہ اس دور میں آپ مدظلہُ العالی کا انفرادی مقام ہے۔ ولی اللہ کا کوئی لمحہ کرامت سے خالی نہیں۔ جس پر خدا راضی ہو وہ سراپا کرامت ہی ہوتا ہے۔ نمونہ از خروارے یہاں آپ کی صرف چند کرامات بیان کی جارہی ہیں تاکہ عوام النّاس اور مریدین کو آپ کی عُلوِّ شان کا پتہ چل جائے۔ اگرچہ ولی اللہ کی ولایت کیلئے (ناسمجھ کے واسطے) صرف ایک ہی کرامت کافی ہے۔

(۱) ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں آپ مدظلہُ العالی نے خود اپنی زبانِ حق ترجمان سے محفل میں کسی بات پر حضرت خضر علیہ السلام کے بارے گفتگو فرمائی کہ حضرت خضر علیہ السلام اولیاء کرام کی ابتدائی رہنمائی کیلئے خدا کی بارگاہ سے مقرر ایک مہربان استاد کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ کئی مشکل اوقات اور نفس کے حملوں کے وقت وہ حاضر ہو کر صراطِ مستقیم کی تربیت دیتے ہیں۔ شکر الحمدللہ ہماری بھی ابتدائی دور میں حضرت خضر علیہ السلام سے اکثر ملاقات ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ کی بات آپ کو سناتا ہوں۔ ہماری بستی سے آگے ''کُرّم گڑھی'' میں ہمارے دادا خواجہ شاہ حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا دربار مبارک ہے۔ جنگل اور خطرناک علاقہ بھی ہے۔ مگر اس کے باوجود مخلوقِ خدا کا وہاں رش رہتا ہے۔ ہمارے ابتدائی دور کی بات ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ شاہ حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا۔ آپ ہمارے دربار پہ آکر لنگر کا بندوبست کریں۔ چنانچہ مَیں نے اپنے فرزند محمد نواز شاہ

صاحب کو اپنے ساتھ لیا تا کہ دربار پہ جا کر لنگر کا بندوبست کر سکیں۔ محمد نواز شاہ صاحب نے تو پورے چھ سال تک وہاں لنگر کا انتظام کیا مگر مجھے تین سال بعد اجازت مل گئی۔ اس دوران ایک دن مَیں دربار کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک انتہائی قد آور خوبصورت آدمی کہ جس کے چہرے پر انوارِ الٰہی عیاں تھے۔ ایسا انسان مَیں نے ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔ میرے پاس معلوم نہیں کہاں سے اچانک آنمودار ہوئے۔ سلام پڑھا مصافحہ کیا اور بڑے دلکش لہجے میں فرمایا ''شاہ صاحب! مدّت سے ہم آپ کی ملاقات کے خواہشمند تھے۔ شکر الحمدللہ کہ آج پوری ہوگئی۔'' طبع پرسی کے بعد انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور دربار کے پیچھے شمالی جانب دریائے کُرّم کی طرف لے گئے۔ جبکہ بارش کی وجہ سے تیز رَو پہاڑی پانی میں طغیانی برپا تھی۔ ہم دونوں چلتے چلتے اس کے کنارے پر جا پہنچے تو مَیں رُک گیا۔ مگر وہ آگے پانی میں قدم بڑھانے لگے۔ توقف کر کے پوچھا شاہ صاحب! رُکتے کیوں ہیں چلو آگے جانا ہے۔ مَیں نے کہا آگے اس قدر طوفانی پانی ہے مَیں کیسے جا سکتا ہوں؟ انہوں نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور خود آگے قدم بڑھایا۔ دریا کی کافی چوڑائی تھی۔ ایک قدم درمیان میں رکھ دیا مَیں دیکھ رہا تھا کہ وہ جگہ اوپر آ گئی اور خشک تھی۔ دوسرا قدم دوسرے کنارے پہ رکھا۔ میری طرف مڑ کر دیکھا سلام کیا اور غائب ہو گئے۔

مَیں اس شش و پنج میں واپس دربار پر آیا کہ خدایا! یہ کامل ہستی کون تھی؟ جو مجھے توکّل کا سبق پڑھا گئے۔ سُنا ہے ''توکّل کا بیڑا پار ہے'' مگر انہوں نے عملی صورت میں کر دکھایا۔ میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا کہ وہ بھی آخر تیری طرح کا انسان تھا کہ جس میں یہ کمال موجود تھا۔ کیا تُو اگر ہمت کرے تو ایسا نہیں کر سکتا؟ اس بات سے میرے اندر ایک انقلابی جذبہ موجزن ہوا۔ مگر بہت دیر تک یہ سوچتا رہا کہ یہ تھے کون؟ آخر کار ہاتفِ غیبی کے ذریعے الہام ہوا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جو آپ کو توکّل کا عملی درس دے گئے۔ مَیں نے شکر ادا کیا کہ خدا نے مجھ گنہگار کو اپنے پیارے کے ذریعے یاد فرمایا۔ اس بات کا بڑے شاہ صاحب (محمد نواز شاہ صاحب) کو بھی علم ہے۔ اس کے بعد آپ مدظلہُ العالی نے گفتگو ختم فرما کر ذکر بالجہر شروع کیا۔ خداوند کریم آپ مدظلہُ العالی کے فقرِ کامل سے ہمیں بھی بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

(۲) حضرت خضر علیہ السلام سے اکثر اولیاء کرام مستفید ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ اور آپ مدظلہُ العالی کے صاحبزادے (محمد نواز شاہ صاحب) جو اُس وقت پانچ سال کے بچے تھے۔ ''غیبی سوار بابا'' کی زیارت کیلئے گئے۔ یہ دربار کوہاٹ سے مشرق میں 15 میل دور صحرا میں واقع ہے۔ نہایت خشک علاقہ ہے۔ اس وقت وہاں آبادی کا نام ونشان تک نہیں تھا۔ آپ مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ دنیا کا ہر درندہ اور موذی جانور وہاں موجود تھا۔ ایک مرتبہ تو شاہ صاحب ڈر گئے۔ لیکن ہم نے اسے تسلّی دی کہ یہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اس پر مقرر خلیفہ کی چارپائی سانپوں سے بُنی ہوئی تھی۔ دربار کی زیارت کے بعد ہم پیدل واپس آ رہے تھے۔ سڑک تک پہنچنے سے پہلے آخری بس بھی نکل گئی۔ ہم پیدل شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ محمد نواز شاہ صاحب کو بہت بھوک لگ گئی۔ بے چین ہو کر کھانا مانگا۔ مَیں نے کہا کہ اس درخت کے نیچے ذرا آرام کریں۔ مَیں نماز پڑھ لوں۔ کھانا بھی آ جائے گا۔ سخت گرمیوں کا موسم تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سفید ریش آدمی

آیا کھانا رکھ کر مجھ سے باتیں کرنے لگا اور کچھ دیر بعد غائب ہوگیا۔ کھانا بالکل تازہ تھا۔ ہم دونوں نے مل کر کھایا۔ شاہ صاحب نے معصومیت سے سوال کیا بابا جی! یہ آدمی کون تھا؟ مَیں نے کہا بچہ جب تم بڑے ہوجاؤ گے پھر بتاؤں گا۔ چنانچہ آپ مدظلہُ العالی کے صاحبزادے نے ہمیں بتایا کہ وہ بات اب مجھے سمجھ آ گئی۔ (بابا جی نے سمجھا دیا) وہ شخص حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ جنہیں خدا کی طرف سے کھانا دے کر بھیجا گیا تھا۔

(۳) 1987ء میں ہندوستان نے پاکستان پر اپنے حملے کے لیے بھاری تعداد میں فوج سرحد پر جمع کر دی۔ آپ مدظلہُ العالی اس دوران کوٹ ادو میں تھے۔ آپ مدظلہُ العالی نے حسبِ معمول بعد نماز عشاء آرام فرمایا۔ علی الصبح بہت سے دوست نماز باجماعت پڑھنے کیلئے حاضر ہوئے۔ بعد از نماز فجر آپ مدظلہُ العالی نے دوستوں کو پریشان دیکھ کر فرمایا کہ تسلّی رکھیں انشاء اللہ ہندوستان پاکستان پر حملہ نہ کر سکے گا۔ خدا غرور سے بچائے۔ رات مَیں سویا ہوا تھا۔ کسی نے پاؤں دبا کر مجھے اٹھایا۔ دیکھا تو حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ہاتھ آگے بڑھا کر فرمایا کہ شاہ صاحب! میرے ساتھ چلیں۔ مَیں نے اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور فوراً چارپائی سے اٹھتے ہی دیکھا کہ ہم بھارت اور پاکستان کی سرحد پر پہنچ چکے ہیں اور تاحدِّ نظر بھارتی فوج جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ مَیں نے کہا کہ اگر اتنی بڑی فوج پاکستان پر حملہ کر دے تو بہت قتل وغارت ہوگی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ شاہ صاحب! اِسی لیے بِاذنِ اللہ آپ کو یہاں لایا گیا ہے۔ آپ زمین سے مَٹی اُٹھا کر اس فوج کی طرف پھینک دیں۔ انشاء اللہ یہ منتشر ہوجائے گی۔ ہم نے بسم اللہ پڑھ کر ایسے ہی کیا تو اُن میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ اس شور سے جونہی چونکا تو اپنے آپ کو دوبارہ اپنے کمرے میں پایا۔ بعد میں فرمایا کہ جب تک ایک مومن اس ملک میں ہے اس مُلک کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ (چنانچہ اسی دن بعد میں ریڈیو پر خبر نشر ہوئی کہ بھارت نے غیر مشروط طور پر اپنی فوج سرحد سے واپس بلا لی ہے۔)

(۴) اللہ یار نیازی جو کہ علاقہ موچھ ضلع میانوالی کے رہنے والے صاحبِ حال انسان ہوا کرتے تھے۔ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ ملتان جانے کا اتفاق ہوا۔ مختلف مقامات پر کئی مجذوب ملے۔ دُور دُور سے سلام کرتے اور مبارکباد دیتے کہ مبارک ہو آپ ایسی ہستی کے غلام ہیں جو دَورِ حاضر میں ''سُلطانُ الفقراء'' کے مقام پر فائز ہیں۔ اس وقت کے تمام اولیاء کرام ان کے ماتحت نظامِ کائنات چلا رہے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد اسی بات کو مرشد کریم مدظلہُ العالی نے علاقہ بارتھی کے دورے پر ایک بڑے ہجوم کے سامنے جلال میں آ کر ظاہر فرمایا کہ شکر الحمد للہ اس دور میں خدا کی بارگاہ سے کوئی حکم نامہ جاری نہیں ہوتا جب تک اس ملنگ کے دستخط نہ لئے جائیں۔ اس وقت کے تمام تر احکامات بندہ کے مشورے سے نافذ العمل ہیں۔ چنانچہ عراق میں جنگ بندی کے سلسلے میں اگلی رات ہماری پرواز ہوئی۔ جب ہم عراق کے میدانِ جنگ میں پہنچ گئے تو خدا کی طرف سے توقف کا حکم ملا۔ اس لئے ہم بغیر کسی فیصلہ کئے میدان جنگ سے واپس آئے۔

(۵) یہی اللہ یار خاں نیازی بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں جب حضرت صاحب مدظلہُ العالی پنجاب آئے تو اُچ

شریف کی زیارت کا پروگرام بنا۔اور بھی بہت سے دوست ساتھ تھے۔رات کو بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی کا ایک مرید کے ہاں قیام کا پروگرام بنا۔صبح تہجّد کے وقت مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے اپنے کمرے میں ذکر جہر شروع کیا۔میزبان مرید کا جب کمرے کے سامنے سے گزر ہوا تو دیکھا کہ بابا جی سرکار ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔ہر ایک عضو سے ذکر نفی و اثبات کی آواز آرہی ہے۔وہ چونکہ نا سمجھ تھا۔فوراً دوڑتا، حواس باختہ میرے پاس آیا کہ معلوم نہیں بابا جی مدظلہٗ العالی کو کیا ہوا۔آپ مدظلہٗ العالی تو ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں۔مَیں اس کے ساتھ چل پڑا۔ہم دونوں جب آپ مدظلہٗ العالی کے پاس گئے تو آپ مدظلہٗ العالی اپنی مسند پر بیٹھے تسبیح پڑھ رہے تھے۔اس مرید سے نہ رہ سکا۔عرض کی حضور! آپ مدظلہٗ العالی کو ابھی کیا ہوا تھا؟ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا بچہ! ہم درویشوں کی اکثر ایسی حالت ہوا کرتی ہے۔ہمارے ہر ریشے سے جب تک ذکر خدا (ذکر بالجوارح) نہ ہو تو ہمیں سکون آتا ہی نہیں۔یہ ذکرِ الٰہی کا ایک انداز تھا جو آپ نے دیکھ لیا اور اِس ذکر میں اس قدر لطف ہے کہ اس دنیا کی کوئی بھی لذّت اس کا مثل نہیں بن سکتی۔اور اس چیز کا بغیر فقیر کے اور کسی کو پتہ نہیں ہے۔یہ مقامِ دیدار، مغز عبادت اور ثمرِ ریاضت ہے جو ہر ولی اللّٰہ کو نصیب ہوتا ہے۔مرشد کریم نے ہمیں بھی اللّٰہ اللّٰہ کرنے کی تلقین فرما کر دعا کی۔تب ہم نے آپ مدظلہٗ العالی کی اقتدارء میں نمازِ صبح ادا کی۔

(۶) ایک مرتبہ اپنے مجاہدہ و ریاضت کے دور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ پہلے پہلے ہمارے گھر کے سامنے والی مسجد کے صحن میں میری ایک خلوت گاہ تھی۔جسے مَیں نے کھود کر ایک تنگ تہہ خانے کی طرح بنایا تھا۔جہاں ہر جمعرات کو لوگوں کا مجمع ہوتا۔حلقۂ ذکر میں اس قدر بلند آواز سے ذکر کیا جاتا تھا کہ ساری بستی گونج اٹھتی۔مَیں وہاں اکیلے رات دن یادِ الٰہی اور مرشد کے بتائے ہوئے وظائف میں مشغول رہتا تھا۔چنانچہ اس خلوت خانہ سے ہر وقت ذکر کی صاف صاف آواز سنائی دیتی تھی۔مگر یہ آواز صرف مَیں سُن سکتا تھا اور کسی کو سنائی نہ دیتی۔جب تک مَیں اس خلوت خانہ میں رہا۔یہ زمین بھی میرے ساتھ ساتھ خدا کا ذِکر کرتی رہتی اور ہم ایک دوسرے سے باتیں کرتے۔

؎ نہ بُلبُل بر گلش تسبیح خوانیست — ولئے ہر ذرہ بہ تسبیحش زبانیست

(صرف بلبل پھولوں پر اس کی تسبیح نہیں کرتی بلکہ ہر ذرّہ اس کی تسبیح کیلئے زبان رکھتا ہے)

جب سے مساجد میں تفرقہ بازی کا دور شروع ہوا۔ہم نے مسجد کو خیر باد کہہ کر اپنے گھر میں خلوت خانہ بنالیا اب جب کہ مسجد کے خلوت خانہ کو منہدم کر کے صحن کے برابر کر دیا گیا۔فرمایا کہ اولیاءاللّٰہ کے نقشِ قدم پر چلنے کے طفیل خدا نے اپنی رحمت سے ہمیں بھی وہی عزت و کرامات نصیب کی ہیں جو ہمارے پیشرو اہل اللّٰہ کو خدا کی بارگاہ سے نصیب ہوتی رہیں۔

(۷) ایک مرتبہ آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں بیٹھے ارشاد فرمایا کہ اب ہمارے گھر ڈھیری کلہ سیدان بخاری کے آس پاس کافی آبادی ہوگئی ہے۔مگر چند سال قبل اس کے گرد و نواح میں جنگل تھا۔مَیں گھر سے دُور تنہائی میں ذکر و عبادت کیا کرتا تھا۔چنانچہ ایک دن گھر آتے ہوئے راستے میں مَیں نے اسمِ ذات کا وِرد شروع کیا۔کچھ دیر بعد مَیں نے یہ محسوس

کیا کہ جنگل کے سب شجر وحجر میرے ساتھ ساتھ اسمِ ذات کا وِرد کررہے ہیں۔ یہ سُن کر مجھ پر حالت طاری ہوگئی۔ جتنے زور سے مَیں ذکر کرتا اتنا ہی وہ ذکر کرتیں۔ جب مَیں آبادی میں داخل ہوگیا۔ کچے مکانات سے تو اُسی طرح ذکر کی آواز آرہی تھی مگر پکّے مکانات میں نہیں تھی۔ کیونکہ جس مٹی پر آگ جلائی جائے وہ مَٹی (پکّی اینٹ) مُردہ ہوجاتی ہے ذکر نہیں کرسکتی۔ اسی وجہ سے ہمارے گھر کے مکانات ابھی تک کچے ہیں جو ہمیں بہت پسند ہیں مکین اگر ذکرِ خدا سے محروم ہو مکان تو ذکر کرتا ہے۔ مَیں نے آکر گھر والوں سے پوچھا کیا دیواروں اور درختوں سے آپ ذکر کی آواز سُن رہے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ مَیں خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ خداوند کریم جو فرماتے ہیں کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب میری تسبیح وتحمید میں ہے تو اس کا صرف اسی کو پتہ ہے۔ جو صاحبِ حال اور صاحبِ کشف ہو۔

(۸) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری جو آپ مدظلہُ العالی کے خلفاء میں سے ہیں بتاتے ہیں کہ جب مرشد کریم مدظلہُ العالی پہلی رات بندہ کے غریب خانہ تشریف لائے۔ بستی کی اچھی بھلی آبادی تھی۔ کوئی زیارت کیلئے حاضر نہیں ہوا۔ مَیں نے محسوس تو کیا لیکن یقین تھا کہ آپ مدظلہُ العالی اپنے فیض سے بستی والوں کو محروم نہ فرمائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سرکار مدظلہُ العالی نے جب علی الصبح نمازِ تہجّد کے بعد ذکر شروع کیا۔ تو درودیوار سے ذکرِ الٰہی سنائی دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ بندہ نے خود سنا کہ زمین سے اللہ ھُو کی میٹھی میٹھی آواز آرہی ہے۔ چنانچہ فجر کی نماز کے بعد بستی سے اتنے لوگ زیارت کیلئے حاضر ہوئے کہ ہم سنبھال نہ سکتے تھے۔ اُس دن سے لے کر آج تک شکر الحمدللہ! سب بستی والے مرشد کے عقیدت مند ہیں۔ ہر سال بڑے دھوم دھام سے سالانہ عرس مبارک منعقد ہوتا ہے۔ یہ سب مرشد کریم مدظلہُ العالی کی کرامت ہے کہ چند منٹوں میں سب مُردہ دِلوں کو غفلت سے بیدار کیا۔

(۹) بندۂ ناقص راقم الحروف کو جب آپ مدظلہُ العالی کی غلامی نصیب ہوئی تو اس وقت بواٹہ نزد فورٹ منرو تمن لغاری ضلع ڈیرہ غازیخان میری ملازمت تھی۔ چندہ ماہ بعد آپ مدظلہُ العالی نے علاقہ فورٹ منرو کا دورہ منظور فرمایا۔ پہلے دن بواٹہ قیام فرمایا۔ دوسرے دن آپ مدظلہُ العالی کو فورٹ منرو میں مشہور آبشار ''ترِمُّو'' لے گئے۔ آپ مدظلہُ العالی وہاں چٹیل پہاڑ پر بیٹھ گئے۔ دوسرے دوست وادی دیکھنے چلے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ مدظلہُ العالی کے وجود مبارک سے نُور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ آپ مدظلہُ العالی کا چہرۂ انور اس قدر چمک رہا تھا کہ دُور دُور سے سیر کرنے والے لوگ کھچے کھچے آرہے تھے اور دُعا کی باریابی حاصل کررہے تھے۔ اس دوران آپ مدظلہُ العالی نے مراقبہ فرما کر بندہ سے پوچھا کہ سامنے اس غربی پہاڑ پر کوئی شہید کا مزار بھی ہے۔ بندہ نے عرض کی جی ہاں! جسے ''مُلاَّ شہید گور'' کہتے ہیں۔ آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا سچ ہے۔ ان پر خدا کی طرف سے بے انتہا انوار وتجلّیات نازل ہورہی ہیں۔ آج وہ بطور مہمانی نصف انوار مجھ پر بھیج رہے ہیں۔ لہٰذا واپسی پر ان کی قبر دِکھانا تا کہ فاتحہ پڑھ لیں۔ چنانچہ واپسی پر فاتحہ پڑھنے کے بعد آپ مدظلہُ العالی سیدھا بواٹہ تشریف لائے۔

(۱۰) بندۂ ناقص ایک مرتبہ فورٹ منرو سے آپ مدظلہُ العالی کی زیارت کیلئے کوٹ ادو حاضر ہوا۔ آپ مدظلہُ العالی

اس وقت کوٹ ادو کی نواحی بستی ''دُھپ سڑی'' میں تھے۔ بندہ وہاں جا کر حاضرِ خدمت ہوا۔ اتنے میں باہر سے ایک بوڑھا اور ایک بوڑھی اجازت لے کر آپ مدظلہُ العالی کے دست بوس ہوئے۔ بوڑھی نے کہا پیر صاحب! ہم کافی دنوں سے آپ مدظلہُ العالی کی زیارت کے منتظر تھے۔ یہ میرے خاوند ہیں۔ اچھا بھلا عرصہ ہوگیا کہ اس کا جسم خاص کر ٹانگیں سوکھنا شروع ہوئیں جس قدر علاج کیا کارگر نہ ہوا۔ اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ پیشاب کرنے کیلئے بھی نہیں جا سکتا۔ اِن کیلئے دعا فرمادیں کوئی علاج بھی بتائیں۔ بابا جی نے ذرا توقف کر کے بوڑھی کو فرمایا کہ یہ کہیں سے بھی شفایاب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس پر کسی ولی اللہ کا قرضہ یعنی مَنّت ہے۔ یہ وہاں سے پکڑا ہوا ہے۔ آپ خود اس کے بارے ضرور جانتے ہوں گے۔ جب تک ان کا قرضہ ادا نہ کرو گے، مَیں اس وقت تک کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مَیں کسی دوسرے ولی اللہ کے کام میں دخل نہیں دیا کرتا۔ اُسی وقت بوڑھی بول پڑی۔ مَیں نہیں کہا کرتی تھی کہ سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیدل زیارت والی مَنّت پوری کرلیں۔ مگر تُو روز ٹال مٹول کرتا تھا۔ پیر صاحب نے وہی بات کی کہ نہیں۔ بابا جی مدظلہُ العالی نے فرمایا۔ بس ٹھیک ہے۔ جاؤ سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مَنّت پوری کرو پھر میرے پاس آجاؤ۔

بوڑھی نے زبردستی تیل پیش کیا کہ حضور یہ تو لازمی پڑھ دیں۔ آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا اس شرط پر کہ سُلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے بعد استعمال کرو گے۔ بوڑھی نے وعدہ کیا۔ حضرت صاحب نے تیل دم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک تعویذ بھی دیدیا۔ فرمایا معلوم نہیں سلطان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے بعد آپ کی کب ہم سے ملاقات ہو۔ مَنّت کے بعد تیل ٹانگوں پر مَلنا اور تعویذ گلے میں ڈالنا۔ بوڑھا اور بوڑھی جب دونوں باہر چلے گئے تو حضرت صاحب مدظلہُ العالی نے بندہ سے فرمایا کہ یہ مَنّت دراصل ولی اللہ سے وعدہ نہیں بلکہ خدا کی ذات سے وعدہ ہے۔ کیونکہ ولی اللہ ''اللہ اللہ'' کرتا ہے۔ اس ''اللہ اللہ'' کرنے کے طفیل رب کریم اس کے ذریعے مخلوق کی حاجات پوری فرماتا ہے۔ تو یہ مطلب برآری خدا کے نام کے طفیل ہے اور یہ مَنّت پھر حقیقت میں خدا کی ہی ہوئی۔ جو ظاہری طور پر ولی اللہ کی مَنّت اور اس کے ساتھ وعدہ کرنا خیال کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ خدا سے وعدہ اور اُسی کی مَنّت ہے۔ اسی وجہ سے ولی اللہ کی مَنّت نہ دینے والے پر خدا خود گرفت فرماتا ہے۔ وگرنہ اس مَنّت کی نہ تو ولی اللہ کو ضرورت ہوتی ہے اور نہ خدا کی ذات کو بلکہ یہ انسان کے اپنے پیدا کردہ کسی مصیبت کے کفّارے کا ایک ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ صدقہ ہی ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ''اَلصَّدَقَۃُ رَدُّ الْبَلَا''۔ (صدقہ انسان کی اپنی پیدا کردہ مصیبتوں کو ٹالتا ہے۔) جس سے اس کی جان بخشی ہوتی ہے۔ خدا مسلمانوں کو سمجھ عطا فرماوے۔ چنانچہ کچھ ماہ بعد جب بندہ دوبارہ حضرت صاحب مدظلہُ العالی کے ساتھ دُھپ سڑی گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا مَنّت ادا کرنے کے بعد بالکل ٹھیک ہوگیا۔

(۱۱) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں کہ ہماری بستی میں ایک مرتبہ آپ سرکار مدظلہُ العالی کی

ملک فتح شیر کے ہاں دعوت تھی۔ صبح سویرے ملک صاحب کو فرمایا کہ گھوڑا تیار کرو ہم نے جانا ہے۔ ملک صاحب نے عرض کیا کہ حضور! آج بھی ہمارے ہاں قیام فرماویں۔ ہم نے تو ابھی تک آپ مدظلہٗ العالی کے ساتھ باتیں بھی نہیں کیں۔ آپ مدظلہٗ العالی نے مسکرا کر فرمایا کہ ہم پھر آج کافی ساری مرغیاں کھائیں گے۔ ملک صاحب نے عرض کی کہ حضور! جتنی مرضی آئے کھاؤ۔ سرکار مدظلہٗ العالی نے فرمایا چلو ٹھیک ہے۔ چنانچہ ملک صاحب آگے بڑھے۔ گھر میں کافی مرغیاں تھیں۔ پکڑ کر ذبح کرنے لگے۔ جب چار ہو گئیں تو آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ ملک صاحب! بس یہی کافی ہیں۔ ملک صاحب نے فوراً سالن کرایا۔ اتنے میں بستی ''چوگا'' سے نور احمد نائی اپنی بیوی کے ہمراہ بیعت کیلئے حاضر ہوا۔ آپ مدظلہٗ العالی اُسے دیکھ کر جلال میں آئے۔ فرمایا نور احمد کو اس کی بیوی زبردستی پکڑ کے ہمارے پاس لائی ہے۔ (فی الواقع بات بھی ایسی تھی) مَیں اِسے بیعت نہیں کرتا۔ ہم نے کچھ اصرار کیا مگر آپ مدظلہٗ العالی فوراً جلال میں آئے اور اٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اب کسی کو بات کرنے کی طاقت نہیں تھی۔ سب آپ مدظلہٗ العالی کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ جن میں ہمارا پڑوسی غلام محمد درزی بھی تھا۔ جب باباجی ہمارے گھر کے قریب پہنچے تو درزی کے دل میں خیال آیا کہ افسوس! کتنا مکلّف کھانا رہ گیا۔ نہ باباجی نے خود کھایا نہ ہمیں کھانے دیا۔ اچانک حضرت صاحب مدظلہٗ العالی نے گھوڑا روک کر غلام محمد کو حکم دیا کہ آپ واپس جا کر ملک صاحب کے گھر کھانا کھا کر پھر میرے پاس آجائیں۔ اس نے جس قدر معذرت کی آپ نے ایک نہ مانی۔ آخر کار غلام محمد نے اکیلے جا کر ملک صاحب کے گھر کھانا کھا لیا۔

اس واقعہ کے بعد غلام محمد آج تک آپ مدظلہٗ العالی کے سامنے آتے ہوئے گھبراتا ہے کہ مبادا پھر کسی نفسانی خیال میں پکڑا نہ جاؤں۔ یہ آپ مدظلہٗ العالی کے جلال کے وقت کا واقعہ ہے۔ وگرنہ آج کل تو آپ مدظلہٗ العالی جمال ہی میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ محفل میں اپنی نظرِ کیمیا اثر سے ملاقاتی کی باریابی کے ساتھ ہی اس کے نفسانی وساوس پر کنٹرول کر جاتے ہیں۔ زائر آپ مدظلہٗ العالی کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہی مقامِ تسلیم و تسکین پہ آجاتا ہے۔

(۱۲) حاجی محمد اسماعیل صاحب زرگر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے جب پہلی بار فورٹ منرو کا دورہ فرمایا تو چند دن بعد وہاں کے تین آدمی میرے پاس کوٹ ادو دُکان پر آئے۔ کہنے لگے کہ حاجی صاحب! ہم جس دن سے بابا صاحب مدظلہٗ العالی کے مرید ہوئے ہماری قوّتِ شہوت مکمّل ختم ہو گئی ہے۔ ہم اس لیے آپ کے پاس آئے کہ کیا کیا جائے حاجی صاحب کہتے ہیں کہ مَیں نے پہلے انہیں سمجھایا کہ شکر الحمد للہ مرشد کامل نے آپ پر اتنی توجہ ڈال دی کہ نفس امّارہ کو نیست و نابود کر دیا۔ بہتر یہ ہے کہ اب فقیری میں آجائیں اور اللہ اللہ کریں۔ اُس طرف دھیان بھی نہ دیں۔ اگر آپ لوگ اپنے اندر یہ قوّت اور ہمت نہیں پاتے تو یہ بات دل میں رکھ کر اُن کی زیارت کریں خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے دوسری بات اختیار کر کے ایسے ہی کیا۔ چند دنوں بعد دوبارہ آکر انہوں نے خود مجھے بتایا کہ ہم تینوں بعد از زیارت بالکل ٹھیک ہو گئے۔

(۱۳) میلسی 22 کوٹھی موضع کوٹ ساون آپ مدظلہُ العالی کے ایک ہفتے کا دورہ مقرر رہوا۔مگر پہلی رات رہ کر صبح بعداز ذکرِ پاک، وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔دورانِ وظیفہ اچانک دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔بعداز دُعا پھر وظیفہ پڑھنے لگے۔وظیفہ سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ مَیں نے اچانک کیوں دعا مانگی؟ بات یہ ہے کہ محمود کوٹ کے نزدیک بستی آدم میں ہمارے ایک مرید حاجی بشیر صاحب کی تین بار متواتر آواز ''یا مرشد'' مجھے سنائی دی۔ مَیں ان کی آواز صاف صاف پہچان گیا۔اُنہی کے لیے دعا کی۔ پھر ان کیلئے دعا کریں یا تو وہ کسی مشکل میں ہے یا ''جان کَنی'' کے عالم میں ہے۔ایک مرید کو حکم دیا کہ فوراً تانگے کا انتظام کریں۔صاحبِ دعوت مرید نے عرض کی حضور! آپ کا یہاں ایک ہفتے کا دورہ تھا۔کافی لوگوں نے آنا ہے۔مہربانی فرمائیں۔مگر آپ مدظلہُ العالی نے معذرت کی کہ جو کچھ دانہ پانی تھا کھالیا۔پھر انشاءاللہ کسی وقت حاضر ہوجاؤں گا۔چنانچہ اسی وقت وہاں سے روانہ ہوکر سیدھا کوٹ ادو پہنچے (اس سفر میں بندہ راقم الحروف خود آپ مدظلہُ العالی کے ساتھ تھا۔) تقریباً دو گھنٹہ بعد ایک دوست آکر قدم بوس ہوا اور عرض کی کہ حضور! مَیں بستی آدم سے حاضر ہوا ہوں۔حاجی بشیر صاحب انتقال کرگئے۔ان کی وصیّت تھی کہ میرا نماز جنازہ میرے مرشد پڑھائیں گے۔لہٰذا مہربانی فرمائیں۔سپیشل سواری کا انتظام ہوچکا ہے۔آپ مدظلہُ العالی نے دعائے مغفرت کے بعد فرمایا کہ ہم نے ملک صاحب کے جنازہ ہی کیلئے تو اپنا میلسی کا دورہ ملتوی کیا اور انہوں نے بحیات یہی بات مجھ سے عرض کی تھی۔لہٰذا وعدہ ضرور پورا کرنا ہے۔چنانچہ اسی وقت روانہ ہوکر بستی آدم پہنچے اور ملک صاحب مرحوم کا نماز جنازہ پڑھایا۔

(۱۴) 1990ء کے موسم گرما میں آپ مدظلہُ العالی علاقہ بارکھاں (بلوچستان) کے دورے پر تھے۔ایک دن دوپہر کے بعد اچانک آپ کی طبیعت متغیّر ہوگئی۔ذرا سی بات پر برہم ہوتے۔ہم حیران! نہ رات کا کھانا کھایا اور نہ صبح کا ناشتہ۔دوسرے دن وہاں سے براستہ رکنی کھرڑ بزدار پہنچے جہاں آپ مدظلہُ العالی کی دعوت تھی۔وہاں پر مقامی دفعدار نے بوقت زیارت بتایا کہ کل دوپہر کو علاقہ ٹھیکر نزد بارتھی (تحصیل تونسہ) دو متحارب قبیلوں کی لڑائی ہوئی جس میں آپ مدظلہُ العالی کا ایک مرید محمد قاسم نامی بے گناہ قتل کیا گیا۔(آپ کو تو گذشتہ دن اسی وقت سے معلوم ہوچکا تھا۔) آپ مدظلہُ العالی نے سنتے ہی دعائے خیر کے بعد فرمایا کہ قاتلوں کو میرے مرید کا قتل انشاءاللہ مہنگا پڑے گا۔

(۱۵) بندۂ ناقص جب شروع شروع میں آپ مدظلہُ العالی کی غلامی میں آیا تو بواٹہ تمن لغاری سے (جہاں بندہ کی ملازمت تھی) ایک دن آپ مدظلہُ العالی کی زیارت کا پروگرام بنایا۔اچانک ایک پیر بھائی صوفی محمد دین نامی جو رُکنی (بلوچستان) سے آئے اور کہا شیر محمد! آج ایک بہترین عِطر لایا ہوں۔دِکھانے پر مَیں نے کہا کہ یہ عِطر آج مجھے دیدیں۔ آپ کل جا کر اور لے آئیں۔انہوں نے دے دیا (میرا خیال تھا کہ یہ جا کر حضرت صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا) بندہ جب وہاں سے روانہ ہوکر سیدھا کوٹ ادو آپ مدظلہُ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔تو آپ مدظلہُ العالی اس وقت نماز عصر کیلئے وضو فرمارہے تھے۔وضو سے فارغ ہونے کے بعد بندہ نے وہی عِطر پیش کردیا۔لیتے ہوئے فرمایا: بچہ ہم بھی ایسے

ہوا کرتے تھے۔ جو بھی کوئی اچھی چیز ہمیں دیتا ہم جا کر اپنے مرشد کریم کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ اس سے آگے خاموش ہو گئے اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ بندہ فوراً سمجھ گیا کہ آپ مدظلہٗ العالی اس وقت نہ صرف میرا ظاہر دیکھ رہے تھے، بلکہ ارادۂ دل تک مشاہدہ کر رہے تھے کہ یہ کس ارادے سے لیا گیا اور کس نے دیا؟

(۱۶) حاجی محمد اسماعیل صاحب زرگر بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات تھی کہ کسی وقت آپ مدظلہٗ العالی سے سر کے مسّح کے بارے پوچھ لوں۔ یا بوقتِ وضو، مسح کرتے ہوئے آپ مدظلہٗ العالی کو دیکھ لوں۔ چنانچہ ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو زیارت کیلئے حاضر ہوا جبکہ آپ وضو کر کے اُٹھ رہے تھے۔ مَیں نے دل میں سوچا۔ اگر چند لمحہ پہلے آتا تو آپ کو مسح کرتے دیکھ لیتا تسکین ہو جاتی۔ مگر اب وقت چُوک گیا۔ میرے اسی خیال پر ہی فی الفور آپ مدظلہٗ العالی دوبارہ بیٹھ گئے اور فرمایا حاجی صاحب! مسح اس طرح کرو۔ سر مبارک کا، کانوں کا اور گردن کا مسح کر کے فرمایا۔ حاجی صاحب ٹھیک ہے! سمجھ آ گئی؟ مَیں نے عرض کی حضور! سمجھ آ گئی بالکل ٹھیک ہے۔

(۱۷) حاجی محمد اسماعیل صاحب زرگر بتاتے ہیں کہ ایک دن مرشد کریم نور شاہ طلائی روڈ (کوٹ ادو) اپنے ایک مرید سعید خان ہاکر کے گھر تشریف فرما تھے۔ بندہ جب برائے زیارت حاضر خدمت ہوا تو دِل ہی دِل میں خیال آیا معلوم نہیں کہ بابا جی مدظلہٗ العالی کو ہمارے بارے پتہ ہوتا ہے کہ ہم کیا کرتے رہتے ہیں؟ آپ مدظلہٗ العالی اُس وقت پانی پینے کے لئے گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ فوراً میرے اِسی خیال ہی پر گلاس روک کر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا "حاجی صاحب! وَاللّٰہ ہم اپنے ہر مُرید کو ہر وقت ایسے عیاں دیکھتے ہیں جیسا کہ اس گلاس میں موجود پانی کو صاف صاف دیکھ رہے ہیں۔" میں نے شرمندہ ہو کر فوراً دست بوسی کر کے معذرت کر لی۔

(۱۸) ڈاکٹر جلال خان صاحب لغاری جو کہ بطور میڈیکل آفیسر سول ہسپتال سخی سرور میں کام کرتے ہیں۔ آپ مدظلہٗ العالی کا مرید ہوتے ہی داڑھی رکھ لی۔ ایک دورے کے موقع پر ان کے گھر مرشد کریم کی دعوت تھی۔ آپ مدظلہٗ العالی کی آمد سے چند منٹ پہلے ڈاکٹر صاحب کے دل میں خیال آیا بابا جی سے عرض کروں گا مجھ سے داڑھی نہیں رکھی جا سکتی اسے ختم کروں گا۔ اسی دوران آپ مدظلہٗ العالی تشریف لائے بعد از ذکر و دعا فوراً فرمایا داڑھی بہت بڑی چیز ہے۔ جو داڑھی منڈوائے وہ قیامت کے دن از روئے حدیث نبوی ﷺ مخنّثوں کے ساتھ ہو گا۔ نیز حوروں سے لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ مَیں دل ہی دل میں فوراً سمجھ گیا اور اس شیطانی وسوسہ پر توبہ کر لی۔

(۱۹) علاقہ سنانواں (ضلع مظفّر گڑھ) میں صوفی عبداللطیف صاحب کے ہاں سالانہ عرس مبارک کے موقع پر محفلِ سماع کیلئے خان گڑھ سے قوّال منگوائے گئے۔ اُن کے ساتھ تونسہ شریف کے بھی قوّال آئے ہوئے تھے جن میں ایک عمر رسیدہ سفید ریش قوّال بھی تھا۔ بعد از نمازِ عشاء محفلِ سماع کا آغاز ہوا۔ پہلے تونسہ شریف کے قوّالوں کو وقت دیا گیا۔ اس کے بعد خان گڑھ کے قوّالوں نے جب قوّالی شروع کی تو تونسہ شریف کا بوڑھا قوّال حضرت صاحب مدظلہٗ العالی

کے عین پیٹھ پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا اور زیرِلب کچھ پڑھ رہا تھا۔ بندۂ ناقص راقم الحروف بھی حضرت صاحب مدظلہٗ العالی کے پیچھے کھڑے پنکھا جھل رہا تھا۔ معاً حضرت صاحب مدظلہٗ العالی نے ایک بار تو بڑے جلال سے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ مَیں ڈر گیا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ دوبارہ جب پیچھے کی طرف دیکھا تو بوڑھے کو اُنگلی کے اشارے سے فرمایا کہ اِدھر سامنے آ کر بیٹھو۔

چنانچہ بوڑھا بڑی شتابی سے جا کر حضرت صاحب مدظلہٗ العالی کا قدم بوس ہوا اور دوزانو ہو کر سامنے ادب سے بیٹھ گیا۔

جب محفل ختم ہو گئی، قوّال اپنی جگہ چلے گئے تو حضرت صاحب مدظلہٗ العالی نے دوستوں کو بتایا کہ تونسہ شریف کا بوڑھا ہمارا امتحان لیتا تھا۔ آخر کار ہم نے مجبور ہو کر بے ادبی کے خوف سے اُسے اپنے سامنے بٹھا دیا کیونکہ یہ ہمارے پیٹھ پیچھے زیرِلب درود شریف پڑھ رہا تھا کہ پیر صاحب کو پتہ چلے گا کہ نہیں۔ مگر اللہ کے فضل سے ہمیں فوراً معلوم ہو گیا اور اُسے اشارہ کر کے اپنے سامنے بٹھا دیا۔ دست بوسی کرتے ہوئے اُس نے شرمندگی محسوس کی اور معذرت بھی کر لی۔

(۲۰) صوفی نذر حسین صاحب کروڑ میں چونگی محرّر ہیں۔ اتفاقاً ایک دن ٹھیکیدار کے ساتھ ان کی کسی بات پر سخت کلامی ہوئی۔ ٹھیکیدار نے ان کی ڈیوٹی پہ ہوتے ہوئے کتابچہ چونگیات اٹھوالیا اور ان پر کیس بنا دیا۔ جس پر انہوں نے ٹھیکیدار کو کافی مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر وہ بضد رہا۔ یہاں تک کہ کیس چیئرمین تک پہنچا دیا۔ دوسرے دن کیس کی سماعت تھی اور انہیں ملازمت سے سبکدوش کرنے کا فیصلہ سنانا تھا۔ اس عالم بے بسی میں انہوں نے مرشد کو پکارا کہ یا پیر بخاری سرکار! کل لاج رکھنا۔ مرشد غیبی آواز سن کر دوسرے روز بنوں سے تشریف لا کر سیدھا چیئرمین بلدیہ سے جا ملے اور ان سے فرمایا کہ نذر حسین میرا بچہ ہے۔ دراصل اس کا کوئی قصور نہیں اس کا خیال رکھنا اور معطّل نہ کرنا۔ صوفی صاحب کو پتہ تک نہ چلنے دیا اور کسی دوسری طرف دورے پر تشریف لے گئے۔

دوسرے دن جب سپرنٹنڈنٹ چونگیات ان کا کیس لے گیا تو چیئرمین نے اس سے کہا کہ صوفی صاحب کا کیس فائل کر کے رکھ دیں اور جائیں جس پر تمام مخالفین نادم ہو گئے اور ٹھیکیدار بھی۔ صوفی نذر حسین صاحب کہتے ہیں کہ آپ مدظلہٗ العالی کے آنے کی خبر مجھے کئی دنوں بعد ہوئی۔ چنانچہ مرشد کریم کی کرم نوازی سے میری وہی ملازمت ابھی تک ہے۔

(۲۱) یہی صوفی نذر حسین صاحب کروڑ لعل عیسن والے بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے علاقہ کروڑ میں پہلے پہل مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے آتے ہی زیارت تو کر لی مگر بیعت نہیں ہوا۔ جب آپ دوسری بار علاقہ کروڑ کے دورے پہ تشریف لائے تو مَیں بھکر گیا ہوا تھا۔ والد صاحب نے گھر پر آپ مدظلہٗ العالی کی دعوت کی اور مَیں عین اسی وقت بھکر میں سینما دیکھ رہا تھا۔ آپ مدظلہٗ العالی نے میرے بارے والد صاحب سے پوچھا۔ والد صاحب نے بتایا کہ وہ بھکر ایک رشتہ دار کی فاتحہ خوانی پہ گیا ہوا ہے۔ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا: وہ تو وہاں فلم دیکھ رہا ہے۔ والد صاحب نے اصرار کیا کہ حضور وہ تو فلم دیکھتا ہی نہیں۔ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا: اچھا جب آئے تو خود پوچھ لینا۔ چنانچہ جب مَیں کروڑ آیا تو والد نے پوچھا کہ تُو نے بھکر میں فلم دیکھی ہے۔ مَیں نے پہلے تو شرم کے مارے انکار کر دیا۔ جب انہوں نے آپ مدظلہٗ العالی کی بات سنائی

تو مجھے سچ ہی کہنا پڑا۔ یہاں تک کہ مَیں آپ مدظلہٗ العالی کی اس کرامت پر ہمیشہ کیلئے آپ کا غلام بن گیا۔

(۲۲) آپ مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ عبادات وریاضیات کے وقت عالمِ جوانی میں مَیں ہر وقت جلال میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن گھر (بنوں) سے قدم اٹھایا۔ دوسرا قدم ایک وادی میں جا پڑا۔ جہاں خیموں میں خانہ بدوش لوگوں کی ایک بہت بڑی بستی آباد تھی۔ قریب ہی پانی کا ایک چشمہ تھا۔ عورتیں پانی بھر رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی سب آ کر ملیں۔ بہت خلیق دکھائی دیتی تھیں۔ میرے لئے ''بابا'' ''بابا'' کا لفظ استعمال کرتیں۔ اس وقت میرے چہرے سے نُور کی شعاعیں نکلتی رہتی تھیں کہ دوسرا بظاہر دیکھتا تھا۔ عورتیں اشارے سے کہتیں کہ ہم آپ کو جانے نہیں دیتیں۔ ہمارے گھر چلیں۔ چنانچہ مَیں اُن کا خلوص دیکھ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔

معتدل موسم تھا۔ خیموں کے سامنے ''نمد'' کی (بالوں سے بنی ہوئی) چٹائی پر مجھے بٹھا دیا۔ مرد بھی بہت عقیدت مند لوگ تھے۔ بڑی بڑی پگڑیاں باندھے ہوئے ان کے پاس لمبی لمبی (پرانے زمانے کی) بندوقیں تھیں۔ گزراوقات کیلئے صرف بکریاں اور اونٹنیاں تھیں۔ ان کی زبان کا مجھے بالکل پتہ نہ چلتا تھا۔ کیونکہ نہ وہ فارسی بولتے تھے اور نہ پشتو۔ نہ اُردو اور نہ پنجابی۔ سب لوگ باریش تھے۔ ان کی غذا بکریوں اور اونٹنیوں کا دودھ اور روٹی تھی۔ میرے لئے بھی یہی چیز لاتے۔ لیکن مَیں نہیں کھاتا تھا کیونکہ اس دور میں مَیں بہت کم ہی کھایا کرتا تھا۔ پورے چار دن ان کے پاس رہا۔ تب اجازت لے کر کہیں دوسری طرف چلا گیا۔ اب جب بارتھی کے لوگوں کے رسم ورواج دیکھے اور بولی سنی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ شاید بلوچ تھے۔

(۲۳) اس طرح ایک موقعے پر رات کو جب مَیں نے گھر سے قدم اٹھایا تو کسی ریگستانی صحرا میں اپنے آپ کو پایا۔ قریب ہی ایک کھنڈر سا دکھائی دیا۔ جب اسے غور سے دیکھا تو پرانے زمانے کی ایک کچی شہید مسجد تھی۔ دل میں خیال آیا کہ یہاں صلوٰۃ تسبیح پڑھی جائے۔ تسبیح کے دوران بہت زیادہ لطف محسوس ہوتا تھا۔ دعا کرتا تھا کہ رات لمبی ہو جائے۔ آخر صبحِ کاذب تک نفل ختم ہو گیا۔ نماز صبح پڑھنے کے بعد جانے کا ارادہ ہوا۔ باہر ذرا اندھیرا تھا۔ تو دیکھا کہ میرے آگے آگے ایک جانور جا رہا ہے۔ مَیں اس کے پیچھے ہو لیا۔ جب وہ ذرا دُور نکلتا تو کھڑا ہو جاتا۔ جب مَیں قریب ہوتا تب چلنا شروع کرتا۔ جب روشنی کچھ زیادہ ہو گئی تو آگے دو راستے بن گئے۔ مجھے سمجھ نہ آتا تھا کہ کونسا راستہ اختیار کروں۔ جانور نے سَر سے دائیں والے راستے کی طرف اشارہ کر دیا اور خُود دُوسرا راستہ اختیار کیا۔ (اس لئے کہ دائیں والے راستے پر آگے آبادی تھی) جب میں نے اُس جانور کو غور سے دیکھا تو وہ ''شیر'' تھا۔

(۲۴) شروع میں علاقہ کروڑ جب آپ مدظلہٗ العالی تشریف لائے، تو صبح کی نماز باقاعدگی کے ساتھ ایک مسجد ''اللہ ھُو والی'' میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اسی محلے میں ایک دو اور مسجدیں بھی تھیں جہاں آپ مدظلہٗ العالی کے بہت سے مرید جا کر نماز پڑھتے تھے۔ ایک دن لوگوں نے بیک وقت دو مسجدوں میں آپ مدظلہٗ العالی کو نماز فجر پڑھتے ہوئے دیکھا۔ دن کو

مریدین میں بحث شروع ہوئی۔ ایک کہتا کہ باباجی نے ہماری مسجد میں نماز پڑھی دوسرا کہتا نہیں باباجی نے تو آج ہماری مسجد میں ہمارے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ بحث طُول پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ اس بات کی تصدیق کیلئے دونوں مرشد کریم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ مدظلہٗ العالی نے دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ کام تمہارے اطمینانِ قلب کیلئے کیا گیا۔ لہٰذا آپ دونوں سچے ہیں۔ اس بات کو رہنے دیں۔ چنانچہ دونوں قدم بوس ہوکر واپس لوٹے۔ مولانا رومیؒ سچ فرماتے ہیں۔

؎ اولیاء را داد قدرت کردگار خویشتن را جسم سازند صد ہزار

(خدا نے اپنے دوستوں کو یہ طاقت بخشی کہ وہ اپنے ایک جسم کو بیک وقت علیحدہ علیحدہ جسم کے ساتھ لاکھوں جگہ بھی حاضر کرا سکتے ہیں۔)

(۲۵) ایک دفعہ آپ مدظلہٗ العالی ضلع مظفرگڑھ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص حاجی نذر حسین نامی نے آپ کو دعوت دی۔ جب آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے تو حاجی صاحب نے عرض کی کہ حضور! آپ مدینہ منورہ میں کہاں رہتے ہیں۔ آپ مدظلہٗ العالی نے جواب دیا کہ محترم مَیں نے ابھی تک حج نہیں کیا۔ حاجی صاحب نے دوبارہ وہی سوال دہرایا۔ آپ مدظلہٗ العالی نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ حاجی صاحب! مَیں نے تو ابھی تک عُمرہ بھی نہیں کیا۔ آخر کار حاجی صاحب کہنے لگے حضور! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جبکہ مَیں نے کئی بار مسجد نبوی ﷺ میں آپ مدظلہٗ العالی کے ساتھ نماز ادا کی۔ ارادہ یہ ہوتا تھا کہ نماز سے فارغ ہوتے ہی آپ کو اپنے گھر لے جاؤں گا۔ لیکن نماز کے بعد آپ نظر نہیں آتے تھے۔ یہ بات سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا کہ حاجی صاحب چھوڑو! یہ راز کی باتیں ہیں۔

(۲۶) بستی ولووالا نزد کوٹ ادو حفیظ اللہ نامی ہمارے ایک پیر بھائی رہتے ہیں۔ شروع شروع میں جب آپ مدظلہٗ العالی کے مرید ہوئے تو ان کی ملازمت ضلع ٹیکس سخی سرور (ڈیرہ غازیخان) میں تھی، جو کہ ان کے گھر سے تقریباً ایک سو کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر ہے۔ ایک دن ڈیوٹی پر پہنچنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ حضرت صاحب کے ملفوظات کی کتاب ''برکاتِ نقشبند'' گھر بھول آیا ہوں۔ بہت افسوس ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ رات سو کر علی الصبح جب مَیں کمرے میں گیا تو دیکھا کہ سامنے میز پر بالکل ایک نئی ''برکاتِ نقشبند'' کی جلد پڑی ہوئی ہے۔ دوستوں سے پوچھا سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ تب مَیں سمجھ گیا کہ مرشد نے اپنی کرامت سے کتاب پہنچا دی تا کہ میرے اَوراد و وَظائف میں ناغہ نہ ہو۔

(۲۷) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں کہ مظفرگڑھ اسٹیشن کے شمالی جانب ایرانی رہتے تھے۔ ان میں ایک فیروز نامی بوڑھا تھا جس کو باباجی سرکار سے بے حد عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ وہ سخت بیمار ہوگیا اور آپ مدظلہٗ العالی اس وقت بنوں میں تھے۔ اس نے بیماری کی نازک حالت میں آپ مدظلہٗ العالی کو یاد کیا۔ جب رات کو سب سو گئے تو اس نے دیکھا کہ آپ مدظلہٗ العالی میرے سرہانے کھڑے مجھے دَم کررہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ تم بے فکر رہو مَیں روزانہ جب تک تم تندرست نہیں ہوتے آکر دَم کرتا رہوں گا۔ چنانچہ اس نے دیکھا کہ مسلسل کئی راتیں آپ مدظلہٗ العالی سرہانے پہ

کھڑے ہو کر دیر تک دَم کر رہے ہوتے۔ بالآخر جب وہ تندرست ہو گئے۔ پھر آپ کو نہیں دیکھا۔ جب آپ کچھ عرصہ بعد مظفر گڑھ تشریف لائے تو ایرانی نے یہ واقعہ سب دوستوں کو آپ مدظلہٗ العالی کے سامنے سنا دیا اور آپ خاموش رہے۔

(۲۸) ''ہیرا'' ضلع لیّہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ حضرت صاحب جب علاقہ لیّہ وارد ہوئے تو اس بستی سے بہت لوگ آ کر آپ مدظلہٗ العالی کے خدمت گار بن گئے۔ آپ کا آستانہ (قیام گاہ) اس وقت صوفی رمضان نامی ایک مرید کے پاس ہوا کرتا تھا۔ یہاں آپ کے ایک مرید بشیر صاحب بھی تھے۔ یہی بشیر صاحب اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو کھیت میں میری پانی لگانے کی باری تھی۔ رات بہت اندھیری تھی۔ گرد و نواح جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ پانی لگاتے ہوئے دل میں خوف سا پیدا ہوا کہ کوئی موذی چیز نقصان نہ پہنچائے۔ اتنے میں سامنے ایک پگڈنڈی پر بابا جی کو کھڑے ہوئے پایا۔ اُن کے ساتھ ایسی چمک تھی کہ سارا کھیت روشن ہو گیا۔ دل میں کہا کہ جلدی پانی لگا لوں پھر جا کر بابا جی کی زیارت کروں گا۔ اب خوف و ہراس کا معاملہ ختم ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد جب فارغ ہو کر حضرت صاحب کی طرف روانہ ہوا تو آپ مدظلہٗ العالی وہاں نہ تھے۔ مَیں نے دل میں سوچا کہ شاید آپ رمضان کے پاس گئے ہوں گے صبح جا کر قدم بوسی کروں گا۔ جب علی الصبح مَیں رمضان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت صاحب اِدھر بھی نہیں ہیں اور آپ مدظلہٗ العالی کو کافی دن ہوئے کہ بنوں سے ادھر آئے ہی نہیں۔ بات سنانے پر رمضان بھی حیران ہو گیا۔ مَیں بضد تھا کہ بابا جی رات ادھر تھے مگر رمضان قسمیں اٹھا کر کہتا کہ بابا جی ادھر تشریف نہیں لائے۔ ہم اسی انکار و اصرار میں تھے کہ حضرت صاحب مدظلہٗ العالی بیگ اٹھائے حاضر ہوئے اور فرمایا کہ بچہ! مَیں ساری رات سفر میں تھا۔ ابھی بس سے اتر کر آ رہا ہوں۔ جب ہم نے اپنی بات سنائی تو آپ مدظلہٗ العالی مسکرائے اور فرمایا بچے! آپ دونوں سچ کہتے ہیں۔ ہم اپنے مریدوں کی پریشانی دُور نہ کریں تو اور کون کرے گا۔ اس کے بعد آپ نے کوئی اور بات شروع کر دی۔

(۲۹) ایک مرتبہ صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری ''بہل'' شہر سے اپنے گھر کی طرف بعد نماز مغرب روانہ ہوئے۔ راستے میں ویران جنگل تھا۔ وہ بتاتے ہیں جب میں نصف منزل پہ آیا تو دل پر دہشت سی طاری ہو گئی کہ کوئی چیز حملہ نہ کر دے۔ فوراً دل میں خیال آیا کہ میرے مرشد تو میرے ساتھ ہیں۔ تب دیکھا کہ مجھ سے تقریباً ایک گز کے فاصلے پر مرشد کریم مدظلہٗ العالی مجھ سے آگے آگے چل رہے ہیں۔ اس قدر خاموش ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہے جیسے کہ فضا میں جا رہے ہیں۔ مَیں نے خاموشی سے آپ کے پیچھے پیچھے تیزی سے چلنا شروع کیا۔ مَیں جس قدر تیز ہوتا آپ مدظلہٗ العالی اُسی قدر آگے رہتے۔ یہاں تک کہ مَیں گھر کے دروازے پر جا پہنچا۔ جب گھر میں داخل ہوا تو آپ غائب تھے۔ گھر والوں سے ذکر کیا تو وہ بھی حیران رہ گئے۔ چنانچہ مَیں اسے آپ کی غیبی امداد سمجھ کر خاموش ہو گیا۔

(۳۰) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اٹک سے خلیفہ کرم داد صاحب مرشد کا پیغام لائے کہ آپ کو علاقہ ''رتی کسی''، تحصیل پنڈی گھیپ فلاں وقت لازمی پہنچنا ہے۔ بندہ اس وقت میانوالی شہر میں

تھا فوراً روانہ ہوا۔ بذریعہ ریل گاڑی بسال شریف سے اگلے اسٹیشن سلیمان آباد جا کر اُترا۔ مَیں چونکہ ناواقف تھا پوچھتے پوچھتے روڈ پر جا پہنچا پہاڑی راستہ تھا۔ جب سامنے پہاڑ کی طرف دیکھا تو آپ ایک دیہاتی گھر میں سبز جُبّہ پہنے چلتے ہوئے نظر آئے۔ مَیں فوراً وہاں پہنچا مگر آپ موجود نہیں تھے۔ پوچھنے پر ان لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ مَیں پھر روانہ ہوگیا۔ جب راستہ بھولتا تو بہت دُور آگے آپ نظر آتے پھر چل پڑتا۔ یہاں تک کہ وادیوں میں ایک گھر نظر آیا۔ جب وہاں پہنچ کر پوچھا تو حضرت صاحب اسی گھر میں تشریف فرما تھے۔ بندہ جب جا کر قدم بوس ہوا تو پوچھا بچہ خیریت کے ساتھ پہنچے؟ بندہ نے عرض کی حضور آپ خود تو یہاں لائے۔ اس بات پر آپ مدظلہٗ العالی نے موضوعِ سخن بدل کر کوئی اور بات شروع کر دی۔

(۳۱) ایک دفعہ آپ مدظلہٗ العالی ہیرا ضلع لیہ کے دورے پر تشریف لائے رات ایک مرید کے ہاں قیام فرمایا۔ سردیوں کا موسم تھا۔ بعد نماز عشاء آپ نے آرام فرمایا۔ میزبان کی قریبی بستی میں ایک عورت کے ساتھ آشنائی تھی۔ آپ کو سُلا کر وقت مقررہ پر اُسے ملنے روانہ ہوگیا۔ راستے میں اس کے گھر کی طرف مڑنے کیلئے ایک چوک تھا۔ جونہی چوک کے قریب پہنچا۔ دیکھا بابا جی عصا اٹھائے چوک پر کھڑے ہیں۔ فوراً سہمے واپس بھاگا۔ جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ بابا جی تو کمرے میں سوئے ہوئے ہیں۔ اندر سے کنڈی لگی ہوئی ہے۔ وہ پھر عورت کو ملنے کیلئے روانہ ہوگیا۔ دوبارہ جب اسی چوک پر پہنچا تو دیکھا کہ بابا جی اسی جگہ کھڑے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ میں جب آگے قدم بڑھاتا ہوں تو آپ میری طرف روانہ ہوتے ہیں۔ جب مَیں رک جاتا ہوں تو آپ بھی رک جاتے ہیں۔ آخر کار پھر واپس مڑا۔ گھر آ کر دیکھا تو بابا جی آرام فرما رہے ہیں۔ تہجّد کے وقت جب آپ کے کمرے کے سامنے سے گزرنے لگا تو آپ مدظلہٗ العالی نے پاؤں کی آہٹ سُن لی۔ آواز دی کون؟ مَیں نے عرض کی حضور! آپ کا غلام۔ فرمایا: پانی لاؤ مَیں وضو کرتا ہوں مَیں نے وضو کرایا۔ دوسرے دوست آنے لگے۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد فرمایا ہمارے کئی ایسے دوست بھی ہیں جن کا یہ خیال ہے ہم جو کچھ کر رہے ہیں بابا جی کو کوئی خبر نہیں حالانکہ ہماری ہمہ وقت ہر مرید کی نقل وحرکت پر نظر ہوتی ہے۔ خواہ ہم یہاں ہوں یا بنوں۔ سب دوست پریشان ہو گئے کہ آپ مدظلہٗ العالی کس کے بارے یہ بات فرما رہے ہیں۔ کیونکہ آپ مدظلہٗ العالی نے کسی کا نام نہ لیا۔ میزبان شرم کے مارے خاموش بیٹھا تھا۔ بعد میں اس نے دوستوں کو بتایا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ بات بابا جی نے میرے بارے میں فرمائی ہے اور آج سے آپ لوگ گواہ ہیں کہ مَیں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں۔ چند دنوں بعد جب اتفاقاً اس عورت سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس کے بولنے سے پہلے وہ کہنے لگی معاف کرنا اس رات مَیں آپ سے اس لیے نہ مل سکی کہ مَیں بار بار جب گھر کے دروازے سے نکلتی تو سامنے صحن میں آپ کے پیر صاحب عصا ہاتھ میں لئے کھڑے ہوتے۔ مَیں شرم کے مارے پھر آ کر سو جاتی۔ ساری رات آپ کے پیر صاحب ہمارے گھر کے سامنے کھڑے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ تب مَیں نے بھی اپنی بات اُسے کہہ سنائی۔ اسی وقت اس نے بھی توبہ کر لی اور آج تک مرشد کریم کی نگاہِ کرم سے ہم دونوں اس فعلِ قبیح سے محفوظ ہیں۔

(۳۲) صوفی محمد خان صاحب عرف دُلدُل جو کہ علاقہ بارتھی (تحصیل تونسہ) کے قریب ایک بستی ''ٹھیکر''

میں رہتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ موسم سرما 1991ء میں مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی جب دورۂ بارتھی پر تشریف لائے تو موجودہ آستانہ نالدف سے ٹھیکر تک کافی فاصلہ ہے۔ ضُعف البدنی کی وجہ سے ٹھیکر کا دورہ ملتوی کر کے فرمایا کہ کل انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ ایک دوست نے باتوں باتوں میں عرض کی۔ حضور! یہاں ہمارے ایک مشہور اور معروف بلوچ بزرگ ہو گزرے ہیں جن کا نام حضرت خواجہ امیر احمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ وہ آخری عمر میں بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ مرید انہیں پالکی میں اٹھا کر پہاڑ کے دورے کراتے۔ چنانچہ ان کے ایک مرید نے ایک دن عرض کی کہ حضور! میری دعوت قبول فرماویں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ ان کے گھر کا راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ فرمایا دوست! مَیں یہاں سے دعا مانگتا ہوں۔ ایسے سمجھ لیں کہ مَیں آپ کے گھر ہو آیا۔ اس نے جب اصرار کیا تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلال میں آئے اور فرمایا دیکھو اپنے گھر کی طرف مَیں وہاں بیٹھا ہوا ہوں یا نہیں؟ سب نے دیکھا کہ واقعی آپ رحمۃ اللہ علیہ دوستوں سمیت اس کے گھر کے سامنے تشریف فرما ہیں اور یہاں بھی موجود ہیں۔ مرید فوراً قدم بوس ہوا اور معذرت کی۔

یہ واقعہ سننے کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے فرمایا بچہ! ہمارا بھی وہی شیوہ ہے۔ خدا عقیدہ نصیب فرماوے۔ محمد خان ناراض نہ ہونا۔ ایسے سمجھ لیں کہ ہم نے ٹھیکر کا دورہ کر لیا ہے۔ اب آگے صوفی محمد خان صاحب خود بیان کرتے ہیں کہ میں جب یہیں نالدف میں رات سویا تو بارہ بجے کے قریب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ خواب میں اس شان سے آئے کہ آپ ایک سفید گھوڑے پر سوار ہیں۔ بندہ نے جب ان کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا تو برسنے والے انوار و تجلّیات کا پرتَو قوّتِ برداشت سے باہر تھا۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ محمد خان! ہم نے ابھی ٹھیکر کے تمام شہر کا دورہ کر لیا ہے۔ وہاں ہمارا استقبال نیک محمد نے بہت سے لوگوں کے ساتھ کیا اور اب ہم واپس جا رہے ہیں۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس کے بعد مَیں نیند سے بیدار ہوا۔ صبح ہو گئی تو حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر سُوئے ادب اظہار کرنے کا یارا نہ تھا۔ دن کے تقریباً دس بجے حضرت صاحب واپس تونسہ تشریف لے گئے۔ بندہ شام کو گھر (ٹھیکر) گیا اور سیدھا نیک محمد صاحب کے پاس جا پہنچا۔ نیک محمد نے مجھے دیکھتے ہی خود سنانا شروع کیا کہ صوفی صاحب آپ تو حضرت صاحب کی فی الوجود زیارت کر آئے مگر ہم نے رات اپنے گھر کے اندر اُن کی زیارت کر لی۔ پھر خواب سنایا کہ رات حضرت صاحب (بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی) ایک سفید گھوڑے پر سوار یہاں آئے۔ مَیں نے بہت سے لوگوں کے جَلَو میں ان کا استقبال کیا۔ پھر میرے گھر تشریف لائے۔ سب گھر والوں نے خوب زیارتیں کیں۔ اتنے میں ساتھ بیٹھے ظفر نامی ایک دوست نے بھی کہا کہ رات ہمیں بھی بنوں والے پیر صاحب کی خواب میں سفید گھوڑے پر زیارت نصیب ہوئی۔ انتہائی خوبصورت تھے۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ تقریباً تمام اہالیان ٹھیکر کو خواب میں حضرت صاحب کی زیارت نصیب ہوئی۔ چنانچہ بندہ نے تسلیم کیا کہ واقعی آپ مدظلہُ العالی نے گذشتہ رات حضرت خواجہ امیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سارے ٹھیکر کا دورہ فرمایا۔ خدا آپ کا فیض تا قیامت جاری فرماوے۔ آمین

(۳۳) علاقہ کروڑ صوفی محمد اطہر نامی ایک شخص آپ مدظلہٗ العالی کا مرید ہوگیا۔اس نے آپ کی دعوت کی۔ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ صرف دس آدمیوں کے لنگر کا انتظام کرنا۔شام کو جب آپ اس کے گھر گئے تو کم از کم ڈیڑھ سو آدمی اکٹھے ہوگئے۔ختم خواجگان شروع ہوا۔صوفی محمد اطہر پریشان ہو کر مزید انتظام کرنے کیلئے باہر بازار جانے لگے۔ آپ مدظلہٗ العالی کی نگاہ اُن پر پڑی بُلا کر پوچھا پریشان کیوں ہو؟ اُنہوں نے عرض کی کہ حضور تھوڑے لنگر کا انتظام کیا ہے۔ مگر لوگ کچھ زیادہ ہوگئے ہیں۔مزید کھانا لینے جارہا ہوں۔آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا گھبرائیں نہیں۔بسم اللّٰہ پڑھ کر چلانا شروع کردیں۔نہ سالن کا ڈھکن کھولیں اور نہ روٹیوں پر سے کپڑا ہٹائیں۔انشاء اللّٰہ لنگر پورا ہوجائے گا۔انہوں نے آپ مدظلہٗ العالی کے فرمان پر عمل کیا۔وہی لنگر تمام لوگوں کو پورا ہوگیا۔یہاں تک کہ گھر والوں نے بھی خوب کھایا۔اس پر صوفی محمد اطہر کا تمام خاندان آپ مدظلہٗ العالی کی غلامی میں آگیا اور اب تک خدمت گار ہیں۔

(۳۴) اس طرح علاقہ بھکر میں ایک موسیٰ خان نامی درزی نے آپ مدظلہٗ العالی کی دعوت کی۔صرف ایک دیگ چاول پکائی۔بعد نمازِ مغرب جب ختمِ خواجگان اور ذکرِ پاک شروع ہوا تو بہت سے لوگ اکٹھے ہوگئے۔ایک دیگ ناکافی تھی۔موسیٰ خان گھبرا گیا۔مزید انتظام کرنے لگا مگر صوفی عبدالکریم صاحب نے کہا کہ یہی لنگر کافی ہے اور انتظام نہ کرنا۔اس پر موسیٰ خان غصّہ ہوا اور کہا کہ آپ نے میری بے عزتی کرانی ہے؟ اتنی مخلوق ہے۔یہ تھوڑے چاول کیسے کافی ہوں گے؟۔صوفی صاحب نے کہا کہ یہ لوگ باباجی کے مہمان ہیں۔باباجی جانے اور ان کے مہمان۔آپ کوئی فکر نہ کریں۔لنگر پورا ہوجائے گا۔چنانچہ بعد از ذکر صوفی عبدالکریم نے ایک پلیٹ جاکر باباجی سرکار مدظلہٗ العالی کے سامنے رکھدی۔دعا فرمانے کے بعد چند دانے منہ میں ڈالے۔باقی صوفی عبدالکریم کو دیکر فرمایا کہ یہ دیگ میں ڈال دو اور دیگ پر کپڑا ڈال کر خود لنگر تقسیم کردو۔لنگر تقسیم ہونا شروع ہوا سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھالیا۔آخر میں دیگ پر سے کپڑا ہٹایا۔تو دیگ ویسے بھری ہوئی تھی۔موسیٰ خان نے حیران ہوکر اپنی کم عقیدگی کی معذرت کی۔

(۳۵) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں کہ جب مرشد کریم مدظلہٗ العالی پہلی بار میرے غریب خانہ تشریف لائے تو بندہ چائے کے لنگر کیلئے صرف دو کلو چینی اور ایک ڈبہ پتی لایا۔کسی جگہ آپ مدظلہٗ العالی کی آمد پر عموماً مخلوق اُمڈ پڑتی ہے۔ہمیں چونکہ پہلے اس بات کی خبر نہیں تھی۔ہم نے اس چینی اور پتی سے لوگوں کی آمد پر متواتر دو دن لنگر چلایا۔یہاں تک کہ جب آپ واپس تشریف لے جانے لگے دیکھا تو چینی جوں کی توں پڑی تھی جیسے کہ استعمال ہی نہیں ہوئی گھر والے یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس قدر قلیل اشیاء سے اتنا وسیع لنگر کیسے چلا۔معلوم ہوا کہ اولیا کرام کے لنگر خزانہ غیب سے چلتے ہیں۔

(۳۶) جب آپ سرکار مدظلہٗ العالی پہلی بار تونسہ شریف کے دورے پر تشریف لائے تو اہلِ محلّہ نے آکر آپ کی زیارت کی۔ان میں ایک غریب بلوچ لعل محمد بجرانی نامی اپنی زبانی یوں بیان کرتا ہے کہ جب میں اپنے گھر سے روانہ ہوا تو دس روپے کا ایک نوٹ نکال کر ہاتھ میں رکھا کہ جس وقت پیر صاحب کی زیارت کروں گا یہ انہیں بطور نذرانہ پیش

کروں گا۔زیارت کے وقت لوگ پچاس اور سو روپے بطور نذرانہ پیش کررہے تھے۔ مجھے شرمندگی سی ہورہی تھی کیونکہ میرے پاس صرف دس روپے تھے۔ وہ پیسے جب آپ کے ہاتھ میں رکھے تو وہ پچاس روپے تھے۔

بعداز زیارت جب وہ باہر آیا تو مجھے (راقم الحروف کو) بتایا کہ یہ آپ کے پیر صاحب کی کرامت ہے کہ میرے ہاتھ میں دس روپے تھے لیکن انہیں دیتے وقت وہ پچاس روپے بن گئے۔

(۳۷) جناب محمد اظہر بٹ صاحب، جو کہ آپ مدظلہٗ العالی کے بہت پرانے عقیدت مند مرید ہیں، محکمہ کسٹم میں انسپکٹر ہیں۔ حضرت صاحب کے مرید ہوتے وقت وہ مظفرؔگڑھ میں تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک دوسال گزرنے کے بعد مرشد سے عرض کی کہ حضور! گھر چونکہ لاہور شہر میں ہے۔ دعا فرماویں کہ یہاں سے تبادلہ ہوجائے۔ آپ مدظلہٗ العالی خاموش رہے۔ دوسری دفعہ بنوں آستانے میں حاضری کے وقت اس بات کی یاددہانی کرائی۔ سنتے ہی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ میں اسی دن بنوں سے واپس مظفرؔگڑھ آیا۔ چھٹی لے کر دوسرے دن جب ٹرین سے لاہور اسٹیشن پر اترا تو ایک مجذوب حال فقیر سامنے آئے اور کہا ''اچھا بٹ صاحب اس واری ٹرانسفر کرائی اوندے او۔ مبارک ہووے'' مجھے پتہ چلا کہ مرشد کی دعا قبول ہوچکی ہے۔ صبح جب ایکسائز ہیڈ آفس پہنچا تو ڈائریکٹر صاحب دیکھتے ہی کہنے لگے بٹ صاحب! آپ کو دوتین سال ہوئے کہ گھر سے باہر ہیں۔ آج سے آپ کا گھر پر ٹرانسفر کردیتے ہیں۔ صبح دفتر سے آرڈر اٹھالیں۔ بارگاہِ الٰہی سے اب چونکہ فیصلہ ہوچکا تھا مَیں نے ہاں کردی۔ دوسرے دن دفتر جاتے ہی آرڈر مل گئے۔ تیسرے دن مظفرؔ گڑھ سے فراغت حاصل کر کے سیدھا لاہور آیا اور اب تک لاہور میں ہوں۔

(۳۸) آستانہ عالیہ کوٹ ادو کے قریب ترین پٹھانوں کا ایک گھر ہے جو حضرت صاحب مدظلہٗ العالی کے عقیدت مند مرید ہیں۔ اُن میں عابد جمال نامی آپ مدظلہٗ العالی کا ایک مرید ہے۔ ان کی اکثر برادری ڈیرہ اسماعیل خان (سرحد) میں ہے۔ وہاں ایک لڑکی سے عابد جمال کا نکاح ہوا۔ خاندانی جھگڑوں کی بنا پر ایک دن اس نے طیش میں آکر طلاق نامہ لکھ دیا۔ کچھ دنوں بعد اسے اپنی اس غلطی کا احساس ہوا۔ پشیمان و پریشان بنوں کا رخ کیا۔ حضرت صاحب مدظلہٗ العالی کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی رو پڑا اور اپنا سارا حال کہہ سنایا۔ حضرت صاحب مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں۔ جب مَیں نے لوحِ محفوظ پر نگاہ ڈالی تو نکاح سابقہ اس کی قسمت سے منسخ ہوچکا تھا۔ عابد چونکہ باربار التجائیں کرتا تھا۔ مجھے بہت ترس آیا۔ برداشت نہ ہوسکا۔ لوحِ محفوظ پر تصرّف کر کے کہہ دیا۔ بچہ! جاؤ مَیں نے خدا کی اجازت سے تیرا نکاح بحال کردیا ہے۔ صبر کرو انشاء اللہ وقت کے مطابق تجھے ہی مل کررہے گی۔ چنانچہ چند دنوں بعد حالات نے کروٹ بدلی۔ طلاق نامہ واپس ہوا؟ نکاح دوبارہ پڑھا گیا۔ اب اس کی شادی تیار ہے۔ سب برادری حیران ہے کہ اتنی بڑی گتھی فی الفور کیسے سلجھ گئی؟۔

(۳۹) آپ کے بڑے فرزند قبلہ غریب نواز حضرت خواجہ سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سردیوں میں ہمارے آستانے پہ تین مہمان آئے۔ غربت کا وقت تھا۔ گھر پر بسترے نہ تھے۔ ایک رشتہ دار سے

مانگ لایا۔ اس نے آکر مہمانوں کے سامنے کہہ دیا کہ شاہ صاحب جب بستر ے فارغ ہوں تو گھر پہنچا دینا۔ ہمیں بہت افسوس ہوا۔ دوسرے دن باباجی مدظلہُ العالی دورے سے واپس تشریف لائے۔ مَیں نے یہ بات انہیں بتادی۔ باباجی نے فرمایا بچہ ہم خدا کی رضا پر راضی ہیں۔ آئندہ کیلئے وہ کوئی بہتر انتظام فرمائیں گے۔ چنانچہ تیسرے دن شام کے وقت ایک ٹانگے پر دس خوبصورت بسترے آئے۔ کوچوان نے کہا کہ خلیفہ صاحب (بستی میں آپ صوفی نواب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مشہور ہیں؟) یہ بسترے آپ کے ہیں۔ کسی نے ہمیں دیکر روانہ کر دیا اور کرایہ بھی دے دیا یہ اُٹھالیں۔ باباجی اس وقت مسجد میں تھے۔ مَیں نے بسترے اٹھا کر گھر رکھدیئے۔ جب باباجی تشریف لائے تو بسترے دیکھ کر فرمایا بچہ! خدا کی طرف سے بندوبست ہوگیا نا۔ مَیں خاموش رہا۔ ایک دن بعد پتہ چلا کہ بنوں شہر میں ایک ایس۔ڈی۔او (S.D.O) صاحب نے مَنّت مانی تھی۔ باباجی کی دعا سے اس کا کام ہوگیا۔ اسی نے یہ بھیج دیئے۔ اس کے بعد سے آج تک ہمیں کسی کے گھر سے بستر مانگنے کی نوبت نہ آئی۔ یہ خدا کا عطیہ اور باباجی کی کرامت ہے۔ اللہ کریم آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم فرماوے۔ آمین

(۴۰) پہلے پہل جب آپ مدظلہُ العالی علاقہ اٹک کے دورے پر تشریف لے گئے تو بسال شریف کی طرف اسٹیشن کے ساتھ دیہات میں آپ کا پروگرام تھا۔ ایک بوڑھی نے اپنا ایک لنگڑا اکلوتا بیٹا کرم داد نامی لاکر حضرت صاحب مدظلہُ العالی کے قدموں میں بٹھا دیا۔ بہت خستہ حالت میں اپنی غربت کی شکایت کی کہ میں تو بوڑھی ہوں اور بیٹا معذور ہونے کی وجہ سے کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہے۔ آپ مدظلہُ العالی نے جلال میں آکر کرم داد کو بیعت فرمایا اور کہہ دیا کہ بوڑھی اماں! فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ تیرے بیٹے کے لنگر چلیں گے۔ پس آپ مدظلہُ العالی کے فرمانے کے فوراً بعد اُن کے حالات تبدیل ہونے شروع ہوئے۔ چند ماہ بعد آپ مدظلہُ العالی نے اُسے خلافت عنایت کی۔ آپ مدظلہُ العالی کی عدم موجودگی میں عرصہ ہوا کہ وہاں بلاناغہ محفل ذکر منعقد ہوتی ہے۔ کثیر تعداد میں طلباء پڑھتے ہیں۔ رات دن لنگر چلتا ہے۔ یہاں تک کہ صوفی کرم داد صاحب اس وقت سے آپ مدظلہُ العالی کے فرمان کے مطابق لانگری بابا کے نام سے مشہور ہیں۔ لوگ اُن کے پاس جانا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ یہ سب آپ مدظلہُ العالی کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بات کی کرامت ہے۔ جس نے جنگل کو منگل میں بدل دیا۔

(۴۱) بندۂ ناقص راقم الحروف کو جون 1988ء میں آپ کے ساتھ کوٹ ادو سے میلسی جانے کا اتفاق ہوا۔ جبکہ پنجاب میں شدید گرمی تھی۔ صبح ویگن پہ روانہ ہوئے۔ محمود کوٹ کے قریب ایک ٹائر پنکچر ہوگیا۔ آپ مدظلہُ العالی کو ہم نے ایک درخت کے سائے میں بٹھا دیا۔ پسینہ سے شرابور تھے۔ مَیں نے عرض کی حضور! فورٹ منرو کا کتنا بہترین موسم تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ اچھے بھلے دن وہاں گزاریں گے۔ مگر صرف تین دن کے اندر واپس تشریف لائے۔ (کیونکہ آپ فورٹ منرو کا تازہ دورہ فرما چکے تھے) اب یہاں کتنی گرمی ہے۔ بندہ کی گزارش کے بعد مرشد کریم مدظلہُ العالی نے لب ہلائے اور فرمایا بچہ کوئی بات نہیں یہاں بھی وہی خدا ہے انشاء اللہ یہاں بھی فورٹ منرو کا موسم بن جائے گا۔ جب مظفّر

گڑھ پہنچے تو ویگن میں کوئی ایسی خرابی پیدا ہوگئی۔ڈرائیور نے عرض کی حضور! ویگن کے بریک فیل ہونے کے علاوہ کوئی ایسی خرابی (Defect) پیدا ہوچکی ہے، جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔میرے خیال میں مَیں آپ کو کسی اور ویگن پہ بٹھا دوں گا۔حضرت صاحب نے فرمایا بچہ! آپ صرف سٹیرنگ گھمائیں۔سٹیرنگ تو گھوم سکتا ہے۔ ویگن جانے مَیں جانوں۔آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا صرف بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوجائیں۔حضرت صاحب فرنٹ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ویگن روانہ ہوگئی یہاں تک کہ ہم بحفاظت ملتان ڈیرہ اڈہ پر جا اُترے۔ڈرائیور نے نیچے اتر کر آپ کی قدم بوسی کی اور حیران ہو کر عرض کی حضور! مَیں حیران ہوں کہ ہم یہاں تک کیسے پہنچے؟ سمجھ نہیں آتی۔ویگن آپ کو لائی یا آپ ویگن لائے۔اس پر حضرت صاحب نے مسکرا کر اُسے دعا دی اور فرمایا بچہ! ایسے ہوتا رہتا ہے۔ویگن سے جب ہم اترے تو باہر بارش تھی۔پھر دوسری ویگن پر ہم میلسی 22 کوٹھی کیلئے روانہ ہوئے۔ جب وہاں جا کر اترے تو ہمیں سردی محسوس ہونے لگی۔حضرت صاحب مدظلہٗ العالی بار بار ہماری طرف دیکھتے تھے۔چونکہ وہاں آپ مدظلہٗ العالی کے کافی مرید تھے۔سواری کا انتظام تھا۔ہم تقریباً بوقت ظہر بستی جا پہنچے۔حضرت صاحب کو صاحبِ دعوت اپنے گھر لے گئے اور ہم باہر بیٹھک میں رہے۔سردی اس قدر شدید ہوگئی کہ ہمیں فورٹ منرو یاد آیا۔آخر کار گھر سے کمبل منگوائے۔نماز عصر کیلئے جب حضرت صاحب باہر تشریف لائے تو ہمیں کمبل لپیٹے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا بچہ! کیسے فورٹ منرو بن گیا کہ نہیں؟ بندہ نے عرض کی حضور! سب کچھ تو کر سکتے ہیں مگر کرتے جو کم ہیں۔ساری رات بوندا باندی رہی۔کمروں میں بھی بسترے استعمال کئے۔صبح حضرت صاحب مدظلہٗ العالی وہاں سے اچانک واپس ہوگئے۔راستے میں وہی موسم۔کوٹ ادو جب پہنچے تو ہمارے اوپر بادل تھے۔ دوسرے دن بستی آدم (نزد محمود کوٹ مظفّر گڑھ) کا دورہ فرمایا۔جب بستی میں پہنچے تو بوندا باندی ہو رہی تھی۔ساتھ ہی ایک گاؤں گنڈے والا میں دوپہر کی دعوت تھی۔جب وہاں پہنچے تو بستی آدم میں شدید گرمی پڑ گئی۔بادل گنڈے والا پہ چھا گئے اور بارش شروع ہوگئی۔چنانچہ بندۂ ناقص اس دوران پورا ہفتہ آپ مدظلہٗ العالی کے ساتھ رہا۔آپ مدظلہٗ العالی آگے آگے اور موسم برسات پیچھے پیچھے۔آخر کار بنوں تشریف لے جانے پر موسم بھی ساتھ لے گئے اور یہاں پھر وہی گرمی تھی۔ خدا کرے کہ یہ ابرِ رحمت تادیر ہم پر قائم رہے۔آمین

(۴۲) علاقہ کروڑ لعل عیسن میں اقبال نامی آپ مدظلہٗ العالی کا ایک مرید ہے۔جب کبھی آپ یہاں آتے تو ان کے ہاں اکثر دو تین دن قیام فرماتے۔ایک مرتبہ جب آپ مدظلہٗ العالی کروڑ تشریف لائے تو اقبال صاحب نے آکر آپ مدظلہٗ العالی کی دعوت کی۔اس دوران اتفاقاً اقبال کی چچی ان کے گھر تھی۔اقبال کی گھر والی حضرت صاحب کی بڑی خدمت گزار تھی۔اکثر تہجّد کے وضو کیلئے وہی پانی لاتی تھی۔اقبال کی چچی نے یہ حال دیکھا۔چونکہ وہ آپ کے مزاج سے واقف نہیں تھی اس لئے مشکوک ہوگئی اور باتیں کرنے لگی۔اقبال نے اسے سمجھایا مگر وہ نہ سمجھ سکی۔اقبال نے آکر حضرت صاحب کو صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ اگر یہ بات آپ مدظلہٗ العالی تک پہنچے تو محسوس نہ فرماویں (کیونکہ یہ بات صرف چچی کی طرف

سے ہے۔) آپ مدظلہٗ العالی نے سن کر خاموشی اختیار کی۔ دوسرے دن اپنے ایک دوسرے مرید کے ہاں تشریف لے گئے۔شام کو اقبال کی چچی کے جسم پہ خشک خارش شروع ہوگئی۔خارش اتنی شدید کہ ڈاکٹر صاحبان بھی حیران رہ گئے۔جب تکلیف نا قابل برداشت ہوگئی تو اقبال کے دل میں خیال آیا کہ اس نے مرشد کی گستاخی کی۔یہ اس کی گستاخی کا نتیجہ ہے۔ نیم مُردگی کی حالت میں اسے اٹھا کر آپ مدظلہٗ العالی کی خدمت میں لائے۔اس نے روتے ہوئے اپنی گستاخی کی معافی مانگی۔آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا اگر سچے دل سے اس نے معافی مانگی تو یہ ساری تکلیف فوراً بغیر کسی دَم وعلاج کے خود بخود ختم ہوجائے گی۔ہم تو ناراض نہیں ہوئے شاید خدا کی غیرت کو گوارا نہ ہوا۔چنانچہ چند لمحات میں اس کی سب تکلیف ختم ہوگئی۔ اور خود اُٹھ کر گھر چلی گئی اس وقت سے اقبال کا سارا خاندان آپ مدظلہٗ العالی کا عقیدت مند ہے۔

(۴۳) اس طرح اسی علاقے میں ایک اور عورت نے آپ مدظلہٗ العالی کے بارے گستاخی کی۔جب وہ بات آپ مدظلہٗ العالی تک پہنچی تو آپ اس وقت کسی اور حال میں تھے بے ساختہ زبان سے نکلا کہ یہ اس طرح بھونکتی رہے گی۔ چنانچہ اسی وقت وہ عورت پاگل ہو کر کتوں کی طرح بھونکنے لگی۔جب آپ مدظلہٗ العالی کی بات ان تک پہنچی تو اس کی طرف سے اس کے لواحقین نے آکر معافی مانگی۔تب وہ ٹھیک ہوگئی۔سچ کہتے ہیں کہ ولی اللہ کی زبان خدا کی زبان ہوتی ہے۔

؎ اشک سے دشت بھریں آہ سے سوکھیں دریا مچھلیاں جنگل میں پیدا ہوں ہرن پانی میں

(۴۴) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں کہ بندہ کو اپریل 1974ء میں آپ مدظلہٗ العالی کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔کروڑ لعل عیسن میں ایک دورے کے موقعے پر بندہ نے عرض کی حضور! آج میرے غریب خانہ قدم رنجہ فرما کر ممنون فرماویں۔آپ مدظلہٗ العالی نے دعوت قبول کی۔بھاونپور اڈہ سے بندہ کے گھر تک تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ کوئی سواری موجود نہیں تھی۔ہمارے ایک ہمسایہ مَلک اللہ ڈیوایا کے پاس ایک گھوڑا تھا۔اس خیال میں کہ گھوڑا لاؤں جب مَلک صاحب کے پاس پہنچا تو وہ کنواں چلا رہا تھا اور گھوڑا اس کے گھر میں بندھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔مَیں نے ملک صاحب سے گھوڑا مانگا کہ حضرت صاحب کو گھر تک پہنچا کر پھر واپس لا دوں گا۔مگر مَلک صاحب نے بہانہ بنایا کہ میرا گھوڑا تو ڈاکٹر خادم لے گیا۔مَیں نے کہا مَلک صاحب گھوڑا تو آپ کے گھر پر ہے اگر دینا نہیں تو اور بات ہے۔میرا وہاں سے روانہ ہونا تھا کہ مَلک صاحب کا ایک بیل کنوئیں میں گر گیا۔اس نے بیل کا خیال تک نہ کیا۔دوڑتا ہوا میرے پیچھے آیا کہ صوفی صاحب! ناراض نہ ہوں۔آؤ گھوڑا لے جاؤ تا کہ میرا اور کوئی نقصان نہ ہوجائے۔چنانچہ گھوڑا لے کر مَیں حضرت صاحب کو اپنے گھر لایا۔مَلک صاحب آج تک آپ مدظلہٗ العالی کا عقیدت مند ہے۔

(۴۵) ایک دورے پر آپ مدظلہٗ العالی بمقام بستی آدم نزد محمود کوٹ محفل میں تشریف فرما لوگوں کو معرفتِ الٰہی کا درس دے رہے تھے۔اتنے میں محفل میں موجود ایک شخص نے عرض کی کہ حضور! اس بستی میں بہت سے فقراً تشریف لائے مثلاً قبلہ علاّمہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت میاں بارو رحمۃ اللہ علیہ۔مگر جس قدر جلال اور ادب آپ مدظلہٗ العالی کی محفل میں دیکھ

رہا ہوں اُن کی محفل میں نہیں تھا۔ اس پر آپ مدظلہُ العالی نے یوں حقیقتِ فقرِ محمدیؐ کی عکاسی فرمائی کہ ''جناب محفلِ فقراء میں ادب کیا نہیں جاتا بلکہ ادب کرایا جاتا ہے۔'' اِس پُر مغز جواب پر سائل دم بخود رہ گیا۔ دست بوسی کر کے فقرِ محمدیؐ کی عظمت کا اقرار کر لیا۔

(۴۶) چوک اعظم کے قریب چکّ محمد والا میں فوجی لطیف نامی آپ مدظلہُ العالی کا ایک مرید فوج میں تھا۔ اس پر اچانک شدید یرقان کا حملہ ہوا۔ سی۔ ایم۔ ایچ سے لاعلاج ہو کر فوج سے ''ریٹائر'' ہو گیا تا کہ زندگی کے بقیہ ایّام گھر پہ گزارے۔ اسی دوران حضرت صاحب کا ''دھوری اڈہ'' دورے کا پروگرام بنا۔ فوجی لطیف آپ مدظلہُ العالی کی آمد کی خبر سن کر زیارت کے لئے آن پہنچا۔ آپ مدظلہُ العالی نے اس کی حالتِ زار (کیونکہ اس کا سارا جسم زرد پڑ چکا تھا۔) دیکھ کر انجیر کی لکڑی کے ساتھ یرقان ایک بار کاٹا۔ آپ مدظلہُ العالی نے چونکہ اس دن واپس بنوں جانا تھا۔ دو تین دن بعد بنوں میں سالانہ پروگرام تھا۔ لطیف کو فرمایا کہ مزید دو بار عرس کے موقع پر آپ کا یرقان کاٹوں گا لازمی آجانا۔ چنانچہ عرس پر دو مرتبہ مزید آپ نے اس کا یرقان کاٹا۔ چند دنوں کے اندر اندر اس کے جسم پر یرقان کے آثار تک ختم ہو گئے۔ آپ مدظلہُ العالی کی کرامت سے فوجی لطیف ابھی تک صحت مند، بحیات ہے اور آپ مدظلہُ العالی کو دعائیں دیتا ہے۔ آپ کو وراثتی دعا ہے کہ (1) باؤلے کتے کا کاٹا اگر 40 دن کے اندر اندر دَم کرالے تو بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے۔ (2) یرقان (صفراء) تین مرتبہ انجیر کی لکڑی پر کاٹنے سے مریض مکمّل شفایاب ہو جاتا ہے۔ (3) چنبلوہ آپ مدظلہُ العالی کے دَم کرنے سے مکمّل ختم ہو جاتا ہے۔ (4) مکوڑی آپ مدظلہُ العالی کے دَم کرنے سے مکمّل ختم ہو جاتی ہے۔ مگر اب آپ مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ خدا کی مہربانی سے کوئی بیماری بھی میرے کنٹرول سے باہر نہیں ہے لیکن یہ ہوتا ہے وقت کے ساتھ۔ مولانا رومیؒ سچ فرماتے ہیں:

؎ اکمہ و ابرص چہ باشد! مُردہ نیز زندہ گردد از فسونِ آں عزیز

(مادرزاد اندھا اور برص والے کیا! اُس اللہ کے پیارے کے دَم سے مُردہ بھی زندہ ہو جاتا ہے۔)

(۴۷) ہمارے ایک دوست فخرِ عالم نامی کوٹ ادو میں رہتے ہیں۔ وہ ایک ٹرک اڈہ چلاتے ہیں۔ ایک دن ان کے پاس دو تین پٹھان آئے اور کہنے لگے کہ ہماری ایک عورت پر جنّات کا حملہ ہے۔ ہم نے اُسے سارے پاکستان میں پھرایا مگر کچھ فرق نہ آیا۔ دن بدن تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ اب تقریباً ڈیڑھ ہفتہ سے وہ غذا سے بھی محروم بالکل بے ہوش پڑی ہے۔ اب ہم لوگ حیران ہیں کہ کیا کیا جائے؟ کیونکہ نہ وہ زندہ ہے اور نہ مُردہ۔ اس پر فخر عالم کہنے لگا کہ ابھی ابھی جا کر اُسے ہمارے بابا جی کے پاس لے آؤ اگر ٹھیک نہ ہوئی تو مجھے گریبان سے پکڑ لو۔ چنانچہ پٹھان اعتبار کر کے اُسی وقت روانہ ہوئے، سپیشل سواری کی۔ رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے آستانہ عالیہ کوٹ ادو پہنچے۔ عورت اسی طرح بے حس وحرکت بیہوش پڑی تھی۔ ہمارے دوست عبدالشکور صاحب اس وقت خدمتِ مرشد پر مامور تھے۔ دروازہ کھولا اور بابا جی سے اجازت چاہی۔ آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ عورت کو اندر اٹھا لاؤ۔ تقریباً دس منٹ بعد عورت خود چل کر باہر آئی۔

(۴۸) ملک اللہ بخش صاحب کا گھر شوگر مل لیہ کے بالمقابل ریل گاڑی کی پٹڑی کے مغربی جانب واقع ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک ضروری کام کے سلسلہ میں مَیں نے کروڑ لعل عیسن جانا تھا۔ گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ گاڑی لیّہ اسٹیشن پر تیار کھڑی چلنے کی وِسل دے رہی ہے۔ جبکہ مَیں اسٹیشن سے پورے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا۔ فوراً مرشد کی طرف متوجہ ہوا کہ باباجی آج اگر گاڑی میرے گھر کے سامنے آکر رکے اور مجھے اُٹھا لے تو اِسے آپ کی کرامت تسلیم کروں گا۔ گاڑی اسٹیشن سے چل پڑی۔ مَیں آزموداً کھڑا رہا۔ جب گاڑی عین سامنے آئی فوراً رُک گئی۔ مَیں سکون کے ساتھ گاڑی پہ بیٹھ گیا۔

کچھ دنوں بعد جب مرشد کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت کی تو دیکھتے ہی جلال میں آئے۔ فرمایا مَلک صاحب! مَیں آپ کا گارڈ نہیں ہوں بلکہ مرشد ہوں۔ اگر آئندہ ایسا کیا تو اچھی بات نہ ہوگی۔ مَیں نے قدموں میں گر کر معذرت کی۔

(۴۹) جناب محمد حسین صاحب ڈپٹی کمشنر ڈیرہ اسماعیل خان کے دور کی بات ہے کہ ایک مرتبہ ڈیرہ اسماعیل خان شہر کی طرف سیلاب کا رخ ہوا۔ اس قدر تیزی سے پانی کا کٹاؤ جاری تھا کہ ایک دودن کے اندر اندر سارا شہر طوفانی سیلاب کی نظر ہو جانا تھا۔ حکومت کے سارے جتن ناکام۔ مخلوقِ خدا گریزاں و پریشان۔ لوگ دعا کیلئے بہت سے پیر فقیر لائے مگر کٹاؤ رُکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ آخر کار کسی نے محمد حسین صاحب کو بتایا کہ بنوں والے شاہ صاحب اگر آئیں تو شاید خدا مہربانی کردے۔ چنانچہ محمد حسین صاحب اسی وقت سرکاری جیپ پر سیدھا آپ مدظلہُ العالی کے پاس ڈھیری کلہ سیدان بخاری پہنچے۔ آپ مدظلہُ العالی کو اپنے ساتھ آنے اور دُعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ مدظلہُ العالی ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آگے آپ اپنی زبانی بیان کرتے ہیں کہ جب مَیں وہاں پہنچا تو ریت کے ٹیلے کے ٹیلے سیلاب ہڑپ کرتا ہوا جا رہا تھا۔ مَیں نے دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگی اور محمد حسین صاحب کو حکم دیا کہ پانی کے کنارے کنارے پیدل چلتے جائیں۔ جہاں تک چلتے جائیں گے پانی خدا کے حکم سے پیچھے مڑتا جائے گا۔ چنانچہ محمد حسین صاحب روانہ ہوئے۔ چونکہ نازک بدن آدمی تھے تھوڑی دیر چلنے کے بعد تھک گئے۔ مگر وہ تا حدِ نظر پانی کو کنارا چھوڑتے ہوئے الٹا پیچھے ہٹتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے ٹھہر گئے۔ اتنے میں مَیں نے اشارہ کیا کہ واپس آجائیں۔ اِن کی واپسی تک پانی کافی پیچھے ہٹ چکا تھا۔ اس بات پر وہاں موجود بہت سے لوگ میری بیعت ہو گئے۔ محمد حسین صاحب نے میرا شکریہ ادا کیا اور پھر مجھے واپس بنوں پہنچا دیا۔ خدا کی مہربانی سے اس وقت سے لے کر آج تک پانی اسی حد سے بھی پیچھے ہٹ کر چل رہا ہے اور ڈیرہ اسماعیل خان کی ساری آبادی ہمیشہ کیلئے سیلاب کے خطر سے محفوظ ہو گئی۔

(۵۰) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مرشد کریم مدظلہُ العالی بندہ کے ہاں تشریف لائے میرا نانا رانجھو زیارت کیلئے حاضر ہو گیا۔ عرصہ سے اس کی اولاد نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد نانی بھی آنکلی۔ اس نے

بھی یہی بات کی۔ بندہ نے نانی سے کہا کہ طریقہ مَیں بتاتا ہوں۔ آگے تمہاری قسمت۔ مَیں نے اسے کہا کہ آپ جا کر پیر صاحب کے پاؤں پکڑ کر التجا کرتے رہیں۔ جب تک اولاد کی خوشخبری نہ دیں پیچھے نہ ہٹیں۔ چنانچہ نانی اماں نے میرے کہنے پر جا کر آپ مدظلہُ العالی کے قدم پکڑے۔ آپ نے بار بار فرمایا بی بی ہٹ جاؤ۔ جب خدا کا حکم ہوگا تو اولاد ہوگی۔ مگر کہاں۔ آخر کار جلال میں آئے فرمایا بی بی اگلے سال جب ہم آئیں گے تو خدا کے حکم سے تمہاری جھولی بھری ہوگی۔ (مگر یہ نہ فرمایا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی) حتیٰ کہ اگلے سال جب آپ مدظلہُ العالی دورے پر تشریف لائے تو نانی صاحبہ کی گود میں لڑکی تھی۔ حضرت صاحب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مبارک باد دی۔ ہم دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک ضعیف العمر عورت کیسے اولاد سے بہرہ ور ہوئی۔ مگر ماننا پڑے گا کہ گُفتِ ولی گُفتِ الٰہی ہے۔

(۵۱) لیّہ کے قریب ایک سرسبز و شاداب گاؤں ہے جس کا نام ''ہیرا'' ہے وہاں آپ مدظلہُ العالی کے کافی مرید ہیں۔ علاقہ لیّہ کے خلیفہ صوفی منظور صاحب نے اپنی زبانی بتایا کہ ہمارے گاؤں میں ایک ہمسایہ ہے جس کا نام نُور ہے۔ پندرہ سال سے اس کی شادی ہو چکی تھی مگر اولاد سے محروم تھا۔ ہر طرح کے علاج کرائے مگر ناکام۔ حضرت صاحب مدظلہُ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی پریشانی کا تذکرہ کیا کہ حضرت! دعا فرماویں۔ خداوند کریم اولاد کی نعمت سے نوازے۔ گھر میں بہت بے چینی ہے۔ مگر خدا کی رحمت سے نا اُمیدی بھی نہیں ہے۔ حضرت صاحب مدظلہُ العالی نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور ایک تعویذ دیکر فرمایا کہ اگلے سال اِنشاء اللہ خدا کے حکم سے آپ کی اولاد ہوگی۔ چنانچہ ابھی سال بھی پورا نہیں ہوا ہے کہ اُن کے گھر بچہ ہونے والا ہے اور یہ آپ کی خاص دعا کا نتیجہ ہے۔

(۵۲) صوفی نذر حسین صاحب کروڑ لعل عیسن والے بیان کرتے ہیں کہ میری شادی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ صرف دو لڑکیاں تھیں۔ ایک دن آستانہ عالیہ بنوں عریضہ بھیجا کہ حضور! دعا فرمائیں میرا لڑکا پیدا ہو۔ آپ مدظلہُ العالی نے بذریعہ خط جواب لکھا کہ بچہ اللہ اللہ کرو اور صبر کرو انشاء اللہ اس سال لڑکا پیدا ہوگا۔ چنانچہ اسی سال میرے ہاں آپ مدظلہُ العالی کی دعا سے لڑکا پیدا ہوا۔ جو اللہ کے فضل سے ابھی تک زندہ ہے۔

(۵۳) راقم الحروف کے ہاں ایک مرتبہ آپ مدظلہُ العالی تشریف لائے۔ بال بچے جب زیارت کر کے واپس گئے تو فرمایا شیر محمد! مبارک ہو آپ کی بھابھی کے پیٹ میں لڑکا ہے۔ چنانچہ چار پانچ ماہ بعد لڑکا ہی پیدا ہوا۔ اس کا نام آپ مدظلہُ العالی کے فرزند ارجمند کے نام پہ مہر نواز رکھا جو اللہ کے فضل سے بحیات ہے۔

(۵۴) صوفی حامد اللہ صاحب بزدار کے ہاں بارتھی میں آخری دورے پہ جب آپ مدظلہُ العالی تشریف لے گئے تو صوفی صاحب کے والدین آپ مدظلہُ العالی سے صوفی حامد اللہ کی اولاد کے بارے دعا کیلئے عرض گزار ہوئے (کیونکہ ان کی بیوی متواتر پانچ سال بیمار تھی آخر میں آپ ہی کی دعا سے شفایاب ہوگئی) اس پر آپ سرکار مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ بے فکر رہیں صوفی صاحب کے دو (جُڑواں) بچے پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایک سال میں ہی اُن کے ہاں (جڑواں بچے) ایک

لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس طرح آپ مدظلہُ العالی کی پیشین گوئی پوری ہو کے رہی۔

(۵۵) یہ مارچ 1987ء کی بات ہے کہ بندہ (راقم الحروف) تازہ شرفِ بیعت حاصل کر چکا تھا۔ ایک دن آستانہ عالیہ کوٹ ادو میں آپ مدظلہُ العالی کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک ایک شخص مع اہل وعیال آپ مدظلہُ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بڑی عقیدت اور ادب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کپڑوں کا ایک جوڑا پیش کیا۔ حضرت صاحب بڑے محرّمانہ انداز میں اُن کے ساتھ باتیں کئے جا رہے تھے۔ لیکن ہم سب حیران تھے کہ ہم نے اس سے پہلے اِس شخص کو کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ اس شخص نے ہماری بے چین حالت دیکھ کر خود اپنا تعارف کرانا شروع کیا کہ دوستو! پندرہ سال پہلے کی بات ہے کہ میری ایک چھوٹی سی بیٹی تھی جس کی ٹانگیں مفلوج تھیں، اور ایک لڑکا تھا، جس کی گردن پر ایک بہت خطرناک پھوڑا تھا۔ کافی وقت سے مَیں پریشان کبھی اِس ڈاکٹر کبھی اُس ڈاکٹر کبھی اِس دربار اور کبھی اُس دربار اُن کی شفایابی کے لیے پھرا کرتا تھا۔

ایک دن کروڑ لعل عیسن کے سالانہ عرس کے موقعے پر دربار پر حاضری دی۔ یہ دونوں بچے بھی میرے ساتھ تھے جونہی حضرت صاحب پر میری نگاہ پڑی۔ مَیں نے سوچا کہ یہ کوئی کامل ہستی ہے۔ اِن کے پاؤں پڑتا ہوں۔ شاید خداوند کریم میری یہ پریشانی دُور فرمائے۔ مَیں نے جا کر حضرت صاحب کی قدم بوسی کی۔ دُعا اور دَم کرنے کیلئے عرض کی۔ مگر آپ مدظلہُ العالی نے اس بہانے انکار کر دیا کہ آپ ایسے صاحبِ شان بزرگ کے مزار پر آئے ہوئے ہیں اِنہی سے جا کر التجا کریں۔ آپ کی مشکل حل ہو جائے گی۔ مَیں ایسے دربار پہ کیسے جرأت کر کے آپ کے بچوں کو دَم کروں؟۔ مگر مَیں نے اصرار کیا کہ حضور! سب بزرگ برحق ہیں۔ آپ مہربانی کر دیں۔ شاید میرے بچوں کی شفا آپ مدظلہُ العالی کے ہاتھوں لکھی ہوئی ہو۔ بچوں کی طویل بیماری کا حال بھی کہہ سنایا۔ تب حضرت صاحب نے فرمایا اچھا بیٹھو۔ بڑی شفقت کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر بچے کے پھوڑے پر لعاب دَہن لگایا اور بچی کی ٹانگوں پر دَم فرمایا۔ دُعا فرما کر جانے کی اجازت دیدی۔ ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ یہ بچے انشاء اللہ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔ مَیں نے عرض کی حضور! آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ بتایا کہ مَیں بنوں کا رہنے والا ہوں۔ پنجاب میں مجھے لوگ ''بابا بنوں والی سرکار'' کہتے ہیں۔ دوبارہ مَیں نے عرض کی کہ پھر کبھی آپ مدظلہُ العالی کی زیارت نصیب ہوگی؟۔ فرمایا ہاں! پندرہ سال بعد۔ اس وقت جبکہ اس بچی کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں گی۔ پھر جب مَیں آؤں گا تو میرے کپڑے دھو دے گی۔ اس مختصر گفتگو کے بعد مَیں واپس اپنے گھر دُھپ سڑی آیا۔ (جو کہ کوٹ ادّو کے نواح میں ہے۔) میرا نام کٹو خان ہے۔ یہ بی بی میری وہی بیٹی ہے جو کہ پاؤں سے مفلوج تھی اور یہ تینوں بچے بھی حضرت صاحب کی پیشینگوئی کے مطابق میری بیٹی کے ہیں (ایک لڑکا اور دو لڑکیاں)۔ یہ بچے اُس وقت سے چند دن بعد بالکل ٹھیک ہو گئے تھے۔ بچی تمہارے سامنے ہے اور بچہ اس وقت پڑھ رہا ہے۔ حضرت صاحب کی پیشینگوئی کے مطابق پورے پندرہ سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت حضرت صاحب کی داڑھی مبارک کالی تھی۔ کل مَیں کسی

کام کی خاطر کوٹ ادو جا رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک بزرگ ٹانگے پر جا رہے ہیں۔ مجھے شک گزرا کہ یہ وہی کروڑ لعل عیسن کے دربار والے بنوں کے بزرگ ہیں۔ جب مَیں آپ مدظلہٗ العالی کے قریب آیا چہرہ مبارک دیکھ کر پہچان گیا کیونکہ اب آپکی داڑھی مبارک سفید ہو چکی ہے اور طبیعت میں بھی کافی کمزوری آئی ہوئی ہے۔ حضرت صاحب کی پہچان کی بھی کمال ہے کہ پہلی نظر مجھے پہچان گئے۔ پوچھنے لگے جوان! اپنی بچی کا تو حال سناؤ۔ مَیں نے عرض کی حضور! آپ مدظلہٗ العالی کے فرمان کے مطابق بالکل ٹھیک ہو گئی تھی اور خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک ٹھیک ہے۔ فرمایا اچھا! ہم نے اس دن دربار پر آپ کی بچی سے کہا تھا کہ میرے کپڑے دھودے گی۔ اس نے سر ہلایا تھا۔ لہٰذا آج وہی وعدہ پورا کرو۔ اپنے بیگ سے کپڑوں کا ایک جوڑا نکال دیا کہ یہ کل میرے آستانے پر اپنی بچی کو کہو کہ دھو کر لائے اور آپ بھی ساتھ آجائیں وہاں تفصیل سے باتیں کریں گے۔ چنانچہ آج مَیں پورے پندرہ سال بعد آپ کے سامنے حضرت صاحب کی خدمت میں آن حاضر ہوا ہوں اور بچی بھی اسی وعدے کے مطابق بابا صاحب کے کپڑے دھو کر لائی ہے۔ یہ کوئی عام آدمی نہیں ہیں۔ آپ کو مبارک ہو۔ آپ ایک بہت بڑی ہستی کے دربار میں بیٹھے ہیں۔ اس انکشاف کے بعد حاضرین نے آپ مدظلہٗ العالی کی قدم بوسی کی اور آپ نے سب کے حق میں دعا فرمانے کے بعد لنگر چلانے کا حکم فرمایا۔

(۵۶) علاقہ لیّہ کے خلیفہ صوفی منظور حسین صاحب کی ایک پوتی پیدا ہوئی۔ کچھ دنوں بعد وہ سخت بیمار ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے رپورٹ دی کہ اس میں پیدائشی کینسر ہے۔ لہٰذا ہم سے لاعلاج ہے۔ صوفی صاحب اسے نشتر ہسپتال ملتان لے گئے۔ ان ڈاکٹروں نے بھی اس رپورٹ کے مطابق بچی کو لاعلاج قرار دیا۔ جب واپس لیّہ پہنچے تو اس وقت حضرت صاحب کوٹ ادو تشریف لا چکے تھے۔ صوفی منظور صاحب نے بیٹے کو مشورہ دیا کہ صرف ایک سہارا باقی ہے آج جا کر مرشد سے دَم و دعا کرا کے لاؤ۔ چنانچہ وہ بچی کو اٹھا کر کوٹ ادو آیا۔ حضرت صاحب نے دیکھ کر ''ہلدی'' منگوا کر اُسے دَم کر دیا اور فرمایا کہ اِس کا سفوف بنا کر متواتر چند دن تک لگاتے رہنا۔ انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق چند دنوں کے اندر بچی مکمّل شفایاب ہو گئی اور ابھی تک بفضلِ خُدا زندہ ہے۔

؎ ہیں! کہ اسرافیلِ وقت اند اولیاء　　　مُردہ را زیشاں حیات است و بقا　　(رومیؒ)

(خبردار! اولیاء اللہ اسرافیلِ وقت ہیں۔ مُردے کو ان سے زندگی مِل سکتی ہے)

(۵۷) صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری کے ماموں مَلک گل شیر صاحب نے، جو کہ مظفر گڑھ میں بطور فاریسٹ گارڈ کام کرتے تھے، اپنی زبانی بیان کیا کہ مجھ پر کسی نے مارشل لاء (جنرل ضیاالحق) کے دور میں ایک ناجائز درخواست دی۔ مارشل لاء کا متعلّقہ آفیسر، جس کے پاس میرا کیس تھا، اتنا سخت گیر تھا کہ بغیر کسی تحقیق کے جو بھی کیس ہوتا مدعی کی بات پر مدعا علیہ کو کوڑوں کی سزا سنا دیتا تھا۔ مجھے ہر شخص یہی کہتا کہ آپ کو بھی یہ کوڑوں کی سزا سنائے گا۔ تاریخ پیشی سے ایک دن قبل مَیں نے آپ مدظلہٗ العالی کو پکارا کہ ''یا مرشد'' اس بے گناہ کیس میں میری امداد فرمائیں۔ رات کو سو گیا تو

خواب میں آپ مدظلہُ العالی کی زیارت نصیب ہوئی۔فرمایا ملک صاحب! فکر نہ کریں۔مارشل لاء والے آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔چنانچہ صبح ہوئی مَیں سیدھا مارشل لاء دفتر گیا۔جہاں میرے متعلّقہ محکمہ کے افسران اور دوست بھی موجود تھے۔سب پریشان تھے کہ آج معلوم نہیں گل شیر خان کے حق میں کیا فیصلہ ہونا ہے۔لیکن مَیں بالکل مطمئن تھا۔کافی دیر بعد مارشل لاء آفیسر نے مدعی کو بلایا۔وہ میرے خلاف بیان دینے لگا۔صاحب نے کہا کہ بکواس نہ کر! جا دفع ہو جا۔یکدم اسے باہر نکال دیا۔نکلتے ہی اس نے کہا کہ مَلک صاحب مَیں نے آپ کے حق میں بیان دیا ہے۔مَیں نے کہا کہ آپ کا بیان تو مَیں نے خود سن لیا۔مگر مارشل لاء آفیسر نے خود خدا کے حکم سے کیس کا فیصلہ میرے حق میں کر دیا۔سب لوگ حیران رہ گئے۔تب مَیں نے انہیں اپنا خواب سنایا کہ یہ فیصلہ صرف مرشد کی کرامت سے ہو گیا ہے۔

(۵۸) محمد شفیع نامی ایک شخص کی لیّہ شہر میں چوبارہ روڈ نہر کے پل پر پرانی چونگی کے ساتھ پان وسبزی کی دکان ہے۔اس پر ایک ناجائز قتل کا مقدمہ دائر کیا گیا جس کے بچے بابا جی سرکار کے مرید تھے۔کیس بہت سنگین صورت اختیار کر چکا تھا۔اسی دوران انہوں نے آپ مدظلہُ العالی کی دعوت کی۔پہنچتے ہی محمد شفیع کی بیوی نے اپنا دوپٹہ آپ مدظلہُ العالی کے قدموں میں رکھ دیا کہ کرم نوازی فرماویں۔فلاں تاریخ کو پیشی ہے۔آپ مدظلہُ العالی کے بغیر ہمارا اور کوئی دُعا گو نہیں ہے۔اگر آپ اس دن محمد شفیع کے کپڑے لے جانے کی اجازت فرماویں تو ہمیں یقین ہے کہ وہ بری ہو جائے گا۔ایک دو مرتبہ آپ مدظلہُ العالی نے ٹال مٹول کیا آخر تنگ آ کر فرمایا اچھا تم کپڑے لے جاؤ خُدا مہربانی فرمائے گا۔چنانچہ مقررہ تاریخ پر محمد شفیع کی بیوی کپڑے لے گئی۔خدا کی قدرت سے پیش ہوتے ہی جج نے اُسے باعزت بری کر دیا۔آپ مدظلہُ العالی کی کرامت سے سب شام کو خوشی خوشی اپنے گھر کو لوٹے۔

(۵۹) یہ 1987ء کی بات ہے کہ صوفی عبدالکریم صاحب پٹواری کا چھوٹا بھائی گل محمد سخت بیمار ہو گیا۔سارا جسم اس قدر سوج گیا کہ مُنہ اور آنکھیں نظر نہ آتی تھیں۔صوفی صاحب اسے فوراً بھکر ہسپتال لے گئے۔مگر ڈاکٹروں نے اُسے لاعلاج کر دیا۔گھر واپس لاتے ہی بال بچوں نے اس کی نازک حالت دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔صوفی صاحب کہتے ہیں کہ اس عالمِ پریشانی میں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ بابا جی سرکار کے نعلین پاک گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔انہیں وسیلہ شفاء کیوں نہ بناؤں! چنانچہ مَیں نے نعلین پاک گود میں رکھ کر بنوں کی طرف منہ کر کے فریاد کی کہ مرشد! اب تیرے سوا کوئی وسیلہ نہ رہا۔مہربانی فرما کر اس غم کو خوشی میں بدل دیں۔یہ عرض کرنے کی دیر تھی کہ گل محمد اٹھ بیٹھا اور پیشاب کرنے کو روانہ ہوا۔ہم سب حیران کہ وہ بچہ، جو ظہر سے رات کے گیارہ بجے تک بے ہوش پڑا تھا، کیسے یکدم ٹھیک ہو گیا؟ یہاں تک کہ پیشاب سے جب واپس آیا تو روٹی مانگنے لگا۔گھر والوں نے خوشی خوشی روٹی کھلا دی حتیٰ کہ صبح تک اس قدر صحت یاب ہو گیا گویا کہ بیمار ہی نہیں تھا۔یہ سب مرشد کریم مدظلہُ العالی کی کرامت تھی کہ ایک لاعلاج مریض کو یکدم تندرست بنا دیا۔بعد میں جب ڈاکٹروں کو پتہ چلا تو اُنگشت بدنداں رہ گئے کہ اس بچے کو کسی غیبی قوّت نے بچا لیا۔وگرنہ بندوں کے

بس سے باہر کی بات تھی۔

(۶۰) علاقہ فورٹ منرو کے پہلے دورے پر جب آپ تشریف لائے۔تو ''ڈیمس'' کے سامنے ایک گھر میں شادی تھی جہاں آپ مدظلہُ العالی کو مدعو کیا گیا تھا۔حسبِ وعدہ دوپہر کا لنگر وہاں کھا کر جب واپس ہوئے تو سڑک تک پیدل روانہ ہوئے۔جب سامنے دیکھا تو برقعہ پہنے ایک عورت کوئی چیز اٹھائے روتی ہوئی آرہی ہے۔ایک مرد بھی اس کے ساتھ ہے۔جونہی حضرت صاحب کی نظر اُن پر پڑی فوراً آواز دی کہ بی بی جلدی میرے پاس آجاؤ۔آپ مدظلہُ العالی نے بھی قدم تیز کئے۔(ہم حیران! معلوم نہیں کہ کیا ماجرا ہے؟) چنانچہ عورت فوراً آپ مدظلہُ العالی کے سامنے آ گئی۔فرمایا بچی ہمارے سامنے کر دو۔(دراصل عورت اس لئے رو رہی تھی کہ اسکی بچی دَم توڑ چکی تھی) اتنے میں آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا بی بی! ڈریں مت آپ کی بچی زندہ ہے۔عورت کہنے لگی حضور! بچی تو کافی وقت سے ختم چکی ہے۔مگر آپ مدظلہُ العالی نے فرمایا بی بی صبر تو کرو۔پہلی بار آپ مدظلہُ العالی نے ذرا جلدی میں کچھ پڑھ کر بچی پر پھونک ماری تو بچی ہلنے لگی۔(باقی سب لوگ ذرا فاصلے پر کھڑے تھے۔بندہ بالکل قریب کھڑے دیکھ رہا تھا۔) جب دوسری مرتبہ کچھ پڑھ کر پھونک لگا دی تو بچی نے تھوڑی سی آواز نکالی اور ذرا آنکھیں بھی جھکائیں۔تیسری مرتبہ جب کچھ پڑھ کر پھونک لگا دی تو ایسی سخت آواز نکالی جس طرح کہ اس کے گلے میں کوئی چیز واپس آرہی ہو اور آنکھیں بالکل کھول کر حضرت صاحب کو ایسے گھور گھور کر دیکھنے لگی جس طرح کہ ایک سمجھدار اور واقف انسان کرتا ہے۔اس کے بعد آپ مدظلہُ العالی نے عورت اور اس کے خاوند کو مبارکباد دی کہ آپ کی بچی ختم تھی۔مگر خداوند کریم نے اس کی زندگی کو بچانا ہمارے ہاتھ لکھا تھا۔خداوند کریم کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ایک عورت روتی ہوئی آلِ رسول کے سامنے سے چلی جائے۔عورت اُسی وقت آپ مدظلہُ العالی کے قدموں میں گر کر دعائیں دینے لگی۔اس کے بعد ہم سب واپس بواٹہ آئے۔راستے میں آپ مدظلہُ العالی نے بتایا کہ اس بستی پر جنّات کا اس قدر شدید حملہ تھا کہ کوئی آدمی بھی ان کے ضرر سے محفوظ نہیں تھا۔ان کا سب جانی و مالی نقصان انہی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔مگر اب انشاءاللہ ہماری دعا سے ان کی گرفت ختم ہوگئی ہے۔

(حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخِ کامل کی تعریف میں سچ فرمایا کہ ''اَلشَّیخُ یُحیِی وَ یُمِیتُ'' یعنی شیخِ کامل کو خدا کی طرف سے یہ طاقت ودیعت کی جاتی ہے کہ خدائی اوصاف کی طرح وہ کسی کو زندہ بھی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے اور ایسے کئی واقعات اولوالعزم اولیاء کرام کی سیرت پاک سے ملتے ہیں۔خداوند کریم نے ہمارے شیخِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کو بھی اُن مشائخِ اسلام جیسی ظاہری و باطنی طاقت عطا کی ہوئی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں خدا کے حکم سے کر سکتے ہیں۔خداوند کریم ایسے کامل بزرگوں کا سایہ ہمارے سروں پر قیامت تک قائم رکھے۔آمین)

(۶۱) شروع شروع میں آپ مدظلہُ العالی کی پیری مریدی کا سلسلہ علاقہ ''تیرا'' (سرحد) میں بہت زیادہ تھا۔جہاں پشتون لوگ رہتے ہیں۔وہاں گل نبی نامی آپ مدظلہُ العالی کے ایک نہایت مخلص مرید تھے۔ایک دفعہ انہوں نے اپنے

گھر پر آپ مدظلہٗ العالی کی دعوت کی۔ جب آپ مدظلہٗ العالی وہاں پہنچے تو ان کا ایک لڑکا جو کافی دنوں سے بیمار تھا فوت ہو گیا۔ گل نبی نے چونکہ مرشد کی خوشی کا موقع تھا کافی لوگوں کو مدعو کیا ہوا تھا ایسی پریشان کُن بات کا ظاہر کرنا اچھا نہ سمجھا۔ بچے پر کپڑا ڈال کر گھر والوں کو تنبیہ کر دی کہ کوئی کسی کو فوتگی کی خبر نہ دے۔ پروگرام کے بعد تجہیز و تکفین کریں گے۔ چنانچہ پروگرام جب بخوشی اختتام کو پہنچا تو سب لوگ چلے گئے۔ حضرت صاحب بھی واپس روانہ ہو گئے۔ جب گھروں کے سامنے سے گزرنے لگے تو عورتوں کے رونے کی آواز سنائی دی۔ پوچھا گل نبی کیا بات ہے؟ اب گل نبی کو مجبوراً بتانا پڑا۔ ساتھ ہی ایک آدمی کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیسا پیر ہے؟ گھر پر رحمت کی بجائے مصیبت آ گئی۔ حضرت صاحب یہ بات سُن کر جلال میں آئے۔ فرمایا گل نبی! چلو آپ کے بچے کے پاس چلتے ہیں۔ جب وہاں پہنچے فرمایا یار! آپ کا بچہ تو زندہ ہے۔ مگر بیماری کی شدّت سے صرف بے ہوش ہو چکا ہے۔ آپ مدظلہٗ العالی اس پر ہاتھ رکھ کر دَم کرنے لگے۔ بچے نے ہلنا شروع کیا۔ چنانچہ تین دفعہ دَم کرنے کے بعد بچہ اٹھ بیٹھا۔ سارے گھرانے کی سوگواری خوشی میں بدل گئی اور آپ چل دیئے۔ وہ گستاخ آدمی اب بار بار معافی مانگتا تھا مگر آپ اس کی طرف توجہ نہ دیتے۔

؎ بستر لگا ہوا ہے جن کا تیری گلی میں　　　تخت سکندری پہ وہ تھوکتے نہیں

اس علاقے میں یہ آپ مدظلہٗ العالی کی ایک ضرب المثل کرامت ہے۔

(۶۲)　ایک مرتبہ آستانہ عالیہ لیّہ میں بندہ کو شرفِ قدم بوسی حاصل ہوا۔ مارچ کا مہینہ تھا عشاء کی نماز کے بعد قریب ہی گندم کی سبز فصلات کھڑی تھیں۔ آپ برائے طہارت دیہاتی ماحول کے مطابق فصلات میں چلے گئے۔ جب واپس آئے تو فرمایا ذرا بائیں ٹخنہ کے نیچے دیکھیں کوئی نشان ہے؟ بندہ نے جب دیکھا تو خون نکلا ہوا تھا۔ پوچھنے پر فرمایا کہ کھیت میں سانپ نے ڈس لیا۔ پاؤں ہلانے پر وہ بھاگ گیا۔ بندہ نے پریشان ہو کر عرض کی حضور! آواز دیتے ہم سانپ مار دیتے فرمایا بچہ ہم نے ساری زندگی کسی جاندار چیز کو نہیں مارا۔ تب مَیں نے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لئے عرض کی تو فرمایا بچہ! ہم پر کوئی بھی زہر اثر نہیں کر سکتا۔ آپ فکر نہ کریں اور نہ کسی ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہے۔ مَیں نے خاموشی اختیار کی حتیٰ کہ دو تین دن بندہ متواتر آپ مدظلہٗ العالی کے ساتھ رہا آپ پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا:

؎ ہر کہ افسوں داند از مارش چہ ضر　　　مار اُو را یار باشد بے خطر

(جو اسمِ اعظم جانتا ہو اُسے سانپ سے کوئی خطرہ نہیں بلکہ اُس کیلئے بے ضرر دوست ہے)

(۶۳)　حاجی محمد اسماعیل صاحب زرگر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سالانہ پروگرام سخی سرور حاضر خدمت ہوا۔ بعد نمازِ عشاء فوراً یہ ذکر شروع فرمایا۔ ''اَللّٰـہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوَ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ'' آٹھ دس منٹ بعد ذکر ختم کر کے جب دعا فرمائی تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا حاجی صاحب! نماز کے فوراً بعد ہاتف غیبی نے اللہ کی طرف سے حکم فرمایا کہ شاہ صاحب یہ ذکر فرماؤ (اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ ھُوَ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ)

(۶۴) عبدالشکور صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آستانہ عالیہ لیّہ میں حاضر خدمت ہوا۔ آپ مدظلہُ العالی نے نمازِ مغرب کی امامت فرمانے کے بعد سلام پھیرتے ہی صوفی عبدالکریم صاحب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ صبح کے ختم خواجگان کے ساتھ آخر میں "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّا مِنَ الْخَاسِرِيْنَ" پڑھا کریں۔ ابھی نماز میں مجھے حکم ہوا ہے۔ چنانچہ اس دن سے ختم خواجگان میں اِن دُعائیہ الفاظ کا اضافہ چلا آرہا ہے۔

نوٹ: مزید کرامات دیکھنے کیلئے دیکھئے! رودادِ بارتھی تتمہ نمبر 1 میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقر محمود است مقصود بشر
الحذر از فقر مذموم الحذر
(اقبالؒ)

(خبردار! بنی نوع انسان کا مقصد فقرِ محمدیؐ ہے۔ فقر غیر شرعی سے خدا بچائے۔)

ضمیمہ

''تجدید فقر''

الموسوم بہ

آداب المشائخ والمریدین

بارگاہِ پیرکامل

ے کعبۃُ العشاق باشد ایں مقام
ہر کہ ناقص آمد اینجا شد تمام

(رومیؒ)

(آستانۂ مرشد عاشقین کا کعبہ ہے۔اس جگہ جو ناقص آیا کامل بن گیا۔)

☆☆☆☆

کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں چھٹّے ھُو
نال نگاہ دے پاک کریندا وچ سجے صبون نہ گھتّے ھُو
مَیلیاں نوں کر دیندا چٹّا وِچ ذرا میل نہ رکھے ھُو
ایسا مرشد ہووے باھوؔ جیہڑا لُوں لُوں دے وچ وَسے ھُو

(سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ)

(الف)

آداب واوصاف المشائخ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

خالقِ حقیقی جل جلالہٗ کا فرمان ہے:

"لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ج وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ" (آل عمران: 164)

(بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ اُن میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔)

اِس فریضہ کی انجام دہی کے لئے ہر زمانے میں خُداوند کریم اپنے برگزیدہ نبیوں یا ولیوں سے کام لیتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ سیّدُ المُرسلین اور خَاتَم النَّبِیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بابِ نبوّت تو بند ہو گیا مگر بابِ ولایت کھلا ہوا ہے جب تک کہ روئے زمین پر ایک انسان کیوں نہ ہو۔

چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد یہ فریضۂ تبلیغ ورُشد وہدایت اولیاء کرام کے سپرد ہوا، جو کہ تعلیمات انبیاء اور باطنی فیضان نبوّت کے عملی پیکر اور اس کارِعظیم یعنی تذکیہ نفوس وکتاب وحکمت کی تعلیم کے علم بردار ہیں۔ خدا کا یہ احسان ہم پر اس دور میں بھی بحال ہے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَلشَّیۡخُ فِیۡ قَوۡمِہٖ کَالنَّبِیُّ فِیۡ اُمَّتِہٖ" (کنز العمال) یعنی ایک شیخِ کامل کی اپنی قوم میں وہی اہمیت ہے جو ایک نبی کی اہمیت اپنی امّت میں ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ یہ لوگ بھی انہی خصوصیات، اخلاقِ حسنہ کے عملی پیکر اور نظرِ کیمیا ساز کے مالک ہیں۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح مومنوں کے لئے انتہائی حریص، رات دن اصلاحِ خلق کے لئے سرگرداں اور یادِ الٰہی میں غرق ہیں۔ قرآن کریم نے ایسوں کا ساتھ دینے کا حکم فرمایا۔ "وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَہٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُم" (الکھف: 28) (اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو (ان کی صحبت اختیار کرو) جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر کسی اور پر نہ پڑیں۔)

یعنی ان کی ظاہری نشانی یہ ہوگی کہ وہ اپنے رب کی رضا کیلئے دن رات اللہ اللہ کرنے میں گزارتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَاتَّبِعۡ سَبِیۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَیَّ" (لقمان: 15) "اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔"

خدایا! ان کی صحبت میں بیٹھ کر ان کا دیدار کرنے سے کیا فائدہ ملے گا۔ خدا خود جواب دیتا ہے کہ تم پر ان کی نگاہِ خاراشگاف پڑنے سے تمہارے دل نرم ہو کر میری یاد میں آجائیں گے۔ "ثُمَّ تَلِیۡنُ جُلُوۡدُھُمۡ وَقُلُوۡبُھُمۡ اِلٰی ذِکۡرِ

اللّٰہِ" (زمر:23) ''پھر اُن کی کھالیں اور دل (مکمّل مزکیّٰ ہوکر) نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں۔''

ہمارے نزدیک پیرِ کامل کا یہی اصل مقصد ہے کہ وہ مردہ دلوں کو زندہ کرے۔ خود ہدایت یافتہ ہو۔ دوسروں کو راہِ ہدایت پہ لائے۔ اپنی تقدیر سنوار چکا ہو دوسروں کی تقدیر سنوارے۔ اپنا تزکیہ نفس کر چکا ہو۔ دوسروں کا تذکیہ نفس کرے۔ خود مجاہدے کر چکا ہو دوسروں کو مجاہد بنائے۔ خود مشاہدۂ حق کر چکا ہو۔ دوسروں کو مشاہدۂ رب کرائے۔ خود مرید بن کر خدمت کی کسوٹی پر پرکھا جا چکا ہو اب دوسروں کو مرید بنا کر ان کی تربیت ظاہر و باطن کرے۔ اب ہم تفصیل کے ساتھ ایسے صاحب طریقت پیرِ کامل کے اوصاف بیان کریں گے تاکہ عوام النّاس ایسے لوگوں کو پہچان کر ان سے فیوض وبرکات حاصل کرسکیں۔

لفظ مرشد ''رُشد'' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہدایت کے ہیں۔ رُشد کا فاعل مُرشد ہے۔ جس کے معنی ہدایت دینے والا۔ مقامِ بقا پہ فائز صاحبِ ارشاد و تلقین (قطب ارشاد) کو مرشدِ کامل اور پیرِ کامل کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ ''پیر'' فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معانی بوڑھے کے ہیں۔ مگر اصطلاحِ اخلاق و تصوف میں جو معرفت الٰہی میں کامل تجربہ رکھتا ہو۔ مثال مشہور ہے کہ بزرگی بہ عقل است نہ بسال۔ لہٰذا جو صاحبِ فہم و فراست انسان طالبان خدا کی مکمّل رہبری کرسکتا ہو اسے پیرِ کامل کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تبلیغِ دین اور اصلاحِ نفوس صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جو فنا اور مقامِ وحدتُ الوجود سے آگے بقا اور مقامِ وحدت الشہو د پہ آچکا ہو۔ اگر کوئی عام آدمی یہ کام کرے تو بجائے فائدہ کے خود نقصان اٹھاتا ہے اور مخلوق کو بھی فسادِ عقیدہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ مقامِ وحدت الوجود پہ فائز بزرگ بھی فریضۂ تبلیغ ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں ابھی تک شریعت کی پختگی نہیں ہے۔ صاحبِ سُکر کو اپنی جان کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ وحدت الشہو د پہ فائز چونکہ شریعت میں مکمّل پختگی حاصل کرلیتا ہے اور صاحبِ صحو ہوجاتا ہے۔ اپنی جان کو بھی کافی اور جہاں کو بھی کافی ہوتا ہے۔ اس لئے تبلیغ کرنا صرف اس کے شایانِ شان ہے اور بس

؎ رہنمائی لائق آں کامل است کز خودی فانی بجاناں واصل است (رومیؒ)

(وہ کامل انسان لوگوں کی رہنمائی کرنے کے قابل ہے جو اپنی خودی سے گزر کر (وحدتُ الشہو د پہ فائز) واصل بحق صاحب بقا ہو چکا ہو۔)

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرشدِ کامل زُہد فی الزُّہد کے مقام پر ہوتا ہے۔ کیونکہ مخلوق خدا کی دی ہوئی چیز دوبارہ مخلوق پر خرچ کرتا ہے۔ نیز شیخ منتہی کی خواہشات مرجاتی ہیں۔ صرف روح اور روحانی تمنائیں باقی رہ جاتی ہیں۔ اس لئے ان کیلئے جلوت وخلوت دونوں برابر ہوجاتے ہیں۔ سیّدُ الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منتہی المراد شیخ کامل ایک مرتبہ تو سب ظاہری اسباب کاٹ کر نفس کو فنا کے گھاٹ اتارتا ہے۔ مگر پھر جب عوام

النّاس کی اصلاح پر اترتا ہے تو دوبارہ لوگوں کی تالیفِ قلوب کیلئے اسباب کا پابند ہوجاتا ہے۔(ہمارے مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کے معمولات سے یہ بات واضح طور پر نظر آتی ہے۔) اختیارِ اسباب یا ترکِ اسباب کا پھر بھی اُنہیں اختیار دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی طرح اختیار اسباب کریں یا ترک اسباب۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس جب مجاہدات کے ذریعے مغلوب ہوجائے تو قلب کے ساتھ خاص نسبت حاصل کرتا ہے جس طرح کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اَسۡلَمَ شَیۡطَانِیۡ'' یعنی میرے نفس نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ وہ بھی میرے ساتھ ساتھ تبلیغ کرتا ہے۔ اس لئے شیخِ کامل کی نشانی بھی اس کے نفس وقلب کی دوستی ہے۔ جو اصل درجہ مشیخیّت ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ شیخ اس قدر خوش اخلاق اور صاحبِ ایثار ہو کہ اپنے حصہ تعظیم سے بھی دست بردار ہوجائے۔ اس لئے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ مقتدا چوں در ریاضت قائم است   تابعش را میل طاعت دائم است

(مرشد ہی جب مجاہدہ و ریاضت پر سختی سے پابند ہے تو مرید کی طبیعت بھی ہر وقت عبادتِ الٰہی کی طرف مرکوز رہتی ہے۔)

مرشدِ کامل اپنے ایک پیروکار مرید کے لطائف ورذائلِ اخلاق کو یوں حکمت و دانائی سے بدلتا ہے کہ وجود بھی برقرار رہے اور مقصد بھی حاصل ہو۔ اس کی مثال ایک چشمے کی ہے کہ ایک چشمے کو ختم کرتا ہے جو کہ غیر فطری فعل ہے۔ دوسرا چشمے کے پانی سے استفادہ کرنے کیلئے بند تو بار بار بناتا ہے مگر پھر بھی بند ٹوٹ جاتا ہے کہ پیچھے چشمے کا پانی نہایت زور شور سے آرہا ہے۔ تیسرا چشمے کے سیلابی پانی کو صاف وشفاف کر کے مختلف متعدد بندوں کے ذریعے دُور دُور تک مختلف علاقوں کی طرف دہانیں بنا کر چھوڑ دیتا ہے، جو کئی غیر آباد اور بنجر زمینوں کو جا کر زرخیزی بخشتا ہے۔ گویا کہ وہ اس پانی کو تعمیری اور خدمتِ خلق میں لگا کے چھوڑتا ہے۔ چشمہ بھی اگلتا رہے اور آگے کسی کو نقصان کی بجائے مالا مال بھی کرتا رہے۔ یہ تیسرا بند باندھنے والا مریدِ کامل ہے کیونکہ اس کا مرشد کامل ہے جو اپنی باطنی فیض رسانی سے نفس مرید کو سُدھار کر راہِ راست پہ لایا ہے۔

علومِ تصوّف کی روشنی میں ایک مرشدِ کامل اپنے ایک مرید کی تربیت تین مرحلہ وار درجوں میں کرتا ہے۔ بشرطیکہ مرید صاحبِ استقامت اور صاحبِ عقیدہ ہو۔ پہلے پہل وہ اسے خیر وشر (عقیدہ حق و باطل ومسائل طریقت) میں امتیاز کر کے دکھاتا ہے تا کہ پہلے راہ سلوک پر اس کا قدم آجائے۔ دوسرا ہدایتِ خاص کا درجہ ہے کہ مرشد حسبِ استعداد مرید کو مجاہدۂ نفس کا حکم دیتا ہے۔ یہاں پر راہ طلب میں اس کی یہ حالت ہوتی ہے، جس طرح کہ راہ گیر کو دُور سے اپنی منزل کی روشنی دکھائی دے اور وہ اس (مطلوب) تک پہنچنے کیلئے اپنے قدم اور تیز کر دے۔ تیسرا ہدایت خاص الخاص کا درجہ ہے کہ یہاں مرید کو ایک تو صرف مرشد کی خاص نگاہِ باطن اور دوسری رحمتِ ایزدی کی ضرورت ہے کہ اُسے سینے کی روشنی اور معرفتِ خاص حاصل ہو۔ یہ مقامِ عقل نہیں بلکہ مقامِ عشق ہے۔ اگر مرشد چاہے تو ایک ہی نگاہ سے قسمت سنوار دے۔ لیکن ''ایں سعادت بزورِ بازو نیست'' (یہ زورِ بازو کا کام نہیں) شیخ ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجاہدہ! بچوں کا کھیل اور

مشاہدہ! مردانِ حق کی معرکہ گاہ ہے۔(زہے قسمت) ان مقامات میں طالبِ صادق کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ جس طرح کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''ایک ایسا وقت تھا کہ اہلِ آسمان اور ساکنانِ زمین میری عالمِ حیرت پر گریاں تھے۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ مجھے ان کی غَیبَتْ (مجبوری و بےبسی) پر رونا پڑا اور اب تو یہ عالم ہے کہ نہ مجھے زمین و آسمان کی خبر ہے اور نہ اپنا پتہ۔''

(ا) تربیتِ مُرید کا قُرآنی نظریہ

ارشاد ربِّ ذُوالجلال ہے۔ '' اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً '' (نمل: 34) ''بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اُسے تباہ کرتے ہیں اور اس کی عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں۔'' اس آیہ کریمہ کی عالمانہ تفسیر تو ظاہری ترجمہ کے مطابق ہے مگر اس کی باطنی اور صوفیانہ تفسیر یہ ہے کہ جب ایک شہنشاہِ معرفت، مرشدِ کامل کی نگاہِ خاراشگاف ایک طالبِ خدا مرید صادق پر پڑتی ہے تو اس کے وجود میں موجود حکومتِ دل و دماغ کا پہلا سارا بے ربط نظام اور نفسانی بے راہروی کو تہہ و بالا کر دیتی ہے۔ اندورنی خیالات و تصوّرات بدلنے کے علاوہ یہاں تک کہ ظاہری جسم کے بھی تمام تر مفاسد اور خونِ حرام تک کو ختم کر کے نیا جسمِ سلیم اور خونِ حلال مہیا کر کے ایک نیا نظام عدل و انصاف جو کہ احکام الٰہی کے عین مطابق ہو جاری کرتا ہے۔ دنیاوی نام و ننگ، غرور و تکبّر اور عارضی عزت و جاہ کو ختم کر کے عزتِ دوام اور حیاتِ بقا جو خدا کی طرف سے مقرر ہے عنایت کرتا ہے گویا کہ ولی کامل نے طالب مولیٰ کے نفس امّارہ کو مطیع کر کے راہ راست پر لگا دیا ہے۔ لہٰذا اب نفسِ مطمئنہ کے توسط سے ایک نئی اسلامی اور منظّم تعمیری حکومت نے جنم لیا۔ جبکہ پہلے غلط نظامِ حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں عارف صوفیّت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ ہر بنائے کُہنہ کآباد آں کُنند   اوّل آں بنیاد را ویراں کُنند

(جو بھی کسی پرانے مکان کو از سرِّ نو آباد کرنا چاہے تو پہلے اس کی بنیادوں تک کو اکھاڑ ڈالتا ہے۔)

علاّمہ اقبالؒ بھی اسی ہی تعمیر نو کے خواہاں اور پیر رومیؒ کے ہمنوا ہیں کہتے ہیں۔

؎ گفت رومیؒ ہر بنائے کہنہ کہ آباد آں کنند   می ندانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند

''کیا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں فرمایا کہ تعمیر نو کیلئے پرانی بنیادوں کا مکمّل خاتمہ کرنا پڑتا ہے۔ تب ایک نظامِ راست وجود میں آسکتا ہے۔ جو خود بھی حق اور عوام کو بھی حق فراہم کرتا ہے۔ اسے ہم ایک مستقل اور کامیاب حکومت کہہ سکتے ہیں۔''

یہ اصولِ فطرت ہے کہ ایک حسّاس انسان بےغم اور بےخوف اس وقت ہو جاتا ہے جب وہ اپنا دشمن ختم کر کے اس کے شر سے مکمّل مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کا دشمن اس کے اپنے اندر موجود نفس امّارہ تھا۔ اب جبکہ اس نے اس

مارِ آستیں اور اندرونی دشمن کو ایک مردِ کامل کی اعانت اور خداداد ہمت سے مغلوب کر کے مسلمان بنا دیا ہے۔ یہی مقامِ مطمئنہ ہے(آپ ﷺ کی غار حرا کی زندگی اسی مقصد کو واضح کرتی ہے)

اب وہ (فاتح نفس) قابل داد ہے۔ مولانا اس فاتحِ نفس کو اب دوامی چین واطمینان کی خوشخبری سناتے ہیں۔

؎ نفس کُشتی باز رَستی ز اعتزار　　کس تُرا دشمن نماند اندر دَیار

(تُو نے نفس کو ختم کر کے ہر قسم کے اندرونی و بیرونی خطرات سے مکمّل امان حاصل کر لی ہے۔ اب اس دنیا میں تیرا کوئی دشمن باقی نہیں رہا۔ یہ ابدالآباد تاج وتخت مبارک ہو)

یہاں سے مرید کے پاک جسم کی بالیدگی شروع ہو جاتی ہے۔ اب شیر خوارگی سے لے کر بڑھاپے تک اس کی حقیقی عمر کا آغاز ہوگا۔ مجازی عمر میں پہلے اگرچہ بوڑھا ہی کیوں نہ تھا۔ ہمت کے مطابق اب اس کی عمر چاہے ابدالیّت ،قطبیّت یا غوثیّت پر جا کر ختم ہو۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس کی پاک جسم کی بالیدگی پر شجرِ معرفت اور علومِ لدُنی کی بھی پنیری لگ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ پودا وقت کے ساتھ ساتھ پورا تناور درخت بن کر مکمّل بار آور ہونا شروع ہو جائے گا۔

؎ جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی　　کھُلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی　(اقبالؒ)

چنانچہ اس قیامت خیز تبدیلی سے مرید کا جسم بھی پاک ہو گیا اور ساتھ ساتھ قلب ونگاہ کی تختی بھی صاف وشفاف ہو گئی۔ اب مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس لوح کے استفادہ کیلئے قلم اور قلم کار کی ضرورت پیش کرتے ہیں۔

؎ لوح را اوّل بشوئید بے وقوف　　وانگہے بَروَئے نویسد او حروف

(اے ناسمجھ انسان! پہلے اپنی لوح دل کی کدورتوں کو دھولے۔ تب مرشدِ کامل اس صاف تختی پر حروفِ غیب (لوح محفوظ) کی گُلکاری کرے گا۔) وہ تحریر ازل سے ابد تک کے تمام تر حقائق پر محیط ہوگی۔ مولاناؒ مزید فرماتے ہیں:

؎ تا اُبد ہر نقش نو کہ آمد برو　　بے حجابے می نماید رُو برو

(قیامت تک جو حادثۂ نَو ! رونما ہونے والا ہے بےحجاب اس میں دکھائی دے گا)

اس حقائق کے سمندر میں یہ مادی اور سائنسی دنیا ایک حُباب کی سی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ بالفاظ دیگر ایسے انسان کے دل میں خدا کی ذات آ کر جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایسے پاک وصاف قلبِ مومن کو عرش اللہ کہا گیا ہے۔ یہ عظیم معرکہ سر کرنا ایک مبتدی اور ناقص انسان کی اپنی طاقت سے باہر تھا۔ مگر اس پر ایک مردِ کامل کی مہربانی اور خدا کا خاص رحم ہوا ہے۔ خدا کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی بات کا خدا کی بارگاہ میں اقرار کیا۔ کہ "اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ "(یوسف: 53) (بےشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔)

(اس حقیقت کا عملی ثبوت مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی محفل جانگداز میں موجود ہے۔ کوئی اس سے پوچھے جسے باریابی ہوئی ہو وگرنہ خود آ کر مشاہدہ کرے)

؎ آنکھ والا ترے جوبن کا تماشہ دیکھے ‌ ‌ ‌ ‌ دیدہ کو رکو کیا آئے نظر کیا دیکھے

ایک شک کا ازالہ: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس پر اتنا ظلم وتشدّد کیوں روا رکھا گیا ہے۔ حالانکہ انسان پر اس کے اپنے نفس کے بھی حقوق ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس مشکل اور پیچیدہ مسئلے کا ایک مختصر اور مُدلّل جواب دیکر سائل کو مطمئن کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ فاسق وفاجر اور کفار ومشرکین کو پیدا بھی خدا نے کیا ہے مگر راہِ حق کے انکار پر پھر یہاں تک حکم بھی خود دے دیا ہے کہ اُنہیں جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ کیونکہ انہوں نے قبولِ حق سے انکار کیا ہے۔ بالکل اسی طرح نفس کو پیدا بھی اسی نے کیا۔ اب راہِ راست سے بھٹکنے اور نافرمانی کی وجہ سے اس پر ظلم وتشدد کرنے اور اس کی سرزنش کرنے کا حکم بھی وہ خود دے رہے ہیں کہ یہ میرا دشمن ہے۔ اس کی تذلیل کر کے اسے رام کرو۔ لہٰذا سالکِ حق بجانب رہا۔ اب گفت مولائے رومؒ ملاحظہ ہو۔

؎ امر حق راہم بامرِ حق شِکن ‌ ‌ ‌ ‌ بر زُجاجِ دوست سنگِ دوست زن

(اے مسلمان! اللہ کے حکم کو اللہ ہی کے حکم سے (مثل ناسخ ومنسوخ) توڑ دے۔ دوست کے شیشے پر دوست ہی کا دیا ہوا پتھر مار دے اور یہ جائز ہے) کیونکہ "اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ"

(۲) تربیتِ مرید کا صوفیانہ نظریہ

پیر کامل کا قلب شیطانی ونفسانی وساوس سے بالکل پاک وصاف ہوتا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو روحیں ریاضات ومجاہدات کی وجہ سے صاف ہوجاتی ہیں، وہ خدا کی رحمت خاص سے سماوی روحوں اور سماوی قلوب میں شامل ہوجاتی ہیں۔ جس طرح کہ آسمان شیطانی تصرّف سے محفوظ ہے اسی طرح وہ قلوب بھی شیطانی تصرّف سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ جب عرش پر متمکّن ہوجاتے ہیں تو خصائص نفسانیہ سے بھی مکمّل مُنزّہ ہوجاتے ہیں۔ تاریکیاں نُور میں اس طرح بدل جاتی ہیں جس طرح کہ رات دن میں مدغم ہوجاتی ہے۔ ان کے قلوب مثل آئینہ صاف ہوکر اوپر سے لوحِ محفوظ کا عکس قبول کر لیتے ہیں اور نیچے سے تحت الثریٰ کا۔ اقبالؒ نے خوب کہا ہے:

؎ زمین و آسمان و کُرسی و عرش ‌ ‌ ‌ ‌ خُودی کی زد میں ہے ساری خُدائی

ازروئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "اَلشَّیْخُ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ" یعنی شیخ کامل کو خداوند کریم یہ طاقت بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ کسی مُردہ کو زندہ کرے اور کسی زندہ کو مار دے۔ (لفظ "شیخ" کے لغوی معانی بھی مردہ ہڈیوں کو زندہ کرنے کے ہیں) حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مردہ مرید کی روح چوتھے آسمان سے واپس لوٹائی تھی۔ نیز حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ پیرِ کامل جب فقر میں کامل ہوجائے تو اس میں یہ خاصیّت بھی آجاتی ہے کہ اگر وہ کسی مُردہ پر پھونک مار دے تو وہ فوراً زندہ ہوجاتا ہے۔

صوفیاء کا مقولہ ہے۔ "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّاٰتُ الْمُقَرَّبِیْن" یعنی ابتدائی سالکین کی نیکیاں منتہی سالکین

کیلئے گناہوں کے درجے میں ہیں۔ ایک کامل فقیر کیلئے مبتدی کی طرح خلوت گزین ہوکر ہر وقت نوافل وعبادت میں مصروف رہنا ناجائز بات ہے کیونکہ اس کا کام اب خانقاہ میں بیٹھنا نہیں بلکہ اصلاحِ خُلق کرنا ہے۔ یعنی اس کے خِلوت کا وقت نہیں جلوت کا وقت ہے۔

ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبّیریؑ (اقبالؒ)

مُنتہی المراد اپنی تہذیب نفس کے مرحلے سے گزر چکا ہے۔ اب اس کیلئے تہذیب واصلاحِ خَلق کا وقت ہے۔ اگر اب بھی وہ کُنجِ خانقاہ میں بیٹھے تو یہ اس کیلئے بجائے ثواب کے گناہ کی بات ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہ شمار ہوئے۔ حضرت شیخ فریدالدّین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیرِ کامل کو حُسن وصفا کا مرکز ہونا چاہئے۔ تاکہ انسان دیکھتے ہی حُسنِ عقیدت میں آکر گرویدہ ہوجائے۔ جس طرح کہ ہمارے مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کا چہرۂ انور دیکھتے ہی لوگ پکار اٹھتے ہیں کہ یہ واقعی خدا کے دوست ہیں۔ مرشدِ کامل کے چہرے پر نُو رِ ایمان اس طرح چمکتا ہے کہ دوسرا دیکھتے ہی کشش محسوس کرتا ہے یعنی اس کا چہرہ اس کے نُو رِ ایمان کی گواہی دیتا ہے نیز از روئے حدیث "اَذَا رُئُوا ذُکِرَاللّٰه" ولی کامل کو جب دیکھے خدا یاد آئے۔

؎ احمدؐ خوئے کہ عالم بندہ اُوست یوسفؑ رُوئے کہ مہ شرمندہ اُوست

(میرے مرشد کے اخلاق وعادات احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے ہیں۔ جس کی وجہ سے ساری دنیا اس کی غلام ہے اور ان کا چہرہ حُسنِ یوسفؑ کا بدل ہے کہ اس کی نور افشانی کے سامنے چاند بھی شرمندہ ہوجائے)

اسی بنا پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کا دل نُو رِ ایمان سے منور ہوگیا۔ جس کی وجہ سے ان کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا ہے۔ مرشدِ کامل کا اخلاق جس قدر اعلیٰ وارفع ہوگا اس قدر اس کا ظاہری حُسن نکھرے گا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ خدایا! میری باطنی خلقت کی طرح میرا اخلاق بھی خوبصورت بنادے۔ اس لئے ظاہر، باطن کا مظہر ہوتا ہے۔ فقراءِ کاملین نے یہاں تک کہہ دیا ہے۔

؎ خواہی کہ خُدا بینی در چہرۂ من بنگر من آئینہ اویم او نیست جدا از من

(تُو اگر خدا دیکھنا چاہے تو میرے چہرے کی طرف دیکھ کیونکہ مَیں اس کے حُسنِ بے پایاں کا شیشہ ہوں۔ اور وہ مجھ سے جدا نہیں ہے)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی اللّٰہ کی پہچان اس کے چہرے کی شگفتگی ہے۔ کیونکہ چہرۂ مومن پر انوارِ قلب کا انعکاس ہوتا ہے۔ نیز روح کا نور، قلب پر اور قلب کا نور، چہرے پر ظاہر ہوتا ہے۔

اُمتِ محمّدیہ کے پیرِ کامل (غوث زماں) کی تبلیغ کسی ایک علاقے کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ وہ جہاں جائے ہادی ہی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کو کَافَّةً لِّلنَّاس فرمایا گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ہر دور کے

غوث زماں کی تبلیغ بھی ساری دنیا کیلئے ہوتی ہے۔ کیونکہ سارا نظامِ عالم اس کے تصرّفات باطنی کے ذریعے چل رہا ہوتا ہے۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اگر شیخ کامل کہہ دے کہ ابھی ابھی بیک وقت میں چار مختلف جگہوں پر سے ہو کر آیا ہوں تو اُس نے بالکل سچ کہا ہے۔

؎ اولیاء را داد قدرت کردگار　　　خویشتن را جسم سازند صد ہزار (رومیؒ)

(اولیاءِ عظّام کو خداوند کریم نے یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بیک وقت لاکھوں جگہ موجود کر سکتے ہیں۔)

صوفیاءِ کرام کا فرمان ہے کہ پیر کیلئے کم از کم کشفِ قلوب کا ہونا لازمی ہے تا کہ ہر آنے والے کے ارادے سے واقفیت حاصل کر کے اس سے حسبِ حال سلوک کر سکے۔ دھوکہ اور شُبہ کا شکار نہ ہو جائے۔ کیونکہ فقر میں دھوکہ اور تخمین وظن کا گزر ہی نہیں۔ شیخ فریدُ الدّین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر ہر حاضر ہونے والے کے دل کی تہہ تک پہنچتا ہو اور اس کی خامیوں کو فیضِ نگاہ سے دُور کر سکتا ہو۔ تب پیر کہلانے کا مستحق ہے۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیرِ کامل کے ساتھ جو بھی لگ جاتا ہے۔ فائدہ ہی اٹھاتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاءالدّین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ ''ہر اس شخص، جس نے میرا جوتا سیدھا کیا قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔''

پیر اگر مخلوق کی اپنی طرف بے انتہا توجہ اور ہجوم دیکھے تو اسے خدا کی طرف سے ایک امتحان سمجھے۔ ان کے ہر ناشائستہ قول و فعل سے چشم پوشی کر کے ان کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آئے۔ شکر کر کے اپنے نفس کو یوں سمجھائے کہ آخر کار وہ بھی تیری طرح خدا کی مخلوق ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے انہیں تیرا مفت کا خدمت گار بنا دیا ہے اس لئے ہر لحاظ سے ان کا فائدہ ہو کسی کا کوئی نقصان یا دل آزاری نہ ہو۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ولی اللہ باغ میں آئے اور پتّے پتّے سے یہ آواز سُنے ''یا ولی اللہ، یا ولی اللہ'' تب بھی اپنے ظاہر و باطن کو ان کی طرف متوجّہ نہ کرے۔ بلکہ بندگی و تضرّع (عجز وزاری) اپنائے۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا براہِ راست نقشِ قدم ہے کہ ایک طرف تو حجر و شجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود پڑھیں اور دوسری طرف پاؤں میں چھالے پڑنے پر یہ فرما دیں کہ ''کیا مَیں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

پیر کیلئے خاص کر اِس پُرفتن دور میں جو بھی اپنا ہو یا غیر اس کی حیثیت کے مطابق اُس پر توجّہ دے۔ جو بھی قابلِ حل مقصد لے کے آئے اُسے حل کرنے کی کماحقہٗ کوشش کرے۔ چیں بہ جبیں ہرگز نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملاقاتیوں کیلئے خاص اخلاق کا حکم فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ مخلوق خدا کے حکم سے اس کے پاس آ رہی ہے۔ تو خدا کے حکم کا ادب کرنا اور لحاظ رکھنا فقیر کیلئے لازم ہے۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی اس معاملے میں بہت ہی آگے ہیں۔ اپنے آرام و سکون کا زیارتیوں کے مقابلے میں کچھ بھی خیال نہیں کرتے۔ بلکہ مقامِ ایثار و احسان پر فائز اپنے آرام کے لمحات بھی ان پر نچھاور کرتے ہیں۔ اپنے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار تک نہیں آنے دیتے۔ خداوند کریم سب اہلِ طریقت کو یہ مقام نصیب فرماوے۔ آمین۔

حضرت شیخ فریدالدّین گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات مَیں دن میں دَس دَس قمیص تبدیل کرتا تھا۔ کیونکہ سلطان ناصرالدّین کی رعایا خدا اُن پر اپنا خاص رحم فرمائے، فقیر پر اس قدر یقین کامل رکھتے کہ میری قمیص پارہ پارہ کر کے بطورِ تبرک لے جایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مَیں کئی دِنوں متواتر مسند پر بیٹھتا کہ مخلوقِ خدا کی دلآزاری نہ ہو۔ یہی ہمارے فقراء سلف کا معمول رہا ہے۔ خدا ان پر رحم فرمائے۔ گنج شکرؒ مزید فرماتے ہیں کہ شیخ مخلوق کی حاجات اور ملاقات کیلئے اپنے اَوراد مؤخر کرے۔ کیونکہ ضرورت مند کی بات سُننا سنّت ہے اور اَوراد و وَظائف نفل ہیں۔ حضرت خواجہ شمعون محبّؒ فرماتے ہیں ''عرشِ الٰہی (دلِ مومن) کا خیال رکھنا ولی اللہ کے اوّلین فرائض سے ہے'' حضرت غوثِ اعظم پیرِ دستگیرؒ نے پیر کیلئے ایک زوایہ عمل پیش فرمایا ہے کہ ''کُنْ مَعَ الْحَقِّ بِلَا خَلْقٍ وَ مَعَ الْخَلْقِ بِلَا نَفْسٍ'' یعنی جب خدا کا معاملہ ہو تو مخلوق کو حائل نہ کرے اور جب مخلوق کے ساتھ معاملہ ہو تو اپنے نفس کو حائل نہ کرے۔

اس لئے ظاہری طور پر کوئی جس قدر بھی خراب کیوں نہ ہو جب للّٰہ فی اللّٰہ چل کر زیارت کیلئے آئے تو اسے گلے لگائے اور اخلاق مردانہ دے۔ کیا معلوم کہ اس کی قسمت میں تیری ملاقات سے ہدایت لکھ دی گئی ہو۔ فرمان صوفیاء ہے۔

؎ صد سُفرہ بہ دُشمن کشد طالبِ مقصود   باشد کہ یکے دوست بیاید بہ ضیافت

(معرفتِ الٰہی پر نظر رکھنے والا اپنے دشمن کو بھی سینکڑوں پیشکشیں کرتا ہے کہ شاید وہ ایک دن دوست بن کر اس کی دعوت قبول کر لے اور خُدا کی دوستی میں آجائے۔) ہر وقت خاص کر عام مریدین کے سامنے اپنے ہر معاملے میں شرعی احتیاط برتے۔ اگر وہ اپنے نفس کو قابو نہیں کر سکتا تو دوسروں کی تربیتِ نفس کیسے کر سکے گا۔ اسی تہذیبِ نفس کی بنیاد پر اُسے یہ مقامِ خاص خدا کی بارگاہ سے عطا ہوا ہے۔ وگرنہ عوام اور پیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

؎ بہ تسخیر خود افتادی اگر طاق   تُرا آساں شود تسخیرِ آفاق (اقبالؒ)

(تُو اگر اپنے نفس کو کماحقہٗ تابع کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر ساری دنیا کو تابع کرنا ترے لئے کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔)

ہمارے مرشدِ کریم مدظلہٗ العالی اپنے دوستوں کو ہاتھ کی پیالی اور اپنے حصے کا کھانا تک پیش کر دیتے۔ خود صبر کرتے ہیں یا پھر نمک سے روٹی کھانا شروع کرتے ہیں۔

؎ رہبرِ راہِ طریقت آں بود   کو بَاَحکام شریعت می رود (رومیؒ)

(راہِ طریقت کا پیش رَو وہ ہو سکتا ہے جو احکامِ شریعت کا مکمّل پابند ہو)

مرشد چونکہ رذائلِ اخلاق سے پاک اور عیوبِ نفس سے مُبرّا ہوتا ہے۔ ایسی باتوں کا سرزد ہونا بھی اس سے محال ہے۔ وہ تو خود انہی باتوں کا مصلح ہے۔ ایسی باتیں مریدین اور عام لوگوں میں موجود ہوتی ہیں اور وہ قابلِ اصلاح ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ عام لوگوں کا خاصہ ہے خواص کا نہیں۔ جبکہ مرشد کا مقام تمام عیوب سے بالا سیرتِ پیغمبری ﷺ کا مقام ہے۔ بقول حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ:

؎ کند در سینہ گوہر فشانی زِ اخلاقِ نبوّت ترجمانی

(پیر، اخلاقِ نبوی ﷺ کا ترجمان اور اپنے عقیدت مندوں کے سینے میں (اخلاق وآداب کے) لعل وجواہر بھرتا ہے) اگر کسی معاملے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں میں کسی ایک کے اختیار کرنے کی نوبت آئے تو آخرالامر حقوق اللہ کی حمایت کرے (عوام الناس کے برعکس جس طرح کہ وہ خیال کرتے ہیں) پیر، احکامِ الٰہی میں سخت اور مخلوقِ خدا کے ساتھ نہایت نرم ہوتا ہے۔ از روئے حدیث پیغمبر ﷺ یہی اسلام کی صحیح تعریف ہے۔ پیر کو چاہیئے کہ وہ گناہِ صغیرہ کے مقابلے میں مصائب کبیرہ برداشت کرنے کو تیار ہوجائے کیونکہ تکلیف عارضی ہوتی ہے اور گناہ کا اثر مستقل ہوکر آخرت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ پیغمبروں نے بھی معصیّت پر مصیبت اختیار کی ہے۔ متّقی کا دوسرا نام ولی اللہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں ولی اللہ کی تعریف متّقی بیان کی گئی ہے۔ نہ کہ آسمان میں اڑنے والا یا کرامت دکھانے والا۔ اسلئے پیر جتنا کامل تر ہوتا جاتا ہے اسی قدر پرہیز گار بنتا جاتا ہے۔ آپ ﷺ خود اس قدر پرہیز گار اور شریعت کے پابند تھے کہ صدقے کا ایک کھجور بھی منہ سے نکال پھینکا (کیونکہ سادات کیلئے صدقہ لینا جائز نہیں) وگرنہ اس کے استعمال پر آپ ﷺ کو کچھ فرق نہ پڑتا مگر آپ کو پاسِ شرع اور خیالِ تقویٰ تھا۔ لہٰذا مرشد کیلئے بھی یہی دولتِ تقویٰ زادِ دو جہاں ہے۔

خداوند کریم نے ہر نبی کیلئے جنّوں اور انسانوں میں سے شیطان صفت دشمن بنائے ہیں۔ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ) (انعام: 112) یہ خدا کی طرف سے امتحان اور راہِ فقر میں میراث انبیاء ہے جس طرح کہ وہ لوگ ان سے خائف نہ ہوئے اور توکّل پر اپنا کام چلایا۔ اس طرح ولی اللہ کو بھی ان سے ہرگز خائف نہیں ہونا چاہیئے۔ آخر کار جیت حق کی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ ہر وقت اپنا اصل مقصد مدنظر رکھے۔ لوگوں کی طعن وتشنیع اور مذاق واستہزا کی طرف ہرگز نہ دیکھے۔ کیونکہ یہ کام سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔ (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ط) (الفرقان: 31) ''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے دشمن بنادیئے تھے مجرم لوگ۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ پیر کی ولایت جس قدر کامل ہوگی۔ اسی قدر اس کے مخالفین سخت اور زیادہ ہوں گے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے میرا فرعون موسیٰؑ کے فرعون سے سخت ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام ایک مخصوص علاقے کیلئے تھے اور مجھے كَافَّةً لِّلنَّاس (ہمہ قسم مخلوق کا نبی) بنایا گیا ہے۔ لہٰذا مرشد کیلئے لازم ہے کہ جس حال میں خدا رکھے اس پر شکر ادا کرے۔ کیونکہ (خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى) آپ ﷺ ہر وقت یہ دعا فرمایا کرتے کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ'' (خدایا! جس حال میں تُو رکھے مجھے اسی پر شکر ہے) کسی کے اعتراض پر ناراضگی کا اظہار نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوسرے کے دین وایمان کے نقصان کا سبب ہے۔ خواہ دوسرے نے تنقید کی مگر مرشد تعمیری خیال کرکے اس کے ذہن کے مطابق اسے سمجھا دے۔ ضبط کرکے ''جمال'' میں رہنے کی کوشش کرے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جمالی طبع بزرگ سے جس قدر فیض حاصل ہوتا ہے۔ جلالی طبع سے اس قدر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس بات کا زیادہ تر تعلّق اخلاق سے ہے۔ از روئے فرمان

رسول ﷺ کہ اخلاقِ حسنہ خدا کے پوشیدہ خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔صرف اسے عطا فرماتا ہے جس سے وہ اپنی مخلوق کو خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے۔مقولہ صوفیاء ہے۔ "اَلْخُلُقُ مَعَ الْخَلْقِ وَالصِّدْقُ مَعَ الْحَقِّ" (مخلوق کے ساتھ خُلق اور خدا کے ساتھ سچائی) میں کامیابی ہے۔جس طرح کہ گرمی کے وقت گھنے درخت کے سائے میں جو بھی پہنچے سکون حاصل کرتا ہے۔اس طرح خدا کا فرمان ہے کہ میرے خاص بندے میری ابرِ رحمت کے سائے ہیں جو بھی ان کے پاس آئے گا قلبی سکون پائے گا۔لہٰذا مرشد کی ذات عوام الناس کیلئے سائبان کی طرح ہے۔

ولی اللہ کا خاصہ ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کیساتھ للہ فی اللہ (صرف خدا کیلئے) محبّت کرتا ہے۔مخبر صادق ﷺ نے فرمایا
''خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ محبوب شخص وہ ہے جو لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ محبّت کرنے والا ہو۔''

ع ہے محبّت میں وہ قوّت کہ بنے سنگ بھی موم

علماء اور عوام کے نزدیک جُہلاء سے جان چھڑانے کیلئے دور سے سلام کیا جائے اور ان کی صحبت سے دور بھاگا جائے۔مگر فقیر کا جب لاعلم اور جُہلاء کے ساتھ واسطہ پڑے تو ان کے ایمان کی سلامتی چاہے۔یعنی اپنی باطنی توجّہ سے انہیں کھینچ کر راہ راست پر لائے۔ورنہ تو مولوی اور فقیر میں کوئی فرق نہ رہا۔صرف فقیر کی یہ صفت ہے کہ وہ دوسروں کو تو اپنی طرف کھینچتا ہے۔مگر اسے کوئی اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔بقول مرشدِ کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کہ نیک لوگوں کی نسبت بُرے لوگوں میں ہم زیادہ خوش رہتے ہیں۔کیونکہ وہاں کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔نیک تو پہلے نیک ہی ہوتا ہے۔مزا تب ہے کہ بُرے کو نیک بنایا جائے اور یہی کرامتِ حقیقی ہے۔حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند ؒ فرماتے ہیں کہ شیخِ کامل کی اصل کرامت یہ ہے کہ اس کے مریدوں سے احوال ومواجید ظاہر ہوں۔اپنے ظاہر و باطن کو اولیاءِ کاملین کی طرح رکھے۔حق گوئی و بیباکی میں عظیم ہستیوں جیسا کردار ادا کرے۔کوئی جس قدر بُرا بھلا کیوں نہ کہے ہدایت کی دعا کر کے خدا کے حوالے کر دے۔کیونکہ خدا کا انتقام بندے کے انتقام سے سخت اور ناقابل مؤاخذہ بھی ہے۔صوفیاءِ کاملین کا فرمان ہے۔کہ ''سمندر بن جاؤ تاکہ متغیّر نہ ہوسکو'' فقیر کی ذات بھی (معرفت اور اسرار و رَموزِ الٰہی کے) سمندر کی طرح ہے۔مخلوق کی طرف سے جو بھی قولی وفعلی نقصان پہنچے اسے محسوس تک نہ کرے۔اپنے آپ کو کسی کا محتاج نہ بنائے اور نہ کسی کے سامنے جھکے۔بادشاہ وقت بھی ولی اللہ کی بارگاہ میں آ کر جھکتا ہے۔مگر ولی اللہ صرف اللہ کی بارگاہ کا محتاج اور ہمہ وقت اسی ذات کا نیازمند ہوتا ہے۔

؎ آنکہ شیرانند کئے روباہ شوند احتیاجِ خود بہ پیش کئے برند
(شیروں کو روباہی نہیں آتی اور نہ وہ اپنی کسی ضرورت کو خدا کی بارگاہ کے بغیر کسی اور کے سامنے لے جاتے ہیں)

بالفاظ دیگر ولی اللہ خودداری کے پیکر ہوا کرتے ہیں۔

؎ عاشقی توحید را بر دل زَدن وانگہے خود را بہر مشکل زَدن (اقبالؒ)

(عاشقی خدا کو دل سے تسلیم کر کے ہر مشکل کے سامنے سینہ سپر ہونے کا نام ہے۔)

پیرِ کامل کی ''آمدنی'' کا پتہ نہیں ہوتا۔ مگر خرچ بے تحاشہ ہو رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا لنگر اور دوسرے اخراجات خُدا کی غیبی امداد سے پورے کئے جاتے ہیں۔ ولی اللہ کے پاس جمع (ذخیرۂ دولت) بھی نہیں ہوتا مگر اس کا کوئی کام رکتا بھی نہیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے۔ ''وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ'' جو خدا پر توکّل کرے اسے وہی کافی (کفیل) بھی ہوتا ہے۔

شیخ کو چاہئے کہ فتوحات (مخلوق کی طرف سے جو نذرانہ (امدادِ غیبی) یا خدمت ہو) قبول کیا کرے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دوسرے کھانوں کی نسبت فتوحات میں شفا ہوتی ہے۔ جس سے اِنشراحِ صدر (نورِ بصیرت) پیدا ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ حدیث قدسی ہے کہ ''اپنے خاص بندوں کو اپنے بندوں کے ہاتھوں روزی پہنچانا اللہ تعالیٰ کو بہ نسبت اس کے زیادہ محبوب ہے کہ وہ خود براہِ راست روزی پہنچائے۔'' لہٰذا مرشد کسی کی بے لوث خدمت کو کم نہ سمجھے، کوئی خواہ ایک روپیہ بھی بطور نذرانہ پیش کرے۔ کیونکہ روز حشر ذرّے ذرّے کا ثواب ملتا ہے۔ اگر نہ لے تو دلآزاری کے علاوہ وہ اس ثواب سے بھی محروم رہے گا۔ دیگر یہ کہ خلوص کی قلیل سی چیز بھی کثیر سمجھی جاتی ہے۔ خصوصاً اس پُرفتن دور میں اپنے نفس سے جدا کر کے محض خدا کی رضا کیلئے کوئی تھوڑی سی چیز دینا بھی آسان بات نہیں ہے۔

پیر کو چاہیے کہ ہر صاحبِ فقر اور پیر فقیر کی عزت واحترام کرے۔ مثال مشہور ہے کہ ''ولی را ولی می شناسد'' (ولی اللہ ہی ولی کو پہچانتا ہے۔) ولی کی اگر ولی عزت نہ کرے تو عوام کیسے کر سکتے ہیں؟ کیونکہ اس دنیا میں بیک وقت کئی ولی اللہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اپنے علاقوں میں موجود ہوتے ہیں۔ از روئے قرآن ''وَلِکُلِّ قَوۡمٍ ھَاد'' یعنی ہر قوم کیلئے خدا کی طرف سے ہمہ وقت ایک نہ ایک ہادی ضرور موجود رہتا ہے۔ اگر وہ روپوش ہو جائے تو دوسرا مقرر کیا جاتا ہے۔

پیر کو چاہئے کہ اغنیاء کی صحبت اور ہم نشینی سے گریز کرے۔ جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیادہ تر مسکینوں کی زندگی اور غریبوں کی محفل کو پسند فرمایا کیونکہ اسلام ہر دور میں خاص کر غریبوں کے ساتھ وابستہ رہا ہے اور رہے گا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''لُقمۂ چرب اغنیاء برائے فُقراء زہر قاتل است'' یعنی فقراء کیلئے دولت مندوں کا مُکلف کھانا (ان کی روحانیت کیلئے) زہرِ قاتل ہے۔

مرشد کو چاہئے کہ قرآن وسنت اور اقوالِ مشائخ کی روشنی میں تمام مریدوں کو اپنے احوال کے مطابق تعلیمِ سلوک دے اور اس راستے کے آداب وشرائط ان سے بیان کرے۔ از روئے حدیث ایک باپ اپنے بیٹے کو ادب سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ چونکہ مرشد مرید کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اس کی تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔ مکمّل آدابِ دین سے واقف کرائے۔ عقائد کی درستگی کے بعد عمل کرنے کی تاکید کرے۔ تنبیہ کرے کہ عمل کئے بغیر مطلوبِ حقیقی تک پہنچنا محال ہے۔ عقائد، پرندہ اور اعمال، اس کے بازوؤں کی طرح ہیں۔ عقیدہ کے بغیر وجودِ ایمان نہیں اور اعمال کے بغیر اُڑنا

(روحانی ترقی) محال ہے۔ مرشدِ ہادی، وعظ و نصیحت سے زبان کو کسی وقت نہ روکے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ خدا کے نزدیک بہترین انسان وہ ہے جو ہر وقت علمِ خیر (علمِ فقر) کی ترویج و تشہیر کرتا رہے۔ ہر کسی کو اس کے عقل کے معیار کے مطابق سمجھائے۔ اَن پڑھ اور پڑھے لکھے کا لحاظ رکھے۔ ملاقاتی کی ظاہری شکل و شباہت کو بھی نظر انداز نہ کرے۔ حفظِ مراتب کا خاص خیال رکھے کہ دوسرے کی تادیبِ نفس بھی ہو جو اصل مقصد ہے اور حوصلہ افزائی بھی ہو۔ تاکہ اس کا دل دوبارہ صحبت میں آنے کو چاہے۔ اس لئے کہا گیا ہے۔ "كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ" (حاضرین کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کیا کرو)۔ حکماء کہتے ہیں کہ " خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ " بہترین کلام وہ ہے جو تھوڑا، پُر مغز اور مدلّل ہو۔ نیز کبھی کبھار انداز محفل کے مطابق سامعین کی دلچسپی برقرار رکھنے کیلئے باادب مزاح بھی کر لیا کرے جو کہ سنّت نبوی ﷺ ہے۔ مجمع اور محفل کے مطابق آواز کا مدّ و جزر (اونچ نیچ) متناسب رکھے۔ محفل زیادہ ہو تو آواز قدرے بلند و گرنہ آواز میں اعتدالیت (میانہ روی) ہو۔

ولی اللّٰہ کا امتیازی نشان سادگی ہوتا ہے۔ اس کے پاس تکلّف کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ صوفیاء کا خُلق "ترک تکلّف" ہوا کرتا ہے۔ کسی کی دعوت قبول کرنا رسول خدا ﷺ کی سنتوں میں سے ہے۔ اسے ہرگز نہ ٹھکرائے۔ حدیث پاک میں ہے کہ "رسول خدا ﷺ غلام کی دعوت قبول فرماتے۔ گدھے کی سواری کرتے اور صوف (سفید کھدر) کا لباس استعمال فرماتے۔"

مرشد، (ہمارے مرشد کریم کی طرح) محفل میں نام لے کر یا مخاطب ہو کر یا اشارہ کر کے کسی کو شرمندہ نہ کرے۔ بلکہ اپنی توجہ باطن سے ہر ایک کی نفسیات کے مطابق کام لے۔ جس طرح کہ معمولِ پیغمبر ﷺ ہوا کرتا تھا۔ قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق حکمت کے ذریعے، وعظ و نصیحت کے ذریعے، یا سوال و جواب کے ذریعے نہایت نرمی کے ساتھ خدا کی طرف بلائے۔ مرید روحانی اولاد کی طرح ہوتا ہے، جو بغیر کسی دنیاوی لالچ کے صرف خدا کی رضا کیلئے خدمت کرتا ہے۔ اس لئے مرید کی بھی اولاد کی طرح خیر خواہی کرے اور حتی الوسع اس کے ہر دکھ تکلیف کے وقت حاضر ہوا کرے۔ مرید کی تکلیف کو اپنی اولاد کی تکلیف سمجھے۔ مریدین کو ہمہ وقت باطنی علوم کی طرف توجہ دلائے۔ کیونکہ عالم اور فقیر میں یہی فرق ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ فرق اس طرح واضح فرمایا۔ کہ "عالم نقش و نگار بناتا ہے (یعنی اخبار و آثار بیان کرتا ہے) اور عارف صیقل (قلب کو عمل کی کسوٹی پر چڑھا کر مشاہدۂ حق) کراتا ہے۔" قول و فعل کے ذریعے مریدین کی دنیا سے توجہ ہٹا کر آخرت کی طرف توجہ دلائے تاکہ ان سے ان کا اصل مقصد حاصل ہو۔

؎ پیر باشد نردبانِ آسماں   تیر پرّاں از کے گردد ؟ از! کماں   (رومیؒ)

(پیر مرید کیلئے آسمان پہ چڑھنے کی سیڑھی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ تیر کمان ہی کے ذریعے اوپر اڑتا ہے)

مرشد کو ہمہ وقت مرید کی آخرت کے فائدے کا خیال ہو۔ دنیاوی تکالیف اور تنگ دستی عارضی ہیں۔ مگر آخرت کی

تکلیف ہمیشہ کی تکلیف ہے۔ ہمہ وقت ان کی سلامتی دین وایمان کیلئے دست بدعا ہو۔ یہی اصل خیر خواہی ہے اور بہترین خیرخواہی آخرت کی خیرخواہی ہے۔ حدیث پاک ہے ''خَیۡرُ النَّاسِ مَنۡ یَّنۡفَعُ النَّاسَ'' تم میں سے بہترین وہی ہے جومخلوقِ خدا کی عاقبت کی خیرخواہی کرے۔ اس خیرخواہی کی پیش کش کرنا مرشد کامل کا کام ہے اور فائدہ اٹھانا مرید کا کام ہے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ جاہلاں را کارِ دنیا اختیار انبیاءؑ را کارِ عُقبیٰ اختیار

(اس دنیا میں جاہل دنیاوی فائدے کے پیچھے پھر رہے ہیں۔مگر انبیاء کرام علیہم السلام آخرت کا فائدہ اختیار کیئے ہوئے ہیں۔)

مرشد، حریصِ دین ہونے کے باوجود جس کی قسمت میں فیض حاصل کرنا نہ ہو اس پر افسوس نہ کرے اور مغموم نہ ہو بلکہ اس معاملے کو خدا کے حوالے کر دے۔ اس کا کام صرف بے لوث محنت ومشقّت کرنا ہے۔ آگے ہدایت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ شیوۂ پیغمبریؑ بھی یہی ہے۔ مرشد کو چاہئے کہ وہ صرف فضائلِ عبادات بیان نہ کرے۔ بلکہ ''امر'' کے ساتھ ساتھ ''نہی'' بھی بیان کرے۔ قرآن کریم میں زیادہ تر تین چیزیں ہیں۔ عبرت کیلئے واقعاتِ گذشتہ بیان کرنا۔ پھر ان کی روشنی میں امرونہی کے مسائل بیان کرنا۔ یہ ذہن میں رکھے کہ اس نے مریدین کو خلافِ نفس کر کے ان کی باطنی تربیت کرنی ہے۔ جو اس بات کو برداشت کرے اس کی طرف خصوصی توجہ دے اور جس میں یہ ہمت نہ پائے اُسے بجائے اپنے حالِ غفلت پر چھوڑنے کے وقتاً فوقتاً فہم وفراست سے اس طرف مائل کرتا رہے، کیونکہ سب انبیاءؑ کی بعثت خلاف نفس عمل کرنے پہ ہوئی ہے۔ مگر وہ بانداز جداگانہ۔

مرشد کو چاہئے کہ کسی ایک مرید کی بات سن کر دوسرے مرید پر ناراض نہ ہو، جب تک اسے ظاہری اور باطنی طور پر نہ پرکھے۔ بعد از تحقیقِ ظاہر وباطن کوئی قدم اٹھائے۔ مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے فرمان کے مطابق مرشد کو چاہئے کہ مریدین کے اعمال پر نگاہ رکھے نہ کہ مال پر۔ جس نے مرید کے مال پر توجّہ دی۔ اُس سے اُس کا اصل مقصدِ پیری ومریدی فوت ہو گیا اور نہ وہ فقر چلانے کے قابل رہا ہے۔

علاوہ ازیں مریدین میں سے کوئی خاص ہو یا عام ان پر ناجائز اور ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالے۔ مرید نے اگر ذرا محسوس کیا وہ فقر میں پیچھے ہٹنے لگے گا اور یہ پیر کیلئے ایک بڑا المیہ ہوگا۔ لہٰذا پہلے سے اس بات کا خیال رکھے۔ ہمارے مرشد کریم مدظلہُ العالی فرماتے ہیں کہ خواہ میرا کوئی خاص مرید کیوں نہیں آج تک نہ کسی سے فرمائش کی اور نہ چار آنے ادھار مانگا ہے۔ خدا نے خزانۂ غیب سے ہمارا سب کچھ انتظام کیا ہوا ہے۔ ہم جو صرف اس کی رضا کیلئے جی رہے ہیں وہ بھی تو سمیع وبصیر ہے۔ ہم پر کوئی ناقابلِ برداشت مشکل آنے ہی نہیں دیتا۔

؎ ہر کس بکفِ زمانہ دریا اِستقیٰ ویشاں زدہ کف کہ حَسۡبُنَا اللّٰہ کفیٰ

(ہر شخص دنیا کا پیاسا ہے۔ مگر صرف اللہ والے رضائے الٰہی کے پیاسے ہیں۔)

ہاں اگر کوئی خاص صاحبِ سمجھ اور صاحبِ حیثیت مرید ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ عقیدہ بھی ہو تو فرمائش بھی ہوسکتی ہے۔ وگرنہ عام طور پر احتیاط سے کام لے۔

مشورہ صرف صاحبِ سمجھ مریدین سے طلب کرے۔ پھر ان میں سے بھی جو سب سے زیادہ صحبت یافتہ اور پُر خلوص ہو، اس کے مشورے کو فوقیّت دے۔ ایسے معاملات میں وہ صرف ظاہر پر نظر نہ رکھے بلکہ زیادہ تر باطن پر نظر رکھے یا بصورتِ دیگر صرف اپنی صواب دید سے کام لے۔ نیز عوام کے سامنے عام باتیں اور خواص کے سامنے خاص باتیں بیان کرے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اسرار و رموز بیان کرتے وقت عوام کیلئے دروازے بند فرمایا کرتے تھے۔

(ب)

آداب واوصاف المریدین

فرمودات صوفیائے اِسلام

اَلطَّرِیۡقَةُ کُلُّهَا اَدَبٌ

؎ نگاہ دار ادب در طریقِ عشق و نیاز
کہ گفتہ اند طریقت تمام آداب است

(اے سالک! راہِ عشق و نیاز میں ادب کا خیال رکھ۔ صوفیائے کاملین کی تحقیق ہے کہ تمام طریقت ''آداب'' کا نام ہے۔)

اثرِ صحبت

گِلے خوشبو در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مُشکی یا عَبیری
کہ اَز بُوئے دِل آویزے تو مستم

بگُفتا مَن گِلے نا چیز بودم
و لیکن مُدّتے با گُل نشستم

جمالِ ہمنشیں در مَن اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(بلبل شیراز شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ)

(ایک دن حمام میں ایک مہربان کے ہاتھوں مجھے ایک نہایت خوشبودار مٹی ملی۔ میں نے اس خاکِ معطّر سے پوچھا کہ تُو کوئی مشک ہے یا عنبر؟ کہ تیری دلفریب خوشبو نے مجھے تو مدہوش کر دیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مَیں تو بے قدر عام مٹی تھی مگر کچھ دنوں کیلئے مجھے پھولوں کی صحبت نصیب ہوئی۔ جن کے حسن و جمال اور معطّر پنکھڑیوں نے مجھ پہ اثر ڈالا ہے۔ ورنہ مَیں تو اصل میں وہی مَٹی ہوں۔ صرف صحبتِ گُل نے مجھے مشک و عنبر بنا دیا۔)

؎ جب تک بکے نہ تھے کوئی پوچھتا نہ تھا — تُو نے خرید کر مجھے انمول کر دیا

شہ پارۂ فقر

مرشدِ کامل کی ذات ہے کہ روزِ حشر نفسا نفسی کے عالم میں
جب کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے بیزار ہوتا ہے۔ مرشد اپنے
مریدوں کو اکٹھا کر کے ''لوائے محمدی'' کی چھاؤں تلے جمع کرتا ہے
اور ان کی شفاعت کیلئے سفارش کرتا ہے۔ اس لئے فرمان محبوب
دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے کہ ''شَفَاعَتِیَ لِاَکَابِرِ مِنْ اُمَّتِیَ'' (میری
شفاعت بروزِ حشر امت کے اکابرین اولیاءِ کرام کیلئے ہے۔) بالفاظ
دیگر مرید کیلئے محشر میں شفاعتِ صغریٰ اپنے مرشد کی طرف سے ہوگی
اور شفاعتِ کُبریٰ تاجدار شفاعت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماویں گے۔
(مرحبا مرحبا مریدان اولیاء)

ہر کہ بیند رُوئے پاکاں صبح و شام
آتشِ دوزخ بُود بَر وَے حرام
(حضرت شیخ فریدالدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ)
(جو صبح و شام پاک لوگوں کا چہرہ دیکھے، دوزخ کی آگ اُس پر حرام ہو جاتی ہے۔)

تمہید

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

سلام اس ذات اکمل ﷺ پر کہ جس نے مخلوقِ خدا کی تربیت فرمائی اور خدا ان پر راضی ہو کہ جنہوں نے خدمت کر کے مقام صحابیّت و مخدومیّت حاصل کیا اور رحمتِ ایزدی ہو ان پر کہ جو خدمتِ اولیاء اللہ میں ریاضات و مجاہدات کر کے علوم انبیاء کے وارث ٹھہرے۔

اَمَّا بَعۡد

موضوعِ سخن کے مطابق سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کریم نے انسان کو کس لئے پیدا کیا اور اس کے پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے؟ قرآن کریم میں خداوند کریم نے اس اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنی مخلوق کے سامنے واضح کر دیا کہ "وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَ" (مَیں نے جن اور انسان کی تخلیق اس لئے کی تا کہ وہ میری عبادت کریں" پھر میں قادر مطلق ان کی ہمہ قسم ضروریات پوری کرتا رہوں گا")

خدایا! اس عبادت میں فائدہ کیا ملے گا؟ مخبر صادق ﷺ نے یوں اپنی زبانِ شیریں ترجمان سے وضاحت فرمائی۔ "اَعۡبُدُاللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ" (خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔ اگر تم میں یہ ہمت نہ ہو تو کم از کم یہ تو یقین کر لو کہ خدا کی ذات تمہیں دیکھ رہی ہے۔) یعنی عبادت کا مقصد مشاہدۂ حق ٹھہرا۔ تو اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول سب انبیاء و اولیاء کے نزدیک بغیر مجاہدہ کے ناممکن ہے۔ قرآن حکیم میں واضح بیان ہے۔ "وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا" (عنکبوت:69) (اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش (ریاضات و مجاہدات) کی ضرور ہم اُنہیں (معرفت کے) راستے دکھائیں گے۔)

یہ بات علماء و مفسّرین اور سب صوفیاء کرام کے نزدیک مُصدّقہ ہے کہ مجاہدہ بغیر راہبر کے ناممکن ہے۔ مشہور مقولہ ہے کہ مجاہدہ سے پہلے راہبر تلاش کرو۔ بغیر راہبر کے مجاہدہ باعث گمراہی ہے۔ قرآن کریم خود ناطق ہے۔

"وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَجَاھِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ" (مائدہ:35)

(اور اس کی طرف (پہنچنے کیلئے) وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد (جہادِ اکبر یعنی جہاد بالنّفس) کرو۔ اس امید پر کہ (دنیا میں نفسانی آلائشوں اور آخرت میں عذابِ آخرت سے) نجات پاؤ۔)

بالفاظ دیگر خدا کا حکم ہے کہ تلاشِ حقیقت کیلئے مجاہدہ میں مشغول ہونے سے پہلے کوئی وسیلہ تلاش کرو تا کہ تم اس کی رہبری میں گوہرِ مقصود پا سکو۔

گفت حکماء ہے "اَلرَّفِیۡقُ ثُمَّ الطَّرِیۡقُ" پہلے رفیقِ راہ تلاش کرو پھر آغازِ سفر کرو۔ راہِ معرفت میں یہ وسیلہ اور یہ ذریعہ مرشدِ کامل اور پیرِ کامل کی ذات ہے جو کہ انبیاء کرام کے بعد قیامت تک حق کے متلاشیوں کو خدا تک پہنچانے کا

ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ جو اس بات سے انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ قرآن واضح فرماتا ہے "وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا" (الکہف: 17) (اور جسے وہ گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی حمایتی، راہ دکھانے والا (مرشد، رہبرِ ہدایت ومعرفت) نہ پاؤ گے۔) مثنوی معنوی میں مولائے رومؒ نے سچ فرمایا:

؎ کُن تُو وصلِ با سلیمانے زماں　　　تا کہ از دیواں بمانی در اماں

(اَے بِن مُرشد انسان! تُو کسی سلیمانِ وقت (حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح جِن و اِنس پر قابو پانے والے مُرشدِ کامل) سے دوستی لگالے تا کہ جِن وشیاطین کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔)

اسی قرآنی فلسفہ کے تحت حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "جس کا مرشد نہیں اس کا مرشد شیطان لعین ہے۔" کیونکہ تقلید کرنا (اچھے کی یا برے کی) انسان کی فطرت میں شامل کر دیا گیا ہے۔ تو بہتر ہے کہ بجائے برے اور شیطان کی تقلید کے کسی اچھے اور ہدایت یافتہ پیرِ کامل کی تقلید کرے۔ مولانا رومیؒ نے اسی حقیقت کو یوں بے نقاب فرمایا۔

؎ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر　　　ہست پُر از آفت و خوف و خطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شُد　　　او زغولاں گمرہ و در چاہ شُد
ہیچ کس از نزد خود چیزے نشد　　　ہیچ آہن خنجر تیزے نشد
مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　　تا غلامِ شمس تبریزےؒ نشد

(کسی پیر کا دامن پکڑ لے کہ یہ سفرِ زندگی بغیر پیر کے آفات وبلیّات اور شیطانی خوف وخطر سے بھرا ہوا ہے۔ جس نے بغیر مرشد کے اس سفر کا آغاز کیا وہ نفس وشیطان کے ہاتھوں گمراہ ہو کر غرق ہو گیا۔ کوئی چیز خود بخود کوئی چیز نہیں بن سکتی اور نہ اب تک کوئی لوہا خود بخود کوئی تیز دھار خنجر بن سکا ہے اسی طرح مولوی روم، آقائے روم بھی اس وقت تک نہ بن سکا جب تک پیرِ کامل حضرت شمس تبریزی رحمتہ اللہ علیہ کا غلام نہ بنا۔) مولانا جامیؒ فرماتے ہیں:

؎ رَستن ازیں پردہ کہ بر جانِ تُست　　　بے مددِ پیر نہ اِمکان تُست

(یہ پردہ جو آپ کی روح پر پڑا ہوا ہے اس سے چھٹکارہ پانا تیری طاقت سے باہر ہے جب تک کہ تجھے کسی کامل پیر کی امداد حاصل نہ ہو۔)

سب حکما کی تحقیق ہے کہ:

؎ ہر آں کارے کہ بے استاد باشد　　　یقیں می داں کہ بے بنیاد باشد

(جو کام بغیر استاد کی نگرانی کے ہو یقین جانئے کہ وہ بے بنیاد ہی ہوتا ہے۔ جس طرح کہ جتنے دنیاوی ہنر ہیں استاد سے سیکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح دین ومعرفت کے ہنر کا سیکھنا بھی بغیر استادِ کامل کے ناممکن ہے۔)

اس مختصر مگر جامع تمہید کا مقصد یہ ہے کہ جس عام اور گنہگار انسان کے دل میں خوفِ الٰہی سے صراطِ مستقیم کی تلاش

کا جذبہ پیدا ہو یا ایک صاحبِ سمجھ، بیدار بخت اور صاحب دید انسان میں تلاش حقیقت کا جذبہ پیدا ہو تو وہ کسی ولی کامل کو تلاش کر کے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اس عظیم مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے خلوصِ دل سے اس کا مرید بن جاتا ہے تو جس طرح کہ دنیا میں ہر فن میں مہارت حاصل کرنے کیلئے شرائط و اصول ہیں اسی طرح اس فنِ معرفت کے حصول کیلئے (جو رَاسُ الفنون ہے) بھی شرائط و آداب موجود ہیں کہ جن پر کار بند رہ کر ایک متلاشیٔ حق، مشاہدۂ حق کی انمول نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ لہٰذا اس مقصدِ عظیم کے حصول کیلئے یہ مقالہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس مختصر سے مقالے میں موجود تمام تر آداب قرآن و حدیث اور صوفیائے کاملین کے اقوال و ارشادات سے لئے گئے ہیں تاکہ یہ تمام سلاسل کے مریدان، سالکین اور تشنگانِ حقیقت کیلئے مرشدِ کریم کی دعا سے مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

یہاں یہ بات واضح ہو کہ یہ آداب و شرائط صرف اس مرید کیلئے ہیں جس کا پیر ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کی طرح حدودِ شریعت کا پابند اور صاحب طریقت و معرفت ہو اور اس کا مقصد صرف خلق خدا کیلئے ارشاد و تلقین ہو۔ کاملِ فقر محمدیؐ کا علم بردار ہو۔ صاحبِ کشف و صاحبِ بصیرت ہو۔ (آج کل کے اکثر غیر شرعی' گمراہ اور محض دعویدار پیروں کی طرح نہ ہو۔) تب یہ آداب بجالانا اس کی دنیاوی اور اُخروی زندگی کیلئے فلاح و کامرانی کے ضامن ہیں۔ خداوند کریم عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حقیقتِ مُرید

''مرید'' لفظ ارادہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی نیّت اور مضبوطی کے ہیں۔ اسی ارادہ سے ''ارادت'' ہے جس کے معنی محبّت اور انس والفت کے ہیں۔ اصطلاحِ تصوف میں اس کے معانی ہوئے صاحب ارادت انسان۔ دوسرے لفظوں میں اس کے معانی ہوئے ارادتِ شیخ اور عقیدتِ شیخ رکھنے والا۔ لفظ مرید دراصل قرآن کریم کے ان لفظوں سے ہے جو اس کا صحیح مفہوم ذہن میں لاتے ہیں وہ ہیں۔ ''یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ'' یعنی اس کی رضا کے چاہنے والے لوگ! اب مطلب واضح ہو گیا کہ اپنے مرشد کامل کو وسیلہ بنا کر اس کی رہبری و خوشنودی میں خدا کی رضا چاہنے والا مرید کہلاتا ہے۔

تصوف میں مروّج ایک اور لفظ ''سالک'' ہے جس کے لغوی معنی چلنے والے کے ہیں۔ مگر اصطلاحِ صوفیاء میں اپنے نفس اور دُنیا کو چھوڑ کر خدا کی طرف چلنے والا ''سالک'' اور اس راستے کو ''سلوک'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ اس راستے کو اُمید و رِجا کے بَین بَین واقع گردانتے ہیں۔ اصطلاحاتِ تصوف میں مستعمل ایک اور لفظ ''مُبتدی'' ہے جس کے معنی ''مکتبِ تصوف کا ابتدائی طالب علم'' مرید شروع شروع میں اپنے مرشد کا ارادت مند ہوتا ہے جو مرشد کی جانی و مالی خدمت کرتے کرتے اپنے آپ کو ان کی ہستی میں فنا کر دیتا ہے۔ تب مرشد اسے چاہنے لگتا ہے۔ پہلے وہ مرشد کا مرید تھا۔ اب وہ مرشد کی مُراد بن گیا کہ مرشد کو اس سے جس چیز کی توقع تھی وہ مراد اور مقصد (فنافی الشیخ) اس سے پوری ہو گئی۔ اب مرید اس قابل ہو گیا کہ جو رضائے الٰہی کا مقصد لے کر مرشد کے پاس آیا تھا۔ اس میں انشاء اللہ وہ

ضرور کامیاب ہوجائے گا۔ یعنی اب وہ مبتدی سے منتہی (معرفت الٰہی کی انتہا تک جاننے والا) بن گیا۔ مکتبِ تصوّف میں مقامِ مرید! مقامِ طالب اور مقامِ مراد، مقامِ مطلوب ہے جو مرید کا اصل ہدف تھا۔

مرید کو چاہئے کہ اپنے پیر کے بارے میں عقیدہ کامل رکھے جیسا کہ حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کے بارے مشہور ہے کہ ان کا ایک مرید دریا میں ڈوب رہا تھا۔ اتنے میں حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا اپنا ہاتھ مجھے دو کہ تجھے نکال لوں۔ اُن کے مرید نے عرض کی یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔ اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام فوراً غائب ہوگئے اور حضرت شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ظاہر ہوئے مرید کا ہاتھ پکڑ کر دریا سے نکال لیا۔

مرید کو ہر وقت آدابِ طریقت سے کام لینا چاہئے۔ راہِ الٰہی میں صحابہ کرام علیہم السلام کو بھی بوقت بیعت کچھ آداب ملحوظ نظر رہتے۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ''بَایِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی السَّمْعِ وَاطَاعَۃِ فِیْ الْعُسْرِ وَالْیُسْرِوَالْمُنْشِطُ وَالْمَکرِ'' ''ہم (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری اور ہر خوشی وناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ نیز صاحب حکم کے کسی حکم میں چُون وچرا نہ کریں گے۔''

دراصل شیخ ہادی کا حکم، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، اللہ کا حکم ہے اور اللہ کے کسی حکم کے سامنے کسی کی مجال دَم زدن ہے؟ تعلیمِ قرآن ہے ''وَمَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَامُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا'' (احزاب:36) (اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کسی معاملہ میں) کچھ حکم فرماویں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بے شک صریح گمراہی میں بہکا۔) عوارف میں ہے ''دَخُوْلَہٗ فِیْ حُکْمِ الشَّیْخِ دَخُوْلَہٗ فِیْ حُکْمِ اللّٰہِ وَرَسُوْلَہٗ وَاَحْیَاءِ سُنَّۃِ الْمُبَایِعَۃ'' یعنی شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ اور اس کے رسول کے زیر حکم ہونا ہے۔ اور اس بیعت کی سنت کا زندہ کرنا ہے۔

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''پیر کامل کی خدمت میں حاضر ہونا سوتی جان کو جگانے کیلئے ہوتا ہے۔ کامل پیر عالَم اَمر اور عالَم خَلق کے درمیان ایک برزخ ہوتا ہے جس کے تصرّفات ان دونوں پر غالب رہتے ہیں۔ شیخ مُربی (پالنے والا) بھی ہوتا ہے۔ ''معالج'' بھی ''والی'' بھی ہوتا ہے ''ولی'' بھی اس کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کو نہ ماں کی ممتا پہنچ سکتی ہے اور نہ باپ کی شفقت۔ وہ اپنے ماننے اور چاہنے کیلئے (چیز رحمت) ہوتا ہے اور رحمت اللعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کا عکسِ کامل ہوتا ہے۔ وہ جمال کا اظہار فرماتے ہوئے اور جلال کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر حال میں مرید کی تربیّت کا حریص ہوتا ہے۔''

مرشد بمنزلہ روحانی باپ کے ہے۔ از روئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ''انسان کے تین باپ ہوا کرتے ہیں (1) جس

کے صلب سے وہ پیدا ہو۔(2) جس نے اسے اپنی لڑکی دے کر اس کی شادی کر دی (3) جس نے اسے پڑھا کر انسانیت سکھا دی اور بہترین باپ وہ ہے جس نے تجھے پڑھایا' تو ظاہری تعلیم دینے والا استاد جب سب سے بہتر ٹھہرا تو علومِ باطنی اور علوم معرفت کے استاد کا کیا مقام ہوگا۔ جب کہ وہ علم بقا پڑھا کر مشاہدہ حق کراتا ہے۔ اس لئے ایک مرید کیلئے جس قدر اس کے مرشد کا مقام ہے اور کسی کا نہیں۔ نیز اصحاب تصوّف کی تحقیق ہے کہ شیخ کا وجود مرید کیلئے "مِن وَّرَاءِ الْحِجَابِ" (بذریعہ الہام پردے کے پیچھے بات کرنے) کا کام دیتا ہے۔ جس کے ذریعے (بالواسطہ) مرید خدا سے ہمکلام ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر شیخ کا وجود مرید کیلئے اس کے اور خدا کے درمیان ایک دروازے کی حیثیت رکھتا ہے، جو بغیر شیخ کے ناممکن تھا۔

شرائطِ مُرید

اب ایک مُرید کو اس مقصد میں سب سے پہلے جس چیز کو ضرورت پڑتی ہے وہ چیز ہے "صداقت" جو خاص طور پر مرشد اور عام طور پر تمام پیر بھائیوں کیلئے ہو کیونکہ:

ہر کہ اُو در صدق صادق آمد است — بر سَرش معشوق! عاشق آمد است

(جو "صدق" میں سچا نکلا۔ معشوق خود عاشق بن کر اس کے سر پر پہنچا۔)

پھر دوسری! صداقت پر جم کر استقامت اختیار کرے۔

تیسری! استقامت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک زندگی رہے گی مرشد کی خدمت کرتا رہوں گا۔ وہ خدمت چاہے جانی ہو یا مالی۔ گفت صوفیاء ہے کہ خدمت میں استقامت مرید کیلئے مقامِ کرامت ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے "اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ" استقامت اختیار کرنا کرامت سے بھی بڑھ کر ہے۔

ہر کہ خدمت کرد اُو مخدوم شُد — ہر کہ خود را دید اُو محروم شُد

(جس نے خدمت کی وہ مخدوم بن گیا اور جس نے تکبّر کی وجہ سے خدمت نہیں کی وہ فیضِ مرشد سے محروم رہ گیا)

چوتھی چیز صحبت شیخ ہے جو حتی الوسع ہفتے میں ایک بار یا مہینے میں کم از کم ایک بار تو ضرور حاصل کرے تا کہ شیخ توجہٗ باطنی سے مرید کے لطائف کا تذکیہ کر سکے۔ صحبت میں اعتدالیّت ہو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ ایک مرتبہ مہینے میں دو چار وقت باریابی ہو پھر جب گم ہو جائے تو مسلسل چھ ماہ یا سال کی غیر حاضری ہو۔ اکتسابِ فیض صرف صحبت میں ہوتا ہے۔ اس لئے سب مشائخ طریقت نے صحبتِ شیخ کو مرید کیلئے فرائض میں شامل کیا ہے۔ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحبتِ شیخ میں مرید کے دو مراتب ہوا کرتے ہیں۔ (1) شیر خوارگی (2) ترک شیر خوارگی

مرتبہٗ شیر خوارگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسولِ خدا ﷺ کی اجازت و دریافت کے بغیر کوئی بھی کام نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اس مرتبہ میں مرید کو بھی بغیر اجازت مرشد کے کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ پھر مرتبہٗ ترک شیر خوارگی میں

جب مرید اپنے نفس پر مکمّل ضبط حاصل کر لیتا ہے اور اپنے سب معاملات بواسطہ مرشد من جانب اللہ حل کرنے کا اہل بن جاتا ہے تو پھر مرشد اسے اپنی صحبت سے دُوری کا حکم صادر فرماتا ہے۔ تب وہ کامیابی سے اپنا سلسلہ چلا سکتا ہے۔

پانچویں بات مرشد جو وِرد و وَظائف عنایت کرے، وہ صحبت سے دُور ہونے کے وقت باقاعدگی سے پڑھا کرے۔ تنہائی میں آنکھیں بند کر کے تصوّرِ شیخ میں بیٹھ جائے۔ وظیفہ مکمّل ہونے تک کوشش کرے کہ کسی سے ہمکلام نہ ہو۔ جس دن مرشد کی زیارت کا قصد کرے اس دن وِرد، وظیفہ نہ پڑھے۔ کیونکہ مرشد کی ایک نگاہ سے سب نفلی عبادات پوری ہوجاتی ہیں۔ پھر جب تک صحبتِ شیخ میں موجود رہے بغیر فرائض و سنن کسی اور نفلی عبادت میں مشغول نہ ہوجائے۔ کیونکہ یہ صحبت ولی کی ناشکری ہوگی۔

؎ یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا (رومیؒ)

(ولی کی صحبت میں گزرا ہوا ایک لمحہ سو سال کی خالص ومقبول عبادت سے بھی کہیں زیادہ بہتر ہے۔)

چھٹی بات! مرشد کا ہر حکم دل وجان سے تسلیم کرے گو بظاہر خلافِ ادب اور درست معلوم نہ ہو۔ ''اَلْاَمْـرُ فَوْقَ الْاَدَبِ'' یہاں تک کہ بقول حافظ شیرازیؒ:

؎ بمَئے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مُغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود زِراہ و رسم و منزلہا

(اگر مرشد حکم دے کہ مصلّٰی شراب آلود کر کے اس پر نماز پڑھ لے تو مرید کو فوراً اس پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ مرشد کسی کام سے بے خبر نہیں ہوتا۔ وہ راہ ورسمِ طریقت اور تمام تر منازلِ سلوک سے واقف ہوتا ہے)

مرشد کا زیادہ تر فعل خلاف نفس پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری یہ کہ مرشد حکیمِ معرفت ہوا کرتا ہے اور حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ مزید برآں مرشد اوصافِ الٰہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ جس طرح کہ خدا اپنے کسی بندے کا نقصان نہیں کرتا۔ اس طرح مرشد بھی کسی کا دینی و دنیوی نقصان نہیں کرتا۔ اگر اس بات پر مرید کا یقین کامل ہو تو تمام تر شیطانی ونفسانی وساوس کا قلع قمع ہوسکتا ہے۔ (مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے ملفوظات میں بھی اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔)

ساتویں بات! مرید کو اگر رحمتِ ایزدی سے مرشد کی محبّت عنایت ہوجائے تو اس پر وہ استقامت اختیار کر کے شکر کرتا رہے۔ کیونکہ یہی اس دنیا میں ایک انمول چیز ہے۔ خداوند کریم فرماتے ہیں ''اگر تم زمین میں جو کچھ ہے اس بات پر خرچ کرو کہ تمہاری آپس میں محبّت (اُلفتِ قلوب) ہوجائے تو یہ ناممکن ہے۔ جب تک مَیں اپنی خاص رحمت وشفقت کی بنا پر تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبّت نہ ڈالوں۔'' کیونکہ یہی الفتِ قلب، نفس وشیطان پر غلبہ پانے اور مرشد سے فیض حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور یہ قسمت والوں کو نصیب ہوتی ہے۔

آٹھویں بات! ہر سمجھدار مرید کی کامیابی اس بات میں ہے کہ وہ شام وسحر خلوت میں ہو یا جلوت میں اپنے مرشد کی عادات واطوار اپنانے کی کوشش کرے۔ جب تک ان کی ظاہری وباطنی نقل کو مشعلِ راہ نہ بنائے گا کامیابی ناممکن ہے۔

نویں بات! مرید کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے مرشد کو حاضر و ناظر سمجھے۔ شریعت و طریقت پر عمل کرانے کا یہ واحد ذریعہ ہے۔ وگرنہ مرید مرشد کے فیض سے محروم رہے گا۔

دسویں بات! مرشد سے صرف وہی مرید فیض حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، جو اسے کوئی عام انسان نہ سمجھے۔ انہیں بھائی، باپ، دادا، ماموں یا کوئی سردار کی طرح نہ سمجھے۔ چشمِ ابو طالب کی طرح انہیں بھتیجا نہ دیکھے بلکہ چشم صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح انہیں نائب و خلیفۂ خدا سمجھے۔ بزرگانِ دین نے بڑے بڑے مقامات "فَنَا فِی الْاَقْرَبِیْن" میں حاصل نہیں کئے بلکہ "فَنَا فِی الشَّیْخ" میں حاصل کئے جو خواہ عربی تھے یا عجمی، بلوچ تھے یا پٹھان، سیّد تھے یا اُمتی۔ لہٰذا عقیدہ یہ ہو کہ میرا مرشد تو تمام اوصافِ الٰہی کا مجموعہ ہے۔ مگر مجھ میں شاید کوئی ایک صفت ہے یا نہیں۔ تب مرید "مقامِ صادق الیقین" میں قدم رکھ سکتا ہے جو کہ اس کا اصل مقام ہے۔ یا بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح:

ع اَسی قصوری ساڈی ذات قصوری اسی وچ قصور دے رہندے

؎ خاک شو تُو پیش شیخِ باصفا تا زِ خاکِ تُو بُروید کیمیا (رومیؒ)

(شیخ صادق کے سامنے مٹی بن جا! تا کہ تیری زرخیز مٹی سے کیمیاء پیدا ہو)

مرید، مرشد کو اپنے جیسا خیال نہ کرے۔ مرشد کا مقام "نمونۂ پیغمبریؐ" ہے۔ اور مرید کا مقام "نمونۂ صحابہ" ہے۔ کیونکہ وہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اور اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کی طرح مدرسۂ فقر کے شاگردوں کی حیثیت سے ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر ہونے کی بنا پر مرید ہر وہ طریقہ استعمال کر سکتا ہے، جو اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اکتسابِ فیض کی خاطر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں استعمال کیا تھا۔ مرشد بھی ہر وہ طریقۂ تربیت استعمال کر سکتا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کے لئے استعمال فرمایا کرتے تھے۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، مرشد کیلئے رہبر اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت، مرید کیلئے رہبر ہونے کی حیثیت سے ہیں۔ ورنہ طریقت میں گستاخی ہوگی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ یہ لوگ (مرشدینِ کاملین) تبلیغِ عوام الناس کی خاطر اپنے ظاہر کو ان کا مشابہ رکھتے ہیں تا کہ وہ کوئی مافوق الفطرت سمجھ کر دُور نہ ہو جائیں اور نعمتِ اصلاح سے محروم نہ رہ جائیں۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کے مہمان ہیں۔ ان کی غذا نورِ خدا ہے۔ اسی حکمت کی بنا پر تو پیغمبر علیہ السلام نے اپنے آپ کو منکرین کے سامنے ظاہری طور پر بشر کی حیثیت سے پیش کیا کہ میرے قریب آؤ۔ میری بات سنو۔ مَیں تو آپ کی طرح انسان ہوں۔ مجھ سے مانوس ہو جاؤ اور آکر میرے پاس بیٹھو باتیں سنو۔ اگر سمجھ آجائے تو میرا ساتھ دو اگر سمجھ نہ آئے تو آپ پر کوئی جبر نہیں۔

مرشدِ کامل بھی عوام الناس اور عام مریدین کے سامنے یہی طریقِ کار (ظاہری مناسبت کا کردار) استعمال کرتا ہے۔ کیونکہ یہ پیشہ بھی اسی پیشۂ پیغمبری سے متعلّق ہے۔ لہٰذا وجودِ مرشد نمونۂ تقلید اور اس کا سارا کردار محض ہمارے مقصدِ معرفت کیلئے ہے اور بس۔

مُتفرقات

مرید کو چاہئے کہ اپنے مرشد کی خدمت کیلئے جو بھی ارادہ کرے نفس کے دھوکے میں آ کر تاخیر نہ کرے۔ بلکہ اوّل وقت میں بغیر کسی کو بتائے اس پر عمل کرے۔ کیونکہ از روئے قرآن نیکی کے کام میں جلدی کیا کرو۔ مرید خدا سے ڈر کر غیر شرع کاموں اور غیر شرع باتوں سے جتنا دور ہو جائے وہ سمجھے کہ مجھ پر اتنا ہی زیادہ مرشد کی نگاہ اور ان کی رضامندی حاصل ہے۔ ہر کام سوچ سمجھ کر کرے۔ چشمِ بصیرت سے کام لے۔ کوئی اہم کام مرشد کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ خاص کر جب مرشد کی خدمت میں موجود ہو تو آستانہ سے باہر تک بغیر پوچھے ہرگز قدم نہ رکھے اس میں بہت بڑی حکمتیں ہیں۔ لغویات اور فضول گفتگو سے بالکل پرہیز کرے کیونکہ یہ شرم کی بات ہے کہ مرشد خود دیکھ رہے ہیں اور بوقت زیارت تو نامۂ اعمال بالکل ان کے سامنے آجاتا ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح کہ امتی کے گناہ کرنے سے پیغمبر ﷺ کی دِلآزاری ہوتی ہے اس طرح مرید کے برے افعال سے مرشد کی دلآزاری ہوتی ہے۔ لہٰذا مرشد کی دلآزاری مرید کیلئے نقصان دہ بات ہے۔

؎ کرم بین و لطفِ خداوندگار گناہ بندہ کردہ است اُو شرمسار (سعدیؒ)

(خداوند کریم کا لطف و کرم تو دیکھئے کہ گناہ انسان کرتا ہے مگر شرمندہ وہ ہو جاتا ہے۔)

اسی بنا پر مرید کامل کی صوفیاء کرام نے یہ تعریف فرمائی کہ مرید ہونے کے بعد اس سے کوئی گناہِ کبیرہ یا صغیرہ سرزد نہ ہونے پائے۔ مرید کے سارے احوال مرشد کی طرف سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی حرفِ شکایت زبان پہ نہ لائے۔ قوّتِ ضبط پیدا کرے۔ صبر و تحمل سے کام لے۔ تکالیف اور امتحانات کا مختصر وقت ہوتا ہے۔ مگر کامیابی کے بعد ہمیشہ کی خوشیاں نصیب ہو جاتی ہیں۔ مرید کو چاہئے کہ ہر قول و فعل میں نفعِ آخرت اور صداقت کا راستہ اختیار کرے۔

؎ طالباں را از ہر دو عالم کار نیست در دلِ طالب بغیر از یار نیست (عطارؒ)

(طالبانِ خدا دونوں جہانوں سے بے نیاز ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں بغیر یار و دوست کے اور کچھ نہیں ہے۔)

مرید جب مرشد کی بیعت ہو جائے تو پہلے اس کے جیسے بھی حالات کیوں نہ تھے، انہیں پھر یاد نہ کرے۔ انہیں نہ ہونا تصوّر کرے کیونکہ توبہ سے پچھلے سارے گناہ پہاڑوں اور سمندروں کے برابر کیوں نہ تھے۔ وعدۂ خدا، برکتِ توبہ اور ولی اللہ کے پاک ہاتھ کے طفیل معاف ہو کر نیکیوں میں شمار ہو گئے۔ اب آگے قدم بڑھائے پیچھے ہرگز نہ دیکھے۔ پہلے بھی ان پر وقت ضائع کیا تھا اب دوبارہ اُنہیں یاد کر کے وقت ضائع نہ کرے۔ بلکہ شکر کر کے استغفار پڑھتا رہے۔ مسلمان تو مسلمان! فلسفۂ قرآن کے مطابق ایک یہودی اور عیسائی بھی توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد اچھے کام کرنے سے ولی اللہ بن سکتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ'' (البقرہ: 62) (بے شک ایمان والے نیز یہودیوں اور نصرانیوں اور ستارہ پرستوں میں سے وہ کہ سچے دل سے اللہ اور

آخرت کے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں۔ان کا ثواب اُن کے رب کے پاس ہے۔اور نہ انہیں کچھ اندیشہ اور نہ کچھ غم۔) (اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ) مرید کو چاہئے کہ مرشد سے جو بھی وعدہ کرے جان جائے تو جائے مگر وعدہ ضرور مقررہ وقت پر پورا کرے۔یہ وعدہ دراصل مرشد سے نہیں ہے بلکہ خدا کی ذات سے ہے۔تو خدا کی ذات سے بدعہدی نہیں کی جاتی۔

؎ گر جدا بینی زِ حق تو خواجہ را　　　گم کُنی ہم متن و ہم دیباجہ را　(رومیؒ)

(اگر تو خواجہ کو خدا سے جدا دیکھے گا تو تُو سب کچھ گنوا دے گا۔)

مرید جب مرشد سے دُور ہو تو اس کا کام مخلوقِ خدا کو مرشد کی طرف بلانا ہے۔جس طرح کہ خود اسے ہدایت نصیب ہوئی ہے اور حقیقت کا پتہ چلا ہے اسی طرح یہ شمع دوسروں تک پہنچائے تا کہ مرشد کا فیض پھیلنے اور ان کی خوشنودی کے علاوہ خود نیکیوں کا بھی مفت حصّہ دار بنے۔کیونکہ از روئے فرمان رسول ﷺ نیکی کی طرف بلانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا کہ نیکی کرنے والے کو۔

مرشد کی بارگاہ مقامِ ادب ہے۔جب بھی مرشد کے سامنے حاضر ہو دست بستہ ہو۔بیٹھے دوزانو ہو کر۔بات کرے سلیقہ سے۔بولے الفاظِ ادب کے ساتھ۔فضول اور بے مطلب بات ہرگز نہ کرے۔بہرحال ایک باشعور انسان کی طرح آداب ملحوظ رکھے بقول شیخ فریدالدّین عطّارؒ:

؎ زادِ راہِ عشق عجز است و نیاز　　　گر دریں رہ میروی بگُزر! زِ ناز

(منزلِ عشق کا زادِ سفر عجز وانکساری ہے۔اَے راہی! اگر تجھے اس راستے پر چلنے کا خیال ہے تو دل و دماغ سے فخر وغرور، ناز ونخرہ اور گستاخی وخود پرستی مکمّل طور پر نکال دے۔) مرید کو چاہیے کہ صحبتِ مرشد میں باریابی کے وقت شیطانی اور نفسانی وسوسوں پر قابو رکھے کہ ولی اللہ دِلوں کو مثل آئینہ صاف صاف دیکھ رہا ہوتا ہے۔بقول رومیؒ:

؎ دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست　　　دستِ اُو جز قبضۂ اللہ نیست

(پیر کی نگاہ سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے کیونکہ اس کے دست ونگاہ مکمّل طور پر قبضۂ قدرت میں ہونے کی وجہ سے قوّتِ غیبی کے حامل ہیں۔)

مرید کا پاکباز ہونا مرشد کی پاکبازی واکملیّت کی دلیل ہوتی ہے۔حضرت علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جب کبھی وہ اپنے شیخ نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتے تو پہلے غسل کرتے۔پھر ان کی مجلس میں جاتے مگر قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ (حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ) سے ایک قدم (عقیدت میں) آگے بڑھے ہوئے تھے۔چنانچہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانہ میں جب بھی مَیں اپنے شیخ کی مجلس میں جاتا تو اس روز روزہ رکھتا پھر غسل کرتا تب اپنے مرشد (بوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ) کی مجلس میں جاتا۔کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مدرسہ (فقر وسلوک) کے دروازہ تک پہنچ گیا۔مگر شرم وحیا

کے مارے دروازے سے لوٹ آتا اور اگر کبھی جرأت کر کے اندر داخل ہو جاتا اور مدرسہ کے وسط تک پہنچ چکا ہوتا کہ تمام بدن میں سنسنی ہوتی۔ ایسی حالت میں اگر مجھے سوئی بھی چبھو دی جاتی تو شاید مَیں اسے محسوس نہ کرتا۔

مریدِ خاص خود بھی مرشد کی طرح صاحبِ شرع ہوتا ہے اور دوسرے پیر بھائیوں کو بھی اسی طرح دیکھنا چاہتا ہے۔ کسی پیر بھائی میں اگر کوئی نقص (خامی) وغیرہ دیکھے تو چشم پوشی کر کے کسی خاص علیحدگی کے وقت اسے پیار اور تسلّی سے سمجھا دے تا کہ وہ مرشد اور دوسرے پیر بھائیوں کے لئے باعث ندامت نہ بنے۔ مرید اگر مرشد کی شان بڑھانا چاہے تو ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے لوگ یہ کہیں کہ یہ فلاں پیر کا مرید ہے۔ یعنی مرید کی بدنامی مرشد کی بدنامی کا باعث نہ بنے۔ لہٰذا مرید کو ہمہ وقت مرشد کی عزت واحترام کا احساس دامن گیر ہو۔ اسی میں اس کی کامیابی اور مرشد کی خوشنودی مضمر ہے۔

؎ آتشِ دردِ طلب در دل فروز ہرچہ یابی غیر مطلوب آں بسوز (عطارؒ)

(اپنے دل میں ذوقِ طلب کی آگ پیدا کر۔ مطلوب کے وجود کے بغیر اور سب کچھ جلا دے۔)

یعنی اپنے ظاہر و باطن کو مرشد کے رنگ میں رنگ دے۔ یہی کمالِ جستجو اور کمالِ مریدی ہے۔

مرید کیلئے مرشدِ کامل کا وجود تبلیغِ دین کیلئے ایک خاص ذریعہ ہے۔ وہ لوگوں کو بڑھ چڑھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ آؤ اگر تم نے کوئی خدا کا خاص بندہ نہیں دیکھا مَیں تمہیں دِکھاتا ہوں۔ ولی اللہ کے وجود کو اس لئے ''برہانِ رب'' کہا گیا ہے کہ اس کی محفل، اس کا چہرہ اور اس کا کردار خدا کی طرف بلانے کی ایک بہت بڑی واضح دلیل ہے۔

سلسلۂ نقشبند میں فیض حاصل کرنے کا طریقہ مرشد کے حضور میں طریقِ خاموشی ہے۔ ہر چھوٹی چھوٹی (مُباح) بات مرشد سے نہیں پوچھنی چاہئے۔ انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ وہ ہر چھوٹی بات پر عمل نہیں کر سکتا۔ مرشد سے معلوم ہونے کے بعد بھی اگر اس پر ذرا کوتاہی ہوئی تو وہ خدا اور رسول ﷺ اور مرشد کا جان بوجھ کر نا فرمان ٹھہرا۔ لہٰذا یہ نقصان دہ بات ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو محفل میں چھوٹی چھوٹی باتوں کے پوچھنے سے سختی کے ساتھ منع فرما دیا۔ ہاں! اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اگر پوچھتے تو صرف نفس کے بارے دریافت کرتے کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا۔ اگر نفس کا صحیح علاج ہو جائے تو سب احکامات کا علم چونکہ فطری ہے۔ فطرتِ سلیم میں خود بخود ان کا عکس آ جاتا ہے۔ یعنی نفس کی تربیت سے اخلاقی تربیت اور اخلاقی تربیت سے آدابِ دین کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ جسے علم لدُنی کہتے ہیں۔

؎ رَو نظر دَر بحر کُن جُویِ را مُبیں تا کہ باشی عارفِ سرِّ یقیں (رومیؒ)

(باقی سب چیزیں نہروں کی طرح ہیں۔ نفس سمندر کی طرح ہے۔ اس لئے نہروں (مختلف شعبہ ہائے علوم کی تحصیل) کو چھوڑ کر سمندر (تذکیہ نفس، اُم العلوم) کی طرف توجہ دے تا کہ تُو علومِ حق الیقین کا عارف بن جائے۔)

دوسرے لفظوں میں محبّت خود آدابِ محبّت سکھا دیتی ہے۔

نفس، روح، قلب، مراقبہ، کشف، فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ جیسی بنیادی فقر کی چیزیں بھی اگر پوچھنا

مقصود ہوں تو لحاظِ وقت لازمی ہے کہ مرشد کو وظائف اور عوام سے فراغت ہو، ساتھ ساتھ طبیعت بھی شگفتہ ہو، خاص مؤدبانہ عرض کرے۔ وگرنہ مؤخر کرے۔ تصوف میں شرائطِ سوال صرف متبدی (نئے مرید) کیلئے نہیں ہیں۔ مگر متوسط اور منتہی کیلئے سوالات کی کڑی شرائط ہیں۔

اگر مرشد کی ظاہری شکل وشباہت اور باطنی معاملات میں کوئی اپنے آپ کو مستثنیٰ کرنے کیلئے چھوٹ وغیرہ مانگنے کی کوشش کرے تو یہ بات براہِ راست اس کے نفس کی طرف سے ہوگی۔ اکثر وبیشتر مرشدِ کامل ایسے مرید کو چھوٹ دے دیتا ہے۔ کیونکہ وہ جاننے کے باوجود نفس کے دھوکے میں آکر حق بات سے گریز کرنا چاہتا ہے۔ اگر مرشد اسے پابند بھی کرے تو وہ میلانِ نفس کی بناء پر پابند نہ ہوسکے گا۔ پھر ضرور طوعاً وکرہاً اُسے چھوٹ دے ہی ڈالتا ہے۔ لہٰذا مرید کیلئے لازم ہے کہ جو مرشد کی ظاہری و باطنی نقل اُسے میسر آئے شکر کر کے قابو کرے۔ مزید خدا کی بارگاہ سے نقل کرنے کی توفیق مانگے جو اس کے ذہن میں اُس سے چھوٹ رہا ہے نہ یہ کہ جو میّسر ہے اس سے بھی مرشد سے جا کر چھوٹ مانگے۔ چھوٹ اگر جائز ہوتی تو مرشد خود اسے کیوں اپناتا۔ سمجھنے کی بات ہے۔

؎ بدریا دُر و منافع بے شمار است اگر خواہی سلامت بر کِنار است (سعدی شیرازیؒ)

(دریا میں غوطہ خوری سے بے شمار قیمتی لعل وجواہر ہاتھ لگتے ہیں۔ اگر تجھے تن آسانی کا خیال ہو تو ترے لیے دور کنارے پر بیٹھے رہنا ہی بہتر ہے)

لوگوں کی طعن وتشنیع سے ہرگز مایوس نہ ہو اور نہ گھبرائے۔ بقول ہمارے مرشد کریم مدظلہُ العالی! پیغمبر ﷺ فقر کا اصل نمونہ تھے۔ ان پر طعن وتشنیع، دیوانگی اور جادوگری تک کے فقرے کسے گئے تھے۔ اب چونکہ ہم اُسی اصل کی نقل کررہے ہیں۔ ہم پر بھی ایسے فقرے اگر نہ کسے جائیں تو ہمارا نقل صحیح تصور نہ کیا جائے گا۔ نقل اگر صحیح ہے تو اصل کے مطابق طعن وتشنیع بھی لازم ہے۔ اس لئے اس پر مرید کو شکر ادا کرنا چاہئے۔ نہ کہ پریشان!

؎ آنروز کہ مَہ شُدی نمی دانستی ؟ کہ انگشت نمائے عالم خواہی شُد

(جس دن تُو چاند بن گیا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اب ساری دنیا تیری طرف انگلیاں اُٹھا کر اشارے کرنے لگے گی۔)

مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے پاس کچھ دوستوں نے آکر بتایا کہ حضور! آپ کی نگاہ پڑتے ہی مرید فوراً آپ کی نقل کر کے برے کاموں سے کٹ کر داڑھی اور زلفیں رکھنے لگتا ہے۔ بازار میں مشہور ہوگیا کہ یہاں جادوگر پیر آیا ہوا ہے تو آپ مدظلہُ العالی نے انتہائی خوش ہو کر فرمایا شکر الحمدللہ! اس سے زیادہ ہم اپنے فقرِ کامل کا کیا ثبوت دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے نانا کریم ﷺ کو بھی لوگوں نے جادوگر کہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا فقر خالص ''فقر محمدیؐ'' ہے۔

؎ اُذکُرُو اللّٰہ کارِ ہر اَوباش نیست اِرجِعِیْ بَر پائے ہر قلّاش نیست (رومیؒ)

(از روئے حدیث نبوی ﷺ کہ ولی اللہ کے چہرے کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ تو ایسا چہرہ ہر شخص کو عطا نہیں ہوتا جو

یادِالٰہی سے منوّر رہو۔ یہ بیڑیاں خاص لوگوں کے پاؤں کیلئے ہیں عام کیلئے نہیں۔ پنجرہ شاہین کیلئے بنا گِدھ کیلئے نہیں۔)

مرشد کی ذات کو محبّت و خدمت کا مرکز ٹھہرائے۔ مرشد کی محبّت کے بغیر اپنے دل میں اور کسی کی محبت کو جگہ نہ دے۔ ایک مرید مقام فنافی الشیخ کی سرحد میں قدم رکھ ہی نہیں سکتا جب تک کہ مرشد کی محبّت کے مقابلے میں اور سب کچھ کی نفی نہ کردے۔ صوفیاءِ کرام نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ''اگر اللہ تعالیٰ بھی مرشد کی صورت کے سوا کسی اور صورت میں تجلّی فرماوے تو البتہ ہم اس کی طرف التفات تک نہ کریں گے۔'' (صراطِ مستقیم)

جو مرید محض رضائے الٰہی کے حصول کیلئے مرشد کی غلامی میں آجاتا ہے تو ہمارے سلسلۂ نقشبند میں فی الفور اسے شرح صدر اور عقلِ سلیم نصیب ہو جاتی ہے۔ جو خود بخود خوشنودیٔ مرشد کے کاموں کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ مرید اپنے دل میں یہ بات بٹھا دے کہ جب تک وہ اپنی سب سے پیاری چیز مرشد پہ قربان نہ کر دے اس وقت تک وہ مرشد کی دلی محبّت نہیں جیت سکتا۔ یہی نفس کیلئے سب سے بڑا مشکل مرحلہ اور مرید کیلئے سب سے بڑا امتحان ہے۔ فیصلہ قرآن ہے ''لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ'' (آل عمران: 92) (تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو۔) مولانا رومیؒ تصریح فرماتے ہیں۔

؎ اے دِرَم دادن سخی را لائق است ۔۔۔ جاں سپُردن خود سخائے عاشق است

(صرف پیسہ دینا تو مقام سخی ہے مگر اپنی جان تک قربان کر دینا مقامِ عاشق ہے۔)

ع رب تنہاں نوں مِلدا باھُو جیہڑے سر قربانی کردے ھُو

عام انسان اگر اپنے دل میں کوئی ناجائز وسوسہ لائے جب تک اس پر عمل نہ کرے اس کیلئے مؤاخذہ نہیں ہے۔ مگر فقر میں اگر مرید کے دل میں کوئی وسوسہ آجائے خواہ اس پر عمل نہ بھی کرے مرشد کی طرف سے مؤاخذہ ہے اور خدا کی طرف سے محاسبہ۔ اس لئے فقراء کے مراقبۂ محاسبہ میں محاسبۂ وساوس بھی شامل ہوتا ہے۔

؎ یار نازک بدن ز بارِ ہوائے رنجد ۔۔۔ ہمچوں گُلبرگ زِ آسیبِ ''صبا'' می رنجد

(نازک بدن معشوق پر ہوا کا جھونکا بھی ناگوار گزرتا ہے جس طرح گلاب کی نازک پنکھڑیوں کیلئے بادِ صبا کی مصیبت جھیلنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔)

خواہشاتِ نفسانی پر چلنے والے کو قرآن کریم میں کتّے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ لہٰذا مرید کو نفس کی تابعداری ہرگز نہیں کرنی چاہیئے بلکہ بقول رومیؒ:

ع شَاوِرُوۡاھُنّ پس آنگہ خَالِفُوۡا

یعنی نفس سے اس کی مرغوبات کے بارے مشورہ کر کے پھر اس کی مخالفت کرو۔ یہی مجتہد مرید کا کام ہے۔

؎ گر تُو مَردی نفسِ کافر را بکُش ۔۔۔ ور نداری دسترس بنشیں خُمش (بوعلی قلندرؒ)

(تو اگر جوانمرد ہے تو اپنے اندر موجود کافر نفس کو مار ڈال۔ اگر تجھ میں یہ ہمت نہیں تو ڈینگیں نہ مار خاموش ہو کر بیٹھ۔)

قرآن کریم میں غافلین کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ ان کے دل تو ہیں مگر نا سمجھ ہیں۔ آنکھیں تو ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتیں۔ کان تو ہیں مگر سنی کو ان سنی کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مرید جو بھی مرشد کی محفل میں عملی طور پر دیکھے یا سنے اُسے سمجھ کر دل میں بٹھائے۔ پھر فوراً اس پر عمل کرنا شروع کر دے۔ کیونکہ محفلِ مرشد میں درسِ مولویانہ نہیں بلکہ درسِ معرفت ہوا کرتا ہے۔ جس کا اثر براہِ راست دل و دماغ میں بٹھانا پڑتا ہے۔ تب وہ غافلین کے زمرے سے نکل سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اسی غفلت کو توڑنے کیلئے مرشدِ کامل کا دامن گیر ہوا ہے اگر اس پر کار بند رہا تو! بقول پیر رومیؒ:

؎ بینی اندر دل علومِ انبیاء　　　　بے کتاب و بے مُعید و اُوستا

(تب تُو اپنے دل میں علومِ انبیاء پائے گا جو کہ بغیر کتاب و اُستاد اور معاون کے ہوگا۔)

جن دوستوں پر مرشد راضی اور خوش ہے ان کی عزت و احترام کرنا ہر مرید کیلئے لازم ہے۔ چاہے اس سے بعد ہی مرید کیوں نہ ہو گئے ہوں اور ایک مرید پر مرشد ناخوش ہے خواہ کتنے سال پہلے کا مرید کیوں نہ ہو۔ اس سے برأت (بیزاری) اختیار کر کے اس کی سلامتیٔ ایمان کیلئے دعا کرتا رہے۔ علاوہ ازیں مرشد اگر تیرے ایک جانی دشمن کو اچھا کہے تو اس کو اچھا جاننا تیرے لئے جزوِ ایمان ہے۔ اگر تیرے ایک قریبی دوست کو برا کہہ دے تو اس کو برا سمجھنا بھی تیرے لئے لازم ہے۔ کیونکہ مرشد کی نگاہ صرف ظاہر پر نہیں بلکہ باطن پر بھی ہوتی ہے۔ مرشد کی نگاہ صرف کثرتِ صحبت پر نہیں بلکہ ان کے ہاتھ میں صداقت کا ترازو بھی ہوتا ہے۔ صداقت کی بنیاد پر ایک مرید ایک دن میں وہ انعامات جیت سکتا ہے جو دوسرا کئی سالوں تک حاصل نہ کر سکا۔

؎ وادیٔ عشق بسے دُور و دراز است و لئے　　　　طئے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے　　(اقبالؒ)

(وادیٔ عشق ایک نہ ختم ہونے والا راستہ ہے۔ کبھی کبھار عاشق کی ایک ہی آہ سے سو سال کا طویل راستہ یکدم طے کیا جا سکتا ہے۔)

مرشد کے تقاضے اور حکم پر چار آنے خرچ کرنے سے وہ فائدہ مل سکتا ہے جو بغیر حکم کے چار لاکھ خرچ کرنے سے بھی نہیں مل سکتا۔ اس لئے ایسے نادر موقعوں کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

؎ نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت　　　　سرِ دوستاں سلامت کہ تُو خنجر آزمائی

(دشمن کے نصیبوں میں کہاں کہ تری تلوار کا نشانہ بنے۔ دوستوں کا سر سلامت کہ جن پر تُو خنجر آزمائے)

نیز مرشد کی حکم عدولی کی صورت میں مرید کئی سالوں کے بلند مدراج سے گر سکتا ہے۔ اللہ محفوظ فرمائے۔

مرید کو چاہئے کہ مرشد کی اتنی خدمت ضرور کرے کہ کم از کم اس کی باطنی آنکھیں اِسی دنیا میں کُھل جائیں۔ جو اس جہاں میں کور باطن رہا اگلے جہاں میں بھی حقیقی آنکھوں سے محروم رہے گا۔ یعنی حقیقی ذوقِ دیدار سے بہرہ ور نہ ہو سکے گا۔

؎ حَیف باشد ہمچوں نابینا روی   کور و کر خیزی و رُسوا شوی   (بوعلی قلندرؒ)

(افسوس کی بات ہے کہ تُو اس دنیا سے کور باطن چلا جائے۔ میدان محشر میں بھی اندھا اور بہرا اُٹھ کر اپنے آپ کو رسوا کر لے۔)

مرید اگر تعلیم یافتہ ہے تو اُسے کتبِ فقہ اور کتبِ تصوّف کا مطالعہ کرنا چاہئے، تا کہ فقہ سے اسے بنیادی عقائد و مسائل کا پتہ چلے اور کتبِ تصوّف سے اسے ان کے ثمرات وحقائق کا پتہ چلے۔ کیونکہ علم کے ساتھ قدم اٹھانا بغیر علم کے قدم اٹھانے سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ صحبتِ مرشد اور معمولات سے علاوہ فرصت میسر ہو۔ وگرنہ:

؎ حرف کو کاغذے سیاہ کُند   دِل کہ تیرہ است کئے چو ماہ کُند

(جو حروف سفید کاغذ کو سیاہ کر دیتے ہیں وہ تاریک دل کو چودھویں چاند کی طرح کیونکر روشن کر سکتے ہیں؟)

دوسروں کے چھیڑنے سے سمجھدار مرید فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ ان سے انہیں بات کرنے اور حقیقتِ حال سمجھانے کا موقعہ ملتا ہے۔ لہٰذا مرید عام انسان کی طرح غصّہ کرنے اور انتقامی گفتگو میں نہ آئے۔ یہ صاحبِ نفس کا کام ہے۔ جب کہ فقیر سراپا صاحب رُشد ہوتا ہے۔ چوروں کو قطب بنانا مسلکِ فقراء میں ہے مولویت میں نہیں۔ ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی جمالی فقیر ہیں فرماتے ہیں۔ جس نے بھی جس ارادے سے مجھے چھیڑا وہ میرے فیض سے محروم نہیں رہا۔

ترکِ دنیا کر کے اللہ اللہ کرنا کوئی کمال نہیں۔ کمال تو تب ہے کہ دنیا کے ساتھ تعلق دار ہوتے ہوئے اپنے اللہ کو نہ بھُولے۔ مردانِ خدا کی خداوند کریم نے یہ تعریف بیان کی کہ ''وہ ایسے لوگ ہیں جن کو خرید وفروخت میری یاد سے ہرگز نہیں روک سکتی۔'' شیخ کامل بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''بازاروں میں بھی ایسے صاحب کرامت لوگ بیٹھے ہیں کہ ہم مسند نشینوں کو مسندوں سے اٹھا کر سلسلے چلا سکتے ہیں مگر فرق صرف یہ ہے کہ ہم لباسِ فقر میں ملبوس رہتے ہوئے اجازت یافتہ ہیں اور وہ نہیں وگرنہ خرید وفروختِ دنیا اُن کے اور ان کے رب کے درمیان حجاب نہ بن سکی۔'' لہٰذا مرید کو بھی خاص کر اس معاشی دور میں اس بات کا ثبوت پیش کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو ان مردان خدا کے زمرے میں شامل کرنا چاہئے۔

مرید دفعہ وقتی کیلئے تو ہر کسی سے سلام کرے مگر مستقل دوستی صرف اسی سے لگائے جو معاملاتِ دین کا پابند اور عقائد و آخرت کے لحاظ سے بہتر ہو۔ وگرنہ قیامت کے دن گرفت میں آ کر اسے پچھتانا پڑے گا۔ مرید کو جانثاری سے کام لینا چاہئے۔ یعنی اپنے حصہ سے بھی دست بردار ہو۔ یا کم از کم اعتدال پسند تو ضرور ہو۔ خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرے اور نہ کنجوسی کا مظاہرہ کرے۔ بقول مرشد کریم باباجی سرکار مدظلہٗ العالی کے کہ ''کنجوس پر نہ مرشد کی نگاہ پڑتی ہے اور نہ خدا کی رحمت نازل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ سب بندگانِ خدا کے کردار سے یہ چیز خارج اور سخاوت شامل رہی۔''

؎ پاک کُن آئینہ دل را از غُبار   تا بیاید عکسِ رُوئے آں نگار   (بوعلی قلندرؒ)

(اپنے شیشۂ دل کو ہر قسم کی دنیاوی آلائشوں سے صاف رکھ تا کہ اس میں دوست کا چہرہ صاف صاف دکھائی دے)

مرشد کی بارگاہ میں صرف قلبِ سلیم کی قیمت ہے جو مال و اولاد اور خواہشاتِ نفسانی کی واردات سے مغلوب و مجروح نہ ہو بلکہ محفوظ و مامون ہو۔

سب مخلوقِ خدا کے ساتھ للہ فی اللہ تعلّقات رکھے۔ ذرا بھی اس میں دنیاوی لالچ آ گئی تو وہ راہِ فقر میں سلامتی کے ساتھ نہ چل سکے گا۔ یہاں تک کہ ایک دن اپنے مرشد کے زیرِ عتاب بھی آئے گا۔

؎ زُہد و تقویٰ چیست؟ اَے مردِ فقیر لا طمع بودن زِ سلطان و امیر (بوعلی قلندرؒ)

(اے راہِ فقر پہ چلنے والے! تجھے یہ معلوم ہے کہ ''زہد و تقویٰ'' کے کیا معنی ہیں؟ سن لے ہر سلطان اور امیر سے بے نیاز ہونے کا نام ''زہد و تقویٰ'' ہے۔)

مرشد کے کسی معاملے میں دخل نہ دے اور نہ بغیر پوچھے اُنہیں کوئی مشورہ دے۔ کیونکہ ہماری سوچ میں نفس کے دخل کا امکان ہے۔ جبکہ نگاہِ مرشد خود تو نورِ خدا، تیر بہ ہدف ہے۔ مرید کا کام صرف خود کو اور مخلوق کو مرشد کی خدمت میں لگا دینا ہے۔ آگے ہر کسی سے نبھانا مرشد کا ذاتی فعل ہے۔ بقول حافظ شرازیؒ:

؎ رموزِ مملکت خویش! خسرواں دانند گدائے گوشہ نشینی تو حافظا! مخروش

(امورِ سلطنت کے بارے بادشاہ ہی بہتر جان سکتے ہیں۔ اے حافظؔ! تُو تو ایک گوشہ نشین فقیر ہے مت چلّایا کر۔)

مرید جو بھی مجاہدہ و ریاضت کرے یا خدمتِ مرشد میں پیش پیش رہے تو یہ مرشد کی طرف سے اس پر احسان ہے۔ حالانکہ یہ فائدہ بھی مرید کے اپنے نفس کو ہے۔ مرشد پر اس کا کچھ بھی احسان نہیں ہے بلکہ مرشد تو ایسی چیزوں سے بے نیاز ذات ہے۔

؎ مِنّت مَنِہ کہ خدمتِ سلطاں همی کُنی مِنّت ازو شمار کہ بخدمت گُزاشتہ

(یہ احسان نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے بلکہ احسان تو بادشاہ کا ہے کہ تجھے اپنی خدمت میں رکھا ہوا ہے۔)

؎ غرض ادائے نیاز است ورنہ حاجت نیست کمال حشمت محمودؔ را بہ عُجزِ ایازؔ

(مطلب نیاز مندی کا اظہار کرنا ہے وگرنہ سلطان محمود غزنوی کی شان و شوکت کے سامنے ایاز کی عجز و انکساری کی کیا حقیقت ہے۔ بالفاظ دیگر مرید، مرشد کی نیاز مندی کرے یا نہ کرے اُن کی وہی شانِ شہنشاہی رہے گی)

مرید اگر عزت کا طالب ہو تو مرشد کی عزت کرے۔ بقول حضرت شیخ نخشبیؒ:

؎ ہر کس در طفیلِ تُو گردد گر تُو خود را طفیلِ کَس دانی

(تو اگر خود کسی کا طفیلی بن جائے تو ساری دنیا تیرا طفیل (وسیلہ) ڈھونڈے گی) علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ خواجگی را خواجگی از بندگیست بندگی کردن کمالِ خواجگیست

(آقا کی آقائی خدمت وبندگی کی وجہ سے ہے۔عروج آدمیّت خدمت کرنے میں مضمر ہے۔)

مرید کو چاہئے کہ جو بات اسے سمجھ نہ آئے اور اس پر عمل کئے بغیر اسے چارہ بھی نہیں تو بغیر علم کے ہر گز اس پر عمل نہ کرے، جب تک مرشد سے جا کر نہ پوچھے۔ مرشد کی ذات ایسے پیچیدہ مسائل حل کرنے کیلئے تو ہوتی ہے۔لہٰذا مرید کو ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد کی تعریف میں ایسے تو نہیں فرمایا کہ

ع آبِ حیواں قطرۂ بحرِ دِلش

(آبِ حیات میرے مرشد کے بحرِ دل کا ایک قطرہ ہے۔)

مرید کے خلوص کا مطلب غیر اللہ سے خلاصی حاصل کر کے صرف مرشد کیلئے اپنے آپ کو خالص بنا دینا ہے۔ البتہ خلوص کا دارومدار فیضِ مرشد پر ہے۔اور لفظ ''فیض'' تفویض سے ہے۔مطلب! مرشد سے صرف وہی مرید فیض حاصل کرسکتا ہے جو اپنے آپ کو خالصتاً اس کی تفویض (سپرد) کرے۔بہ مصداق اس آیہ کریمہ کے کہ ''وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌم بِالْعِبَادِ ''(مومن:44)(اور مَیں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔)

؎ سپُردم بتو مایۂ خویش را تُو دانی حسابِ کم و بیش را (نظامی گنجویؒ)

(مَیں نے اپنا سب کچھ تیرے حوالے کر دیا ہے کہ تجھی کو میرے نفع ونقصان کا علم ہے۔)

مرشد پر اپنی اولاد تک قربان کرنا سنت ابراہیمی ہے۔

؎ گر کُنی جانرا تو بر جاناں نثار در عوض یک جاں دِہد صد جاں نگار (بوعلی قلندرؒ)

(اگر تُو اپنی ایک جان کو دوست پر قربان کر دے تو دوست تجھے اس ایک کے بدلے سوابدی جانیں عنایت کر دیتا ہے۔)

مرید کو اپنے مرشد کی خدمت میں دنیا و آخرت دونوں مل سکتی ہیں مگر آگے مرید کی اپنی صوابدید ہے کہ فنا چیز اختیار کرے یا بقا۔

مرید کو چاہئے کہ وہ باطل کیلئے نہایت سخت سیسہ پلائی دیوار کی طرح ہو مگر حق پر نہایت رحم دل اور شفیق ہو۔

؎ مصاف زندگانی میں سیرتِ فولاد پیدا کر شبستانِ محبّت میں حریر و پرنیاں ہو جا (اقبالؒ)

مرید ہر کبیرہ وصغیرہ برے کام سے اپنی جان بچائے خواہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح باطنی بہانہ بنا کر ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ''(مَیں بیمار ہوں) ہی کیوں نہ کہہ دے تا کہ مرشد کے ساتھ کئے ہوئے وعدے میں خلل نہ آئے۔

چلتے وقت مرشد کے پیچھے پیچھے چلے۔کوشش کرے کہ مرشد کے نشانِ قدم پر قدم نہ رکھے۔نیز مرشد کے سائے پر بھی قدم نہ رکھے۔

؎ برزمینیکہ نشان کفِ پائے تُو خواہد بود سالہا سجدہ گاہِ صاحبِ نظراں خواہد بود (جامیؒ)

(تیرے نقشِ پا کی زمین مدتوں عُشّاق کی سجدہ گاہ بنتی رہے گی)

اوّل تو کوشش کرے کہ ان کے سامنے بیٹھ کر کھائے بھی نہیں بلکہ خدمت پر مامور ہو۔ اگر کوئی ایسا موقع بن بھی جائے تو پہلے کھانے کی ابتداء نہ کرے۔ نیز مرشد کے ہاتھ ہٹاتے ہی اپنا ہاتھ ہٹالے۔ مرشد کی موجودگی میں کسی کے سوال کا جواب نہ دے جب تک مرشد خود حکم نہ فرماوے۔ الحختصر کسی بھی کام میں مرشد سے پہل نہ کرے۔ وگرنہ بے ادب شمار ہو گا۔ مرشد کے ساتھ بات کرتے وقت بلند آواز سے نہ بولے۔ خاص کر جب مرشد لوگوں کے ساتھ محوِ گفتگو ہوں یا نیند میں ہوں یا اَوراد و وَظائف میں مشغول ہوں تو ان سے کلام نہ کرے۔ یہ مرید کی پرہیز گاری کی علامات ہیں۔

ہمہ وقت مرشد سے چمٹے نہیں رہنا چاہئے۔ بلکہ اُنہیں آرام کرنے اور اَوراد و وَظائف کیلئے حسبِ طبیعت تنہائی میسّر کرے۔ مرشد کی طبیعت جانچ کر قدم اٹھائے۔ وہ تو اَز رُوئے اخلاق کسی کو نہیں کہتے کہ چلے جاؤ۔ لہٰذا اس بارے میں لوگوں کو سمجھانا بھی خاص خاص مریدوں کا کام ہے۔ بعض اوقات تو اولیاء کرام کی یہ حالت ہوتی ہے جس طرح کہ پیغمبر ﷺ فرمایا کرتے۔ ''خدا کے ساتھ میرا ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جس میں کسی مقرب فرشتہ اور نبی و مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی'' ایسے حالات میں بے احتیاطی سے خاص خاص مرید بھی نقصان اٹھا سکتے ہیں۔ لہٰذا مرشد کے ایسے اوقات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے۔

؎ حرام است برو نعمتِ بادشاہ　　　که بر وقتِ فرصت ندارد نگاہ　　(سعدیؒ)

(اس پر بادشاہ کی نعمتیں حرام ہیں جو ان کے اوقاتِ فرصت کا لحاظ نہ رکھے۔)

پیر بھائیوں میں کوئی جھگڑا پیدا ہو یا اختلاف رائے رونما ہو تو اوّل وقت میں ان میں صلح کرانے کی کوشش کرے تا کہ مرشد تک کسی کی شکایت نہ پہنچے جس سے انکا نقصان ہوگا۔ پیر بھائیوں کو بلاتے وقت ''حق اللّٰہ'' کہہ کر۔ اگر باشرع ہے تو صوفی صاحب وگرنہ نرم لہجے میں اصل نام لے کر پکارے۔ پیر بھائی کے کسی عیب کو بجائے دوسروں کے سامنے دہرانے کے اسے تنہائی میں سمجھا دے تا کہ اس کے عیب کا خاتمہ ہو سکے اگر وہ نہ سمجھے تو اس سے احتراز کر کے اس کے لیے دعائے خیر کرتا رہے۔

ایک آدمی خواہ جس اجنبی قوم سے متعلّق ہو یہاں تک کہ ذاتی دشمن کیوں نہ ہو جب مرشد کی بیعت کر کے پیر بھائی بن جائے تو اس کے ساتھ سگے بھائیوں جیسا معاملہ رکھے۔ اُسے پنجابی، پٹھان، بنگالی، بلوچ، اور بدوی نہ سمجھے کیونکہ اصل بھائی پر اعتبارِ رفاقت نہیں ہوتا اس میں بھی لالچ کا احتمال ہے مگر پیر بھائی دونوں جہانوں میں مرشد کے ساتھ بھائیوں کی طرح شانہ بشانہ ہوتا ہے جو کہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح) اصل رشتۂ اخوّت ہے۔ خدا مسلمانوں کو نصیب فرمائے۔

مرشد ایسے مرید کو زیادہ قربت و خدمت کا موقع دیا کرتا ہے جو حقیقت شناس ہو۔ مرشد کو نذرانہ دینا یا صدقہ پیش کرنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ مرشد کی دعا سے کئی موجودہ اور آنے والی مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔ دراصل رزق انہی لوگوں کے

طفیل عوام النّاس کو ملتا ہے۔ اگر انہی کی طفیلی چیزاں پر خرچ کی جائے تو یہ کوئی کمال کی بات نہ ہوگی بلکہ:

؎ جاں دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا (غالبؒ)

مرشد کسی مرید کو نہیں بھولتا ہے مگر اُس کو بھلاتا ہے جو مرشد کو بھلا دے۔ اس لئے مرید کو چاہئے کہ مرشد کی خدمت میں اکثر و بیشتر ضرور حاضری دیا کرے تا کہ وہ اسے اپنی خاص دعاؤں میں یاد کیا کریں۔

؎ صحبتِ مرداں اگر یک ساعت است بہتر از صد خلوت و صد طاعت است (رومیؒ)

(مردِ کامل کی صحبت اگر چہ ایک لمحہ بھر کیوں نہ ہو وہ سینکڑوں چلّوں اور عبادت و ریاضت سے بہتر ہے۔)

مرید کو چاہئے کہ وہ اپنا ''حال'' اپنے ''قال'' کے مطابق بنائے۔ وگرنہ وہ مرشد اور خدا کی بارگاہ میں تنزلی کا شکار ہو جائے گا۔ فقر میں ''قال و حال'' کے ''تضاد'' کو ''منافقت'' کا نام دیتے ہیں۔ خدا بچائے۔

؎ کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ زوالِ عشق و مستی حرفِ رازیؒ (اقبالؒ)

مرید! مرشد کی صحبت میں رہنے کے باوجود اس کے رنگ میں نہ رنگ جائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا۔

؎ دلِ بے سوز کم گیرد نصیب از صحبتِ مَردے مسِ تابیدہٗ آور کہ گیرد در تو اکسیرم (اقبالؒ)

(ذوقِ سوز سے محروم، دل ایک صاحبِ دردمَردِ کامل کی صحبتِ محشر انگیز سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا جس طرح کہ ''موصل'' لوہے ہی سے کرنٹ پاس ہوسکتا ہے ''غیر موصل'' سے نہیں۔)

مثال مشہور ہے ''خرِ موسیٰ گر بمکّہ رود ہمہ خراست''۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار مکّہ مکرمہ سے واپسی پر حاجی بن کر لوٹے مگر گدھا وہی گدھا تھا۔)

ایک مرید کوّے کی طرح ہے اور دوسرا شاہین کی طرح۔ وجہ یہ کہ شاہین غیور اور پرہیز گار ہے، جو اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر شاہین کہلایا مگر کوّے میں یہ چیزیں مفقود ہیں لہٰذا اپنے اوصاف کی بنا پر کوّا ٹھہرا، وگرنہ اصل میں تو دونوں پرواز کرنے والے پرندے ہیں۔ اسی طرح مرید تو دونوں ہیں مگر ایک مرید صاحبِ حصول اور دوسرا صاحبِ فضول ہے۔

؎ پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور شاہیں کا جہاں اور (اقبالؒ)

مرید کو چاہئے کہ وہ اخلاق سے، نورِ بصیرت سے اور عقلِ سلیم سے اپنے اہل و عیال کو رام کرے۔ بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ بصورت دیگر صبر و تحمل سے کام لے۔

؎ فیض نظر کیلئے ضبط سخن چاہئے حرف پریشاں نہ کہہ اہل نظر کیلئے (اقبالؒ)

فقر میں کسی پر زیادتی اور ظلم کرنا جائز نہیں ہے مگر صرف نفس پر ظلم و تعدّی کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے۔ عارفِ کامل حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ع باجھ فقیراں کسے نہ ماریا باھُو چور اندر دا ھُو

بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ع شیطان نال ایویں لڑدائیں بندیا کدی نفس اپڑیں نال لڑیائیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

؎ اے شہا کُشتیم ما خصمِ بروں　　ماند زو خصمے بتر در اندروں

(اَے پہلوان! تُو نے تو اپنے گردوپیش کے سارے دشمن مارڈالے مگران سے بڑھ کر ایک جانی دشمن تیرے اندر ہی پرورش پارہا ہے اور وہ تیری دونوں پسلیوں کے درمیان موجود تیرا نفس ہے۔)

اسی نفس کے سب سے بڑے دشمن انبیاءعظام علیہم السلام اور پھر اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ٹھہرے۔

مرید کو مرشد کی دعا سے اگر کوئی خوشی پہنچے تو اس میں دلی مسرّت محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح اگر ان کی طرف سے کوئی امتحان یا تکلیف آئے تو اس پر بھی مسرت ورضا کی کیفیت نہ ہو تو وہ فقر میں مریدِ اُحول (دل کا بھینگا مرید) اور مریدِ ناقص خیال کیا جاتا ہے۔

؎ گر نداری ہمتِ مردانِ دیں　　چوں زناں رَو در پسِ پردہ نشیں (بوعلی قلندرؒ)

(تجھ میں اگر مردانِ خدا جیسی ہمت نہیں ہے تو جا! عورتوں کی طرح چھپ کر بیٹھ۔ کیونکہ میدانِ کارزار میں مرد ہی کود پڑتے ہیں۔)

مرشد کبھی لباس سے، کبھی کھانے پینے سے، کبھی عبادت وریاضت سے اور کبھی فتوح سے امتحان لیتا ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''جس قدر انسانی استعدادیں مختلف، مرشد کی طرف سے امتحانات کی نوعیت بھی اسی قدر مختلف ہوتی ہے۔'' شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ:

؎ بخور ہرچہ آید زِ دستِ حبیب　　نہ بیمار دانا تراست اَز طبیب

(دوست کے ہاتھوں (مرشد کامل کی طرف سے) جو بھی چیز ملے کھالے کیونکہ مریض! حکیم سے تو زیادہ عقلمند نہیں ہے۔)

عرب کہاوت ہے۔ ''ضَرْبُ الْحَبِیْبِ زَبِیْبٌ'' (دوست کا مارنا انگور کھانے کے مترادف ہے۔)

دوزخیوں کی گندی غذا گلے میں غصّہ (اٹکنا) بن جاتی ہے جو پیٹ میں نہیں جاسکتی۔ اسی طرح غصہ کرنے والے کو قرآن وحدیث کی ہدایت گلے سے نیچے دل تک نہیں اتر سکتی۔ کہا گیا ہے کہ سینے میں غصہ رہ سکتا ہے یا ایمان! دونوں ہرگز نہیں رہ سکتے۔ علاوہ ازیں غصّے سے ذکر کے اثراتِ خیر بھی زائل ہوجاتے ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ مِہر و رِقت وصف انسانی بود　　خشم و شہوت وصفِ حیوانی بود

(اُنس ونرمی، انسانی اور غصّہ وشہوت، حیوانی اوصاف ہیں۔)

مرید کیلئے دنیا سے یکسو ہوکر اسے خوبصورت طریقے سے چھوڑ دینا نہیں کہا گیا بلکہ انبیاء کرام کو بھی ''وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ

تَبَتِیلاً" (سب سے کٹ کر اُسی کے ہوجاؤ) اور "وَاھجُرھُم ھَجراً جَمِیلاً" (اور انہیں اچھے طریقے سے چھوڑ دو) کا واضح حکم سنایا گیا ہے۔ حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ مرید کو وصول الی اللہ کا راستہ بتاتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

؎ صد تمنا در دل است ائے بوالفضول　　　　کئے کند نورِ خدا در دل نزول

(اے بیوقوف! نورِ خدا کا تیرے دل پہ کیسے نزول ہو؟ جبکہ سینکڑوں نفسانی خواہشات تیرے دل پہ قبضہ کئے ہوئے ہیں۔)

اِن کدورتوں سے مرید کا دل نجات حاصل کرسکتا ہے مگر کرتا ہے بتدریج! بقول رومیؒ:

؎ چوں زِ چاہے میکَنی ہر روز خاک　　　　عاقبت اندر رسی با آبِ پاک

(ایک کنوئیں سے جب تُو روزانہ تھوڑی تھوڑی مٹی نکالتا رہے تو ایک دن تُو پاک وصاف پانی تک بھی پہنچ جائے گا۔)

اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی اوقات یاد دلاتا ہے کہ "کیا تم پہ وہ وقت نہیں تھا جب تم تھے ہی نہ۔ تو پھر خدا نے تمہیں اپنا ذاتی خلیفہ بنا کر عزت کا تاج پہنایا اب تم شکر کرنے کی بجائے اِترانے لگے ہو"۔ اسی طرح مرید کو بھی مرید بننے سے پہلے کا نقشہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور اپنی اوقات یاد کرنی چاہئے۔ جبکہ وہ نورِ ہدایت سے محروم تھا تب وہ مقامِ عجز واستقامت پہ آسکتا ہے۔

محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایاز کی جتنی قدر ومنزلت تھی وہ اس کے اپنے اوقات یاد کرنے کی وجہ سے تھی۔ محمود رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے کہ "اے ایاز! قدرِ خود بشناس" یعنی اے ایاز! اپنی حقیقت پہچان غرور میں مبتلا نہ ہوا کر بلکہ شکر کر کہ تُو کیا تھا اور اب کیا بنا۔

مرید یہ ہرگز نہ سمجھے کہ مرشد کو میرے حال کا علم نہیں بلکہ اسے مرید کے ذرّے ذرّے کا پتہ ہوتا ہے مگر وہ خدا کی صفتِ ستّاری کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ مرید کو شاہراہِ فقر پہ موجود ہونے کے طفیل خواہشاتِ نفسانی و دنیاوی کے کم کرنے سے ایمان کی زیادتی اور شرحِ صدر نصیب ہوتا ہے۔ بقول عارف رومیؒ:

؎ ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید　　　　بیشتر آمد برو صورت پدید

(جس نے لوحِ دل کی زیادہ صفائی کی اس نے زیادہ پایا اور زیادہ دیکھا۔)

عشقِ مرشد اور عشقِ ذکر میں جب تک مرید حالت دیوانگی پہ نہ آئے از رُوئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ایمان ابھی تک مکمّل نہیں۔ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ "اُکثِرُوا ذِکرَاللّٰہِ حَتّٰی یَقُولُوا مَجنُونٌ" (شعب الایمان، بیہقی شریف) (اللہ کا ذکر اس حد تک کرو کہ لوگ تمہیں مجنوں کہنے لگیں۔)

؎ در رہِ عشق منزل کوتاہ و دراز　　　　شرطِ اوّل آن است کہ مجنوں باشی

(منزلِ عشق بہت دور ہے مگر نزدیک بھی، بشرطیکہ تو دیدارِ یار میں مجنوں ہوجائے۔)

اللہ تعالیٰ کو بلند ہمت لوگ بہت پسند ہیں اس لیے مرید کو مرشد کے ہر معاملے میں بلند ہمت ہونا چاہئے جس طرح کہ مقولہ ہے ''تونگری بدل است نہ بمال۔'' (فقر میں دولت کام نہیں کرتی بلکہ ہمت وتوکّل کام کرتی ہے۔) ظاہر ہے کہ مرشد کو بھی بلند ہمت اور بلند حوصلہ مرید دوسروں کی نسبت زیادہ پسند ہوتے ہیں۔شیطان وہاں نقب ڈالتا ہے جہاں کوئی خزانہ ہو۔مرید کے دل پر وساوس کا حملہ کرنا اور انہیں پھر سختی سے ٹالنا پیغمبر ﷺ نے کمالِ ایمان سے تعبیر فرمایا۔لہٰذا اس بات میں مرید تو بالکل نہ گھبرائے کہ اس کا نگہبان مرشد اس کے سر پر موجود ہے۔ذرا سی غیرت کرے تو سب شیطانی حملے پسپا ہو کے رہیں گے۔ہمیں ایسے دور سے پالا پڑا ہے جب کہ ظاہری طور پر بھی لوگ شیطان فطرت بنے ہوئے ہیں۔ ہر طرف گمراہی ہی گمراہی ہے۔اس لئے سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ''لوگوں میں سے بہترین لوگ علماء ہیں اور بد ترین لوگ بھی علماء ہیں پہلے دور میں (خَیْرُ النَّاسِ خَیْرُ الْعُلَمَاء) بہترین لوگ علما تھے۔(اس دور میں (شَرُّ النَّاسِ شَرُّ الْعُلَمَاء) (بدترین لوگ علماء ہیں) کا دور دورہ ہے۔''اس لئے ایک ولی اللہ کے مرید کو چاہئے کہ وہ علماء کے زیادہ اختلاط سے گریز کرے۔بقول اقبالؒ:

؎ حقیقت را برِندِ فاش کردند   کہ مُلّا کم شناسد رمزِ دیں را

(اس حقیقت کو ایک رِند (اقبال) پر فاش کر دیا گیا ہے کہ دورِ حاضر کا مُلّا حقیقتِ دین سے بے خبر ہے)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلوک کا جتنا نقصان علماء کی طرف سے ہو رہا ہے اور کسی سے نہیں۔وہ اصل بات لوگوں کو بتاتے ہی نہیں کہ معرفتِ دین ومعرفتِ حق بغیر رہبرِ کامل کے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔علماء خود جاہ پرست، لالچی اور دنیا پرست ہو گئے ہیں۔وگرنہ مسلمانوں کیلئے راستہ صرف ایک ہی راہِ فقر ہے اور بس۔نیز امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سالکین کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ صرف اپنے مرشد کی پیروی کریں۔کسی فرقے کی تقلید ہرگز نہ کریں۔تب وہ اپنی منزلِ معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔وگرنہ ناممکن۔

مرید کو خوددار ہونا چاہئے۔دولت مند اور دشمن کے سامنے جھکنا فقراء کی بدنامی ہے۔اس لئے ان کی طرف توجہ تک نہ دے۔تب ایمان سلامت رکھ سکتا ہے۔فائدہ مند کام میں مصروف ہونا خدا کی رضا اور بے فائدہ کام (جو نفعِ آخرت سے خالی ہو) میں مصروف ہونا خدا کی ناراضگی کی دلیل ہے۔اس لئے مرید کو بجائے غفلت میں سونے کے ہر وقت مرشد کیلئے کسی نہ کسی کارِ خیر میں مصروف رہنا چاہئے۔بقول رومیؒ

؎ دوست دارد! دوست ایں آشفتگی   کوششِ بیہودہ بہ از خُفتگی

(دوست (خدا)! پریشانی کو بہ نسبت سکون زیادہ پسند فرماتا ہے۔اس لئے سونے سے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا بہتر ہے۔)

از روئے حدیثِ نبوی ﷺ پاکیٔ قلب، پاکیٔ نگاہ سے حاصل ہوتا ہے۔جس کی نگاہ قابو میں نہیں اس کا دل بھی اس کے قابو میں نہیں جب دل قابو میں نہیں۔تو پابندیٔ احکام کہاں سے ہو۔اس لئے مرید کو عفتِ نگاہ کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

؎ دل سوز سے خالی ہے نگہ پاک نہیں ہے ۔۔۔ پھر اس میں عجب کیا! کہ تُو بیباک نہیں ہے ۔۔۔ (اقبالؒ)

مرید کی محبّت کا پہلا ثبوت مرشد کا ظاہری نقشہ اختیار کرنا ہے کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم کے زمرے میں شمار ہوگا۔ پھر اسی ظاہری نقل کے طفیل خداوند کریم اس کا باطن بھی فقراء کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ مرشد بھی ایسے مرید کو ہرگز نظر انداز نہیں کرتا خالی نہیں چھوڑتا بشرطیکہ وہ استقامت بالصداقت اختیار کرے۔

؎ گِرد مستاں گرد مئے کم رسد بُوئے رسد ۔۔۔ گر چہ بُوئے ہم نباشد رُویت ایشاں بس است

(بادہ الست سے مست لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کر۔ اگر چہ شرابِ عشق پینے کی نوبت نہ آئے۔ خوشبو تو لازمی پہنچے گی۔ اگر خوشبو بھی نہ پہنچے ترے لئے ان کا دیدار ہی کافی ہے۔)

پیغمبر ﷺ نے فقر کو کفر کے بہت قریب بتایا ہے۔ (كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْراً) (کنز الحقائق) اس کی وجہ یہ ہے کہ مرید کو اپنے پیشوا کے بارے ذرا بھر بدگمانی آجائے تو اس کی ساری روحانیت سلب ہو جاتی ہے۔ روحانیت کا سلب ہونا کفر کے مترادف ہے۔ مرشد کریم مدظلہُ العالی فرمایا کرتے ہیں کہ فقیر جب اوپر چڑھ گیا تو کھجور ہی کھجور۔ نیچے گر گیا تو چکنا چور۔ مرشد بمنزلہ ''حَبْلَ اللّٰه'' کے ہے اور مرید کا عقیدہ رسّی کی حیثیت سے ہے۔ عقیدہ ٹوٹنے سے رسّی کا ٹوٹنا لازم ہے اور رسّی کے ٹوٹنے سے دامنِ مرشد کا چھوٹنا لازم ہے۔ خدا محفوظ رکھے۔

ایک مرید کی ترقی کا دارومدار نیت وعقیدہ پر ہے۔ احادیث میں نیت کو اعمال پر ترجیح دی گئی ہے۔ کہ ''نِيَّـــتُ الْمُؤمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ'' یعنی مومن کی نیت اس کے اعمال سے بہتر ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر ابو بکرؓ کا ایمان میری ساری امت کے ایمان کے مقابلے میں وزن کیا جائے تو البتہ غالب آجائے'' جس طرح کہ عقیدے کی بنا پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کمالات حاصل کئے اور کوئی نہ کر سکا۔ اسی طرح مرید بھی عقیدے کی بنا پر مرشد سے جو اکتساب فیض کر سکتا ہے اور کوئی نہ کر سکے گا۔ عقیدے کی پختگی معاملاتِ شریعت کی پابندی میں ہے۔

؎ گماں مُبر کہ نصیب تُو نیست جلوۂ دوست ۔۔۔ درونِ سینہ ہنوز آرزوئے تُو خام است

(یہ تو تصوّر تک نہ کر کہ دیدارِ دوست تیری قسمت میں نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ابھی تک تیرے سینے میں آرزوئے طلب خام ہے (عقیدہ پختہ نہیں ہے۔))

متواتر مرشد کی خدمت میں رہنے سے کئی قسم کی غلطیاں سرزد ہو سکتی ہیں جو باعثِ زوال ہیں۔ مبتدی کیلئے فرمایا گیا ہے کہ ''زُرْغِبّاً تَزْدَدْ حُبّاً'' یعنی ایک ایک دن چھوڑ کر محبّت بڑھاؤ۔

؎ تعلّق حجاب است و بے حاصلی ۔۔۔ کہ پیوندھا بگُسلی! واصلی (سعدی شیرازیؒ)

(بے ذوق صحبت باعثِ محرومی ہے۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ پیوند کو جدا کر کے پھر ملانے (کاٹ کر دوبارہ لگانے)

سے پھل کتنا مزیدار بن جاتا ہے۔)

مرید کی نگاہ ہر وقت اپنے عیوب پر ہو تب وہ استقامت کے ساتھ مدارجِ سلوک طے کر سکتا ہے۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ "جب خداوند کریم اپنے کسی بندے سے بہتری کا ارادہ فرمائے تو اس کی آنکھیں اس کے عیوبِ نفس کیلئے کھول دیتا ہے۔"

؎ اگر چشمِ خُدا بینی بہ بخشند　　　نہ بینی در جہاں عاجز تر از خویش (سعدی شیرازیؒ)

(اگر تجھے حقیقت شناس آنکھیں مل جائیں تو تُو اپنے سے زیادہ قصوروار اور کسی کو نہ پائے گا۔)

سالِک کی دَس خصلتیں

مقتدائے صوفیاء حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کُتّے کی دس خصلتیں ہیں۔ اگر سالک میں یہ خصلتیں نہ ہوں تو کتّا اس سے بہتر ہے اور وہ یہ ہیں۔

1: کتّا بھوکا رہتا ہے۔ یہ آداب الصالحین کی علامت ہے۔

2: کتّے کا ذاتی مکان نہیں ہوتا۔ یہ متوکلین کی علامت ہے۔

3: کتّا رات کو بہت کم سوتا ہے۔ یہ شب زندہ دار اور مُحبّین کی علامت ہے

4: کتّے کی نہ جائیداد ہوتی ہے اور نہ وہ کوئی میراث چھوڑتا ہے۔ یہ زاہدین کی علامت ہے۔

5: کتّا اپنے مالک سے بے وفائی نہیں کرتا اور نہ اس سے رنجیدہ ہو کر (کسی اور دَر پر) چلا جاتا ہے۔ چاہے مالک اسے جتنا مارے۔ یہ صادقین کی علامت ہے۔

6: کتّا سب سے ادنیٰ جگہ پر بیٹھتا ہے۔ یہ متواضعین کی علامت ہے۔

7: کتّے کی جب سونے کی جگہ چھین لی جاتی ہے تو وہ چپکے سے دوسری جگہ چلا جاتا ہے۔ یہ راضئین کی علامت ہے۔

8: کتّے کو مارنے یا جھڑکنے کے بعد پیار کریں یا اسے روٹی کا ٹکڑا ڈال دیں تو وہ سب تلخیاں بھلا کر دُم ہلاتا چلا آتا ہے۔ یہ خاشعین کی علامت ہے۔

9: کتّے کا مالک جب کھانا کھا رہا ہوتا ہے تو وہ دُور بیٹھ کر دیکھتا رہتا ہے۔ یہ سالکین کی علامت ہے۔

10: کتّا جب کسی جگہ کو چھوڑتا ہے تو پھر کبھی اس جگہ کا خیال نہیں کرتا۔ یہ مُجرّدین کی علامت ہے۔

آج کل ملامتیہ کا دَور نہیں۔ وہ وقت چلا گیا کہ فقیر ظاہری طور پر لوگوں کے فریبِ نگاہ کیلئے غلطیاں کرتا تھا۔ پھر بھی لوگ اس کا دامن نہ چھوڑتے تھے۔ وہ فقر کے بنیادی اصولوں کو دیکھتے تھے۔ آج کل ذرا سی بات پر خود بدنام اور ساتھ ساتھ مرشد بھی بدنام۔ نتیجہ! لوگ وہ ذرا سا فیض حاصل کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ (یہ تو اہل الرَّیب کا دور ہے) اس لئے مخبر صادق ﷺ نے دور کے مطابق تنبیہ فرمائی ''تم میں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو ایسی جگہ پر کھڑا نہ ہو جائے جہاں کسی تہمت لگنے کا خدشہ ہو۔'' عربوں کا مقولہ ہے ''جاہل وہ ہے جو زمانۂ حاضر کے نشیب و فراز سے ناواقف ہو۔''

از روئے حدیث نبوی ﷺ ''خدا کی دوستی نفس کی عداوت میں مضمر ہے۔'' اسلئے صحبتِ مرشد سے دور مرید کو خلافِ نفس پرکار بند رہنا چاہئے۔

جوانی کی توبہ سے بڑھ کر خدا کی بارگاہ میں اور کوئی محبوب چیز نہیں ہے۔ کیونکہ نوجوان ہی عبادت و ریاضت کی مشقّت سے بتدریج خدا کی بارگاہ میں مقاماتِ قرب حاصل کرسکتا ہے۔ جبکہ بڑھاپے میں انسان اپنی جان سے بھی بیزار ہوتا ہے۔ اس لئے جس مرید کو یہ شرف حاصل ہو اس پر شُکر کر کے جم جائے۔ اس سے زیادہ اور کیا انعام ہو کہ خدا جسے اپنی دوستی میں قبول کرنا چاہے تو اسے گناہوں سے دُور رکھتا ہے۔

؎ در جوانی توبہ کردَن شیوۂ پیغمبریست — وقت پیری گُرگ ظالم میشود پرہیزگار

(جوانی میں توبہ کرنا انبیاء کرام علیہم السلام کا معمول رہا ہے۔ بڑھاپے میں تو بے رحم بھیڑیا بھی کمزوری کی وجہ سے مجبورِ محض ہو کر پرہیزگار بن جاتا ہے۔)

مرید مرشد کیلئے تفرید و تجرید بن جائے۔ جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ''رب کے سوا سب میرے دشمن ہیں'' تب ایک ہی دن میں پہلا قدم مقامِ مشاہدہ پہ رکھا۔

؎ عشق دریا ہے جو ترے! تہی دست رہے — اور جو ڈوبے! کسی اور کنارے نکلے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے بہترین ادب سکھایا۔ اس لئے آپ ﷺ نے حسنِ ادب کو ایمان کا حصہ ٹھہرایا۔ دراصل دینِ اسلام آداب کا مجموعہ ہے۔ وہ پھر درجہ بدرجہ کوئی خدا کا ادب ہے۔ کوئی رسول ﷺ کا ادب ہے اور کوئی مرّبی حقیقت یعنی مرشدِ کامل کا ادب ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ۔

؎ ہر وجود از مرتبہ حکمے دارد — اگر فرقِ مراتب نہ کُنی زندیقی

(دنیا میں موجود ہر وجود (ذی روح یا غیر ذی روح) کا ایک مرتبہ (Status) ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے گرد و پیش کے ماحول میں اس فرقِ مراتب کو نظر انداز کرے تو وہ بے دین (کیونکہ ہر دین ایک حکم میں داخل ہے) تصور ہوگا۔)

روزِ محشر خداوند کریم جل جلالہ کئی لوگوں کے دوستوں (اخوان) کے طفیل اسے بخش دیتا ہے۔ قیامت تو مرید سے

اوجھل ہے مگر پیر بھائیوں کی کثرت کر کے بخشش کا سامان مہیا کرے۔ بقول سعدی شیرازیؒ:

؎ شُنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(مَیں نے سنا ہے کہ (کل) قیامت کے دن بعض برے لوگوں کو نیکوں کے طفیل خدا تعالیٰ بخش دیتا ہے۔)

ابتدائے سلوک میں ایک کے ساتھ دوسرا شیطان ہوتا ہے مگر دو سے شیطان بھاگتا ہے۔ اس لئے مرید کو شروع شروع میں زیادہ تر صحبتِ شیخ اختیار کرنی چاہئے۔ اگر صحبتِ شیخ میسر نہ ہو تو صالح پیر بھائیوں کی صحبت اختیار کرنے کی کوشش کرے تا کہ انجمن میں شیطانی اور نفسانی حملوں سے محفوظ رہ سکے۔ مولانا رومیؒ ہدایت فرماتے ہیں:

؎ مرغِ پر نا رُستہ چوں پرّاں شود　　طُعمۂ ہر گُربۂ درّاں شود

(پرندے کا بچہ گھونسلے سے اگر پر نکالے بغیر اڑنے کی کوشش کرے تو وہ گر کر خواہ مخواہ کسی ظالم بلّی کا لقمہ ہی بن جاتا ہے۔)

؎ ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار　　انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ (اقبالؒ)

حدیث پاک کے الفاظ ہیں۔ ''اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَنْبِیَاءَ ثُمَّ الْاَوْلِیَاءَ ثُمَّ الْاَمْثَلَ فَالْاَمْثَلَ ''یعنی سب سے شدید مصیبتیں انبیاء کرام علیہم السلام پر، پھر درجہ کے لحاظ سے اولیاء کرام پر، پھر جو اِن کے (اولیاء اللہ کے) نقش قدم پر چلیں، اور پھر جو اُن کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اس لئے خدا کا شکر ہے کہ اتنی مخلوق میں سے مرید کو اولیاء اللہ کا نقش قدم حاصل ہے۔ پھر اُسے اِن لوگوں کے ورثے میں ملنے والے انعامات کے ساتھ ساتھ مصائب و آلام کو بھی خندہ پیشانی سے قبول کرنا چاہئے۔ کیونکہ

؎ از پئے ایں عیش و عشرت ساختن　　صد ہزاراں جاں بباید باختن (رومیؒ)

(اس خاص رحمتِ الٰہی کا وارث بننے کے لئے لاکھوں جانیں واری کرنی پڑتی ہیں)

یہ اگر آسان بات ہوتی تو اس کی اتنی بڑی اہمیت کہاں سے ہوتی۔ جتنی عظمت اُتنی آزمائشیں۔

؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز　　چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرار بُولہبی (اقبالؒ)

(خاص کر اُمّتِ محمدیؐ پر انعامات بھی خاص خاص اور آزمائشیں بھی خاص خاص)

بقول حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ''دعا کا سب سے پہلا مستحق روحانی باپ ہے'' شاید کسی خاص وقت میں دعا قبول ہو جائے۔ تو مرید کو اپنے مرشد، اُن کا گھرانہ اور ان کے مریدان کیلئے ہمہ وقت دست بدعا رہنا چاہئے۔ یہ اِخلاص اور محبّت کا تقاضا ہے۔ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''ساری زندگی مَیں نے اپنے لئے کوئی دعا نہیں مانگی۔ بلکہ اپنے والد ﷺ کی اُمّتِ کیلئے سر بسجو د رہی۔'' تو اِسی اخلاص کے صلے میں بہشتی عورتوں کی سردار ٹھہریں۔ مرید کو بھی ایسے کرنا چاہئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم ملا ''تو جو میرا طالب دیکھے اس کا خادم بن جا'' اسی طرح مرید بھی جسے اپنے مرشد کا

طالب دیکھے اس کا خادم بن جائے۔ زلیخا جب عشقِ یوسف علیہ السلام میں دیوانہ ہوگئی تو جو بھی چھوٹا یا بڑا یوسف علیہ السلام کا نام لیتا اس کا منہ موتیوں سے بھر دیتی۔ مجنوں نے ایک کتے کے پاؤں چومے جو لیلیٰ کی گلیوں سے ہو کر آرہا تھا۔

؎ ہر کہ مجنوں نشُد دریں سودا — اے عراقی بگو کہ عاقل نیست

(اے عراقی! جو اس راہ میں مجنوں کی طرح نہ بنا۔ سچ بتا دے کہ اس میں عقل ہی نہیں۔)

مرشد کی نگاہ مرید کیلئے پرندہ ہے۔ اس پرندہ کا ''جال'' مرید کے پاس ''شکر'' ہے۔ از رُوئے حدیث پاک ''مَنۡ لَمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِاللّٰه'' جو لوگوں کا شکر ادا نہ کرے وہ خدا کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا۔

مرید کو اپنا ہر کام اس پُرفتن دور میں شک و شبہ سے بالا رکھنا چاہئے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے پیشینگوئی فرمائی ''ایسا دور آئے گا کہ یقین وایقان رکھنے والے چل بسیں گے۔ صرف مشکوک العقیدہ (اہل الرَّیب) لوگ رہ جائیں گے۔'' لہٰذا مرید قبل از وقت خبر دار ہو کر اپنے آپ کو مرشد کے حق میں یقینِ کامل کے سانچے میں ڈھالے تب دیکھے کہ یقینِ کامل کیا دیتا ہے۔

؎ آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا — آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا (اقبالؒ)

مرید کو چاہئے جو بھی خواب دیکھے یا مشاہدہ کرے بغیر مرشد کے کسی کو نہ بتائے اور وہ بھی کسی خاص وقت میں۔ جس طرح ''حُبِّ رسول''! سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح ''حُبِّ مرشد''! مرشد کا کم از کم ظاہری نقشہ اپنانے سے ثابت ہوتا ہے۔ وگرنہ دعویٰ عشق باطل ہے۔ یہ زُلف وریش، تسبیح ومصلّٰی اور لباسِ فقر ظاہری سامانِ عشق ہیں۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کو وحی نازل ہوئی کہ ''اے داوٗد! اگر تُو نے میرے ساتھ رہنا ہے۔ تو میری دوستی کا سامان مہیا کر۔'' مرشدِ کامل اپنے مرید کو گروہِ نبی ﷺ میں شامل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ گروہِ نبی ﷺ گروہِ مساکین ہے۔ ایک مرید میں اگر عشقِ مرشد بھی ہے اور وہ غریب بھی ہے تو اُسے یہ بشارت ہے کہ گروہِ نبی ﷺ میں اس کی شمولیت ہونی ہے۔ (انشاء اللہ)

؎ تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر وغنا نہ کر — کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوت حیدری (اقبالؒ)

مرید کو چاہئے کہ دور کے مطابق اپنی رہنمائی کیلئے اپنے مرشد کی باتوں کو یا تو اَز بر کرے (ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی کی طرح) یا پھر قیدِ تحریر میں لا کر محفوظ کرے تا کہ بوقت تردّد اِن سے استفادہ کر سکے۔

ابدال واوتاد کثرتِ صوم وصلوٰۃ سے نہیں بنتے بلکہ از روئے فرمانِ نبی ﷺ حُسنِ خُلق، صدقِ نیت اور قلبِ سلیم کی بنیاد پر بنائے جاتے ہیں جو انہی انسانوں میں سے صاحبِ نسبت لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے مرید اپنے اندر ایسے اوصاف پیدا کرنے کی کوشش کرے جو رحمتِ حق نازل ہونے کا وسیلہ بن جائیں۔

ع رحمتِ حق بہانہ می جوید بہا (قیمت) نمی جوید

(اللہ کی رحمت بہانہ مانگتی ہے نہ کہ کوئی قیمت)

مرید کو پژمُردہ اور خشک طبع نہیں ہونا چاہیئے۔ بقول مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے ''بچہ پھول بن جاؤ تا کہ لوگ دیکھ کر تمہاری طرف مائل ہوں،'' اس لئے موقع محل کے مطابق مزاح کرنا جائز قرار دیا گیا ہے مگر وہ سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق ''مَیں ﷺ مزاح کرتا ہوں مگر حق بات کہتا ہوں'' جلوت میں چہرے پر مسکراہٹ اور گفتگو میں خُوئے دلنوازی ہو۔

حضور علیہ السلام کو زاہر بن حرام بدوی رضی اللہ عنہ سے بہت دوستی تھی۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ہر شہری کا ایک بادیہ نشیں دوست ہوا کرتا ہے۔ آلِ محمد ﷺ کا دوست زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ جب بھی آپ ﷺ کی خدمت میں آتے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور ساتھ لاتے اور یہ فطری امر ہے کہ تحفہ سے محبّت بڑھتی ہے۔ اس لئے مرید کو بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ جب بھی مرشد کی خدمت میں حاضر ہو کوئی تحفہ یا نذرانہ ضرور ساتھ لائے۔ پھر تحفہ بھی موقع محل کے مطابق ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں ایک دوست نے ایک شیشہ (عام سستی چیز) بطورِ تحفہ پیش کیا۔ آپ علیہ السلام نے وجہ پوچھی جواب دیا ''تا کہ آپ اس میں اپنے حسن و جمال کا مشاہدہ کر سکیں'' حضرت یوسف علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور اسے انعامات سے نوازا۔

مرید کو ہر وقت خصوصاً مرشد کریم کی خدمت میں ایک لمحہ بھی بلا وضو نہیں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اصل قبول و مقبول عبادت ولی اللہ کی صحبت ہے۔ بقول ہمارے مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے کہ ہماری صحبت میں جو بغیر وضو کے آبیٹھتا ہے۔ اس پر انوار و تجلّیات باوضو کی نسبت بہت کم پڑتے ہیں۔ عاشقِ مرشد، حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں۔

~ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے ~ مَن قبلہ راست کردَم بر سمت کج کُلاہے

(ہر مذہب کا کوئی اپنا دین اور قبلہ ہے۔ مَیں نے تو اپنا قبلہ ایک کج کلاہ (شہنشاہِ فقر و ولایت حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) بنا دیا ہے)

مرید کو خلوت و جلوت میں حیا سے کام لینا چاہیئے۔ جو فعل لوگوں کے سامنے مستحسن نہیں، خلوت میں خدا کے سامنے کیسے مستحسن ہو سکتا ہے۔ اس پر کاربند مرید کیلئے پیغمبر ﷺ کی طرف سے خوشخبری ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اَلْحَیَاءُ مِنَ الْمَقَامَات'' یعنی ''حیا مقاماتِ فقر میں سے ایک مقام ہے۔'' اور خلیفہ سوم پیکرِ شرم و حیاء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نقش قدم ہے۔ خدا نصیب فرمائے۔ آمین

مرید کا مرشد کے حق میں پُر خلوص ہونا کوئی عام انعام نہیں ہے۔ پیغمبر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ''اخلاص! خدا کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے اُسے صرف اُس کے دل میں ڈال دیتا ہے جس سے وہ ذاتی طور پر محبّت کرتا ہو۔'' مرید میں اگر دولتِ خلوص آجائے تو اس کی قدر کرے کیونکہ یہ مرشد کی خاص توجہ کا ثبوت ہے۔ مرشد سے کوئی بھول چُوک یا کوئی ظاہری غلطی سرزد ہو تو یہ دراصل مرید کیلئے امتحان ہوتا ہے۔ مرشد پھر دیکھتا ہے کہ اس میں کس حد

تک پختگی عقیدہ ہے۔ مرشد کی غلطی کو غلطی سمجھنا مرید کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ رومیؒ فرماتے ہیں:

؎ گر خطا گوید وُرا خاطی مگو گر شود پُر خوں ''شہیداں'' را مشو

(اگر وہ ظاہری طور پر نا جائز بات کہیں تو اسے نا جائز نہ سمجھ۔ ان کی غلطی بھی ہماری نیکیوں سے بہتر ہے۔ جس طرح کہ شہید خون سے لت پت کیوں نہ ہو اُسے دھویا نہیں جاتا۔)

ہمارے پیغمبر ﷺ فرمایا کرتے کہ ''میرا بھولنا بھی ایک سنت کا اختراع ہے۔ (اِنّی اُنَسِّیَ لِاَسُنَّ) نہ کہ میرا بھولنا ''بھول'' اور ''غلطی'' ہے۔ بلکہ حکمت کے تحت ہے۔

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر و شِیر

(پاک لوگوں کے افعال کو اپنے افعال کی طرح نہ سمجھ۔ بظاہر لفظ شیر (پھاڑنے والا ببر شیر) اور شِیر (پیا جانے والا دودھ) اگرچہ لکھنے میں ایک جیسے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں جُدا جُدا ہیں۔)

مرید کا اگر کوئی مقصد ہو تو وہ رضائے الٰہی اور لقائے الٰہی ہو۔ خدا فرماتا ہے۔ ''جو میرا شوق رکھتا ہے مَیں اس سے کہیں زیادہ اس کا شوق رکھتا ہوں۔''

؎ گر ترا از عشق اُو باشد خبر از تو مشتاق است اُو مشتاق تر (رومیؒ)

(تجھے اگر اللہ کے عشق کا پتہ ہوتا تو تُو مان لیتا کہ واقعی اُسے تو میرے ساتھ مُجھ سے زیادہ عشق ہے۔ یعنی خدا تجھے تجھ سے زیادہ چاہنے والا ہے۔)

بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا:

ع اگر عشق نبودے بہ خُدا کس نہ رسیدے

(اگر عشق نہ ہوتا تو خُدا تک کوئی نہ پہنچتا)

مرشدِ کامل بھی صرف ایسے بلند عزائم مریدوں کی انتظار میں ہیں کہ کون مطلوبِ حقیقی اور خالقِ حقیقی کا طلب گار بن کے آتا ہے۔ تا کہ مجھے اپنا اصل فریضہ سرانجام دینے کا موقع مل جائے۔ مرشد کامل خود حقیقت تلاش کرنے والے کا متلاشی ہوتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ بانگ می آید کہ اے طالب بیا جُود محتاجِ گدایاں چُوں گدا

(بارگاہِ الٰہی سے پیہم یہی آواز گونج رہی ہے کہ اَے میرے طلب گار آجا۔ میری رحمت اس قدر تیری محتاج ہے جس طرح کہ ایک گدا اگر کسی امیر کے دستِ سخا کا محتاج ہوتا ہے۔) اولیاء کرام بھی معرفتِ الٰہی کا جال لئے یہی صدا لگا رہے ہیں۔

مرید کو چاہئے کہ وہ مخلوق کی طرف نہ دیکھے بلکہ اپنے مرشد کی طرف دیکھے۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔ ''جس نے

مخلوق کی طرف دیکھا وہ ہالک (ہلاک ہونے والا) اور جس نے حقیقت کی طرف دیکھا وہ مالک (کائنات ومافیہا کا) ہوا''۔

؎ یکے زندہ دل نرفت سلامت زِ خُردہ گیر کیں ماجرا بہ خضر علیہ السّلام رفت

(اس دنیا میں کوئی بھی زندہ دل انسان مخلوق کی تنقید اور انگشت نمائی سے نہ بچ سکا۔ یہاں تک کہ اس بات سے حضرت خضر علیہ السلام بھی اپنی جان نہ بچا سکے۔)

مرید کا مکاشفہ ومراقبہ یہ ہے کہ ہر وقت اپنی ذات سے قطع نظر مرشد کی ذات کو اپنی تمام تر توجّہ کا مرکز بنا دے۔ مشہور ہے کہ حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں رہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ سے اکتسابِ فیض میں اس قدر محویّت تھی کہ کبھی ایک لمحے کیلئے بھی کسی دوسری طرف توجہ نہ کی۔ چنانچہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا بایزید! ذرا طاق سے کتاب اٹھالاؤ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی حضور! طاق کہاں ہے؟ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہیں یہاں رہتے اتنا عرصہ ہوگیا۔ ابھی تک طاق کا پتہ نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی مجھے تو حضور رضی اللہ عنہ کے دیدار اور خدمت سے فرصت ہی نہیں۔ طاق کا خیال کیسے رکھوں؟ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ یہ سن کر جلال میں آئے اور فرمایا اگر تمہارا یہ حال ہے تو بسطام چلے جاؤ تمہارا کام پورا ہو چکا ہے۔ (انوارِ اولیاء) اس لئے حضرت شیخ نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقامِ قربتِ الٰہی، مقامِ خدمتِ شیخ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور بس۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وہ مرید راہِ سلوک میں جلدی کامیاب ہو جاتا ہے جس کے پاس دولتِ دنیا کچھ بھی نہ ہو۔ شہرت دنیا سے ناواقف اور حُبِّ اشیاء سے دست بردار ہو۔ رموزِ معرفت اس شخص پر کھلنا شروع ہو جاتے ہیں جو پہلے شریعت پر عامل ہو۔ تو یہ اس شخص کی طرح ہے جس نے وضو کر لیا ہے اب اسے صرف امام کی ضرورت ہے۔ جو اسے نماز پڑھائے اور وہ امام اس کیلئے اپنا مرشد ہے کیونکہ شیطان کے ہزاروں راستے اور راہِ حق صرف ایک ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ باطل دوئی پسند ہے، حق لاشریک ہے شرکتِ میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

اور اس ایک راستے کا دوسرے ہزار راستوں سے امتیاز کرنا صرف رہبرِ کامل مرشد کا کام ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرید جس قلعہ میں رہ کر فیضِ مرشد سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اس کی چار دیواری (1) خلوت (2) خاموشی (3) بھوک (4) بے خوابی ہیں۔ حضرت شیخ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق ابدال انہی چار اوصاف سے متّصف ہوا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے تیس کامل مشائخ سے شرفِ فیض حاصل کیا۔ ہر ایک نے یہ نصیحت کی کہ ''اِمردوں (بے ریش لڑکوں) سے گریز کرو اور کم کھایا کرو۔''

اِسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ''اِتَّقُوا مِنَ اَبْنَاءِ الْمَلُوکِ فَاِنَّ فِیهِمْ شَهْوَةً کَشَهْوَةِ النِّسَاءِ''
(بے ریش، نرم و نازک لڑکوں سے بچو کیونکہ ان میں بھی عورتوں جیسی شہوت ہے)۔ (صلوٰۃ مسعودی: ج ۲)

حضرت شیخ کتّانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرید میں تین باتوں کا ہونا لازم ہے۔ (1) سوئے اس وقت جب نیند غلبہ کرے۔ (2) کلام اس وقت کرے جب ضرورت ہو اور (3) کھانا اس وقت کھائے جب بھوک نہایت تنگ کرے۔

صوفیائے اکابرین کا فرمان ہے کہ مرید کو نیند کی بجائے محبّت (حبِّ شیخ) اختیار کرنی چاہئے کیونکہ محبّت میں بھی نیند کی طرح سردمرطوبیت اور ٹھنڈک ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کو احوال و کیفیات کا منتظر نہیں رہنا چاہئے کیونکہ یہ انتظار اور لالچ حجابِ معرفت ہیں۔

شروع شروع میں مرید کیلئے معرفت کسبی ہوتی ہے۔ پھر مرشد کی نگاہِ کرم سے یہ معرفت فطری بن جاتی ہے جو دوامی ہے۔ جسے مقامِ علم سے آگے مقامِ حیرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بقول رومیؒ:

؎ زیرکی بفروش حیرانی بخر   زیرکی ظن است حیرانی نظر

(علم ظاہر بیچ کر حیرانی (جہالت ازخود) خرید لے۔ کیونکہ علم، مقامِ تخمین وظن اور حیرانی، مقامِ نظر و مشاہدہ ہے۔)

مرید کو مرشد کی ظاہری و باطنی تقلید کرنی چاہئے۔ کیونکہ ایمان کا انحصار محبّت پر ہے۔ محبّت کا تقاضا ظاہری و باطنی اطاعت ہے۔ اگر مرید میں اطاعت نہیں تو دعویٰ محبّت بے معنی ہے۔ پھر محبّت جتنی زیادہ ہوتی جائے اطاعتِ دوست اسی قدر سہل، یہاں تک کہ فطری بن جاتی ہے۔ جس سے تکلّف، دخلِ ارادہ اور خلاف وعتاب نفس تک کا فرق مٹ جاتا ہے۔ اِس مقام پر روح اور نفس کی آپس میں دوستی لگ جاتی ہے۔ دوئی کا کانٹا درمیان سے نکل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں جس قدر اولیاء کاملین راسخ ہیں متبدی اور متوسط ہرگز نہیں۔

؎ درطلب کوش و مدِہ دامن امید زِ دست   دولتے ہست کہ یابی سرِ راہے گاہے (اقبالؒ)

(تلاشِ دوست میں سرگرداں رَہ۔ اس امید پر کہ ایک دن ضرور اس تک پہنچ جاؤں گا۔ یہی جدوجہد اگر تو نے جاری رکھی تو یہ دولتِ جاوداں ایک دن بڑی آسانی سے حاصل کر کے رہے گا۔)

سلوک میں ''مقامات'' جلوت وخلوت میں آداب ملحوظِ نظر رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ درسِ ادب زلیخا سے سیکھنا چاہئے کہ معبودانِ باطل کو ڈھانپ کر ادب سے کام لیا۔ پھر اس ادب کے طفیل اسے دوبارہ نوجوانی اور یوسف علیہ السلام جیسے حسین وجمیل پیغمبر کی زوجیّت نصیب ہوئی۔

؎ ادب تا جیست از لطفِ الٰہی   بنِہ بر سر برو ہرجا کہ خواہی

(ادب بارگاہ الٰہی سے رحم وکرم کا ایک تاج ہے جسے سر پر رکھ کر جہاں چاہے چلا جا! عزت ہی عزت پائے گا)

مریدِ کامل وہی ہے جو شیخ کی نگاہِ جلال اور جمال دونوں کا پرُوردہ ہو۔ کیونکہ جلالی تجلّیات سے نفس کو فنا اور جمالی انوار سے نفس کو بقا حاصل ہوتی ہے۔

؎ دلبری بے قاہری جادو گری است   دلبری با قاہری پیغمبریست (اقبالؒ)

(فقر، جلال کے بغیر ایک عارضی سحر کی طرح ہے۔ اگر فقر میں جلال اور جمال دونوں موجود ہوں تو وہ ایک مستقل پیغمبری ہے)

شیخ اکبر رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین صوفیاء کی تصریحات کے مطابق قطبِ وقت ساری دنیا پہ محیط ہوتا ہے۔ اگر مرید اپنے مرشد (قطبِ دوراں) کو کسی بھی جگہ کھڑے ہو کر پکارے تو وہ اسی وقت جواب دے گا۔ اس لئے مرید اگر انتہائی مشکل وقت میں اپنے مرشد کو امداد کیلئے پکارے تو وہ حاضر ہو کر اس کی دستگیری فرماتا ہے۔ ''دلیل العارفین'' میں ہے کہ حضرت خواجۂ خواجگاں سیّد بہاالدّین بخاری رحمتہ اللہ علیہ، قضاں سلطان کے دربار میں جلاّ دی کے کام پر مامور تھے کہ ایک دن ایک شخص کسی تہمت میں گرفتار ہو کر بادشاہ قضاں کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہِ وقت نے اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ چنانچہ خواجہ بہاؤالدّین رحمتہ اللہ علیہ اس شخص کو قصاص گاہ (مقتل) میں لے گئے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور شمشیر کھینچ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد اس کی گردن پر تلوار ماردی لیکن تلوار نے کام نہ کیا۔ دوبارہ خواجہ بہاؤالدّین رحمتہ اللہ علیہ نے تلوار کھینچ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا اور ماردی لیکن تلوار پھر بھی کارگر نہ ہوئی۔ تیسری بار پھر غضبناک ہو کر تلوار ماردی لیکن تلوار نے پھر بھی کام نہ کیا۔ اس بات سے خواجہ رحمتہ اللہ علیہ واقف ہو چکے تھے کہ تلوار لگتے وقت وہ شخص زیرِ لب کچھ کہتا ہے۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس خدا کی قسم کہ جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں مجھے بتا کہ تُو کیا کہتا ہے؟۔ اس شخص نے کہا کہ مَیں زیرِ لب اپنے پیر ومرشد کو یاد کرتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ خواجہ بہاؤالدّین رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً پوچھا کہ تیرے پیر کون ہیں؟ جواب دیا کہ میرے پیر حضرت شیخ سیّد امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت خواجہ رحمتہ اللہ علیہ نے بے چین ہو کر دوبارہ پوچھا کہ اے جوان! یہ تو بتاؤ کہ اس وقت تیرے شیخ کہاں ہیں؟ بتایا کہ وہ اس وقت بخارا کی ولایت ''سوخار'' نامی ایک گاؤں میں تشریف فرما ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤالدّین رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی تیزی سے تلوار ہاتھ سے پھینک دی اور ہوا کی سی تیزی کے ساتھ ''سوخار'' کی طرف چل دیئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ جو شیخ اپنے مرید کو تلوار سے سینکڑوں میل دور بچا سکتا ہے۔ تو اگر کوئی آدمی اس کی خدمت میں حاضر ہو اور آدابِ خدمت بجالائے تو کوئی تعجّب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے نارِ جہنّم سے بچائے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بہاؤالدّین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے حضرت شیخ امیر کلال رحمتہ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہونے کا سبب یہی کرامتِ مرید بنی۔

مرید کو مرشد سے کسی قسم کا طلبِ مقام نہ ہو۔ بلکہ اس دور میں ''ولی اللہ کی خدمت'' ہی ایک اعلیٰ وارفع مقام ہے۔ علاوہ ازیں رَبِّ اَرِنِیۤ (اے رب مجھے اپنا دیدار دکھا)۔ مقامِ طلب تھا جواب لَنۡ تَرٰنِیۡ (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) سے ملا۔ اس کے برعکس اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ (جس حال میں تُو رکھے مجھے قبول ہے) مقامِ استغنا (صبر ورضا) تھا جس کا جواب اُدۡنُ مِنِّیۡ (اور میرے قریب ہو جا) سے ملا۔

؎ شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے   (اقبالؒ)

صوفیاء کا مقولہ ہے "اَلْاَحْوَالُ مَوَارِیْثُ الْاَعْمَالِ" یعنی احوال ومواجید اعمال کی وراثت (ثمر) ہیں۔ اس لئے مرید کو اعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ احوال چونکہ اعمال کا ثمرہ ہیں خود بخود منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ وگرنہ تصوّف میں صرف حریصِ احوال "ناقص الاعمال" سمجھا جاتا ہے۔

؎ تُو اپنی سرگذشت اب اپنے قلم سے لکھ   خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں   (اقبالؒ)

مریدِ خاص کو بارگاہِ مرشد سے عشقِ مرشد کی دعا کرنی چاہئے کیونکہ مقامِ صدیقیّت مقامِ عشق اور مقامِ ولایت مقامِ بندگی ہے۔ سلطان باھُوؒ فرماتے ہیں۔

؎ ایمان سلامت ہر کوئی منگدا عشق سلامت کوئی ھُو   منگن ایماں تے شرماون عشقوں میرے دل نوں غیرت آئی ھُو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرید کو مرشد اور پرہیز گاری کی برکت سے قلبِ سلیم عطا ہوتا ہے۔ پھر قلبِ سلیم سے عقلِ سلیم جنم لیتی ہے جو فطرتِ سلیم کا پیش خیمہ ہے کہ جس کی رہنمائی میں مرید خطراتِ نفس وشیطان کو بھانپتے ہوئے منازلِ سلوک طے کرتا چلا جاتا ہے۔

مرید کو چاہئے کہ اپنے اندر مزاجِ خاکی پیدا کرے۔ حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ کی معرفت ہر اس شخص پر حرام ہے جو اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بہتر جانے۔"

؎ فصلِ گل میں سبز کب ہوتا ہے سنگ   خاک ہو جا پھول پائے رنگ و رنگ

مرید کو غفلت میں نہیں سونا چاہئے۔ بقول ہمارے مرشد کریم کے "سوئے ہوئے شیر سے جاگا ہوا گیدڑ بہتر ہے۔" فتح وہی کرتا ہے جو پیامبرِ حرکت بن کر ہمت وغیرت کا جھنڈا تھامے قدم آگے بڑھاتا جائے کیونکہ "اَلسَّیْفُ لِلضَّارِبِ" "تلوار کا فائدہ صرف اس کو ہے جو اس کا مارنے والا ہے۔ بے حس انسان کے ہاتھ میں شمشیرِ ہندی بھی بے سود ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل میں ادب قبولِ عمل کی دلیل ہے اور حضرت شیخ یوسف بن حسین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربتِ الٰہی شوقِ آخرت سے، شوقِ آخرت زُہد سے، زُہد حکمت سے، حکمت عمل سے، عمل علم سے اور علم ادب سے حاصل ہوسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ترکِ ادب سے ترکِ سنّت، ترکِ سنّت سے ترکِ فرائض اور ترکِ فرائض سے محرومیِ معرفت کی سزا ملا کرتی ہے۔ حضرت شیخ بوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ (ہمارے مرشد کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی بھی اکثر یہی) فرماتے ہیں کہ ادب کو بندگی پر فوقیّت حاصل ہے۔ کیونکہ بندگی سے جنت اور ادب سے خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے عشقِ مرید کا اظہار ادبِ شیخ میں مضمر ہے۔

؎ اسیرِ زلف ہو جاتا ہے محمود   ایاّزی اصل میں شاہنشہی ہے   (اقبالؒ)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "عام لوگ علمِ قلیل کے محتاج اور خاص لوگ (اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں سے) ادبِ قلیل کے محتاج ہوا کرتے ہیں۔"

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرید ترکِ ادب (یا ترکِ حکم) کی وجہ سے سلوک میں جہاں سے چلا تھا وہیں پر بلکہ اس سے بھی پیچھے جا گرتا ہے۔'' علاّمہ اقبالؒ کہتے ہیں۔

؎ چوں کلیمےؑ شد بروں از خویشتن دستِ اُو تاریک چوبِ اُو رَسن

(جب کلیم اللہ علیہ السلام بھی اپنے دائرہ کار سے تجاوز کریں تو ان کا یدِ بیضا تاریک اور عصائے کلیمی صرف ایک رسی بن جائے)

مرید کو ہر غیر شرع چیز کی طرف دیکھنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دیکھنے کا اثر آنکھوں اور دل دونوں پر برابر برابر پڑتا ہے۔ نفسانی تصورات اور ان کی پیروی سے خدا کی ذات سے پناہ مانگنی چاہئے۔ مرید کیلئے بد ترین گناہ اس کے نفسانی تصورات ہیں جن کی پاداش میں احتلام کی کثرت اور شب بیداری مفقود ہو جاتی ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کا رجوع ہمہ وقت توبہ کی طرف ہو کیونکہ توبہ مقامات واحوال کی کلید ہے۔ حضرت شیخ عبداللہ سنجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو مرید ہونے کے بعد اپنے احوال میں سے کسی حال کو اگر اچھا سمجھے تو ارادتِ شیخ میں فوراً بگاڑ اپیدا ہو جاتا ہے۔ اُسے چاہئے کہ از سرِ نو منازل کی ابتداء کرے۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کو نصیحت کی کہ وہ ہمہ وقت اپنے آپ کو ڈانٹتا رہے مثلاً جب اپنے نفس کو یاد کرے تو اسے حقیر سمجھے، جب اپنے گناہ یاد کرے تو استغفار پڑھے۔ جب دنیا کو یاد کرے تو عبرت حاصل کرے۔ جب آخرت کو یاد کرے تو خوش ہو جائے اور جب اپنے رب کو یاد کرے تو جسم پر لرزہ طاری ہو جائے۔ بایزید رحمۃ اللہ علیہ اپنے انہی اوصاف کی بنا پر یہاں تک فرماتے کہ:

؎ گفت بایزیدؒ آں مہِ گیتی فروز تابِ من شب را کند مانند روز (اقبالؒ)

(دنیا کو روشن کرنے والے چودھویں کے چاند حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میری روشنی (نورِ ایمان) تاریک رات کو روشن دن میں تبدیل کر سکتی ہے)

حضرت شیخ ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے مریدِ کامل کی یہ تعریف کی کہ ''مریدِ حقیقی وہ ہے جو بیس سال تک صاحبِ شمال ہو (یعنی برائی لکھنے والا فرشتہ اس کے خلاف کچھ نہ لکھے)۔

مرید جب مرشد کی خدمت سے فرار اختیار کرے تو اس کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں وہی سلوک کیا جاتا ہے جو ایک بھگوڑے غلام کے ساتھ بادشاہِ وقت اس کی گرفتاری کے بعد کرتا ہے۔ اس لئے مرید کو خدمتِ شیخ سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ مرید کو ہمہ وقت اپنے نفس سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ تصوّف کی کتابوں میں ہے کہ ''اپنے نفس سے ڈرنے والا شیطان سے ڈرنے والے کی نسبت کئی درجہ افضل ہے'' حضرت شیخ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرشد کی بارگاہ میں صاحبِ خوف مرید مذکّر اور صاحبِ رجاء مرید مؤنث شمار کیا جاتا ہے کیونکہ صرف صاحبِ خوف لَاخَوف (ولایت)

کے مقام پہ پہنچ سکتا ہے۔ حضرت شیخ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مریدانِ کامل مقامِ رضا پہ یہ کہتے ہیں ''خدایا! جو عطا فرماوے مجھے قبول ہے، اگر نہ دے تب بھی راضی ہوں، اگر مجھے چھوڑ دے تب بھی تیرا ہی بندہ ہوں، اگر قبول فرمائے تو ہمہ وقت حاضر ہوں۔''

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبّت کے کامل ہونے پر نفس میں کمال نرمی آجاتی ہے جس کی بنا پر ایک مرید اپنے مرشد کے پسندیدہ افراد کے سامنے سراپا عجز و نیاز بن کر کمر بستہ خدمت ہو جاتا ہے۔ نیز فرماتے ہیں جس مرید کی توبہ نقص سے مبرّا ہو وہ جلد مقاماتِ قرب جیسے زُہد، رضا، توکّل، احوال فنا و بقا اور سکر و صحو حاصل کر لیتا ہے۔

مرید کو شرم و حیا کا پیکر ہونا چاہئے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مقاماتِ قرب میں سب سے قریبی مقام، مقامِ حیا ہے'' مرید کے احوال کا بند ہونا اس کے گناہوں کی طرف رغبت کی دلیل ہے۔ کہا گیا ہے لُطفُ الذُّنُوبِ (اے خیالات الذنوب) مُوجِبَةُ الْقَبْضِ یعنی گناہوں کی طرف مائل ہونا احوال و مواجید کے بند ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ از روئے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''ابتدائی مرید کو عوام النّاس بکری کی مینگنیوں کی طرح لگے۔ یعنی دنیا اور دنیا والوں سے مکمّل متنفّر ہو۔ اس پر راسخ ہونے کے بعد جب اپنے نفس کی طرف کرے تو وہ اسے مینگنی نظر آئے تب وہ مقاماتِ سلوک طے کر سکتا ہے۔''

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفسِ مرید کیلئے صدقِ مرشد سے بڑھ کر اور کوئی تلوار نہیں ہے۔ پھر تلوارِ صدق کا ضَارِبُ (مارنے والا) مرشد کی ذات ہوتی ہے۔ صوفیاء اسلام کا فرمان ہے کہ مرید، مریدی کے اصولوں کو چھوڑ کر وصول (اِلی اللہ) سے محروم رہ سکتا ہے۔ وگرنہ فقر میں محرومی ہے ہی نہیں۔

حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید میں خیر اس وقت تک قائم ہے جب تک کہ وہ آپس میں تنافر (لِلّٰہِ فِیَ اللہ ایک دوسرے کا تعمیری تنقید کے ذریعے محاسبہ کرنا) جاری رکھیں۔ اگر انہوں نے آپس میں مصالحت کی۔ ہر عیب و خوبی کو نظر انداز کر کے مل بیٹھے تو تباہ و برباد ہو گئے۔

صوفیائے کاملین فرماتے ہیں کہ صوفی دوسرے کی نفسانی مخاصمت کا مقابلہ قلبِ صافی سے کر کے اس کے اثراتِ بد زائل کر سکتا ہے۔ اگر نفس کا مقابلہ نفس سے کیا تو فتنوں کا دروازہ کھل کر عصمتِ فقر ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جاتی ہے۔ ایک مرید نے اگر توجہ مرشد کے ذریعے گناہوں کے دروازے سے شیطان کا آنا بند کر دیا پھر بھی شیطان سے بے خوف ہو کر نہ بیٹھے۔ تحقیقِ صوفیاء ہے کہ شیطان جب گناہوں کے دروازے سے انسان پر حملہ کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر نیکیوں کے دروازہ یعنی ریاکاری اور غرور و تکبّر کے ذریعے حملے کرنا شروع کر دیتا ہے۔

مرشد کے ساتھ خوشگوار ماحول میں گفتگو کی جائے۔ کیونکہ ان کے کلام میں نور رہتا ہے جسے نورِ قلب کہتے ہیں جو بوقت گفت گو مرید کے قلب پر القاء کر کے اس پر مُنعطف فرماتا ہے اور یہ نورِ کلام قلبِ مرید کی استعداد کے مطابق ہوتا

ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں مرید کو چاہئے کہ اپنے نفس کو کسی جائز شغل ومحنت میں ڈالے۔ وگرنہ نفس اسے کسی ناجائز شغل میں ڈال کر یادِالٰہی سے غافل کر دیتا ہے۔

مرید کو مرشد کی دعا سے اگر کوئی فتوحات (معلوم یا غیر معلوم نذرانہ) حاصل ہوں تو بجائے اپنی ذات پر خرچ کرنے کے مرشد پر خرچ کرے۔ یہ مسلکِ صوفیاء میں مقام زُہد فی الزُّہد ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں۔ دوسری یہ کہ جو مُنجی (ذاتِ مرشد) کا خیال نہیں کرتا اس کی نجات (نفس کے دھوکہ سے) نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ایسی باریک باریک باتوں میں مرید کو ہمہ وقت مرشد کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ حضرت علی کرّم اللہ وجھہٗ کا فرمان ہے کہ مرید خالص وہ ہے جو اپنے حال کی شکایت لب پہ نہ لائے۔ وہ اپنے نفس کو شکر وصبر پر مائل رکھے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا سے نیاز مندی مریدوں کا درجہ اور مخلوق سے بے نیازی صدیقوں کا درجہ ہے۔ یعنی خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى پر یقین محکم رکھے۔

مرید کے اگر شادی کے اوقات نہ ہوں تو اس کیلئے شادی باعثِ زوال ہے۔ حضرت شیخ ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مَیں نے اپنے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نہیں دیکھا کہ وہ شادی کرنے کے بعد اپنے بلند مقام پر قائم رہا ہو'' قرآن کریم میں ازواج واولاد کو اسی لئے فتنہ قرار دے دیا گیا ہے۔

؎ مال و اولادت بمعنی دشمن اند   گرچہ نزدیکت چوں چشمِ روشن اند   (رومیؒ)

(مال واولاد در حقیقت تیرے دشمن ہیں۔ اگرچہ فریب دنیا میں آکر وہ تجھے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوں)

ویسے بھی انسان کو ضعیف صرف محتاجی عورت کی بنا پر کہا گیا ہے۔ وگرنہ اس کائنات میں سب سے بڑی طاقت خدا کی طرف سے مرد کو عنایت ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنی تقدیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں قوّتِ شہوت پر قابو پانا سب سے بڑی عقلمندی اور قربت الٰہی کا سبب ٹھہرایا گیا ہے۔ علوم غیب اسی مقام پہ پھوٹتے ہیں۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقاضائے وقت کے پیش نظر فرمایا کہ ''مجھ سے دوسو سال بعد میری امت کیلئے تجرّد (تنہائی) کی زندگی مباح کی گئی ہے۔''

ہاں اگر کسی مرید کے اوقات ہوں تو وہ بھی بہتر ہے کیونکہ طمانیتِ نفس سے طمانیتِ قلب میسر آتی ہے۔ ایسے نوجوان کی عبادت شادی کے بغیر کامل نہیں جو ہر وقت نفسانی انتشار کا شکار ہو۔ کیونکہ جائز کام میں نفس کا ساتھ دینے سے پھر ناجائز کام میں باز رہنے سے نفس بھی ساتھ دیتا ہے۔ یہ حال اگر کسی کو میسّر ہو تو یہ مقامِ عارفین ہے۔ کیونکہ عارف اپنے نفس کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جس طرح والدین اپنے بچے سے تعمیری کام لینے کی خاطر نرم وگرم سلوک کرتے ہیں نیز مرید کے بارے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''شہواتِ انسانی سے محفوظ ہو تو کھانا جائز، باعصمت ہو تو شادی جائز اور نظر پاک ہو تو سماع جائز ہے۔''

اس کے برعکس جو مرید خدا اور رسول اور مرشد کے مقابلے میں بیوی کی بات کو ترجیح دے یعنی دوسرے الفاظ میں ''زن مرید'' ہو تو اس کے بارے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''اس زن مرید پر صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ

اللہ تعالیٰ اُسے منہ کے بل دوزخ میں ڈال دے'' نیز صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ بیوی کی زیادہ قربت سے نفس امّارہ عود کر آتا ہے اور قوی ہو جاتا ہے۔۔اس لئے مرید کو حد سے زیادہ اختلاطِ زن سے گریز کرنا چاہئے۔اس کا اصل مقصد احکامات الٰہی اور مرشد کی خدمت میں منہمک رہنا ہے۔حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کو اِتباعِ سنّت اور خدمتِ مرشد (جس سے صفائے قلب نصیب ہوتی ہے) کے بغیر، چلّہ و محنت سے صرف علومِ ریاضیہ حاصل ہو سکتے ہیں (کہ جن سے صرف صفائی نفس ہوتی ہے نہ کہ صفائی قلب) جو کہ صرف جادوگری اور کفر کا پیش خیمہ ہیں۔لہٰذا اِتباعِ سنّت کے ساتھ ساتھ خدمت مرشد بھی ایک لازم و ملزوم چیز ہے۔جو اس کے نفس اور قلب کے درمیان روح کے ساتھ بھی رابطہ و دوستی کا اہم کام سرانجام دیتا ہے۔اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا۔

؎ علم کہ آں نبود ز ''ھُو'' بے واسطہ　　　او نپاید ہمچوں رنگِ ماشطہ

(علومِ ریاضیہ اگر ''ہو'' یعنی روح وقلب کی موافقت سے نہ ہوں تو وہ عورتوں کی سرخی کی طرح ایک بے بنیاد عارضی چیزیں ہیں)

؎ علم گر برتن زنی مارے شود　　　علم گر برجاں زنی یارے شود (رومیؒ)

(علم اگر صرف نفس کے واسطہ سے حاصل کرے تو وہ زہریلا سانپ ثابت ہوتا ہے۔اگر روح کی موافقت کے ساتھ حاصل کی جائے تو وہ دونوں جہانوں میں مونس وغمخوار ثابت ہوتا ہے۔)

اسی حکمت کی بنا پر حضرت امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''متابعتِ مرشد کے بغیر کام کرنے والا نفس کا پجاری ہے'' لہٰذا ایسی باتوں کا مرید کو خاص خیال رکھنا چاہئے تا کہ معرفت کے صاف وشفاف پانی کو گدلا نہ کر بیٹھے۔

حضرت لقمان حکیم علیہ السلام کا مقولہ ہے ''عمل کی سواری تواضع ہے'' لہٰذا اس مرید کے اعمال شرفِ قبولیت کو پہنچ جاتے ہیں جس میں عجز وانکساری زیادہ ہے۔وگرنہ اس کا عمل اس کے منہ پر مار کر ردّ کر دیا جاتا ہے۔مزاجِ نبوّت میں صفت خاک داخل کر کے صفتِ آتش خارج کر دی گئی ہے۔خاک کی خصوصیّت صفتِ عجز ہے اور آتش کی خصوصیّت صفتِ غصّہ ہے۔غصّہ پی کر مٹی کے ساتھ مٹی بننا مزاجِ نبوت سے ہے۔یعنی علومِ انبیاء اس پر کھُل سکتے ہیں جس کے لطیفۂ آتش پر لطیفۂ خاک غالب ہو۔ اسی حکمت کی بنا پر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر وتحمّل اور اذیت برداشت کرنے سے مرید پر نفس کے جوہر کھلنا شروع ہو جاتے ہیں اور یہاں تک کہ اسی مقام سے ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' کی خوشبو آنے لگتی ہے۔

خواہشات کی پیروی سے صفتِ جہالت اور مرشد کی تابعداری سے صفتِ حکمت ودانائی فروغ پاتی ہے۔لہٰذا مرید پر اسرار ورموزِ معرفت مرشد کی تابعداری سے منکشف ہوتے ہیں مگر بقول اقبال:

؎ اے مسلماناں فغاں! از فتنہ ہائے علم وفن　　　اَہرمن اندر جہاں ارزاں و یزداں دیر یاب

(اے مسلمانو! مجھے دورِ جدید کے نفس پرست اور مادہ پرست علوم وفنون کے شر سے فریاد ہے کہ اس دور میں مسلمان کیلئے شیطان کا ملنا تو بہت آسان مگر خدا کا ملنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔) کیونکہ نظامِ تعلیم صحیح نہیں ہے۔

مرید صادق ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ روح اپنے رب کی طرف ہر وقت انسان کو کشاں کشاں رکھتی ہے۔یہ کشیدگی خدا کی طرف ایک قسم کا بلاوا ہوتا ہے جو جسم و روح یا زمین و آسمان (عالمِ سفلی وعلوی) کے درمیان ہوتا ہے۔اس لئے کہا گیا ہے کہ ''تصوّف سراپا اضطراب ہے۔'' دوسرے یہ کہ ''مریدِ خاص ہمہ وقت مار گزیدہ انسان کی کیفیت میں ہوتا ہے جو طالبِ تریاق ہوتا ہے۔''یعنی وہ ہمہ وقت نفس ظالم وخاسر سے نالاں، قربتِ مرشد اور طلبِ دیدار میں تپاں تپاں رہتا ہے۔جب تک شرِ نفس سے محفوظ ہو کر دیدارِ مرشد سے ہمکنار نہ ہو اس وقت تک اس کی یہی بے چینی بحال رہتی ہے۔

؎ دوزخ و جنت یقیں بشنو کہ چیست　　　جُز فراق و جُز وصالِ دوست نیست (شمس تبریزیؒ)

(تجھے معلوم ہے کہ دوزخ اور جنت کی کیا حقیقت ہے۔یہ فراق ووصل دوست کے بغیر اور کچھ بھی نہیں ہے)

بقول ہمارے مرشد کریم مدظلہُ العالی کے کہ عشق ایک سلگتی آگ ہے۔جس کے سر پر سلگتے ہوئے کوئلوں کا تاج رکھا ہوا ہو اُسے چین کہاں آسکتا ہے۔مگر اس کی آگ سے آتشِ دوزخ بھی گریزاں اور اس کی بے چینی پر سب چین قربان۔

؎ یک غم است آں غم کہ آدم را خورد　　　آں غمِ دیگر کہ ہر غم را خورد (اقبالؒ)

(ایک غم وہ ہے جو آدم خور ہے اور دوسرا غم وہ ہے کہ سب غموں کو بھی ہڑپ کر جاتا ہے۔)

حضرت غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مرید کا کشف، یقین ہے۔یعنی اسے یہ یقین ہو جائے کہ میرا مرشد کامل ہے۔بے مثال اور یگانۂ روزگار ہے تو اسے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ اسے اسی یقینِ کامل کی بنیاد پر کشف تو کشف! معلوم نہیں اور کیا کیا انمول نعمتیں خدا کی بارگاہ سے حاصل ہو جاتی ہیں۔''

حضرت سیّد احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''انعامات پر نظر نہ رکھو بلکہ مُنعم پر نظر جماؤ''۔مرید شرِ نفس سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت خاصہ تھی اور ہمارے مرشدِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی اتنے بلند مقام کے مالک ہوتے ہوئے بھی ہمہ وقت خلافِ نفس کے درپئے رہتے ہیں۔مرید کو مدرسہ تقویٰ ہی سے علومِ ذوقیہ وشوقیہ حاصل ہو سکتے ہیں جو اس دنیا میں اور کہیں بھی میسر نہیں ہیں۔اس مدرسے کا مدرس اس کے مرشد کامل کی ذات والا صفات ہے۔

؎ متاع بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی　　　مقامِ بندگی دیکر نہ لوں شانِ خداوندی (اقبالؒ)

صوفیاءِ کرام نے قلبِ مرید کی یہ تعرف کی کہ "لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ سَلِيمٌ مِنَ الْأَغْرَاضِ وَالْأَمْرَاضِ"''یعنی مرید کیلئے ایسا قلبِ سلیم ہونا چاہئے، جو ہمہ قسم لالچ اور ہمہ قسم اخلاقی وروحانی بیماروں سے محفوظ ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید میں اس وقت تک صفتِ خلوص نہیں آسکتی جب تک وہ اپنے دل میں صدق و

محبّت کے بیج نہ بوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلبِ مرید میں احوال کا ظہور اعمالِ صالحہ سے ہوتا ہے۔ جو اعمال میں کوتاہی کرتا ہے تو خدا اُسے احوال سے محرومی کی سزا دیتا ہے۔

جسمانی باپ سے جسم کی ولادت ہوتی ہے اور روحانی باپ سے روح کی ولادت۔ کُتبِ تصوف میں روحانی باپ مرشد کی ذات سمجھی جاتی ہے اور جس کے اندر نگاہِ مرشد کے ذریعے رُوحِ معرفت کی ولادت نہ ہو وہ مومن نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ''جس شخص کی ولادت دومرتبہ نہیں ہوئی وہ آسمان کے مقامِ ملکوت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا'' اسی ولادتِ روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ اس بات کے پیشِ نظر مرید کا نفس اصالتاً (باطنی لحاظ سے) عین نفسِ شیخ ہے۔ لہٰذا مرید، شیخِ کامل کی روحانی اور معنوی اولاد ٹھہرا۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ''میرا فرزند وہ ہے جو میری راہ پر چلے۔ میری مثال اور میرے نمونہ سے ہدایت حاصل کرے'' اسی بات کا واضح ترین ثبوت یہ کہ خداوند کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور پیروکاروں کو ان کی معنوی اولاد قرار دیکر خیرِ کثیر کی خوشخبری سنا دی۔ خدا مرید کو اپنے مرشد سے یہ نسبت نصیب فرمائے تو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔

حضرت شیخ محمد چشتی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید بھی شیخ کو اپنے بدن میں روح سمجھے اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔ خواہ کوئی اور قطب و ابدال کیوں نہ ہو۔ اسی روحانی الفت کے ذریعے شیخ کے باطنی احوال مرید کے باطن پر تیزی سے بطور وراثت منتقل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اگرچہ ایک لمحہ کی صحبت ہی کیوں نہ ہو۔ مگر بغیر اُلفت مابین (دونوں طرف سے کشش و رابطہ) کے سالوں تک ایک مرید کو کچھ نہیں مل سکتا۔ یہاں تک کہ اُلفتِ شیخ کے برابر برابر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کی پرورش بھی شروع ہو جاتی ہے۔ عوارف المعارف میں حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مرید اپنے آپ کو شیخ کیلئے وقف کر کے سب اختیارِ نفس اس کے حوالے کر دے۔ تب مرید کا باطن اس طرح روشن ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک چراغ سے دوسرے چراغ میں تمام تر کیفیات منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ (یہاں تک کہ جلد اسے مقامِ فنافی الشیخ نصیب ہو جاتا ہے) مرید کو عقلِ سلیم ادبِ شیخ سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت شیخ سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' حُسْنُ الْاٰدَابِ تَرْجَمَانُ الْعَقْل ''یعنی عقل کی ترجمانی حُسنِ ادب سے وابستہ ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں ''حُسْنُ الْاٰدَابِ مِنَ الْاِیْمَان'' (حُسنِ ادب ایمان سے ہے) فرمایا گیا ہے۔ مرید کو چاہئے کہ خلوتِ خلق کی بجائے خلوتِ نفس اختیار کرے۔ صوفیاء کا فرمان ہے خلوتِ غیر، خلوتِ عام ہے اور خلوتِ نفس، خلوتِ خاص ہے۔ بقول اقبالؒ:

؎ تُو بذوقِ خودی رَس کہ صاحبانِ طریق   بُریدہ از ہمہ عالم بخویش پیوستند

(تو بھی اربابِ طریقت کی طرح لذّتِ خودی چکھ لے کہ انہوں نے اصلاحِ خلق کی بجائے پہلے اپنی اصلاح کی ہے۔)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کا اصل کام نعمتوں اور حقائق کو تلاش کرنا نہیں بلکہ

منعم اور ذات کی تلاش کرنا اس کا اصل مقصدِ حیات ہے۔ کیونکہ جو چھاؤں کے پیچھے دوڑتا ہے وہ اپنے ترکش کو تیروں سے بھی خالی کر لیتا ہے۔ اصل مقصدِ شکار سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔ حضرت شیخ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غیبت اخوّت کا خاتمہ کرتی ہے۔ اس لئے کسی بھی ہم مسلک وہم خیال دوست کی غیبت کرنا مرید کیلئے زہر قاتل ہے جس سے اپنوں کے نقصان کے علاوہ فیضِ مرشد پھیلنے میں بھی رکاوٹ آجاتی ہے۔ صوفیاء اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کرتے تھے کہ ساتھی کے تابع بنو مگر اسے تابع بنانے کی آرزو تک نہ کرو۔ اپنا مال اس پر خرچ کرو مگر اس کے مال سے ذرا بھر توقع نہ رکھو۔ نیز ساتھی کی صحبت میں ''کیا''، ''کیوں'' اور ''کہاں'' وغیرہ الفاظ استعمال کرنے کا شعار نہ بناؤ کیونکہ یہ الفاظ منافرت و جدائی کی علامت ہیں۔ (جیسا کہ واقعہ موسیٰ وخضر علیہم السلام سے سبق ملتا ہے) مرید کو نفسانی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہی باتیں متحرک برائی اور بنیادِ گناہ ہوتی ہیں۔ عمل کا نقطہ آغاز ''تصوّر'' ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح تصوراتِ خیر سے اعمالِ خیر جنم لیتے ہیں۔ خواطرِ نفس میں سے سب سے بڑا خطرہ لوگوں میں قدر و منزلت کی آرزو رکھنا اور صفاتِ نفس سے بے خبری ہے۔ اس لئے مرید کو خواطرِ نفس پر کڑی نظر رکھنی چاہئے۔ اُصولِ تصوف ہے۔

؎ خویش را رنجور سازو زار زار تا ترا بیروں کنند از اشتہار (رومیؒ)

(اپنے آپ کو عاجز اور علیل بنا تا رہ تا کہ دنیا والے تجھے دنیاوی معاملات اور دنیاوی شہرت میں نہ جھونک دیں۔)

مرید کی طرف سے اعمال، مکاسب (مزدوری) ہیں اور مرشد کی طرف سے احوال، مواہب (دَین، تحفہ) ہیں جو رضائے مرشد سے وابستہ ہیں۔

خطراتِ نفس سے باخبر سب سے بڑے مشہور صوفی حضرت ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مرید کو سب سے پہلے تکبّر سے اپنی جان چھڑانی چاہئے۔ کیونکہ پہاڑ کو سوئی کی نوک سے گزارنا آسان ہے مگر تکبّر کا دل سے نکلنا اس سے زیادہ مشکل کام ہے۔''

حضرت شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادات وخدمات کا صلہ طلب کرنا مرید کیلئے نسیان الفضل (خدا کے فضل کو بھولنا) کے مترادف ہے۔ نیز لذّاتِ طاعات مرید کیلئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسی چیزیں راہِ معرفت کی رکاوٹیں ہیں۔ معرفت کی لذّتوں کے سامنے عبادات کی لذت ہیچ اور نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لئے حضرت شیخ عیسیٰ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''حَلَاوَۃُ الطَّاعَاتِ وَالشِّرْکُ سَوَاء'' یعنی تصوف میں لذّتِ طاعات اور شرک دونوں ایک برابر ہیں کہ سالک دیدارِ الٰہی کے مقابلے میں لذّاتِ طاعات کو لا کھڑا کرتا ہے۔

ہر طالب میں معرفت الٰہی اس طرح موجود ہوتی ہے جس طرح لوہے میں لوہے کی خاصیت، بشرطیکہ وہ لوہار کے سپرد ہو۔ جس طرح زمین کے اندر پانی! بشرطیکہ کھودنے والا کوئی ہو۔ یعنی نفس مرید، میں جوہر خفتہ اس وقت ظاہر ہونے لگتے ہیں جب کوئی پیر کامل اسے تربیت ومشقّت کی کٹھیالی میں ڈالے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی

مرشد کے بغیر ناممکن ہے کیونکہ اصول ہے رحمتِ ایزدی خدا کے خاص بندوں کے وسیلے سے نازل ہوتی ہے۔

؎ اللہ اللہ کیے جانے سے اللہ نہ ملے　　　اللہ والے ہیں جو اللہ سے ملا دیتے ہیں

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دلِ طالب ''حوض'' کی طرح ہے اور حواسِ خمسہ پانچ نہروں کی حیثیت سے ہیں۔ حوض (دل) کھودنے ہی سے صاف پانی نکلے گا۔ اگر باہر کا پانی حوض میں داخل ہوجائے تو اصل صاف پانی بجائے نکلنے کے دب کے رہ جائے۔ باہر والے پانی کے ذریعے کیچڑ اور بدبو پھیل جائے۔ لہٰذا اس کے پینے کو بغیر نا سمجھ اور ناداں جانور کے اور کوئی نہ آئے۔ یہی حال ظاہری علم کا ہے جو کہ باطنی علم کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ یہ عقلِ انسانی کو تخمین وظن کی تنگ وتاریک اور پُر پیچ وادی میں دھکیل کر عقل اور قلب کے درمیان حجابات حائل کر کے اجنبیّت پیدا کرتا ہے جس سے صراطِ مستقیم کا سراغ لگانا محال ہوجاتا ہے۔ دراصل ظاہری علم باطنی علم کا محتاج ہے۔ جس طرح کیمیا سے سونا بنتا ہے۔ اسی طرح ولی اللہ کی نظر سے صاحبِ علم علماء بنتے ہیں۔ لہٰذا مرید جب تک ظاہری علم سے دست بردار نہ ہوجائے باطنی علم تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

حضرت خواجہ بختیار اوشی چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''کہ مرشد کی ناراضگی اور بددعا دنیا و آخرت دونوں جہانوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے اگرچہ مرید جتنا عبادت گزار کیوں نہ ہو'' اس لئے مرید کو ہر وقت مرشد سے خائف رہنا چاہئے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

ع بر تبسّم ہائے شیر ایمن مباش

(شیر کے ہنسنے سے تو زیادہ بے غم نہ ہو)

پیر و مرشد بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی فرماتے ہیں کہ پیرِ کامل کی تعظیم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، پیرِ کامل کی خدمت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت، پیرِ کامل کا حکم، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور اس پر دل و جان سے عمل کرنا عین سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اطاعتِ مرشد اطاعتِ خدا اور سول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

؎ انبیا و اولیاء را حق بداں　　　سرِّ مخفی کردہ ام با تُو بیاں (شیخ عبدالرزاقؒ)

(انبیاء واولیاء کو ''حق'' جان۔ یہ ایک پوشیدہ بھید مَیں نے تجھ پہ ظاہر کردیا ہے)

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے شیخ کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ سات دن رہے تو خداوند کریم سات ہزار سال کی محبّت بے نقص مرید کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے۔ حضرت شیخ علی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ''شیخ نماز کی حالت میں اگر مرید کو بلائے اور مرید جواب دیدے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک سال کی بے ریا عبادت لکھ دی جاتی ہے۔''

حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جو جس محبّت اور عقیدت کے ساتھ حلقۂ ارادت میں آئے اسی

طرح تا دم زِیست اس کی محبّت میں رہے تو کامیابی اس کا مقدّر بن جائے۔ نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''عالمِ اِستغراق میں شیخ کے ہاتھ میں عالمِ نعمت اور عالمِ بَلا دونوں ہوتے ہیں۔ مُلاقاتی کے مقدّر میں جو ہو وہی لے کے جاتا ہے۔''

اس لئے مرید کو چاہئے کہ ہمہ وقت مرشد کے سامنے پیکرِ عجز و ادب بنا رہے۔ مُبادا اس کی زبان کی جنبش سے بَلا مقدر ہو۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم مردانِ خدا کی زبانِ سیف نشاں سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ زبانِ مرداں، زبانِ خدا ہے اور ان سے یہ علم صرف وہی طالب حاصل کر سکتا ہے جو ان کے ساتھ سراپا ادب بن جائے۔

حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب کو خدا کی بارگاہ سے صوَر و انوارِ غیبی (شبیہائے انبیاء و اولیاء اور تجلّیاتِ ذات و صفات) کی لالچ کرنا اور ریاضات و مجاہدات کو ان کا ہدف بنانا مقامِ رضا و معرفت سے دور ہونے کی علامت ہے۔ اور یہ بات مذہبِ صوفیہ سے خارج ہے۔ نیز طریقِ صوفیاء میں ایسی باتیں بچوں کی لہو و لعب میں داخل ہیں۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدّین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حق سے ادب! پابندیٔ احکامات، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ادب پابندیٔ سُنن اور شیخ سے ادب، پابندیٔ فرمودات ہے۔''

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کو اپنے مرشد ہی کی صحبت میں اچھائی یا برائی کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس لئے صحبت مرشد کو لازم پکڑے۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ اگر کسی طالب کے احوال میں تنزلی واقع ہو تو اس سے خدا کو تضرّع و نیاز اختیار کرنا مطلوب ہے اور اگر اس کے احوال مکمّل طور پر ختم ہو جائیں تو اس سے خدا کو صبر و رضا مطلوب ہے بشرطیکہ شریعت میں موجود ہو۔ خدا دراصل دیکھنا چاہتا ہے کہ کیا میرا یہ بندہ قبض میں بھی بسط کی طرح مجھ سے محبّت کرتا ہے یا صرف انعام و اکرام کا پجاری ہے۔ (یہ حالت عارضی ہوتی ہے مستقل نہیں) اسلئے کہا گیا ہے کہ صدق کو آفات و بلیات کی بھٹّی میں پکایا جاتا ہے لہٰذا اس مقام پر مرید کو صبر و رضا سے کام لے کر خدمتِ مرشد میں منہمک رہنا چاہئے۔

حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب کی شرطوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسے جس وقت خدا تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی دوست کی صحبت میسر ہو اور وہ اپنے حال سے واقف ہو جائے تو صحبت کے زمانہ کا گزشتہ زمانہ سے موازنہ کرے۔ پس اگر نقصان سے کمال کی طرف اپنے حال کو پائے تو بحکم ''اَصَبتَ! فَالزَمْ'' (یعنی تو نے پالیا پس اسے لازم پکڑ) پر عمل کر کے اس بزرگ کی صحبت کو اپنے اوپر فرض جانے۔ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ آدابِ مریدین کے سلسلے میں رسالہ مبداء و معاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''پیر کے حقوق، تمام حقوق والوں کے حقوق سے زیادہ ہیں۔ بلکہ پیر کے حقوق حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے انعامات اور اس کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کے بعد دوسروں کے حقوق سے نسبت نہیں رکھتے بلکہ سب کے پیر حقیقی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اگر چہ ظاہری ولادت والدین سے ہے مگر ولادتِ معنوی پیر کے ساتھ

مخصوص ہے۔ظاہری ولادت کی زندگی چندروزہ ہےاور ولادتِ معنوی کی زندگی اَبدی ہے۔پیرہی ہے جومرید کی نجاساتِ معنوی کو اپنے قلب و روح سے صاف کرتا ہےاوراس کے معدہ کو پاک کرتا ہے۔ان توجیہات میں، جو بعضے طالبوں کی نسبت وقوع میں آتی ہیں، محسوس ہوتا ہے کہ ان کی باطنی نجاستوں کے پاک کرنے میں صاحبِ توجہ کو بھی کچھ آلودگی پہنچتی ہےاور کچھ دیر تک مکدّر رکھتی ہے۔پیرہی ہے کہ، جس کے وسیلہ سے خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں، جو دنیاو آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔پیرہی ہے کہ، جس کے وسیلہ سے نفسِ امّارہ (جو بذات خود خبیث ہے) پاک ہوجاتا ہے، اوراماری گی سے اطمینان تک پہنچتاہےاور کفرِ ذاتی سے اسلامِ حقیقی میں آجاتا ہے۔پس اپنی سعادت پیر کے قبول کرنے میں جاننا چاہیئے اوراپنی بدبختی کو پیر کے ردّ کرنے میں (خداپناہ دے)۔حق سبحانہٗ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا ہے۔جب تک مریداپنے آپ کواپنے پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کرے حق سبحانہٗ کی مرضیات (خوشنودی) میں نہیں پہنچتا۔مرید کی آفت پیر کی ایذا میں ہے۔اس کے سوا جولغزش ہواس کا علاج ممکن ہے لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے نہیں کرسکتے۔کیونکہ مرید کیلئے آزارِ پیر بدبختی کی جڑ ہے۔(خدابچائے)

؎ ہر کہ شُد مردود از درگاہِ پیر ہیچ کس اُو را نیابد دستگیر

(جو بارگاہِ مرشد سے ٹھکرایا گیااور کوئی اس کی مدد نہ کرسکے گا)

اعتقاداتِ اسلامیہ میں خلل اور اَحکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں سستی آزارِ پیر کے نتائج میں سے ہے۔احوال ومواجید (باطنی انکشافات) کہ جن کا تعلّق باطن سے ہےان میں جس قدر خلل اور سستی واقع ہوتی ہے۔اسے کیا ذکر کروں اگر باوجود آزارِ پیر کے احوال میں کچھ اثر باقی ہے۔اسے استدراج سمجھنا چاہیئے۔کیونکہ انجام تو لازم خراب ہی ہوگا۔اور سوائے ضرر کے اور نتیجہ نہ ہوگا۔''

مزید مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اگر خدائے جلّ جلالہٗ کی عنایت سے کسی طالب کواس طرح کے پیرکامل کی طرف رہنمائی کردیں تو چاہیئے کہ اس کے وجودشریف کو غنیمت سمجھے اوراپنے آپ کو مکمّل طور پراس کے حوالہ کردے اوراپنی سعادت کواس کی مرضیات (پسندیدہ چیزوں) میں جانے اوراپنی بدبختی کواس کی مرضیات کے خلاف سمجھے۔''

حاصل کلام یہ کہ اپنی نفسانی خواہش کواس کی رضا کے تابع کردے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ ''تم میں سے کوئی ایمان نہیں لاتا یہاں تک کہ اس کی نفسانی خواہش میرے دین و شریعت کے تابع نہ ہوں''اور جان لے کہ آدابِ صحبت کی رعایت اس راہ کی ضروریات سے ہے تاکہ فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کا راستہ کھُل جائے اور بغیران کے محبّت کا کوئی نتیجہ نہیں اور نہ مجلس کا کوئی ثمرہ ہے۔ان آداب وشرائط سے بعضے بیان کئے جاتے ہیں گوشِ ہوش سے سننے چاہئیں۔جان لے کہ طالب کو چاہیئے کہ اپنے دل کی توجہ تمام اطراف سے پھیر کراپنے پیر کی طرف کرلے۔اُن کی اجازت کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہووے اوراس کے حضور میں سوائے

نماز فرض وسنت کے نہ پڑھے۔

ایک سلطانِ وقت کی نسبت نقل کرتے ہیں کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس اثناء میں اس کی نظر اپنے جامہ پر پڑی اور وہ اپنے ہاتھ سے اس کا بند درست کرنے لگا۔اسی حال میں سلطان کی نظر اس پر پڑی۔دیکھ کر زبانِ عتاب سے فرمایا کہ مَیں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ تُو میرا وزیر ہو اور میرے سامنے جامہ کے بند کی طرف توجہ کرے۔سوچنا چاہیئے کہ جب ناچیز دنیا کے وسائل کیلئے آدابِ دقیقہ ضروری ہیں تو وصول اِلی اللّٰہ کے وسائل کیلئے ان آداب کی رعایت بدرجۂ اتم واکمل لازم ہے اور جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا پیر کے سایہ پر پڑے۔ پیر کے مصلّٰی پر پاؤں نہ رکھے۔اس کے وضو کی جگہ میں وضو نہ کرے۔اس کے برتنوں کو استعمال نہ کرے۔اس کے سامنے پانی نہ پیئے۔کھانا نہ کھائے۔کسی کے ساتھ بات نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرے۔پیر کی غیر حاضری میں جس طرف کہ وہ ہو اس طرف پاؤں دراز نہ کرے۔لعابِ دہن اس جگہ نہ پھینکے۔جو کچھ پیر سے صادر ہو اُسے درست سمجھے،خواہ ظاہر میں درست نظر نہ آئے۔ پیر جو کچھ کرتا ہے،الہام سے کرتا ہے اور باذنِ الٰہی کرتا ہے۔اس صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اگر بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا واقع ہو جائے تو یہ الہامی خطا مثل خطائے اجتہادی کے ہے۔(جو کہ سراپا ثواب ہوتا ہے) اس پر ملامت واعتراض کرنا جائز نہیں۔ نیز چونکہ مرید کو پیر سے محبّت ہو جاتی ہے۔لہٰذا محبّ کی نظر میں محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محبوب ہی معلوم ہوتا ہے پس اعتراض کی گنجائش نہیں۔کُلی و جزوی امور، کھانے،پینے،سونے اور اطاعت کرنے میں پیر کی پیروی کرے۔پیر کی طرز پر نماز ادا کرنا چاہیئے اور فقہ کو اس کے عمل سے سیکھنا چاہیئے۔(جس طرح کہ اصحابہ کرام رضی اللّٰہ عنہم کیا کرتے تھے)

؎ آنرا کہ در سرائے نگاریست !فارغ است از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

(یعنی جس کے اپنے گھر میں معشوق موجود ہے تو اسے باغ وبوستاں اور لالہ زار میں جا کر دل لبھانے کی کیا ضرورت ہے۔)

پیر کے حرکات وسکنات میں کسی اعتراض کو دخل نہ دے۔خواہ وہ اعتراض رائی کے دانے کی مقدار ہو کیونکہ اعتراض کا نتیجہ سوائے محرومی کے نہیں ہے اور تمام مخلوق میں سب سے بد بخت اس طائفہ عالیہ کا عیب بین ہے۔حق سبحانہٗ ہم کو اس بڑی بلا سے نجات دے۔اپنے پیر سے خوارق وکرامات طلب نہ کرے اگرچہ وہ طلب بطریق خطرہ ووسوسہ،دل میں آئے۔کیا تُو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو؟ کفار ومنکر ہی معجزے کے طالب ہوا کرتے ہیں۔اگر دل میں شبہ پیدا ہو تو بغیر توقّف کے عرض کرے۔اگر حل نہ ہو تو اپنا قصور سمجھے اور کوئی نقصان پیر کی طرف عائد نہ کرے اور جو واقعہ پیش آئے پیر سے پوشیدہ نہ رکھے۔واقعات کی تعبیر اسی سے طلب کرے اور جو تعبیر کہ طالب پر ظاہر ہو اسے بھی عرض کر دے اور ثواب وخطا کو اس سے دریافت کرے اور اپنی مکاشفات پر ہرگز اعتماد نہ کرے۔کیونکہ اس دنیا میں حق وباطل اور صواب وخطا ملے جلے ہیں اور بغیر ضرورت اور اذن کے پیر سے جدا نہ ہووے۔کیونکہ غیر کو اس پر

اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو اس کی آواز پر بلند نہ کرے اور بلند آواز سے اس سے بات نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی ہے جو فیوض و فتوحات حاصل ہوں ان سب کو پیر کی وساطت سے تصور کرے اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ کوئی فیض دوسرے مشائخ سے پہنچا ہے تو اس کو بھی پیر ہی سے سمجھے اور جان لے کہ چونکہ پیر کمالات و فیوض کا جامع ہے وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب مشائخ میں سے ایک شیخ کے کمال کے موافق کہ جس سے ظاہر افاضہ (ظاہری فیض) ظہور میں آیا ہے مرید کو پہنچا ہے۔ اور پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ لیکن مرید نے بہ سبب ابتلاء (ناسمجھی) کے اس لطیفہ کو دوسرے شیخ سے خیال کیا ہے اور فیض کو اس کی طرف سے سمجھا ہے، یہ بڑی غلطی سرزد ہونے کی جگہ ہے۔ حق سبحانہٗ قدم کی لغزش سے بچائے اور پیر کے اعتقاد و محبّت پر قائم رکھے، بحرمت سید المرسلین ﷺ

حاصل کلام

اَلطَّرِيْقَةُ كُلُّهَا اَدَبٌ یعنی طریقت سب ادب ہی ادب ہے۔ مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر مرید آداب میں سے بعض کی رعایت میں اپنے آپ کو کوتاہ جانے اور بسیار سے بھی اسے پورا نہ کر سکے تو معاف ہے لیکن کوتاہی کا اقرار ضروری ہے۔ اگر پناہ بخدا آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنے آپ کو کوتاہ بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم ہے۔ ''جس کی قسمت میں بھلائی نہ ہو اسے نبی ﷺ کے چہرہ مبارک دیکھنا بھی فائدہ نہیں دیتا'' اسی مکتوب میں آگے فرماتے ہیں کہ مشائخ کا قول ہے کہ پیر زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا مقامِ شیخی کے لوازم سے ہے۔ زندہ کرنے سے مراد روح کا زندہ کرنا ہے نہ کہ جسم کا۔ اسی طرح مارنے سے مراد رُوح کا مارنا ہے نہ کہ جسم کا اور اس حیات و موت سے مراد فنا و بقا ہے جو مقام ولایت و کمال پر پہنچا دیتا ہے۔ شیخ مقتداء بِاذنِ الٰہی ان دو باتوں کا کفیل ہے۔ پس شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ فنا و بقا کے مرتبہ پر پہنچاتا ہے۔ جسم کے زندہ کرنے اور مارنے کو منصب شیخی سے کچھ سروکار نہیں۔ (البتہ اگر ہو تو مانع بھی نہیں کیونکہ کئی بزرگوں سے اس قسم کے واقعات سرزد ہوئے ہیں۔ مگر اصل مقصدِ پیر مقصدِ سابقہ ہے)

آپ رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات جلد ثالث میں طالبانِ طریقت کے لیے تحریر فرماتے ہیں کہ ''مولانا حاجی محمد نے ظاہر کیا تھا کہ قریباً دو مہینے ہوئے کہ اشغال میں سستی ہوگئی ہے۔ وہ ذوق اور حلاوت جو پہلے تھی نہیں رہی۔ دوست! غم نہیں اگر دو چیزوں میں خرابی نہ ہوئی ہو۔ ان دو چیزوں میں سے ایک صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور دوسرے اپنے شیخ کی محبّت اور اخلاص۔ ان دو چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں تاریکیاں اور تیرگیاں طاری ہو جائیں تو کچھ خوف نہیں۔ آخر اس کو ضائع نہ چھوڑا جائے گا۔ اگر خدا پناہ دے۔ ان دو میں سے ایک میں نقصان آ گیا تو پھر خرابی ہی خرابی ہے۔ اگرچہ حضور و جمعیت حاصل ہو۔ کیونکہ یہ استدراج (فریب نفس) ہے کہ جس کا انجام خراب ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے تضرّع و

زاری کے ساتھ ان دو چیزوں کا ثبات طلب کریں اور ان دونوں پر استقامت کی دعا کریں۔ کیونکہ یہی دونوں کارِ دین اور نجات اُخروی کا مدار ہیں۔

بیعتِ ثانی

ایک اور مقام پر مجدّد رحمۃ اللہ علیہ نور محمد انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کو تحریر فرماتے ہیں کہ'' آپ نے جو دریافت کیا ہے کہ اگر کوئی طالب اپنے پیر کی زندگی میں دوسرے شیخ کے پاس جائے اور طلبِ خدا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ سو معلوم رہے کہ مطلوب و مقصود حق سبحانہٗ کی ذات ہے اور پیر وصول الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ اگر طالب اپنا رُشد دوسرے شیخ کے پاس دیکھے اور اپنے دل کو اس کی محبّت میں خدا تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جائز ہے کہ پیر کی زندگی میں بغیر اجازت کے اس شیخ کے پاس جائے اور اس سے طلبِ رُشد کرے۔ لیکن اسے چاہئے کہ پہلے پیر سے انکار نہ کرے اور اسے بجز نیکی یاد نہ کرے۔ خصوصاً آج کل کی پیری مریدی جو صرف رسم و عادت رہ گئی ہے۔ اس وقت کے پیر جو اپنے آپ سے بے خبر ہیں اور ایمان و کفر میں تمیز نہیں کر سکتے وہ خدا تعالیٰ کی کیا خبر دیں گے؟ اور پھر مرید کو کونسا راستہ دکھائیں گے؟ اس لئے افسوس اس مرید پر ہے جو اس طرح کے پیر پر اعتقاد کر کے بیٹھ جائے اور کسی دوسرے (پیرِ کامل) کی طرف رجوع نہ کرے اور خدا جل شانہٗ کا راستہ معلوم نہ کرے۔ یہ خطرات شیطانی ہیں جو پیرِ ناقص کی حیات کے سبب سے طالب کو حق سبحانہٗ سے روکتے ہیں۔ اسے چاہئے کہ جس جگہ رُشد و جمعیّتِ دل پائے تو بغیر توقّف کے رجوع کرے اور وساوس شیطانی سے پناہ ڈھونڈے۔''

کتبِ تصوف میں ہے کہ مرشد کی قومیت، پیشہ و ذات، ناداری اور ظاہری کم علمی وغیرہ کی وجہ سے اس کی خدمت کرنے میں یا اخلاص و اعتقاد میں فرق نہ آئے۔ ان کے روبرو یا ان کے پیچھے ان کی زندگی یا ان کے انتقال کے بعد ان کا ادب اس طرح کرتا رہے جیسے کہ ان کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ مرشد کے ساتھ لمبی باتیں نہ کرے بلکہ نہایت مختصر اور بامقصد کلام کرے۔ ان کی بات اپنی بات سے ہرگز نہ کاٹے جب تک کہ وہ اپنا مکمّل مقصد بیان نہ فرماویں۔ پھر بھی جب تک ان کی مرضی نہ دیکھے بات نہ کرے۔ اُٹھتے بیٹھتے، آتے جاتے ان کی طرف پیٹھ نہ کرے اور پاؤں نہ پھیلائے یہاں تک کہ اپنے جوتے بھی ان کے سامنے اتارنے کی کوشش نہ کرے۔ خود کو ان کی محفل میں عاجز ترین خیال کرے کیونکہ عاجزی ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔ ان کی نصیحتوں کو دل و جان سے قبول کرے۔ اگر مرشد کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی نعمت بھی دی ہے۔ (جس طرح کہ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ) تو اس کی لالچ نہ کرے تا کہ دل میں غنا پیدا ہو۔ مرشد کی ہیبت اور خوف سے کبھی اپنے دل کو خالی نہ رکھے۔ ان کی مہربانیوں پر مغرور ہو کر شیطان کے پھندے میں بھی نہ آئے۔ ان کی طرف سے اپنا ظاہر و باطن یکساں رکھے۔ ان کے حضور میں دل کو ہمیشہ خطرات سے پاک و صاف رکھے۔ خدمتِ مرشد کیلئے اپنی ہمت سے بھی زیادہ جدوجہد کرے۔ اگر مجبورِ محض ہو تو خیر، کیونکہ مرشد دِلوں کا مالک اور عقیدے کا طالب ہوتا ہے۔

شیخ کی چیزیں مثلاً کپڑا، جائے نماز وغیرہ بغیر ان کی اجازت کے ہرگز نہ بَرتے۔ ان کے حکم کے بغیر امامت

کیلئے بھی نہ بڑھے۔ان کے حضور میں کوئی ایسا فعل نہ کرے جس سے انہیں نفرت ہو۔کھانے پینے کے وقت ان کے منہ کو نہ تکّے معلوم نہیں اس بات سے مرشد اپنے دل میں کیا محسوس کرے۔ان کے ساتھ بیٹھ کر بھی نہ کھائے کہ بے ادبی ہے۔ ان کا بچا ہوا کھانا بے شک کھالے اوران کا بچا ہوا پانی کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پیئے کہ اس میں فیض ہوتا ہے۔ان کی آنکھوں میں آنکھیں ملا کر بات نہ کرے۔ان کے آگے اپنی علمیّت کا اظہار نہ کرے۔جب محفل میں بیٹھے ہوں تو دوزانو بیٹھے اوراس قدر رجم کر نہ بیٹھے کہ ان کو ناگوار گزرے اور نہ مسلسل بیٹھا رہے۔لوٹا اٹھانا، وضو کرانا، مسند بنانا، بستر بچھانا، مصلّٰی بچھانا، جوتے سیدھا کرنا، کپڑے دھونا لنگر کا خیال رکھنا الختصر انہیں ہر طرح سے خوبصورت بنانا اپنا شُعار بنائے۔

خود کو ایک وفادار نوکر بلکہ اس سے بھی کم درجہ پر تصور کرے۔ بیعت ہوتے ہی یہ اعتقاد رکھے کہ میرا مطلب معرفت اسی مرشد سے حاصل ہو کر رہے گا۔اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیض اور برکت سے محروم رہے گا۔ مرشد اگر چہ غوثِ اعظم پیر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کیوں نہ ہو۔جو ذکر اور ورد و وظیفہ مرشد تعلیم کرے صرف اسی کو بغیر کمی وبیشی کے پڑھے دیگر تمام وظیفے چھوڑ دے۔خواہ اس نے اپنی طرف سے شروع کئے ہوں یا کسی دوسرے نے بتائے ہوں۔

کسی سوال کے جواب میں اگر مرشد خاموشی اختیار کر دے تو توقف کرے اور جان لے کہ مَیں اس کے جواب کے لائق نہ تھا بصورت دیگر سوال کرنے کے بعد نہایت توجّہ سے جواب کا منتظر رہے۔نیز مرشد کے کلام کو دوسروں سے اس قدر بیان کرے جس قدر اسے لوگ اپنی سمجھ کے مطابق سمجھ سکیں اور جس بات کو لوگ نہ سمجھ سکیں تو اعتراض بازی کے خدشہ سے وہ بات بیان ہی نہ کرے۔ کیونکہ شیخ کی گفتگو ہر ایک کے حسب حال۔یعنی عام، خاص اور خاص الخاص انداز کی ہوتی ہے۔لہٰذا خاص الخاص بات تو عام نہ سمجھ سکے گا۔اس لئے صواب دید سے کام لینا چاہئے۔مرشد کی کسی بات کو ردّ نہ کرے۔اگر چہ حق اپنی طرف دیکھے۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ شیخ کی خطا میرے ثواب سے کئی درجہ بہتر ہے۔مرشد سے ظاہری و باطنی رابطہ لازمی رکھے خاص محفلوں میں تو لازمی شریک ہوا کرے کہ ان میں فیض بھی خاص ملتا ہے۔آگے پیچھے اگر خود حاضر نہ ہو سکے تو خط و کتابت کے ذریعے مختصر احوال اور معاملات کا لین دین کرے مگر یہ عادت مستقل اپنے اندر نہ ڈالے کہ اس میں صحبت کی تلافی ہوتی ہے۔مرید کیلئے شکر نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مرشد کی صحبت میں ہمیشہ بچہ خیال کرے۔اپنی خواہش کو اس کی خوشی کے تابع بنا دے۔مرید جس طرح مرشد کے حکم کی اتباع کرتا ہے اگر ہو سکے تو ان کے خلفاء کا بھی اطباع کرے اور جو اس سے پہلے مرید ہو چکا ہے اس کا بھی احترام کرے بشرطیکہ اس وقت تک وہ اپنی توبہ پر قائم ہو۔وگرنہ لازم نہیں۔

کسی سے نہ مناظرہ کرے اور نہ جھگڑے کیونکہ اس میں کدورتِ قلبی لازم ہے۔اگر اتفاقاً ایسا ہو بھی جائے تو فوراً استغفار کرے۔اس سے معذرت کرے اگر چہ خود حق پر کیوں نہ ہو۔ یہ صرف فقیر کی خاصیّت ہے۔دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنے کی بجائے صالح گمان کرے اور ان سے دعا کا خواستگار بنے۔ یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بوڑھی سے اپنے لئے دعا منگوایا کرتے تھے۔

مرید کو پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہئے کیونکہ جو مرید زیادہ کھاتا ہے اس کی حالت زار پر فرشتے روتے ہیں۔ نیز مرید کے دل میں نور نہ آنے (حجابِ حق) کا ایک اہم سبب پیٹ بھر کر کھانا بھی ہے۔ بھوکا پیٹ خدا کو بہت پسند ہے اور وہ بھوک کا خزانہ صرف اپنے دوستوں کو دیتا ہے اس لئے صوفیاء کا مقولہ ہے ''مِعْرَاجُ الْفُقَرَاءِ لَيْلَةُ الْفَاقَة'' یعنی فقراء کے لئے شبِ فاقہ شبِ معراج ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پرہیز گار طالب سدِّ رمق! (غذا اِس قدر کم کھانا کہ صرف مرنے سے بچ جائے) پر بھی مُشوّش (پشیمان و پریشان) ہوتا ہے۔

مرید کو چاہئے کہ مرشد سے دعا کا اصرار نہ کرے کہ یہ مرشد کے حضور صحبت کی ناشکری ہے۔ جبکہ وہ خود بخود ہمہ وقت اپنے مریدوں کیلئے دست بدعا ہوتا ہے۔ مرید کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر شب خیزی کی عادت ڈالے۔ مرشد کے دروازے پر زور سے آواز نہ دے۔ مرید توبہ پر جس قدر مضبوط ہوتا ہے اسی قدر فقر میں اسے دولتِ استقامت نصیب ہوتی جاتی ہے۔

اپنی جان و مال کو مرشد سے عزیز نہ سمجھے۔ خواب کی تعبیر مرشد کے بغیر اور کسی سے نہ لے۔ مرشد کی تھوڑی مہربانی کو زیادہ سمجھے جب تک مرشد کو اپنی طرف مخاطب نہ دیکھے خاموش رہے۔ مرشد کے سامنے ہنسی یا مزاح نہ کرے اور نہ مرشد کے مزاح پر ہنسے۔ مرشد پر جو اعتقاد رکھنے والے ہیں، خواہ وہ بیعت نہ ہوں۔ ان کے ساتھ بھی محبّت کا برتاؤ رکھے۔ مرشد سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھے مرشد کی طرف نہ تھوکے اور نہ کلی پھینکے۔ مرشد اگر کسی کی تعظیم کو اُٹھے تو ان کی پیروی کرے۔ پیر کے قرابت داروں، عزیزوں سے صلہ رحمی رکھے۔ پیر بھائیوں اور طالبانِ طریقت کی رعایت کرے اور پیر کی ہر ایک چیز کا ادب و احترام کرے۔ پیر کے رُوبرو کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے جس سے وہ ناراض ہو جائیں اور اگر وہ ناراض ہو جائیں تو بُرا نہ مانے بلکہ فوراً اُن کی رضا جوئی کی کوشش میں لگ جائے۔ ان کی ہر بات کو دل و جان سے سن کر اوّلین وقت میں اس پر عمل پیرا ہونے کی ہمہ تن کوشش کرے۔ مرشد اگر پردہ فرما جائے تو مرید کو چاہئے کہ وہ اپنا عقیدہ سابقہ صورت میں مستقل رکھے کہ مردانِ خدا کا فیض بعد از وصال بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔ مزار پر با قاعدہ حاضری دیتا رہے اور فیض حاصل کرتا رہے اور ان کی رُوح پُر فتوح کے لئے ایصال ثواب کا باقاعدہ بندوبست کرتا رہے۔ روحانی رابطہ بحال رکھے۔ صاحب بصیرت، صاحبِ کشف اور مرید کامل تو مزار پر جا کر براہِ راست گفتگو کر کے استعانت و ہدایات حاصل کر سکتا ہے۔ مشہور ہے کہ جب حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ علوم شرعیہ سے فارغ ہوئے تو رات عشاء کی نماز کے بعد حصولِ فیض کیلئے خرقان سے بسطام شریف کی طرف چل پڑتے اور شیخ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر پہنچتے۔ وہاں بڑے ادب سے کھڑے ہو جاتے اور یہ مناجات کہتے ''الٰہی جو کرم تو نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ پر کیا اور وہ خلعتِ فقر جو تُو نے ان کو بخشی اس کا تھوڑا سا حصّہ مجھے بھی نصیب کر'' پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ اُلٹے پاؤں واپس آتے۔ تمام راستے میں مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے۔ اسی حال میں واپس گھر آ کر فجر کی نماز ادا کرتے۔ نمازِ فجر عشاء کے وضو سے خرقان میں آ کر پڑھتے۔ یہی سلسلہ عرصہ بیس سال تک چلتا رہا پھر حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی پیشینگوئی کے مطابق وہاں تک پہنچے کہ جہاں تک اُنہیں پہنچنا مقصود تھا۔

حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ادب کا یہ عالم تھا جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو وصیت فرمائی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا کیونکہ خرقان کی زمین بسطام کی زمین سے تیس گز اونچی تھی۔ یہ بات انہیں ناگوار تھی کہ میری قبر میرے شیخ کے مزار اقدس سے اونچی ہو۔

اب آخر میں سالکین وطالبین کی رہنمائی کیلئے مدارجِ سلوک کا ایک معلوماتی گراف پیش کر کے دنیائے تصوف کو سمیٹ دیا جاتا ہے۔

مدارجِ سلوک

جس طرح علم طِب سے استعمال دواپر مریض کوصحت وافاقہ نصیب ہوجاتا ہے۔اسی طرح مرشدِ کامل کی توجہ اور اورادووَظائف کے ذریعے مرید کوعلم فقر پرعمل کرنے سے اثرات کاثمر ملنا شروع ہوجاتا ہے۔

؎ صحتِ ایں حِسّ بجوئید از طبیب　　　صحتِ آں حِسّ بجوئید از حبیب　(رومیؒ)

(اربعہ عناصر (جسم) کا علاج کسی ماہر ڈاکٹر سے تلاش کرومگر لطائف (روح) کا علاج کسی خدا کے دوست ولی کامل سے تلاش کرو)

پھر درج ذیل ہر بات آہستہ آہستہ ترقی کرتے پائیہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

علم طِب	استعمالِ دوا	صحت از مرض
علم	عمل	اثرات ونتائج
نگاہِ شیخ	خدمتِ شیخ	فنافی الشیخ
شریعت	طریقت	حقیقت ومعرفت
جسد	روح	سَیر اِلیٰ اللہ
توحیدِ افعالی	توحیدصفاتی	توحیدمعرفت
توحیدِ عام	توحیدخاص	توحیدخاص الخاص
ہمہ از وست	ہمہ باوست	ہمہ اُوست
علم مِنَ اللہ	علم بااللہ	علم مَعَ اللہ
معرفتِ عقلی	معرفتِ علمی	معرفت کشفی
ذوالعقل	ذوالعین	ذوالنظر
علم الیقین	عین الیقین	حق الیقین

☆☆☆☆

؎ علمِ حق در علمِ صوفی گم شود   ایں سخن کئے باورِ مردم شود (رومیؒ)

(صوفی علومِ الٰہی کا مجموعہ بن جاتا ہے لیکن یہ بات لوگ کب مانیں گے۔)

یہ آداب دراصل مشائخ عظام کے ایجاد کردہ نہیں ہیں۔ بلکہ رسول خدا ﷺ کے عہد مبارک سے جاری ہو کر آج تک عقلی و نقلی یا سینہ بسینہ چلے آرہے ہیں اور تا قیامت چلتے رہیں گے۔ رسول خدا ﷺ گو کہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے نہایت بے تکلّف تھے مگر پھر بھی ان کے ادب کا یہ عالم تھا کہ محفل میں اس قدر ساکت ہوجاتے کہ ''کَانَ عَلٰی رَؤُسِنَا اَلطَّیَر'' (گویا کہ ان کے سروں پر پرند بیٹھے تھے ذرا ہلتے تو وہ اُڑ جاتے) بزرگوں کی صحبت میں ابھی تک یہی نقشۂ اصحاب رضی اللہ عنہم زندہ ہے۔ یوں تو سارا قرآن آداب ہی آداب ہے مگر خداوند کریم نے سورۂ حجرات میں تو تاکیدی صورت میں آپ ﷺ کے پیروکاروں کو آپ ﷺ کی صحبت کے آداب وشرائط بتلادئے جو سالکین اور عاشقین کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔

انہی الفاظ پر ضمیمہ ختم کر کے تکملۂ کتاب کر دیتا ہوں۔ پچھلے سال انہی ایام میں اصل کتاب کی تکمیل ہوگئی تھی۔ پورا ایک سال بعد ضمیمہ تک مرشد کامل کی ذات کی طرح کامل، مکمّل، اکمل کر کے مرشد اور فرزندانِ مرشد کے حوالے کرتا ہوں۔ خداوند کریم آل رسول ﷺ کی مدح سرائی کے طفیل دونوں جہانوں میں ان کی غلامی نصیب کرے۔ آمین

تمت بالخیر

احقر شیر محمد

19-04-1992

تتمۂ کتاب (۱)

کوہ سلیمان علاقہ بارتھی میں

بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کا ورودِ مسعود

انقلابی رُوداد

(بزبان صوفی حامدُ اللہ بُزدار)

ع قُرباں باثاں کُل فقیرانی
بل بنوں والا تھی لعل ءِ
ایشیں صدر کُلیں پیرانی

(میں سب فقرائپر قربان! مگر باباجی سرکار مدظلہُ العالی بحرِ معرفت کے وہ دُرِّ شہوار ہیں کہ تمام پیرانِ عظّام میں آپ صدر نشین ہیں۔)

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ''

سرکارِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "خِیَارُکُمُ الَّذِیۡنَ اِذَا رُأوْ ذُکِرَاللّٰہ"

(سب مخلوق میں بہترین انسان (خدا کا برگزیدہ) وہ ہے کہ جس کے چہرے کو جو دیکھے اُسے خدا یاد آجائے۔)

ایسے لوگوں کو ولی اللہ، فقیر یا درویش کہتے ہیں۔ یہ لوگ کریم اور محبوب ہوتے ہیں۔ امت کے غمخوار اور رہبر ہوتے ہیں دوسروں کے دَرد، دُکھ اور مصیبتیں اپنی جان پر لے کر خوش رہتے ہیں یہ لوگ شفیق اور مہربان ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں دنیا میں ہر وقت خدا کے برگزیدہ بندے موجود ہیں جو مکمّل طور پر اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہیں۔ جو اپنی ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے تشنگانِ راہِ حق کو اپنے رواں نوری چشمے سے سیراب کرتے رہتے ہیں میری یہ دلی خواہش تھی کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ کے اِن برگزیدہ بندوں سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہو۔ چنانچہ 1987ء کے اوائل میں مجھے سرکار بنوں والی لجپال سے (بذریعہ صوفی عبدالشکور) ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک ہی نظرِ کرم سے ایسا محسوس ہوا کہ مَیں نے اپنی عمر کے تیئیس (23) سال گزارنے کے باوجود اس دنیا میں از سرِ نو جنم لیا ہے، اس وقت سے مَیں ہر وقت آپ مدظلہٗ العالی کی خدمت میں عرض پیش کرتا رہا کہ حضور ہم غریبوں کے وطن کو بھی اپنے مبارک قدموں سے مشرف فرمائیں تاکہ مجھ جیسے گنہگار کی طرح اوروں کی بھی تقدیر بدلے۔

آج سے کئی سال پہلے جس راستے پر آپ مدظلہٗ العالی کو تشریف لانا تھا ہمارے اپنے ہی گھرانے کے بہت سے افراد کو عالم خواب میں ایک روشنی آتی ہوئی نظر آتی تھی اور بعض افراد کے خواب میں بصورت شکلِ انسانی بھی راہنمائی فرمائی گئی اور انہیں یہ بتایا گیا کہ ہم سیّد ذات ہیں اور آپ کی رہنمائی کیلئے روشنی بن کر آنے والے ہیں۔ اسی وقت سے لے کر آپ مدظلہٗ العالی کی آمد تک ان روشنیوں کے مناظر اور بشارات کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ مدظلہٗ العالی کی تشریف آوری سے چھ ماہ قبل ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک سفید نورانی بادل نیچے آکر انسانی شکل میں تبدیل ہوگیا اور بزرگ شکل بن کر لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے بعد واپس آسمان کی طرف چلا گیا۔ اس کے علاوہ آپ مدظلہٗ العالی کی تشریف آوری سے صرف ایک ہی رات قبل ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ کسی نے آکر اس سے کہا کہ آؤ ہم تمہیں دکھائیں کہ حضور ﷺ کا فوٹو مبارک بن کر آیا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ اس زمانے میں تو کوئی کیمرہ وغیرہ نہیں تھا فوٹو کی بات غلط ہے مگر کہنے والے نے سمجھایا کہ حضور ﷺ کے بالکل نقشہ مبارک پر ایک بزرگ ہستی آنے والی ہے (دوسرے ہی دن اس نے باباجی سرکار مدظلہٗ العالی کی محفل میں حاضر ہو کر یہ خواب دوستوں کے سامنے بیان کیا۔)

سب لوگ فرطِ اشتیاق کے ساتھ ساتھ اس الجھن میں تھے کہ آخر اِن بشارتوں کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟۔ شب و روز خدا کے حضور دست بدعا تھے کہ خدایا! یہ بشارتیں کب حقیقت بن کر ہمارے سامنے آتی ہیں اور یہ نوری روشنی کب اپنا نور پھیلاتی ہوئی ہمارے تاریک سینوں کو پُرنور فرما کر ہماری رہنمائی فرمائے گی؟ آخر کار یہ بشارتیں 20 جنوری 1990ء کو

حقیقت بن کر سامنے آ گئیں۔ آپ سرکار مدظلہٗ العالی تمام تاریکیوں کو چاک کرتے ہوئے اُجالے کی کرن بن کر علاقہ نالدف (بارتھی) میں آوارد ہوئے۔ مجھے آج بھی ڈیڑھ سال گزرنے کے بعد اس طرح یاد ہے جیسا کہ مَیں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ جس دن آپ سرکار مدظلہٗ العالی کو آنا تھا وہ ہفتے کا دن تھا مَیں نے اپنی برادری اور قریبی دوستوں کو آپ مدظلہٗ العالی کی تشریف آوری کے بارے مطلع کیا کہ آج ایک بہت بڑی ہستی تشریف لانے والی ہیں مگر موقع پر بہت قلیل لوگ آئے کیونکہ وہ پیشہ ور اور نام نہاد، دھوکہ باز پیروں (کے دھوکہ) سے نالاں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید کوئی ایسا ہی پیر ہوگا۔ مگر اُن کو کیا معلوم کہ آج وہ ہستی تشریف لا رہی ہیں جو کہ ایک برگزیدہ ولی کامل کے ساتھ ساتھ آلِ رسول بھی ہیں۔ آج وہ بندۂ خدا آرہے ہیں جو کہ ان لوگوں کی تقدیر بنانے اور سنوارنے کے مختار بھی ہیں۔ ان کی دل کی دنیا بدلنے اور ان کے نفس کا رخ موڑنے، خدا اور رسول ﷺ کا بھلایا ہوا سبق یاد دلانے کیلئے تشریف لا رہے ہیں۔ جونہی آپ مدظلہٗ العالی کی گاڑی نزدیک پہنچی ذِکر بالجہر کی آواز پہاڑوں سے ٹکرا کر گونجتی ہوئی جب لوگوں کے کانوں میں پہنچی تو دِل ان کے ہاتھوں بے قابو ہونے لگے۔ بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان جو اپنی زور آوری کی خوش فہمی میں مبتلا تھے تھر تھر کانپنے لگے کسی کے ہوش ٹھکانے نہیں تھے دُور دُور سے لوگ بھاگتے ہوئے ایسے کھچ کھچ کر چلے آرہے تھے جیسا کہ انہیں کوئی مقناطیسی کشش کھینچ رہی ہو۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میدانِ حشر برپا ہونے والا ہے۔ اللہ اکبر اور یا رسول اللہ ﷺ کے فلک شگاف نعرے بلند تھے رائفلوں کی فائرنگ اور استقبالیہ کلموں سے فضا گونج رہی تھی۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ پہاڑ بھی حیران و پریشان، عالمِ وَجد میں جھوم رہے تھے۔ اب آپ مدظلہٗ العالی کے جلسہ گاہ پہنچنے سے پہلے بہت سے لوگ کششِ غیرارادی سے دوڑ کر وہاں پہنچ چکے تھے۔ اسی اثنا میں لوگوں کا مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔

آپ جوں جوں نزدیک آرہے تھے۔ ذکر کی آواز کے ساتھ ساتھ بارانِ رحمت بھی تیز ہو رہی تھی اور اس رفتار سے لوگوں کے دل بھی دھڑک رہے تھے۔ سب آپ مدظلہٗ العالی کے متعلق اپنے اذہان میں ایک تصوّر رلئے ہوئے تھے مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ آپ سرکار مدظلہٗ العالی ان کے تصوّر سے بھی بلند و برتر ہیں۔ جونہی آپ مدظلہٗ العالی کی گاڑی پہنچی ناچیز نے گاڑی کا دروازہ کھول کر آپ مدظلہٗ العالی کو نیچے اتارا۔ جب لوگوں کی نظریں آپ مدظلہٗ العالی کے چہرۂ انور پر پڑیں تو سب کی جان نکل گئی۔ واہ! اس دنیا میں ایسے شہکار بھی رہتے ہیں۔ ہزاروں احساسات کے طوفان ان کے دلوں پہ آئے اور گزر گئے۔ آپ مدظلہٗ العالی کے حسن و جمال کو دیکھ کر سب دَم بخود رہے۔ آپ مدظلہٗ العالی ان تصورات سے برعکس نہایت حسین وجمیل، دلکش، شفیق اور مہربان نکلے۔ اپنے نانا پاک ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے لوگوں پر شفقت و محبّت کی بارش برسانے لگے۔ سب کو سینے سے لگا کر اُن کے سروں کو بوسے دینے لگے۔ اس محبّت و مہربانی کو دیکھ کر دل ہی دل میں سب کو خدا یاد آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ رحمت کے فرشتے بن کر آئے ہیں کہ جن کے آتے ہی خدا کی یاد زندہ ہوگئی۔ جیسے کہ بدلی کا چاند بن کر آگئے۔ سب کی نگاہیں آپ مدظلہٗ العالی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں اور دل ہی دل میں خدا کا شکر بجالا

رہی تھیں کہ اے اللہ! تُو نے ہمیں ایسا بندہ بھی دِکھا دیا جو ہمارے تصوّر میں بھی نہ تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب سردارِ دوجہاں ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ والوں نے محبّت کا اظہار کرتے ہوئے شعر کی زبان میں خدا کا شکرادا کیا اوراس جگہ آپ ﷺ کے آلِ پاک کی آمد پر بھی وہی شعر ذہنوں میں آ رہا ہے۔

؎ طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع   وَجَبَتْ شُکْرُ عَلَیْنَا مَا دَاعَ لِلّٰہِ دَاع

اس دورے پہ آپ مدظلہٗ العالی نے تین دن دورات قیام فرمایا۔اس دوران آپ مدظلہٗ العالی نے بارتھی کے گردنواح کے کئی علاقوں خاص کرنالدف کو رونق بخشی۔اس دورے میں کئی مرداورخواتین آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر سچے دل سے توبہ تائب ہوگئے اور کئی دیگرلوگوں نے فیض حاصل کیا۔حضور کےنظرِ انتخاب کے قربان جاؤں کہ جتنوں کو بھی مرید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی وہ ہمارے اپنے ہی برادری کے لوگ تھے۔آپ مدظلہٗ العالی کی توّجہ سے تمام مریدان ایسی محبّت اورجلال کے پیکر بن گئے کہ دنیا دنگ رہ گئی۔کسی نے دودوگز کی مونچھوں کو کاٹ کراپنےنفس پرتھپّڑرسید کیا۔کسی نے نونوگز کی پگڑی اتارکرفقیری کی ٹوپی پہن کرشیطان کوجلادیااوردنیا کے سامنے یہ شعر دُہرادیا۔

؎ نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی   بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

یہ سب کچھ غیرارادی طور پرہوتا گیا۔ورنہ کسی کے کہنے پرکون اپنی عادتیں چھوڑتا ہے۔جذب وکیف کی یہ حالت تھی کہ دنیا حیران تھی۔جن کی زبان ہروقت گالی گلوچ اور قماش باتوں میں جکڑی ہوئی تھی اب نفی واثبات کے ذکر سے اپنے دماغ کوسیراب کررہے تھےاورگریہ وزاری سے کسی کی آنکھ خشک نہ تھی۔ہروقت خدا کے آگے سجدہ ریز،رونے میں مصروف تھے۔جب لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو سب معترف ہوگئے کہ یہ کمال تو اس ہستی کا ہے کہ جس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہی اُن کی دنیا بدل گئی۔اس کے ساتھ ساتھ کئی لوگ معترض بھی تھےاورطرح طرح کی باتیں بنارہے تھے۔

اس مختصر قیام کے بعد آپ مدظلہٗ العالی 22 جنوری 1990ء کو واپس تشریف لے گئے۔آپ مدظلہٗ العالی کے تشریف لے جانے کے بعد سارے علاقہ کوہ سلیمان میں آپ مدظلہٗ العالی کی شہرت اور بزرگی کا ڈنکا بج گیا۔آپ مدظلہٗ العالی کے مرید ان کا ذکر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا چلا گیا۔آپ مدظلہٗ العالی کے مریدوں کی حالت دیکھ کرسب لوگ دَم بخود تھے۔سعادت مندلوگ اِسے نیکی اورخدا کی رضا خیال کرتے تھے۔بدعقیدہ لوگ چہ میگوئیوں میں الجھ گئے۔اس دوران آپ مدظلہٗ العالی سے بہت سی کرامات چشمِ فلک نے ملاحظہ کیں جوآخر میں بیان کی جائیں گی۔

پورے ایک ماہ بعدمورخہ 20 فروری 1990ء کو آپ مدظلہٗ العالی دوبارہ اس خطۂ مردم خیز میں سورج بن کرطلوع ہوئے۔آپ مدظلہٗ العالی کے نومولودمریدان دیدہ و دل فرشِ راہ کئے منتظر تھےاور بہت ہی عمدہ استقبال کا بندہ بست کیا گیا تھا۔لوگ چھتوں اور پہاڑی ٹیلوں پہ چڑھ کرسبزجھنڈیاں لہرارہے تھے۔رائفلوں کی گرجداراورفلک شگاف آوازوں سے سر چکرا رہا تھا۔جلسہ گاہ کوایسا خوبصورت بنایا گیا تھا کہ دیکھنے سے تعلّق رکھتا تھا۔اس بارسینکڑوں کے حساب سے لوگوں نے

شرکت کی۔لطف کی بات یہ ہے کہ اس مرتبہ زیادہ تر تعداد اُن لوگوں کی تھی جو معترض تھے۔

آپ مدظلہٗ العالی کے استقبال کا منظر نہایت روح پرور اور جانگداز تھا۔آپ مدظلہٗ العالی کے چہرے کو دیکھ کر کئی لوگ حالتِ وجد میں آ کر اپنی حالت پر قابو نہ رکھ سکے۔پروانے کی طرح شمع کے گرد نثار ہونے لگے۔اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپ مدظلہٗ العالی نے آتے ہی لوگوں میں اپنے ساتھ لائی ہوئی ٹوپیاں تقسیم کرنی شروع کیں۔حالانکہ وہ ابھی تک مرید بھی نہ بنے تھے۔آپ مدظلہٗ العالی کی نگاہِ باطن کے قربان جائیے کہ اپنوں کو پہلے سے پہچان لیا۔جن جن کو ٹوپیاں پہنائی گئیں وہ سب اُسی نشست میں مرید ہو گئے۔رات کے نو بجے محفلِ سماع شروع ہوئی۔بحرِ رحمت اپنے مسند پر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور دنیا کے سامنے علاّمہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر دُہرا رہا تھا کہ:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دِکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

اے لوگو! اللہ کی طرف سے مَیں آپ لوگوں کیلئے ابرِ رحمت بن کر آیا ہوں۔جو بھی رحمت کا متلاشی ہو اور دامن پھیلائے مَیں برسنے کو تیار ہوں۔رات بارہ بجے تک تمام لوگ آپ مدظلہٗ العالی کے چہرۂ انور کی تلاوت کرتے رہے۔اس پروگرام میں مرد و خواتین کافی تعداد میں فیض یاب ہوئے۔جب دوسرے دن دوپہر کے بعد آپ مدظلہٗ العالی اپنی گاڑی پر سوار ہو کر واپس جانے لگے تو لوگوں کے دل کھنچ کر آپ مدظلہٗ العالی کے ساتھ چمٹ گئے۔جدائی کا یہ کٹھن تصوّر اُن کیلئے موت سے کم نہ تھا۔بقول رومیؒ:

و زِ جُدائی تلخ می گوئی سخن   ہر چہ خواہی کُن و لیکن ایں مکُن

(اے دوست! جدائی کی تلخ بات ہی نہ کرو۔اس کے علاوہ جو چاہو سزا دیدو)

سینکڑوں کی تعداد میں لوگ گاڑی کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ان کو نہ تو اپنے ننگے سر ہونے کا احساس تھا اور نہ ہی ننگے پاؤں کا! چاہے پاؤں میں کانٹے چبھ رہے تھے مقامِ عشق کا نظارہ تھا۔وہ صرف محبوب پیشوا کا دیدار جی بھر کرنا چاہتے تھے مگر ان کا دل تھا کہ بھرتا ہی نہیں تھا۔چاہے کوئی مرید تھا یا نہ! سب واری واری جا رہے تھے۔اس حالت میں دوڑتے ہوئے دو کلومیٹر کا فاصلہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے آپ مدظلہٗ العالی کے منع کرنے کے باوجود دِل کے ہاتھوں مجبور طے کر لیا۔آخر کار آپ مدظلہٗ العالی نے گاڑی روک کر اُنہیں جلد دوبارہ ملاقات کا وعدہ دیا تب خدا حافظ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔جس وقت آپ مدظلہٗ العالی کی گاڑی روانہ ہو گئی لوگ حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے اور اکثر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ایک دوسرے سے چمٹے چلے جاتے تھے۔ناچیز سے گلے لگ کر اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش کرتے آخر کار اسی طرح آنسوؤں اور ہچکیوں کی کیفیت میں گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

آپ مدظلہٗ العالی کے جانے کے بعد آپ کے مریدان جلتے دلوں کے ساتھ واپس آپ مدظلہٗ العالی کے آستانے پر آئے۔اس کے بعد سب ایسے عشق و محبّت کے پیکر بن گئے کہ ذکرِ محبوب کے سوا ان کی زبان پر اور کچھ تھا ہی نہیں۔اپنے

نادان دل کو تسکین دینے کیلئے مل بیٹھ کر ذِکر پیشوا اُن کا معمول بن گیا۔ جو کہ ان کیلئے تسکینِ قلب کا سامان تھا۔

ع عشق انوکھڑی پیڑھ سئے سئے سُوْل اندر دے

علاقہ نالدف جہاں آپ مدظلہُ العالی کا آستانہ قائم ہے وہاں ہر لمحہ یادِالٰہی دل کو گرماتی رہتی ہے ایسے دَور میں مُردہ دلوں کو زندہ کرنا صرف آپ کی مسیحائی تھی جس سے قسم قسم کونپل کھلے۔اس علاقے میں گھومنے پھرنے سے ہر طرف باشرع صوفیوں اور لباسِ فقر میں ملبوس افراد کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔اُن کے کاندھوں پر خوبصورت زلفیں،ان کے چہرے پر خوبصورت داڑھی اور سروں پر نقشبندی سلسلے کا سفید تاج اُنہیں دوسروں سے منفرد کر کے پیش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ کئی معصوم بچوں نے بھی زلفیں رکھ کر سنّت نبوی کو زندہ کیا۔انہیں دیکھ کر فرشتوں کا گمان گزرتا ہے۔القصّہ جدھر بھی جائیے سرکار بنوں والی لجپال مدظلہُ العالی کے مریدوں کا چرچا ہے۔یہ علاقہ نالدف آپ سرکار مدظلہُ العالی کے طفیل رشکِ ارض وسما بن چکا ہے۔صوفی تو بہت ہیں مگر آپ مدظلہُ العالی کے مریدان دور سے پہچانے جاتے ہیں۔آپ مدظلہُ العالی کی توجّہ اور نگاہ کی برکت سے بہت سے لوگ بے بدل شاعر بن گئے اور حضور کی تعریف میں لب کُشا ہوئے جو کہ شعر کی صنف سے بھی ناواقف تھے۔آپ مدظلہُ العالی کی شان میں کہے گئے بلوچی اور اُردو اشعار کا کچھ حصّہ بطور نمونہ آخر میں پیش خدمت ہے۔

علاقہ نالدف بارتھی (کوہ سلیمان) کا مرکزی علاقہ تصوّر کیا جاتا ہے۔یہی وہ جگہ ہے جس نے سب سے پہلے آپ سرکار مدظلہُ العالی کے پاک قدموں کو بوسہ دیا۔آپ نے اس خطۂ مردم خیز میں تشریف لا کر پورے علاقے خصوصاً اسی مقام کو رونق بخشی اور یہیں سے ''تجدیدِ فقر'' کا آغاز کیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ مدظلہُ العالی رحمت کے فرشتے بن کر آئے۔اس جگہ سے پھر آہستہ آہستہ آپ مدظلہُ العالی کا فیض پورے کوہ سلیمان میں پھیلتا گیا۔خصوصاً بستی ٹھیکر،بستی کندھی سر، بستی جعفرانی کھوڑ،بستی داڑو،بستی علی ہمدانی،بستی جلالان بوڑ اور ارد گرد کے علاقے ذکرِ خداوندی کے مرکز بن گئے۔

بارتھی (کوہ سلیمان) کی تمام آبادی بلوچوں پر مشتمل ہے اور ماضی میں یہ علاقہ بزرگانِ تونسہ شریف خاص کر شہبازِ طریقت حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ وتصرّفات کی آماجگاہ رہا ہے۔ یہاں کے رہنے والے پکّے دیندار اور سادہ لوح مسلمان ہیں۔اولیاء اللہ کے شیدائی اور ان کے نقشِ قدم پر مر مٹنے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ سرکار مدظلہُ العالی کی ایک ہی نگاہ کے اسیر بنتے چلے گئے۔موضع نالدف میں مستقل طور پر آپ کا آستانہ عالیہ موجود ہے اور آپ مدظلہُ العالی یہاں آکر قیام فرماتے ہیں اس جگہ ذکرِ الٰہی کی صدائیں بلاتفریق روز وشب بلند ہوتی رہتی ہیں۔ بارتھی کے متعلق سرکار مدظلہُ العالی نے فرمایا کہ ''یہاں پر مجھے ایمان کی روشنی نظر آئی اور اس ویرانے میں آکر مَیں نے صحیح مسلمان دیکھے کہ جن پر خدا کی خاص رحمت ہے۔''

خداوند کریم بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی کے قدموں کے طفیل تا قیامت اس سرزمین کو رشکِ فلک بنا کر باغِ بہشت بنا دے اور اس خطۂ پاک کے رہنے والوں کو تا ابد ایمان پر قائم ودائم رکھے۔آمین

آپ مدظلہٗ العالی کی کچھ کرامات جو اسی علاقے سے متعلّق ہیں

(۱) تمام علاقے میں ذکرِ الٰہی ایسا پھیل گیا جیسا کہ انقلابِ الٰہی آ گیا ہو۔ کوئی وقت بھی ایسا نہیں کہ ذِکرِ الٰہی کی آوازیں نہ آ رہی ہوں۔ چھوٹے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کی زباں پر ذکر ہے اور ابتک دو سال گزرنے کے بعد بھی وہی حالت جاری ہے۔

(۲) آپ مدظلہٗ العالی کے مریدان سب نمازی اور اکثر تہجّد گزار ہیں جو کہ کبھی فرض نماز تک نہ پڑھتے تھے۔

(۳) جو لوگ آپس میں دنیاوی بغض و عداوت کی وجہ سے ہاتھ بھی نہ ملاتے تھے پیر بھائی بن کر محبّت میں ایسے گھُل مل گئے کہ دنیا دیکھتی رہ گئی۔ جدا جدا قوموں اور قبیلوں کے لوگ آپس میں بھائیوں کا سا پیار کرنے لگے۔

؎ مفاسد کا زیر و زَبر کرنے والا قبائل کو شِیر و شکر کرنے والا (حالیؒ)

(۴) ہماری برادری کے ایک آدمی کو حضور مدظلہٗ العالی کی آمد کے وقت مرید ہونا نصیب نہ ہوا تھا۔ آپ مدظلہٗ العالی کے جانے کے بعد اس نے خواب میں دیکھا کہ حضور نے مجھے مرید بنا دیا چنانچہ دوسری دفعہ وہ ظاہری طور پر بھی مرید ہو گیا۔

(۵) آپ مدظلہٗ العالی کے ایک مرید کو صحرا میں ذکر کرنے کے بعد ایک نظارہ دکھائی دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میری ٹوپی ایسے چمک رہی تھی جیسے سورج! مَیں آزموداً سر کو جھٹکا دیتا تو روشنی بھی اس طرح متزلزل اور جھٹکے کھاتی تھی۔ مزید یہ کہ میرے آگے دُور تک روشنی کی ایک پٹی زمین پر پڑی ہوئی تھی، جس سمت مَیں رُخ کرتا اُسی سمت مڑ جاتی۔ یہ روشنی میرے سامنے تاحدِّ نظر پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے جب یہ بات مرشد کریم مدظلہٗ العالی کو بتائی تو آپ نے فرمایا کہ یہ کشف ہے اور اُسے آئندہ ایسی باتیں چھپانے کا حکم دیا۔

(۶) ایک شادی کے موقعہ پر جب آپ اور آپ مدظلہٗ العالی کے مریدوں کے متعلّق معترضین کے شکوے شروع ہوئے تو اُسی پیر بھائی پر حال طاری ہو گیا اور اس کا ذکرِ قلبی اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام حاضرین اس کے دل سے واضح ''اللہ ھُو'' کی آواز سن رہے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے جسم کا ہر جُزو ذکر کر رہا تھا۔ وہ کسی سے سنبھلتا نہ تھا۔ سب لوگوں نے مرشد کی نگاہِ کرم سے یہ کرامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

(۷) ایک آدمی کہتے ہیں کہ مَیں اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ ذکر میں مشغول تھا۔ جب مَیں نے آنکھ کھولی تو دیکھتا ہوں کہ سارا کمرہ مکمّل روشن ہے اور کمرے کی دیواروں پر آیات قرآنی کندہ ہیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ حالت ختم ہو گئی۔

(۸) جو لوگ آپ مدظلہٗ العالی پر معترض تھے اُن میں سے اکثر وقفے وقفے کے بعد آپ مدظلہٗ العالی کی غلامی میں آتے گئے یہاں تک کہ ایک آدمی نے تو آ کر آپ مدظلہٗ العالی کے سامنے انتہائی تلخ کلامی بھی کی مگر خدا کی قدرت اور آپ مدظلہٗ العالی کی مہربانی سے اس نے بھی دوبارہ آ کر آپ سے معافی مانگ لی اور مرید ہونے کا شوق ظاہر کیا۔ آپ مدظلہٗ العالی نے اس کو بھی کمال شفقت سے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا۔ یہاں تک کہ اب آپ مدظلہٗ العالی نے اسے خلافت بھی عنایت کر دی۔

(۹) یہی آدمی اس وقت کسی اور شہر میں ملازمت کرتا تھا اور وہیں سرکار مدظلہٗ العالی کے دورے کے موقعے پر مرید ہوگیا۔ اُس کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ اسی رات عشاء کے وقت (اپنے گھر بارتھی میں) وضو کر رہی تھی۔ دیکھتی ہوں کہ آسمان سے ایک روشنی آئی اور گھر کے تمام کمروں کے سامنے گزرتی ہوئی اسی بیٹے کے کمرے میں جا داخل ہوئی۔ چند دن بعد مجھے معلوم ہوا کہ میرا بیٹا آپ مدظلہٗ العالی کا مرید ہوگیا۔

(۱۰) آپ مدظلہٗ العالی کے ایک مرید جس کو آپ نے بارتھی میں بطور خلیفہ (خدمت گار) مقرر کیا تھا ہر جمعرات کو ذکر کی محفل کراتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے جمعرات کے دن نفس کے دھوکے میں آکر آستانے پہ نہ جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ خود بیان کرتا ہے کہ مَیں کسی اور طرف اپنے ایک کام کیلئے جا رہا تھا کہ اچانک بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی میرے سامنے آگئے اور فرمایا ''تمہیں شرم نہیں آتی تم اِدھر پھر رہے ہو اُدھر آستانے پر ذکر کیلئے لوگ تمہارے انتظار میں ہیں'' اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ مَیں فوراً دوڑتا ہوا آستانہ پہنچ گیا۔

(۱۱) آپ مدظلہٗ العالی کے کافی مریدان کو آپ کی دعاؤں کے طفیل بحالت خواب یا بحالت بیداری حضور ﷺ کی زیارت اور آپ مدظلہٗ العالی کے روضۂ انور کا دیدار نصیب ہوا۔

(۱۲) میری والدہ بیان کرتی ہیں کہ بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی کے مریدان دیدارِ مرشد کے لیے بنوں جا رہے تھے۔ مَیں نہایت بے چین تھی۔ دل ہی دل میں کہا کہ بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی اگر چاہیں تو یہاں پر بھی مجھے دیدار کرا سکتے ہیں۔ اُسی رات تہجّد کی نماز کے بعد بحالت بیداری مَیں نے بابا جی سرکار کوفی الوجود کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھا آپ مدظلہٗ العالی کے نور سے تمام کمرہ منور ہوگیا۔ جب مَیں اٹھی تو غائب ہوگئے۔

(۱۳) بارتھی کے چند مرید آپ مدظلہٗ العالی سے ملنے کوٹ ادو گئے۔ رات کو اجازت چاہی مگر آپ نے فرمایا کہ صبح سویرے ناشتہ کرنے کے بعد چلے جاؤ۔ انہوں نے عرض کی حضور! ہمارے علاقے کو صرف ایک ''بس'' جاتی ہے۔ لوگ اندھیرے منہ جا کر اپنے لئے سیٹ بُک کراتے ہیں۔ اگر سیٹ نہ ملی تو لمبے راستے میں تکلیف ہوگی۔ آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ فکر مت کرو خدا بھلا کرے گا۔ صبح جب دوست تونسہ شریف پہنچے تو بس چھت تک لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ مگر اندر چند سیٹیں رُکی پڑی تھیں۔ پیر بھائیوں میں سے ایک نے کہا کہ یہ ہماری سیٹیں ہیں بابا جی نے بُک کرائی ہیں۔ تمام دوست اُن سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ بارتھی تک ان سیٹوں پر بیٹھے آئے مگر کسی نے بھی ان سے کوئی بات نہیں کی۔ جو لوگ پہلے آئے وہ چھت پر تھے جو بعد میں آئے وہ سیٹوں پر بیٹھے تھے۔ یہ سب مرشد کی کرامت تھی۔

(۱۴) اس طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک پیر بھائی تونسہ شریف کسی کام کیلئے گیا۔ سودا سلف خریدتے ہوئے بس سے رہ گیا۔ بس سامنے جا رہی تھی مگر یہ نہ پہنچ سکا اور بس نکل گئی۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں نے دل میں سوچا کہ بابا جی! آپ کی مرضی! لوگوں کو تو سیٹ بھی روک دیتے ہو اور مَیں بس سے بھی رہ گیا۔ پریشان کھڑا تھا کہ اچانک ایک آدمی آیا اور کہا۔

بلوچ! کیوں پریشان ہو کیا بس سے رہ گئے ہو؟ آؤ میرے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھو۔ جو میرا واقف تک نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس نے مجھے بس تک پہنچا دیا۔

(۱۵) بارتھی ہی میں آپ مدظلہٗ العالی نے اپنے ہاتھ کی چائے کی پیالی دو آدمیوں کو پینے کیلئے دی۔ جس میں سے آپ سرکار مدظلہٗ العالی پہلے کچھ گھونٹ پی چکے تھے۔ انہوں نے وہ چائے پی لی۔ یہ چائے پینے کے بعد وہ دونوں صوفی باشرع اور عشق ومحبّت کے پیکر بن گئے۔

(۱۶) آپ مدظلہٗ العالی کی دُعا سے کافی نازک حال مریضوں نے شفا پائی جن کی تعداد بے شمار ہے۔

(۱۷) آپ مدظلہٗ العالی کے عشق ومحبّت سے بہت سے پیر بھائی شاعر بن گئے۔ خصوصاً میرے والد محترم جنہوں نے کبھی زندگی میں شعر کہا بھی نہ تھا مگر اب ایک پختہ شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ اس وقت سے اب تک غیر ارادی طور پر (آمد) اُن کے منہ سے حضور مدظلہٗ العالی کی شان میں اشعار نکلتے ہیں اور ایسے شعر کہتے ہیں کہ نامی گرامی شاعر بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بوڑھوں کو جوان بنانا بنوں والے پیر کا کام ہے۔

(۱۸) نالدف میں آپ مدظلہٗ العالی کے آستانہ عالیہ پر ہر وقت سبز رنگ کا جھنڈا لہراتا ہے۔ ایک رات ایک خاتون کہتی ہیں کہ مَیں رات کو گھر کے کمرے سے باہر نکلی تو دیکھتی ہوں کہ آستانے کے جھنڈے سے بالکل اوپر گول رنگ کی سفید روشنی فضا میں معلّق ہے۔ مَیں نے اپنے تمام بچوں کو بُلا کر دِکھایا۔ حالانکہ آستانے سے تقریباً اس کا گھر آدھا کلومیٹر دُور واقع ہے۔

(۱۹) ایک آدمی جو کہ آپ مدظلہٗ العالی کے مریدان، ذکر اور بیعتِ ثانی (تجدیدِ بیعت) کی مخالفت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب حضور مدظلہٗ العالی بارتھی آئے تو وہ رات کو اپنے گھر سویا ہوا تھا۔ کہتا ہے کہ کسی بزرگ نے لاٹھی مار کر کہا اُٹھ اور ذکر کر! مَیں اُٹھا اور پھر سو گیا۔ پھر وہی حال۔ پھر سویا۔ پھر اُسی بزرگ نے لاٹھی مار کر کہا اُٹھ اور ذکر کر۔ مَیں نے اپنے مرشد کو یاد کیا اور سو گیا۔ پھر وہی حال آخر دوسرے دن آ کر باباجی سرکار مدظلہٗ العالی کا مرید ہو کر توبہ تائب ہو گیا۔

(۲۰) ہمارے ایک پیر بھائی کی ہمشیرہ بیان کرتی ہے کہ مَیں صبح سویرے فجر کی نماز کے وقت اٹھی۔ قریب ہی بھائی کی چارپائی تھی اور وہ سوئے ہوئے تھے۔ جب مَیں نے اس کی طرف نظر کی تو دیکھتی ہوں کہ باباجی سرکار مدظلہٗ العالی اُن کی چارپائی کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب مَیں نے اچھی طرح دیکھنے کی کوشش کی تو بھی یہی حالت رہی کہ آپ سرکار تشریف فرما ہیں مگر جب مَیں بالکل قریب گئی تو آپ غائب ہو گئے۔ جبکہ بھائی مسلسل نیند میں تھا۔

(۲۱) ہمارے دو پیر بھائی جو آپس میں حقیقی بھائی بھی ہیں اور مرشد کریم مدظلہٗ العالی کے نقشے پر بھی عمل پیرا ہیں۔ وہ اکثر ذکرُ اللّٰہ کرتے رہتے ہیں۔ ابتداء میں وہ بہت جذب وجلال کے مالک تھے۔ ایک دوست دورانِ سفر بیان کرتا ہے کہ مَیں رات کو کئی دفعہ اٹھا۔ ہر بار مجھے اُن (دو بھائیوں میں سے ایک) کے ذکر کرنے کی آواز سنائی دیتی جو کہ چاروں

طرف گھوم رہی تھی۔ایک اور دوست بھی کہتا ہے کہ ذکر کی آواز تو مَیں نے بھی ساری رات سنی مگر یہ تخصیص نہ کر سکا کہ کس بھائی کی آواز ہے۔جب ناچیز نے دوسرے دن اُن بھائیوں سے پوچھا تو انھوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم دونوں ساری رات سوئے ہوئے تھے۔اس رات تو تہجّد کیلئے بھی نہ اٹھ سکے۔تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ان کے قلوب کی آواز تھی ہر وقت ذکر الٰہی کرنے اور مرشد کی توجّہ سے ان کے قلب جاری ہو چکے ہیں۔خود سوئے ہوئے تھے مگر ان کے قلوب ذکرِ الٰہی میں مصروف تھے۔

(۲۲) آپ سرکار مدظلہٗ العالی کے آستانۂ عالیہ نالدف کے نزدیک ایک پہاڑی ہے۔جب آستانے میں ذکر شروع ہوتا ہے تو اس پہاڑی سے بھی ذکر کی صاف صاف آواز آنے لگتی ہے۔مگر آگے پیچھے جتنا شور وغوغا کیوں نہ ہو اس میں گونج تک پیدا نہیں ہوتی۔

(۲۳) ہمارے چند پیر بھائی لیّہ میں آپ مدظلہٗ العالی کی زیارت کیلئے چلے گئے۔بعد میں آپ مدظلہٗ العالی بنوں تشریف لے گئے اور یہ دوست سیدھے کوٹ ادو آستانے آ گئے۔رات وہاں رہے۔صبح کو جب ایک دوست اٹھا تو دیکھتا ہے کہ بابا جی سرکار آستانے کے برآمدے میں پلنگ پر بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔اس نے سوچا کہ پہلے وضو کرلوں پھر آپ مدظلہٗ العالی کی زیارت کروں گا۔وہ نلکے پر جا کر وضو کر کے واپس آیا تو اسی طرح آپ کو بیٹھے دیکھا مگر جب قریب آیا تو دیکھا کہ بابا جی سرکار اب وہاں موجود نہیں اور پلنگ خالی پڑا ہے۔خلیفہ صاحب سے پوچھا کہ بابا جی کہاں ہیں؟اس نے کہا تمہیں یاد نہیں بابا جی تو کل ہم سب کے سامنے بنوں گئے ہیں۔پھر مجھے بھی یاد آ گیا کہ واقعی بات تو سچ ہے۔اسی طرح اُس نے حضور کے بڑے صاحبزادے غریب نواز قبلہ سیّد محمد نواز شاہ صاحب کو بھی ان کی غیر موجودگی میں فی الوجود دیکھا۔

(۲۴) ایک دوست، جو کہ بہت ہی سادہ لوح انسان ہے، آپ مدظلہٗ العالی کے مرید ہونے کے بعد صاحبِ حال بن گیا۔ذکر شروع ہوتے ہی وجد میں آجاتا اور تمام مجمع سے بھی نہ سنبھل سکتا تھا۔بنوں شریف جا کر چند دوستوں نے عرض کی کہ حضور! اس نے تو تمام محفل کو گڑبڑ کر دیا ہے۔آپ مدظلہٗ العالی نے فرمایا کہ اب اس پر توجّہ کچھ کم کی جائے گی۔آئندہ کیلئے اس طرح نہ کرے گا۔اس دن سے جب وہ ذکر کرتا تو اسے حال نہ آتا۔چند ماہ بعد جب آپ سرکار مدظلہٗ العالی پھر بار تھی تشریف لائے تو اس سے کہا کہ یار! تم نے کیوں اپنی حالت ختم کر دی ہے؟ ہم نے تو تمہیں یہاں کھیلنے کیلئے مقرر کیا ہے۔اس دن سے آج تک اس کی وہی سابقہ حالت ہے۔ابتداء میں کچھ ناسمجھ لوگوں نے کہا تھا کہ اس پر جنات کا اثر ہے۔مگر اب سب کو معلوم ہو گیا کہ اس کے پیچھے کسی مردِ کامل کا ہاتھ ہے۔

(۲۵) ایک آدمی جو کہ ابھی تک آپ مدظلہٗ العالی کا مرید نہیں ہے بیان کرتا ہے کہ ایک رات مَیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بہت بڑی مخلوق ہے جو ایک راستے پر جا رہی ہے۔سامنے ایک گہرا اور دہشت ناک پانی ہے۔اس پر ایک چھوٹی سی لکڑی کی پھٹی رکھی ہوئی ہے۔تمام دنیا اس کے اوپر سے گزر رہی ہے۔جب کوئی اس پر پاؤں رکھتا ہے تو وہ تھرتھرانے لگتی

ہے۔ چاروں طرف اندھیرا ہے مگر بنوں والے پیر کے آستانہ عالیہ واقع نالدف (بارتھی) سے ایک تیز روشنی اُٹھ رہی ہے جس کی روشنی سے یہ تمام لوگ اس باریک پٹی پر سے گزر رہے ہیں۔ وہ آدمی کہتا ہے کہ مَیں دل ہی دل میں کانپ رہا تھا اور دُعا کر رہا تھا کہ خدایا! یہ روشنی اس وقت تک بحال رہے جب تک مَیں گزر نہ جاؤں۔ اتنے میں میری باری آگئی۔ مَیں نے جب قدم رکھا تو حسبِ معمول کانپنے لگی مَیں فوراً وہی دُعا دہرانے لگا۔ آخر کار آستانے ہی کی روشنی سے مَیں اُس پار چلا گیا اور بہت خوش تھا۔ تب خواب سے بیدار ہوا۔

(۲۶) ایک دوست کہتے ہیں کہ آج سے کئی سال پہلے ایک بزرگ نے بحالت خواب میری رہنمائی کی تھی اور مجھے سرکارِ دو عالم ﷺ کی مجلس تک پہنچا کر آپ ﷺ کا دیدار کرایا۔ اب بابا جی سرکار مدظلہُ العالی کی ملاقات کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ جس بزرگ نے مجھے دیدارِ مصطفیٰ ﷺ کرایا وہ بابا جی سرکار مدظلہُ العالی ہی تھے کیونکہ مَیں نے دیکھتے ہی اُنہیں پہچان لیا۔

(۲۷) ایک اور دوست بیان کرتا ہے کہ آج سے تقریباً بیس سال قبل مَیں نے ایک بزرگ کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم دوسرے بزرگوں کے پاس جاتے ہو میرے پاس کیوں نہیں آتے؟ حالانکہ تمہارے کاغذات تو میرے پاس ہیں۔ مَیں نے پوچھا کہ حضور! آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مَیں فلاں سیّد ہوں (نام مجھے بھول گیا مگر شکل ابھی تک یاد ہے) آج آپ مدظلہُ العالی کو دیکھتے ہی مَیں پہچان گیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جو مجھے مدّتوں پہلے خواب میں نظر آئے تھے۔

(۲۸) میرے والدِ محترم بیمار ہو گئے۔ مرشد کریم مدظلہُ العالی کے دیدار کیلئے دن رات بے چین رہتے۔ کہتے ہیں ایک رات جب سب لوگ سوئے ہوئے تھے مَیں بھی گہری نیند میں تھا۔ گھر کے دروازے بند تھے کہ اچانک ایسا محسوس ہوا جیسا کہ کسی نے میری رضائی کھینچ لی ہو۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مرشد کریم مدظلہُ العالی بہ نفسِ نفیس میری چارپائی پر موجود ہیں۔ مَیں نے تو خوب زیارت کر لی قریب ہی میری والدہ کو جگا کر کہا کہ تم کچھ دیکھتی ہو؟ اُس نے کہا نہیں۔ مَیں نے کہا کہ بابا جی سرکار کافی دیر سے میرے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ دِکھانے کی بار بار کوشش کی مگر اُسے آپ مدظلہُ العالی نظر نہ آتے۔ معلوم ہوا کہ آپ مدظلہُ العالی صرف مجھے دیدار کرانے آئے ہیں۔

(۲۹) بہت سے لوگوں نے صرف آپ مدظلہُ العالی کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی شریعتِ محمدی اپنا لی۔ مرید تو نہ ہوئے مگر انہیں لوگ ہمارے پیر بھائی سمجھتے ہیں۔ وہ اسی حال میں موجود ہیں۔

(۳۰) حضرت صاحب مدظلہُ العالی بارتھی میں لوگوں کا یرقان کاٹ رہے تھے۔ عورتوں کو فرمایا کہ جن کو امیدواری ہو یرقان نہ کٹوائیں۔ کیونکہ اس سے بچے کو نقصان ہوگا۔ دو عورتوں نے حاملہ ہونے کے باوجود یرقان کٹوایا۔ بلوچ عورتیں چونکہ آپ کی زبان (پشتو یا اردو) سے ناواقف تھیں ایک کو معلوم نہ ہو سکا بعد میں پچھتائی اور جا کر حضرت صاحب کو عرض

کی تو آپ مدظلہ العالی نے فرمایا اچھا خیر! آپ کے بچے کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ دوسری عورت کو آپ کی بات پر یقین نہ آیا اور کہنے لگی کہ پیٹ کے اندر کے بچے کو کیا ہوسکتا ہے؟ چنانچہ جب دونوں کے بچے پیدا ہوئے تو جس عورت نے آپ کی بات تسلیم کی تھی اس کے بچے کو کوئی نقص نہ تھا۔ مگر دوسری عورت کی بچی کے پیٹ پر چاقو کا اتنا تیز نشان تھا کہ خون نکلنے کو تھا۔ (کیونکہ آپ چاقو کے ساتھ انجیر کی تازہ ٹہنی کاٹتے رہتے ہیں) اس طرح بچی کی پشت پر بھی متعدد گہرے اور خطرناک نشانات تھے۔ عورت یہ دیکھ کر فوراً توبہ تائب ہوگئی۔ دو تین ماہ بعد علاج وغیرہ سے اس کے زخم کسی حد تک مندمل ہوگئے۔ مگر نشانات باقی ہیں۔

نمونے کے چند اشعار

بحضور مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہٗ العالی

ویسے تو ہر بچے، بوڑھے، مرد اور خواتین نے عشق و محبّت میں آ کر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق بابا جی سرکار مدظلہٗ العالی کی شعری صورت میں تعریف کی۔ مگر یہاں خوفِ طوالت سے صرف تین شاعروں کا کلام بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ ڈاکٹر غوث بخش حمزانی بزدار (اردو کلام)

2۔ چچا غلام محمد بزدار (بلوچی کلام)

3۔ بندہ کے ضعیف العمر والد محترم خلیفہ صوفی احمد خان بزدار (بلوچی کلام)

(والد گرامی کے بلوچی اشعار سن کر بلوچی زبان و ادب کے مشہور صوفی شعراء علی محمد کھانتک عُرف چگھا اور بابا مست توکّلی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ انہوں نے جذب و کیف سے بھرپور مرشد کریم کی شان میں اور اولیاء اللہ کی تعریف میں اتنے اشعار کہے ہیں کہ اب یہ ایک مکمّل ''دیوان'' کی صورت اختیار کر چکے ہیں مگر یہاں ان کے بھی نمونے کے چند اشعار مع ترجمہ قارئین کی ذوقی تسکین کیلئے پیش کئے جا رہے ہیں۔ اب کلامِ شعراء بالترتیب ملاحظہ ہو۔

(1)

گُل تو دیکھے ہیں ہزاروں ایسا گُل دیکھا نہیں
جس کو سینچا ہے بہاروں نے خزاں دیکھا نہیں
اولیاء اللہ تو اِن آنکھوں نے دیکھے ہیں بہت
پیشوا بابا بخاریؒ سا کوئی دیکھا نہیں
موجزن ہوتی ہے دل میں دیکھ کر یادِ خدا
اللہ اللہ ایسا مشفق مہرباں دیکھا نہیں
جن کے چہرے پہ چمکتا مصطفیٰ ﷺ کا نُور ہو
ایسا خَلق اللہ کے سر پر سائباں دیکھا نہیں
تم مریدوں کیلئے ہو ابرِ رحمت کی گھٹا
غوثؔ نے تم سا کوئی غوثِ زماں دیکھا نہیں
تیرا ہر مُوئے لِحیّہ ہے سراجِ مُستنیر
ما بدولت نے کبھی ایسا سماں دیکھا نہیں
آپ کی صورت کے آگے یہ قمر بھی ہیچ ہے

تیر تُرکش میں تو دیکھے پر کماں دیکھا نہیں
چوم لینے دو مجھے بابا کی گیسوئے دراز
خوبصورت باوقار ایسا قرآں دیکھا نہیں
ہارِ دُر سُفتہ مبارک اُو! لبِ شیریں سخن
پھول برساتے تجلّی در دَہاں دیکھا نہیں
بخشدے یارب مجھے بابا بخاریؒ کے طفیل
چشم نے ایسا کوئی بحرِ رواں دیکھا نہیں
زائرینوں اور مریدوں کو مبارک لاکھ بار
تم نے ایسا مہ جبیں ماہِ جہاں دیکھا نہیں
آپ کے نانا حبیب اللہؐ ' آپ اللہ کے ولی
جام جمشیدی دِکھا دے جو عیاں دیکھا نہیں
آپ کی عینانِ مبارک میں ہے زُہرہ کی چمک
رُخِ انور کی کرامت رائیگاں دیکھا نہیں
مرحبا صد مرحبا اے اہلیانِ بارتھی
تم نے خوابوں میں تصور یہ گماں دیکھا نہیں
خوش نصیبو! لُوٹ لو آل نبی ﷺ کو لُوٹ لو
بد نصیبوں نے مگر روشن نشاں دیکھا نہیں
مانگتا ہوں بھیک مَیں بابا کا دامن تھام کے
آنکھ نے ایسا کوئی ماہِ کِنعاںؑ دیکھا نہیں
اللہ اللہ مَیں ولیوں کے غلاموں کا غلام
بزم میں ایسا کبھی آہ و فغاں دیکھا نہیں
دل تو کہتا ہے کہ مدّاح ، قرطاس پہ لکھتا رہوں
المختصر ایسا کوئی کامل جواں دیکھا نہیں
شان اس مردِ قلندر کی کیا کہیے وفاؔ
مَیں نے اِس ناقص زباں کو مدّاح خواں دیکھا نہیں (غوث بخش وفاؔ)

(2)

مدینہ عشقئے پاور ہاؤسیں ، شوذا چلغ لائنوں تارانی
تہاریں دنیا روشن بیثو ، فیض مِلغیں یارانی
نقشبندیہ ، قادریہ ، سہروردیہ ، چشتیہ
ائے چھیاریں جُواں باندھا یکھیں ، ماں قرباں حصّے دارنی
اے بجلی تاراں کھس مچھیڑے ، نقصاں بُتھ ہزارانی
بعض مخالف زوراں لائغوں ، وَس نَجٹی خوارنی
بیائے جُھکے مرشد دربارا ، اگر منتر سِکھے مارانی
لحظہ چھکا ڈاک رَوِغیں ، ایثوں ہر کارا دربارانی
مرشد بر مئیں پھیغامے ، مئیں پھنڈ گرانیں بارانی
تھئی نانا صاحب صلی اللہ علیہ وسلم حولہ کھتی ، تھرا دروہی چھیاریں یارانی
اے مسکین بیڑی گُھم گھیرَیں نی ، مئے چھمّوں بھالا یارانی
باطن کاروں مولا دستا ، بُڈی بیڑی یا تارانی
مرشد حیلہ باث وسیلہ ، شے گُھم گھیر کھشّاں کھارانی
نالدف نیاما تھئی باث کچھری ، ماں ہِنداں چھمّاں دارانی

(چچا غلام محمد بزدار)

ترجمہ

(مدینہ عشق کا بجلی گھر ہے جہاں سے تار کنکشن لے کر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان بجلی کی تاروں (اولیاء اللہ) کی بدولت تمام دنیا روشن ہو گئی ہے اور ان کا فیض مل رہا۔)

(تمام سلاسلِ صوفیاء نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ کا سرچشمہ ایک ہی ہے جو اِن میں شامل ہیں مَیں اُن سب پر قربان ہوں۔)

(اِن بجلی کے تاروں (فقیروں) کو چھیڑنا نہیں (بے ادبی نہ کرنا) ورنہ ہزاروں نقصان ہونگے۔ بہت سے مخالفین کوشش کر رہے ہیں مگر اُن بچاروں کا بس نہیں چلتا۔)

(آؤ اور مرشد کی بارگاہ میں جھک جاؤ۔ اگر بڑے سانپ (نفس) کے سُدھانے کا طریقہ سیکھنا ہو۔ کیونکہ ان کی طرف سے خداوند کریم کے دربار میں ہر لمحہ پیغام رسانی (الہام ہدایات) ہوتی ہے۔)

(اَے مرشد کامل! میرا پیغام بھی لیجا کہ میرے گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔صرف آپ کے نانا کریم ﷺ اس وزنی بوجھ کو ختم کر سکتے ہیں۔آپ مدظلہٗ العالی کو چار یاروں کا واسطہ ہے کہ میرا یہ بوجھ اُتروادیں۔)

(مجھ مسکین کی کشتی (مصائب وآلام کے) بھنوّر میں ہے اور میری آنکھیں آپ کی وفا شعار دوستی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔مگر خدا کو خوب معلوم ہے کہ یہ ناؤ ڈوبتی ہے یا تَر جاتی ہے۔)

(اے مرشد کامل! اگر تُو میرا وسیلہ بن جائے تو میری ڈوبتی کشتی بھی ضرور گرداب سے بچ کر نکل جائے گی۔اس لئے میری یہ دِلّی تمنا ہے کہ آپ مدظلہٗ العالی نالدف میں جلوہ افروز ہوں اور مَیں آپ کی محفل میں محو دیدار رہوں۔)

(3)

1	بابا بخاریؒ مناں تھئی گندرغ شوقیں	تھرا ماں ٹکھو رِنداں کہ تھئی عرشاٹونکیں
2	بابا بخاریَ بیا ہے دِغیں چھلاّں	ایشی اَگا اوشتاں وثی پھلَو جھلاں
3	نالدف چوکا چھیں وَہشیں بوئے	مئیں پھنڈ گرانیں ایشیا کھَن تھَو ڈھوئے
4	تھئی ڈو بھر نیاما بجلی تاریں	پھنڈانی بوڑغ تھئی نانا ﷺ کاریں
5	مال، ڈِغاراں ماں سٹاں کھِلاّں	رواں بنوں شہرا ، ماں ذوقی ٹھِلاں
6	بابا مریداں شار اَستیں چھونیں	بھشتئے ٹکٹ شار کُلاں گونیں
7	مرید درِکھوں بیا بنوں گوئیں	چھاڑدی مہا مختا بابا ڈھوئیں
8	بابا قلندر شا کُلاں دِیثو	گٹھیں ٹکّا مئیں ضامن بیثو
9	بابا گُشِغّیں تھَو کھَم غذا کھاں	دیما محمدؐ ڈہیں تھو ٹِلھ مزا کھاں
10	بارتھی والاں کھَثو مناں تتا	بابا شانئے شھار تھامیں پتا
11	بابا شانئے اَنہاں پتہ بیثو	اَنہاں مدنی زیارت ہماں جھٹا بیثو
12	پھُشتیغ سٹّاں مَنہ بنداں بستا	تھرا دروہی رَبۓ! دَے محمدؐ دستا
13	علاقہ نیاما کھفتو واہی	گو بابا ناما کھئے مئے جِندا ساہی
14	بابا مُریذوں رِگرِغّوں فیضا	مئیں بُت گلثّو مئیں روحیں قیذا
15	بنوں شہرا انڑ کھُٹیں چھاثوں	سوال کھنانی کھراں گھُٹے داثوں
16	بابا دیذا نئے مئیں دِلڑی سیر کھاں	مئیں گُور نیاماد کھذّاں رنداں ایرکھاں
17	بابا استیں قلندر مستیں	بھشتئے کنجی مئیں بابا دَستئیں
18	بنوں نیاما لَنبوں ٹاکھی	تھئی نام رِگرغا چھمّاں بُسکی نالی

19	بابا بخاریؒ تھو زوراں لائے	ساہ دِغ وَختا مئیں گوانکھا بیائے
20	بابا نامیں مست قلندر	تھو گُل مریدئے ششتو اَندر
21	چھکھاں زُڑتھو حق بخاری	اللّٰہ بابا جی آ تھڑی کوہا کھاری
22	حق بخاری مئیں بابا نامیں	شے کُلیں ولیہاں تھئی اُچا شانیں
23	حکم خُدائی کہ بابا آڑ تھئی	اے رحمت شینکیں مئے چھکا گوڑ تھئی
24	ماں وثی جُر ماں رَگنداں مئیں ڈوبھر پھٹی	پیرا درماں گونوں کھواں تھر پھے سھٹی
25	نالدف پھیرُنڈ بیٹو کوتاہ	بنوں شہرا مختا بولوں طوطا

(خلیفہ صوفی احمد خان بزدار)

(شعر نمبر 12 میں شاعر منزلِ دوم فنافی الرسول ﷺ کا خواہاں ہے)

ترجمہ اشعار

1۔اَے پیر بخاری! مجھے آپ کے دیدار کا شوق ہے مگر مَیں آپ مدظلہٗ العالی کو کہاں تلاش کروں کہ آپ کی آواز تو عرش معلیٰ پر سے آرہی ہے۔

2۔میرے مرشد کا فیض ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ان کے سامنے جا کر مَیں بھی اپنی جھولی پھیلاؤں گا۔اپنی شانِ سخا سے ضرور بھر دیں گے۔

3۔نالدف کے آستانے سے آج کیسی پیاری خوشبو آرہی ہے۔میرے گناہوں کا بوجھ بہت زیادہ ہے۔مرشد کریم! مہربانی فرما کر کسی نہ کسی طریقے سے اِسے ختم کرادو۔

4۔آپ مدظلہٗ العالی کے سینے کے اندر بجلی کی تاریں (بڑی روحانی طاقت) موجود ہیں۔اس لیے گناہوں کا بوجھ ختم کرنا آپ مدظلہٗ العالی ہی کے نانا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے۔

5۔جی چاہتا ہے کہ سارے مال و دولت کو خیر باد کہہ کر بنوں شہر میں بقیہ وقت مرشد کے قدموں میں بڑے سکون سے گزار لوں۔

6۔میرے مرشد کے مریدو! تمہیں قیامت کی کیا فکر ہے جنت کا ٹکٹ (ذِکرِ لا اِلٰہ) تو آپ سب کے پاس ہے۔

7۔آج سارے مرید بنوں (دیدارِ مرشد کیلئے) پہنچنے والے ہیں لیکن مَیں یہاں اکیلا خیالِ مرشد میں فنا چاند کی طرف جب دیکھتا ہوں تو چودھویں کا چاند بھی مرشد کا چہرہ لگتا ہے۔(جس طرف بھی دیکھتا ہوں یار کی تصویر ہے)

8۔اے دوستو! میرے قلندر مرشد مدظلہٗ العالی تو تم سب نے دیکھ لئے ہیں۔یہی تو ہیں جو پُل صراط سے پار مجھے لے جانے کے ضامن بن گئے ہیں۔

9۔ میرے مرشد فرما رہے ہیں کہ تُو فکرِ فردامت کر اور پریشان نہ ہو۔ آگے جنّت کی سرزمین میرے نانا کریم ﷺ کی ملکیت ہے وہاں خوب مزے کر۔

10۔ بارتھی کے معترضین نے مجھے تنگ کر رکھا ہے مگر انہیں میرے مرشد کریم مدظلہُ العالی کی شان کا کیا پتہ ہے۔

11۔ جنہیں میرے مرشد کریم مدظلہُ العالی کی شان کا پتہ چل گیا اُنہیں سرکارِ دو جہاں ﷺ کا دیدار اُسی وقت نصیب ہو گیا۔

12۔ اِس دنیا کی کسی چیز سے میرا دِل نہیں لگتا۔ اے مرشد کریم! تمہیں خدا کا واسطہ ہے کہ مجھے دربارِ رسالت ﷺ تک پہنچا دو۔ (یعنی فنا فی الرَّسُوْل کر دو)

13۔ آج علاقے میں اُن کے آنے کی خبر گرم ہے واہ! مرشد کے نام نامی سے ہی مجھے عجیب سکون مل رہا ہے۔

14۔ بابا جی سرکار مدظلہُ العالی کے مرید تو باہوش وحواس اُن سے فیض حاصل کر رہے ہیں مگر ایک مَیں ہوں کہ مجھے کسی چیز کی خبر نہیں ہے۔

15۔ بنوں شہر میں نہ ختم ہونے والے کنوئیں ہیں۔ مَیں بھی دستِ سوال دراز کرتا ہوں شاید ایک گھونٹ پلا دیں۔

16۔ دیدارِ مرشد سے اس دنیا میں مَیں تو سیر نہیں ہوتا۔ خدا کرے کہ قبر میں بھی قدم رنجہ فرما کر دیدار کراتے رہیں۔

17۔ میرے مرشد مست قلندر ہیں اور بہشت کی چابی اُن کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

18۔ بنوں شہر کی ہر چیز پیاری لگتی ہے مگر مرشد مدظلہُ العالی کا تو نام سنتے ہی میری آنکھوں سے فوّارے پھوٹتے ہیں۔

19۔ اَے مرشد کریم! تُو بے بہا طاقت کا مالک ہے مہربانی فرما کر جان کنی کے وقت بھی آن پہنچیں۔

20۔ واہ! مرشد تیرا نام ہی مست قلندر ہے اس لئے ایک ہی نگاہ سے اپنے سارے مریدوں کا باطن دھو کر پاک وصاف کر دیا ہے۔

21۔ معصوم بچوں کی زباں پر بھی ''حق بخاری'' جاری ہے۔ خدا کرے کہ بابا جی سرکار دوبارہ پہاڑ تشریف لائیں۔

22۔ میرے مرشد کا نام ''حق بخاری'' ہے یہی نسبت گواہ ہے کہ آپ مدظلہُ العالی کی شان تمام اولیاء اللہ سے بلند ہے۔

23۔ ہمارے مرشد کریم مدظلہُ العالی خدا کے حکم سے یہاں آئے اور رحمت کا بادل بن کر ہم پر برسے۔

24۔ مَیں اپنے گناہوں کی طرف جب دیکھتا ہوں تو میرا سینہ پھٹ جاتا ہے مگر میرے مرشد کے پاس ان کا علاج موجود ہے اگر وہ ایک نگاہِ کرم فرما دیں۔

25۔ نالدف کے بوڑھے شاعر (احمد خان) کا حال آج قابلِ رحم ہے کہ آج سارے دوست بنوں جا کر مرشد کے سامنے میٹھی میٹھی بولیاں بول رہے ہوں گے مگر مَیں یہاں محروم بیٹھا ہوں۔

تتمۂ کتاب (۲)

اَورادووَظائف

(۱) شجرہ مبارک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

اَعُوۡذُ بِااللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۔ بِسۡمَ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

''اَلَا اِنَّ اَوۡلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ''

اے نقشبندِ عالم نقشے مرا بہ بند
نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند
فضل کر یارب میرے حالِ زبوں پر رحم کر
ڈال مجھ آلودۂ عصیاں پہ رحمت کی نظر
تجھ کو اپنی کبریائی کی قسم اے بے نیاز
مجھ سراپا معصیّت پر کر در افضال باز
تجھ کو دیتا ہوں ترے جُود و سخا کا واسطہ
فضل کا، رحمت کا، بخشش کا، عطا کا واسطہ
تری رحمت کے خزانے میں کمی کوئی نہیں
اور ترے جُود و کرم کی انتہا کوئی نہیں
میں کہوں بے واسطہ کس منہ سے بخشش کیلئے
کچھ وسیلے پیش کرتا ہوں سفارش کیلئے
کر کرم ہم پر محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے
فخرِ موجودات شاہِ دو سَرا کے واسطے
اِس رسولؐ بے نظیر و بے بدل کا واسطہ
راز دارِ خلوتِ بزمِ ازل کا واسطہ
رحم فرما حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے
عاشق و دلدادۂ حُسنِ پیمبر ﷺ کیلئے
حضرتِ سلمانِ فارسؓ بے رِیا کے واسطے
حضرتِ قاسم امامِؒ اولیاء کے واسطے
کر امامِ جعفر صادقؒ کے صدقے میں عطا
تُو نجاتِ دائمی کا مجھ کو دُرِ بے بہا

بایزیدؒ و بوالحسنؒ اور بوعلیؒ فاریمدی
یا الٰہی لاج رکھ لے ان کے صدقے میں میری
حشر کے دن یوسف ہمدانویؒ کا ساتھ ہو
ان کا دامانِ مقدّس اور میرا ہاتھ ہو
شاہ عبدالخالقؒ اور شاہ عارف ریواگریؒ
خواجۂ محمودؒ و عزیزاںؒ صاحبِ خُلق نبی
محترم بابا سماسیؒ حضرتِ میراں کُلالؒ
مرشدانِ باصفا روشن ضمیر و با کمال
صدر بزمِ نقشبنداں عارفِ اَسرار ہو
محسنِ ملّت شہنشہ مظہرِ اَنوار ہو
جن کا ہے پہلا قدم ہر مُنتہی کا آخریں
شاہ بہاؤالدین سخیؒ بر ہمتِ اُو آفریں
یا الٰہی واسطے خواجہ علاؤ الدّینؒ کے
دینِ احمدؐ پر رہیں ثابت قدم مسکین کے
حضرتِ یعقوب چرخیؒ اور عبید اللہ شاہؒ
حضرتِ خواجہ محمد زاہدؒ اپنے دین پناہ
اُن نفوسِ پاک کے صدقے میں اے ربّ اِلٰہ
دُھو جبینِ معصیّت آلودہ سے داغِ گُناہ
بخش دے صدقے میں یارب خواجۂ درویشؒ کے
خواجہ اِمکنگیؒ و خواجہ باقی باللّٰہؒ کے لئے
یا الٰہی واسطہ لایا ہوں مَیں اس شاہ کا
رد نہیں تُو نے کیا جن کا کبھی بھی واسطہ
وہ ترے محبوب ﷺ کے محبوب بھی، شیدا بھی ہیں
عشقِ احمد میں وہ فانی بھی ہیں اور باقی بھی ہیں
قطبِ حق قیّومِ ملّت شیخ احمدؒ کیلئے

بخش دے یا رب مجدّد الف ثانیؒ کے لئے
عفو فرما سب خطائیں از پئے قیّومِ دیں
عُروۃُ الوُثقیٰ مہِ سرہند شمسُ العارفینؒ
نقشبندِ ثانی حضرت حُجتہُ اللّٰہؒ اور زبیرؒ
خواجہ محمد اشرف جمالُ اللّٰہؒ مردِ اہل خیر
حضرتِ عیسیٰ محمدؒ اور فیضُ اللّٰہ شاہؒ
حضرتِ نور محمدؒ اور فقیرِ بادشاہؒ
قبلۂ عالم جناب حافظِ عبدالکریمؒ
حاملِ حکمِ شریعت صاحبِ خُلقِ عظیم
آشنائے سرِّ حق دانائے سرِّ لا اِلٰہ
واقفِ راہِ حقیقت فقر کی جائے پناہ
رحمتِ حق نے بلا کر لے لئے آغوش میں
جا رہے ہیں فردوسیوں کے عالمِ خاموش میں
رحم فرما از طفیلِ ہادیِ دینِ مُبین
صاحبِ نورِ بصیرت خواجۂ نوّابُ الدّینؒ
جن کا سینہ دولتِ توحید کا گنجینہ ہے
قلبِ صافی جن کا حُسنِ طُور کا آئینہ ہے
جن کی پیشانی کتابُ اللّٰہ کی تفسیر ہے
جن کے آئینِ خودی میں گرمی شبّیر ہے
واسطہ سلطانُ العارف شاہ ولی سیدان شاہؒ
بخشدے میری خطائیں ہے دعا صبح و مسا
مجدد و غوثِ زماں اور حاملِ خُلق نبیؐ
وارثِ شرع پیمبر، پیکرِ فقرِ علیؓ
مرشدِ ما صدر! بزمِ صوفیائے باصفا
ذکر سے جن کے ملا ہے قلب مُردہ کو جلا
میرے مرشد پیر کامل سیّد محمد گُل حواصؒ
جن کے در سے فیض پاتے ہیں سب عام و خاص

شیر محمد شیرِ حق، صاحب شیریں سخن
رہبرِ راہ طریقت، مَحرمِ علمِ لدُن
شانِ مُرشد میں لکھی ”تجدید فقر“ ایسی کتاب
مکتب عشق و تصوف میں ہے مثل آفتاب
جان ہو میری تصدّق کیسا پیارا نام ہے
ہر طرف دُنیا میں جاری جن کا فیض عام ہے
دیر تک زندہ رہیں وہ یا الٰہ العالمین
اے شہِ ہر دوسریٰ ائے رحمتُ اللعٰلمینؐ
ان کے صدقے میں ہو عاجز دو جہاں میں سُرخرو
برقرار سب کی رہے دنیا و دِیں میں آبرو
دور ہم سب سے خداوندا خیال غیر ہو
تیری الفت اور تیری رضا پر خاتمہ بالخیر ہو
یا الٰہی سب دعائیں لطف سے مقبول ہوں
جب چلیں اس دنیا سے تیری یاد میں مشغول ہوں

(1) بعداز شجرہ مبارک ذکر ”اللہ ہو“

(2) درود و سلام بر نبی علیہ السلام

۱۔صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ ۲۔صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ
۳۔صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ ۴۔صَلِّ عَلٰی یَتِیْمِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ
۵۔صَلِّ عَلٰی رَحْمَتِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ ۶۔صَلِّ عَلٰی رَحِیْمِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ
۷۔صَلِّ عَلٰی کَرِیْمِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ ۸۔صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ
۹۔صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ﷺ

(3) اَنْتَ الْهَادِیْ اَنْتَ الْحَقّ لَیْسَ الْهَادِیْ اِلَّا هُوَ ، هُوَ یَا مَنْ هُوَ یَا مَنْ لَیْسَ اِلَّا هُوَ

(4) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (5) اِلَّا اللّٰهُ ،(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ)

(6) اَللّٰه اَللّٰه اَللّٰه هُو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هو

(7) حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰه مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُاللّٰه نُوْرِ مُحَمَّدْ صَلَّ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمْ)

(۲) مختصر شجرہ مبارک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے خدا کر رحم اپنی کبریائی کیلئے — اور رسول پاکؐ کی خیر الورائی کے لئے

بخش دے سب کی خطائیں انبیاءؑ کے واسطے — خواجگانِ نقشبنداںؒ با خدا کے واسطے

گو نہیں ہم لائقِ دربار اے ربِّ غفور — ان بزرگوں کو وسیلہ لائے ہیں تیرے حضور

حضرت صدیق اکبرؓ یار غارِ مصطفیٰ — حضرت سلمان فارسؓ عاشقِ شاہ ھدیٰ

حضرت قاسمؒ و حضرت جعفر صادق امامؒ — بایزید برگزیدہؒ ابوالحسن شاہ انامؒ

بُوعلی فاریمدیؒ اور یوسف ہمدانویؒ — عارفؒ عبدالخالق عجدوانیؒ

خواجہ محمود فغانؒ شاہ عزیزاں باکمالؒ — حضرت بابا سماسیؒ حضرت میراں کُلالؒ

آفتابِ نقشبنداں شاہ بہاؤالدین سخیؒ — حضرت خواجہ علاؤالدین عطار ولیؒ

شاہ یعقوبؒ و عبیداللہ احرارِ زماںؒ — شاہ زاہدؒ اور درویشِ محمد والا شانؒ

خواجہ امکنگیؒ و حضرت باقی باللہؒ باخبر — قطب سرہندی مجددؒ الف ثانی نامور

خواجہ معصومؒ حضرت حجۃؒ اللہ باصفاؒ — شاہ زبیرؒ و خواجہ اشرف محمد پارساؒ

شاہ جمال اللہؒ اور عیسیٰ محمدؒ اولیاء — خواجہ فیض اللہؒ اور نور محمد باوفاؒ

کر کرم بابا فقیر محمدؒ صاحب نشان — نور جن کا میرے مرشد کی جبیں میں تھا عیاں

وہ سخی ابنِ سخی وہ صاحبِ لطفِ عَمیم — ہادیِ دارین حضرت حافظ عبدالکریمؒ

رحم فرما از طفیلِ ہادیٔ دین مبین — صاحبِ نورِ بصیرت خواجہ نواب الدینؒ

میرے مرشد ہادیٔ کامل سیّد محمد گل حواص شاہ — جن کے در سے فیض پاتے ہیں سبھی شاہ و گدا

شیر محمد شیرِ حق، صاحب شیریں سُخن — رہبرِ راہ طریقت، مَحرم علمِ لدُن

دیر تک زندہ رہیں وہ یَـا اِلٰـهَ الْـعٰـلَـمِیْـن — اَے شہِ ہر دوسرائے اَے رَحۡمَـتً الِّلۡعٰلَمِیۡن

ختمِ خواجگان مترجّم

قبل از نمازِ فجر یا بعد نمازِ فجر جو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا معمول ہے

۱۔ سورۂ فاتحہ مع بِسمِ اللہ (سات بار)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۞ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۞ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۞ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۞ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۞ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۞ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۞

(اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہاں والوں کا۔ بہت مہربان رحمت والا اور جزا کا مالک۔ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ ہم کو سیدھے راستے چلا۔ راستہ اُن کا جن پر تُو نے احسان کیا۔ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔)

۲۔ درود شریف (سو بار)

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيۡبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ

(اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو اس کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی آل رضی اللہ عنہم اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر۔)

۳۔ کلمۂ استغفار (پانچ سو بار)

سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ اَسۡتَغۡفِرُاللّٰهَ رَبِّیۡ مِنۡ كُلِّ ذَنۡبٍ فَاغۡفِرۡلِیۡ۔

(اللہ کی ذات کیلئے پاکی ہے اور حمد ہے۔ پاکی ہے اس اللہ کیلئے جو نہایت عظمت والا ہے۔ مَیں تمام گناہوں سے اس اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جو میرا رَب ہے۔ پس اے اللہ! تُو میرے لئے مغفرت فرما۔)

۴۔ درود شریف (سو بار)

۵۔ حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡل وَنِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَ نِعۡمَ النَّصِيۡر (پانچ سو بار)

(کافی ہے ہم کو اللہ۔ کیا ہی خوب کارساز ہے۔ کیا ہی خوب آقا ہے اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔)

۶۔ درود شریف (سو بار)

۷۔ يَاخَفِیَّ اللُّطۡفِ اَدۡرِكۡنِیۡ بِلُطۡفِكَ الۡخَفِیِّ (پانچ سو بار)

(اے پوشیدہ طور پر عنایت کرنے والے! اپنی پوشیدہ عنایتوں سے میری دستگیری فرما۔)

۸۔ درود شریف (سو بار)

۹۔ لَاحَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِيۡمِ (پانچ سو بار)

(نہیں کوئی طاقت اور نہ ہی کوئی قوّت مگر اللہ کی جو بلند اور عظمت والا ہے)

۱۰۔ درود شریف (سو بار)

۱۱۔ یَااَللّٰہُ یَارَحْمٰنُ یَا رَحِیْمُ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ اِرْحَمْنَا۔ (پانچ سو بار)

(اے اللہ! اے مہربانی فرمانے والے! اے رحم وشفقت فرمانے والے! اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربانی فرمانے والے میرے اوپر رحم فرما۔)

۱۲۔ درود شریف (سو بار)

۱۳۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم۔ (پانچ سو بار)

(پس اللہ تجھے کافی ہوگا اور وہی ذات پاک سننے والی اور جاننے والی ہے۔)

۱۴۔ درود شریف (سو بار)

۱۵۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّا مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (پانچ سو بار)

(اے رب ہمارے! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو یقیناً ہم نقصان پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔)

۱۶۔ درود شریف (سو بار)

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا آمِیْن آمِیْن آمِیْن (دونوں ہاتھوں پر پھونک مار کر جسم پر پھیریں)

ختمِ خواجگان مترجم بعد نماز مغرب

جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا معمول ہے

ا۔ سورۂ فاتحہ مع بِسْمِ اللہ (سات بار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۞ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۞ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۞ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۞ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ ۞

(اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔ سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہاں والوں کا۔ بہت مہربان رحمت والا اور جزا کا مالک۔ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ ہم کو سیدھے راستے چلا۔ راستہ اُن کا جن پر تُو نے احسان کیا۔ نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا۔)

۲۔ درود شریف (سو بار)

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

(اللہ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہو اس کے محبوب حضرت محمد ﷺ اس کی آل رضی اللہ عنہم اور اصحاب رضی اللہ عنہم پر۔)

۳۔ کلمۂ استغفار (پانچ سو بار)

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہِ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ فَاغْفِرْلِیْ۔

(اللہ کی ذات کیلئے پاکی ہے اور حمد ہے۔ پاکی ہے اس اللہ کیلئے جو نہایت عظمت والا ہے۔ مَیں تمام گناہوں سے اس اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں جو میرا رَب ہے۔ پس اے اللہ! تُو میرے لئے مغفرت فرما۔)

۴۔ سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ مع بِسْمِ اللہ (اُناسی بار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۞ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۞ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ۞ وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۞ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۞ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۞ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۞ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۞

کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

۵۔ سورۂ اَخلاص مع بِسْمِ اللہ (ایک ہزار بار)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ: قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۝ لَمۡ یَلِدۡ۝ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ۝ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۝

(تو فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی ہے۔)

۶۔ سورۂ فاتحہ مع بِسۡمِ اللہ (سات بار)

۷۔ درودِ پاک (سو بار)

۸۔ آیت کریمہ (پانچ سو بار)

لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنۡتَ سُبۡحَانَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ

(کوئی معبود نہیں سوا تیرے۔ پاکی ہے تجھ کو۔ بے شک مجھ سے بے جا ہوا۔)

۹۔ درود پاک (سو بار)

(اس کے بعد تمام اسماء مبارک سو سو بار)

۱۰۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے)

۱۱۔ یَا اَللّٰہُ۔ (اے اللہ)

۱۲۔ یَا عَزِیۡزُ۔ (اے پیارے)

۱۳۔ یَا وَدُوۡدُ۔ (اے دوستی کرنے والے)

۱۴۔ یَا کَرِیۡمُ۔ (اے کرم کرنے والے)

۱۵۔ یَا وَھَابُ۔ (اے بخشنے والے)

۱۶۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡم۔ (اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے)

۱۷۔ حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡل وَ نِعۡمَ الۡمَوۡلٰی وَ نِعۡمَ النَّصِیۡر۔

(کافی ہے اللہ۔ کیا ہی خوب کارساز ہے۔ کیسا ہی خوب آقا اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔)

۱۸۔ اَللّٰھُمَّ یَا قَاضِیَ الۡحَاجَات۔ (اے حاجتوں کو پورا کرنے والے)

۱۹۔ یَا دَافِعَ الۡبَلِیَّات۔ (اے بلاؤں کو دور کرنے والے)

۲۰۔ یَا حَلَّ الۡمُشۡکِلَات۔ (اے مشکلیں آسان کرنے والے)

۲۱۔ یَا کَافِیَ الۡمُھِمَّات۔ (اے مہمات (مشکل کام) آسان کرنے والے)

۲۲۔ یَا شَافِیَ الۡاَمۡرَاض۔ (اے بیماروں کو صحت دینے والے)

۲۳۔ یَا مُنَزِّلَ الۡبَرَکَات۔ (اے برکتیں نازل کرنے والے)

۲۴۔ یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَاب۔ (اے اسباب بنانے والے)

۲۵۔ یَا رَافِعَ الدَّرَجَات۔ (اے درجات بلند کرنے والے)

۲۶۔ یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَات (اے فریادوں کے سننے والے)

۲۷۔ یَا اَمَانَ الْخَائِفِیْن۔ (اے ڈرنے والوں کو پناہ دینے والے یا سکون قلب دینے والے)

۲۸۔ یَا خَیْرَ النَّاصِرِیْن۔ (اے بہترین مددگار)

۲۹۔ یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْن۔ (اے حیرانوں کے رہنما یعنی حیرانگی سے نکالنے والے)

۳۰۔ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنَا۔ (اے فریادیوں کی فریاد سننے والے ہماری فریاد سن)

۳۱۔ یَا مُفَرِّحَ الْمَحْزُنِیْن۔ (اے غمزدوں کو خوش کرنے والے)

۳۲۔ رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ (اے اللہ! میں ہار گیا ہوں۔ میری مدد فرما)

۳۳۔ یَا اَللّٰہُ ، یَا رَحْمٰنُ، یَا رَحِیْم، یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن۔

(اے اللہ! اے مہربانی فرمانے والے۔ رحمت وشفقت فرمانے والے۔ اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربانی فرمانے والے۔)

۳۴۔ تیسرا کلمہ تمجید ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِااللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم''۔

(پاک ہے اللہ اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اور نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے اور نہیں کوئی طاقت اور قوت مگر اللہ کی جو بلند اور عظمت والا ہے)۔

۳۵۔ اَللّٰھُمَّ اَسْتُرْنِیْ بِسَتْرِکَ الْجَمِیْل (اے اللہ! مجھے اپنے خوبصورت پردہ سے ڈھانپ لے)

۳۶۔ درود پاک سو بار

(اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا آمین..................)

(۱) دعائے ختم خواجگان

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ''

یا اللہ پاک اس ختم خواجگان کا ثواب حضور پُر نور، سرور کائنات، فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی روح مبارک کو تحفتاً، تبرکاً، نذرانتاً، ہدیتاً پیش کیا جاتا ہے آپ ﷺ کے طفیل جمیع انبیاء، صدّیقین، شہداء، صالحین نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، اویسیہ خاندان کے بزرگوں کی روح مبارک کو بخش دیا جاتا ہے۔ جمیع المومنین، جمیع المومنات، جمیع المسلمین، جمیع المسلمات جو مسلمان انسان، جن، مرد، عورت ہو گزرے ہیں جو ہیں، جو ہونگے، سب کی روح کو بخش دیا جاتا ہے۔

یا اللہ! حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شانِ پاک، جمیع اولیاء عظّام کی شانِ پاک، خصوصاً ہمارے پیشواءِ معظّم کی شانِ پاک کے طفیل ہماری تمام مشکلات آسان فرما۔ ہمیں ظاہری، باطنی بیماریوں سے شفا عطا فرما۔ ہمارے ظاہری باطنی گناہ، غلطی اور تقصیر معاف فرما۔ یا اللہ! شرِ شیطان، شرِ نفس سے محفوظ فرما۔ شرِ دنیا، شرِّ ظالمان سے محفوظ فرما، یا اللہ! غیروں کے دروازے سے ہٹا کر ہمیں اپنے دروازے پر قائم فرما۔ یا اللہ غیروں کی محبت سے بچا کر اپنی محبّت، اپنے حبیب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی محبّت، ہمیں اپنے پیشواءِ عالی کی محبّت عطا فرما۔ یا اللہ! حضور نبی کریم ﷺ کی امت پر رحم فرما۔ حضور پاک ﷺ کی امت کی اصلاح فرما۔ یا اللہ! حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی امت کو رزقِ فراخ، حلال عطا فرما۔ یا اللہ! اس جگہ، اس شہر، اس ملک کے لوگوں کے حال پہ رحم فرما۔ انہیں نیک اور صالح فرما۔ آپس میں اتفاق واتحاد نصیب فرما۔ یا اللہ! حاضرین، غائبین مسلمانوں کی خیر و عافیت فرما۔ یا اللہ! سارے دوستوں، مریدوں، حاضرین اور غائبین کو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا۔ یا اللہ! جو دوست دعا مانگتے ہیں یا منگوانے کے لئے کہتے ہیں ان کی دعا مستجاب فرما۔ جو دوست خط لکھتے ہیں دُور دراز سے سفر اختیار کر کے صرف تیری رضا کے واسطے آتے جاتے ہیں، فی للّٰہ خدمت کرتے ہیں سب کو ظاہری باطنی نعمتوں سے مالا مال فرما:۔

(۱) اُنۡصُرۡنَا فَاِنَّکَ خَیۡرُ النّٰصِرِیۡنَ
(۲) وَافۡتَحۡ لَنَا فَاِنَّکَ خَیۡرُ الۡفَاتِحِیۡنَ
(۳) وَاغۡفِرۡلَنَا فَاِنَّکَ خَیۡرُ الۡغَافِرِیۡنَ
(۴) وَارۡحَمۡنَا فَاِنَّکَ خَیۡرُ الرّٰحِمِیۡنَ
(۵) وَارۡزُقۡنَا فَاِنَّکَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ
(٦) وَاحۡفِظۡنَا فَاِنَّکَ خَیۡرُ الۡحَافِظِیۡنَ
(۷) وَاھۡدِنَا وَنَجِّنَا مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیۡبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلِّمۡ''۔

(۲) دعا بعد ذِکر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

یا اللہ کریم اپنے ذکر پاک کی خاطر، اپنی بلند شان پاک کی خاطر، نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خاطر، اپنے برگزیدہ اولیاءِ عظّام کی خاطر، خاص کر ہمارے پیشوا رہبر ورہنما پیر دستگیر روشن ضمیر آلِ مصطفٰی والمرتضی ﷺ۔ سراج الاولیاء، سلطان الفقراء، قلندرِ وقت، مجدّدِ وقت حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ صاحب بخاری مدظلہ العالی کی خاطر ہماری تمام مشکلات آسان فرما۔ ہمارے گناہ وتقصیر معاف فرما۔ یا اللہ! ہمیں اپنے برگزیدہ اولیاءِ عظّام کے نقش قدم چلنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ہمارے حال پہ رحم فرما جیسے تو نے اپنے اولیاء کرام کے حال پہ رحم فرمایا۔ ہمارے شان درجات بلند فرما جیسے اپنے اولیاءِ عظّام کے شان درجات بلند فرمائے۔ یا اللہ! ہمیں عقلِ سلیم اور قلبِ سلیم عطا فرما۔ یا اللہ! اس آخر زمانے میں یہ ذکر وفکر، یہ ختمِ خواجگان، یہ صلوٰۃ وسلام جو سوہنے پیشوا نے عنایت فرمایا ہے اس پر قائم ودائم فرما اور واپس نہ فرما۔ یا اللہ! دولت مند اور زور آور لوگوں کا ہمیں محتاج اور ان کے سامنے شرمندہ نہ بنا۔ یا اللہ! آنے والے غم، بلیّات اور مصیبتوں سے سب مسلمانوں، حاضرین جماعت اور غائبین جماعت کو محفوظ فرما۔

خاص کر ہمارے پیشوائے معظّم مع آل واولاد ہر قسم بلیّات سے محفوظ فرما۔ یا اللہ! ہمارے پیشوائے کریم اُن کی آل واولاد، اہل بیت اطہار اس ہستی پاک پہ بے بہا اَن گنت رحمتیں اور سلامتی نازل فرما۔ بے بہا اَن گنت مدارج بلند تر فرما۔ یہ شمع نور ہدایت تا ابد روشن اور مزیّن فرما۔ تا کہ ہمارے جیسے لاکھوں کروڑوں گنہگار اس باب رحمت سے فیض یاب ہو کر تیرا نام عالی سیکھتے رہیں اور اس بلبل رسول ﷺ سے ''اللہ ھُو'' کی میٹھی میٹھی بولیاں سنتے رہیں۔ یا اللہ! اِس پر فتن زمانے میں طرح طرح کے امتحانات مسلمانوں پر آئے ہوئے ہیں ہماری کشتی سلامتی سے کنارے پر لگا دے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیۡبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلِّمۡ''۔

(۳) دُعائے دَعوت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

یا اللہ پاک! اپنے اس ذکر پاک کی خاطر اپنے بلند شان پاک کی خاطر صاحب دعوت کا یہ صدقہ قبول و منظور فرما۔ اس صدقے کے طفیل اس کی تمام مشکلات آسان فرما۔ یا اللہ! اس کی ساری دلی مرادیں جو شریعت کے مطابق ہیں پوری فرما۔ یا اللہ! اس گھر پہ رحم فرما۔ اس گھر کے مرد عورت سب چھوٹے بڑے کو نیک اور صالح بنا۔ یا اللہ انہیں رزقِ فراخ حلال عطا فرما۔ آپس میں اتحاد و اتفاق نصیب فرما۔ اس دوست نے جس حاجت کی خاطر یہ صدقہ پیش کیا وہ حاجت پوری فرما۔ یا اللہ! اس گھر میں جو جسمانی اور روحانی مریض ہیں انہیں شفاءِ کاملہ عطا فرما۔ یا اللہ! اِس دوست نے تیری رضا کی خاطر یہ صدقہ پیش کیا اُسے اپنی رضا نصیب فرما اور بلند درجہ عطا فرما۔ دونوں جہانوں کی خوشنودی عطا فرما۔ یا اللہ! بے اولاد کو اولادِ صالح بے ذکر کو ذکر اور بے نماز کو نماز عطا فرما۔ جو دوست اس خلوص بھرے کھانے میں حاضر ہیں اور جو غائب ہیں سب کو منزلِ مقصود پر پہنچا۔ سب کو اللہ اللہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاءِ عظّام کے نقش قدم چلنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ان سب کو اور صاحب دعوت کو جنت کا حقدار بنا۔ ان کو اپنے دیدارِ عالی کا مستحق بنا۔ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیۡبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ۔ آمِیۡن لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ۔"

مرشد کی طرف سے ایک مختصر وظیفے کی اجازتِ عام

(نماز فجر یا کسی فرض نماز سے قبل یا بعد)

اوّل گیارہ مرتبہ درود شریف "صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیۡبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ" درمیان میں یَا حَیّیُ یَاقَیُّوۡم سو بار۔ آخر میں بھی گیارہ دفعہ درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر پھونک لگا کر اپنے چہرے، سر اور دِل پر ملیں۔ انشاءاللہ ظاہر باطن پاک، چہرہ اور دِل کو روشنی عطا ہوگی۔ بہت زیادہ خیر و برکت کا باعث بھی ہوگا۔

تتمئہ کتاب (۳)

آپ مدظلہُ العالی سے آخری ملاقات اور وصال کی جانکاہ خبر

آستانہ عالیہ بنوں شریف میں عیدالفطر 1992ء کی مبارکبادی پر آپ پر انتہائی نقاہت طاری تھی۔ جسم کی طرف دیکھ کر گھبرا جاتے مگر چہرۂ تاباں کی طرف دیکھ کر امیدیں بندھ جاتیں۔ علاقہ سخی سرور ضلع ڈیرہ غازی خان کے سالانہ دورے کی چونکہ قبل اس کے تاریخ مقرر کی جا چکی تھی۔ حضرت صاحب مدظلہُ العالی بروز ہفتہ 92-4-11 کو تشریف لائے۔ اس علاقے میں 92-4-15 تک بدھ کی صبح کو مختلف پروگرام بھگتنے کے بعد سیدھا واپس بنوں شریف روانہ ہوئے۔ بندۂ ناقص (راقم الحروف) کو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''شیر محمد بچہ! فی الحال اپنی ڈیوٹی پر چلے جاؤ پھر جب خدا نے چاہا تو ملاقات ہوگی''۔ بندہ نے قدم بوس ہو کر رخصت لی۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ شومئی قسمت سے میرے سامنے یہ آپ کی آخری مسکراہٹ ہے، خدا حافظ فرماتے ہوئے ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوئے۔

آپ مدظلہُ العالی کی سوانح حیات، ملفوظات اور کشف و کرامات پر مشتمل کتاب بنام ''تجدیدِ فقر'' اب بالکل مکمّل ہو چکی تھی۔ اسی دورے پر آپ مدظلہُ العالی نے کتاب کا مسوّدہ دیکھ کر بندۂ ناقص کی طرف سے قبول فرما کر خصوصی دُعا و توجّہ سے نوازا۔

اب صرف درج ذیل سطور کی کمی تھی جو کہ آپ مدظلہُ العالی نے خون کے آنسوؤں سے لکھوا کر اس کی تکمیل کرادی۔ آپ مدظلہُ العالی کے آخری دیدار سے تیرہ دن بعد 92-4-28 بروز منگل بمقام ''بواٹہ'' دوپہر کو یہ قیامت خیز خبر آن پہنچی کہ آپ کے پیر و مرشد بابا بنوں والی سرکار انتقال فرما گئے ہیں۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن) اطلاعاً عرض ہے۔ فوراً پہنچنے کی کریں۔

عالمِ بیہوشی میں بھاگ پڑا۔ ساتھ ساتھ بارش کے آثار نمودار ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سارے پاکستان میں عام طوفانی گرد و غبار اور بارش شروع ہوئی۔ ساری رات سفر کرتے ہوئے صبح 4.30 بجے جب آپ مدظلہُ العالی کے دولت خانہ بنوں شریف میں پہنچا تو سب علاقہ والے اور دُور دُور سے آئے ہوئے مریدان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں جاری تھیں۔ دل یقین نہ کرتا تھا کہ آپ مدظلہُ العالی وصال فرما گئے ہیں۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد ساتھیوں سمیت چند قدم آگے بستی کے نواح میں جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تازہ مزار پر نگاہ پڑی قیامت کا ایک دن اگر مقرر نہ ہوتا تو اُس وقت قیامت آجاتی۔ بہرحال مزارِ اقدس پر بعد از ختم خواجگان اور ذکر و دعا جب واپس آستانے میں پہنچے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حضرت خواجہ غریب نواز سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری مدظلہُ العالی نے اپنی اشکبار آنکھوں سے اس سانحہ عظیم کی یوں تفصیل بیان کی کہ بابا جی رضائے الٰہی سے مورخہ 28 اپریل 1992ء بروز منگل بمطابق ۲۴ شوّال المکرّم 1412ھ (16 بیساکھ) بعمر تقریباً ستّر برس شب ایک بجے (01.00) دورۂ پنجاب علاقہ لیہّ میں صوفی منظور صاحب کے پاس نزد بجلی گھر چوک

اعظم روڈ اچانک دل کا دورہ پڑنے سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنّاللّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون۔

انتقال سے پورے ایک گھنٹہ پہلے باہوش وحواس وصیّتیں کرنے لگے۔ ڈاکٹروں کو علاج وغیرہ سے منع کر دیا کہ آج ہم نے لازمی جانا ہے کوئی علاج وغیرہ مؤثر نہ ہوگا۔ دیگر باتوں کے علاوہ اپنے نائب حقیقی فرزندار جمند صاحبزادہ غریب نواز سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری مدظلہٗ العالی کو مقرر فرما گئے۔ نیز یہ وصیت کر دی کہ میرا جسد ذکر کے ساتھ میرے فرزند کو بنوں شریف پہنچادیں۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جسد مبارک منگل کے دن بوقت 9 بجے صبح گھر آن پہنچا۔ عقیدت مندوں کو اطلاع دیتے ہوئے کافی دیر ہوگئی۔ نماز ظہر سے پہلے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیا گیا۔ کفن مبارک کیلئے آپ رحمۃ اللہ علیہ موقعہ حج 1988ء خود آب زم زم سے دھو کر کپڑا لائے تھے، بمطابق وصیت وہی پہنایا گیا۔

چار بجے شام جنازہ مبارک گھر سے لاتعداد مخلوق کے جلو میں ذکر الٰہی کے ساتھ جب نکالا گیا تو ہر طرف ابرِ رحمت کے فوارے پھوٹے۔ ساڑھے چار بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور پونے پانچ بجے لحد مبارک میں اتارے گئے۔ بقول اس علاقے کے لوگوں کے ایسا پُر نور جنازہ، ایسی باکرامت بارش کہ صرف جنازہ پڑھنے اور لحد مبارک میں اتارنے دیا پھر شروع ہوئی اور اتنی کثیر مخلوق کسی جنازہ میں نہیں دیکھی گئی۔ بعد از تجہیز وتکفین معزز خلفاء ومریدین اور معززین علاقہ نے بالاتفاق آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے فرزندار جمند سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری مدظلہٗ العالی کی ظاہری دستار بندی بھی کر دی۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی مبارک پر واضح سفید نورانی لکیر سے ''یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا ہوا تھا اور چہرۂ انور سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو غسل دیا گیا ایک دن پہلے سے لے کر تین چار دن تک متواتر ایسی خوشبو آتی رہی کہ اس دنیا کی خوشبوؤں سے ماوراتھی۔ تین دن تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے گردونواح کے لوگ واضح ذکر کی آواز سنتے رہے۔ نو دن تک رات دن لنگر چلتا رہا اور عقیدت مند آتے رہے۔

اس کے بعد 15 جون 1992ء بروز سوموار بمطابق ۱۳ ذی الحج بمقام آستانہ عالیہ بنوں شریف آپ رحمۃ اللہ علیہ کا چہلم منایا گیا۔ لاکھوں کی تعداد میں عقیدت مندوں نے شرکت کی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک کا سنگ بنیاد بدست غریب نواز سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری مدظلہٗ العالی رکھا گیا۔ جناب محمد اظہر بٹ صاحب (دیگر مریدین اور عقیدت مندوں) کی مالی اعانت سے تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے اتنے عجیب وغریب خواب اور کرامات دیکھے کہ جن سے ایک اور کتاب مرتب کی جاسکتی ہے کیونکہ اولیاء کرام بعد از وصال بھی زندہ اور متصرّف رہتے ہیں۔ خداوندِ کریم دونوں جہانوں میں آپ کی رفاقت نصیب فرمائے۔ آمین

؎ اوقات ہمہ بود کہ با یار بسر شُد — باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود
؎ چند روز جو کٹے تیری رفاقت میں — گزری تمام عمر انہی کے شمار میں

20-06-1992 (شیر محمد)

قطع تاریخِ وصال

سُلطانُ الفقرأ بابا بنوں والی سرکار رحمۃ اللہ علیہ
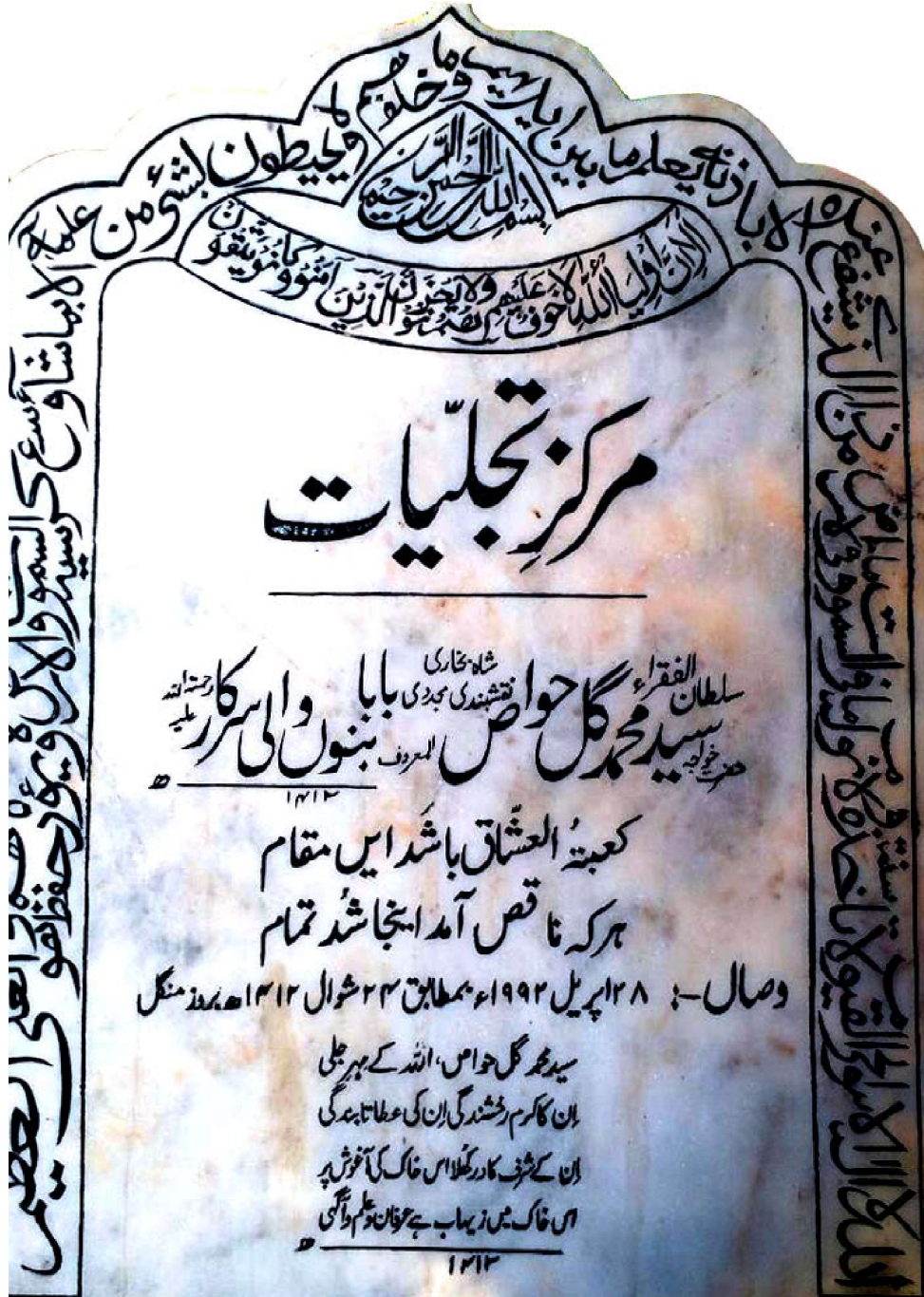
تتمہ کتاب (4)

منتقلی جسدِ اطہر سلطان الفقر اُبابا بنوں والی سرکار رحمۃ اللہ علیہ

''اَلَآ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ۝ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝'' (یونس 61 تا 64)

(سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں۔ انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عطا رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بشارت سے مراد انسان کی موت کے وقت بھی فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ بشارت پہنچانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔''

(ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو (تمہیں بشارت ہو) اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا)۔ (فصلت: 30)

یعنی مومن کی روح پرواز کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتی ہے۔ تو اسے اللہ کی رضا کی خوشخبری دی جاتی ہے اور یوم قیامت قبر سے خروج کے وقت بھی رضائے الٰہی کی خوشخبری دی جائے گی۔ (مجمع الزوائد، تفسیر مظہری)

یہ خوشخبری ہر عام وخاص کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کے اُن بندوں کے لئے جو ہر لحہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اُس کی یاد اور ذکر میں غرق۔ جن کے قول وفعل سے نہ اللہ کو کوئی ناگواری ہوتی ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل گرانی۔ ظاہر ہے پھر خداوند کریم بھی اپنے وعدہ (فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ) کے مطابق اِن لوگوں کی خوشی اور چاہت کا بھرم رکھتا ہے۔ کون چاہتا ہے کہ بعد از وفات میرا جسم میلا، بوسیدہ اور کرم خوردہ ہو کر مٹی میں تحلیل ہو جائے۔ جب یہ بات اللہ کے کسی بندے کو گوارا نہیں ہے تو اللہ کریم کو کیسے گوارا ہو سکتی ہے۔ اسی حکمت کے تحت کُتب تصوف سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے دونوں جہانوں میں روحانی تحفّظ کے ساتھ ساتھ جسمانی تحفّظ کا بھی اللہ کریم نے وعدہ فرمایا ہے جبکہ تاریخِ اسلام میں ایسے ہزاروں شواہد موجود ہیں۔ روح کو تو ویسے بقا ہے عالمِ آخرت یعنی قبر میں جسمانی شکست وریخت کے خوف سے بھی (اجسادِ انبیاء علیہم السلام کی طرح) خداوند کریم نے اپنے دوستوں کے اجسام کو محفوظ فرمایا ہے۔ جس طرح کہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب بھی تم مجھ پر دُرود بھیجتے ہو تو تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ کیا موت کے بعد بھی؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! موت کے بعد بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام کو حرام فرما دیا ہے۔ (ابنِ ماجہ)

روایت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں فوت ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی میّت طویل مدت کے بعد مصر سے شام لے گئے تا کہ ان کے جسم کی ہڈیاں ان کے آباء کرام کی ہڈیوں کے ساتھ ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک پہلے دریائے نیل کے وسط میں دفن تھی۔ چار سو (400) برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی سے وہاں سے نکال کر فلسطین مسجد حبرون (الخلیل) کے احاطے زیرِ زمین غار میں رکھ دی ہے۔

لہٰذا میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا گناہ نہیں۔ (بشرطیکہ اس کی جسمانی حالت صحیح ہو)

اسی طرح تاریخ شاہد ہے کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے بھی اجساد خاکی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا جبکہ ان کی جسمانی حالت 100% صحیح تھی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے پہل 1629ء دریائے چناب کے کنارے ''قہرگان'' کے قلعے میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔ 77 سال بعد آپکے مزار کو غرقآب ہونے کا خطرہ لاحق ہوا نتیجتاً بستی ''سمندری'' منتقل کر دیئے گئے۔ جبکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کفن مبارک میلا تک نہ ہوا تھا۔

پھر 157 سال بعد دریائے چناب کا کٹاؤ دوبارہ خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ احتیاط کے پیش نظر تیسری بار آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جسد خاکی نکال کر موجودہ آرام گاہ شورکوٹ ''گڑھ مہاراجہ'' ضلع جھنگ میں آسودۂ خاک کیا گیا۔ ابھی تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کا پہلے والا کفن صحیح وسالم اور صاف وشفاف تھا۔ (اللہ کے ولی از خان آصف، ناشر اخبار جہاں پبلی کیشنز، کراچی، ص 617)

حضرت خواجہ نوشہ گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے جسد خاکی کو 106 سال بعد دریائے چناب کے کنارے سے نکال کر مورخہ 04 اگست 1757ء کو دوسری جگہ۔ پھر 67 سال بعد دوبارہ پانی کی طُغیانی کی وجہ سے یہاں سے نکال کر 06 جولائی 1882ء کو تیسری جگہ دفنایا گیا۔ دراں حالیکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا جسد مبارک اور کفن تک صحیح وسالم تھے۔ لوگ زیارت سے بھی مشرف ہوتے رہے۔ (شرح الصدر اردو ترجمہ از علامہ محمد فیض احمد اویسیؒ، ناشر شبیر برادرز اردو بازار لاہور، ص 25-24)

(i) فتاویٰ عالمگیری ج 1

(ii) تفسیر مظہری اردو از علامہ محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ، ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ج 5، ص 253۔

(iii) تبرّکات انبیاء از مولانا ارسلان بن اختر میمن، مکتبہ ارسلان بنوری ٹاؤن کراچی، ص 183۔

افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کے دور میں شدید زلزلہ آیا جس کی وجہ سے مشہور مسلمان فاتح سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک شق ہوگئی، ان کی نعش مبارک صحیح سلامت نظر آئی۔ انہیں نکالا گیا لوگوں نے زیارت کی، قبر مرمت کرنے کے بعد دوبارہ انہیں وہیں دفنا دیا گیا تھا۔

کچھ عرصہ قبل حضرت خواجہ صوفی محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، جو کہ ہمارے مرشد کریم کے پیر بھائی تھے۔ وادی عزیز شریف والے کورود کوہی کے کٹاؤ کی وجہ سے اپنی قبر مبارک سے نکال کر دوسری محفوظ جگہ دفنا دیا گیا۔ جو کہ بالکل صحیح حالت میں موجود تھے۔

ہمارے علاقے کوہ سلیمان میں حضرت سیّد نجف شاہ رحمۃ اللہ علیہ اوّل اور سیّد بشکن شاہ رحمۃ اللہ علیہ اوّل (سیماڑ) کے اجسادِ خاکی کو پنجاب کے میدانی علاقے غازی گھاٹ دریائے سندھ کے کٹاؤ کی وجہ سے وہاں سے نکال کر کوہِ سلیمان ''چوئل'' میں لاکر دفن کر دیا گیا جو کہ بالکل صحیح حالت میں تھے۔

اسی طرح ہمارے مرشد کریم سلطانُ الفقراءٗ قلندرِ وقت، مجدّدِ وقت، آلِ رسول، حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ بخاری المعروف بابا بنوں والی سرکار رحمۃ اللہ علیہ کا 28 اپریل 1992ء کو وصال ہوا۔ انکے بڑے فرزندار جمند صاحبزادہ سیّد محمد نواز شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا 23 دسمبر 1995ء کو وصال ہوا۔ دونوں کو انکے آبائی قبرستان ڈھیری قلعہ سیدان بخاری میں دفنا دیا گیا تھا۔ علاقہ میں رقبے کے تنازعہ کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین فرزندار جمند حضرت خواجہ سیّد محمد بخاری شاہ صاحب مدظلہ العالی کو دو بار باطنی اشارہ ہوا کہ مجھے یہاں سے نکال کر پنجاب میں منتقل کر دیا جائے۔ جگہ کی نشاندہی بھی کر دی گئی۔

آخرکار 22 سال بعد اَمرِ ربی کے تحت آپ سرکار رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے پہلوؤں میں مدفون بڑے بیٹے کے ساتھ قبر کشائی کر کے باہر نکالا گیا آپکی لحد مبارک سے خوشبوؤں کے فوارے پھوٹ پڑے۔ دونوں کا جسم مبارک بالکل صحیح سلامت، تروتازہ اور معطّر تھا۔ دونوں کے کفن مبارک بالکل تازہ حالت میں تھے یہاں تک کہ یکم دسمبر 2014ء شبِ سوموار دونوں اجسادِ خاکی کو بنوں (خیبر پختونخواہ) سے بذریعہ ایمبولینس کوٹ ادو ہیڈ وَتّو والا رات 4 بجے لاکر سینکڑوں عقیدت مندوں کی موجودگی میں اپنی نئی آرام گاہوں میں رکھا گیا۔

خدا کی کروڑوں رحمتیں ہوں اُن پاک ہستیوں پر جنہوں نے اس عارضی اور فانی زندگی میں نام الٰہی بلند کیا۔ شریعتِ محمدیؐ کو زندہ کیے رکھا۔ جبکہ اللہ کریم نے بھی اپنے وعدے کے مطابق (فَاذْكُرُونِیٓ اَذْكُرْكُمْ کے تحت) قیامت تک ان کا نام زندہ کر دیا۔ واہ! یہ زمین بھی ہمیشہ کیلئے رشک افلاکیاں بن کر رحمت الٰہی کا مرکز ٹھہری۔ بقول رومی رحمۃ اللہ علیہ:

خاکِ گور از مردِ حق یابد شرف   تا نہد بر گورِ اُو دل رُوی و کف

(ایک مردِ خدا کی وجہ سے قبر کی مٹی بھی عزت مآب بن جاتی ہے۔ قبر دل و جان سے اِس مردِ حق کے نیچے پیار سے اپنا منہ اور ہتھیلی بچھا دیتی ہے۔)

جیلانی و بسطامی و بغدادی لقب ہے   زندہ کیا پنجاب کو ہجویری نسب ہے
دل زندہ فقط اُس کی غلامی کے سبب ہے   ہے دولتِ انوارِ مُحبت کا خزانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ
(شیر محمد شاہین)

منقبت پیرِ کامل بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی

اک مردِ قلندر ہمہ اوصاف یگانہ دیتا ہے نگاہوں سے حقیقت کا خزانہ
وہ آلِ محمدؐ وہ سخاوت کا گھرانہ بیعت تو ہے تقسیم ولایت کا بہانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

وہ غوث زماں اور ہدایت کا دہانہ وہ فقر و ولایت کہ ہے یکتائے زمانہ
تصویرِ محمد ہے وہ مرشد کا دیوانہ فیضانِ ولایت کہ جہاں میں ہے یگانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

وہ قوّتِ باطل کو بناتا ہے نشانہ راکب اسی کشتی پہ ہیں ابنائے زمانہ
بن جاتا ہے ابدال جو ہوتا ہے نشانہ لگتا ہے وہ ترویج حقائق میں یگانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

جیلانؔی و بُسطامؔی و بغدادؔی لقب ہے زندہ کیا پنجاب کو ہجویرؔی نسب ہے
دل زندہ فقط اسکی غلامی کے سبب ہے وہ دولتِ انوار محبّت کا خزانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

اس دَر کی غلامی سے ہی ملتی ہے امیری حاصل ہوئی اس دَر سے ہی سالک کو فقیری
مضمر ہے اسی فقر میں تاثیرِ شبّیری اربابِ نظر ہی کو ہے اس دَر کا یارانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

وہ حسن و فراست کے نگر کا ہے سکندر اسرارِ طریقت کی اداؤں میں قلندر
وہ علم و یقین نورِ محبّت کا سمندر توحید و رسالت کا لبوں پہ ہے ترانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

ہے خنجر تسلیم و مؤدت سے وہ گھائل سلجھاتا نگاہوں سے ہے پیچیدہ مسائل
اس در سے تو جاتا نہیں خالی کوئی سائل رحمت سے وہ سرشار ہے شہکارِ زمانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

صورت میں ملاحت تو فصاحت میں سمندر ہے جانِ طریقت وہ کرم کیش قلندر
ملت کا مجدّد ہے جلالت میں سکندؔر شہبازؔؒ کے نائب کا ہے دلچسپ فسانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

وہ واقفِ اسرار رہِ حسن پیمبرؐ سرکارؒ کی اُمت کا حسین قائد و رہبر
پہنچا کوئی در ماندہ و بیمار جو دَر پر بخشا اسے دارین کی دولت کا خزانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ
وہ جامیؒ و رومیؒ و معینیؒ کا نواساز گلہائے سمر قند و بخارا کا ادا ساز
وہ مظہرِ انوارِ ولایت کا وفا ساز شاہینؔ کے لبوں پہ رہا اس کا ہی ترانہ
بنوں والی سرکار کا قائل ہے زمانہ

شیر محمد شاہین

تعارف مصنف

فاضل مصنّف صوفی شیر محمد بزدار خاص علاقہ ''ہنگلون گچھ'' ٹرائیبل ایریا تحصیل تونسہ شریف جنوری 1960ء میں ایک نہایت غریب اور اَن پڑھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حاجی خان جن کا سایہ بچپن ہی سے اِن کے سر سے اُٹھ گیا۔ اِن کا تعلّق تمن بزدار کے ''بُنگانی غلامانی'' قبیلہ سے ہے۔ والدہ کی زیرِ کفالت قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم ''سکنڈی پشت منجھویل'' سے حاصل کی پھر تلاشِ علم کیلئے ملتان جیسے علم وادب کے گہوارے میں جا پہنچے۔ ملتان شہر کے نواح میں گورنمنٹ ہائی سکول نواب پُور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ساتھ ساتھ ایک دینی درسگاہ مدرسہ غوثیہ میں ایک جیّد اور عالمِ باعمل مولانا محمد اسحاق بجرانی بزدار کی زیرِ تربیت ابتدائی دینی علوم (عربی وفارسی) حاصل کئے۔ تب تلاشِ روزگار کے لئے تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازیخان مئی 1982ء محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی بیشتر سروس تُمن لغاری فورٹ منرو میں گزاری۔ اس دوران بہاؤالدین زکریاؒ یونیورسٹی ملتان سے B.Ed اور M.A کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس وقت بطور ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول ''سردارقلات'' بارتھی تمن بزدار ٹرائیبل ایریا تحصیل تونسہ شریف میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔

بحکم مرشد آبائی علاقہ سے ہجرت کر کے تونسہ شریف شہر خواجہ ٹاؤن میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ہر سال مارچ میں اپنا سالانہ پروگرام بڑے اہتمام سے مناتے ہیں صاحب موصوف نے بوسیلہ ایک خواب 3 اگست 1986ء چھبّیس (26) سال کی عمر میں خود حاضر ہو کر بمقام آستانہ عالیہ کوٹ ادو بابا بنوں والی سرکار مدظلہُ العالی سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور اکتسابِ فیض کا مکمّل تہیّہ کر لیا۔ شریعتِ محمّدی میں داخل ہو کر بہت جلد داڑھی اور زلفوں کی نعمت عظمٰی سے سرفراز ہوئے چنانچہ 4 اکتوبر 1987ء کو سالانہ عرس مبارک بنوں شریف بعد نماز ظہر پیر بھائیوں کے جم غفیر میں ذکر الٰہی کے ساتھ صوفی صاحب کو مرشد کریم مدظلہُ العالی نے دستار بندی کر کے خلافت عنایت کی۔

مورخہ 30 اکتوبر 1987ء بموقعہ سالانہ عرس مبارک کوٹ ادو اپنی دستار مبارک عنایت فرما کر دعائے خیر سے نوازا۔ 8 جون 1988ء کو بمقام آستانہ عالیہ بنوں شریف قبل از روانگی حج مبارک خرقہ فقر پہنا کر ارشاد فرمایا کہ بچہ! ابرار سے لے کر غوثِ وقت تک سب اللہ والے اِسی جُبّہ کے نیچے پھرتے ہیں۔ ہمت کرو اور اللہ اللہ کرو۔ خداوند کریم ایک دن ضرور آپ کو مقاماتِ فقر سے نوازے گا۔ ہم سے جو کچھ ہوتا تھا ہم نے کر لیا آگے خدا کا فضل وکرم اور آپ کی اپنی ہمت ہے ہماری دعا ہر وقت آپ کے ساتھ ہے۔

16 جون 1989ء کو سالانہ عرس مبارک ''کھر'' فورٹ منرو ضلع ڈیرہ غازیخان بروز جمعۃ المبارک بعد نمازِ فجر

مرشد کریم مدظلہٗ العالی نے صوفی صاحب پر نظرِ عنایت کرتے ہوئے بیعت کی اجازت فرما کر طریقت چلانے کا حکم صادر فرمایا۔ نیز فرمایا کہ بچہ! ہمیں اپنے مرشد کریم نے چودہ سال کی خدمت کے بعد خلافت اور مزید 3 سال بعد! بیعت کرنے کی اجازت بخشی تھی اور آپ کو اس قلیل وقت میں بیعت کی اجازت اس لئے دی جارہی ہے کہ ہم سیّد ہیں اور سیّد کے دروازے پر بہت جلد سب کچھ مل جاتا ہے۔ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا کہ:

؎ اَے نقشبندِ عالم نقشے مرا بہ بند　　نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

دراصل صاحبِ موصوف جونہی پیرومرشد کے مرید ہوئے فوراً کتابی علوم سے نہ صرف روگردانی کی بلکہ ایک ضخیم لائبریری رکھتے ہوئے سارا کتب خانہ ہی نیلام کر کے صرف خدمتِ مرشد اور تسبیح و مصلّٰی اختیار کرلیا۔ شادی اور تعلیمی پراگریس تک کو پس پشت ڈالا۔ بقول رومیؒ:

؎ صد کتاب و صد ورق در نار کن　　خویشتن را جانب دِلدار کن

اس لیے مرید ہونے کے چند ماہ بعد عشق مرشد سے سرشار ہوکر جو بھی لفظ مرشد کریم مدظلہٗ العالی کی شیریں زبان مبارک سے نکلتا قلمبند کرنا شروع کیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے مختصر مدّت میں ایک مکمّل کتاب مرتب ہوئی جو ہر طرح سے ایک اعلیٰ کتابی معیار پر ہے۔ یہاں تک کہ 11 اپریل 1992ء کو صوفی صاحب نے یہ کتاب (تجدیدِ فقر) پیرو مرشد کی خدمت میں پیش کر کے دونوں جہانوں کے لئے وسیلہ نجات حاصل کرلیا۔ دادِ قسمت یہ کہ پیرو مرشد نے موقع پر ہی خود اِسے شرفِ قبولیت دے کر دربارِ عالیہ سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ پر مزید صوفی صاحب کو اپنا جُبّہ مبارک عنایت فرما کر معرفتِ الٰہی کے لئے خصوصی دعا و توجہ فرمائی۔ اس جگہ مجھے حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدّین اولیاؒ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ بات یاد آرہی ہے جو انہوں نے ''راحت القلوب'' میں اپنے پیرو مُرشد حضرت خواجہ فریدالدّین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ مبارک نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا ''جب مُرید کچھ اپنے پیر کی زبانی سنے اور اُسے لکھ لے تو ہر حرفِ نوشتہ کے بدلے ہزار سال کی اطاعت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا مقام عِلّیّین میں ہوگا۔'' دُعا ہے کہ خداوند کریم قیامت تک مریدین و عاشقین کے لیے اِنہیں مینارۂ نور بنادے۔ آمین۔

ڈاکٹر عبدالشکور جاوید نقشبندی (کوٹ ادو)

اَعراس مبارک مشائخ عُظّام سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجدّدیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

نمبر شمار	اسماء گرامی	مدفن	وصال
1	امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ	مدینہ منورہ در حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	8 جون 632ء بمطابق 12 ربیع الاول سن 11ھ
2	حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	مدینہ منوّرہ در پہلوئے مصطفیٰ ﷺ	22 جمادی الثانی 13ھ
3	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	مدائن	10 رجب المرجب 33ھ
4	حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	(مشلّل) مدینہ منوّرہ: سعودی عرب	24 جمادی الاوّل 107ھ
5	حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ	مدینہ منوّرہ: سعودی عرب	15 رجب المرجّب 148ھ
6	حضرت شیخ بایزید بسطامی طیفوری رحمۃ اللہ علیہ	بسطام (فارس): ایران	15 شعبان المعظّم 261ھ
7	حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ	خرقان نزد بسطام: ایران	10 محرّم الحرام 425ھ
8	حضرت بوعلی فاریمدی طوسی رحمۃ اللہ علیہ	(طوس): ایران	4 ربیع الاوّل 477ھ
9	حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	(مرو): ہرات	27 رجب المرجّب 535ھ
10	حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ	(غجدوان): بخارا	12 ربیع الاوّل 575ھ
11	حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ	(ریوگر): بخارا	یکم شوال المکرّم 616ھ
12	حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رحمۃ اللہ علیہ	(فغنہ بند): بخارا	17 ربیع الاوّل 717ھ
13	حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ	(خوارزم): ایران	11 ذوالقعد 721ھ
14	حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ	(سماس بنہ): بخارا	10 جمادی الثانی 755ھ
15	حضرت خواجہ سیّد شمس الدین امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ	(سوخار): بخارا	8 جمادی الاوّل 772ھ
16	حضرت خواجہ سیّد بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ	(قصرِ عارفاں): بخارا	3 ربیع الاوّل 791ھ
17	حضرت خواجہ علاؤالدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ	(جغانیاں): ماوراٗالنہر	18 رجّب المرجّب 802ھ
18	حضرت خواجہ یعقوب بن عثمان چرخی رحمۃ اللہ علیہ	(حصار): ماوراٗالنہر	5 صفر المظفر 851ھ
19	حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ	(سمرقند): بخارا	29 ربیع الاوّل 895ھ
20	حضرت خواجہ محمد زاہد وخشی رحمۃ اللہ علیہ	(وخش) حصار: ماوراٗالنہر	یکم ربیع الاوّل 936ھ
21	حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ	(سفرہ): ماوراٗالنہر	19 محرّم الحرام 970ھ
22	حضرت خواجہ محمد امکنگی رحمۃ اللہ علیہ	(امکنگ بسہ): بخارا	22 شعبان المعظّم 1008ھ
23	حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ	(قطب روڈ) دہلی: ہندوستان	26 جمادی الثانی 1012ھ

24	امام ربّانی مجددؒ الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	(سرہند شریف): ہندوستان	28 صفر المظفّر 1034ھ
25	عُروۃُ الوُثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	(سرہند شریف): ہندوستان	9 ربیع الاوّل 1079ھ
26	حُجۃُ اللہ حضرت خواجہ محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ	(سرہند شریف): ہندوستان	29 محرّم الحرام 1114ھ
27	حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	(سرہند شریف): ہندوستان	4 ذوالقعد 1152ھ
28	حضرت خواجہ محمد اشرف مدنی رحمۃ اللہ علیہ	مدینہ منورہ	11 رجب المرجّب 1180ھ
29	حضرت خواجہ حافظ سیّد جمال اللہ رام پوری رحمۃ اللہ علیہ	(رام پور): ہندوستان	3 صفر المظفّر 1209ھ
30	حضرت خواجہ سیّد محمد عیسیٰ گنڈاپوری رحمۃ اللہ علیہ	(گنڈاپور): پاکستان	7 ذوالحجہ 1220ھ
31	حضرت خواجہ محمد فیض اللہ تیراہی رحمۃ اللہ علیہ	(تیراہ شریف): پاکستان	20 ربیع الاوّل 1245ھ
32	حضرت خواجہ نور محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ	(چورہ شریف): پاکستان	12 شعبان المعظّم 1286ھ
33	حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ	(چورہ شریف): پاکستان	29 محرّم الحرام 1315ھ
34	حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ	(راول پنڈی): پاکستان	28 صفر المظفّر 1355ھ
35	زرّیں زر بخت حضرت خواجہ صوفی نواب الدّین رحمۃ اللہ علیہ	(موہری شریف): پاکستان	24 ربیع الاوّل 1385ھ 12 جولائی 1965ء
36	سُلطانُ الفُقرا حضرت خواجہ سیّد محمد گل حواص شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	(کوٹ ادو): پاکستان	24 شوال المکرّم 1412ھ 28 اپریل 1992ء
37	امام الصّابرین حضرت خواجہ سیّد محمد نواز شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	(کوٹ ادو): پاکستان	29 رجب المرجّب 1416ھ 23 دسمبر 1995ء

(ماخوذ از کُتبِ سیئر و التاریخ)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

☆اے ابوذر رضی اللہ عنہ کشتی نئی بنا اس واسطے کہ دریا گہرا ہے۔

☆توشہ پورا لے اس واسطے کہ سفر دور کا ہے۔

☆بوجھ ہلکا کر اس واسطے کہ گھاٹی بہت سخت ہے۔

☆عمل خالص کر اس واسطے کہ پرکھنے والا دانا ہے۔

(منبہات ابن حجر)

کتابیات

(1) فخر الدّین، مولوی، فخر العلماء: تفسیرِ حسینی مترجم مکمّل اردو، کراچی نمبر 2، مکتبہ سعید ناظم آباد، س ن۔

(2) محمد ثناء اللّٰہ عثمانی مجدّدی پانی پتیؒ، قاضی، علاّمہ، حضرت: تفسیرِ مظہری مکمّل اردو، (ترجمہ متن ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)، ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔

(3) سیّد محمد نعیم الدّین مراد آبادی، حضرت صدر الافاضل: خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، لاہور، ضیاۓ القرآن پبلی کیشنز، س ن۔

(4) محمد کرم شاہ الازہریؒ، پیر: ضیاۓ القرآن، لاہور، ضیاۓ القرآن پبلی کیشنز، رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ۔

(5) شہاب الدّین احمد بن علیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ: فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، لاہور، دار نشر الکتب الاِسلامیہ پاکستان، 1981ء۔

(6) احمد یار خان نعیمیؒ بدایونی، حکیم الامّت، مولانا، مفتی: مرأۃ المناجیح (ذوالمرأت) اردو (ترجمہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، س ن۔

(7) جلال الدّین، امام، سیوطی، شافعیؒ: الخصائص الکبریٰ فی معجزات خیر الوریٰ مکمّل (اردو)، (مترجم مفتی سیّد غلام معین الدّین نعیمیؒ)، لاہور، مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ، 2006ء۔

(8) ذکی الدّین عبد العظیم المنذریؒ، حافظ امام: الترغیب والترہیب مکمّل (اردو)، (مترجم محمد صابر علی صابر پولٹن انگلینڈ)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جنوری 2005ء۔

(9) محمد عطیہ حارثی المکی، ابو طالب، شیخ: قُوْتُ القلوب مکمّل (اردو)، (مترجم محمد منظور الوجیدی)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز، ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ۔

(10) اکبر محی الدّینؒ محمد بن علی الہاتمی الاُندلسی الدمشقی: شیخ، فصوص الحِکَم (مترجم اردو مولانا محمد عبد القدیر صاحب صدیقی)، لاہور، نذیر سنز پبلشرز ۴۰ اے اردو بازار، 1988ء۔

(11) ابو بکر کلابازی، امام: التَّعَرُّفُ لِمَذْهَبِ اَهْلِ التَّصَوُّفِ (مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن)، لاہور، تصوف فاؤنڈیشن شمن آباد، س ن۔

(12) سراج طُوسیؒ، ابو النصر: کتاب اللّمع فی التصّوف (اردو)، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی۔

(13) عبد الکریم بن ہوازن القشیری، ابو القاسم، امام: الرّسالۃ القشیریہ (اردو)، لاہور، مکتبہ رحمانیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، س ن۔

(14) عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ، حضرت غوث الاعظم، سیدنا: فتوحُ الغیب (اردو)، مترجم مولانا زبیر افضل عثمانی، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ، 1984ء۔

(15) امام غزالیؒ، حجۃ الاسلام: احیاءُ العلوم مکمّل اردو ترجمہ مذاق العارفین، لاہور، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، س ن۔

(16) غزالیؒ، امام: کیمیائے سعادت (اردو)، مترجم پروفیسر عبدالحمید یزدانی ایم اے، لاہور، ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، 1983ء۔

(17) امام غزالیؒ، حجۃ الاسلام، حضرت: اَلْمُنقِذُ مِنَ الضَّلَالِ (اردو)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ، س ن۔

(18) عبدالوہاب الشُعرانی، سیّدی: اَلیَوَاقِیتُ وَالجَوَاهِرُ فِی بَیَانِ عَقَائِدُالاَکَابِرُ، (مترجم صاحبزادہ پیر سیّد محمد محفوظ الحق شاہؒ، چشتی، لاہور، نوریہ رضویہ پبلی کیشنز۔ 11۔ گنج بخش روڈ، جنوری 2012ء۔

(19) علی ہجویری، داتا گنج بخشؒ، حضرت: کشف المحجوب (اردو)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔

(20) ابن قیمؒ، حافظ، امام: اَلْوَابِلُ الصَّیِّبُ مِنَ الْکَلِمِ الطَّیِّبُ (اردو ترجمہ ذکر الٰہی)، لاہور، بُستانِ ادب، س ن۔

(21) عبداللہ بن اسعد یافعیؒ، امام: رَوْضُ الرَّیَاحِین اردو (بزمِ اولیاء) (مترجم علامہ بدرالقادری ہالینڈ)، لاہور، اکبر بک سیلرز زبیدہ سنٹر۔ 40۔ اردو بازار، 2006ء۔

(22) جلال الدّین سیوطیؒ، علامہ: شرحُ الصّدور (اردو)، (ترجمہ از علاّمہ محمد فیض احمد اویسیؒ)، لاہور، شبیر برادرز، زبیدہ سنٹر۔ 40۔ اردو بازار۔

(23) الشیخ احمد سرہندیؒ، اَلف ثانی، مجدّد، حضرت: مکتوبات امام ربّانی مکمّل (اردو)، (مترجم مولانا محمد سعید احمد صاحب نقشبندی)، کراچی نمبر 1، مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ، 1970ء۔

(24) احمد بن مبارک، سلجماسی: اُمّی ولی، اردو، سوانح وارشادات، کرامات، شیخ عبدالعزیز دبّاغ، (ترجمہ از سیّد مشتاق حسین شاہ)، لاہور، ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، ۱۴۱۲ھ۔

(25) فریدالدّین عطّارؒ، حضرت شیخ: تذکرۃُ الاولیاءَ (اردو) مترجم السیّد عطر شاہؒ، لاہور، شیخ غلام حسین اینڈ سنز اردو بازار، جولائی 1977ء۔

(26) فریدالدّین عطّارؒ، شیخ: پندنامہ فارسی، ملتان، مکتبہ شرکتِ علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ، 1969ء۔

(27) محمد بن علیؒ، فریدالدّین: دیوانِ شمس تبریزؒ و عطارؒ، لاہور، اللہ والے کی قومی دکان رجسٹرڈ کشمیری بازار، 1961ء۔

(28) سنائی حکیمؒ، مقتدیٔ العلماء والمتصوّفین: حدیقۂ سنائی، قندھار، افغانستان، حاجی محمد رفیق و حاجی نعمت اللہ تاجران کتب بازار ادگ، ۱۰۳۸ھ۔

(29) جلال الدّین رومیؒ قدس سرہٗ، حضرت مولانا: مثنوی مولوی روم معہ شرح حضرت بحرالعلوم، پشاور، رحمٰن گل پبلیشرز محلّہ جنگی قصّہ خوانی، س ن۔

(30) محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی مجدّدیؒ، حضرت مولانا، مولوی: مفتاحُ العلوم (شرح مثنوی مولانا رومؒ)، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب، صفر المظفر ۱۳۴۴ھ۔

(31) جلال الدّین رومیؒ، مولانا: فِیْہِ مَا فِیْہِ (ملفوظات رومی)، مترجم عبدالرشید تبسّم، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ، 2000ء۔

(32) شبلی نعمانیؒ، شمس العلماء، مولانا: سوانح مولوی رومؒ، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، س ن۔

(33) عبدالحکیم، خلیفہ: حکمتِ رومی، لاہور، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۲۔ کلب روڈ، س ن۔

(34) شہابُ الدّین، سہروردیؒ، شیخ الشیّوخ، حضرت: عوارف المعارف (اردو) مترجم حضرت شمس بریلویؒ، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم اے جناح روڈ، اپریل 1977ء۔

(35) شرف الدّین: مثنوی بوعلی شاہ قلندرؒ، کراچی، امین برادرس، تاجران کتب آرام باغ روڈ، س ن۔

(36) شمس الدّین، حافظ شیرازیؒ: دیوانِ حافظؒ (مترجم قاضی سجّاد حسین)، لاہور، فرید بک سٹال، اردو بازار، س ن۔

(37) مُصلحُ الدّین، سعدی شیرازیؒ، شیخ: گلستان مترجم، ملتان، فاروقی کتب خانہ، جنوری 1990ء۔

(38) مُصلحُ الدّین، سعدی شیرازیؒ، شیخ: بوستان، ہندوستان، ناشر منشی نول کشور، چوک انارکلی، س ن۔

(39) نظامی، گنجویؒ: سکندر نامہ فارسی، ہندوستان، در مطبع قیومی، کانپور کلکتہ، ۱۳۳۴ھ۔

(40) عبدالرحمٰن صفوری، شافعیؒ، حضرت مولانا: نُزہۃُ المجالس (اردو)، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک، جولائی 1973ء۔

(41) ابواللّیث سمرقندیؒ، فقیہہ: تنبیہ الغافلین مکمّل (اردو مترجم محمد اعظم سعیدیؒ)، کراچی، ضیاُ الدّین پبلی کیشنز نزد شہید مسجد کھارادر، س ن۔

(42) سلطان باہوؒ، حضرت، سخی، سُلطان العارفین: عین الفقر مع ترجمہ اردو از سیّد امیر خان نیازی، لاہور، العارفین پبلی کیشنز وحدت روڈ۔

(43) سلطان باہوؒ، حضرت، سخی، سلطان العارفین: شمس العارفین مع ترجمہ اردو از سیّد امیر خان نیازی، لاہور، العارفین پبلی کیشنز وحدت روڈ۔

(44) سلطان باہوؒ، حضرت، سخی: نورُالہُدیٰ (مترجم سیّد امیر خان نیازی)، لاہور، پاکستان، العارفین پبلی کیشنز (رجسٹرڈ)۔

(45) سلطان باہوؒ، سلطان العارفین، حضرت: ابیاتِ باھُوؒ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ۔

(46) شمس الدّین چشتی، علاّمہ: ہَشت بہشت (ملفوظات اولیائے چشت اردو)، لاہور، اکبر بک سیلرز زبیدہ سنٹر۴۰ اردو بازار، س ن۔

(47) الٰہی بخش، محمد جلالُ الدّین، شیخ: مثنوی خواجہ باقی باللّٰہ صاحب، لاہور، دارِ اسلامیہ سٹیم پریس، ۱۳۳۳ھ۔

(48) محمد داراشکوہ، شاہزادہ: سفینۃ الاولیاء فارسی، پشاور، رحمٰن گل پبلشرز، ڈھکی نعلبندی قصہ خوانی، س ن۔

(49) امیر خسروؒ: قصص الانبیاء اردو، لاہور، عظیم اینڈ سنز پبلشرز بک سیلرز، الکریم مارکیٹ اردو بازار، س ن۔

(50) محمد حسین للّٰہی، صاحبزادہ: تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ (اردو ترجمہ نافع السالکین)، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز 1994ء۔

(51) قیس فریدی (ترتیب وصحت): دیوانِ فرید، ملتان، جھوک پبلشرز قلعہ کُہنہ قاسم باغ روڈ بیرون بوہڑ گیٹ، 1992ء۔

(52) شاہ ولی اللّٰہ محدّث دہلویؒ، حضرت: انفاس العارفین (فارسی)، ملتان، کتب خانہ حاجی مشتاق احمد اینڈ سنز اندرون بوہڑ گیٹ، س ن۔

(53) شاہ ولی اللّٰہ دہلویؒ، محدّث: ارمغانِ شاہ ولی اللّٰہ اُردو (مُرتب پروفیسر محمد سرور)، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ، 1986ء۔

(54) عبدالحق محدث دہلویؒ، شیخ: اخبارُ الاخیار (اردو)، کراچی، دارُالاشاعت اردو بازار، 1997ء۔

(55) جے آر پوری، ٹی آر شنگاری، تصحیح وتخریج یوسف مثالی: سائیں بلھے شاہؒ، لاہور، مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار، س ن۔

(56) محمد حسیب القادری: سیرت حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ، لاہور، ناشر اکبر بک سیلرز، زبیدہ سنٹر۔40۔اردو بازار، س ن۔

(57) اقبالؒ: کُلیاتِ اقبال فارسی طبع چہاردہم، لاہور، اسد پبلی کیشنز 199۔سرکلر روڈ (شیخ غلام علی اینڈ سنز)، 1990ء۔

(58) اقبالؒ: کُلیّاتِ اقبال اردو اشاعت ہفتم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، نومبر 1986ء۔

(59) محمد اقبالؒ، علاّمہ: تاریخِ تصوف، لاہور، مکتبہ تعمیرِ انسانیت، اردو بازار، مارچ 1985ء۔

(60) نسیم اِمروہوی، حضرت: فرہنگِ اقبال فارسی، لاہور، اظہار سنز۔

(61) محمد عبداللّٰہ قریشی: حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں، لاہور، بزمِ اقبال، اپریل 2001ء۔

(62) شبلی نعمانیؒ، مولانا: شعر العجم مکمّل، لاہور، کتب خانہ انجمن حمایتِ اسلام، س ن۔

(63) حالیؒ،مولانا الطاف حسین: مسدّسِ حالی، لاہور، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، س ن۔

(64) عالم الدّینؒ ، قاضی: کنز القدیم فی آثارِ الکریم (حالات و ملفوظات حضرت خواجہ حافظ عبدالکریم نقشبندی مجدّدیؒ)، لاہور، شبیر برادرز 40 اردو بازار، ۱۳۵۵ھ۔

(66) محمد یوسف نبہانیؒ، علاّمہ، امام المحققین: جامع کراماتِ اولیا اردو، (ترجمہ پروفیسر سید محمد ذاکر چشتی سیالوی)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، مئی 2014ء۔

(66) محمد نور بخش، توکّلیؒ ایم اے، علاّمہ: تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ، گجرات، فضل نور اکیڈمی چک سادہ شریف، 1970ء۔

(67) محمد عبدالرسول للّہیؒ، صاحبزادہ، پروفیسر: تاریخ مشائخ نقشبندیہ، لاہور، زاویہ فاؤنڈیشن 8.C دربار مارکیٹ۔

(68) محمد صادق، قصوریؒ، تاریخ مشائخ نقشبند، لاہور، زاویہ پبلشرز، ۶ مرکز الاولیس دربار مارکیٹ۔

(69) مسعود بن یوسف سمرقندیؒ، شیخ، فاضلِ بے بدل: صلوٰۃِ مسعودی فارسی ج ۱، بمبئی، مطبع کریمی، ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ۔

(70) محمد امجد علیؒ، مولانا، حضرت: بہارِ شریعت مکمّل، لاہور، مشتاق بک کارنر اردو بازار، س ن۔

(71) محمد عبدالصمدؒ، حضرت خواجہ شاہ فریدی فخری چشتی: اصطلاحاتِ صوفیہ، لاہور، مکہ بکس 5۔ بخشی سٹریٹ بیرون موری دروازہ، س ن۔

(72) محمد ذوقی، حضرت شاہ سیّد: سرِّ دلبراں، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب غزنی سٹریٹ اردو بازار۔

(73) انوار الحسن گوہل، خادم، فقیر: انوارِ بخاری، ملتان، صدیقیہ پریس بیرون بوہڑ گیٹ، س ن۔

(74) شاہد حسن خان، نقشبندی: برکاتِ نقشبند، کوٹ ادو پرنٹنگ پریس، جولائی 1988ء۔

(75) فیروز الدّینؒ، مولوی الحاج: فیروز اللغّات فارسی، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ پرنٹرز۔ پبلشرز۔ بک سیلرز، 1970ء۔

(76) فیروز الدّینؒ، الحاج، مولوی: جامع فیروز اللغّات اردو، دہلی، فرید بک ڈپو لمیٹڈ اردو مارکیٹ، 1987ء۔

(77) مقبول بیگ، بدخشانی: وحید قریشی، ڈاکٹر: فیروز اللغات فارسی، اردو، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ۔

(78) شان الحق، حقّی: فرہنگِ تلفّظ، پاکستان، مقتدرہ قومی زبان۔

............☆☆☆............☆☆☆............☆☆☆............

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلوۃ التسبیح پڑھنے کا طریقہ

چار رکعت نفل صلوۃ التسبیح کی نیت کرنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر سبحانک اللھم تا ولا الہ غیرک پڑھے۔ پھر یہ پندرہ بار پڑھے۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اس کے بعد تعوذ، تسمیہ، سورہ فاتحہ اور قرات (آگے سورتوں کی نشاندھی کی گئی ہے) پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھے۔ تب رکوع کرے۔ رکوع میں بھی دس بار یہی پڑھے۔ پھر رکوع سے سر اٹھائے۔ بعد تسبیح و تحمید قومہ میں دس بار پڑھے پھر سجدہ کو جائے۔ اس میں بھی دس مرتبہ پڑھے۔ جلسہ میں بھی دس بار پڑھے پھر دوسرے سجدہ میں بھی دس بار نیز ہر رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم و سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کے بعد تسبیح مذکورہ پڑھے۔ اس طریقے سے چار رکعت پوری کرے۔ دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی تعوذ سے پہلے پندرہ بار پڑھے۔

اس طرح ہر رکعت میں تسبیحات کی تعداد پچھتر ہوئی۔ چاروں میں تین سو مکمل کرنی ہے۔ چاروں رکعتوں میں بالترتیب بروایت حضرت ابن عباسؓ درج ذیل سورتیں پڑھنی چاہئیں۔

1- سورۃ التکاثر 2- سورۃ العصر 3- سورۃ الکافرون 4- سورۃ الاخلاص۔ (اس نماز کے سبب سے نمازی کے تمام گناہ پہلے اور پچھلے پرانے اور نئے دانستہ اور نادانستہ چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر سب بخشدیئے جاتے ہیں اس نماز کو آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ اپنے چچا کو سکھلایا تھا۔ اور بیان فرما کر فضائل مذکورہ کے اخیر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہارے گناہ کف سمندر کے برابر ہوں تو بھی اللہ کریم معاف فرمائے گا۔ غایۃ الاوطار

نوٹ: سجدہ سہو کی صورت میں تسبیحات مکرر نہ پڑھے۔ اور تسبیحات کی کمی سجدے میں پوری کرے۔

(مرشد کامل بابا بنوں والی سرکار درود خضری (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم O) لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ و آصحابہ وسلم O اور صلوٰت التسبیح بہت زیادہ پڑھتے ہیں اور دوستوں کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے ہیں۔ خدا عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔)

ناقدانہ انداز میں لکھی ہوئی
مصنّف کتاب ھٰذا کی ایک اور نادر تصنیف
اسلامی اخلاق وآداب کا شاہکار
مدارس اسلامیہ اور مُحقق طلباً کے لئے انمول تحفہ
اسلامی تہذیب وثقافت کا عکاس
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شوکت علی سیالوی مدظلہ العالی کی تقریظ کے ساتھ
خصوصاً شاعر مشرق علامہ اقبالؒ اور بُلبُلِ شیراز شیخ سعدی شیرازیؒ کے الہامی کلام سے مزیّن
فَلسفۂ اَخلاق
مصنف ہذا کی ایک اور پیش کش، دورِ حاضر کی اہم ضرورت
ایک قومی اور معاشرتی المیہ
بنام "عدم برداشت"
قرآن وحدیث اور تاریخ کے آئینے میں زیر تکمیل ہے
از رشحات قلم
(ایم اے، ایم فل)
صوفی شیر محمد بزدار نقشبندی مُجدّدی
0333-6014850
0321-7381180
تونسہ شریف کے ہر بک سٹال پر دستیاب ہے
ملنے کا پتہ
صوفی شیر محمد بزدار نقشبندی اوتاک خواجہ ٹاؤن تونسہ شریف

مصنّف کتاب ھٰذا کی ''تجدید فقر''

کے علاوہ

ایک اور مُحقّقانہ انداز میں لکھی ہوئی

دلچسپ موضوعات

دورِ جدید میں ہر گھر کی ضرورت

صوفیانہ مباحث سے لبریز

پندرہ ابواب پر مشتمل کتاب

گلدستہ فقر
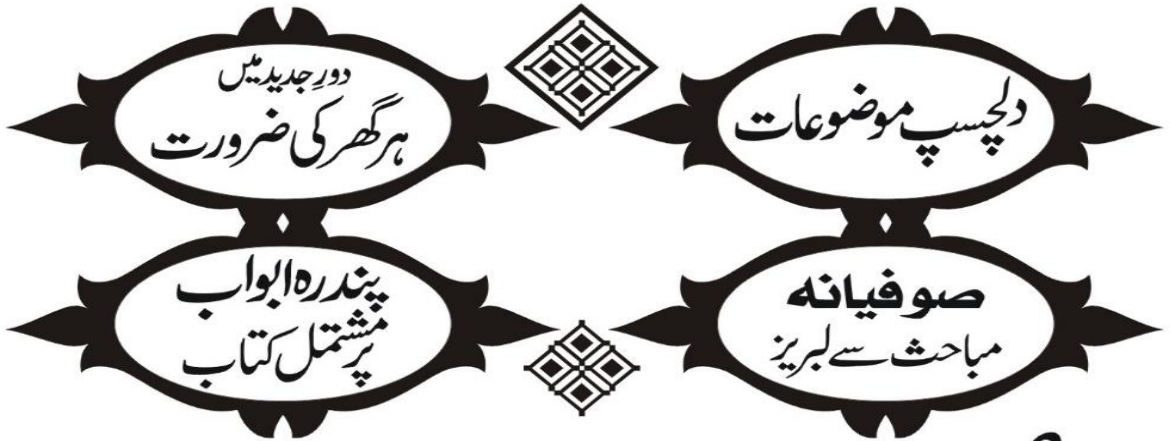
ضرور پڑھیئے

از رشحات قلم

صوفی شیر محمد بزدار (ایم اے، ایم فل)

0333-6014850 0321-7381180

تونسہ شریف کے ہر بک سٹال پر دستیاب ہے

صوفی شیر محمد بزدار نقشبندی اوتاک خواجہ ٹاؤن تونسہ شریف

تعارف مصنف

فاضل مصنف صوفی شیر محمد بزدار خاص علاقہ ہنگلان کچھ ٹرائیبل ایریا تحصیل تونسہ شریف جنوری 1960ء میں ایک نہایت غریب اوران پڑھ خاندان میں پیدا ہوئے والد کا نام حاجی خان جن کا سایہ بچپن ہی سے ان کے سر سے اُٹھ گیا ان کا تعلق تمن بزدار کے بنگانی غلامانی قبیلہ سے ہے والدہ کی زیر کفالت قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم سکنڈی پشت منجھویل سے حاصل کی پھر تلاش علم کے لیے ملتان جیسے علم وادب کے گہوارے میں جا پہنچے۔ ملتان شہر کے نواح میں گورنمنٹ ہائی سکول نواب پور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور ساتھ ساتھ ایک دینی درسگاہ مدرسہ غوثیہ میں ایک جید اور عالم باعمل مولانا محمد اسحاق بجرانی بزدار کی زیر تربیت ابتدائی دینی علوم (عربی و فارسی) حاصل کیے تب تلاش روزگار کے لیے تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازیخان مئی 1982ء محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کی بیشتر سروس تمن لغاری فورٹ منرو میں گزاری اس دوران بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے B.Ed اور M.A کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس وقت بطور ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول سردار قلات بارتھی تمن بزدار ٹرائیبل ایریا تحصیل تونسہ شریف میں اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔

بحکم مرشد آبائی علاقہ سے ہجرت کر کے تونسہ شریف شہر خواجہ ٹاؤن میں مستقل سکونت اختیار کی ہر سال مارچ میں اپنا سالانہ پروگرام بڑے اہتمام سے مناتے ہیں صاحب موصوف نے بوسیلہ ایک خواب 3 اگست 1986ئ چھبیس سال کی عمر میں خود حاضر ہو کر بمقام آستانہ عالیہ کوٹ ادو بابا بنوں والی سرکارؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور اکتساب فیض کا مکمل تہیہ کر لیا۔ شریعت محمدی ﷺ میں داخل ہو کر بہت جلد داڑھی اور زلفوں کی نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہوئے چنانچہ 4 اکتوبر 1987ء کو سالانہ عرس مبارک بنوں شریف بعد نماز ظہر پیر بھائیوں کے جم غفیر میں ذکر الٰہی کے ساتھ صوفی صاحب کو مرشد کامل نے دستار بندی کر کے خلافت عنایت کی مورخہ 30 اکتوبر 1987ء بموقع سالانہ عرس مبارک کوٹ ادو اپنی دستار مبارک عنایت فرما کر دعائے خیر سے نوازا 8 جون 1988ء کو بمقام آستانہ عالیہ بنوں شریف قبل از روانگی حج مبارک خرقہ فقر پہنا کر ارشاد فرمایا کہ بچہ! ابرار سے لے کر غوث وقت تک سب اللہ والے اسی جبہ کے نیچے پھرتے ہیں ہمت کرو اور اللہ کرو خداوند ایک دن ضرور آپ کو مقامات فقر سے نوازے گا ہم سے جو کچھ ہوتا تھا ہم نے کر لیا آگے خدا کا فضل و کرم اور آپ کی اپنی ہمت ہے ہماری دعا ہر وقت آپ کے ساتھ ہے۔

16 جون 1989ء کو سالانہ عرس مبارک کھر فورٹ منرو ضلع ڈیرہ غازیخان بروز جمعۃ المبارک بعد نماز فجر مرشد کریم نے صوفی صاحب پر نظر عنایت کرتے ہوئے بیعت کی اجازت فرما کر طریقت چلانے کا حکم صادر فرمایا نیز فرمایا کہ بچہ! ہمیں اپنے مرشد کریم نے چودہ سال کی خدمت کے بعد خلافت اور مزید 3 سال بعد بیعت کرنے کی اجازت بخشی تھی اور آپ کو اس قلیل وقت میں بیعت کی اجازت اس لیے دی جا رہی ہے کہ ہم سید ہیں اور سید کے دروازے پر بہت جلد سب کچھ مل جاتا ہے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ نے خوب فرمایا کہ

اے نقشبند عالم نقشے مرا بہ بند　　　　نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقشبند

دراصل صاحب موصوف جونہی پیرومرشد کے مرید ہوئے فوراً کتابی علوم سے نہ صرف روگردانی کی بلکہ ایک ضخیم لائبریری رکھتے ہوئے سارا کتب خانہ ہی نیلام کر کے صرف خدمت مرشد اور تسبیح و مصلی اختیار کر لیا شادی اور تعلیمی پراگریس تک کو پس پشت ڈالا بقول رومیؒ

صد کتاب و صد ورق درنار کن　　　　خویشتن را جانب دلدار کن

اس لیے مرید ہونے کے چند ماہ بعد عشق مرشد سے سرشار ہو کر جو بھی لفظ مرشد کریم کی شیریں زبان مبارک سے نکلتا قلمبند کرنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مختصر مدت میں ایک مکمل کتاب مرتب ہوئی یہاں تک کہ 11 اپریل 1992ء کو صوفی صاحب نے یہ کتاب پیرومرشد کی خدمت میں پیش کر کے دونوں جہانوں کے لیے وسیلہ نجات حاصل کر لیا۔ جو ہر طرح سے ایک اعلیٰ کتابی معیار پر ہے۔ داد قسمت یہ کہ پیرومرشد نے موقع پر ہی خود اسے شرف قبولیت دے کر دربار عالیہ سخی سرورؒ پر مزید صوفی صاحب کو اپنا جبہ مبارک عنایت فرما کر معرفت الٰہی کے لیے خصوصی دعا و توجہ فرمائی۔ خداوند کریم قیامت تک مریدین و عاشقین کے لیے انہیں مینارہ نور بنا دے۔ آمین۔

ڈاکٹر عبدالشکور جاوید نقشبندی (کوٹ ادو)